

الرنگار
اہل قلم کی ایک جماعت
زیر نظر

اُستاد محقق آیت اللہ العظمی ناصر مکارم شیرازی

تفسیر

ترجمہ
حضرت مولانا سید صفدر حسین نجفی مدظلہ

مصباح القرآن ٹرسٹ

اثر نگارش
اہلِ تسلیم کی ایک جماعت
زیرِ نظر
استاد محقق آیت اللہ العظمیٰ ناصر مکارم شیرازی

تفسیر نمونہ

Presented by: <https://jafrilibrary.com/>

جلد ۱۵

ترجمہ
حضرت مولانا سید صفدر حسین نجفی مدظلہ العالی

مصباح القرآن ٹرسٹ



جملہ حقوق بحق ادارہ محفوظ ہیں

تفسیر نمونہ (۱۵)	:	نام کتاب
آیت اللہ العظمی ناصر مکارم شیرازی	:	زیر نظر
حضرت مولانا سید صفدر حسین نجفی	:	مترجم
مصباح القرآن ٹرسٹ (لاہور)	:	ناشر
شوکت پرنٹرز لاہور	:	مطبع
اپریل 2012ء	:	اشاعت
پہلی مرتبہ	:	تعداد
	:	قیمت

اس کتاب کی اشاعت میں شیخ مہدی رضا صاحب نے تعاون فرمایا ہے خدا تعالیٰ ان کی توفیقات میں اضافہ فرمائے۔ اور ان کے خاندان کے مرحومین کے درجات بلند فرمائے۔ (آمین)

ادارہ

ملنے کا پتہ

قرآن سنٹر

۲۴۔ الفضل مارکیٹ اردو بازار، لاہور۔

042-37314311, 0321-4481214

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

عَرْضِ نَاشِر

قارئین محترم! السلام علیکم ورحمۃ اللہ -

الحمد للہ! مصباح القرآن ٹرسٹ — کلام حکیم اور عہدِ حاضر کی بعض عظیم تفاسیر و تالیفات کی نشر و اشاعت کے ایک عظیم مرکز کی حیثیت سے اب کسی تعارف کا محتاج نہیں ہے۔ اس کی یہ شہرت حق تعالیٰ کے فضل و کرم اور آپ حضرات کی تائید و اعانت کا ثمرہ ہے۔

اس ٹرسٹ نے اپنے آغازِ کار میں موجودہ دور کی شہر و آفاق تفسیر — تفسیر نمونہ — کو فارسی سے اردو زبان میں ترجمہ کر کے شائع کرنے کا منصوبہ بنایا اور پھر محسنِ ملت حضرت علامہ سید صفدر حسین نجفی قبلہ اعلیٰ اللہ مقامہ کی غیر معمولی مساعی، مالی معاونت کی فراخ دلانہ اعانت اور ادارہ کارکنان کی شبانہ روز محنت کی بدولت پانچ ہی سال کے قلیل عرصے میں کم و بیش دس ہزار صفحات پر محیط یہ تفسیر صدیقی و معنوی خوبیوں سے آراستہ تائیس جلدوں میں شائع کرنے کی سعادت حاصل کر لی۔ شکر اُللہ۔

اس ادارے نے نہ صرف تفسیر نمونہ کے عظیم منصوبے کو حیرت انگیز سرعت کے ساتھ پایا تکمیل تک پہنچایا بلکہ اس کے ساتھ ساتھ بیسیوں علمی کتب کے علاوہ سید العلماء السید علی نقی نقوی اعلیٰ اللہ مقامہ کی سات جلدوں پر مشتمل تفسیرِ فصل الخطاب شائع کی۔ اردو زبان کو پہلی مرتبہ تفسیرِ قرآن کے جدید المصوب سے روشناس کراتے ہوئے تفسیرِ موضوعی کے دو طویل سلسلوں یعنی ”پیامِ قرآن“ از آیت اللہ العظمیٰ ناصر مکارم شیرازی اور ”قرآن کا دائمی منشور“ از آیت اللہ جعفر سبحانی کی اشاعت کو بھی تیزی سے آگے بڑھا رہا ہے۔

تفسیری حواشی پر مشتمل ایک جلدی قرآن پاک عہدِ حاضر کے مقبول اردو تراجم کے ساتھ زیرِ طباعت ہیں۔ اس سلسلے میں دانشور اور جدید عالمِ دین حضرت علامہ ذیشان حیدر جوادی مدظلہ کا ترجمہ ”الوار القرآن“ حال ہی میں شائع ہوا ہے۔

تفسیر نمونہ چونکہ بلا امتیاز پوری اُمتِ مسلمہ کو اسلام کی نشاۃ ثانیہ کے لیے بیدار و تیار کرنے کے لیے لکھی گئی ہے، لہذا بھی مسلمانوں نے اسے ہاتھوں ہاتھ لیا۔ یہی وجہ ہے کہ ہر جلد کے کئی کئی ایڈیشن شائع ہونے کے باوجود اس کی

طلب میں روز بروز اضافہ ہو رہا ہے۔

جیسا کہ آپ جانتے ہیں کہ آپ کا یہ ادارہ ہمیشہ خوب سے خوب تر کی جستجو میں رہا ہے۔ بعض باذوق اہل علم کی تجویز پر ہم تفسیر نمونہ کی طباعت کے ضمن میں ایک مفید تبدیلی کر رہے ہیں، چنانچہ فیصلہ کیا گیا ہے کہ اسے موجودہ ستائیس جلدوں کی بجائے پندرہ جلدوں میں مرتب کر کے شائع کیا جائے تاکہ قارئین محترم کے لیے مزید آسانیاں پیدا کی جاسکیں۔

تفسیر نمونہ کی اس ترتیب نو کا ایک عام طریقہ تو یہ تھا کہ ہر جلد میں دو دو پاروں کی تفسیر ہو اور یوں اس کی پندرہ جلدیں مکمل ہو جائیں لیکن اس میں یہ سقم رہ جاتا ہے کہ بہت سی قرآنی سورتوں کا کچھ حصہ ایک جلد میں اور بقایا حصہ اس سے اگلی جلد میں چلا جاتا ہے جس سے مطالعے کا تسلسل ٹوٹ جاتا ہے، لہذا ہم نے اپنے قارئین کو اس زحمت سے بچانے کی خاطر اس تفسیر کو سورتوں کی بنیاد پر ترتیب دیا ہے۔ اس طرح کوئی قرآنی سورت دو حصوں میں تقسیم نہیں ہونے پائی اور ہر جلد کسی نہ کسی سورت کی کامل تفسیر پر ختم ہو گئی۔ اس طرح پوری تفسیر نمونہ پندرہ جلدوں میں آگئی ہے۔

Presented by: <https://jafrilibrary.com/>

اس جدید اشاعت کے سلسلے میں تفسیر نمونہ جلد ۱۵ آپ کے ہاتھوں میں ہے جس میں سابقہ جلد ۲۶ سورۃ تکویر تا سورۃ الفجر اور جلد ۲ مکمل سورۃ البلد تا سورۃ والناس شامل ہیں، چنانچہ یہ جلد سورۃ تکویر تا سورۃ والناس کی تفسیر پر مشتمل ہے۔

ہم نے زیرِ نظر کتاب کو بہتر انداز میں پیش کرنے کی ہر ممکن کوشش کی ہے، تاہم اس بارے میں آپ کی آراء ہمارے لیے بہترین رہنما ہوا کرتی ہیں کہ جن کی روشنی میں ہم اپنی مطبوعات کو مزید بہتر بنا کر پیش کرنے کے قابل ہوتے ہیں۔ امید ہے کہ آپ ہماری اس پیشکش کا بغور مطالعہ فرمانے کے بعد اس کا معیار مزید بلند کرنے کے سلسلے میں اپنی قیمتی آراء سے نوازیں گے۔ ہم مفید تنقید اور آراء کے لیے منتظر رہتے ہیں۔

آخر میں ہم لاہور کے ایک مخلص و مخیر مرد مومن الحاج شیخ ظہور علی منگل سے اظہارِ تشکر کرنا اپنا فرض سمجھتے ہیں کہ جن کے تعاون سے تفسیر نمونہ کی یہ جدید اشاعت تکمیل کے مراحل طے کر رہی ہے، ہم دعا گو ہیں کہ خدا تعالیٰ بحق معصومین ان کی اس خدمت کو قبول فرمائے۔ والسلام

اراکین

مصباح القرآن ٹرسٹ لاہور

اِہْدَاء

”مرکز مطالعات اسلامی و نجاتِ نسلِ جوان“

جو

تمام طبقات میں عموماً اور جوانوں میں خصوصاً اسلام کی حیات بخش
تعلیمات پہنچانے کے لیے قائم کیا گیا ہے

Presented by: <https://jafrilibrary.com/>

اس نئی تالیف کو

ان اہل مطالعہ کی خدمت میں پیش کرتا ہے

جو

قرآن مجید کے متعلق بیشتر بہتر اور عمیق تر معلومات حاصل کرنا

چاہتے ہیں۔

حوزہ علیہ۔ قم



یہ تفسیر

حیدر علی علاء مجتہدین کی باہمی کاوش قلم کا نتیجہ ہے

○ جزء اولم دسلیم آیتس کا محمد رضا اشتیاق

○ جزء دوم دسلیم آیتس کا محمد جعفر لای

○ جزء سوم دسلیم آیتس کا محمد حسن شجاعی

○ جزء اولم دسلیم آیتس کا سید نور اللہ طباطبائی

○ جزء دوم دسلیم آیتس کا محمد عبدالمسی

○ جزء سوم دسلیم آیتس کا حسن قرآنی

○ جزء اولم دسلیم آیتس کا محمد محمدی

چند تفاسیر

جن سے اس تفسیر میں استفادہ کیا گیا ہے

تفسیر مجمع البیان	تالیف	مشہور مفتی طبری
تفسیر تیسمان	تالیف	عظیم و فقید عالم شیخ طوسی
تفسیر المیزان	تالیف	علامہ طباطبائی
تفسیر صافی	تالیف	علامہ حسن فیض کاشانی
تفسیر نور الثقلین	تالیف	عبد علی بن محمد عویزی
تفسیر نربان	تالیف	سید کاشم بکرانی
تفسیر روح المعانی	تالیف	علامہ شہاب الدین محمود آلوسی
تفسیر المنار	تالیف	محمد رشید رضا (تقریبات درس تفسیر شیخ محمد عبده)
تفسیر فی ظلال القرآن	تالیف	سید قطب
تفسیر قرطبی	تالیف	محمد بن احمد انصاری قرطبی
اسہاب النزول	تالیف	ابوالحسن علی بن متوہ واعدی نیشاپوری
تفسیر رافعی	تالیف	احمد مصطفیٰ مراغی
تفسیر صفائح الغیب	تالیف	غزالہ الدین رازی
تفسیر روح الجنان	تالیف	ابوالفتوح رازی

گذارش

تفسیر نمونہ (فارسی) ستائیس جلدوں پر مشتمل ہے۔ اس کے اردو ترجمے کے متعدد ایڈیشن بھی ستائیس جلدوں میں شائع ہوتے رہے ہیں۔ محسن ملت حضرت علامہ سید محمد حسین نجفی اعلیٰ اللہ مقامہ کا اہتمامی نوٹ اسی ترتیب کے مطابق جلد کے آخر میں تحریر کیا گیا تھا۔ نئی ترتیب میں بھی اسے تبدیل نہیں کیا گیا۔ خداوند کریم ﷻ کو جوار معصومین میں بلند درجات عطا فرمائے۔

(ادارہ)

اس تفسیر میں مد نظر اہداف

پوری دنیا جس کی نظریں اسلام کی طرف لگی ہیں، چاہتی ہے کہ اسلام کو نئے سرے سے پہچانے۔ یہاں تک کہ خود مسلمان یہی چاہتے ہیں۔ اس کی کئی ایک وجوہات ہیں جن میں سے ایک - ایران کا اسلامی انقلاب - اور - دنیا کے مختلف خطوں میں اسلامی تحریکیں - ہیں جنہوں نے تمام لوگوں کے افکار خصوصاً نوجوان نسل کو اسلام کی زیادہ سے زیادہ معرفت کا پیاسا بنا دیا ہے۔

ہر شخص یہ جانتا ہے کہ اسلام کی شناخت کے لیے نزدیک ترین راستہ اور مطمئن ترین وسیلہ و ذریعہ عظیم اسلامی کتاب قرآن مجید میں غور و فکر اور اس کا مطالعہ ہے۔

دوسری جانب قرآن مجید جو ایک عظیم اور جامع ترین کتاب ہے، عام کتب کی مانند کسی ایک مسئلہ کی گہرائی پر مشتمل نہیں بلکہ اصطلاح کے مطابق اس میں کئی بطون ہیں اور ہر بطن میں دوسرا بطن مضمر ہے۔

بالفاظ دیگر ہر شخص اپنی فکری گہرائی، فہم و آگہی اور لیاقت کے مطابق قرآن سے استفادہ کرتا ہے اور یہ ستم ہے کہ کوئی شخص بھی قرآن کے چہرہ علم سے محروم نہیں ہوتا۔

متذکرہ بالا گفتگو کی روشنی میں ایسی تفاسیر کی ضرورت پورے طور پر واضح ہو جاتی ہے جو افکار علما میں موجود رشتوں کو ایک دوسرے سے منسلک کریں اور محققین اسلام کی محنتوں اور حاصل فکر سے استفادہ کر کے نکلی جاتیں اور جو مختلف قرآنی اسرار کی گہری کھول سکیں۔

لیکن سوال پیدا ہوتا ہے کہ کونسی تفسیر اور کونسا مفسر....؟ وہ تفسیر، کہ جو کچھ قرآن کہتا ہے اسے واضح کرے، نہ کہ جو کچھ مفسر چاہے اور پسند کرے اسے پیش کرے۔ اور وہ مفسر جو اپنے آپ کو قرآن کے سپرد کر دے اور اسی سے درس لے، نہ وہ کہ جو نہ جانتے ہوتے یا جان بوجھ کر اپنے پہلے سے کیے گئے فیصلوں اور نظریات کے مطابق جھٹو کرے اور جو قرآن کا طالب علم بننے کی بجائے اس کا استاد بن جائے۔

البتہ عظیم مفسرین اور عال قدر محققین اسلام نے آغاز اسلام سے آج تک اس سلسلہ میں قابل قدر کوششیں کی ہیں اور زحمات اٹھائی ہیں، انہوں نے عربی، فارسی اور دیگر زبانوں میں بہت سی تفسیریں تحریر کی ہیں کہ جن کے پڑھنے میں اس عظیم اسلامی کتاب کے بعض حیران کن مطالب تک رسائی ہو سکتی ہے (شکراً للہ سبحانہ)۔

یہ نکتہ بھی قابل غور ہے کہ زمانہ گزرنے کے ساتھ ساتھ حق طلب اور حقیقت کے متلاشی لوگوں کو

نئے نئے مسائل کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ مختلف مکاتب فکر کے تضادات اور کھراؤ کے باعث اور بعض اوقات منافقین و منافقین کے دوسوں کی وجہ سے، اور کبھی اس عظیم آسمانی کتاب کی تعلیمات کو ضروریات زمانہ پر منطبق کرنے کے حوالے سے کچھ ایسے سوالات سامنے آتے ہیں جن کا جواب موجودہ دور کی تفاسیر کو دینا ہو گا۔

دوسری جانب تمام تفاسیر کو عوام الناس کے لیے ناف تاہل اور اک گونا گوں اقوال اور پیچیدہ مباحث کا مجموعہ نہیں ہونا چاہیے۔ بلکہ اس وقت ایسی تفاسیر کی ضرورت ہے جن سے خود قرآن کی طرح تمام طبقے استفادہ کر سکیں (اس کی وسعت اور اہمیت میں کمی کیے بغیر)۔

ان امور کے پیش نظر مختلف گروہوں نے ہم سے ایک ایسی تفسیر لکھنے کی خواہش کی جو ان ضروریات کو پورا کر سکے۔ چونکہ یہ کام خاصا مشکل تھا لہذا میں نے ان تمام فضلاء کو مدعو و تعداد کی دعوت دی جو اس طویل اور نشیب و فراز کے حامل سفر میں اچھے ہتھم اور ساتھی تھے اور ہیں تاکہ مشترکہ مساعی سے یہ مشکل حل ہو سکے۔ الحمد للہ! اس کام کے لیے توفیق شامل حال ہوئی اور ایسا ثمرہ نتیجہ ملا کہ جس کا ہر طبقہ نے استقبال کیا۔ یہاں تک کہ اکثر علاقوں کے لوگ مختلف سطحوں پر اس تفسیر کی طرف متوجہ ہوئے اور اس کی بارہ جلدیں جو اس وقت تک منظر عام پر آچکی ہیں (اور یہ اس کی تیسری جلد ہے) بارہا چھپیں اور تقسیم ہوئیں۔ اس توفیق الہی کا میں از حد شکر گزار ہوں۔

یہاں یہ بات میں ضروری سمجھتا ہوں کہ اس جلد کے مقدمہ میں اپنے قارئین کی توجہ چند نکات کی طرف مبذول کراؤں۔

- ۱۔ بارہا یہ سوال ہوتا ہے کہ مجموعاً یہ تفسیر کتنی جلدوں پر مشتمل ہوگی؟ اس کے جواب میں کہا جا سکتا ہے کہ ظاہراً بیس جلدوں سے کم اور چوبیس جلدوں سے زیادہ نہ ہوگی بلکہ
- ۲۔ اکثر یہ شکوہ بھی کیا جاتا ہے کہ تفسیر کی جلدیں تاخیر سے کیوں شائع ہوتی ہیں؟ عرض خدمت ہے کہ ہماری پوری کوشش ہوتی ہے کہ کام جلد از جلد ہو، یہاں تک کہ سفر و حضر میں، بعض اوقات جلا وطنی کے مقام پر، حتیٰ کہ بستر بیماری پر بھی میں نے یہ کام جاری رکھا ہے۔
- چونکہ مباحث کے نظم و نسق اور علم و گہرائی کو جلد بازی پر قربان نہیں کیا جاسکتا۔ لہذا اس طرح سے کام کرنا چاہیے کہ ان دونوں کے درمیان فاصلہ سمٹتا جائے۔ دوسری جانب طباعت و اشاعت کی مشکلات (خصوصاً جنگ کے زمانے میں) کو بھی پیش نظر رکھنا چاہیے۔ جو تاخیر کے اہم عوامل میں سے ایک ہے۔

۳۔ بعض اوقات یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اگر یہ تفسیر مختلف افراد کے قلم سے تحریر ہو رہی ہے تو

شروع میں اسلام کا علیٰ حدم اہم ترین مسئلہ یعنی مسئلہ توحید و شرک سے متعلق تھا۔ اس سلسلہ میں جو آیتیں نازل ہوئی وہ اسی موضوع کے گرد گھومتیں۔ چونکہ شرائد و مشکلات کے مقابلہ میں قدم جانے کی صلاحیت رکھنا اور باطنی طور پر ذمہ داری کو محسوس کرنا ہر دینی انقلاب کی بنیادی صفت ہوتا ہے اس لیے آخرت کی تعلیم اور روزِ قیامت کی عظیم عدالت پر ایمان لائے بغیر اس مقصد میں کامیاب ہونا ممکن نہیں ہوتا۔ مذکورہ موضوع پر شرک و بت پرستی کی نفی کے ساتھ ساتھ آیات نازل ہوتی تھیں۔ جب حکومتِ اسلامی کے قیام کی راہ پیگیری اسلام نے ہوا کر دی تو اس کے بعد اسلام کے اجتماعی، سیاسی اور اقتصادی قوانین یکے بعد دیگرے نازل ہوئے۔ اسلام کی تحکیم اور اس کی نشوونما کے زمانے میں متعدد جنگیں پیگیری اسلام اور مسلمانوں پر مسلط کی گئیں اور اس صورتِ حال کے ہر مرحلہ میں ضروری اور مناسب قوانین، دستور اور نتائجِ صورتِ آیات نازل ہوئے اور اسلامی انقلاب اپنے معین نظام کے مطابق آگے بڑھتا رہا۔ اس وجہ سے یہ امر بالکل فطری ہے کہ ایک سورہ کی آیتیں ایک معین موضوع کے بارے میں گفتگو نہیں کرتیں بلکہ اس عظیم آسمانی کتاب میں ایک موضوع سے تعلق رکھنے والے مسائل مختلف مقامات پر مندرج ہیں اور یوں وہ منتشر صورت میں ہیں۔ ایک مثال کو پیش کر کے اس بات کی وضاحت کی جاسکتی ہے اور تفسیرِ موضوعی کی اہمیت کو متعین کیا جاسکتا ہے۔ ہم اگر چاہیں کہ جہاد جو ایک اہم اسلامی موضوع ہے، کے بارے میں معلومات حاصل کریں اور جہاد کے شرائط، اُس کے آداب و مقاصد، صلح کے اصول، قیدیوں کے احکام، ناوابین جنگ، مالی نعمت کی کیفیت، جہاد بالانفس اور باطن کی قیام صفات کا مطالعہ کریں، تو ہم کو مجموعی طور پر کبھی بھی ان موضوعات سے تعلق رکھنے والی آیتیں قرآن کی کبھی ایک سورہ میں نہیں ملیں گی۔ یہ آیتیں سائے قرآن میں بکھری ہوئی ہیں لہذا جہاد کے موضوع کے بارے میں اس کی مختلف جہتوں اور اس کے متعدد پہلوؤں کو پیش نظر رکھ کر بحث کے لیے ضروری ہے کہ سارے قرآن کا مطالعہ کیا جائے اور جس آیت کا کسی بھی پہلو سے جہاد کے موضوع سے تعلق ہو اس کو ایسی ہی دوسری متعلقہ آیتوں کے ساتھ ملا کر ایک مجموعہ تیار کیا جائے اور پھر اس کے دقیق مطالعہ سے ہم مسئلہ جہاد کے خطوط کلی کو واضح کریں۔ یہی صورتِ حال عدالتِ اجتماعی، اقتصادِ اسلامی اور اعتقادی مسائل (توحید و معاد وغیرہ) کی بھی ہے۔ اس حیثیت کو پیش نظر رکھ کر ہمیں یہ محسوس ہوتا ہے کہ عام تفسیر (تفسیر ترتیبی)، اس پوری اہمیت کے باوجود جو اسے حاصل ہے، ہمیں تفسیرِ موضوعی سے بے نیاز نہیں ہونے دیں۔ خصوصاً وہ محققین جو چاہتے ہیں کہ مختلف مسائل کو ایک ایسی نظر سے دیکھیں جو ہر رُخ کو دیکھنا چاہتی ہے اور وہ ہر مسئلہ کے بارے میں مختلف جہتوں کے حوالے سے تسلسلانی نظریات کے متلاشی ہوں ان کو اس کی شدید ضرورت ہے۔ اس احتیاج کے احساس نے ہمیں اس بات پر آمادہ کیا ہے کہ ہم اُن گزشتہ پندرہ سالہ تجربات سے فائدہ اٹھاتے ہوئے جو ہم نے تفسیرِ نمونہ کی ۲۷ جلدیں تحریر کرنے سے حاصل کیے ہیں، خدا نے عظیم و بڑی مدد سے ایک نئے مرحلے میں داخل ہوں اور پروردگار کے لطف و کرم کے نتیجے میں ممکن ہے کہ ہم عالمِ اسلام کے لیے کوئی نیا دیدہ فراہم کر سکیں۔ خدا کی بے پایاں رحمت سے یہ چیز کچھ بعید نہیں ہے۔ واضح ہے کہ گزشتہ دور میں حاصل ہونے والے تجربات جو مسلسل کام کے نتیجے کے سوا کبھی حاصل نہیں ہوتے اس اعتبار کے لیے بھی اور ان دوستوں کے لیے بھی جو میرے شریکِ کار رہے ہیں ایک عظیم اور بیش قیمت سرمایہ ثابت ہوں گے۔ مقام

افسوس ہو گا اگر ان تجربات سے ایک اور اہم کام کی راہ میں استفادہ نہ کیا جائے۔ اس اہم کام سے میری مراد تفسیر موضوعی کی ترتیب ہے۔ آخر میں اس نکتہ کا ذکر بھی ضروری ہے کہ وہ روش جو ہم نے تفسیر موضوعی کے لیے استعمال کی ہے وہ ایک نئی روش ہے اور یہ ہمیں انشاء اللہ اپنے مقصد کے حصول میں نہایت تیزی اور آسانی سے کامیابی سے ہنگامہ کرے گی۔ ہم نے تفسیر موضوعی کے لیے پیام قرآن کا نام پسند کیا ہے۔ مذکورہ مقصد کی تشریح کا تفسیر موضوعی کی پہلی جلد کے مقدمہ میں آپ انشاء اللہ مطالعہ کر سکیں گے۔ ہماری یہ کوشش ہے کہ تمام مشکلات اور پیچیدگیوں کے باوجود وہ ناشر جو پیام قرآن میں ہے اس طرح فراہم ہو کہ عامۃ الناس، خواص اور محققین بھی اس سے استفادہ کر سکیں اور بحیثیت مجموعی قرآن کے چہرہ زلال کے تمام پیارے اس سے فائدہ اٹھائیں۔

صاحب نظر افراد کے مشورے اور دوستوں کی دعائے خیر انشاء اللہ ضرور مددگار ثابت ہوگی۔ دینا علیہ

توکلنا والیہک انہنا والیہک المصیر۔

تم حوضہ علیہ ناصر مکارم شیرازی

اس میں ہم آہنگی نہیں ہوگی۔

اس کے جواب میں عرض ہے کہ ابتدا میں معاملہ اسی طرح تھا۔ لیکن پھر اس صورت حال کو نظر رکھتے ہوئے میں نے فیصلہ کیا کہ تفسیر میں قلم ہر جگہ میرا ہی ہو اور دوسرے دوست صرف مطالب کی جمع آوری میں مدد کریں۔ ان حضرات میں سے بھی ہر ایک اپنے کام کو پہلے انفرادی طور پر سرانجام دیتے ہیں اور ضروری یادداشتیں جمع کرتے ہیں۔ بعد میں اجتماعی نشستوں میں ضروری ہم آہنگی پیدا ہو جاتی ہے تاکہ مختلف مباحث، گوناگوں مسائل اور تفسیر کی ردالی میں بے زبلی پیدا نہ ہو اور ساری تفسیر ایک ہی طرز و روش پر ہو۔

انشاء اللہ امید ہے اس تفسیر سے زیادہ سے زیادہ استفادہ کے لیے اس کا نہ صرف عربی بلکہ دیگر زبانوں میں بھی ترجمہ کیا جائے گا تاکہ اور لوگ بھی اس سے مستفید ہو سکیں۔
(یہ ترجمہ قارئین محترم کی جانب سے بھی آئی ہے)۔

خداوند!

ہماری آنکھوں کو بینا، کانوں کو شنوا اور ہماری فکر کو مناسب، کار ساز اور ارتقائی فرما تاکہ تیری کتاب کی تعلیمات کی گہرائیوں تک پہنچ سکیں اور اپنے اور دوسروں کے لیے روشن چراغ فراہم کر سکیں۔

خداوند!

جو آگ ہمارے انقلاب کے دشمنوں نے خصوصاً اور دشمنان اسلام نے عموماً ہمارے خلاف لگا رکھی ہے اور جس کی وجہ سے ہماری توجہ مسلسل ان کی طرف بٹی ہے، اس اصبت اسلامی کے مسلسل جہاد اور اشک سہی و کوششوں کے نتیجہ میں اسے خاموش کر دے تاکہ ایک ہی جگہ تجھ سے دل لگالیں اور تیرے راستے اور تیرے متعصب بندگان کی خدمت کے لیے قدم اٹھائیں۔

بار الہ!

ہمیں توفیق اور زندگی عطا فرما کہ اس تفسیر کو مکمل کر سکیں۔ اس ناچیز و حقیر خدمت کو پایہ تکمیل تک پہنچا سکیں اور بجا و محمود تیری بارگاہ میں پیش کر سکیں۔

اَشْفَقَ عَلٰی كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ (کرمہ چیز پر قادر ہے)۔

ناصر مکارم شیرازی

حوزہ علمیہ قم - ایران

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

مقدمہ

قرآن کا پیغام تفسیر نمونہ موضوعی

(فَاِذَا فَرَغْتَ فَانصَبْ وَاِلٰى رَبِّكَ فَارْغَب) جب اہم کام سے ٹو فارغ ہو جائے تو

دوسرا اہم کام شروع کر دے اور اپنے پروردگار کی طرف متوجہ ہو جائے (الم فشرح / ۷، ۸)

تفسیر موضوعی کیا ہے اور وہ کون سی شکل کو حل کرتی ہے؟

اس وقت یہ سوال بہت سے لوگوں کی زبان پر ہے کہ تفسیر موضوعی سے کیا مراد ہے اور اس تفسیر کے ذریعہ

کون سی شکل کو حل کیا جاسکتا ہے اور کیا عام تفسیر (تفسیر ترجمانی) کے بعد اس کی ضرورت باقی رہ جاتی ہے اور اس کی

کیا وجہ ہے کہ دوسرے ایسے اہم کام، جو ہمارے پیش نظر ہیں، ان کو نظر انداز کر کے ہم نے اس کام کو منتخب کیا ہے اور

تفسیر نمونہ موضوعی پر کام شروع کیا ہے؟ ان تمام سوالوں کا جواب ایک بنیادی نکتہ میں تلاش کیا جاسکتا ہے اور وہ یہ

کہ قرآن عام کتابوں کی طرز سے مختلف ہے اس لیے کہ عام کتابوں میں (عام اس سے کہ وہ کلاسک ہوں یا اس کے علاوہ

ہوں) کتاب کا مؤلف ایک مخصوص موضوع کو پیش نظر رکھتا ہے اور اس کے مختلف پہلوؤں پر روشنی ڈالتا ہے۔ وہ ہر

پہلو کے لیے ایک باب مقرر کرتا ہے پھر کتاب پر ایک مقدمہ کا اضافہ بھی کرتا ہے اور کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ آخر میں

مجموعی طور پر اخذ کیا ہوا ایک نتیجہ کلام بھی تحریر کر دیا جاتا ہے۔ مثال کے طور پر ایک محقق (گیارہ شاہی) پودوں کے علم کو

اپنا موضوع بنا کر ایک کتاب تالیف کرنا چاہتا ہے تو سب سے پہلے وہ اس کے ابواب قائم کرتا ہے۔ مثال کے طور

پر شاخیں رکھنے والے درخت، تنے والے درخت، بغیر تنے کے درخت، پھلدار درخت یا بغیر پھل والے درخت، طب میں

لام آنے والے پودے یا بطور غذا کام آنے والے درخت، اس کے علاوہ پتوں اور پنکھڑیوں والے پودے اور درخت

وغیرہ۔ اس کے بعد مؤلف ہر شعبہ کے لیے ایک باب مقرر کر کے اسے مطالعہ اور تحقیق کا وسیلہ قرار دیتا ہے یہی صورت حال

دوسرے موضوعات میں بھی درپیش ہوتی ہے قطع نظر اس سے کہ وہ علم طب ہو یا علم فلسفہ یا علم حقوق وغیرہ۔ اس کے برعکس

قرآن مجید ایسی کتاب ہے جو اس طرز پر مرتب نہیں ہوتی بلکہ وہ تیس سال کے عرصہ میں مختلف ضرورتوں اور تقاضوں

کے پیش نظر ایک عظیم روحانی، معنوی، اجتماعی، اخلاقی، سیاسی اور اقتصادی انقلاب کو ساتھ لے کر ایک پسماندہ معاشرہ

میں پہلے سے نظر نہ آنے والے مختلف النوع حوادث کی خبر دیتی ہوئی نازل ہوئی ہے۔

شروع میں اسلام کا علیٰ حده اہم ترین مسئلہ یعنی مسئلہ توحید و شرک سے متعلق تھا۔ اس سلسلہ میں جو آیتیں نازل ہوئیں وہ اسی موضوع کے گرد گھومتیں۔ چونکہ مشرکوں و مشکلات کے مقابلہ میں قدم جانے کی صلاحیت رکھنا اور باطنی طور پر ذمہ داری کو محسوس کرنا ہر دینی انقلاب کی بنیادی صفت ہوتا ہے اس لیے آخرت کی تعلیم اور روز قیامت کی عظیم عدالت پر ایمان لاتے بغیر اس مقصد میں کامیاب ہونا ممکن نہیں ہوتا۔ مذکورہ موضوع پر شرک و بت پرستی کی نفی کے ساتھ ساتھ آیات نازل ہوتی تھیں۔ جب حکومتِ اسلامی کے قیام کی راہ پیگیری اسلام نے ہوا تو اس کے بعد اسلام کے اجتماعی، سیاسی اور اقتصادی قوانین یکے بعد دیگرے نازل ہوئے۔ اسلام کی تحویں اور اس کی نشوونما کے زمانے میں متعدد جنگیں پیگیری اسلام اور مسلمانوں پر مسلط کی گئیں اور اس صورت حال کے ہر مرحلہ میں ضروری اور مناسب قوانین، دستور اور نتائج صورتِ آیات نازل ہوئے اور اسلامی انقلاب اپنے معین نظام کے مطابق آگے بڑھتا رہا۔ اس وجہ سے یہ امر بالکل فطری ہے کہ ایک سورہ کی آیتیں ایک معین موضوع کے بارے میں گفتگو نہیں کرتیں بلکہ اس عظیم آسمانی کتاب میں ایک موضوع سے تعلق رکھنے والے مسائل مختلف مقامات پر مندرج ہیں اور یوں وہ منتشر صورت میں ہیں۔ ایک مثال کو پیش کر کے اس بات کی وضاحت کی جاسکتی ہے اور تفسیر موضوعی کی اہمیت کو متعین کیا جاسکتا ہے۔ ہم اگر چاہیں کہ جہاد جو ایک اہم اسلامی موضوع ہے، کے بارے میں معلومات حاصل کریں اور جہاد کے شرائط، اس کے آداب و مقاصد، صلح کے اصول، قیدیوں کے احکام، نادان جنگ، مالی غنیمت کی کیفیت، جہاد باطنی اور باطن کی قیام صفات کا مطالعہ کریں، تو ہم کو مجموعی طور پر کبھی بھی ان موضوعات سے تعلق رکھنے والی آیتیں قرآن کی کبھی ایک سورہ میں نہیں ملیں گی۔ یہ آیتیں سارے قرآن میں بکھری ہوئی ہیں لہذا جہاد کے موضوع کے بارے میں اس کی مختلف جہتوں اور اس کے متعدد پہلوؤں کو پیش نظر رکھ کر بحث کے لیے ضروری ہے کہ سارے قرآن کا مطالعہ کیا جائے اور جس آیت کا کسی بھی پہلو سے جہاد کے موضوع سے تعلق ہو اس کو ایسی ہی دوسری متعلقہ آیتوں کے ساتھ ملا کر ایک مجموعہ تیار کیا جائے اور پھر اس کے ذریعہ مطالعہ سے ہم مسئلہ جہاد کے خطوط کلی کو واضح کریں۔ یہی صورت حال عدالتِ اجتماعی، اقتصادِ اسلامی اور اعتقادی مسائل (توحید و معاد وغیرہ) کی بھی ہے۔ اس حقیقت کو پیش نظر رکھ کر ہمیں یہ محسوس ہوتا ہے کہ عام تفسیر (تفسیر ترقیبی)، اس پوری اہمیت کے باوجود جو اسے حاصل ہے، ہمیں تفسیر موضوعی سے بے نیاز نہیں ہونے دیں خصوصاً وہ محققین جو چاہتے ہیں کہ مختلف مسائل کو ایک ایسی نظر سے دیکھیں جو ہر رخ کو دیکھنا چاہتی ہے اور وہ ہر مسئلہ کے بارے میں مختلف جہتوں کے حوالے سے مستعد آئی نظریات کے متلاشی ہوں ان کو اس کی شدید ضرورت ہے۔ اس احتیاج کے احساس نے ہمیں اس بات پر آمادہ کیا ہے کہ ہم ان گزشتہ پندرہ سالہ تجربات سے فائدہ اٹھاتے ہوئے جو ہم نے تفسیر نمونہ کی ۲۷ جلدیں تحریر کرنے سے حاصل کیے ہیں، خدا نے عظیم و بڑی مدد سے ایک نئے مرحلے میں داخل ہوں اور پروردگار کے لطف و کرم کے نتیجے میں ممکن ہے کہ ہم عالم اسلام کے لیے کوئی نیا دریہ فراہم کر سکیں۔ خدا کی بے پایاں رحمت سے یہ چیز کچھ بعید نہیں ہے۔ واضح ہے کہ گزشتہ دور میں حاصل ہونے والے تجربات جو مسلسل کام کے نتیجے کے سوا کبھی حاصل نہیں ہوتے اس حقیر کے لیے بھی اور ان دوستوں کے لیے بھی جو میرے شریک کار رہے ہیں ایک عظیم اور بیش قیمت سرمایہ ثابت ہوں گے۔ مقام

افسوس ہوگا اگر ان تجربات سے ایک اور اہم کام کی راہ میں استفادہ نہ کیا جائے۔ اس اہم کام سے میری مراد تفسیر موضوعی کی ترتیب ہے۔ آخر میں اس نکتہ کا ذکر بھی ضروری ہے کہ وہ روش جو ہم نے تفسیر موضوعی کے لیے استعمال کی ہے وہ ایک نئی روش ہے اور یہ ہمیں انشاء اللہ اپنے مقصد کے حصول میں نہایت تیزی اور آسانی سے کامیابی سے پہنچا کرے گی۔ ہم نے تفسیر موضوعی کے لیے پیام قرآن کا نام پسند کیا ہے۔ مذکورہ مقصد کی تشریح کا تفسیر موضوعی کی پہلی جلد کے مقدمہ میں آپ انشاء اللہ مطالعہ کر سکیں گے۔ ہماری یہ کوشش ہے کہ تمام مشکلات اور پیچیدگیوں کے باوجود وہ ناشر جو پیام قرآن میں ہے اس طرح فراہم ہو کہ عامۃ الناس، خواص اور محققین بھی اس سے استفادہ کر سکیں اور یکجہت مجرمی قرآن کے چشمہ زلال کے تمام پیاسے اس سے فائدہ اٹھائیں۔

صاحب نظر افراد کے مشورے اور دوستوں کی دعائے خیر انشاء اللہ ضرور مددگار ثابت ہوگی۔ دینا علیہ

توکلنا والیک انبنا والیک المصیر۔

قم حوضہ علیہ ناصر مکالم شیرازی

تفسیر نمونہ جلد ۱۵

فہرست

۵۲	رسول کی شائستگی کی شہادتیں	۳۰	سورہ تکویر
۵۵	آیت ۲۶ تا ۲۹	۳۱	سورہ تکویر کے مضامین
	اسے غلطو کہاں جارہے ہو؟	"	تلاوت کی فضیلت
		۳۲	آیت ۱ تا ۹
۵۸	سورہ انفطار		جس دن کائنات کے دفتر کو لپیٹ دیا
۵۹	سورہ انفطار کے مضامین	۳۲	جائے گا۔
"	تلاوت کی فضیلت	۳۸	چند نکات
۶۰	آیت ۵	"	۱۔ لڑکیوں کا زندہ درگد کرنا
"	جس وقت اس جہان کا نظام زیرِ وزر [		۲۔ اس جرم کے مختلف اسباب و
	ہو جائے گا	۳۹	حوالہ تھے
۶۳	ایک نکتہ	۴۰	آیت ۱۰ تا ۱۴
"	وہ آثار جو انسان کے بعد باقی رہ جاتے ہیں	"	اس دن معلوم ہوگا کہ ہم کتنے پانی میں ہیں
۶۶	آیت ۶ تا ۱۲	۴۲	چند نکات
	اسے انسان سمجھے کس چیز نے مغرور [	"	۱۔ نظم آیات
۶۷	کر دیا ہے؟		۲۔ کیا نظام شمسی ختم ہو جائے گا اور [
۷۲	ایک نکتہ	۴۳	ستاروں کے چراغ گل ہو جائیں گے؟
"	ثبت اعمال کے مامورین	۴۵	آیت ۱۵ تا ۲۵
۷۷	آیت ۱۳ تا ۱۴	۴۶	وحی الہی اس پر نازل ہوئی
۷۸	جس دن کوئی کسی کا کام انجام نہیں دے گا	۵۳	ایک نکتہ

۱۱۹

ایک نکتہ

دشمنانِ حق کا مذاق اڑانے کا بزدلانہ حربہ

۱۲۱

سورہ انشقاق

[سورہ انشقاق کے مضامین اور اس کی

۱۲۲

تلاوت کی فضیلت

۱۲۳

آیت ۱ تا ۹

۱۲۴

کمالِ مطلق کی طرف رنجِ آمیز سعی و کوشش

۱۲۹

چند نکات

۱۲۹

۱۔ ایک ایسی حدیث جس میں اعجاز ہے

۱۲۹

۲۔ دنیا رنج و تکلیف اور دکھ درد کا گھر ہے

۱۳۰

آیت ۱۰ تا ۱۵

وہ جو شرم و حیا کے باعث اپنا نامہ اعمال

۱۳۱

پشت کی طرف سے لیں گے

۱۳۵

آیت ۱۶ تا ۲۵

۱۳۶

تم ہمیشہ دگرگوں ہوتے رہتے ہو۔

۱۴۱

ایک نکتہ

۱۴۳

سورہ بروج

۱۴۴

سورہ بروج کے مضامین اور فضیلت

۱۴۶

آیت ۱ تا ۹

۱۴۷

[مومنین انسانوں کو جلائے والی بھٹیوں

۱۵۳

کے سامنے

چند نکات

سورہ مطففین

۸۲

۸۳

سورہ مطففین کے مضامین کا دائرہ کار

۸۳

اس سورہ کی تلاوت کی فضیلت

۸۳

آیت ۱ تا ۶

۸۵

کم تو لے والوں پر واٹے ہے

۸۹

ایک نکتہ

۹۲

آیت ۷ تا ۱۰

۹۲

تو کیا جانے کہ سچین کیا ہے؟

۹۳

جو قرآن ان معنی کی تائید کرتے ہیں وہ

۹۵

درج ذیل ہیں۔

۹۸

آیت ۱۱ تا ۱۷

گناہ دلوں کا زنگ ہے

۱۰۱

چند نکات

۱۰۱

۱۔ دل کے لیے گناہ کیوں زنگ ہے

۱۰۳

۲۔ روح و جان کے چہر پر عذاب

۱۰۴

آیت ۱۸ تا ۲۸

۱۰۵

علین ابرار کے انتظار میں ہے

۱۱۱

چند نکات

۱۱۱

۱۔ ابرار اور مقربین کون لوگ ہیں؟

۱۱۲

۲۔ جنت کی شراہیں

۱۱۴

آیت ۲۹ تا ۳۶

۱۱۵

[اس دن وہ مومنین کا مذاق اڑاتے تھے]

نہیں آج

۲۰۰ حسب دینار اس کل خطیہ کی تحلیل

سورہ غاشیہ

- ۲۰۳ سورہ غاشیہ کے مشتملات اور اس کی فضیلت
۲۰۴ آیت ۱ تا ۷
۲۰۵ بد نصیب تھکے ماندے
۲۰۶ آیت ۸ تا ۱۶
۲۰۹ بہشت کی روح پرور نعمتوں کے مناظر
۲۱۰ آیت ۱۷ تا ۲۶
۲۱۳ اونٹ کی طرف دیکھو خود ایک آیت ہے
۲۱۵

سورہ فجر

- ۲۲۱ سورہ فجر کے مشمولات اور اس کی فضیلت
۲۲۲ آیت ۱ تا ۵
۲۲۳ تہدی صبح کی سفیدی کی قسم
" آیت ۶ تا ۱۴
۲۲۹ تیرا پروردگار ظالموں کی گھات میں ہے
۲۳۰ آیت ۱۵ تا ۲۰
۲۳۶ نہ اس کی نعمت کے ملنے پر غور کرو اور نہ
[سلب نعمت پر مایوس ہو
۲۳۷

سورہ بلد

- ۲۳۸ سورہ بلد کی فضیلت اور اس کا مضمون
۲۳۹ آیت ۱ تا ۷
۲۵۱

۱۵۳ ۱- اصحاب اخذ و کون لوگ تھے

- ۱۵۴ آیت ۱۰ تا ۱۶
۱۵۸ تشدد کرنے والے عذاب الہی کے سامنے
۱۶۲ آیت ۱۷ تا ۲۲
تو نے دیکھا کہ خدا نے فرعون و ثمود کے
[لشکروں کے ساتھ کیا کیا ؟
"

سورہ طارق

- ۱۶۶ سورہ طارق کے مضامین اور فضیلت
۱۶۷ آیت ۱ تا ۱۰
۱۶۸ اے انسان دیکھ کہ تو کس چیز سے پیدا ہوا ہے
۱۶۹ آیت ۱۱ تا ۱۷
۱۷۰ میں دشمنوں کے منصوبوں کو خاک میں
[ملا دیتا ہوں۔
۱۷۱

سورہ اعلیٰ

- ۱۸۲ سورہ اعلیٰ کے مضامین اور ان کی فضیلت
۱۸۳ آیت ۱ تا ۵
۱۸۵ خداوند عظیم کی تسبیح کر
" آیت ۶ تا ۱۳
۱۹۱ ہم تجھے ہر اچھے کام کے لیے آمادہ کریں گے
۱۹۲ آیت ۱۴ تا ۱۶
۱۹۳ وہ دستور العمل جو تمام آسمانی کتب میں آیا ہے
" ایک نکتہ
۲۰۰

سُورَةُ التِّلِيلِ

- ۲۹۴ سُورَةُ التِّلِيلِ کے مضامین اور اس کی فضیلت
- ۲۹۵ آیت ۱۱
- ۲۹۶ سُورَةُ التِّلِيلِ کا شانِ نزول
- ۲۹۷ تقویٰ اور خدائی امدادیں
- ۳۰۰ آیت ۱۲ تا ۲۱
- ۳۰۱ انفاق اور جہنم کی آگ سے دوری
- ۳۰۲ ایک نکتہ
- ۱۔ سُورَةُ التِّلِيلِ کی شان کے بارے میں
- ایک بات
- ۲۔ انفاق فی سبیل اللہ کی فضیلت

سُورَةُ الضُّحٰی

- ۳۱۲ سُورَةُ الضُّحٰی کے مضامین اور اس کی فضیلت
- ۳۱۳ آیت ۵ تا ۱۰
- ۳۱۵ شانِ نزول
- تجھے اس قدر عطا کرے گا کہ تو خوش
- ہو جائے گا
- ۳۱۶ ایک نکتہ
- ۳۱۷ انقطاع دینی کا فلسفہ
- ۳۲۰ آیت ۶ تا ۱۱
- ان تمام نعمتوں کے شکرانے میں جو خدا
- نے تجھے دی ہیں

اس شہر مقدس کی قسم

- ۲۵۲ آیت ۸ تا ۱۰
- ۲۵۸ آگہ زبان اور ہدایت کی نعمت
- چند نکات
- ۲۶۰ ۱۔ آگہ زبان اور ہدایت کی نعمت
- ۲۶۳ ۲۔ زبان کی حیرت انگیزیاں
- ۳۔ نجدین کی طرف ہدایت
- آیت ۱۱ تا ۲۰
- ۲۶۵ دشوار گزار گھاٹی
- ۲۶۶ چند قابلِ توجہ نکات
- ۲۶۸

سُورَةُ الشَّمْسِ

- ۲۷۳ سُورَةُ الشَّمْسِ اور اس کی فضیلت
- ۲۷۵ آیت ۱۰ تا ۱۴
- ۲۷۶ تہذیبِ نفس کے بغیر نجات ممکن نہیں
- چند نکات
- ۲۸۳ ۱۔ قرآنی قسموں کا ان کے نتائج کے ساتھ ربط
- ۲۔ سورج کا عالمِ حیات میں نقشِ واثر
- آیت ۱۱ تا ۱۵
- ۲۸۵ سرکشوں کا ہلاکت خیز انجام
- ۲۸۶ چند نکات
- ۲۹۰ ۱۔ قومِ ثمود کی سرگزشت کا خلاصہ
- ۲۹۱ ۲۔ اشقی الاولین و اشقی الآخرین
- ۳۔ تہذیبِ نفس ایک عظیم خدائی وظیفہ ہے

چند نکات

۳۲۶

۱- مصائب و آلام کے درمیان سے

"

مبعوث ہونے والا پیغمبر

۳۲۷

۲- یتیموں پر نوازش و شفقت

۳۲۹

۳- نعمتوں کو بیان کرنا

سُورۃ الم نشرح

۳۳۱

سُورۃ الم نشرح کے مضامین اور اس کی فضیلت

۳۳۲

آیت ۸ تا ۱۱

۳۳۵

ہم نے تجھے انواع و اقسام کی نعمتیں عطا کی ہیں

۳۳۲

چند نکات

سُورۃ التین

۳۳۴

سُورۃ التین کے مطالب و فضیلت

۳۳۵

آیت ۸ تا ۱۱

۳۳۶

ہم نے انسان کو بہترین صورت میں پیدا کیا

۳۳۷

سُورۃ العلق

۳۵۴

سُورۃ علق کے مطالب اور فضیلت

۳۵۵

آیت ۱ تا ۵

۳۵۷

شانِ نزول

۳۵۸

اپنے پروردگار کے نام سے پڑھ

۳۵۹

چند نکات

۳۶۲

۱- وحی کا آغاز ایک حرکتِ عملی کے ساتھ ہوا

"

۲- برہان میں ذکرِ خدا

۳۶۳

آیت ۱۲ تا ۱۶

۳۶۵

کیا تجھے معلوم نہیں کہ خدا تیرے اعمال

۳۶۶

کو دیکھتا ہے

ایک نکتہ

۳۶۹

عالمِ ہستی محضِ خدا میں ہے

۳۷۰

آیت ۱۵ تا ۱۹

۳۷۱

سجدہ کر اور تقرب حاصل کر

۳۷۳

ایک نکتہ

"

سرکشی اور بے نیازی کا احساس

سُورۃ القدر

۳۷۶

سُورۃ قدر کے مطالب اور اس کی فضیلت

۳۷۷

آیت ۱ تا ۵

۳۷۹

شب قدر، نزولِ قرآن کی رات

۳۸۰

چند نکات

۳۸۳

۱- شب قدر میں کون سے امور مقدر ہوتے ہیں۔

۳۸۴

۲- شب قدر کون سی رات ہے

۳۸۵

۳- شب قدر مخفی کیوں رکھی گئی

۴- کیا گزشتہ اُمّتوں میں بھی

"

شب قدر تھی۔

۳۸۶

۵- شب قدر ہزار ماہ سے کیسے بڑھ ہے؟

۳۸۷

۶- قرآن شب قدر میں کیوں نازل ہوا؟

سُورۃُ الْعَادِيَات

۴۱۷

[سُورۃُ الْعَادِيَات کے مطالب اور اس کی
فضیلت -

۴۱۸

۴۲۰

آیت ۱ تا ۱۱

۴۲۲

شانِ نزول

۴۲۲

بیدار مجاہدین کی قسم

۴۲۹

چند نکات

۱۔ اس سُورۃ کی قسموں اور اس کے
ہدف کے درمیان ربط

"

۴۳۰

۲۔ کیا انسان طبعاً ناشکر اور نخیل ہے

۴۳۱

۳۔ جماد کی عظمت

سُورۃُ الْقَارِعَةِ

۴۳۲

سُورۃُ الْقَارِعَةِ کے مطالب اور اس کی فضیلت

۴۳۳

۴۳۴

آیت ۱ تا ۱۱

۴۳۵

چبھنے والا حادثہ

۴۳۹

ایک نکتہ

"

میزانِ اعمال کی سنگینی کے اسباب

سُورۃُ الْتَّكْوِيْنِ

۴۴۲

سُورۃُ الْتَّكْوِيْنِ کے مطالب اور اس کی فضیلت

۴۴۳

۴۴۴

آیت ۱ تا ۸

۴۴۵

شانِ نزول

۷۔ کیا مختلف علاقوں میں ایک ہی
شب قدر ہوتی ہے ؟

۳۸۷

سُورۃُ الْبَيِّنَةِ

۳۸۸

۳۸۹

سُورۃُ الْبَيِّنَةِ کے مطالب اور اس کی فضیلت

۳۹۱

آیت ۱ تا ۵

۳۹۲

یہ جلد ذاتی دین ہے

۳۹۷

آیت ۶ تا ۸

۳۹۸

بہترین اور بدترین مخلوق

۴۰۰

چند نکات

"

۱۔ علیؑ اور ان کے شیعہ خیر البدیہ ہیں

۴۰۴

۲۔ عبادت میں خلوص نیت لازم ہے

"

۳۔ انسان کی عجیب قوسِ صعودی اور نزولی

سُورۃُ الزَّلْزَلَةِ

۴۰۵

۴۰۶

سُورۃُ الزَّلْزَلَةِ کے مطالب اور فضیلت

۴۰۸

آیت ۱ تا ۸

۴۰۹

جس دن انسان اپنے تمام اعمال دیکھے گا

۴۱۳

چند نکات

۱۔ قیامت کے حساب و کتاب میں
دقت اور سخت گیری

"

۲۔ ایک سوال کا جواب

۴۱۵

۳۔ قرآن کی سب سے زیادہ جامع آیات

۴ ۳ ۲ ۱

۴۷۶ - ۲۔ مال جمع کرنے کی حرص

سُورَةُ الْفِيلِ

۴۸۰

۴۸۱ سورة الفیل کے مطالب اور فضیلت

۴۸۳

آیت ا تا ۵

۴۸۴

شانِ نزول

"

اصحابِ فیل کی داستان

۴۸۸ ابرہہ سے کہہ دو کہ آنے میں جلدی نہ کرے

۴۹۰

چند نکات

۱۔ ایک بے نظیر معجزہ (اس گھر کا
ایک مانک ہے)

۴۹۱

۲۔ معمولی سیلہ سے سخت ترین سزا

۴۹۲

۳۔ داستانِ فیل کے اہداف

"

۴۔ ایک مُسلم تاریخی روئیداد

سُورَةُ الْقُرَيْشِ

۴۹۳

۴۹۵ سورة قریش کے مطالب اور اس کی فضیلت

۴۹۶

آیت ا تا ۴

۴۹۷

اس گھر کے پروردگار کی عبادت کرنی چاہیے

سُورَةُ الْمَاعُونِ

۵۰۰

۵۰۱ سُورہ ماعون کے مطالب اور فضیلت

۵۰۲

آیت ا تا ۷

۵۰۳

معاد کے انفار کے اثراتِ بد

۴۴۵

تکاثُر و تفاخر کی مصیبت

۴۴۹

چند نکات

"

۱۔ تفاخر کا سرچشمہ

۴۵۱

۲۔ یقین اور اس کے مراحل

۴۵۲

۳۔ سب لوگ دوزخ کا مشاہدہ کریں گے

"

۴۔ قیامت میں کون سی نعمتوں کے بارے

۴۵۳

میں سوال ہوگا۔

سُورَةُ الْعَصْرِ

۴۵۵

۴۵۶ سُورہ العصر کے مطالب اور اس کی فضیلت

۴۵۷

آیت ا تا ۳

"

نجات کی صرف ایک راہ

۴۶۱

ایک نکتہ

"

غوشِ بختی کا چار نکاتی پروگرام

سُورَةُ الْهَمزة

۴۶۵

۴۶۶ سُورہ ہمزہ کے مطالب اور فضیلت

۴۶۷

آیت ا تا ۹

۴۶۸

شانِ نزول

عیب جوئی اور غیبت کرنے والوں کے لیے
وائے ہے۔

۴۷۵

چند نکات

۱۔ کبر و غرور بڑے بڑے گناہوں کا

"

سرچشمہ ہے۔

چند نکات :

۵۰۶

۱۔ سورہ ماعون کے مباحث کی جمع بندی

۲۔ تظاہر و ریا ایک بہت بڑی اجتماعی

۵۰۷

مصیبت ہے۔

سورۃ الکوتر :

۵۰۹

سورۃ الکوتر کے مطالب اور فضیلت

۵۱۰

آیت ۳ تا ۱۲

۵۱۲

ہم نے تجھے فراوان خیر و برکت دی

"

۵۱۵

چند نکات

"

۱۔ حضرت فاطمہؑ اور کوثر

۵۱۶

۲۔ اس سورہ کا اعجاز

۵۱۷

۳۔ خدا کے لیے جمع کی ضمیر کس لیے ہے

سورۃ الکافرون

۵۱۸

سورۃ کافرون کے مطالب اور فضیلت

۵۱۹

آیت ۱ تا ۶

۵۲۱

شان نزول

۵۲۲

۱۔ بُت پرستوں کے ساتھ ہرگز مصالحت

"

نہیں ہو سکتی۔

۵۲۳

۲۔ کیا بُت پرست خدا کے مُنکر تھے؟

"

۳۔ یہ تکرار کس لیے ہے

۵۲۴

۴۔ کیا لکم دینکم..... کی آیت کا مفہوم

۵۲۶

بُت پرستی کا جواز ہے

۵۔ آپؐ نے ایک لمحہ کے لیے بھی
شُرک سے مصالحت نہیں کی۔

۵۲۷

سورۃ النصر

۵۲۸

سورۃ النصر کے مطالب اور فضیلت

۵۲۹

آیت ۱ تا ۳

۵۳۱

جب اصلی کامیابی آن پہنچے

"

۵۳۲

ایک نکتہ

"

فتح مکہ، اسلام کی عظیم ترین فتح

سورۃ التلب

۵۳۱

سورۃ التلب کے مطالب اور فضیلت

۵۳۲

شان نزول

۵۳۳

آیت ۱ تا ۵

۵۳۵

ابولہب کا ہاتھ کٹ جائے

۵۳۶

چند نکات

۵۵۰

۱۔ قرآن کے اعجاز کی ایک اور نشانی

"

۲۔ ایک اور سوال کا جواب

"

۳۔ بے بصیرت رشتہ دار ہمیشہ دُور

۵۵۱

ہوتے ہیں۔

سورۃ الاخلاص

۵۵۲

سورۃ اخلاص کے مطالب و فضیلت

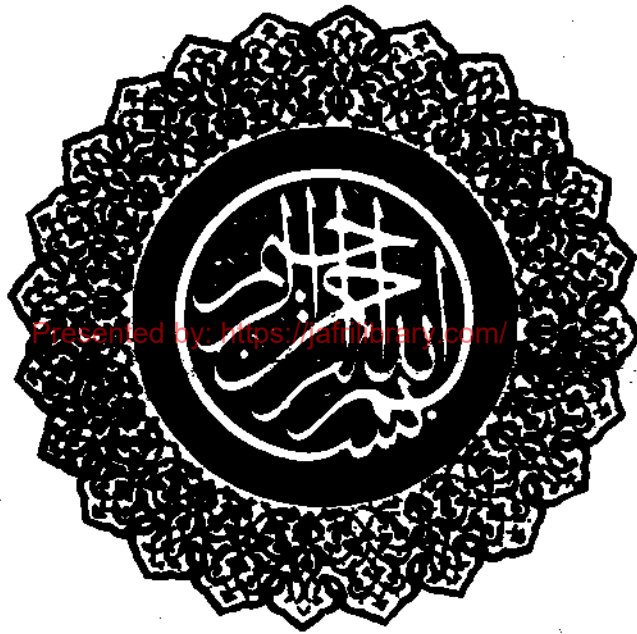
۵۵۳

آیت ۱ تا ۴

۵۵۶

۵۷۸	۱۔ شرفساد کے اہم ترین سرچشے	۵۵۶	وہ یکتا اور بے مثال ہے
"	۲۔ آیات کا تناسب	۵۶۶	چند نکات
"	۳۔ جادو کی تاثیر	"	۱۔ توحید کے دلائل
۵۷۹	۴۔ حاسدوں کا شر	۵۶۷	۲۔ توحید کی اقسام
	<u>سُورَةُ النَّاسِ</u>	۵۶۸	۳۔ توحید افعالی کی اقسام
۵۸۱		۵۶۸	۴۔ توحید در مالکیت
۵۸۲	سُورَةُ النَّاسِ کے مطالب و فضیلت	۵۶۹	۵۔ توحید حاکمیت
۵۸۴	آیت ا تا ۶	۵۷۰	۶۔ توحید اطاعت
۵۸۵	لوگوں کے پروردگار کی پناہ مانگتا ہوں		<u>سُورَةُ الْفَلَقِ</u>
۵۸۷	چند نکات	۵۷۱	
"	۱۔ ہم خدا کی پناہ کیوں مانگتے ہیں	۵۷۲	سُورَةُ الْفَلَقِ کے مطالب و فضیلت
۵۹۰	تفسیر نمونہ کا اختتام	۵۷۴	آیت ا تا ۵
۵۹۱	تمام جلدوں کی اجمالی فہرست	۵۷۵	میں سپیدہ صبح کے پروردگار کی پناہ مانگتا ہوں
		۵۷۸	چند نکات
	❖		❖

Presented by: <https://jafrilibrary.com/>



Presented by: <https://jafrilibrary.com/>

اللَّهُمَّ صَلِّ عَلَى مُحَمَّدٍ وَعَلَى آلِهِ
وَعَلَى رَحْمَتِكَ أَعْلَى دَرَجَاتٍ



تفسیر نمونہ جلد ۱۵

اسے میرے مندرجہ ذیلے سورتیں شامل ہیں
تمام سورتیں پارہ ۳۰ میں ہیں

سُورَةُ التَّكْوِيْنِ: مکی سُورت ہے اور اس کی ۲۹ آیات ہیں۔

سُورَةُ الْاِنْفِطَارِ: مکی سُورت ہے اور اس کی ۱۹ آیات ہیں۔

سُورَةُ الْمَطْفِيْنِ: مکی سُورت ہے اور اس کی ۳۲ آیات ہیں۔

سُورَةُ الْاِنْشِقَاقِ: مکی سُورت ہے اور اس کی ۲۵ آیات ہیں۔

سُورَةُ الْبُرُوْجِ: مکی سُورت ہے اور اس کی ۲۲ آیات ہیں۔

سُورَةُ الطَّارِقِ: مکی سُورت ہے اور اس کی ۱۷ آیات ہیں۔

سُورَةُ الْاَعْلٰی: مکی سُورت ہے اور اس کی ۱۹ آیات ہیں۔

سُورَةُ الْفَاشِيَةِ: مکی سُورت ہے اور اس کی ۲۶ آیات ہیں۔

سُورَةُ التَّكَاثُرِ: مکی سُورت ہے اور اس کی ۸ آیات ہیں۔



سُورَةُ الْفَجْرِ: مکی سُورت ہے اور اس کی ۳۰ آیات ہیں۔

سُورَةُ الْبَلَد: مکی سُورت ہے اور اس کی ۲۰ آیات ہیں۔

سُورَةُ الشَّمْس: مکی سُورت ہے اور اس کی ۱۵ آیات ہیں۔

سُورَةُ اللَّيْلِ: مکی سُورت ہے اور اس کی ۲۱ آیات ہیں۔

سُورَةُ الضُّحَى: مکی سُورت ہے اور اس کی ۱۱ آیات ہیں۔

سُورَةُ الْمُنَافِقِ: مکی سُورت ہے اور اس کی ۸ آیات ہیں۔

Presented by: <https://jafrilibrary.com/>

سُورَةُ التِّين: مکی سُورت ہے اور اس کی ۸ آیات ہیں۔

سُورَةُ الْعَلَق: مکی سُورت ہے اور اس کی ۱۹ آیات ہیں۔

سُورَةُ الْقَدَر: مکی سُورت ہے اور اس کی ۵ آیات ہیں۔

سُورَةُ الْبَيِّنَةِ: مدنی سُورت ہے اور اس کی ۸ آیات ہیں۔

سُورَةُ الزَّلْزَلَةِ: مدنی سُورت ہے اور اس کی ۸ آیات ہیں۔

سُورَةُ الْعَدِثَةِ: مکی سُورت ہے اور اس کی ۱۱ آیات ہیں۔

سُورَةُ الْقَارِعَةِ: مکی سُورت ہے اور اس کی ۱۱ آیات ہیں۔



سُورَةُ الْعَصْرِ: مکی سُورت ہے اور اس کی ۳ آیات ہیں۔

سُورَةُ الْهَمَز: مکی سُورت ہے اور اس کی ۱۱ آیات ہیں۔

سُورَةُ الْفِيل: مکی سُورت ہے اور اس کی ۵ آیات ہیں۔

سُورَةُ الْقُرْشِی: مکی سُورت ہے اور اس کی ۴ آیات ہیں۔

سُورَةُ الْمَاعُون: مکی سُورت ہے اور اس کی ۷ آیات ہیں۔

سُورَةُ الْكَوْثَر: مکی سُورت ہے اور اس کی ۳ آیات ہیں۔

سُورَةُ الْكَافِرُون: مکی سُورت ہے اور اس کی ۶ آیات ہیں

سُورَةُ النَّصْرِ: مدنی سُورت ہے اور اس کی ۳ آیات ہیں۔

سُورَةُ الْمَسَد: مکی سُورت ہے اور اس کی ۵ آیات ہیں۔

سُورَةُ الْاِخْلَاص: مکی سُورت ہے اور اس کی ۴ آیات ہیں۔

سُورَةُ الْفَلَق: مکی سُورت ہے اور اس کی ۵ آیات ہیں۔

سُورَةُ النَّاس: مکی سُورت ہے اور اس کی ۶ آیات ہیں۔



سورۃ تکویر

Presented by: <https://jafrilibrary.com/>

یہ سورہ مکتہ میں نازل ہوا
اس کی ۲۹ آیتیں ہیں

سورۃ تکویر کے مضامین

یہ مکتی سورتوں میں سے ہے اور مختلف قرآن اس کی گواہی دیتے ہیں۔ یہ سورہ اس حقیقت کو پیش کرتا ہے کہ کج فہم اور ہٹ دھرم دشمن پیغمبر اسلامؐ پر جنون کی تہمت لگاتے تھے اور یہ صورت حال زیادہ تر پیغمبر اسلامؐ کے قیام مکہ کے زمانے میں تھی، اور ابتدائے تبلیغ میں یہ کیفیت تھی۔ دشمنوں کی کوشش تھی کہ آپؐ کی باتوں کو سنجیدہ نہ سمجھیں اور ان پر زیادہ توجہ نہ دیں۔ بہر حال یہ سورہ دو محوروں کے گرد گھومتا ہے۔ پہلا محور اس سورہ کے آغاز کی آیتیں ہیں جو قیامت کی نشانیوں، اس جہان کے آخر میں عظیم تبدیلیوں اور قیامت کے آغاز کو بیان کرتی ہیں۔ دوسرے محور میں قرآن کے لانے والے کی عظمت اور تہذیب کی نفوس انسانی میں تاثیر کی گفتگو ہے۔ اس حصہ میں دل ہلا دینے والی اور بیدار کرنے والی قیسیں ہیں۔

Presented by: <https://jafrilibrary.com>

اس سورہ کی تلاوت کی فضیلت

اس سورہ کی اہمیت اور تلاوت کے بارے میں کئی حدیثیں منقول ہیں بمثلہ اُن دیگر اُمائدیث کے ایک حدیث میں پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مروی ہے کہ،

من قرأ سورة اذا الشمس كورت اعاده الله تعالى ان يفضح محبين تنشر صحيفته۔ ”جو شخص ”اذا الشمس كورت“ کو پڑھے تو خدا اسے اس وقت ہر رسوائی سے محفوظ رکھے گا جب اعمال نامے کھولے جائیں گے یہ

ایک اور حدیث میں آنحضرتؐ ہی سے منقول ہے کہ آپؐ نے فرمایا:

من احب ان ينظر الى يوم القيامة فليقرأ اذا الشمس كورت۔ ”جو شخص چاہتا ہے کہ قیامت میں میرا دیدار کرے تو وہ سورہ ”اذا الشمس كورت“ کی تلاوت کرے یہ

یہ حدیث ایک اور طرح سے بھی نقل ہوئی ہے،

من سره ان ينظر الى يوم القيامة (كانه رأى عين) فليقرأ اذا الشمس كورت ”واذا السماء انفطرت“ و”اذا السماء انشقت“۔ ”جو شخص دوست رکھتا

ہے کہ قیامت میں مجھے دیکھے (گویا آنکھ سے دیکھے) تو وہ سورہ "اذا الشمس کورت" اور
 "اذا السماء انفطرت" اور "اذا السماء انشقت" کی تلاوت کرے اس لیے کہ ان
 سورتوں میں قیامت کی نشانیاں اس طرح بیان ہوئی ہیں کہ تلاوت کرنے والے کو گویا صیغہ
 قیامت سے دو چار کر دیتی ہیں بلکہ

ایک اور حدیث میں بھی ملتا ہے کہ پیغمبر اسلامؐ سے لوگوں نے عرض کیا کہ آپؐ پر اس قدر جلد
 کیوں بڑھاپے کے آثار نمایاں ہو گئے ہیں تو آپؐ نے فرمایا:

شیتنی ہود والواقعة والمرسلات وعم یساء لون واذا الشمس کورت۔
 "سورہ ہود، واقعہ، مرسلات، عم اور اذا الشمس کورت نے مجھے بوڑھا کر دیا۔ اس لیے کہ قرآن
 کے ہولناک حوادث کی ان میں اس طرح تصویر کشی کی گئی ہے کہ ہر بیدار انسان کو جلد
 بوڑھا کر دیتی ہے بلکہ

امام جعفر صادقؑ سے بھی ایک حدیث مروی ہے کہ جو شخص سورہ "عبس و قوئی" اور "اذا الشمس
 کورت" کو پڑھے تو پورا درگاہ کے لطف و کرم کے زیر سایہ وہ جنت جاوداں میں ہوگا اور خدا کے نزدیک
 یہ کوئی اہم چیز نہیں ہے کہ وہ ارادہ کرے۔
 جو تعبیریں مندرجہ بالا آیات میں آئی ہیں وہ بتاتی ہیں کہ مراد ایسی تلاوت ہے جو آگاہی اور ایمان
 عمل کا سرچشمہ قرار پاتے۔

۱۔ تفسیر قرطبی، جلد ۱۰، ص ۷۱۔ اس حدیث کے معنی کا سابقہ حدیث میں بھی احتمال ہے۔

۲۔ تفسیر نور الثقلین، جلد ۵ ص ۵۱۳۔

۳۔ ثواب الاعمال مطابق نقل نور الثقلین، جلد ۵ ص ۵۱۲۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

- ۱) إِذَا الشَّمْسُ كُوِّرَتْ ۝
- ۲) وَإِذَا النُّجُومُ انْكَدَرَتْ ۝
- ۳) وَإِذَا الْجِبَالُ سُيِّرَتْ ۝
- ۴) وَإِذَا الْعِشَارُ عُطِّلَتْ ۝
- ۵) وَإِذَا الْوُحُوشُ حُشِرَتْ ۝
- ۶) وَإِذَا الْبِحَارُ سُجِّرَتْ ۝
- ۷) وَإِذَا النُّفُوسُ زُوِّجَتْ ۝
- ۸) وَإِذَا الْمَوْءِدَةُ سُيِّلَتْ ۝
- ۹) بِأَيِّ ذَنْبٍ قُتِلَتْ ۝

ترجمہ اس خدا کے نام سے جو مہربان اور بخشنے والا ہے۔

- ۱) جس وقت سورج کو پیٹا جائے گا۔
- ۲) اور جس وقت ستارے بے نور ہو جائیں گے۔
- ۳) جس وقت پہاڑ چلنے لگیں گے۔
- ۴) جس وقت زیادہ قیمتی مال فراموش کر دیا جائے گا۔
- ۵) جس وقت وحوش کو جمع کیا جائے گا۔

- ۶) جس وقت دریا جوش مارنے لگیں گے۔
 ۷) جس وقت ہر شخص اپنے جیسے کا قرین قرار دیا جائے گا۔
 ۸) جس وقت زندہ درگور لڑکیوں سے سوال کیا جائے گا۔
 ۹) کہ ان کو کس گناہ کی پاداش میں قتل کیا گیا؟

تفسیر

جس دن کائنات کے دفتر کو لپیٹ دیا جائے گا

اس سورہ کے آغاز میں جیسا کہ ہم نے کہا ہے، مختصر، جہان انگیز اور دل ہلا دینے والے اشاروں کے ساتھ اس جہان کے اختتام اور قیامت کی ابتدا کے ہولناک حوادث سے ہمارا آئنا سامنا ہے۔

یہ حوادث ہمیں عجیب و غریب جہانوں کی سیر کراتے ہیں۔ پروردگار عالم ان نشانیوں میں سے آٹھ نشانیوں کو بیان کرتا ہے۔ اپنے ارشاد ہوتا ہے،

Presented by: https://jafrilibrary.com/

”اس وقت جب سورج کا دفتر لپیٹ دیا جائے گا“ (اذا الشمس كورت)۔

”کورت“ ”تکویو“ کے مادہ سے اصل میں کسی چیز کے پٹینے اور جمع کرنے کے معنی میں ہے (مثلاً سر پر عمامہ لپیٹنا) یہ ایسا مضموم ہے جو لغت و تفسیر کی بہت سی کتب سے معلوم ہوتا ہے کبھی کسی چیز کے پھینک دینے اور تار یک ہونے کے معنی میں بھی بولا جاتا ہے۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ یہ دونوں معانی اسی اصلی مضمون کی طرف لوٹتے ہیں۔

بہر حال یہاں مراد سورج کی روشنی کا بجھ جانا ہے۔ اس کا تار یک ہونا ہے یعنی اس کے وجود کا ختم ہو جانا ہے۔ یہیں معلوم ہے کہ فی الحال سورج ایک گرتہ ہے، حد سے زیادہ گرم اور جلتا ہوا، اس قدر کہ اس کا تمام مواد تہہ بہ تہہ گیس کی شکل میں نکل آیا ہے اور اس کے ارد گرد جلانے والے شعلے موجود ہیں جن کی بلندی لاکھوں میٹر ہے۔ اگر کرۂ زمین ان میں سے کسی شعلے کے درمیان الجھ جائے تو ایک ہی لمحے میں خاک ہو کر تھوڑی سی گیس میں تبدیل ہو جائے لیکن اس جہان کے آخر میں قیامت کی ابتدا پر یہ حرارت ختم ہو جائے گی اور شعلے بجھ جائیں گے، اس کی روشنی ختم ہو جائے گی اور اس کے حجم میں کمی ہو جائے گی۔
 تکویر کے یہ معنی ہیں، اسی لیے لسان العرب میں آیا ہے:

(كورت الشمس جمع ضوؤها ولت كما تلت العمامه) سورج کی تکویر کے یہ معنی ہیں کہ اس کی روشنی سمٹ جائے گی اور لپیٹ دی جائے گی جس طرح عمامے کو لپیٹتے ہیں۔

یہ ایک ایسی حقیقت ہے جس کی موجودہ علم بھی تائید کرتا ہے۔ سورج کی روشنی آہستہ آہستہ تاریکی کی طرف جا رہی ہے۔ اس کے بعد مزید فرماتا ہے:

”اور جس وقت ستارے بے نور ہو کر غائب ہو جائیں گے“ (واذا النجوم انكدرت)۔

”انکدرت“ ”انکدار“ کے مادہ سے گرنے اور پراگندہ ہونے کے معنی میں ہے اور کدورت کی اصل کے پیش نظر تیرگی و تاریکی کے معنی میں ہے۔ زیر بحث آیت میں ان دونوں کا جمع ہونا بھی ممکن ہے اس لیے کہ آغاز قیامت میں ستارے اپنی روشنی کھو بیٹھیں گے، منتشر ہو جائیں گے اور گر پڑیں گے اور عالم بالا کا نظام درم برہم ہو جائے گا جیسا کہ سورہ انفطار کی آیت ۲ میں آیا ہے:

(واذا الكواكب انتشرت) ”اور جب ستارے گر کر منتشر ہو جائیں گے“ اور جیسا کہ سورہ مرسلات کی آیت ۸ میں آیا ہے (فاذا النجوم طمست) اور جب ستارے مٹ جائیں گے اور تاریک ہو جائیں گے، قیامت کی تیسری نشانی کے سلسلہ میں فرماتا ہے:

”اور جب پہاڑ چلنے لگیں گے“ (واذا الجبال سیوت)۔ جیسا کہ ہم نے پہلے بھی اشارہ کیا ہے کہ قرآن کی مختلف آیتوں سے ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ آغاز قیامت میں پہاڑ مختلف مراحل طے کریں گے۔

پہلا مرحلہ یہ کہ وہ چلنے لگیں گے اور آخری مرحلے میں غبار میں تبدیل ہو جائیں گے۔ (اس سلسلہ میں مزید تشریح اسی جلد میں سورہ نبا کی آیت ۲۵ کی تفسیر میں ملاحظہ فرمائیں)۔ اس کے بعد مزید فرماتا ہے:

”جس وقت نہایت قیمتی اموال فراموشی کے حوالے ہو جائیں گے“ (واذا العشار عطلت)۔

”عشار“ جمع ہے ”عشراء“ کی جو دراصل حاملہ اونٹنی کے معنی میں ہے جس کے حمل کو دس ماہ گزر چکے ہوں اور وہ بچہ جنمنے کے قریب ہو یعنی زیادہ وقت نہیں گزرے گا کہ وہ ایک اور اونٹ کو جنم دے گی اور بہت زیادہ دودھ اس کے پستانوں میں ظاہر ہوگا۔

جس وقت یہ آیتیں نازل ہوئیں تو عرب میں اس قسم کی اونٹنی بہت قیمتی شمار ہوتی تھی۔

”عطلت“ تعطل کے مادہ سے سرپرست اور چرواہے کے بغیر چھوڑ دینے کے معنی میں ہے مراد یہ

ہے کہ اس دن ہولناکی اس قدر شدید ہوگی کہ ہر انسان اپنے نفیس ترین مال کو فراموش کر دے گا۔

مروج طبری مجمع البیان میں نقل کرتے ہیں کہ بعض مفسرین نے عشار کو بادل کے معنی میں لیا ہے اور ”عطلت“ بارش کے معطل ہو جانے کے معنی میں ہے یعنی اس دن آسمان پر بادل تو ظاہر ہوں گے لیکن برسیں گے نہیں۔ (ہو سکتا ہے یہ بادل مختلف گیسوں سے پیدا ہوں یا اٹھی بادل ہوں یا گرد و غبار کے تودے جو پہاڑوں کے ریزہ ریزہ ہو جانے سے آغاز قیامت میں ظاہر ہوں گے)۔

لیکن طبری مزید کہتے ہیں کہ بعض مفسرین نے کہا ہے کہ عشار کی تفسیر بادلوں سے کرنا ایسی چیز ہے جو لغت عرب میں معروف نہیں ہے لیکن اس مطلب کی طرف توجہ سے جو ”طربھی“ نے مجمع البحرین میں نقل

کیا ہے کہ "عشار" اصل میں حاملہ اونٹنیوں کے معنی میں ہے اور اس کے بعد ہر بار بردار کو کہا گیا ہے۔ ممکن ہے بادلوں پر بھی اس کا اطلاق عام طور پر پانی کا بوجھ اٹھانے کی وجہ سے ہو اگرچہ وہ بادل جو آغاز قیامت میں نمودار ہوں گے بار بردار نہیں ہوں گے (خور مجھے)۔

بعض مفسرین نے "عشار" کی تفسیر گھروں اور زرعی زمینوں سے کی ہے جو عرصہ عشر میں بیکار ہو جائیں گی اور سانکوں اور زراعت کرنے والوں سے محروم ہوں گی۔ لیکن پہلی تفسیر سب سے زیادہ مشہور ہے۔ بعد کی آیت میں مزید ارشاد ہوتا ہے،

"اور جس وقت وحشی جانور اکٹھے کیے جائیں گے" (واذا الوحوش حشرت)۔ وہی جانور جو عام حالات میں ایک دوسرے سے دور تھے اور ڈرتے تھے عرصہ قیامت کے ہولناک حادثہ کی وحشت کی شدت ایسی ہوگی کہ ان کو ایک دوسرے کے گرد جمع کر دے گی اور وہ ہر چیز کو جھول جائیں گے۔ گویا وہ چاہیں گے کہ اپنے اس اجتماع سے اپنے خوف و وحشت میں کمی کریں۔

دوسرے لفظوں میں جس وقت وہ ہولناک مناظر وحشی جانوروں سے ان کے مخصوص خواص چھین لیں گے تو انسانوں سے کیا سلوک کریں گے۔ لیکن بہت سے مفسرین کا نظریہ ہے کہ مندرجہ بالا آیت قیامت کی عدالت میں وحشی جانوروں کے جمع ہونے کی طرف اشارہ ہے کہ وہ بھی اپنے عالم میں اور اپنی آگاہی اور شعور کے حدود میں رہتے ہوئے جوابدہی کے پابند ہیں اور اگر انہوں نے ایک دوسرے پر ظلم و ستم کیا ہو گا تو وہ ان سے بدلہ لیا جائے گا۔

اس آیت کی سورہ انعام کی آیت ۳۸ کے ساتھ مشابہت ہے جو یہ کہتی ہے کہ (وما من دآبۃ فی الارض ولا طائر یطیر بجناحہ الا امم امثالکم ما فرطنا فی الکتاب من شیء ثم الیٰ ربکم یحشرون) کوئی زمین میں چلنے والا اور کوئی پرندہ جو اپنے دونوں پردوں سے پرواز کرتا ہے موجود نہیں مگر یہ کہ وہ تمہاری طرح کی امتیں ہیں۔ ہم نے کسی چیز کو اس کتاب میں چھوڑا نہیں ہے اس کے بعد تم اپنے پروردگار کی طرف محشور ہو گے۔

(جانوروں کے حشر و نشر اور حساب و کتاب کے سلسلہ میں تفصیلی بحث سورہ انعام کی اسی آیت کے ذیل میں جلد ۲ ص ۳۶۹ تا ۳۷۲ ہم کر چکے ہیں)۔

جو کچھ یہاں کہا جاسکتا ہے وہ یہ ہے کہ اس طرف توجہ کرتے ہوئے کہ زیر بحث آیات دنیا کے اختتام اور آخرت کے آغاز کی ہولناک نشانیوں کے سلسلہ میں بحث کر رہی ہیں لہذا پہلی تفسیر مناسب ہے۔ اس کے بعد مزید فرماتا ہے،

"جس وقت دریاؤں میں آگ لگ جائے گی" (واذا البحار سجرت)۔

"سجرت" "تسجیر" کے مادہ سے جلانے اور آگ کے پھیلانے کے معنی میں ہے۔ اور

اگر قرآن کی یہ تعبیر گزشتہ زمانے میں مفسرین کے لیے عجیب و غریب تھی تو اس وقت ہمارے لیے باعث تعجب نہیں ہے اس لیے کہ ہم جانتے ہیں کہ پانی دو عناصر، ہائیڈروجن اور آکسیجن، سے مرکب ہے جو دونوں شدید طور پر قابل اشتعال ہیں۔

بعید نہیں کہ مصلحتاً میں دریاؤں اور سمندروں کا پانی اس طرح دباؤ اور فشار میں آجائے کہ ان کا تجزیہ ہو جائے اور یہ آگ پکڑ جائیں۔

بعض نے اس لفظ کی پُر ہونے کے معنی میں تفسیر کی ہے جیسا کہ آگ سے پُر تنور کو مسجّر کہا جاتا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ عرصہ محشر کے زلزلے اور پہاڑوں کا انتشار دریاؤں اور سمندروں کے پُر ہونے کا سبب بنے یا آسمانی پتھروں کے گرنے سے وہ پُر ہو جائیں اور ان کا متلاطم پانی خشکیوں کی سطح پر جاری ہو اور ہر چیز کو غرق کر دے۔ اس کے بعد مزید فرماتا ہے:

.. اور جس وقت ہر شخص اپنے جیسے کا قرین ہو جائے گا (واذا النفوس زوجت)۔ صالحین صالحین کے ساتھ، اور بدکار بدکار لوگوں کے ساتھ، اصحاب الیمین اصحاب الیمین کے ساتھ اور اصحاب الشمال اصحاب الشمال کے ساتھ، اس دنیا کے برعکس جہاں سب ملے جلے ہیں۔ کہیں مومن کا ہمسایہ مشرک ہے اور کہیں صالح اور نیک کا ہمسایہ غیر صالح ہے۔ لیکن قیامت جو یوم الفصل یعنی جدائی کا دن ہے اس میں یہ صفیں مکمل طور پر الگ الگ اور ایک دوسرے سے جدا ہو جائیں گی۔

اس آیت کی تفسیر میں دوسرے احتمالات بھی پیش ہوتے ہیں بخجلہ ایک یہ ہے کہ ارداح ابدان میں پلٹ آئیں گی یا جنتی نفوس حوروں کے ساتھ اور جہنمی نفوس شیاطین کے پاس ہو جائیں گے۔ یا یہ کہ ہر انسان اپنے دوست اور رفیق کے قریب ہوگا بعد اس کے کہ موت ان کے درمیان جدائی ڈال دے گی یا ہر انسان اپنے اعمال کا قرین ہوگا۔

لیکن پہلی تفسیر سب سے زیادہ مناسب نظر آتی ہے۔ سورہ واقعہ کی آیات ۷ سے ۱۱ تک اس کی گواہ ہیں:

(وکنتم ازواجاً ثلاثہ فاصحاب الیمینۃ ما اصحاب الیمینۃ واصحاب المشئمۃ ما اصحاب المشئمۃ والسابقون السابقون اولئک المقربون)

اس دن تم تین گروہوں میں تقسیم ہو جاؤ گے پہلا گروہ اصحاب یمینہ کا ہے کیا کنا اصحاب یمینہ کا۔ دوسرا گروہ اصحاب شمال کا ہے وہ کیا ہی منحوس گروہ ہے اور تیسرا گروہ سبقت کرنے والوں کا ہے اور سبقت کرنے والے ہی مقربین ہیں۔

حقیقت میں یہ آیت ایسی تبدیلیاں جو قیامت کی تمہید ہیں ان کے ذکر کے بعد اس عظیم دن کے ہر اہل دستے کی طرف اشارہ کرتی ہے اور وہ ایسا دن ہے جس میں ہر شخص اپنے قرین کے ہمراہ ہو جائے گا۔

اس کے بعد قیامت کے ایک اور حادثہ کو موضوع بناتے ہوئے مزید فرماتا ہے،
 ”جس دن زندہ درگور لڑکیوں سے سوال کیا جائے گا“ (واذا الموءودة سئلت) ”کہ وہ کس جرم میں
 قتل کی گئی ہیں“ (ربا حتی ذنب قتلت)۔

”موءودہ“؛ ”وؤاد“ (بروزن رعد) اس لڑکی کے معنی میں ہے جسے زندہ دفن کر دیا گیا ہو بعض مفسرین
 نے کہا ہے کہ اس کے اصل معنی ثقل بلوہ اور سنگینی کے ہیں اور چونکہ ان لڑکیوں کو قبر میں دفن کرتے تھے اور
 ان پر مٹی ڈال دیتے تھے اس لیے یہ تعبیر ان کے لیے استعمال کی گئی ہے۔
 بعض روایات کے نتیجے میں اس آیت کی تفسیر کو وسعت دی گئی ہے یہاں تک کہ ہر قسم کے قطع رحم یا
 مودۃ اہل بیت کو قطع کرنا اس میں شامل ہے۔

ایک حدیث امام محمد باقر سے مروی ہے کہ جس وقت اس آیت کی تفسیر کے متعلق سوال ہوا تو آپ
 نے فرمایا (من قتل فی مودتنا) اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو ہماری محبت کی راہ میں قتل کر دیئے گئے ہیں۔
 ایک دوسری حدیث میں آیا ہے کہ اس بات کی گواہ آیت قرآنی ہے (قل لا اسئلكم علیہ اجرًا
 الا المودة فی القربی) ”کہہ دے میں تبلیغ نبوت کے سلسلہ میں تم سے کسی قسم کا اجر نہیں چاہتا سوائے
 اپنے اہل بیت کی مودۃ کے“ (شوری - ۲۳)۔
 البتہ آیت کا اسی ہر مضمون وہی پسلی تفسیر ہے لیکن اس میں اس قسم کے مضمون کی صلاحیت ہے۔

چند نکات

۱۔ لڑکیوں کو زندہ درگور کرنا

عربوں کے زمانہ جاہلیت کے دردناک ترین اور نہایت وحشیانہ مظاہر میں سے ایک مظہر لڑکی کا زندہ
 درگور کر دینا ہے جس کی طرف قرآن مجید میں بار بار اشارہ ہوا ہے۔ اگرچہ بعض مفسرین کا نظریہ ہے کہ یہ قبیح رسم
 عربوں میں عام نہیں تھی۔ صرف قبیلہ کندہ یا بعض دوسرے قبائل میں تھی لیکن ظاہر ہے کہ یہ اقدام کچھ عجیب
 نہیں سمجھا جاتا تھا۔ ورنہ قرآن اس بارے میں اتنی تاکید کے ساتھ بار بار گفتگو نہ کرتا۔

بہر حال یہ کام اس قدر وحشت ناک تھا کہ اس کا کبھی بھی ہونا بھی نہایت قبیح امر ہے۔ مفسرین نے کہا
 ہے کہ عربوں کے زمانہ جاہلیت میں جس وقت عورت کے وضع حمل کا وقت قریب آتا تو زمین میں ایک گڑھا
 کھود دیتے اور اس کے اوپر بیٹھ جاتے اگر فوزائیدہ بچہ لڑکی ہوتا تو اس کو اس گڑھے میں پھینک دیتے

اور اگر لڑکا ہوتا تو اسے زندہ رہنے دیتے۔ اسی لیے ان کے شعراء میں سے ایک شاعر اس سلسلہ میں فریہ لب و لہجے میں کہتا ہے :

سمیتھا اذا ولدت تموت والعبر صمصمنا من ذمیت

میں نے اس نوزائیدہ لڑکی کا نام اس کی پیدائش کے وقت موت رکھا جس کے معنی ہیں
مر جائے گی) اور قبر میرا داماد ہے جس نے اسے اپنی بغل میں لے لیا اور اسے خاموش کر دیا۔
اس جرم کے مختلف اسباب و عوامل تھے

زمانہ جاہلیت میں عورت کا ایک انسان کے لحاظ سے بے قدر و قیمت ہونا اس شدید نفوذ فاقہ کی کیفیت کا نتیجہ تھا جو اس معاشرہ پر مسلط تھا۔ لڑکیاں نہ تو کچھ بچا کر دے سکتی تھیں نہ ڈاکہ ڈالنے میں شرکت کر سکتی تھیں۔ ایک سبب اور بھی تھا اور وہ یہ کہ اس بات کا امکان تھا کہ مختلف جنگوں میں گرفتار ہو کر لڑکیاں قید ہو جائیں اور ان کی عزت و ناموس دوسروں کے قبضہ میں چلی جائے جس کے نتیجے میں بے غیرتی کا دھبہ متعلقین کے دامن پر لگ جائے۔

یہ چند عوامل لڑکیوں کے زندہ درگور کرنے کا سبب بنے۔ انتہائی افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ زمانہ موجود میں بھی یہ رسم کسی نہ کسی صورت میں موجود ہے۔ اور کچھ نہیں تو اسقاطِ حمل کی آزادی کی صورت میں بہت سے متمدن ممالک میں رواج پانے ہوئے ہے۔ اگر زمانہ جاہلیت کے عرب نوزائیدہ بچیوں کو زندہ درگور کر دیتے تھے تو ہمارے زمانے کے متمدن انسان انہیں شکمِ مادر میں قتل کر دیتے ہیں اس کی مزید تشریح جلد ۶ ص ۳۷۶ تا ۳۷۹ پر سورہ نخل کی آیت ۵۹ کے ذیل میں ہم لکھ چکے ہیں۔

۲۰۔ قابلِ توجہ یہ ہے کہ قرآن مجید نے اس اقدام کو اس قدر قبیح اور قابلِ نفرت قرار دیا ہے کہ روزِ قیامت دوسرے اعمال کی پرسش سے پہلے اس دادِ خواہی کا تذکرہ کیا ہے یہ چیز اس بات کی نشاندہی کرتی ہے کہ قانونِ اسلام کی رو سے عالمِ انسانوں خصوصاً بے گناہ انسانوں کے خون کی بہت شدید گرفت کی گئی ہے۔ اس سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ اسلام کی نگاہ میں عورت کی کتنی قدر و منزلت ہے۔

۳۔ ایک اور نکتہ جس کی طرف یہاں توجہ ضروری ہے وہ یہ ہے کہ قرآن یہ نہیں کہتا کہ قانونوں سے سوال کریں گے بلکہ کہتا ہے کہ ان مصوم بچیوں سے سوال ہو گا کہ تمہارا کیا گناہ تھا کہ اس بے رحمانہ طریقہ پر تم کو قتل کیا گیا۔ گویا قاتل اس قابل بھی نہیں ہیں کہ اُن سے اُن کے جرم کے بارے میں پرسش بھی کی جائے بلکہ تنہا ان مقتولین کی گواہی کافی ہے۔

۱۰. وَإِذَا الصُّحُفُ نُشِرَتْ ۖ
۱۱. وَإِذَا السَّمَاءُ كُشِطَتْ ۖ
۱۲. وَإِذَا الْجَبَابِثُ سُقِرَتْ ۖ
۱۳. وَإِذَا الْجَنَّةُ أُزْلِفَتْ ۖ
۱۴. عَلِمْتُ نَفْسٌ مَّا أَحْضَرْتُ ۖ

ترجمہ

۱۰. جس وقت اعمال نامے کھول دیئے جائیں گے۔
۱۱. اور جس وقت آسمان سے پردہ ہٹا دیا جائے گا۔
۱۲. اور جس وقت دوزخ دہک اٹھے گا۔
۱۳. اور جس وقت جنت قریب کر دی جائے گی۔
۱۴. اس وقت ہر انسان جان لے گا کہ اس نے کیا کیا ہے۔

تفسیر

اس دن معلوم ہوگا کہ ہم کتنے پانی میں ہیں

اس بحث کے بعد جو گزشتہ آیتوں میں قیامت کے پہلے مرحلے یعنی اس جان کی دیرانی کے موضوع پر آئی تھی زیر بحث آیتوں میں اس کے دوسرے مرحلے یعنی دوسرے عالم کے ظہور اور نامہ اعمال کی طرف اشارہ کر کے فرماتا ہے:

”جس روز اعمال نامے کھول دیئے جائیں گے“ (وَإِذَا الصُّحُفُ نُشِرَتْ)۔
 ”صحف“ صحیفہ کی جمع ہے۔ یہ اس چیز کے معنوں میں ہے جو صفو رخ کی طرح وسیع ہو۔ اس کا اطلاق ان تختیوں اور کاغذوں پر بھی ہوا ہے جن پر کچھ مطالب لکھے ہیں۔ قیامت میں اعمال ناموں کے

کھٹے سے مراد یہ ہے کہ جنہوں نے وہ اعمال انجام دیئے ہیں ان کے سامنے ان کے اعمال ظاہر ہو جائیں گے تاکہ وہ اپنا حساب کتاب دیکھ لیں جیسا کہ سورہ اسرہی کی آیت ۲۱ میں آیا ہے:

(اقْرَأْ كِتَابَكَ تَفْخِي بِنَفْسِكَ الْيَوْمَ عَلَيْكَ حَسِيبًا) اور ان اعمال ناموں کا دوسروں کے سامنے واضح ہونا بھی نیکو کاروں کے لیے ایک تشوین کا عنوان ہے اور بدکاروں کے لیے سزا و رنج اور تکلیف ہے۔ اس کے بعد مزید فرماتا ہے:

”اور جس وقت آسمان کے سامنے سے پردہ ہٹا دیا جائے گا، (وَإِذَا السَّمَاءُ كُشِطَتْ)۔
 ”کُشِطَتْ“ (زبردستی کشف) کے مادہ سے اصل میں، جیسا کہ راغب مفردات میں لکھا ہے، جانور کی کھال اتارنے کے معنی میں ہے اور ابن منظور کے بقول ”لسان العرب“ میں کسی چیز کے رُخ سے پردہ ہٹانے کے معنی میں بھی آیا ہے لہذا جس وقت بادل ٹکڑے ٹکڑے ہو جائیں تو یہ تعبیر استعمال ہوتی ہے۔
 زیر بحث آیت میں اس سے مراد یہ ہے کہ وہ پردے جو اس دنیا میں عالم مادہ اور عالم بالا پر پڑے ہوئے ہیں یعنی لوگ فرشتوں کو یا دوزخ و جنت کو نہیں دیکھ سکتے وہ ہٹ جائیں گے اور انسان عالم ہستی کے حقائق کو دیکھ سکیں گے۔

جیسا کہ بعد والی آیت میں آئے گا کہ جہنم شعلہ ور ہوگا اور جنت انسانوں کے نزدیک ہو جائے گی۔
 جی ہاں قیامت کا دن یوم البروز ہے۔ چیزوں کی ہیبت اس دن آشکار ہو جائے گی اور آسمان کے چہرہ سے پردہ ہٹ جائے گا۔

اس تفسیر کے مطابق مندرجہ بالا آیت قیامت کے دوسرے مرحلے کے حوادث یعنی انسانوں کی حیات تازہ کے مراحل کی گفتگو کرتی ہے۔

قبل و بعد کی آیات بھی انہی چیزوں کی حامل ہیں اور یہ جو ہیبت سے مفسرین نے اس آیت کو آسمانوں کے پیٹے جانے اور قیامت کے پہلے مرحلے یعنی اس عالم کی فنا سے متعلق سمجھا ہے، یہ ہیبت بعید نظر آتا ہے اور نہ یہ مفہوم قبل و بعد کی آیات کے ساتھ ہم آہنگ ہے۔ اس لیے بعد والی آیات میں مزید فرماتا ہے:

”اور جس وقت جہنم شعلہ ور ہوگا“ (وَإِذَا الْجَحِيمُ سُعِرَتْ)۔

(وَأَن جَهَنَّمَ لَمُحِيطَةٌ بِالْكَافِرِينَ)۔ ”بے شک دوزخ کافروں کا احاطہ کیسے ہوئے ہے“ (توبہ ۴۹) کے مطابق جہنم اب بھی موجود ہے لیکن اس دنیا کے مجاہدات اس کے مشاہدہ کی راہ میں حائل ہیں۔ جیسا کہ بہت سی آیات قرآنی کے مطابق جنت بھی اس وقت پرہیزگاروں کے لیے تیار ہے۔ اسی بنا پر بعد والی آیت میں فرماتا ہے:

”اور جس وقت جنت پرہیزگاروں کے نزدیک کر دی جائے گا۔“ (وَإِذَا الْجَنَّةُ أَزْلَفَتْ)۔ یہی معنی سورہ شعراء کی آیت ۹۰ میں بھی اس فرق کے ساتھ آئے ہیں کہ یہاں متقین کے نام کی تصریح نہیں ہوئی۔

”ازلقت“، ”زلقت“ (بروزن حرف) اور ”زلقتی“ (بروزن کبریٰ) کے مادہ سے نزدیکی کے معنوں میں ہے۔ ہو سکتا ہے کہ اس سے مراد قرب مکانی ہو یا قرب زمانی یا اسباب و مقدمات کے لحاظ سے یا پھر یہ سب امور ہوں مینی جنت مکان کے لحاظ سے بھی مومنین کے نزدیک ہو جائے گی اور زمان و دور کے اعتبار سے بھی اور اس کے اسباب و علل بھی وہاں سہل و آسان ہوں گے۔

قابل توجہ یہ ہے کہ یہ نہیں فرماتا کہ نیکو کار جنت کے نزدیک ہو جائیں گے بلکہ فرماتا ہے جنت ان کے نزدیک کر دیں گے اور یہ بہت ہی محترم تعبیر ہے جو اس سلسلہ میں ممکن ہے۔ جیسا کہ ہم نے کہا ہے جنت اور جہنم دونوں اس وقت موجود ہیں لیکن اس دن جنت زیادہ نزدیک اور جہنم ہر زمانہ کی نسبت زیادہ بھڑک رہا ہوگا۔

آخری زیر بحث آیت میں جو فی الحقیقت تمام گزشتہ آیتوں کی تکمیل کرتی ہے اور تمام شرطیہ جملوں کی جزا ہے جو گزشتہ بارہ آیتوں میں آئے ہیں، فرماتا ہے:

”اس وقت ہر شخص جان لے گا کہ اس نے کیا کچھ حاضر کیا ہے“ (علمت نفس ما احضرت)۔ اور یہ تعبیر اچھی طرح بتاتی ہے کہ انسان کے تمام اعمال وہاں حاضر ہوں گے اور وہاں انسان کا علم مشاہدہ پلے ہوئے ہوگا۔

Presented by: <https://jafrilibrary.com/>

یہ حقیقت قرآن کی متعدد آیات میں آئی ہے۔ سورہ کف کی آیت ۴۹ میں ہم پڑھتے ہیں (وودجدوا ما عملوا حاضرا) ”جو کچھ انہوں نے اعمال کیے ہیں وہ اسے حاضر پائیں گے“ اور سورہ زلزال کی آخری آیات میں آیا ہے: (فمن یعمل مثقال ذرۃ خیرا یرہ ومن یعمل مثقال ذرۃ شرا یرہ) جس شخص نے ذرہ برابر نیک عمل کیا ہو گا وہ اسے دیکھے گا اور جس شخص نے ذرہ برابر برائی کی ہو گی وہ اسے دیکھے گا۔

یہ آیت بھی اعمال کی تقسیم کو بیان کرتی ہے اور یہ کہ انسانوں کے اعمال جو اس جہان میں بظاہر نابود ہو جاتے ہیں، وہ حقیقتاً نابود نہیں ہوتے۔ اس دن مناسب شکلوں اور صورتوں میں مجسم ہوں گے اور عرصہ محشر میں حاضر ہوں گے۔

چند نکات ۱۔ نظم آیات

زیر بحث آیتوں میں اور گزشتہ آیتوں میں مسئلہ قیامت کے رابطہ سے بارہ حادثات کی طرف اشارہ ہوا ہے جن میں سے چھ حوادث پہلے مرحلہ یعنی اس جہان کی فنا سے متعلق ہیں اور چھ دوسرے حوادث چھ دوسرے مرحلہ یعنی موت کے بعد کی نئی زندگی سے متعلق رکھتے ہیں۔ پہلے حصہ میں سورج کے تاریک دسیاہ ہو جانے، ستاروں کے بے نور ہونے، پہاڑوں کے تزلزل اور

حرکت میں آجانے، سمندروں میں آگ لگ جانے، اموال کو بھول جانے اور جانوروں کے وحشت زدہ ہو جانے کے بارے میں گفتگو ہے۔

دوسرے مرحلہ میں انسانوں کے الگ الگ صغوں میں محسوس ہونے، بے گناہ زندہ درگور لڑکیوں سے سوال کیے جانے، نامہ اعمال کے کھلنے، آسمانوں سے حجابوں کے ہٹ جانے، جہنم کی آگ کے بھڑک اٹھنے، جنت کے نزدیک ہونے اور آخر میں انسان کے اپنے اعمال سے مکمل طور پر آگاہ ہونے کی بات ہوئی ہے۔

یہ آیات، باوجود اختصار، اس قدر پُر معنی اور دل ہلا دینے والی ہیں کہ ہر انسان کے وجود کو متزلزل کر دیتی ہیں اور اسے غور و فکر پر اس طرح مجبور کر دیتی ہیں کہ وہ اس دنیا کے انجام اور قیامت کی کیفیات کو مختصر عبارتوں میں اپنی آنکھوں کے سامنے مجسم دیکھنے لگتا ہے۔ کس قدر زیبا، خوبصورت اور اثر کرنے والی یہ آیات قرآن ہیں اور کس قدر پُر معنی اور المام بخش ان کے نکات ہیں۔

۲۔ کیا نظام شمسی ختم ہو جائے گا اور ستاروں کے چراغ گل ہو جائیں گے؟

ہر چیز سے پہلے ہمیں جاننا چاہیے کہ ہمارے نظام شمسی کا یہ حیات بخش مرکز جسے ہم سورج کہتے ہیں آسمان کے باقی ستاروں کی بہ نسبت، اگرچہ یہ متوسط ستارہ ہے، لیکن اپنی ذات کی حد تک اور کرۂ زمین کی نسبت بہت بڑا ہے۔

ماہرین کی تحقیق اور ان کے مطالعوں کے مطابق اس کا حجم ایک طین اور تین کروڑ گنا زمین کے مقابلہ میں ہے۔ البتہ یہ چونکہ ہم سے تقریباً ایک سو پچاس طین کلومیٹر کے فاصلہ پر ہے لہذا وہ موجودہ حجم میں نظر آتا ہے۔

سورج کی عظمت و وسعت کی تصویر کشی کے لیے یہی مقدار کافی ہے کہ اگر چاند اور زمین کو اس فاصلہ کے ساتھ جو اس وقت ان دونوں کے درمیان ہے، سورج کے اندر منتقل کر دیں تو چاند آسانی کے ساتھ زمین کے گرد گردش کر سکتا ہے یعنی اس کے کہ وہ سورج کی سطح سے خارج ہو۔

سورج کی سطح کی حرارت چھ ہزار سنٹی گریڈ سے زیادہ ہے اور اس کے عمق کی حرارت کئی طین درجوں سے زیادہ ہے۔ اگر ہم چاہیں کہ سورج کے وزن کو ٹنوں کے حساب سے بیان کریں تو ضروری ہے کہ ہم دو کا عدد لکھیں اور ستائیس صغرا اس کے آگے لگائیں یعنی دو ارب ارب ارب ٹن۔

سورج کی سطح سے سطح بلند ہوتے ہیں جن کا ارتفاع بھی تو ایک لاکھ ساٹھ ہزار کلومیٹر ہوتا ہے اور کرۂ زمین اس کے اندر آسانی سے گم ہو سکتا ہے کیونکہ زمین کا قطر بارہ ہزار کلومیٹر سے زیادہ نہیں ہے۔ باقی رہا سورج کی فوری روشنی دینے والی طاقت کا سرچشمہ، اس کے برعکس جو بعض ماہرین نے طے کر رکھا ہے

وہ جلنے سے پیدا نہیں ہوتا۔

جارج گاموف اپنی کتاب ”سورج کی پیدائش اور اس کی موت“ میں لکھتا ہے کہ اگر سورج کا جسم خالص پتھر کے کوئلے سے بنا ہوا ہوتا اور مصر کے پہلے فرعون کے زمانے میں اسے آگ لگائی گئی ہوتی تو ضرور تھا کہ وہ اب تک سب جل چکا ہوتا اور خاک کے سوا کوئی چیز باقی نہ بچی ہوتی اور کسی قسم کا دوسرا جلنے والا مادہ اگر پتھر کے کوئلے کی جگہ ہم فرض کریں تو وہ بھی یہی اشکال دکھاتا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ جلنے کا مفہوم سورج پر صادق نہیں آتا۔ اس میں جو کچھ ہے وہ ایٹمی تجربوں سے حاصل شدہ طاقت ہے۔ ہم جانتے ہیں کہ یہ طاقت (انرجی) بہت زیادہ اور بڑی ہے اس بنا پر سورج کے ایٹم انرجی کی تبدیلی میں مصروف ہیں جو ماہرین کے حساب کے مطابق ہر سیکنڈ میں چار ملین ٹن کم ہو جاتے ہیں مگر سورج کا حجم اتنا بڑا ہے کہ ہزار ہا سال گزرنے کے باوجود اس پر کوئی اثر نہیں پڑتا اور اس کی کیفیت و وضع میں معمولی سا تغیر بھی واقع نہیں ہوتا۔

لیکن جاننا چاہیے کہ یہی چیز ایک مدت دراز کے بعد سورج کے فنا ہونے کا سبب بنے گی اور آخر کار یہ جرم عظیم لاغر، کمزور، پتلا اور بے نور ہو جائے گا۔ اور یہی چیز ستاروں پر بھی صادق آتی ہے۔ اس بنا پر جو کچھ ادیر والی آیات میں سورج کے تار یک ہونے اور ستاروں کے بکھر جانے کے سلسلہ میں آیا ہے وہ ایسی حقیقت ہے جو موجودہ زمانے کے علم کے ساتھ ہم آہنگ ہے اور قرآن نے اس وقت ان حقائق کو بیان کیا ہے جب نہ صرف جزیرۃ العرب کے ماحول میں بلکہ اس زمانے کی علمی دنیسا کی محفلوں میں بھی ان مسائل کی کوئی خبر نہیں تھی۔

- ۱۵ فَلَا أُقْسِمُ بِالْخُنَّسِ ۝
 ۱۶ الْجَوَارِ الْكُنَّسِ ۝
 ۱۷ وَاللَّيْلِ إِذَا عَسْعَسَ ۝
 ۱۸ وَالصُّبْحِ إِذَا تَنَفَّسَ ۝
 ۱۹ إِنَّهُ لَقَوْلُ رَسُولٍ كَرِيمٍ ۝
 ۲۰ ذِي قُوَّةٍ عِنْدَ ذِي الْعَرْشِ مَكِينٍ ۝
 ۲۱ مُطَاعٍ ثَمَّ أَمِينٍ ۝
 ۲۲ وَمَا صَاحِبُكُمْ بِمَجْنُونٍ ۝
 ۲۳ وَلَقَدْ رَآهُ بِالْأُفُقِ الْمُبِينِ ۝
 ۲۴ وَمَا هُوَ عَلَى الْغَيْبِ بِضَنِينٍ ۝
 ۲۵ وَمَا هُوَ بِقَوْلِ شَيْطَانٍ رَجِيزٍ ۝

ترجمہ

- ۱۵ قسم ہے ان ستاروں کی جو پلٹ آتے ہیں۔
 ۱۶ چلتے ہیں اور نگاہوں سے چھپ جاتے ہیں۔
 ۱۷ اور قسم ہے رات کی جبکہ وہ پشت پھیرے اور آخر کو پہنچ جائے۔
 ۱۸ اور صبح کی جب وہ تنفس کرے۔
 ۱۹ کہ یہ قرآن با عظمت بھیجے ہوئے کا کلام ہے (جبرائیل امین)۔

- (۲۰) جو صاحب قدرت ہے اور صاحب عرش خدا کے ہاں بلند مقام کا حامل ہے۔
- (۲۱) فرمانروا اور امین ہے۔
- (۲۲) اور تمہارا ساتھی (پیغمبر) دیوانہ نہیں ہے۔
- (۲۳) اُس نے اُس کو (جبرائیل کو) روشن افق میں دیکھا۔
- (۲۴) وہ اس کے بالے میں جسے اس نے وحی سے حاصل کیا ہے بخیل نہیں ہے۔
- (۲۵) یہ قرآن شیطانِ رجیم کا قول نہیں ہے۔

تفسیر

وحی الہی اس پر نازل ہوئی

پروردگارِ عالم گزشتہ آیتوں کے بعد جو قیامت و معاد اور اس کے مقدمات اور عرش کے عظیم دن کے بارے میں گفتگو کرتی ہیں، ان آیتوں میں قرآن کی حقانیت اور پیغمبرِ اسلامؐ کی گفتار کے سچ ہونے کی بحث کو پیش کرتا ہے اور معاد کے بارے میں جو کچھ گزشتہ آیات میں آیا، حقیقت میں اس کی تائید کرتا ہے اور آگاہی بخشنے والی قسموں کے ساتھ ان مطالب کی تائید کرتا ہے۔ پہلے فرماتا ہے:

”قسم ہے ستاروں کی جو لوٹتے ہیں“ (فلا أقسم بالخنس)۔ ”چلتے ہیں اور نظروں سے اوجھل ہو جاتے ہیں“ (الجوار الکنس)۔

”خنس“، ”خانس“ کی جمع ہے ”خنس“ (بروزن شمس) کے مادہ سے اصل میں انقباضِ بازو گشت اور پنہاں ہونے کے معنی میں ہے۔ اور شیطان کو اس لیے خناس کہتے ہیں کہ وہ خود کو چھپاتے رکھتا ہے اور جس وقت خدا کا نام لیا جاتے تو وہ منقبض ہو جاتا ہے۔

جیسا کہ حدیث میں آیا ہے: (الشیطان یوسوس الی العبد فاذا ذکر اللہ خنس) شیطان ہمیشہ خدا کے بندوں کو دوسوہ میں ڈالتا ہے لیکن جس وقت خدا کو یاد کریں تو ہلٹ جاتا ہے۔

۱۔ یہ کہ لا اقسام میں لٹا نافیہ ہے یا زائد اور تاکید کے لیے ہے مفسرین نے اس سلسلہ میں کئی بحثیں کی ہیں۔ اور چونکہ سورہ قیامت کی ابتدا میں اسی جلد میں اس معنائ پر ہم بحث کر چکے ہیں لہذا تکرار کی ضرورت نہیں۔

۲۔ لسان العرب مادہ خنس۔

”جوار“ ”جاریہ“ کی جمع ہے جس کے معنی تیز رفتار کے ہیں۔ ”کنس“ ”کانس کی جمع ہے۔ ”کنس“ (بروزن شمس) کے مادہ سے چھپ جانے کے معنی ہیں۔ اور کنس (بروزن پلاس) پرندوں کے گھونسلوں ہرنوں اور دوسرے وحشی جانوروں کے چھپنے کی جگہ کو کہتے ہیں۔

یہ کہ ان قسموں سے کیا مراد ہے بہت سے مفسرین کا نظریہ ہے کہ اس سے نظام شمسی کے پانچ سیاروں کی طرف اشارہ ہے جو دربین کے بغیر دیکھے جاسکتے ہیں۔ (عطارد، زہرہ، مریخ، مشتری، زحل) اس کی وضاحت یہ ہے کہ اگر ہم پے درپے چند راتوں کو آسمان پر نگاہ لگائے رکھیں تو اس حقیقت کو سمجھنے میں کامیاب ہو جائیں گے کہ آسمان کے ستارے اجتماعی طور پر بتدریج طلوع ہوتے ہیں اور اکٹھے ہی غروب ہوتے ہیں بغیر اس کے کہ ان کے فاصلوں میں کوئی تبدیلی رونما ہو۔

ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ایسے مردارید ہیں جو ایک سیاہ پارچہ پر معین و مقرر فاصلوں پر ٹانگے گئے ہیں۔ اس پارچہ کو ایک طرف سے اوپر لے جاتے ہیں اور دوسری طرف سے نیچے پھینکتے ہیں۔ صرف پانچ ستارے ہیں جو اس قانون کلی سے مستثنیٰ ہیں یعنی دوسرے ستاروں کے درمیان پلتے پھرتے رہتے ہیں۔ گویا پانچ مڑاڑے ٹٹکے ہوئے نہیں ہیں اور اس پارچہ پر آزاد قرار دیئے گئے ہیں اور وہ لوستے پوٹے رہتے ہیں۔

یہ وہی مذکورہ بالا پانچ ستارے ہیں جو نظام شمسی کے خاندان کے ارکان ہیں اور ان کی حرکت قریب ہونے کی وجہ سے ہمیں محسوس ہوتی ہے وہ نہ آسمان کے تمام ستارے ہی اس قسم کی حرکات کے حامل ہیں۔ لیکن چونکہ وہ ہم سے دور ہیں لہذا ہم ان کی حرکات کو محسوس نہیں کرتے۔

پھر اس نکتہ کی طرف بھی توجہ ضروری ہے کہ علمائے ہیئت نے ان ستاروں کا نام ”نجوم متحیرہ“ رکھا ہے اس لیے کہ ان کی حرکات خط مستقیم پر نہیں ہے اور اس طرح نظر آتا ہے کہ ایک مدت تک سیر کرتے ہیں پھر عموماً ساوا پس پلٹ آتے ہیں۔ دوبارہ اپنی سیر شروع کر دیتے ہیں جس کے اسباب کے بارے میں علم ہیئت میں بہت سے مباحث ہیں۔

مندرجہ بالا آیات ہو سکتا ہے کہ اس طرف اشارہ ہوں کہ یہ ستارے حرکت رکھتے ہیں (الجوار) اور اپنی سیر و حرکت میں رجوع و بازگشت رکھتے ہیں (الکنس) اور انجام کار سورج کے طلوع کے وقت پناہاں ہو جاتے ہیں ان ہرنوں کی طرح جو راتوں کو بیابانوں میں اپنی غذا تلاش کرنے کے لیے پھرتے رہتے ہیں اور صبح کے وقت شکاریوں اور وحشی جانوروں کے خوف سے اپنے کناس اور غار میں مخفی ہو جاتے ہیں (الکنس)

یہ احتمال بھی ہے کہ کنس سے مراد ان کا سورج کی شعاعوں میں پوشیدہ ہونا ہے اس اعتبار سے سورج کے گردش کرتے وقت بھی اس نقطہ پر پہنچ جاتے ہیں کہ سورج کے قریب ہو جاتے ہیں اور پھر بالکل نظر نہیں آتے جسے علمائے نجوم احتراق سے تعبیر کرتے ہیں اور یہ ایک لطیف نکتہ ہے جو ان ستاروں کی

وضع و کیفیت کی طرف توجہ کرنے سے واضح ہوتا ہے۔

بعض مفسرین کس کو ان ستاروں کے آسمان کے برجوں میں قرار پانے کی طرف اشارہ سمجھتے ہیں جو ہر فوں کے اپنے ٹھکانوں میں پنہاں ہونے سے مشابہت رکھتا ہے البتہ یہ معلوم ہے کہ نظام شمسی کے سیارے صرف ان پانچ نمک عدد و نہیں ہیں اور تین دوسرے سیارے اور افرس، پلوٹون اور نیپٹون بھی موجود ہیں جو صرف ان دور بینوں سے دیکھے جاسکتے ہیں جو ستاروں کو دکھاتی ہیں اور وہ کرہ ارض کے ساتھ مل کر نظام شمسی کے نو سیاروں کو تشکیل دیتے ہیں (البتہ یہ نو سیارے ایک یا کئی چاند رکھتے ہیں جن کا حساب اس جمع سے الگ ہے)۔

”جواری“ جو جاریہ کی جمع ہے اور جس کے معنی وہ کشتیاں ہیں جو چل رہی ہوں ایک لطیف تعبیر ہے جو ان ستاروں کی آسمان کے سمندر میں حرکت اور چلنے کو کشتیوں کے سمندروں اور دریاؤں میں چلنے سے تشبیہ دیتی ہے۔

بہر حال قرآن مجید گویا یہ چاہتا ہے کہ ان پر معنی اور ایک قسم کے اہمام کی آمیزش رکھنے والی قسموں کے ساتھ افکار انسانی کو بیدار کرے اور انہیں آسمان کے ستاروں کی عظیم فوج اور دستوں کے درمیان جو ان سیاروں کی مخصوص اور استثنائی وضع و کیفیت ہے اس کی طرف متوجہ کرے تاکہ ان اجرام فلکی کے بارے میں زیادہ سے زیادہ غور و فکر کے بعد دماغ انسانی اس عظیم دست گاہ کو عالم وجود میں لانے والے کی عظمت سے آشنا ہو۔

بعض مفسرین نے مندرجہ بالا آیات کی کچھ اور تفسیریں بھی کی ہیں لیکن چونکہ وہ قابل ملاحظہ نہیں لہذا ان کا ذکر چھوڑ دیا گیا ہے۔

ایک حدیث میں جو امیر المؤمنین سے منقول ہے آیا ہے کہ آپ نے ان آیات کی تفسیر میں فرمایا (ھی خمسة انجم زحل والمشتري والمريخ والزهرة وعطارد) وہ پانچ ستارے ہیں زحل، مشتری، مریخ، زہرہ اور عطارد۔

پس دوسری مرتبہ قسم کھا کر فرماتا ہے: قسم ہے رات کی جب وہ اپنے انتقام کو پہنچتی ہے۔ (واللیل اذا عسعس) ”عسعس“ ”عسعس“ کے مادہ سے اصل میں دقیق اور ہلکی تاریکی کے معنی میں ہے اور چونکہ رات کی ابتدا اور انتہا میں تاریکی زیادہ ہلکی ہوتی ہے لہذا یہ معنی رات کے پشت پھیرنے کے لیے استعمال ہوتے ہیں۔ اور لفظ ”عسعس“ کا اطلاق رات کو گردش کرنے والے ملازمین پر بھی اسی مناسبت سے ہوتا ہے۔ جیسا کہ ہم نے کہا ہے اگرچہ یہ لفظ مکمل طور پر دو مختلف معانی رکھتا ہے لیکن یہاں بعد میں آنے

والی آیت کے قرینے کے پیش نظر جو صبح کی بات کرتی ہے مراد رات کا اختتام ہی ہے اور حقیقت میں اس قسم کے مشابہ ہے جو سورہ مدثر کی آیت ۳۳ میں آئی ہے (واللیل اذا دبر)

اصولی طور پر رات جیسا کہ ہم نے پہلے اشارہ کیا ہے خدا کی عظیم نعمتوں میں سے ہے جو جسم و روح کے آرام و سکون کا باعث بھی ہے اور حرارت آفتاب کے اعتدالی اور موجودات کی زندگی کے جاری رہنے کا سبب بھی ہے لیکن اختتام شب پر انحصار ممکن ہے اس بنا پر ہو کہ وہ روشنی اور نور کی طرف رخ کیے ہوئے ہے اور اس سے قطع نظر پر در و گار سے مناجات اور عبادت کرنے کے لیے بہترین وقت ہے اور عالم زندگانی کے آغاز و حرکت کا لمحہ ہے۔

آخر کار قیسری اور آخری قسم کی جانب رخ کرتے ہوئے فرماتا ہے :

”قسم ہے صبح کی جبکہ وہ سانس لے“ (والصبح اذا تنفس)۔ کیا ہی عمدہ اور جاذب توجہ تعبیر ہے۔ صبح کو زندہ موجود سے تشبیہ دی ہے کہ اس کے تنفس یعنی سانس لینے کی ابتدا طلوع سپید و سحر سے ہوتی ہے وہ تمام موجودات میں روح حیات پھونکتی ہے۔ گویا ایک کالے جستی لشکر کے ہاتھ اور پاؤں کے نیچے اس کا سانس رگ گیا تھا اور نور و روشنی کی پہلی شعاع کے چمکنے سے اس کے چنگل سے آزاد ہو کر تازہ سانس لینے لگی ہے۔

Presented by: <https://jafrilibrary.com/>

یہ تعبیر اس تعبیر کے مشابہ ہے جو سورہ مدثر میں رات کی قسم کے بعد آئی ہے جس میں فرماتا ہے : (والصبح اذا اسفر) ”قسم ہے صبح کی جب وہ اپنے چہرہ سے نقاب ہٹاتے“ گویا رات کی تاریکی سیاہ نقاب کے مانند ہے جو صبح کے چہرہ پر پڑی ہے۔ سپید و سحر کے وقت نقاب ہٹا کر اپنا نورانی اور حیا افزا چہرہ جو زندگی کی نشانی ہے ساری دنیا کو دکھاتی ہے۔

بعد والی آیت میں اس چیز کو جس کی خاطر یہ ساری قسمیں کھائی گئی ہیں پیش کرتے ہوئے فرماتا ہے : ”یقیناً یہ قرآن صاحب عزت اور عظیم بھیجے ہوئے کا کلام ہے (جبرائیل امین) جسے وہ خدا کی طرف سے اس کے پیغمبر کی طرف لایا ہے“ (انہ لقول رسول کریم)۔ یہ ان لوگوں کا جواب ہے جو پیغمبر پر اہتمام لگاتے تھے کہ قرآن انہی کا بنایا ہوا ہے اور اس کو خدا سے منسوب کر دیا گیا ہے۔

اس آیت میں اور بعد والی آیت میں جبرائیل امین جو خدا کے پیک وحی ہیں ان کے پانچ اوصاف بیان ہوئے ہیں جو درحقیقت ایسے ہیں جو ہر جانح الشرائط بھیجے جانے والے کے لیے لازمی ہیں۔

اس کی پہلی توصیف کریم ہونا ہے جو اس کے وجود کی قدر و قیمت کی طرف اشارہ ہے۔ جی ہاں وہ خداوند بزرگ کی طرف سے ہے اور قیمتی وجود کا حامل ہے۔

اس کے بعد اس کے دوسرے اوصاف پیش کرتے ہوئے مزید فرماتا ہے : ”وہ صاحب قدرت ہے

اور عرش واسے خدا کی بارگاہ میں بلند مقام کا حامل ہے۔ (ذی قوۃ عند ذی العرش مکین) یہ ذی العرش خدا کی پاک ذات کی طرف اشارہ ہے۔ اگرچہ وہ تمام عالم ہستی کا مالک ہے لیکن چونکہ عرش چاہے وہ اس عالم کے معنی میں ہو جو ماورائے طبیعت ہے یا خدا کے علم ممکنوں کے مقام کے معنی میں ہر نسبت زیادہ اہمیت رکھتا ہے لہذا صاحب عرش کہہ کر اس کی تعریف کی گئی ہے۔

”ذی قوۃ“ (صاحب قدرت) کی تعبیر جبرائیلؑ کے بارے میں اس بنا پر ہے کہ اس قسم کے عظیم پیغام کے حصول اور اس کے باریک بینی پر مبنی ابلاغ کے لیے بڑی قدرت و توانائی کی ضرورت ہے اور اصولی طور پر ہر رسول کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنی رسالت کے حدود میں صاحب قدرت ہو اور بالخصوص ہر قسم کی فراہمی سے مبرا ہو جو ابلاغ کی راہ میں حائل ہو۔

مکین اس شخص کے معنوں میں ہے جو صاحب منزلت و مکانت ہو۔ بنیادی طور پر ضروری ہے کہ رسول کی شخصیت عظیم ہو تاکہ خدا کی رسالت اور نمائندگی کا فریضہ انجام دے سکے اور مقرب بارگاہ الہی ہو۔ اور یہ ستم ہے کہ عند کی تعبیر حضور مکانی کے معنوں میں نہیں ہے، وہ اس لیے کہ خدا کوئی مکان نہیں رکھتا۔ اس سے مراد جنور معنوی ہے۔

چوتھی اور پانچویں توصیف میں آتا ہے: ”وہ فرشتوں کا فرمانروا اور مطاع ہے“ (مطاع مشواہین)۔ شتو کی تعبیر جو اشارہ بعید کے لیے استعمال ہوتی ہے اس حقیقت کو پیش کرتی ہے کہ پیغمبر وحی الہی عالم فرشتگان میں مورد اطاعت ہے اور ان تمام چیزوں سے قطع نظر پیام الہی کے ابلاغ میں انتہائی امین ہے۔ روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ کبھی کبھی جبرائیل امین قرآن کی آیات کے پہنچانے کے سلسلہ میں فرشتوں کے ایک عظیم گروہ کے ہمراہ آتے تھے اور یقیناً ان کے درمیان مطاع تھے یعنی سب فرشتے ان کی اطاعت کرتے تھے اور ایک رسول و سفیر کے لیے ضروری ہے کہ اس کے تمام ہمراہی اس کی اطاعت کرتے ہوں۔

ایک حدیث میں آیا ہے کہ ان آیات کے نزول کے موقع پر پیغمبر اکرمؐ نے جبرائیل امین سے فرمایا: ما احسن ما اثنی علیک ربک بذی قوۃ عند ذی العرش مکین مطاع ثم امین فما کانت قوتک؟ وما کانت امانتک؟ تیرے پروردگار نے تیری کیا ہی عمدہ تعریف کی ہے کہ منہر مایا ہے صاحب قدرت ہے اور صاحب عرش خدا کے ہاں قرب رکھتا ہے اور وہاں فرمانروا ہے اور امین ہے،

۱۔ ”مکین“ ”مکانت“ کے مادہ سے مقام و منزلت کے معنوں میں ہے اور جیسا کہ راغب کے مفردات میں کلمات سے اور دوسرے مفسرین سے معلوم ہوتا ہے یہ اصل میں کون کے مادہ سے اسم مکان ہے۔ اس کے بعد کثرت استعمال کی بنا پر اسے مادہ فعل کے برابر قرار دیا گیا ہے اور ممکن اس سے مشتق ہوا ہے ممکن کی طرح جو سکون کے مادہ سے ہے۔

لہذا اپنی قدرت و امانت کا نمونہ پیش کر۔

تو جبرائیلؑ نے جواب میں عرض کیا میری قدرت کا نمونہ یہ ہے کہ میں قوم نوح کے شہروں کی تباہی پر آمون ہولودہ چار شہر تھے اور ہر شہر میں چار لاکھ جنگجو افراد موجود تھے۔ ان کی اولاد اس کے علاوہ تھی۔ میں نے ان شہروں کو اٹھایا اور میں انہیں آسمان کی طرف لے گیا یہاں تک کہ آسمان کے فرشتے ان کے جانوروں کی آواز سننے لگے۔ پھر انہیں زمین کی طرف لے آیا اور انہیں زیر و زبر کر دیا۔

باقی رہا میری امانت کا نمونہ تو وہ یہ ہے کہ کوئی حکم ایسا نہیں ہے جو مجھے دیا گیا ہو اور اس میں میں نے معمولی سا تجاوز بھی کیا ہو۔

اس کے بعد لوگ وہ ناروا نسبت جو پیغمبر کی طرف دیتے تھے، اس کی نفی کرتے ہوئے فرماتا ہے، تمہارا صاحب دیوانہ نہیں ہے (وما صاحبکم بمجنون)۔

”صاحب“ کی تفسیر جو ہمیشہ ساتھ رہنے والے رفیق، دوست اور ہم نشین کے معنی میں ہے علاوہ اس کے کہ پیغمبر تمام لوگوں کے ساتھ اخلاق و تواضع سے پیش آتے تھے اور کبھی کسی کے مقابلہ میں برتری کا دعویٰ نہیں رکھتے تھے۔

اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ آپؐ نے سالہا سال تمہارے درمیان زندگی گزاری ہے اور تمہارے ہم نشین رہے ہیں اور تم نے انہیں عاقل و امین دیکھا ہے اور سمجھا ہے تو اب کس طرح ان کی طرف جنون کی نسبت دیتے ہو ہوائے اس کے کہ وہ بعثت کے ساتھ ایسی تعلیمات اپنے ہمراہ لائے ہیں جو تمہارے تہذبات، جواد ہو س اور کورانہ تقلید کے ساتھ سازگار نہیں ہیں۔

لہذا اس خیال سے کہ تم اپنے آپ کو ان کے قوانین اور احکامات کی اطاعت سے بچائے رکھو اس قسم کے اتہام ان پر لگاتے ہو۔ جنون کا الزام ان تمام الزامات میں سے ایک ہے جو آیات قرآن کے مطابق، خدا کی طرف سے آئے ہوئے پیغمبروں پر ہٹ دھرم دشمنوں کی طرف سے لگائے گئے۔

(کذالک ما اتی الذین من قبلہم من رسول الا قالوا ساحرا و مجنون) بات اس طرح ہے کہ ان سے پہلے کوئی پیغمبر کسی قوم کی طرف نہیں بھیجا گیا مگر یہ کہ اس نے کہا کہ یہ ساحر اور جادوگر ہے یا دیوانہ ہے۔ (ذاریات - ۵۲)۔

ان کی منطق میں عاقل وہ شخص تھا جو فاسد ماحول میں گھل جاتے اور دیہی ہی خواہشات کی پیروی کرے۔ جدھر کی ہوا اُدھر کو چلے اور ہر اصلاحی و انقلابی قریب سے بے تعلق رہے۔ اس معیار اور ضابطے کے مطابق دنیا پرستوں کی تاریک نگاہ میں تمام پیغمبر دیوانے تھے۔

اس کے بعد پیغمبر اسلامؐ کے جبرائیل امین سے ارتباط کی تاکید کے لیے مزید فرماتا ہے: ”اس نے یقیناً طور پر جبرائیل کا واضح اور آشکارا افق میں مشاہدہ کیا ہے“ (ولقد راہ بالافق المبین)۔
افق مبین سے مراد وہی افق اعلیٰ اور فرشتوں کو آشکار کرنے والا افق ہے جس میں پیغمبر اکرمؐ نے جبرائیل کا مشاہدہ کیا۔

بعض مفسرین نے سورہ نجم کی آیت ۷ کو جس میں ہے (وہو بالافق الاعلیٰ) اس تفسیر پر مشاہدہ سمجھا ہے لیکن جیسا کہ سورہ نجم کی تفسیر میں ہم بیان کر چکے ہیں کہ یہ آیت اس سورہ کی باقی آیات کی طرح ایک دوسری حقیقت کو بیان کرتی ہے جو اس کی طرف رجوع کرنے سے واضح ہوگی۔

بعض مفسرین نے یہ بھی کہا ہے کہ پیغمبر نے جبرائیل کا ان کی اصلی شکل و صورت میں دوبار مشاہدہ کیا۔ ایک دفعہ آغاز بعثت میں کہ جبرائیل آنحضرتؐ کے سامنے افق بالا پر ظاہر ہوئے اور تمام مشرق و مغرب کو ڈھانپ لیا اور دوسری مرتبہ معراج میں کہ پیغمبر نے انہیں اوپر والے آسمان میں اُن کی اصلی شکل میں دیکھا اور مفسرین زیر بحث آیت کو اسی طرف اشارہ سمجھتے ہیں۔

یہ احتمال بھی ہے کہ خدا کی مراد ایسا مشاہدہ ہو جو شہود باطنی کے لحاظ سے ہو۔ مزید وضاحت کے لیے جلد ۲۲ ص ۴۸۶ سے آگے سورہ نجم کی آیت ۵ تا ۱۳ کی طرف رجوع فرمائیے۔

اس کے بعد مزید فرماتا ہے: ”پیغمبر اس چیز کے بارے میں جو اس نے بطریق وحی عالم غیب سے حاصل کی ہے بخیل نہیں ہے“ (وما هو علی الغیب بضنین)۔ ہر چیز بے کم و کاست بندگان خدا کے اختیار میں دے دیتا ہے۔

وہ بہت سے دوسرے لوگوں کے مانند نہیں کہ جب کسی اہم حقیقت پر دسترس حاصل کر لیتے ہیں تو اس کو چھپانے پر اصرار کرتے ہیں اور اکثر اس کے بیان کرنے پر بخل سے کام لیتے ہیں اور بسا اوقات ان معلومات کو اپنے ساتھ قبر میں لے جاتے ہیں۔

پیغمبرؐ ایسے نہیں ہیں وہ پورے جو دو سخا کے ساتھ جو کچھ حاصل کرتے ہیں اُسے تمام ضرورت مندوں کے سامنے بیان کر دیتے ہیں حتیٰ کہ انہیں بھی بتا دیتے ہیں جو بلندی اور قرب کے قائل ہی نہیں ہیں اس امید پر کہ شاید ہدایت حاصل کریں اور راہ حق کو اختیار کریں۔

”ضنین“ ”حنّہ“ (بروزن متہ) نفیس اور قیمتی اشیاء کے بارے میں بخل کرنے کے معنی میں ہے اور یہ ایک ایسا عیب ہے جو کبھی کسی پیغمبر میں نہیں ہوتا اور اگر دوسرے افراد اپنے علوم کے بارے میں ایسے عیب کا شکار ہیں تو ہوا کریں۔ پیغمبر جس کے علم کا سرچشمہ علم خدا کا بیسکراں سمندر ہے، اس قسم کی باتوں سے مبرا ہے۔

پروردگار عالم مزید فرماتا ہے: ”اور وہ شیطان رجیم کی کبھی ہوئی بات نہیں ہے“ (وما هو بقول

شیطان (جیم)۔ یہ آیات قرآنی ہرگز کاہنوں کی باتوں کی طرح نہیں ہیں جو شیاطین سے تعلق کی وجہ سے معلوم کر لیتے تھے۔ اور پھر اس حقیقت کی نشانیاں اس کے کلام سے ظاہر ہیں۔

اس لیے کہ کاہنوں کی باتیں جھوٹی ہوتی تھیں۔ ان میں ہمت سے شہادت ہوتے تھے اور وہ غلطیوں کی آمیزش سے طوط ہوتی تھیں، اور شیطانی میلانات و خواہشات کے گرد گھومتی تھیں۔ اس چیز کا قرآن مجید سے کوئی تعلق نہیں۔

یہ حقیقت میں ان کی دوسری تہمت کا جواب ہے۔ مشرکین کہتے تھے کہ پیغمبر اسلام (معاذ اللہ) کاہن ہیں اور جو کچھ وہ لائے ہیں انہوں نے شیاطین سے لیا ہے۔ حالانکہ شیطانی باتیں گمراہ کن ہوتی ہیں اور مسترد آئی آیات سراسر نور ہدایت اور روشنی ہیں اور یہ حقیقت قرآنی آیات کو دیکھتے ہی ثابت ہو جاتی ہے۔

لفظ ”جیم“ اصل میں جسم اور ”رجام“ (بروزن لجام) کے مادہ سے پھر کے معنی میں لیا گیا ہے۔ اس کے بعد ہر قسم کے دور کرنے کے معنی میں آیا ہے اور شیطان رجیم سے مراد یہاں یہی معنی ہیں، یعنی وہ شیطان جو بارگاہ خداوندی سے نکالا گیا ہے۔

Presented by: <https://jafrilibrary.com/>

ایک نکتہ رسول کی شائستگی کی شرطیں

پانچ صفتیں جو مندرجہ بالا آیات میں جبرائیل امین کے لیے پیغمبر گرامی اسلام کی طرف خدا کے بھیجے ہوئے قاصد کے عنوان کے ماتحت آئی ہیں ان میں سے دو صفتیں ایسی ہیں جو ہر رسول اور فرستادہ خدا میں سلسلہ مراتب کو نظر میں رکھتے ہوئے پائی جانی ضروری ہیں۔

پہلی صفت کرامت اور عہدہ صفات نفسی کا حامل ہونا ہے جو اس کو رسالت جیسے اہم کام کا اہل بنا دیں۔

دوسری صفت قدرت کا حامل ہونا ہے۔ (ذی قوۃ) تاکہ اپنے اثر رسالت کو لے کر قاطعیت اور توانائی کے ساتھ وہ آگے بڑھے اور ہر قسم کے ضعف اور کمزوری سے دور ہو۔

اس کے بعد اُس ہستی کی بارگاہ میں مقام و منزلت رکھنا جس کی رسالت کو اس نے قبول کیا ہے (ممکن) تاکہ پیغامات کو اچھی طرح حاصل کرے اور اگر جواب کی ضرورت ہو تو بغیر کسی خوف و خطر کے اس کا ابلاغ کرے۔

چوتھی صفت یہ کہ اگر امر رسالت اہمیت رکھتا ہو تو اس کے معاون ہونے چاہئیں جو اس کی مدد کریں۔ ایسے معاون جو اطاعت گزار و فرمانبردار ہوں۔ (مطالع)

سلامتی کے دشمن ہو؟ اس کے بعد مزید فرماتا ہے :

”یہ قرآن تمام لوگوں کے لیے نصیحت ہی نصیحت ہے“ (ان هو الا ذکر للعالمین) سب کو نصیحت کرتا ہے تاکہ وہ خواب غفلت سے بیدار ہوں اور چونکہ ہدایت و تربیت کے لیے فاعل کی صرف قابلیت ہی کافی نہیں ہے بلکہ قابل کی قابلیت بھی درکار ہے لہذا بعد میں آنے والی آیت میں مزید فرماتا ہے :

”قرآن ان لوگوں کے لیے ہدایت کا باعث ہے جو تم میں سے چاہتے ہیں کہ صراطِ مستقیم اختیار کریں“ (لنمن شاء منکم ان یستقیم)۔ قابل توجہ بات یہ ہے کہ گزشتہ آیت میں فرماتا ہے کہ قرآن تمام لوگوں کے لیے نصیحت و بیداری کا سبب ہے اور اس آیت میں صرف ایک گروہ کا ذکر کرتا ہے وہ لوگ جو ہدایت کو قبول کرنے اور راہِ راست اختیار کرنے کا صمم ارادہ رکھتے ہیں۔

یہ فرق اس بنا پر ہے کہ گزشتہ آیت فیضِ الہی کی عمومیت کو بیان کرتی ہے اور یہ آیت اس فیض سے فائدہ اٹھانے کی شرط کو پیش کرتی ہے۔ تمام موابہب اور نعمتیں اسی طرح ہیں کہ اصل فیض عام ہے لیکن اس سے فائدہ اٹھانا ارادہ کی پختگی سے مشروط ہے۔

انہی معانی کو لیے ہوئے سورہ بقرہ کی آیت ۲ بھی آئی ہے (ذالک الکتاب لادیب فیہ ہدی للمتقین) اس کتاب میں کوئی شک و تردد نہیں ہے اور یہ پرہیزگاروں کے لیے سببِ ہدایت ہے۔ بہر حال یہ آیت ان آیات میں سے ہے جو بتاتی ہیں کہ خدا نے انسان کو آزاد اور خود مختار پیدا کیا ہے اور راہِ حق و باطل کو طے کرنے کا آخری فیصلہ اس کے اختیار میں ہے۔

یستقیم کی تعبیر جاذبِ توجہ اور عمدہ ہے جو بتاتی ہے کہ راہِ اصلی جو انسان کے سامنے قرار پائی ہے وہ راہِ ہدایت و سعادت ہے باقی سب راستے مغرب کر دینے والے ہیں۔

انسان کی تمام اندرونی اور بیرونی توانائیاں مجتمع ہیں کہ اسے راہِ مستقیم پر چلائیں اور اگر افراط و تفریط، شیطانی دوسرے اور گمراہ کرنے والے پردپیگنڈے درمیان میں نہ ہوں تو انسان ندائے فطرت کے ذریعہ اس صراطِ مستقیم پر قدم رکھ سکتا ہے۔

بہیں معلوم ہے کہ خطِ مستقیم ہمیشہ مقصد کی نزدیک ترین راہ ہوتا ہے لیکن چونکہ اس بات کا امکان ہے کہ انسان کا ارادہ یہ قوم پیدا کرے کہ آدمی اس طرح آزاد ہے کہ اس راستے کو طے کرنے میں الہی توفیق کی کوئی احتیاج نہیں رکھتا تو بعد میں آنے والی آیت میں جو اس سورہ کی آخری آیت ہے فرماتا ہے :

”تم ارادہ نہیں کرتے مگر یہ کہ عالمین اور تمام جہانوں کا پروردگار ارادہ کرے“ (وما تشاءون الا ان یشاء اللہ رب العالمین)۔ درحقیقت ان دونوں آیات کا مجموعہ اس دقیق و ظریف مسئلہ الامر بین الامرین کو بیان کرتا ہے۔ ایک طرف کتا ہے ارادہ کی پختگی تمہارے اپنے اختیار میں ہے اور دوسری طرف کتا ہے جب تک خدا نہ چاہے تم ارادہ نہیں کر سکتے۔ یعنی اگر تمہیں مختار و آزاد پیدا کیا گیا ہے تو یہ اختیار و آزادی بھی خدا کی جانب سے

شیطان (رجیم)۔ یہ آیات قرآنی ہرگز کاہنوں کی باتوں کی طرح نہیں ہیں جو شیاطین سے تعلق کی وجہ سے معلوم کر لیتے تھے۔ اور پھر اس حقیقت کی نشاںیاں اس کے کلام سے ظاہر ہیں۔
اس لیے کہ کاہنوں کی باتیں جھوٹی ہوتی تھیں۔ ان میں بہت سے شبہات ہوتے تھے اور وہ غلطیوں کی آمیزش سے طوط ہوتی تھیں، اور شیطانی میلانات و خواہشات کے گرد گھومتی تھیں۔ اس چیز کا قرآن مجید سے کوئی تعلق نہیں۔

یہ حقیقت میں ان کی دوسری تہمت کا جواب ہے۔ مشرکین کہتے تھے کہ پیغمبر اسلام (معاذ اللہ) کاہن ہیں اور جو کچھ وہ لائے ہیں انہوں نے شیاطین سے لیا ہے۔ حالانکہ شیطانی باتیں گمراہ کن ہوتی ہیں اور قرآنی آیات سراسر نور ہدایت اور روشنی ہیں اور یہ حقیقت قرآنی آیات کو دیکھتے ہی ثابت ہو جاتی ہے۔

لفظ ”رجیم“ اصل میں جسم اور ”رجام“ (بروزن لجام) کے مادہ سے پتھر کے معنی میں لیا گیا ہے۔ اس کے بعد ہر قسم کے دور کرنے کے معنی میں آیا ہے اور شیطان رجیم سے مراد یہاں بھی معنی ہیں، یعنی وہ شیطان جو بارگاہِ خداوندی سے نکالا گیا ہے۔

Presented by: <https://jafrilibrary.com/>

ایک نکتہ رسول کی شائستگی کی شرطیں

پانچ صفتیں جو مندرجہ بالا آیات میں جبرائیل امین کے لیے پیغمبر گرامی اسلام کی طرف خدا کے بھیجے ہوئے قاصد کے عنوان کے ماتحت آئی ہیں ان میں سے دو صفتیں ایسی ہیں جو ہر رسول اور فرستادہ خدا میں سلسلہ مراتب کو نظر میں رکھتے ہوئے پائی جانی ضروری ہیں۔

پہلی صفت کرامت اور عمدہ صفات نفسی کا حامل ہونا ہے جو اس کو رسالت جیسے اہم کام کا اہل بنا دیں۔

دوسری صفت قدرت کا حامل ہونا ہے۔ (ذی قوۃ) تاکہ اپنے اثر رسالت کو لے کر قاطعیت اور توانائی کے ساتھ آگے بڑھے اور ہر قسم کے ضعف اور کمزوری سے دور ہو۔

اس کے بعد اُس ہستی کی بارگاہ میں مقام و منزلت دکھنا جس کی رسالت کو اس نے قبول کیا ہے (مسکین) تاکہ پیغامات کو اچھی طرح حاصل کرے اور اگر جواب کی ضرورت ہو تو بغیر کسی خوف و خطر کے اس کا ابلاغ کرے۔

چوتھی صفت یہ کہ اگر امر رسالت اہمیت رکھتا ہو تو اس کے معاون ہونے چاہئیں جو اس کی مدد کریں۔ ایسے معاون جو اطاعت گزار و فرمانبردار ہوں۔ (مطاع)

آخری صفت اس کا امانت دار ہونا ہے تاکہ وہ لوگ جو اس رسول سے پیغام لیں اس پر اعتماد کریں اور اس کی گفتگو بے کم و کاست اُس کا کلام شمار ہو جس کی طرف سے وہ آیا ہے۔

جب یہ پانچ اصول پورے ہوں تو پھر حق رسالت و پیغمبری ادا ہوگا۔ اسی لیے ہم پیغمبر اسلام کے حالات اور آپ کی تاریخ زندگی میں دیکھتے ہیں کہ آپ اپنے پیغمبر ہونے والے پہلو کو بہت زیادہ احتیاط سے ساتھ ان افراد میں سے جو ان صفات کے حامل ہوتے تھے منتخب کرتے تھے جس کا ایک زندہ نمونہ جناب امیر المومنین حضرت علیؓ کی ذات ہے اور پیغمبر کی طرف سے سورہ برأت کی ابتدائی آیات کی مشرکین مکہ کے سامنے ان خاص حالات میں تبلیغ ہے جس کی تفصیل سورہ برأت میں آچکی ہے۔

حضرت فرماتے ہیں: (رسولک ترجمان عقلک و کتابک ابلغ ما یسطق عنک) تیرا بھیجا ہوا تیری عقل کو نمایاں کرتا ہے اور تیرا خط تیری بات کا نہایت پرگو ناطق ہے یہ۔

- (۲۶) فَأَيْنَ تَذْهَبُونَ ۖ
- (۲۷) إِنَّ هُوَ إِلَّا ذِكْرٌ لِلْعَالِينَ ۖ
- (۲۸) لِمَنْ شَاءَ مِنْكُمْ أَنْ يَسْتَقِيمَ ۖ
- (۲۹) وَمَا تَشَاءُونَ إِلَّا أَنْ يَشَاءَ اللَّهُ رَبُّ الْعَالِينَ ۖ

ترجمہ

- (۲۶) پس تم کہاں جا رہے ہو؟
- (۲۷) یہ قرآن عالین کے لیے صرف نصیحت ہے۔
- (۲۸) لیکن لوگوں کے لیے جو چاہتے ہیں کہ نصیحت حاصل کریں۔
- (۲۹) اور تم نہیں چاہتے مگر وہ جو عالین کا پروردگار چاہے۔

تفسیر

اے غافلو! کہاں جا رہے ہو؟

گزشتہ آیات میں یہ حقیقت واضح ہو گئی کہ قرآن مجید خدا کا کلام ہے اس لیے کہ اس کے مضامین سے ہو یا اسے کہ یہ شیطانی کلام نہیں ہے بلکہ رحمن کا کلام ہے جو یکسو دعوای الہی کے ذریعہ، قدرت و امانت کئی کے ساتھ، اس پیغمبر پر جو انتہائی طور پر اعتدال عقل کا حامل ہے، نازل ہوا ہے۔ ایسا پیغمبر جس نے تبلیغ رسالت کے سلسلہ میں کبھی بخل سے کام نہیں لیا اور جو کچھ اسے تعلیم دی گئی ہے اس نے اسے بے کم و کاست بیان کیا ہے۔

پروردگار کا عالم زیر بحث آیات میں مخالفین کو اس عظیم کلام کی پیروی نہ کرنے کی وجہ سے سختی سرزنش قرار دیتا ہے اور ایک استغمام توینجی کے ساتھ فرماتا ہے :

”ان حالات میں تم کہاں جا رہے ہو“ (فاین تذہبون)۔ کیوں راہ راست کو چھوڑ کر بے راہ رہی اختیار کرتے ہو اور کیوں اس چراغِ فروزاں سے منہ موڑ کر تاریکی کی طرف رواں دواں ہو۔ کیا تم اس سعاد و

سلامتی کے دشمن ہوا اس کے بعد مزید فرماتا ہے :

”یہ قرآن تمام لوگوں کے لیے نصیحت ہی نصیحت ہے“ (ان ہوا لا ذکر للعالمین) سب کو نصیحت کرتا ہے تاکہ وہ خواب غفلت سے بیدار ہوں اور چونکہ ہدایت و تربیت کے لیے فاعل کی صرف فاعلیت ہی کافی نہیں ہے بلکہ قابل کی قابلیت بھی درکار ہے لہذا بعد میں آنے والی آیت میں مزید فرماتا ہے :

”قرآن ان لوگوں کے لیے ہدایت کا باعث ہے جو تم میں سے چاہتے ہیں کہ صراطِ مستقیم اختیار کریں“ (لعمن شاء منکم ان یستقیم)۔ قابل توجہ بات یہ ہے کہ گزشتہ آیت میں فرماتا ہے کہ قرآن تمام لوگوں کے لیے نصیحت و بیداری کا سبب ہے اور اس آیت میں صرف ایک گروہ کا ذکر کرتا ہے وہ لوگ جو ہدایت کو قبول کرنے اور راہِ راست اختیار کرنے کا صمیم ارادہ رکھتے ہیں۔

یہ فرق اس بنا پر ہے کہ گزشتہ آیت فیضِ الہی کی عمومیت کو بیان کرتی ہے اور یہ آیت اس فیض سے فائدہ اٹھانے کی شرط کو پیش کرتی ہے۔ تمام مواب اور نعمتیں اسی طرح ہیں کہ اصل فیض عام ہے لیکن اس سے فائدہ اٹھانا ارادہ کی پختگی سے مشروط ہے۔

اسی معانی کو لیے ہوئے سورہ بقرہ کی آیت ۲ بھی آئی ہے (ذالک الکتاب لا ریب فیہ ہدی للمتقین) اس کتاب میں کوئی شک و تردد نہیں ہے اور یہ پرہیزگاروں کے لیے سببِ ہدایت ہے۔ بہر حال یہ آیت ان آیات میں سے ہے جو بتاتی ہیں کہ خدا نے انسان کو آزاد اور خود مختار پیدا کیا ہے اور راہِ حق و باطل کو طے کرنے کا آخری فیصلہ اس کے اختیار میں ہے۔

یستقیم کی تعبیر جاذبِ توجہ اور عمدہ ہے جو بتاتی ہے کہ راہِ اصل جو انسان کے سامنے قرار پاتی ہے وہ راہِ ہدایت و سعادت ہے باقی سب راستے منحرف کر دینے والے ہیں۔

انسان کی تمام اندرونی اور بیرونی توانائیاں مجتمع ہیں کہ اسے راہِ مستقیم پر چلائیں اور اگر افراط و تفریط، شیطانی وسوسے اور گمراہ کرنے والے پردیگنڈے درمیان میں نہ ہوں تو انسان ندائے فطرت کے ذریعہ اس صراطِ مستقیم پر قدم رکھ سکتا ہے۔

ہمیں معلوم ہے کہ خطِ مستقیم ہمیشہ مقصد کی نزدیک ترین راہ ہوتا ہے لیکن چونکہ اس بات کا امکان ہے کہ انسان کا ارادہ یہ قوم پیدا کرے کہ آدمی اس طرح آزاد ہے کہ اس راستے کو طے کرنے میں الہی توفیق کی کوئی احتیاج نہیں رکھتا تو بعد میں آنے والی آیت میں جو اس سورہ کی آخری آیت ہے فرماتا ہے :

”تم ارادہ نہیں کرتے مگر یہ کہ عالمین اور تمام جانوں کا پروردگار ارادہ کرے“ (وما تشاؤون الا ان یشاء اللہ رب العالمین)۔ درحقیقت ان دونوں آیات کا مجموعہ اس دقیق و ظریف مسئلہ اثربین الامرین کو بیان کرتا ہے۔ ایک طرف کتا ہے ارادہ کی پختگی تمہارے اپنے اختیار میں ہے اور دوسری طرف کتا ہے جب تک خدا نہ چاہے تم ارادہ نہیں کر سکتے۔ یعنی اگر تمہیں مختار و آزاد پیدا کیا گیا ہے تو یہ اختیار و آزادی بھی خدا کی جانب سے

ہے۔ اس نے چاہا ہے کہ تم ایسے رہو۔

انسان اپنے اعمال میں نہ مجبور ہے نہ سوفیصدی آزاد ہے۔ نہ طریقہ جبر صحیح ہے نہ طریقہ تفویض بلکہ جو کچھ انسان کے پاس ہے وہ جسم و ہوش، عقل و توانائی، ارادہ کی پختگی کی قوت، وہ سب خدا کی جانب سے ہے اور یہی وہ حقیقت ہے جو ہمیشہ اسے ایک طرف تو خالق کا محتاج و نیازمند بناتی ہے اور دوسری طرف اس کی آزادی اور اختیار کے تقاضے کی بنا پر اسے ذمہ داری سونپتی ہے۔

”رب العالمین کی تعبیر اچھی طرح بتاتی ہے کہ مشیت الہی بھی انسان اور تمام عالمین کی تربیت، نکال اور ارتقا کی راہ میں دخل رکھتی ہے وہ بھی نہیں چاہتا کہ کوئی گمراہ ہو اور گناہ کر کے اس کے جو اہر رحمت سے دور ہو۔ وہ اپنے ربوبیت کے تقاضے سے ان تمام لوگوں کی مدد کرتا ہے جو چاہتے ہیں کہ راہ ارتقا میں قدم رکھیں۔

تعجب کی بات یہ ہے کہ مسلک جبر کے طرفدار صرف دوسری آیت سے چمٹے ہوئے ہیں جبکہ ممکن ہے کہ تفویض کے طرفدار بھی پہلی آیت سے متوسل ہوں۔ آیات کو ایک دوسرے سے جدا کرنا جو عام طور پر پہلے سے کیے ہوئے غلط فیصلوں کا معلول ہے، گمراہی کا سبب ہے۔

آیات قرآن کو ایک دوسرے کے ساتھ نہ کرنا کے مجبور سے فائدہ اٹھانا چاہیے۔ قابل توجہ یہ امر ہے کہ بعض مفسرین نے نقل کیا ہے کہ جب پہلی آیت ”لنمشاء منکم ان یستقیم“ نازل ہوئی تو ابو جہل نے جو عملی طور پر نظریہ تفویض کا حامی تھا، کہا بڑا اچھا ہوا کہ تمام اختیارات ہمیں دے دیئے گئے ہیں۔ یہی موقع تھا کہ دوسری آیت نازل ہوئی ”وما تشاءون الا ان یشاء اللہ رب العالمین“ لہ خداوند! ہم جانتے ہیں کہ راہ مستقیم کو طے کرنا تیری توفیق کے بغیر ممکن نہیں ہے۔ ہمیں اس راہ کو طے کرنے کی توفیق عطا فرما۔

پروردگارا! ہماری خواہش ہے کہ ہم راہ ہدایت پر چلیں تو بھی ارادہ فرما کہ اس راہ میں ہماری دستگیری فرما۔ بار الہا! محشر کا منظر اور تیری داد گاہ عدل و انصاف بہت ہولناک ہے اور ہمارا نامہ اعمال حسنت سے خالی ہے۔ ہمیں اپنے غم و غصہ کی پناہ میں جگہ دے، نہ کہ میزان عدل و انصاف کے سامنے۔ آمین یا رب العالمین۔

سورہ تکویر کا اختتام



سورۃ

انفطار

Presented by: <https://jafrilibrary.com/>

یہ سورہ مکہ میں نازل ہوا

اس میں ۱۹ آیتیں ہیں ۔

سورہ انفطار کے مضامین

یہ سورہ قرآن مجید کے آخری پارے کی بہت سی سورتوں کی مانند قیامت سے متعلق مسائل کے بارے میں ہے اور اس کی آیتوں میں مجموعی طور پر اس تعلق کے پانچ موضوعات کی طرف اشارہ ہوا ہے۔

- ۱۔ اشراط الساعۃ یعنی وہ عظیم حوادث جو اس جہان کے اختتام اور قیامت کی ابتدا پر رونما ہوں گے۔
- ۲۔ انسان کی توجہ خدا کی نعمتوں کی طرف، جنہوں نے اس کے سارے وجود کو گھیر رکھا ہے، اور اس کے غرور کو توڑنے کی جانب، تاکہ وہ اپنے آپ کو معاد کے لیے تیار کرے۔

- ۳۔ ان فرشتوں کی طرف اشارہ جو انسانوں کے اعمال کو ثبت کرنے پر مامور ہیں۔
- ۴۔ قیامت میں نیک و بد لوگوں کی سر نوشت۔
- ۵۔ اس عظیم دن کی سختیوں کا ایک گوشہ۔

اس سورہ کی تلاوت کی فضیلت

Presented by: <https://jafrilibrary.com/>

ایک حدیث امام جعفر صادقؑ سے منقول ہے کہ (من قرأ ہاتین السورتین "إذا السماء انفطرت" و "إذا السماء انشقت" وجعلہما نصب عینہ فی صلوة الفریضۃ والنافلۃ لم یحجبه من اللہ حجاب ولم یحجزہ من اللہ حاجز ولم یزل ینظر الی اللہ و ینظر اللہ الیہ حتی یفرغ من حساب الناس) جو شخص ان دو سورتوں سورہ انفطار اور سورہ انشقاق کی تلاوت کرے اور دونوں کو نماز فریضہ و نافلہ میں اپنا نصب العین بنالے تو کوئی اسے خدا سے محبوب نہیں کر سکے گا اور کوئی چیز اس کے اور خداوند متعال کے درمیان حائل نہیں ہوگی۔

یقیناً سب سے بڑی نعمت بارگاہ خداوندی میں حضوری ہے اور بندہ کے اور خدا کے درمیان سے حجابوں کا ہٹ جانا اس کے لیے ہے جو ان دونوں سورتوں کو اپنے دل و جان کی گرائیوں میں جگہ دے اور اپنی اس بنیاد پر اصلاح کرے نہ یہ کہ صرف زبانی جمع خرچ پر اکتفا کرے۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

إِذَا السَّمَاءُ انْفَطَرَتْ ۝

①

وَإِذَا الْكَوَاكِبُ انْتَثَرَتْ ۝

②

وَإِذَا الْبِحَارُ فُجِّرَتْ ۝

③

وَإِذَا الْقُبُورُ بُعْثِرَتْ ۝

④

عِلِمْتُ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ وَآخَرَتْ ۝

⑤

ترجمہ خدا کے نام سے جو مہربان اور بخشنے والا ہے۔

جس وقت کربلا کی آفت بجائیں گے۔

①

جس وقت ستارے پر اگندہ ہو کر گر پڑیں گے۔

②

اور جس وقت سمندر ایک دوسرے سے مل جائیں گے۔

③

اور جس وقت قبریں زیر و زبر ہوں گی۔ (اور مردے خارج ہوں گے)۔

④

اس وقت ہر شخص جان لے گا کہ اس نے آگے کیا بھیجا ہے اور پیچھے کیا

⑤

چھوڑا ہے۔

تفسیر

جس وقت اس جہان کا نظام زیر و زبر ہو جائے گا

ہم پھر اس سورہ کے آغاز میں بعض ایسے وحشت ناک حوادث کا سامنا کر رہے ہیں جو آغاز قیامت میں سارے جہان کو گھیر لیں گے۔ پہلے فرماتا ہے :

”جس وقت آسمان میں شکاف پڑ جائیں گے“ (إِذَا السَّمَاءُ انْفَطَرَتْ)۔ اور جس وقت ستارے

پر آگندہ ہو کر گرنے لگیں گے۔ (واذا النکواکب انتشرت)۔ عالم بالا کا نظام درہم و برہم ہو جائے گا اور ہولناک دھماکے سارے آسمان کے کُرول کو گھیر لیں گے تمام منظومے اپنے نظام کھو بیٹھیں گے۔ اور ستارے اپنے مدار سے نکل جائیں گے اور شدید تصادم کی وجہ سے ادھر ادھر بکھر جائیں گے۔ اس جہاں کی عمر ختم ہو جائے گی اور عام چیزیں ویران ہو جائیں گی تاکہ ان کی دیرانی سے آخرت کا جہاں آباد ہو جائے۔

”انفطرت“ انفطار کے مادہ سے شکافتہ ہونے کے معنوں میں ہے۔ اس تعبیر کی نظیر بہت سی آیات میں آتی ہے۔ منجملہ دیگر تعبیرات کے سورہ انفطار کی آیت ۱ میں ہم پڑھتے ہیں (اذا السماء انفطرت) اور سورہ مزمل کی آیت ۱۸ میں فرماتا ہے: (السماء منفطر بہ)

”انتشرت“ اصل میں مادہ نشر (بروزن) سے پر آگندہ کرنے اور ہونے کے معنی میں ہے اور چونکہ ستاروں کا پر آگندہ ہونا دکھانے کی طرح جس کا دھماکا ٹوٹ جائے، سبب بنتا ہے کہ ہر ایک کبھی گوشہ میں جا کرے۔

بعض مفسرین نے ستاروں کے سقوط اور ان کے گرنے سے تفسیر کی ہے اور یہ پر آگندگی کے معنی کا لازمہ ہے۔

”کواکب“ کوکب کی جمع عربی زبان میں بہت سے معانی میں آتی ہے دوسرے ستارے بطور عام اور زہرہ ستارہ بطور خاص۔

وہ سفیدی جو آنکھ میں ظاہر ہوتی ہے، بلند گھاس، درخت کا شکوفہ، فولاد کی چمک، زیبا و خوبصورت نوجوان، تلوار، پانی اور کسی جہیز کا ریش۔

لیکن ظاہری طور پر اس کے حقیقی معنی وہی درخشاں اور فروزاں ستارہ ہیں۔ باقی معانی مجازی شمار ہوتے ہیں جن میں اصلی معانی کی مشابہت پائی جاتی ہے۔

یہ کہ ستاروں کا پر آگندہ ہونا اور آسمانی کواکب کا انفجار اور پھٹنا اور ان کے نظام کا درہم و برہم ہونا کن عوامل و اسباب کے زیر اثر رونما ہوگا۔ کیا فطرت کا اعتدال درہم و برہم ہو جائے گا یا کوئی عظیم مریوز قوت اسے اپنے تحت الشعاع قرار دے گی یا عالم کا عظیم تدریجی انبساط اور پھیلاؤ جو موجودہ زمانے میں ماہرین کے نقطہ نظر سے اثبات کے درجہ کو پہنچ گیا ہے یہاں تک ہو جائے گا کہ جس کے بعد یہ نتیجہ برآمد ہوگا۔ کوئی شخص ٹھیک طرح نہیں جانتا۔

لیکن ہمیں اتنا معلوم ہے کہ جس وقت یہ عظیم آسمانی کڑے اس قسم کی صورت حال سے دوچار ہوں گے تو اس وقت کمزور و ضعیف انسان کا جو حال ہوگا وہ ظاہر ہے۔

یہ سب کچھ اس جہان کے فنا ہونے کے بارے میں انسان کو خبردار کرنا ہے اور اسے تنبیہ کرنا ہے تاکہ وہ اس دنیا کو ایسا جاودانی گھر نہ سمجھے جس میں اسے ہمیشہ رہنا ہے کس سے دل نہ لگائے اور اس کے لیے ہزار ہا گن ہوں سے آلودہ نہ ہو۔

اس کے بعد آسمان سے ہٹ کر زمین کو موضوع بنانا ہے اور فرماتا ہے،

”جس وقت سمندر اور دریا آپس میں مل جائیں گے“ (واذا البحار فجرت)۔ اگرچہ اس وقت بھی روئے زمین کا عام سمندر، سوائے کچھ چھوٹے دریاؤں کے ایک دوسرے سے ملے ہوئے ہیں لیکن یوں نظر آتا ہے کہ ابتدائے قیامت میں شدید زلزلوں کی بنا پر یا پہاڑوں کے پراگندہ ہونے اور سمندر میں گر پڑنے کی وجہ سے سمندر اس طرح پڑ ہو جائیں گے کہ پانی تمام خشکیوں کو گھیرے گا اور سارے دریا ایک وسیع تر سمندر کی شکل اختیار کر لیں گے جیسا کہ سورہ تکویر کی آیت ۶ (واذا البحار سجرت) کی ایک یہ بھی تفسیر ہے جس کی طرف ہم پہلے اشارہ کر چکے ہیں۔

دوسرا احتمال، جو اس آیت کی تفسیر میں اور اسی طرح سورہ تکویر کی آیت ۶ کی تفسیر میں پیش کیا گیا ہے، یہ ہے کہ فجرت اور سجرت وہی انفجار یعنی پھٹنا اور جلنا ہے جو تمام سمندروں اور دریاؤں کو آگ کے ایک عظیم ٹکڑے میں تبدیل کر دے گا۔

جیسا کہ ہم نے اشارہ کیا ہے پانی دو عناصر سے تشکیل پاتا ہے جو دونوں شدید طور پر قابل احتراق یعنی جلنے کے قابل ہے۔ اب اگر سمندروں کے پانی کا تجزیہ ہو اور وہ کچھ عوامل و اسباب کے زیر اثر آکسیجن اور ہائیڈروجن میں تبدیل ہو جائے تو ایک ہی شعلے کے زیر اثر سب آگ میں تبدیل ہو جائیں۔

اس کے بعد قیامت کے دوسرے مرحلہ کے بارے میں جو اس جہان کی تجدید حیات اور مردوں کی زندگی کی تجدید کا مرحلہ ہے فرماتا ہے: [Presented by: https://jafrilibrary.com/](https://jafrilibrary.com/) ”اور جس وقت قبریں زیر و زبر ہوں“ (واذا القبور بعثت)۔ اور مردے باہر آکر حساب کتاب کے لیے آمادہ ہوں۔

”بعثت“ کے معنی زیر و زبر ہونا اور منتشر ہونا ہے۔ راغب مفردات میں بعید نہیں سمجھتا کہ یہ لفظ دو الفاظ سے مرکب ہو۔ ”بعث“ اور ”اثرت“ اسی لیے دونوں کے معنی اپنے اندر لیے ہوئے ہیں اور نتیجہ زیر و زبر ہونے کے معافی کی صورت میں نکلا ہے۔ (مثل بملہ کے جو بسم اور اللہ سے لیا گیا ہے)۔

بہر حال جو کچھ اوپر والی آیات میں آیا ہے اس چیز کے مشابہ ہے جو ہم سورہ زلزال میں پڑھتے ہیں: (وخرجت الارض اثقالها) ”زمین اپنے ذخائر باہر نکالے گی“ (اس بنا پر اس سے مراد زمین میں دفن شدہ مردے ہوں گے جو اس آیت کی مشور قفاسیر میں سے ایک ہے)۔ یا اس چیز کے مشابہ ہے جو سورہ نازعات کی آیہ ۱۳ اور ۱۴ میں آئی ہے۔ (فانما هي زجرة واحدة فاذا هم بالساهرة) ”صرف ایک ہی صیحہ ہوگا جس کے بعد اچانک سب کے سب صفحہ زمین پر ظاہر ہوں گے۔“

یہ سب تفسیریں بتاتی ہیں کہ مردوں کا زندہ ہونا اور قبروں سے خارج ہونا نہایت تیزی سے ناگہانی طور پر صورت پذیر ہوگا۔ ان نشانیوں کو بیان کرنے کے بعد جو قیامت سے قبل اور اس کے بعد صورت پذیر ہوں گی آخری بات کو اس طرح بیان کرتا ہے:

”اس دن ہر شخص جانتا ہے کہ اس نے آگے کیا بھیجا ہے اور پیچھے کیا رکھا ہے۔“ (علمت نفس ماقبہ و اخرت)۔ جی ہاں! اس دن مجاہدات ہٹ جائیں گے، غرور و غفلت کے پردے چاک ہو جائیں گے اور حقائق جہاں آشکار ہو جائیں گے۔ اور چونکہ وہ دن یوم البروز ہے لہذا ہر چیز ظاہر ہو جائے گی اور یہ وہی وقت ہے کہ انسان اپنے تمام اعمال کو دیکھے گا اور اپنے نیک و بد سے آگاہ ہوگا۔ کون سے اعمال وہ آگے بھیج چکا ہے اور کون سے کام میں جن کے آثار اس کے بعد دنیا میں باقی رہ گئے ہیں اور اس کے نتائج اس تک پہنچے ہیں۔

خیرات اور صدقہ جاریہ کے ثل۔ اور وہ تعمیرات و آثار جو مقاصد رحمانی یا مقاصد شیطانی کے لیے اس نے بنائی ہیں اور اپنے پیچھے چھوڑ گیا ہے۔ یا کتبیں اور دیگر علمی آثار وغیرہ۔ علمی آثار جو نیک و بد مقاصد کے لیے اس نے اپنے بعد چھوڑے ہیں اور وہ دوسروں کے لیے استفادہ کا باعث بنے ہیں۔ ایسے نیک و بد سنو، طرق جنہوں نے اقوام و مل کو اپنی طرف کھینچا ہے یہ ہیں اُن کاموں کے نمونے جن کے نتائج انسان کے بعد اس تک پہنچتے ہیں اور جو اوپر والی آیت میں ”اخرت“ کا مصداق ہیں۔

یہ ٹھیک ہے کہ انسان اس دنیا میں بھی اجمالی طور پر اپنے اعمال سے باخبر ہے لیکن بھول جانا اور اپنے اعمال کی پرستش کرنا عام طور پر مانع ہوتا ہے کہ انسان ان سب کو اپنے دلی من و مکر سے اور اپنے اعمال کے آثار کی گہرائی اور عمق سے واقف ہو۔

لیکن اس دن جب ہر چیز میں انقلاب برپا ہوگا تو انسان کی روح اور جان بھی اس قسم کے انقلاب سے متاثر ہوگی یہ وہ جگہ ہوگی جہاں انسان اپنے تمام اعمال کا تفصیلی علم حاصل کرے گا بلکہ سورہ آل عمران کی آیت ۳۰ (یوم تجد کل نفس ما عملت من خیر محضراً وما عملت من سوء) سب کو اپنے سامنے حاضر پائے گا۔

بعض مفسرین نے اس آیت کے لیے اور تفاسیر بھی بیان کی ہیں۔ مغلہ دیگر تفاسیر کے مراد وہ کام ہیں جنہیں ابتدائے عمر میں مقدم رکھتا تھا اور وہ کام جو اواخر عمر کے لیے چھوڑ رکھے تھے لیکن پہلی تفسیر ہر جہت سے زیادہ مناسب ہے نفس سے مراد یہاں نفوس انسانی میں سے ہر فرد ہے اور اس میں تمام انفرادی بشر شامل ہیں۔

ایک نکتہ

وہ آثار جو انسان کے بعد باقی رہ جاتے ہیں

علاوہ اس چیز کے جو اوپر والی آیات میں آئی ہے اسلامی روایات سے ابھی طرح معلوم ہوتا ہے کہ ہو سکتا ہے کچھ آثار انسان کے بعد باقی رہ جائیں جن کی برکتیں یا بُرے نتائج سالہا سال تک حتیٰ کہ

۳۰ منیۃ المرید ص ۱۱۔

”جو شخص کوئی نیک سنت جاری کرے اور دوسرے اس کی پیروی کریں تو وہ اپنا اجر تو رکھتا ہی ہے اس کے علاوہ ان لوگوں کے اجر کے برابر بھی جنہوں نے اس کی پیروی کی ہے بغیر اس کے کہ ان پیروی کرنے والے لوگوں کے اجر میں کوئی کمی ہو اور جو شخص بُری سنت جاری کرے اور لوگ اس کی پیروی کریں تو اس کا اپنا گناہ تو ہے ہی اس کے علاوہ جن لوگوں نے اس کی پیروی کی ہے ان کے گناہوں کے برابر بھی اس کا گناہ ہے بغیر اس کے کہ پیروی کرنے والوں کے گناہوں میں کچھ کمی ہو“

یہ وہ مقام تھا جہاں اصحاب پیغمبر میں سے حدیث نے آیت (علمت نفس ما قدمت واخرت) کی تلاوت کی۔

امیر المؤمنین حضرت علیؑ فرماتے ہیں: (فكيف بكم لو تهاهت بكم الامور وبعثت القبور هتلك تبلوا كل نفس ما اسلفت وردوا الى الله مولا هم الحق وصل عنهم ما كانوا يفترون) تمہارا کیا حال ہوگا جس وقت تمام امور اختتام پذیر ہوں گے قبریں زیر و زبر ہوں گی اور تم سب کے سب عرصہ محشر میں قیام پذیر ہو گے وہاں ہر شخص ہر عمل کو جسے اس نے پہلے انجام دیا ہوگا آزمائے گا اور سب کے سب خدا کی طرف پلٹ جائیں گے جو ان کا حقیقی مولا دوسر پرست ہے اور جنہیں جھوٹ موٹ اس کی مثل قرار دیا تھا ان کے دل سے محو ہو جائیں گے۔

یہ آیات و روایات انسان کی ذمہ داری کی حدود کو اس کے اعمال کے مقابلہ میں اسلامی نقطہ نظر سے معین کرتی ہیں اور بتاتی ہیں کہ کس حد تک ہر انسان اپنے اعمال کے سلسلہ میں جوابدہ ہے یہاں تک کہ ممکن ہے کہ ہزار ہا سال گزرنے کے بعد اس کے لیے اچھا اجر حاصل کریں یا اس پر لعنت و گناہ کا بوجھ ڈالیں۔ اس سلسلہ میں جلد ۱ ص ۲۰۲ تا ۲۰۴ (سورہ نمل کی آیت ۲۵ کے ذیل میں) پر بھی ہم بحث کر چکے ہیں۔

- يَا أَيُّهَا الْإِنْسَانُ مَا غَرَّكَ بِرَبِّكَ الْكَرِيمِ ۝ (۶)
 الَّذِي خَلَقَكَ فَسَوَّاكَ فَعَدَلَكَ ۝ (۷)
 فِي أَيِّ صُورَةٍ مَّا شَاءَ رَكَّبَكَ ۝ (۸)
 كَلَّا بَلْ تُكَذِّبُونَ بِالذِّينِ ۝ (۹)
 وَإِنَّ عَلَيْكُمْ لَحَافِظِينَ ۝ (۱۰)
 كِرَامًا كَاتِبِينَ ۝ (۱۱)
 يَعْلَمُونَ مَا تَفْعَلُونَ ۝ (۱۲)

Presented by: <https://jafrilibrary.com/>

ترجمہ

- ۱۔ اے انسان تجھے کس چیز نے اپنے کریم پروردگار کے مقابلہ میں (۶)
 مغرور کر دیا ہے؟
 ۲۔ وہ خدا جس نے تجھے پیدا کیا، پھر تجھے درست کیا، پھر تجھے اعتدال پر رکھا۔ (۷)
 ۳۔ اور جس شکل میں چاہتا تھا تجھے مرکب کیا۔ (۸)
 ۴۔ جیسا تم خیال کرتے ہو ویسا نہیں ہے بلکہ تم روز جزا کے منکر ہو۔ (۹)
 ۵۔ اور اس میں شک نہیں کہ تم پر نگہبان مقرر کیے گئے ہیں۔ (۱۰)
 ۶۔ بلند منزلت والے اور لکھنے والے (تمہارے نیک و بد اعمال کے)۔ (۱۱)
 ۷۔ وہ جانتے ہیں کہ تم کیا کرتے ہو۔ (۱۲)

تفسیر

اے انسان تجھے کس چیز نے مغرور کر دیا ہے؟

گزشتہ آیتوں کے بعد جو قیامت کے بارے میں گفتگو کرتی ہیں زیر بحث آیتوں میں انسان کو خواب غفلت سے بیدار کرنے کے لیے اور اس کو خدا کے سامنے اس کی ذمہ داریوں کے طرف توجہ دلاتے ہوئے پہلے اسے مخاطب کیا ہے اور تیز ڈانٹ ڈپٹ کے ساتھ جس میں ایک طرح کا لطف و کرم بھی ملا ہوا ہے فرماتا ہے:

”اے انسان تجھے کس چیز نے تیرے کریم پروردگار سے غافل کر دیا ہے اور اس کے مقابلہ میں مغرور کیا ہے؟“ (یا ایہا الانسان ما غرک برئک الکویم)۔

یہاں انسان کا اس کی انسانیت کے لحاظ سے جس میں اس جہان کے باقی موجودات کے مقابلہ میں تمام امتیازات کے ساتھ اس کا ذکر کیا ہے مخاطب کیا ہے اس کے بعد اُسے اس خدا کے سامنے پیش کیا ہے جو رب بھی ہے اور کریم بھی ہے جس نے اپنی ربوبیت کے تقاضے سے ہمیشہ اسے اپنی رحمت سے نوازا ہے اور اس کی تربیت و تکامل و ارتقاء کا ذمہ لیا ہے اور اپنے تقاضائے کرم سے اسے اپنے خوانِ نعمت پر جگہ دی ہے اور اپنی تمام نادی و مسمیٰ نعمتوں سے اُسے سرفراز کیا ہے بغیر اس بات کے کہ اس سے وہ کوئی توقع رکھتا ہو اور ان نعمتوں کا کوئی اجر اس سے طلب کرے حتیٰ کہ اس کی خطاؤں سے بھی چشم پوشی کرتا ہے اور اپنے لطف و کرم سے اسے موردِ عنود بخش قرار دیتا ہے۔

کیا یہ مناسب ہے کہ اس قسم کا وجود ایسے پروردگار کے مقابلہ میں جسارت و مغرور سے کام لے یا ایک لمحے کے لیے بھی اس سے غافل ہو اور اس کے فرمان کی انجام دہی میں جو خود اس کی سعادت کا ضامن ہے قصور و کوتاہی کا ارتکاب کرے۔

اسی لیے ایک حدیث میں پیغمبر اسلامؐ سے مروی ہے کہ آپؐ نے اس آیت کی تلاوت کے موقع پر فرمایا (غزوہ جملہ) اس کی جمالت و نادانی نے اسے مغرور و غافل بنایا ہے۔
یہاں یہ واضح ہو جاتا ہے کہ مقصد یہ ہے کہ اپنی ربوبیت و کرم پر انحصار کرتے ہوئے وہ انسان کے غرور و غفلت کو ختم کرے۔ اس طرح سے جیسا کہ بعض نے خیال کیا ہے کہ مقصود کلام یہ ہے کہ آدمی کو تلقین کی جائے کہ خدا سے عذر خواہی کے سلسلہ میں جو ہمہ کسے: ”تیرے کرم نے مجھے مغرور کیا ہے؟“

نیز جو کچھ فضیل ابن عیاض سے نقل ہوا ہے کہ اس سے سوال کیا گیا کہ اگر تجھے خدا قیامت کے دن اپنے حضور میں طلب کرے اور تجھ سے سوال کرے، ”ما غرتک ببریک الکریم“ تو جواب میں تو کیا کہے گا۔ اس نے کہا میں جواب میں کہوں گا ”غرتی ستورک المرخاة“ جو پردے تو نے میرے گناہ پر ڈالے ہوتے تھے انہوں نے مجھے غافل و مغرور کیا ہے۔

یہ سب مفہوم آیت کے ساتھ سازگار نہیں ہے بلکہ آیت کے مفہوم کے تضاد سے تعلق رکھتا ہے۔ اس لیے کہ مقصود آیت غرور کو ختم کرنا ہے اور خواب غفلت سے بیدار کرنا ہے نہ یہ کہ نیا پردہ غفلت کے پردوں پر ڈالنا ہے اس بنا پر مناسب نہیں ہے کہ آیت کو اس کے مقصد سے دور لے جائیں اور اس کی متضاد کیفیت سے نتیجہ کلام اخذ کریں۔

”غرتک“ غرور کے مادہ سے اصل میں بیداری کے موقع پر غفلت کے معنی میں ہے دوسرے لفظوں میں ایسے مقام پر غفلت سے کام لینا جہاں غفلت کرنا بالکل نامناسب ہو۔ اور چونکہ غفلت بعض اوقات جسارت یا احساس برتری کا سبب بنتی ہے لہذا غرور کے لفظ کی ان معانی سے بھی تفسیر ہوئی ہے اور شیطان کو اسی وجہ سے غرور (بروزن شرور) کہتے ہیں۔ وہ انسان کو اپنے دوسوں سے فریب دیتا ہے اور اسے غافل و مغرور کر دیتا ہے۔

”کریم“ کی تفسیر میں مفسرین نے انواع و اقسام کی تعبیریں پیش کی ہیں بعض نے کہا ہے کہ کریم وہ شخص ہے جس کے تمام افعال احسان ہیں اور وہ کبھی اتنی بخشش کے ہوتے ہوئے نفع و نقصان کا خیال نہیں کرتا۔ بعض نے کہا ہے کہ کریم وہ شخص ہے جو طلب سے زیادہ بخش دے بعض مفسرین نے کہا ہے کہ کریم وہ شخص ہے جو تھوڑی سی ستاع کو قبول کر لیتا ہے اور اس کے مقابلے میں زیادہ قیمت دیتا ہے۔ لیکن حقیقت میں یہ سب چیزیں کریم کے مفہوم میں شامل ہیں۔

خدا کے کریم کے سلسلہ میں بس اتنا کافی ہے کہ وہ صرف گنہگاروں کو معاف کر کے راضی نہیں ہوتا بلکہ شائستہ افراد کے گناہوں کو حسنات میں تبدیل کر دیتا ہے۔ امیر المومنین حضرت علیؑ اس آیت کی تفسیر میں عجیب و غریب جملے ارشاد فرماتے ہیں:

یہ آیت سنے والے کے سامنے بہت مضبوط دلیل ہے اور ایسے شخص کے سامنے جسے جہالت و نادانی نے مغرور کر دیا ہو قاطع عذر ہے۔ خدا فرماتا ہے:

”اے انسان تجھے کس چیز نے گناہ کرنے پر جرأت دلائی ہے اور کس چیز نے تجھے تیرے پروردگار کے مقابلہ میں مغرور کر دیا ہے اور کس چیز نے اپنی ہلاکت کے ساتھ تعلق پیدا کر دیا ہے؟ کیا تیری اہل باری کے چہرے ہونا نہیں ہے یا تیرے اس خواب کے لیے بیداری نہیں ہے۔ تو خود پر کم از کم اتنا قورم کر جتنا تو دوسروں پر کرتا ہے۔“

تو جب کسی کو جلانے والے سورج کی دھوپ میں دیکھے تو اس پر سایہ کرتا ہے جب کسی بیمار کو دیکھے کہ درد و تکلیف نے اسے سخت نالال کر دیا ہے تو تو اس پر رحم کھا کر آنسو بہاتا ہے تو وہ کیا شے ہے جس نے اپنی بیماری پر تجھے ایک طرح کا صبر کرنے والا بنا دیا ہے اور اپنی مصیبت پر مطمئن کر دیا ہے اور خود پر گریہ کرنے سے باز رکھا ہے حالانکہ تیرے نزدیک عزیز ترین افراد میں سے تو خود ہے تو پھر کس طرح رات کو نرمل بلا کے خوف نے تجھے بیدار نہیں کیا حالانکہ گناہ و مصیبت میں تو غوطہ زن ہے اور اس کے غلبہ سے باہر بھی نہیں ہے۔

آ اور اس غفلت کی بیماری کا عزم صمیم کی دوا سے علاج کر اور اس خواب غفلت کو جس نے تیری آنکھوں کو گھیر رکھا ہے، بیداری سے برطرف کر۔ آ خدا کا مطیع و فرمانبردار بن جا اور اس کی یاد سے مانوس ہو۔

اچھی طرح جان لے کہ تیرے خدا سے غفلت کرنے کے موقع پر وہ نعمتیں دینے پر تجھ سے عنایت کرتا ہے اور تجھے اپنے عفو و کرم کی طرف بلاتا ہے اور اپنی برکتوں کے زیر سایہ تجھے دیکھنا چاہتا ہے حالانکہ تو نے اس کی طرف پشت کر رکھی ہے اور دوسرے کی طرف رخ کر رکھا ہے۔

بزرگ و عظیم ہے وہ خدا جو باوجود اس عظیم قدرت کے کرم ہے لیکن تو باوجود اس ضعف و حقارت کے اس مصیبت پر کس قدر جری ہے۔

اس کے بعد اس غافل انسان کو بیدار کرنے کے لیے اپنے لطف و کرم کے ایک گوشہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرماتا ہے :

”وہ خدا جس نے تجھے پیدا کیا ہے پھر تیرے وجود کی دستگاہ کو منظم کیا اور اسے اعتدال بخشا“ (الذی خلقک فسواک فعدلک)۔ ”اور جس شکل میں چاہتا تھا تیری ترکیب کی“ (فی ای صورۃ ما شاء و کبک)۔

اور اس طرح خلقت کے چار عظیم مرحلوں کو یعنی اصل خلقت، پھر اس کی تنظیم، پھر اس میں اعتدال آخر میں ترکیب بندی کو چار مختصر سی پُر معنی عبارتوں میں بیان کرتا ہے۔

پہلے مرحلے میں اصل خلقت انسانی قرار پاتی ہے کہ اسے ناچیز و حقیر لطف سے رحم کے ظلمت کدے میں خلق کیا۔ بعد کے مرحلے میں جو تسویہ و تنظیم کا مرحلہ ہے اس کے پیکر کے اعضا میں سے ہر عضو کو تنظیم کے ساتھ

۱۔ نیچ البسلاخہ، خطبہ ۲۲۳۔

۲۔ ”ما شاء“ میں ما زائدہ ہے بعض مفسرین نے احتمال پیش کیا ہے کہ ما شرطیہ ہے لیکن پسلا احتمال زیادہ مناسب ہے۔

موزوں کیا۔ آنکھ، کان، دل، رگیں اور باقی اعضا جن میں سے اگر انسان ہر ایک کی ساخت، بناوٹ اور نظام پر غور و فکر کرے اور خدا کے لطف و کرم کو ان میں سے ایک ایک میں دیکھے تو علم و قدرت اور لطف و کرم کی ایک دنیا اپنی آنکھوں کے سامنے مجسم دیکھے گا۔

وہ نعمتیں کہ ہزار ہا سال گزرنے کے بعد بھی ماہرین علوم طبعی ان کے بارے میں غور و فکر کرتے ہیں اور لکھتے ہیں لیکن ابھی آغاز کار ہے اور وہ ابھی تحقیق کی ابتدائی ہی میں ہیں۔

اس کے بعد ایک تیسری نعمت کو موضوع گفتگو بناتا ہے اور وہ اعضائے جسم انسانی کے درمیان اعتدال ہم آہنگی ہے۔ جسم انسانی دو حصوں پر مبنی پیدا کیا گیا ہے جو دونوں ایک دوسرے کے معاون ہیں۔ ہاتھ پاؤں آنکھ، کان، استخوان، عروق و اعصاب و عضلات جسم کے دونوں حصوں میں ہم آہنگی پیدا کرنے والے اور ایک دوسرے کی تکمیل کرنے والے ہیں۔

علاوہ ازیں مختلف اعضا بھی ایک دوسرے کے کام کی تکمیل کرتے ہیں مثلاً سانس لینے کا نظام گردش خون کی مدد کرتا ہے اور گردش خون کا نظام تنفس کے ساتھ مل کر غذا کے حقے کو نکلنے کے لیے اور دانت، زبان، لعاب، دہن کے غدود اور اطراف دہن کے عضلات اور گلا یہ سب ایک دوسرے کے دست بدست کام کرتے ہیں یہاں تک کہ ہر ایک کا حصہ کا حصہ کے نظام میں داخل ہو جاتا ہے۔

اس کے بعد بھی بہت سی ہم آہنگیاں صورت پذیر ہوتی ہیں تاکہ غذا جزو بدن ہو سکے اور قوت و حرکت وسیع و کوشش کو پیدا کرے۔ یہ سب ”فعد لک“ کے جملہ میں پنہاں ہیں۔ بعض اس جملہ کو تمام انواع حیوانات میں سے انسان کے سیدھے قد کی طرف، جو اس کی بہت ہی فضیلت کا باعث ہے اشارہ سمجھتے ہیں۔ یہ معافی بعد والے مرحلہ کے ساتھ مناسبت رکھتے ہیں لیکن پہلے معافی زیادہ جامع ہیں۔

انجام کار آخری مرحلہ، دوسرے موجودات کے مقابلہ میں اس کی ترکیب اور صورت پذیری کا آن پہنچتا ہے۔ جی ہاں خدا نے نوع انسان کو دوسرے حیوانات کے مقابلہ میں موزوں تر اور زیبا تر بنایا ہے اور اسے عمدہ شکل عنایت کی ہے اور ایسی سیرت دی ہے جس میں زیبائی و خوبصورتی کے ساتھ فطری بیداری بھی ہے اور ایسی ترکیب جو علم، آگاہی، تعلیم و تربیت کو قبول کرنے پر آمادہ ہے۔

اس سے قطع نظر افراد انسانی کی صورتیں ایک دوسرے سے مختلف ہیں اور جیسا کہ سورہ روم کی آیت ۲۲ میں آیا ہے: ”تمہارے رنگوں اور زبانوں کا اختلاف خدا کی آیات میں سے ہے“ (ومن آیاتہ خلق السماوات والارض واختلاف السنتکم والوانکم) اگر یہ اختلاف نہ ہوتا تو نوع بشر کی اجتماعی زندگی کا نظام محفل ہو جاتا۔

اس اختلاف ظاہری کے علاوہ استعداد، ذوق اور سلیقے کے اختلاف قرار دیتے ہیں اور ان کی دو صورتیں بنائیں جن کا اس کی حکمت تقاضا کرتی تھی تاکہ ان کے مجموعہ سے ایک صحیح و سالم معاشرہ وجود میں

آئے جو اپنی تمام ضرورتوں کو پورا کرے اور انسانوں کے ظاہری و باطنی قوی ایک دوسرے کے تکمیل کنندہ بنیں۔ اور مجموعی طور پر، جیسا کہ سورہ "تین" کی آیت نمبر ۳ میں آیا ہے: (لقد خلقنا الانسان في احسن تقويم) "خدا نے انسان کو بہترین صورت پر پیدا کیا ہے۔"

خلاصہ کلام یہ کہ ان آیتوں میں اور بہت سی دوسری قرآنی آیات کی طرح خدا اس جہلا دینے والے اور مغرور انسان کو اپنی معرفت کی راہ دکھاتا ہے اور یہ کہتا ہے کہ رحم مادر سے لے کر اپنے پیدا ہونے تک کے زمانے کا اور اس وقت سے لے کر مکمل نشوونما کی منزل تک پہنچنے کے عہد کا بغور مطالعہ کرے اور یہ دیکھے کہ منعم حقیقی کی جانب سے ہر قدم پر ایک نئی نعمت اس کے پاس آئی ہے۔

اس طرح اس کو معلوم ہو گا کہ وہ سر سے پیر تک خالق کے احسانات کے بوجھ تلے دبا ہوا ہے۔ اس کو چاہیے کہ غرور و غفلت کو خیر باد کہے اور پروردگار عالم کی محبت کا طوق اپنی گردن میں ڈالے۔

اس کے بعد قرآن ان کے غرور و غفلت کو موضوع گفتگو بنا کر کہتا ہے: "جیسا تم گمان کرتے ہو ایسا نہیں ہے تم روز جزا کے منکر ہو" (کلا بل تکذبون بالدين)۔ نہ تو خدا کا کرم تمہارے غرور کا سبب ہے اور نہ اس کی نعمتوں کا سلسلہ بلکہ اس کا اصلی سبب تمہارا روز قیامت پر ایمان نہ لانا ہے۔

جی ہاں اگر ہم مغرور اور غافل افراد کی حالت پر غور کرتے ہیں تو دیکھتے ہیں کہ اصلی سبب یہ ہے کہ ان میں سے بہت سے افراد کی روح کی گمراہیوں میں قیامت کے بارے میں شک یا اس کا انکار پوشیدہ ہے اور باقی امور تو صرف ہانے میں لگا کر ان کے دلوں میں قیامت پر ایمان پیدا ہو جائے تو یہ غرور اور غفلت سب ختم ہو کر رہ جائے۔

دین سے مراد یہاں جزا اور روز جزا ہے اور یہ جو بعض مفسرین نے احتمال پیش کیا ہے کہ یہاں مراد دین اسلام ہے بعید نظر آتا ہے اس لیے کہ ان آیتوں میں گفتگو کا جو محور ہے وہ معاد و قیامت ہے۔ اس کے بعد اسباب غرور و غفلت کو ختم کرنے اور قیامت پر ایمان کو تقویت دینے کے لیے مزید

۱۵ "کلا" حرف روع ہے اور پہلے سے ذکر شدہ یا قوم شدہ مطلب کے انکار کے لیے ہے اور یہ کہ کلا اسی آیت میں کسی چیز کی نفی کرتا ہے اس سلسلہ میں مفسرین نے کئی احتمال پیش کیے ہیں۔ سب سے پہلے وہی احتمال ہے جس کا اوپر ذکر ہوا ہے یعنی یہاں کلا غرور و غفلت کے تمام سرچشموں کی نفی کرتا ہے سوائے قیامت کی تکذیب اور انکار کے جس کا "بلی" کے بعد ذکر ہوا ہے۔ راغب نے مفردات میں (بلی کے مادہ کے سلسلہ میں) ان معانی کو منتخب کیا ہے اور اوپر والی آیت بیان کرنے کے بعد کہتا ہے (کانہ قیل لیس فیہنا ما یقضی ان ینضم بہ تان و لکن تکذیبہم هو الذی جعلہم علی ما ارتکبوا)۔ گویا کہا گیا ہے کہ یہاں کوئی ایسی چیز نہیں جو انہیں اللہ کے مقابلہ میں مغرور کرے لیکن ان کی تکذیب کرنا وہ ہے جس نے اس کا ارتکاب کیا ہے۔

کنا ہے، اس میں شک نہیں کہ تم پر نگران مقرر کیے گئے ہیں۔ (وان علیکم لحاظین)۔
ایسے نگران و نگبان جو پروردگار کی بارگاہ میں مقرب و محترم ہیں اور وہ ہمیشہ تمہارے اعمال کو تحریر کرتے ہیں (حکماً کا تبیین)۔ اور جو کچھ تم انجام دیتے ہو اس سے آگاہ ہیں اور سب کچھ اچھی طرح جانتے ہیں۔ (یعلمون ما تفعلون)۔

حافظین سے مراد یہاں وہ فرشتے ہیں جو انسانوں کے اعمال کی نگرانی پر مامور ہیں اس سے قطع نظر کہ اعمال اچھے ہوں یا بُرے۔ ان فرشتوں کو سورہ ق کی آیت ۱۸ میں رقیب و عتید سے تعبیر کیا گیا ہے (ما یلفظ من قول الا لدیہ رقیب عتید) انسان کوئی بات نہیں کرتا مگر یہ کہ اس کے پاس فرشتہ ہے جو نگرانی کا فرض انجام دینے کے لیے مستعد ہے۔ اسی سورہ ق کی اس سے پہلے کی آیت میں فرماتا ہے:

(اذ یتلق المتلقیان عن الیمین وعن الشمال قعید) ”یاد کر اس وقت کو جب وہ دو فرشتے جو دائیں بائیں سے تجھے پکڑے ہوئے ہیں بہترے اعمال ثبت کرتے ہیں“ قرآن کی دوسری آیتوں میں بھی ان فرشتوں کی طرف اشارہ ہوا ہے جو نگران اعمال ہیں۔

اس میں شک نہیں کہ خدا ہر شخص سے پہلے اور ہر شخص سے بہتر اعمال انسانی کا شاہد و ناظر ہے لیکن اس نے مزید تاکید کے لیے اور زیادہ احساس ذمہ داری پیدا کرنے کے لیے نگران فرشتے مقرر کیے ہیں۔ ان کے علاوہ کچھ اور نگران بھی ہیں جو انسان کو ہر طرف سے گھیرے ہوئے ہیں جن سب کا قیامت کی دادگاہ کے گواہوں کے عنوان کے ماتحت سات حصوں میں جلد ۱۱ کے صفحہ ۳۰۵ تا ۳۰۹ پر ہم نے ذکر کیا ہے۔ (سورہ نجم کی آیت ۲۰ اور ۲۱ کے ذیل میں) یہاں ان کی طرف فرست دار اشارہ کیا جاتا ہے۔

پہلا گواہ خدا ہے جو فرماتا ہے: ”جو عمل تم انجام دیتے ہو ہم اس کے شاہد و ناظر ہیں“ (یونس - ۶۱)۔
”اس کے بعد انبیاء و اوصیاء ہیں“ (نساء - ۴۱)۔ اس کے بعد ”زبان، ہاتھ، پاؤں اور ہیکل انسان کے تمام اعضاء جو ارجح“ (نور - ۲۴)۔ ایک گواہ جسم کی کھال ہے (نجم - ۲۱)۔ اور گواہ فرشتے ہیں (ق - ۲۱) اور زیر بحث آیت اس کے بعد وہ زمین جس پر انسان زندگی بسر کرتا ہے اور اس پر اطاعت کی جاتی ہے اور گناہ ہوتے ہیں (زلزال - ۴)۔ اور آخر میں وہ وقت و زمانہ جس میں اعمال انجام پاتے ہیں (سفینۃ البحار جلد ۲ مادہ یوم)۔
احتجاج طبری میں آیا ہے کہ ایک شخص نے امام جعفر صادق سے دریافت کیا کہ انسانوں کے نیک و بد اعمال کے تحریر کرنے پر جو فرشتے مامور ہیں ان کا کیا سبب ہے جبکہ ہمیں معلوم ہے کہ خدا عالم البصر و ما حوہ اخصی

بعض مفسرین مثلاً روح البیان اور روح المعانی کے مؤلف نے کہا ہے کہ داؤد یہاں حالیہ ہے لیکن استیناف کا احتمال زیادہ مناسب ہے۔

ہے یعنی ہر وہ چیز جس سے زیادہ پوشیدہ کوئی چیز نہیں ہے وہ اسے جانتا ہے تو انہیں نے جواب میں فرمایا:

استعبد ہم بذالك وجعلهم شهودًا على خلقه ليكون العباد لملأزمتمهم
اياهم اشد على طاعة الله مواظبة وعن معصيته اشد انقباضًا وكومن عبدیم
بمعصية فذكروا مكانهما فارعوى وكف فيقول ربی يرانى وحفظتى على بذالك
تشهد وان الله برأفته ولطفه وكلهم بعباده يذبون عنهم مردة الشياطين و
هوام الارض وأفات كثيرة من حيث لا يرون باذن الله الى ان يحى امر الله
عز وجل -

خدا نے ان فرشتوں کو اپنی عبادت کے لیے بلایا اور انہیں اپنے بندوں پر گواہ قرار دیا
تاکہ بندے ان کی نگرانی کی وجہ سے زیادہ سے زیادہ خدا کی اطاعت کریں اور اس کی نافرمانی
سے انہیں زیادہ سے زیادہ پریشانی اور دکھ ہو۔ بہت سے ایسے بندے ہیں جو گناہ کا پختہ ارادہ
کر لیتے ہیں اور پھر اس فرشتے کو یاد کرتے ہیں اور اپنے آپ کو گناہ سے باز رکھتے ہیں۔ وہ کہتے
ہیں کہ ہمارا پروردگار ہمیں دیکھتا ہے اور نگران فرشتے بھی گواہی دیں گے۔ اس کے علاوہ خدا نے
اپنی رحمت اور مہربانی سے انہیں بندوں پر مامور کیا ہے تاکہ حکم خدا سے سرکشی کرنے والے شیاطین
کو ان سے دور رکھیں اور زمین کے جانوروں اور بہت سی آفات و بلیات کو جنہیں بندے اس
وقت تک نہیں دیکھتے جب تک حکم خدا یعنی ان کی موت نہ آجائے۔

اس روایت سے اچھی طرح معلوم ہوتا ہے کہ وہ تحریر اعمال کی ذمہ داری کے علاوہ ناگوار حادثوں، مصیبتوں
اور شیاطین کے دوسوسوں سے انسانوں کو محفوظ رکھنے پر بھی مامور ہیں (خدا کے فرشتوں کی مختلف ذمہ داریوں کے
بارے میں ایک تفصیلی بحث جلد ۱۰ ص ۱۶۸ تا ۱۷۲ سورہ فاطر کی آیت ۱ کے ذیل میں آچکی ہے)۔

قابل توجہ بات یہ ہے کہ مذکورہ بالا آیات ان فرشتوں کی تعریف و توصیف میں کہتی ہیں وہ کریم اور بزرگ
فرشتے پروردگار کی بارگاہ میں بلند مقام کے حامل ہیں تاکہ انسان اپنے اعمال پر زیادہ توجہ دیں اس لیے کہ انسان
کے اعمال کی نگرانی کرنے والا جس قدر بلند شخصیت رکھتا ہے انسان اس کا زیادہ لحاظ کرتا ہے اور گناہ کے
انجام دینے سے زیادہ شرمندہ ہوتا ہے۔ کاتبین کی تعبیر درحقیقت اس بات کی تاکید ہے کہ وہ حافظہ پر اکتفا
نہیں کرتے بلکہ باریک بینی کے ساتھ دیکھتے ہیں، اس انداز سے کہ کبھی کوئی چیز ان سے نظر انداز نہیں ہوتی اور
وہ ہر چھوٹے بڑے عمل کو ضبط تحریر میں لاتے ہیں (يعلمون ما تفعلون) جو کچھ تم انجام دیتے
ہو وہ اسے جانتے ہیں؟

یہ اس حقیقت پر ایک مزید تاکید ہے کہ وہ تمہارے اعمال سے بغیر استثناء آگاہ ہیں اور ان کا لکھنا اسی آگاہی کی بنیاد پر ہے۔ یہ تمام تعبیریں انسان کے اختیار اور ارادے کی آزادی کو بیان کرتی ہیں اس لیے کہ اگر انسان کو کوئی اختیار حاصل نہ ہوتا تو اعمال کے تحریر کرنے والے فرشتوں کے مقرر کرنے کا اور ان سب تینوں کا کوئی صحیح مفہوم نہ ہوتا۔

اور پھر یہ سب چیزیں اس حقیقت کو بیان کرتی ہیں کہ حساب کتاب کا ہونا اور جزا و سزا کا ملنا قطعی اور حتمی ہے، اس لیے کہ خدا نے اسے حد سے زیادہ اہمیت دی ہے اور اس حقیقت کی طرف توجہ اور اس پر ایمان اس مقصد کے لیے ہے کہ انسان کی تربیت کرے اور اسے اس کی ذمہ داریوں سے آشنا کرے اور غلط کاموں پر حد سے زیادہ روکنے والا اثر ڈالے۔

ایک نکتہ

ثبت اعمال کے مامورین

نہ صرف اوپر والی آیات میں بلکہ بہت سی دوسری آیات قرآنی میں اور اسلامی روایات میں ان معانی کی طرف اشارہ ہوا ہے کہ خدا نے ہر انسان پر نگہبان و نگران مقرر کیے ہیں جو اس کے اعمال قطع نظر اس کے کہ وہ اچھے ہوں یا بُرے، تحریر کرتے ہیں اور اس کا اعمال نامہ روزِ جزا کے لیے تیار کرتے ہیں۔ ان فرشتوں کی خصوصیات کے بارے میں معنی خیز اور خبردار و ہشیار کرنے والی تعبیریں اسلامی روایات میں وارد ہوئی ہیں بجز ان کے ایک یہ ہے کہ کسی شخص نے امام موسیٰ کاظمؑ سے سوال کیا کہ جو انسان کے اعمال تحریر کرنے پر مامور ہیں کیا وہ انسان کے ارادہ اور نیک یا بد کام کرنے کے باطنی عزم سے بھی باخبر ہوتے ہیں تو امام نے جواب میں فرمایا:

”کیا بچے کچھ اور گندے پانی کے کنویں کی بو اور عطر کی خوشبو ایک جیسی ہوتی ہے؟“

راوی نے عرض کیا نہیں تو امامؑ نے فرمایا:

”کہ جب انسان کوئی اچھا کام کرنے کی نیت کرتا ہے تو اس کا سانس خوشبودار ہو جاتا ہے تو وہ فرشتہ جو دائیں طرف ہے (اور حسنت کے ثبت کرنے پر مامور ہے) بائیں طرف والے فرشتے سے کہتا ہے اٹھ کھڑا ہو کہ اس نے نیک کام کا ارادہ کیا ہے اور جب وہ اس کام کو انجام دے دیتا ہے تو اس انسان کی زبان اس فرشتے کا قلم بن جاتی ہے اور لحاظ دہن سیاری بن جاتا ہے لیکن جب انسان گناہ کا ارادہ کرے تو اس کا سانس بدبودار ہو جاتا ہے اس وقت بائیں طرف کا فرشتہ دائیں طرف والے فرشتے سے کہتا ہے اٹھ کھڑا ہو کہ اس نے مصیبت و نافرمانی کا ارادہ کیا ہے اور جب وہ نافرمانی انجام دے دیتا ہے تو اس کی زبان اس فرشتے کا

قلم اور لعاب دہن سیاہی بن جاتا ہے اور وہ اسے لکھ دیتا ہے۔
یہ حدیث اچھی طرح بتاتی ہے کہ انسان کی نیت اس کے وجود پر اچھی طرح اثر انداز ہوتی ہے اور فرشتے اس کے اندرونی اسرار سے باہر کے آثار کے ذریعہ آگاہ ہو جاتے ہیں اور اگر آگاہ نہ ہوں تو انسان کے اعمال کو اچھی طرح ضبط تحریر میں نہیں لاسکتے ماس لیے کہ نیت کی کیفیت عمل کی آلودگی اور خلوص کے سلسلہ میں حد سے زیادہ مؤثر ہوتی ہے یہاں تک کہ پیغمبر اسلام نے مشہور حدیث میں فرمایا ہے:

(انما الاعمال بالنیات) اعمال نیتوں سے وابستہ ہیں۔ دوسرے یہ کہ فرشتے خود انسان سے لیتے ہیں اور اسی پر خرچ کرتے ہیں۔ ہماری زبان ان کا قلم اور ہمارا لعاب دہن ان کی سیاہی ہے۔

۲۔ وہ مامور ہیں کہ جب انسان نیک کام کی نیت کرے تو اسے ایک نیکی کی حیثیت سے تحریر کریں اور جس وقت اسے انجام دے دے تو دس نیکیاں لکھ دیں۔ لیکن جب انسان گناہ کا ارادہ کرتا ہے تو جب تک عمل نہ کرے کوئی چیز اس کے خلاف نہیں لکھتے اور گناہ کے ارتکاب کے بعد بھی صرف ایک ہی گناہ لکھتے ہیں۔

یہ تعبیر انسان پر خدا کے انتہائی لطف و کرم کو بیان کرتی ہے کہ گناہ کی نیت کو وہ بخش دیتا ہے اور فعل گناہ کی عدل کے مطابق سزا دیتا ہے لیکن اطاعت کے سلسلہ میں ہر نیت ایک نیکی ہے اور ہر نیک کام کی وہ اپنے فضل کے مطابق جزا دیتا ہے نہ کہ میزان عدل کے مطابق اور یہ نیک اعمال کی تشوین ہے۔

۳۔ ایک اور روایت میں آیا ہے کہ رسول خدا نے ان دونوں فرشتوں کے موجود ہونے اور دس گنی حسات کی جزا کے لکھنے کی طرف اشارہ کرنے کے بعد فرمایا:

جب انسان کسی بُرے کام کو انجام دیتا ہے دائیں طرف کا فرشتہ بائیں طرف کے فرشتے سے کہتا ہے اس گناہ کے لکھنے میں جلدی نہ کر شاید اس کے بعد کوئی نیک کام انجام دے جو اس کے گناہ پر پردہ ڈال دے جیسا کہ خدا نے عظیم فرماتا ہے:

(ان الحسنات یذہبن السیئات) ”نیکیاں برائیوں کو ختم کر دیتی ہیں“

یاد رکھو کہ توبہ و استغفار کرے اور (گناہ کا اثر ختم ہو جاتے) گناہ کا فرشتہ سات گھنٹے تک گناہ کے تحریر کرنے سے رکا رہتا ہے اگر اس گناہ کے بعد کوئی استغفار یا نیک کام نہ ہو تو پھر حسات والا فرشتہ سیدنا دانے فرشتے سے کہتا ہے کہ اس بد بخت محروم کا گناہ لکھ دے۔

۱۔ اصول کافی، جلد ۲، باب من ہم بالمحسنة والیسنة حدیث ۳۔

۲۔ ایضاً ” ” ” ” ” ” ” ”

۳۔ ایضاً ” ” ” ” ” ” ” ” حدیث ۴۔

۴۔ ایک اور حدیث میں امام جعفر صادقؑ سے مروی ہے کہ جب مومنین کسی خصوصی مجلس میں ایک دوسرے سے گفتگو کرتے ہیں تو حیا فطریہ اعمال ایک دوسرے سے کہتے ہیں کہ ہم ان سے دور ہو جائیں، شاید ان کا کوئی راز ہے جسے خدا نے پوشیدہ رکھا ہے۔
۵۔ حضرت علیؑ اپنے خطبہ میں جس میں لوگوں کو تقویٰ اور خوفِ خدا کی دعوت دیتے ہیں فرماتے ہیں کہ:

”اے بندگاہِ خدا! جان لو کہ خود تم میں سے کچھ نیکان تم پر مقرر کیے گئے ہیں وہ تمہارے بدن کے اعضا ہیں اور یہ بھی جان لو کہ سچے حساب کرنے والے تمہارے اعمال کو لکھتے ہیں یہاں تک کہ تمہارے سانسوں کی تعداد کو محفوظ کر لیتے ہیں۔ نہ شبِ تاریک کی سیما ہی تمہیں ان سے پوشیدہ رکھ سکتی ہے اور نہ حکم اور بند دروازے۔ اور آج سے کل کس قدر قریب ہے بٹہ

- ۱۳) إِنَّ الْآبِرَارَ لَفِي نَعِيمٍ ۝
- ۱۴) وَإِنَّ الْفُجَّارَ لَفِي جَحِيمٍ ۝
- ۱۵) يَصْلَوْنَهَا يَوْمَ الدِّينِ ۝
- ۱۶) وَمَا هُمْ عَنْهَا بِغَائِبِينَ ۝
- ۱۷) وَمَا آذْرُكَ مَا يَوْمُ الدِّينِ ۝
- ۱۸) ثُمَّ مَا آذْرُكَ مَا يَوْمُ الدِّينِ ۝
- ۱۹) يَوْمَ لَا تَمْلِكُ نَفْسٌ لِنَفْسٍ شَيْئًا وَالْأَمْرُ يَوْمَئِذٍ لِلَّهِ ۝

ترجمہ

- ۱۳) یقیناً نیک افراد نعمت فراوان میں ہیں۔
- ۱۴) اور بدکار دوزخ میں ہیں۔
- ۱۵) جزا کے روز اس میں وارد ہوں گے اور جلیں گے۔
- ۱۶) اور کبھی بھی اس سے غائب اور دور نہیں ہوں گے۔
- ۱۷) تو کیا جانے کہ قیامت کا دن کیا ہے؟
- ۱۸) پھر تو کیا جانے کہ قیامت کا دن کیا ہے؟
- ۱۹) ایسا دن ہے جس میں کوئی شخص کسی دوسرے کے حق میں کسی کام کے انجام دینے پر قدرت نہیں رکھتا اور اس دن سب امور اللہ سے مخصوص ہیں۔

تفسیر

وہ دن جس میں کوئی شخص کسی کیلئے کوئی کام انجام نہیں دے گا

اس بحث کے بعد جو گزشتہ آیات میں فرشتوں کے ذریعہ انسانوں کے اعمال کے ثبت و ضبط کے سلسلے میں آئی ہے ان آیتوں میں اس حساب و کتاب کے نتیجے اور نیکوں اور بُروں کی جو رہگذر ہے اس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے پروردگار عالم فرماتا ہے:

”یقیناً نیک و صالح افراد خدا کی عظیم نعمت میں ہیں“ (ان الابرار لفی نعیم)۔ ”اور بدکار یقیناً جہنم میں ہیں“ (وان الفجار لفی جحیم)۔

”ابرار“ ”بار“ اور ”بِو“ (بروزن حق) کی جمع ہے جس کے معنی نیکوکار شخص کے ہیں۔ اور ”بر“ (ب کے زیر کے ساتھ) ہر قسم کی نیکی کے معنی میں ہے۔ یہاں اچھے عقائد بھی مراد ہیں اور اچھی نیتیں اور اچھے اعمال بھی۔

”نعیم“ مفرد ہے اور نعمت کے معنی میں ہے اور یہاں بہشت، جادہانی کے معنی میں ہے اور نیکوہ کی صورت میں جو آیا ہے اس نعمت کی ارمیت، وسعت اور عظمت کے بیان کے لیے ہے۔ خدا کے علاوہ کوئی اور اس کی وسعت و عظمت سے واقف نہیں ہے۔

”نعیم“ جو یہاں صفت مشبہ ہے یہاں اس نعمت کی بقا اور اس کے استمرار کی تاکید کے لیے ہے۔ یہ مفہوم عام طور پر صفت مشبہ میں چھپا ہوا ہوتا ہے۔

”فجار“ فاجر کی جمع ہے۔ اصل میں فجر کے معنی وسیع طور پر شکاف کرنے کے ہیں اور طلوع صبح کو اس لیے فجر کہتے ہیں کہ گویا رات کا سیاہ پردہ پیدا ہو سحری کے ہاتھوں کٹی طور پر شکاف ہو جاتا ہے۔ اس بنا پر فجر کا لفظ ان لوگوں کے اعمال کے بارے میں دستیاب ہوتا ہے جو پاکدامنی اور تقویٰ کا پردہ چاک کرتے ہیں اور گناہ کے راستے میں قدم رکھتے ہیں۔

”جحیم“ ”جہنم“ (بروزن فہم) کے مادہ سے آگ بھڑکانے کے معنی میں ہے۔ اس وجہ سے جہنم بھڑکنی ہوئی آگ کو کہتے ہیں۔ قرآنی تعبیر میں یہ لفظ عام طور پر دوزخ کے معنی میں آیا ہے اور یہ جو فرماتا ہے:

”نیکوکار جنت میں اور بدکار دوزخ میں ہیں لیکن ہے اس معنی میں ہو کہ وہ ابھی سے جنت اور دوزخ میں وارد ہو گئے ہیں اور اس دنیا ہی میں جنت کی نعمتوں اور جہنم کے عذاب نے انہیں گھیر رکھا ہے جیسا کہ سورہ عنکبوت کی آیت ۴۵ میں ہم پڑھتے ہیں: (وان جہنم لمحیطۃ بالکافرین)۔ ”دوزخ نے کافروں کا احاطہ کر رکھا ہے“

لیکن ایک جماعت نے کہا ہے کہ اس قسم کی تعبیریں حتیٰ اور یقینی طور پر مستقبل کی طرف اشارہ کرتی ہیں۔ اس لیے کہ ادب عربی میں حتیٰ اور یقینی مستقبل اور متحقق الوقوع مضارع کو حال کی شکل میں اور کبھی ماضی کی شکل میں بیان کرتے ہیں۔

(آیت کے پہلے معنی ظاہر کے ساتھ سازگار ہیں لیکن مناسب دوسرے معنی ہیں)۔
بعد کی آیت میں فاجروں کی سرفروخت کے بارے میں وضاحت کرتے ہوئے مزید فرماتا ہے: ”وہ روز جزا دوزخ میں داخل ہوں گے اور اس کی آگ میں جلیں گے“ (یصلون نھا یوم الدین)۔
جب گزشتہ آیت کے معنی ایسے ہوں کہ وہ ابھی سے دوزخ میں داخل ہیں تو پھر یہ آیت بتاتی ہے کہ روز قیامت اس جلائے والی آگ میں ان کا داحسہ اور شدید ہوگا اور آگ کے اثر کو وہ ابھی طرح محسوس کریں گے۔

”یصلون“ ”صلی“ (بروزن سعی) کے مادہ سے آگ میں داخل ہونے، جلنے، بھن جانے اور اس کے درد و تکلیف کو برداشت کرنے کے معنی میں ہے اور اس بنا پر، کہ فعل مضارع ہے، استمرار پر دلالت کرتا ہے۔ مزید تاکید کے لیے فرماتا ہے:

”وہ اس آگ سے کبھی دور اور محفوظ نہیں ہیں“ (وما هو عنها بغائبین)۔ بہت سے مفسرین نے اس جملہ کو فجار پر جو عذاب ہوگا اس کے حاد و آبی ہونے کی دلیل کے طور پر لیا ہے اور اس طرح توجہ نکالا ہے کہ فجار سے مراد ان آیات میں کفار ہیں، اس لیے کہ خلود اور بیفتگی ان کے مورد کے علاوہ دوزخ نہیں رکھتی۔

اس آیت کی تعبیر زمانہ حال کی شکل میں اس چیز کی مزید تاکید ہے جس کی طرف پہلے اشارہ ہو چکا ہے کہ اس قسم کے افراد دنیا میں بھی کئی طور پر جنم سے دور نہیں ہیں۔ ان کی زندگی بجائے خود دوزخ ہے۔ اور مشہور حدیث کے مطابق ان کی قبر جنم کے گڑھوں میں سے ایک گڑھا ہے اور اس طرح دنیا کی دوزخ اور برزخ کی دوزخ اور قیامت کی دوزخ تینوں ان کے لیے موجود ہیں۔

مندرجہ بالا آیت ضمنی طور پر اس حقیقت کو بھی بیان کرتی ہے کہ دوزخیوں کے عذاب میں کسی قسم کا وقفہ نہیں ہے یہاں تک کہ ایک لمحے کا وقفہ بھی نہیں ہوگا۔

اس کے بعد اس عظیم دن کی عظمت کو بیان کرنے کے لیے کتا ہے: ”تو کیا جانے کہ روز جزا کیا ہے؟“ (وما ادراک ما یوم الدین)۔ ”پھر تو کیا جانے کہ روز جزا کیا ہے؟“ (شم ما ادراک ما یوم الدین)۔

جب پیغمبر اسلام قیامت کے بارے اس وسیع آگاہی اور علم کے باوجود اس پر حکومت کرنے والے حوادث، اضطراب اور عظیم وحشت کو ابھی طرح نہیں جانتے تو باقی کا معاملہ واضح ہے۔

یہ گفتگو اس حقیقت کو بیان کرتی ہے کہ قیامت کے ہولناک حوادث اس قدر وسیع و عظیم ہیں جو قابل

بیان میں نہیں تھاسکتے اور جس طرح ہم عالم خاک کے اسیر جنت کی بے پایاں نعمتوں سے اچھی طرح آگاہ نہیں ہیں جہنم کے عذاب اور اس کے حوادث سے کس طرح آگاہ ہو سکتے ہیں۔

اس کے بعد ایک مختصر اور پُر معنی جلد میں اس دن کی ایک اور خصوصیت جس میں درحقیقت تمام چیزیں چھپی ہوئی ہیں پیش کرتے ہوئے فرماتا ہے:

”وہی دن جس دن کوئی شخص کسی دوسرے کے حق میں کوئی کام انجام نہیں دے سکے گا اور اس دن تمام امور خدا سے مختص ہیں“ (یوم لا تمکث نفس لنفس شیئاً والا مریو مثلاً للہ)۔

کام تو اس جہان میں بھی سب اسی کے دستِ قدرت میں ہیں اور سب لوگ اسی کے نیازمند ہیں لیکن پھر بھی یہاں بھی کبھی بہر حال مجازی مالک و حاکم اور فرماں روا موجود ہیں جنہیں سطحی نگاہ رکھنے والے افراد مستقل مبدا۔ قدرت خیال کرتے ہیں لیکن اس دن یہ مجازی مالکیت و حاکمیت بھی ختم ہو جائے گی اور خدا کی حاکمیت مطلقہ ہر زمانہ کی بہ نسبت زیادہ واضح ہوگی۔

یہ چیز قرآن کی دوسری آیتوں میں بھی آئی ہے (لَمَنْ الْمُلْكُ الْيَوْمَ لِلَّهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ) آج کے دن حکومت کس کے لیے ہے غالب دیکھا خدا کے لیے ہے۔ (مومن - ۱۶)۔

اصولی طور پر اس دن ہر شخص اس قدر اپنے آپ میں گرفتار ہو گا کہ اگر بالفرض اس میں قوت ہوتی بھی تب بھی دوسروں کی طرف متوجہ نہیں ہوتا (لَا تَنصُرُ لَكُمْ اَمْرٌ بَعْضُكُمْ يَوْمَ يَكْفُلُ لِكُلِّ شَيْءٍ يَفْعَلُهُ)۔ اس دن ان میں سے ہر ایک اس طرح مبتلا ہو گا جو اس کے لیے کافی ہو گا۔ (عبس - ۳۷)۔

ایک حدیث میں امام محمد قزازی سے مروی ہے:

(اِنَّ الْاَمْرَ يَوْمَئِذٍ لِلَّهِ... اِذَا كَانَ يَوْمُ الْقِيَامَةِ بَادَتْ الْحُكَامُ فُلْمَ يَبْقَى حَاكِمُو الْاَلَلِ)

”اور آج اور اس دن تمام کام اللہ کے اختیار میں ہیں لیکن جب قیامت کا دن ہو گا تو تمام حاکم تباہ و برباد ہو جائیں گے اور خدا کی حکومت کے علاوہ کوئی حکومت باقی نہیں رہے گی۔“

یہاں ایک سوال سامنے آتا ہے کہ کیا یہ تعبیر انبیاء، اولیاء اور فرشتوں کی شفاعت کے سلسلہ سے متصادم نہیں ہے۔ اس سوال کا جواب ان مباحث سے جو ہم سلسلہ شفاعت کے سلسلہ میں پہلے تحریر کر چکے ہیں واضح ہو جاتا ہے اور وہ یہ کہ قرآن مجید متعدد آیات میں تصریح کر چکا ہے کہ شفاعت خدا کے اذن اور اجازت سے ہوگی اور روزِ جزا کے شفیع اس کی رضا کے بغیر کسی کی شفاعت نہیں کریں گے۔

(ولا یشفعون الا لمن ارتضیٰ) (انبیاء۔ ۲۸)۔

خداوند! اس ہر لٹاک دن کے بارے میں سب کی نظریں تیری طرف لگی ہوئی ہیں۔

نیم ابھی سے تیری طرف نظریں لگائے ہوئے ہیں۔

پروردگارا! ہمیں اس جہان میں انہیں جہان میں اپنے بے پایاں لطف و کرم سے محروم نہ کیجیو۔

بالہذا! ہر حالت میں حاکم مطلق تو ہے ہمیں وادی شرک میں مھجور ہونے سے بچا اور دوسروں کی پناہ لینے سے محفوظ رکھ۔

آمین یا رب العالمین

سورۃ انفطار کا اختتام



سورة مطففین

Presented by: <https://jafrilibrary.com/>

یہ سورہ مکہ میں نازل ہوا
اس میں ۳۶ آیتیں ہیں

سورۃ الطغیہ کے مضامین کا دائرہ کار

یہ سورہ مکہ میں نازل ہو یا مدینہ میں اس کے بارے میں مفسرین کے درمیان اختلاف ہے۔ شاہن نزول بتاتی ہے کہ اس سورہ کی ابتدائی آیات جن کا موضوع کم تولنا ہے ان لوگوں سے متعلق ہیں جو مدینہ میں اس قبیح کام میں مشغول تھے۔

لیکن دوسری آیات کالب و لجر مکی سورتوں کے ساتھ زیادہ مشابہت رکھتا ہے جس میں مختصر اور پُر جلال آیات میں پروردگار عالم قیامت اور حوادث قیامت کی خبر دیتا ہے خصوصاً اس سورہ کی آیات جو مسلمانوں کا مذاق اڑانے کے بارے میں کفار کو موضوع گفتگو بناتی ہیں۔

یہ آیتیں مکہ کے ماحول کے ساتھ زیادہ مناسبت رکھتی ہیں۔ وہاں مومنین اقلیت میں تھے اور کافروں کی قطعی اکثریت تھی۔ شاید یہی وجہ ہے کہ بعض مفسرین سورہ کے ایک حصہ کو مکی اور ایک حصہ کو مدنی سمجھتے ہیں لیکن مجموعی طور پر یہ سورہ مکی سورتوں سے زیادہ مشابہت رکھتی ہے۔ بہر حال اس سورہ کے مباحث پانچ محروں کے گرد گھومتے ہیں۔

- ۱۔ کم تولنے والوں کے بارے میں شدید تنبیہ و تہدید۔
- ۲۔ اس مضمون کی طرف اشارہ کہ برے برے گناہوں کا سرچشمہ قیامت کے بارے میں پختہ یقین کا نہ ہوگا۔
- ۳۔ اس عظیم دن فجار کی سر نوشت کا ایک حصہ۔

۴۔ جنت میں نیکو کاروں کو ملنے والی عظیم اور روح پرور نعمتوں کا ایک حصہ۔

۵۔ کفار کا مومنین سے جاہلانہ مذاق اور اس کے برعکس قیامت کے ہونے کا بیان۔

اس سورہ کی تلاوت کی فضیلت

ایک حدیث میں بغیر اسلام سے منقول ہے کہ (من قرأ سورة الطغیہ سقاہ اللہ من الوحی المقنوم یوم القیامۃ) جو شخص سورہ طغیہ پڑھے خدا اسے خالص شراب سے جو کسی کو میسر نہیں ہوئی قیامت میں سیراب کرے گا۔

ایک دوسری حدیث میں امام جعفر صادق سے منقول ہے: من قرأ فی فرائضہ توبل للطفین اعطاه الا من یوم القیامۃ من النار ولم تہ ولم یرھا۔ جو شخص اپنی فرائض نمازوں میں سورہ طغیہ پڑھے خدا قیامت میں اسے عذاب جہنم سے محفوظ رکھے گا نہ جہنم کی آگ اسے دیکھے گی نہ وہ جہنم کی آگ کو دیکھے گا۔

یہ سب ثواب فضیلت اور برکت اس شخص کے لیے ہے جو اس کے پڑھنے کو عمل کی تہید اور مقدمہ قرار دے۔

۱۔ مجمع البیان، جلد ۱۰ ص ۵۱۱۔

۲۔ ثواب الاعمال مطابق نقل نور الثقلین جلد ۵ ص ۵۲۷۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

۱. وَيْلٌ لِّلْمُطَفِّفِينَ ۝
۲. الَّذِينَ إِذَا اكْتَالُوا عَلَى النَّاسِ يَسْتَوْفُونَ ۝
۳. وَإِذَا كَالُوهُمْ أَوْ وَزَنُوهُمْ يُخْسِرُونَ ۝
۴. أَلَا يَظُنُّ أُولَٰئِكَ أَنَّهُمْ مَبْعُوثُونَ ۝
۵. لِيَوْمٍ عَظِيمٍ ۝
۶. يَوْمَ يَقُومُ النَّاسُ لِرَبِّ الْعَالَمِينَ ۝

Presented by: <https://jafrilibrary.com/>

ترجمہ

۱. وائے کم تولنے والوں پر۔
۲. وہ جب خود لیتے ہیں تو اپنا حق پورا لیتے ہیں۔
۳. لیکن جب چاہتے ہیں کہ دوسروں کے لیے تولیں تو کم تولتے ہیں۔
۴. کیا وہ باور نہیں کرتے کہ وہ اٹھائے جائیں گے۔
۵. عظیم دن
۶. جس روز لوگ رب العالمین کی بارگاہ میں کھڑے ہوں گے۔

شان نزول

ابن عباس کہتے ہیں جس وقت پیغمبر اکرم مدینہ میں داخل ہوئے تو بہت سے لوگ کم تولنے کے مرض میں مبتلا تھے تو خدا نے ان آیتوں کو نازل کیا اور انہوں نے قبول کیا اور کم تولنا ختم کر دیا۔

دوسری حدیث میں آیا ہے کہ بہت سے اہل مدینہ تاجر تھے اور وہ کم تولنے کے عادی تھے اور وہ بہت سے حرام کام کرتے تھے تو ایسی صورت میں یہ آیات نازل ہوئیں۔ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ آیتیں اہل مدینہ کو سنائیں اس کے بعد آپ نے فرمایا:

(خمس بخص)۔ پانچ چیزیں پانچ چیزوں کے مقابلہ میں ہیں۔ انہوں نے عرض کیا اے خدا کے رسول کونسی پانچ چیزیں پانچ چیزوں کے مقابلہ میں ہیں تو آپ نے فرمایا:

(ما نقض قوم العهد الا سلب الله عليهم عدوهم وما حكموا بخير ما انزل الله الا نشأ فيهم الفقر وما ظهرت فيهم الفاحشة الا نشأ فيهم الموت ولا طفقوا الكيل الا منعوا النبات واخذوا بالسنين ولا منعوا الزكاة الا حبس عنهم المطر)

کسی قوم نے عہد شکنی نہیں کی مگر یہ کہ خدا نے اس کے دشمنوں کو اس پر مسلط کر دیا اور کسی جمیعت نے حکم خدا کے خلاف حکم نہیں دیا مگر یہ کہ ان میں فقر و فاقہ زیادہ ہو گیا۔ کسی ملت کے درمیان فحاشی اور برائیاں ظاہر نہیں ہوئیں مگر یہ کہ موت کا وقوع ان میں زیادہ ہو گیا۔ کسی قوم نے کم نہیں تولنا مگر یہ کہ ان کی زراعت ختم ہو گئی اور قحط سالی نے انہیں گھیر لیا اور کسی قوم نے زکوٰۃ نہیں روکی مگر یہ کہ بارش سے محروم ہو گئے۔

مروج طبری نے مجمع البیان میں ان آیتوں کی شان نزول کے سلسلہ میں نقل کیا ہے کہ مدینہ میں ایک شخص تھا جس کا نام ابو جہنہ تھا جس کے پاس دو چھوٹے بڑے پیانے تھے۔ خریدتے وقت بڑا پیسہ استعمال کر کے فائدہ اٹھاتا اور بیچتے وقت چھوٹے پیانے سے دیتا۔ (تو یہ سورہ نازل ہوا اور اسے خبردار کیا)۔

تفسیر

کم تولنے والوں پر وائے ہے

ان آیات میں ہر چیز سے پہلے کم تولنے والوں کو شدید عذاب کا سختی ٹھہرا کر فرماتا ہے: ”وائے ہے کم تولنے والوں پر“ (ویل للمطففين)۔ یہ حقیقت میں خدا کی جانب سے ان ظالم، ستمگر اور گندے لوگوں کے خلاف اعلان جنگ ہے جو بزدلوں کی طرح لوگوں کا حق پامال کرتے ہیں۔

”مطفین“ ”تطفیف“ کے مادہ سے اصل میں مطف سے لیا گیا ہے جو کسی چیز کے کناروں کے معنی میں ہے اور یہ جو سر زمین کر بلا کو وادی طف کہتے ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ فرات کے کنارے پر واقع ہے۔

اس کے بعد ہر کم چیز پر طفیف کا اطلاق ہوتا ہے۔ اسی طرح وہ پیمانہ جو لبریز نہ ہو، دہاں بھی یہی لفظ بولا جاتا ہے۔ اس کے بعد یہ لفظ کم تولنے کے لیے استعمال ہوا ہے خواہ وہ کسی شکل و صورت کا ہو۔ ”ویل“ یہاں شر، غم و اندوہ، ہلاکت یا دردناک عذاب یا جہنم کی سخت جلانے والی وادی کے معنوں میں ہے۔ عام طور پر یہ لفظ نفین کرنے اور کسی چیز کی قباحت کو بیان کرنے کے لیے استعمال ہوتا ہے یا یہ کہ ایک مختصر سی تعبیر ہے جو بہت سے مفہیم کو چاہتی ہے۔

قابل توجہ یہ ہے کہ ایک روایت میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ خدا نے لفظ ویل قرآن میں کسی شخص کے لیے استعمال نہیں کیا مگر یہ کہ اس کو کافر کہا ہے (فویل للذین کفروا من مشہد یوم عظیم)۔ ”وائے ہے کافروں پر عظیم دن کے مشاہدہ سے“ (مرم - ۳۷)

اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ کم تولنے سے کفر کی بُرائی ہے۔ اس کے بعد مطفین یعنی کم تولنے والوں کے کام کی تشریح کرتے ہوئے فرماتا ہے: ”وہ ایسے لوگ ہیں جو اپنے لیے تولتے ہیں تو اپنا حق مکمل طور پر وصول کرتے ہیں“ (الذین اذا اکتالوا علی الناس یستوفون)۔ لیکن جب وہ چاہتے ہیں کہ دوسروں کے لیے تولیں تو کم تولتے ہیں (واذا اکتالوا وہ او ذفوا وہ یمخسرون)۔

مفسرین کی ایک جماعت نے مندرجہ بالا آیات سے اس طرح استفادہ کیا ہے کہ مطف سے مراد وہ شخص ہے جو غریب تے وقت اپنا حق زیادہ لیتا ہے اور بچتے وقت مقابل کو اس کے حق سے کم دیتا ہے اسی لیے خدا نے دونوں پہلوؤں کے پیش نظر ان پر ویل رکھی ہے۔

لیکن یہ ایک اشتباہ ہے اور غلط ہے کیونکہ ”یستوفون“ کا مفہوم یہ ہے کہ اپنا حق مکمل طور پر وصول کرتے ہیں اور ایسا پہلو جس میں اپنے حق سے زیادہ لینے کی بات ہو اس عبارت میں موجود نہیں ہے اور یہ جو ہم دیکھ رہے ہیں کہ خدا نے ان کی مذمت کی ہے ان دونوں حالتوں کے ایک دوسرے سے تقابل

۱۔ اصول کافی مطابق نقل نور الثقلین، جلد ۵ ص ۵۷۷۔

۲۔ یہاں علی الناس کی تعبیر اس طرف اشارہ ہے کہ لوگوں پر وہ کوئی حق رکھتے ہیں اور تقدیر اذا کالوا علی الناس معنی اور اصولاً کالاً علیہ دہاں کہا جاتا ہے جہاں کیل کا مقصد حق لینا ہوتا ہے باقی رہا کال اور کال لہ اس جگہ سے مربوط ہے جہاں کیل سے مراد دوسرے کا حق دینا ہے۔ (غور کیجئے)۔

کی شکل میں ہے کہ خریدتے وقت پورا پورا حق لینے ہیں اور بیچتے وقت کمی کرتے ہیں۔ یہ بالکل اسی طرح ہے جس طرح ہم کسی کی مذمت میں کہتے ہیں۔ ”جب کسی سے اس کو کوئی چیز لینا ہوتی ہے تو وعدہ کے مطابق (جو وقت مقرر ہو عین اسی وقت) لینا ہے لیکن کسی کو کچھ دینا ہو تو مہینوں تاخیر کرتا ہے۔ حالانکہ اپنی طلب کا وعدہ کے مطابق لینا کوئی بُری بات نہیں ہے لیکن ان دونوں کے مقابل کا جائزہ لینے کے نتیجے میں بُری بات ہے۔

قابل توجہ بات یہ ہے کہ حق لینے کے معاملہ میں گفتگو کیل کے بارے میں ہے لیکن دینے کے معاملہ میں گفتگو کیل و وزن دونوں کے حوالے سے ہے۔ تعبیر کا یہ فرق ہو سکتا ہے کہ، ذیل کی دو وجہ میں سے کسی ایک کی بنا پر ہو۔

پہلی وجہ یہ کہ خریدار عام طور پر پہلے زمانے میں کیل سے استفادہ کرتے تھے اس لیے کہ بڑی ترازو جو زیادہ وزن تول سکے اس زمانے میں موجود نہیں تھی لیکن بڑے پیمانے آسانی سے مل سکتے تھے (”کرہ“ کے بارے میں بھی علم دلنے کا ہے کہ یہ لفظ اصل میں ایک بڑے پیمانے کا نام ہے)۔ بیچتے وقت وہ تھوک کا کاروبار کیل سے کرتے تھے اور وزن کے ذریعہ خوردہ فروشی کرتے تھے۔

دوسرے یہ کہ حق لینے کے وقت پیمانے سے استفادہ زیادہ مناسب ہے کیونکہ اس میں دھوکے کا امکان بہت کم ہے لیکن کم تولنے کے لیے وزن کا ذریعہ زیادہ مفید ہوتا ہے اس لیے کہ اس میں دھوکے دینے کا امکان زیادہ ہوتا ہے۔

یہ نکتہ بھی قابل توجہ ہے کہ مندرجہ بالا آیات اگرچہ صرف کیل و وزن کے حوالے سے کم تولنے کی بات کرتی ہیں لیکن اس میں شک نہیں کہ آیت کا مضمون وسیع ہے اور اس کا اطلاق کم تولنے کے سلسلہ میں ان چیزوں پر بھی ہے جن کا لین دین گن کر ہوتا ہے۔ بلکہ یہ بھی بعید نہیں کہ آیت اپنے مضمون کی گہرائی کے اعتبار سے موعودہ خدمت میں کمی کرنے کو بھی اپنے دامن میں سمیٹ لے۔

مثال کے طور پر کوئی کاریگر یا مزدور اپنا کام صبح طور پر مکمل نہیں کرتا تو وہ بھی مطففین کا مصداق ہے یعنی کم تولنے والوں کی صف میں ہے جن کی یہ آیتیں سختی سے مذمت کر رہی ہیں۔

بعض مفسرین اس آیت کو اور زیادہ وسیع معانی کا حامل سمجھتے ہیں اور حد و خداوندی سے ہر قسم کا تجاوز اور اجتماعی و اخلاقی روابط میں کمی کو بھی اس کے مضمون میں شامل سمجھتے ہیں۔ اگرچہ اس آیت کے الفاظ سے ان معانی کا استفادہ واضح نہیں ہے لیکن غیر مناسب بھی نہیں ہے۔

اس لیے مشہور صحابی رسول عبد اللہ بن مسعود سے منقول ہے کہ نماز میں ایک معقول پیمانہ ہے جو شخص اس کا کیل مکمل طور پر ادا کرے تو خدا اس کو اس کا اجر مکمل دے گا اور جو شخص اس میں کمی کرے تو اس کے بارے میں وہی کچھ جاری ہوگا جو خدا نے مطففین یعنی کم تولنے والوں کے

بارے میں فرمایا ہے یہ

اس کے بعد پروردگار عالم ایسے لوگوں کو تنبیہ یعنی استفہام توہینی کے ذریعے متنبہ کرتے ہوئے فرماتا ہے :

”کیا وہ باور نہیں کرتے کہ قبروں سے اٹھائے جائیں گے“ (الا یظنن اولئک انہم مبعوثون)۔
 ”عظیم دن“ (لیوم عظیم)۔ وہ دن جس کا حساب عذاب اور اس کی ہولناکی اور
 سب عظیم ہیں۔ ”وہ دن جب لوگ قبروں سے اٹھیں گے اور رب العالمین کی بارگاہ میں حاضر ہوں گے“
 (یوم یقوم الناس لرب العالمین)۔

یعنی وہ اگر قیامت کو باور کرتے اور جانتے کہ حساب کتاب ہونا ہے اور تمام اعمال ایک عظیم
 عدالت میں محاکمہ کے لیے پیش ہوں گے اور جس شخص نے سوئی کی نوک کے برابر بھی اچھا یا بُرا کام کیا
 ہے اس کا نتیجہ وہ اس عظیم دن دیکھے گا، پھر وہ کبھی اس قسم کا ظلم و ستم نہ کرتے اور لوگوں کے حقوق
 پامال نہ کرتے۔

بہت سے مفسرین ”ظنن“ کو جو ظن کے مادہ سے ہے یہاں یقین کے معنی میں سمجھتے ہیں۔ اس
 تعبیر کی نظیر قرآن مجید میں موجود ہے مثلاً سورہ بقرہ کی آیت ۲۴۹ ”قَالَ الَّذِينَ يَظُنُّونَ اَنَّهُمْ مَلَأُوا
 اللّٰهُ كُمْ مِنْ فَتْنَةٍ قَلِيلَةً غَلَبَتْ فَتْنًا كَثِيرَةً بِاِذْنِ اللّٰهِ“ جو مانتے تھے کہ خدا سے ملاقات کریں گے (اُو
 وہ قیامت کے دن پر ایمان رکھتے تھے) ”انہوں نے کہا کہ کئی چھوٹے گروہ تھے جو حکم خدا سے بڑے گروہ
 کے مقابلے میں کامیاب ہوئے“ (تو جہ رکھیں کہ یہ آیت بنی اسرائیل کے ایک گروہ کے بارے میں ہے جس
 نے ایمان و استقامت کا مختلف مراحل میں مظاہرہ کیا تھا)۔

اس بات کی شاہد و ناظر وہ حدیث ہے جو امیر المومنین حضرت علیؑ سے منقول ہے کہ آپؑ نے آیہ
 (الا یظنن اولئک انہم مبعوثون لیوم عظیم) کی تفسیر میں فرمایا کہ اس کا مفہوم یہ ہے کہ (الیس یوقنون
 انہم مبعوثون) کیا انہیں یقین نہیں ہے کہ وہ قبروں سے اٹھیں گے پتہ
 انہی حضرت سے منقول ہے کہ آپؑ نے فرمایا کہ ظن کی دو قسمیں ہیں، ظن تردید اور ظن یقین۔ جو
 قرآن میں معاد و قیامت کے بارے میں آیا ہے وہ ظن یقین ہے اور جو کچھ دنیا کے بارے میں آیا ہے
 وہ ظن شک ہے پتہ

ایک جماعت کی طرف سے یہ احتمال بھی پیش کیا گیا ہے کہ ظن سے یہاں مراد موجودہ دور کے مشور

۱۔ مجمع البیان، جلد ۱۰ ص ۴۵۲۔

۲۔ تفسیر برہان جلد ۲ ص ۳۸۔

۳۔ نور الثقلین، جلد ۵ ص ۵۲۸۔

معانی نجان ہیں جو اس طرف اشارہ ہے کہ انسان کی جان اور روح میں قیامت کی طرف توجہ کرنا اس طرح اثر کرتا ہے کہ اگر کوئی شخص اس کا گمان بھی کرتا ہو اور اس کو اس دن کا احتمال بھی ہو تو وہ ہر کاموں سے اجتناب کرے چہ جائیکہ اس کا یقین رکھتا ہو۔ یہ وہی چیز ہے جو علماء کے درمیان دفع غرر مظنون یا دفع ضرر محتمل کے عنوان سے مشہور ہے۔

اب اس بات کا مفہوم یہ ہو گا کہ یہ بے پرواہ اور بے ہاگ گنہگار نہ صرف یہ کہ قیامت کا یقین نہیں رکھتے بلکہ اس کا گمان بھی نہیں رکھتے لیکن پہلی تفسیر، اُن وجوہ کی بنا پر، جو بیان کی گئی ہیں مقدم ہے۔ اہم بات یہ ہے کہ لفظ ظن راغب کے مفردات کی رو سے اصل میں اس حالت کا نام ہے جو چند قرائن کے ہونے کی وجہ سے فکر انسانی کو حاصل ہوتی ہے اگر نشانیاں قوی ہوں تو علم و یقین لے آتی ہے اور اگر نشانیاں کمزور ہوں تو پھر وہ گمان کی حد سے آگے نہیں بڑھتی۔ اس بنا پر مذکورہ لفظ، اس کے برخلاف جو چارے زمانہ میں مشہور ہے، وسیع مفہوم رکھتا ہے جس میں علم اور گمان دونوں شامل ہیں اور دونوں کے لیے استعمال ہوتا ہے۔

ایک نکتہ

بیم تو ن فساد فی الارض کا ایک سبب ہے

قرآن مجید کی آیات میں کئی مرتبہ کم تو لے کی مذمت کی گئی ہے کبھی حضرت شیث کے واقعہ میں جہاں وہ قوم کو خطاب کر کے کہتے ہیں (اوفوا بالکیل ولا تکنوا من المفسدین وذنوا بالقسط المستقیم ولا تبخسوا الناس اشیاءهم ولا تعثوا فی الارض مفسدین) ”پیمانے کے حق کو ادا کرو اور دوسروں کو نقصان نہ پہنچاؤ وزن صحیح ترازو میں کرو اور لوگوں کے حق میں کمی نہ کرو اور زمین میں فساد برپا نہ کرو“ (شعرا۔ ۱۸۱ تا ۱۸۳)۔

اس طرح وزن کرتے وقت اور چیز کو پیمانے سے ناپتے وقت تو لے کو اور انصاف کو نظر انداز کرنے کو فساد فی الارض بتایا گیا ہے اور یہ کام اجتماعی مفاسد میں سے ایک ہے۔

سورہ رحمن کی آیت ۸۰ میں وزن کرتے وقت انصاف سے کام لینے کو عالم ہستی کے نظام تخلیق میں جو عدالت کا فرما ہے، اس کے برابر قرار دیا گیا ہے فرماتا ہے:

والنساء دفعھا ودضع المیزان الا تطفخوا فی المیزان) ”خدا نے آسمان کو بلند کیا اور ہر چیز میں میزان و حساب رکھا تاکہ تم وزن و حساب میں غفیان و سرکشی سے کام نہ لو“

یہ اس طرف اشارہ ہے کہ ناپ تول میں عدل کی رعایت کا مسئلہ کم اہم نہیں ہے بلکہ حقیقت میں اصل عدالت ہے اور سارے نظام ہستی پر حاکم نظم علی کا ایک جز ہے۔

اسی بنا پر عظیم آئمہ اسلام نے اس مسئلہ کو بہت زیادہ اہمیت دی ہے یہاں تک کہ اصح بن بناء کی مشہور روایت میں آیا ہے وہ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت علیؑ سے سنا کہ آپ منبر پر فرما رہے تھے،
 (یا معشر التجار! الفقہ شوا المعجز) ”اے گروہ تجارت! پہلے فقہ کی تعلیم حاصل کرو! اس کے بعد تجارت کرو“ اس بات کی امام نے تین بار تکرار کی اور اس کلام کے آخر میں فرمایا:

(التاجر فاجر والعاجز في الثار الا من اخذ الحق واعطى الحق) ”تجارت کرنے والا فاجر ہے اور عاجز دوزخی ہے سوائے اس کے جو صرف اپنا حق لوگوں سے لے اور لوگوں کا حق ادا کرے“
 ایک اور حدیث میں امام محمد باقرؑ سے منقول ہے کہ جس وقت امیر المومنین علیؑ کو ذمہ میں تھے تو آپ ہر روز صبح کے وقت کونے کے بازاروں میں آتے اور ایک ایک بازار میں گشت کرتے اور تازیانہ آپ کے کاندھے پر ہوتا ہر بازار کے وسط میں کھڑے ہو جاتے اور بلند آواز سے کہتے اے گروہ تجارت! خدا سے ڈرو۔

جس وقت حضرت علیؑ کی پکار کو سنتے تو جو کچھ تاجروں کے ہاتھ میں ہوتا رکھ دیتے اور پورے غلامی کے ساتھ آپ کی باتوں کو سنتے اس کے بعد آپ فرماتے،
 Presented by: <https://jafrilibrary.com/>

(قدموا الاستخارة وتبرکوا بالسهولة واقتربوا من البتاعين وتزینوا بالحلم وتساھوا عن اليمين وجانبوا الكذب وتجاؤا عن الظلم وانصفوا المظلومين ولا تقرّبوا الربوا ووافوا الكيل والميزان ولا تبخسوا الناس اشياءهم ولا تغشوا في الارض مفسدين)
 ”خدا سے خیر طلب کرو اور لوگوں کے ساتھ معاملہ آسان کر کے برکت چاہو اور خریداروں کے پاس جاؤ، حلم و بردباری کو اپنی زینت قرار دو، قسم کھانے سے پرہیز کرو، جھوٹ بولنے سے اجتناب کرو، ظلم سے بچو اور مظلوموں کا حق ظالموں سے لے کر دو، سود کے قریب نہ جاؤ، پیمانے اور وزن کے معاملہ میں پورے پورے انصاف سے کام لو، لوگوں کی چیزوں میں کمی نہ کرو اور زمین میں پامٹ فساد نہ بنو“

اس طرح آپ کو ذمہ کے بازاروں میں گردش کرتے، اس کے بعد دارالامارہ کی طرف پلٹ آتے اور لوگوں کی داد خواہی اور ان کے درمیان فیصلہ کرنے کے لیے بیٹھ جاتے یہ
 اور جیسا کہ ان آیات کی شان نزول میں بھی آیا ہے کہ پیغمبر اکرمؐ فرماتے ہیں: ”جو گروہ کہ تو لے گا خدا

اس کی زراعت اس سے چھین لے گا اور اسے قحط سالی میں مبتلا کر دے گا۔ جو کچھ اوپر لکھا گیا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض گزشتہ اقوام کی بربادی اور ان پر عذاب نازل ہونے کے عوامل میں سے ایک عامل یہ ہے کہ وہ کم تولتے تھے۔ ان کا یہ اقدام ان کی اقتصادی بدحالی اور نزول عذاب خدا کا سبب بنا۔

یہاں تک اسلامی روایات میں آداب تجارت کے سلسلہ میں آیا ہے کہ مومنین کے لیے بہتر ہے کہ پیمانہ بھرتے اور وزن کرتے وقت کچھ زیادہ دیں اور لیتے وقت اپنا حق کچھ کم لیں (ان لوگوں کے کام کے بالکل برعکس جن کی طرف مندرجہ بالا آیات میں اشارہ ہوا ہے کہ وہ اپنا حق تو پورا پورا وصول کرتے تھے لیکن دوسروں کا حق کم دیتے تھے)۔

دوسرے، جیسا کہ ہم نے اوپر والی آیت کی تفسیر میں اشارہ کیا ہے، کم تولنے کا مسئلہ بعض مفسرین کے نظریہ کے مطابق وسیع معافی کا حامل ہے جو ہر قسم کی اجتماعی و انفرادی اور خدا سے تعلق رکھنے والی ذمہ داریوں کے انجام دینے کے سلسلہ میں کمی ہو سکتی ہے اس کو بھی اپنے دامن میں لیے ہوتے ہے۔

۷ کَلَّا إِنَّ كِتَابَ الْفُجَّارِ لَفِي سَجِّينٍ ۝

۸ وَمَا أَدْرَاكَ مَا سَجِّينٌ ۝

۹ كِتَابٌ مَرْقُومٌ ۝

۱۰ وَيْلٌ يَوْمَئِذٍ لِلْمُكَذِّبِينَ ۝

ترجمہ

۷ اس طرح نہیں ہے (جیسا وہ قیامت کے بارے میں خیال کرتے ہیں)

یقیناً فاجروں کا نامہ اعمال سجین میں ہے۔

۸ تو کیا جانے کہ سجین کیا ہے؟

Presented by: https://jafrilibrary.com/

۹ رستم زدہ نامہ اور سر نوشت ہے۔

۱۰ واٹے ہے اس دن تکذیب کرنے والوں پر۔

تفسیر

تو کیا جانے کہ سجین کیا ہے؟

اس بحث کے بعد، جو گزشتہ آیات میں کم تولنے والوں کے بارے میں اور قیامت کے دن کے بارے میں گناہ اور ایمان راسخ نہ ہونے کے رابطہ کے سلسلہ میں آئی تھی، ان آیتوں میں اس روز بدکاروں اور فاجروں کا جو حال ہو گا اس کے ایک گوشہ کی طرف اشارہ کرتا ہے پہلے فرماتا ہے:

”اس طرح نہیں ہے جیسا وہ قیامت کے بارے میں خیال کرتے ہیں کہ حساب و کتاب نہیں ہو گا بلکہ فاجروں کا نامہ اعمال سجین میں ہے“ (کَلَّا إِنَّ كِتَابَ الْفُجَّارِ لَفِي سَجِّينٍ)۔ ”تو کیا جانے سجین کیا ہے“ (وَمَا أَدْرَاكَ مَا سَجِّينٌ)۔ ”نامہ اور نامہ ہے“ (كِتَابٌ مَرْقُومٌ)۔

ان آیات کی تفسیر کے سلسلہ میں دو عمدہ نظریے ہیں:

۱۔ کتاب سے مراد انسان کا وہی نامہ اعمال ہے۔ کوئی چھوٹا یا بڑا ایسا کام نہیں ہے جس کا اس میں شار

ذہیب کیا ہو۔ تمام باتیں بے کم و کاست اس میں درج ہیں۔
اور سنجین سے مراد ایک جامع کتاب ہے جس میں تمام انسانوں کے نامہ ہائے اعمال جمع کیے گئے
ہیں۔ سادہ اور عام تعبیر میں وہ ایک ایسے مکمل رجسٹر کے مانند ہے جس میں ہر ایک قرض خواہ اور مقروض کا
حساب علیحدہ اور مستقل صفحہ پر تحریر ہے۔

البتہ ان آیات اور بعد کی آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ تمام بدکاروں کے اعمال سنجین نامی کتاب میں
ہیں اور تمام نیک افراد کے اعمال ایک دوسری کتاب میں درج ہیں جس کا نام علیین ہے۔
”سنجین مجن کے مادہ سے لیا گیا ہے جس کے معنی زندان کے ہیں۔ اس کے مختلف معانی ہیں۔ سخت و
شدید زندان، حکم موجود، قہر جنم میں ایک بہت ہی ہولناک دادی، وہ جگہ جہاں بدکاروں کے اعمال نامے
رکھے جاتے ہیں اور جہنم کی آگ بلے

طریق جمع البحرین میں مجن کے مادہ کے بارے میں لکھا ہے: (وفی التفسیر ہو کتاب جامع دیوان البشر
دون الله فیہ اعمال الکفرة والفسقة من المجن والانس) تفسیر میں آیا ہے کہ سنجین ایک کتاب
ہے جو برائیوں کے دیوان کا جامع ہے جس میں خدا نے جن وانس میں سے کافروں اور فاسقوں کے اعمال کو
مدون کیا ہے۔ طریق نے واضح نہیں کیا کہ اس تفسیر سے مراد کونسی تفسیر ہے یا مادہ محصوم سے منقول ہے یا
محسوس غیر ہے۔

جو قرآن ان معانی کی تائید کرتے ہیں وہ درج ذیل سے عبارت ہیں

- ۱۔ قرآن مجید میں اس قسم کے مواقع پر کتاب کی تعبیر عام طور پر نامہ اعمال کے معنوں میں ہے۔
- ۲۔ آخری آیت جو سنجین کی تفسیر کی شکل میں بیان ہوئی ہے کہتی ہے: ”وہ کتاب ہے مژرودہ اور یہ جو
بعض نے آیت کو سنجین کی تفسیر کے طور پر قبول نہیں کیا یقیناً کاہر کے برخلاف ہے۔
- ۳۔ بعض نے کہا ہے سنجین وکیل کے ایک ہی معنی ہیں اور ہم جانتے ہیں کہ بقل رسین اور جم کے زیر
اور لام پر تشدید کے ساتھ بہت بڑی کتاب کے معنی میں ہے بلے
- ۴۔ قرآن کی دوسری آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ انسان کے اعمال چند کتابوں میں منضبط ہوتے ہیں،
تاکہ حساب کے وقت کسی قسم کا عذر یا بہانہ کسی شخص کے لیے باقی نہ رہے۔
- ایک تو شخصی اعمال نامہ ہیں جو قیامت میں متعلقہ افراد کے ہاتھوں میں دیئے جائیں گے۔ نیکو کاروں کو

دائیں ہاتھ میں اور بدکاروں کو ان کے بائیں ہاتھ میں۔ آیات قرآنی میں اس کی طرف بہت اشارہ ہوا ہے۔ دوسری کتاب وہ ہے جہے امتوں کے نامہ اعمال کا نام دیا جاسکتا ہے جس کی طرف سورہ جاثیہ کی آیت ۲۸ میں اشارہ ہوا ہے۔ (کل امة تدفعی الی کتابھا) ”قیامت کے دن ہر امت کو اس کے نامہ اعمال کی طرف پکارا جائے گا۔“

تیسرا نامہ اعمال عمومی ہے جو تمام نیکوکاروں اور بدکاروں کا نامہ اعمال ہے جس کا زیر بحث آیات آنے والی آیات میں سجنین اور علیین کے نام سے ذکر کیا گیا ہے۔

خلاصہ یہ کہ اس تفسیر کے مطابق سجنین وہی دیوانہ کل ہے جس میں تمام بدکاروں کے نامہ اعمال جمع ہوں گے۔ اس کو سجنین اس لیے کہا گیا ہے کہ اس دیوانہ کے مشغلات ان کے جہنم میں زندانی اور مقید ہونے کا سبب ہوں گے نیکوکاروں کی کتاب کے برعکس جو اعلیٰ علیین بہشت میں ہے۔

دوسری تفسیر یہ ہے کہ سجنین اسی مشہور معروف معنی یعنی دوزخ کے لیے استعمال ہوا ہے جو تمام بدکاروں کے لیے بہت بڑا زندان ہے یا دوزخ میں ایک سخت جگہ ہے۔

اور کتاب فجار سے مراد وہی سر فوشت ہے جو ان کے لیے تحریر ہوئی ہے اس بنا پر اس آیت کے یہ معنی ہوں گے ”مقرر و مسلم سر فوشت بدکاروں کی جہنم میں ہے“

اور لفظ کتاب کے استعمال قرآن میں اسی معنی میں بہت مقامات پر ہیں مثلاً سورہ نسا کی آیت ۲۲، بعد اس کے کہ فرماتا ہے:

”شوہر دار عورتیں تم پر حرام ہیں؟“ مزید کہتا ہے:

(کتاب اللہ علیکم) یہ حکم (اور اس سے پہلے کے احکام) ایسے ہیں جو خدا نے تمہارے لیے مقرر کر دیئے ہیں“

اور سورہ انفال کی آیت ۵، میں ہم پڑھتے ہیں:

(واولوا الارحام بعضهم اولیٰ ببعض فی کتاب اللہ) ”رشتہ دار ایک دوسرے

کی بہ نسبت ان احکام میں جو خدا نے مقرر کیے ہیں، (دوسروں سے) زیادہ سزا دار اور حقدار ہیں“

وہ مطلب جو اس تفسیر کی تائید کرتا ہے یہ ہے کہ سجنین اپنے اسی مشہور معنی میں ہیں جو اخبار و آثار اسلامی میں بیان ہوا ہے یعنی اس کی تفسیر جہنم کی گئی ہے۔

تفسیر علی بن ابراہیم میں آیا ہے کہ ”ان کتاب الفجار لغی سجنین“ کے معنی یہ ہیں کہ جو کچھ ان کے لیے عذاب مقرر کیا گیا ہے وہ سجنین (دوزخ) میں ہے۔

ایک حدیث امام محمد باقر سے بھی منقول ہے کہ (السجنین الارض السابعة وعلیون السماء

السابعة) سترین ساتویں زمین اور علیین ساتواں آسمان ہے (سب سے نچلی اور سب سے اوپر والی جگہ کی طرف اشارہ ہے)۔

متعدد روایات سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ وہ اعمال جو قرب خدا کے لائق نہیں ہیں ساقط ہو جائیں گے اور سترین میں مسترار پائیں گے جیسا کہ ایک حدیث میں پیغمبر اسلام سے منقول ہے:

ان الملك ليصعد بعمل العبد مبتهجا فاذا صعد بحسناته يقول

اللہ عزوجل اجعلوه في سجن انہ ليس اياي لاداد فيها۔

کبھی ایسا ہوتا ہے کہ فرشتہ بندہ کے عمل کو خوشی خوشی آسمان کی طرف لے جاتا ہے تو خداوند عزوجل فرماتا ہے اسے سترین میں مسترار دواں لے کر اس کا مقصد میری رضا نہیں تھا۔

ان تمام روایات سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ سترین جہنم میں ایک بہت ہی پست جگہ ہے جس میں بدکاروں کے اعمال یا نامہ اعمال رکھے جائیں گے۔

یا ان کی سرفروشت یہ ہے کہ وہ اس زندان میں گرفتار رہیں گے۔ اس تفسیر کے مطابق (کتاب مرقوم) کا جملہ تاکید ہے "ان کتاب الفجار لفي سجن" کے جملے کی (نہ یہ کہ سترین کی تفسیر ہے) یعنی یہ ان کے لیے لکھی ہوئی حسنی اور قسطنی سزا ہے۔

"مرقوم" رستم (بروزن زخم) واضح خط (تخریر) کے معنی میں ہے اور چونکہ خطوط یا تحریریں ابہام سے خالی ہوتی ہیں لہذا ممکن ہے کہ یہ تعبیر ابہام سے پاک ہونے کی طرف اشارہ ہو وہ چیز جو نہ کبھی غور ہوتی ہے نہ فراموش ہوگی۔

یہ دونوں تفسیریں بھی صحیح ہو سکتی ہیں اس لیے کہ پہلی تفسیر میں سترین بدکاروں کے کل اعمال کے دیوان کے معنی میں ہے اور دوسری تفسیر میں دوزخ کی گہرائی اور گڑھے کے معنوں میں ہے اور یہ ظاہر ہے کہ یہ دونوں ایک دوسرے کی علت و معلول ہیں۔

یعنی جس وقت انسان کا نامہ اعمال بدکاروں کے کل اعمال کا دیوان قرار دیا گیا تو یہی سبب بنے گا کہ اسے پست ترین مقام یعنی دوزخ کے گڑھے میں بھیج کر لے جائیں۔

آخری اور زیر بحث آیت میں ایک دل بٹا دینے والے جیلے سے منکرین معاد و قیامت کی نحوس عاقبت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرماتا ہے:

”وائے ہے اس دن تکذیب کرنے والوں پر“ (ویل یومئذ للمکذبین)۔
وہ تکذیب جو انواع و اقسام کے گناہوں کا سرچشمہ ہے جن میں سے ایک کم تو لٹا ہے۔
پہلی آیت میں فرماتا ہے:

(ویل للمطففین) اور یہاں فرماتا ہے: (ویل یومئذ للمکذبین)، وہ تعبیر جو مختصر ہونے کے باوجود انواع و اقسام کے دردناک عذابوں اور ہولناک مصائب کی طرف اشارہ کرتی ہے۔
قابل توجہ یہ کہ پہلی آیت میں گفتگو کم تو لٹنے والوں کے بارے میں ہے اس کے بعد بدکاروں کی بات ہے، اور آخری آیت میں منکرین قیامت کا ذکر ہے اور اچھی طرح بتاتا ہے کہ اس اعتقاد اور ان اعمال کے درمیان قریبی رابطہ ہے جو آنے والی آیات میں زیادہ واضح طور پر منعکس ہوا ہے۔

- ۱۱) الَّذِينَ يُكَذِّبُونَ بَيُّومَ الدِّينِ ۝
 ۱۲) وَمَا يُكَذِّبُ بِهِ إِلَّا كُلُّ مُعْتَدٍ أَثِيمٍ ۝
 ۱۳) إِذَا تُتْلَىٰ عَلَيْهِ آيَاتُنَا قَالَ أَسَاطِيرُ الْأَوَّلِينَ ۝
 ۱۴) كَلَّا بَلْ عَنَرَانِ عَلَىٰ قُلُوبِهِمَا مَا كَانُوا يَكْسِبُونَ ۝
 ۱۵) كَلَّا إِنَّهُمْ عَنْ رَبِّهِمْ يَوْمَئِذٍ لَمَحْجُوبُونَ ۝
 ۱۶) ثُمَّ إِنَّهُمْ لَصَالُوا الْجَحِيمِ ۝
 ۱۷) ثُمَّ يُقَالُ هَٰذَا الَّذِي كُنْتُمْ بِهِ تُكَذِّبُونَ ۝

ترجمہ

- ۱۱) وہی جو قیامت کے دن کا انکار کرتے ہیں۔
 ۱۲) صرف وہی لوگ اس کا انکار کرتے ہیں جو گنہگار اور تجب و زحر کرنے والے ہیں۔
 ۱۳) وہی شخص کہ جب اسے ہماری آیات سنائی جاتی ہیں تو کہتا ہے یہ گزشتہ لوگوں کے افسانے ہیں۔
 ۱۴) اس طرح نہیں جیسا کہ وہ خیال کرتے ہیں بلکہ ان کے اعمال ان کے دلوں پر زنگ کی طرح ہیں۔
 ۱۵) ایسا نہیں ہے جیسا وہ خیال کرتے ہیں بلکہ وہ اس دن اپنے پروردگار سے محجوب ہوں گے۔

- (۱۶) اس کے بعد وہ یقیناً جہنم میں وارد ہوں گے۔
- (۱۷) پھر ان سے کہا جائے گا یہ وہی چیز ہے جس کی تم تکذیب کرتے تھے۔

تفسیر

گناہ دلوں کا زنگ ہیں

گزشتہ آیات کی آخری آیت میں مکذبین اور جھٹلانے والوں کی منحوس سرخوشی کی طرف واضح اشارہ تھا۔ زیر بحث آیات پہلے ان افراد کا تعارف کراتی ہیں اور کہتی ہیں وہ ایسے لوگ ہیں جو روز جزا کا انکار کرتے ہیں (الذین یکذبون بیوم الدین)۔ اور اس کے بعد مزید کہتا ہے:

”صرف وہ لوگ روز جزا کی تکذیب کرتے ہیں جو مستحاذ اور گنہگار ہیں“ (وما یکذب بہ الاصل معتد اشیع)۔ یعنی انکار قیامت کا اصل سبب منطق، استدلال اور تفکر نہیں ہے، بلکہ جو افراد چاہتے ہیں کہ زیادتیاں کرتے رہیں اور گناہ کرتے رہیں وہ قیامت کا انکار کر دیتے ہیں (تو جہ فرماتیں کہ اشعہ صفت مشہ ہے جو استمرار اور گناہ کو جاری رکھنے پر دلالت کرتی ہے)۔

وہ چاہتے ہیں کہ کسی قسم کے احساس ذمہ داری کے بغیر اپنے گمان کے مطابق انتہائی آزادی کے ساتھ اور ہر قسم کے دباؤ اور ذہنی پریشانی کے بغیر اپنی برائیوں اور قباحتوں کو جاری رکھیں اور کسی قانون کو قانون نہ سمجھیں۔

یہ چیز اس چیز کے مانند ہے جو سورہ قیامت کی آیت ۵ میں آئی ہے ریل یرید الانسان لیفجر اما صد“ بلکہ انسان چاہتا ہے کہ اپنی آئندہ عمر میں مسلسل فسق و فجور کی راہ اختیار کیے رہے۔ اس لیے وہ قیامت کی تکذیب کرتا ہے۔

جس طرح عقیدہ عمل پر اثر انداز ہوتا ہے اسی طرح غلیظ اعمال عائد پر اثر انداز ہوتے ہیں۔ یہ معانی بعد والی آیات کی تفسیر میں زیادہ واضح ہوں گے۔

بعد والی آیات میں قیامت کا انکار کرنے والوں کی تیسری صفت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے مزید فرماتا ہے:

”جب ہماری آیتیں ان کے سامنے پڑھی جاتی ہیں تو وہ کہتے ہیں: ”یہ گزشتہ لوگوں کے بے بنیاد مطالب اور افسانے ہیں۔“ (اذا تنزل علیہ آیاتنا قال اساطیر الاولین)۔

یہ لوگ علاوہ اس کے کہ تعب اور کرنے والے (معتد) اور گناہ گار ہیں، آیات الہی کا مذاق اڑاتے ہیں، انہیں کہانیاں اور مہم جو قصے بتاتے ہیں، ایسے قصے جو انسان کے نادانی کے

زمانے کی یادگار ہیں بلکہ

اور اس بہانے سے چاہتے ہیں کہ اپنے آپ کو ان آیات کی سماعت سے جو ذمہ داری عائد ہوتی ہے، اس سے بچالیں۔ نہ صرف اس سورہ میں بلکہ قرآن مجید کی دوسری آیات میں بھی ہم پڑھتے ہیں کہ جسارت کرنے والے مجرم دعوتِ خداوندی سے منحرف ہونے کا یہی بہانہ کرتے تھے۔

قرآن مجید کی نو آیتوں میں یہی مضمون واضح کیا گیا ہے کہ مشرکین قرآن مجید کی آیتوں کے مقابلہ میں اسی بہانے سے کام لیتے تھے (وقالوا اساطیر الاولین اکتبتھا فہی تملی علیہ بکوة واصیلًا) ”انہوں نے کہا یہ قرآن گزشتہ لوگوں کے افسانوں اور قصے کما نیوں کا مجموعہ سہا جسے اس نے لکھا ہے اور صبح و شام اسے لکھایا جاتا ہے“ (فرقان - ۵)۔

سورہ احقاف کی آیت ۱۷ میں ایک سرکش جوان کی زبانی جو اپنے مہربان اور مومن ماں باپ کے مقابلہ پر کھڑا ہو جاتا ہے ہم اس طرح سنتے ہیں کہ اپنے ماں باپ کی تمام نصیحتوں کا یہ کہہ کر مذاق اڑاتا ہے (وما ہذا الا اساطیر الاولین) یہ باتیں جو تم مرتے ہو گزشتہ لوگوں کی بے بنیاد باتوں اور افسانوں کے علاوہ اور کچھ نہیں۔

بعض مفسرین نے کہا ہے کہ زیر بحث آیت نصر بن حارث بن کلدہ، پیغمبر اسلام کی خالہ کے بیٹے کے بارے میں جو کفر و منکرات کے سرخروں میں سے تھا، نازل ہوئی ہے۔

لیکن واضح رہے کہ آیت کا نزول کسی خاص مورد میں اس سے مانع نہیں ہے کہ دوسروں کے بارے میں صادق آئے، بہر حال سرکش لوگ و جہان کی تنبیہ سے نجات حاصل کرنے کے لیے اور حق پسند لوگوں کے اعتراضات سے بچنے کے لیے ہمیشہ فضول قسم کے بہانے بناتے رہتے ہیں تاکہ خود اس طرح سکون حاصل کریں۔

تعجب کی بات یہ ہے کہ وہ عام طور پر ایک ہی انداز سے بات کرتے تھے، گویا تاریخ کے طویل دور میں ایک دوسرے کے کان میں کہہ جاتے تھے سحر، کمانت، جنون اور افسانہ وغیرہ۔ لیکن قرآن اس کے بعد آنے والی آیت میں ایک مرتبہ پھر ان کی سرکشی کے اصل سبب کی طرف اشارہ کرتے ہوئے مزید کہتا ہے :

ایسا نہیں ہے جیسا وہ خیال کرتے ہیں بلکہ ان کے بُرے اعمال ان کے دل پر زنگ بن کر لگے ہوئے ہیں اور وہ حقیقت کے ادراک سے محروم ہو گئے ہیں (مَلَّابِل رَانَ عَلٰی قُلُوبِهِمْ مَا كَانُوا يَكْسِبُونَ)۔ عجیب دل ہلا دینے والی تعبیر ہے ان کے اعمال نے ان کے دلوں پر زنگ لگا دیا ہے

لے ”اساطیر“ ”اسطورہ“ کی جمع ”سطر“ کے مادہ سے عام طور پر سوہم قصوں اور جھوٹی باتوں کے لیے استعمال ہوتا ہے۔

اور وہ نور جو خدا داد فطرت کی بنا پر تھا سلب کر لیا ہے۔ اس وجہ سے حقیقت کا چہرہ جو آفتاب عالم کی طرح درخشاں ہے ان کے دلوں پر ہرگز روشنی نہیں ڈالتا اور انوارِ وحی کا پر تو منعکس نہیں ہوتا۔

”ران“ ”دین“ (بروزن عین) کے مادہ سے جیسا کہ راعب نے کہا ہے وہی رنگ ہے جو قیمتی چیزوں کو لگ جاتا ہے۔ اور بعض دوسرے درباب لغت کے بقول سرخ رنگ کا چھلکا ہے جو ہوا کی رطوبت کے زیر اثر لوہے اور دوسری اسی قسم کی چیزوں پر چپک جاتا ہے جسے فارسی میں رنگ یا رنگار کہتے ہیں اور عام طور پر وہ اسی دھات کے پرانے اور بوسیدہ ہونے کی نشانی ہے اور طبعی طور پر اس کی شفافیت اور درخشندگی کے ختم ہونے کی علامت ہے۔

کبھی اس لفظ کی ایک چیز سے دوسری چیز پر غلبہ حاصل کرنے یا کسی چیز میں اس طرح گرنے سے جس سے بچا نہ جاسکے تفسیر کرتے ہیں۔ اس لیے کہ یہ سب چیزیں ان اصلی معانی کا لازمہ ہیں نہ دل کی نورانیت کو ختم کرنے کے سلسلہ میں گناہ کے تباہ کن اثرات پر ہم بحث کریں گے جسے نکات کے عنوان کے ماتحت ملاحظہ کیا جاسکتا ہے۔

اس سے اگلی آیت میں فرماتا ہے: ”ایسا نہیں ہے جیسا وہ خیال کرتے ہیں بلکہ اس دن وہ اپنے پروردگار سے محبوب ہوں گے“ (وَمَا لَهُمْ بِهِمْ ذُنُوبًا لِّمُحِبِّهِمْ)۔ اور یہ کہ ان کی زیادہ دردناک سزا ہے۔ یہ اس بالاتر اور زیادہ لذت بخش نعمت کا بالکل تضاد ہے جو نیک لوگوں کو پروردگار عالم کی معنوی ملاقات اور اس کی بارگاہِ قرب میں حضور سے حاصل ہوگا۔

علا عام طور پر اس بات کی نفی کے لیے آتا ہے جو پہلے سے بیان شدہ ہو اور یہاں مفسرین نے کئی احتمالی تجویز کیے ہیں۔ پہلا یہ کہ عتلا اس کی تاکید ہے جو گزشتہ آیت میں آیا ہے یعنی اس طرح نہیں ہے کہ جس طرح انہوں نے قیامت کے دن کا افسانے اور کہانی کے طور پر تعارف کرایا ہے۔

یاد یہ کہ اس طرح نہیں ہے کہ وہ رنگ جو ان کے دلوں پر لگ چکا ہے وہ اتر جائے۔ وہ اس جہان میں بھی جہاں حق کے مشاہدہ سے محروم ہیں اور دوسرے جہان میں بھی۔

یاد یہ کہ جس طرح قرآن کی دوسری آیات میں آیا ہے کہ وہ مدعی تھے کہ اگر بالفرض قیامت ہو بھی تب بھی وہ خدا کی انواع و اقسام کی نعمتوں سے بہرہ مند ہوں گے نہ

تفسیر فرمازی در ذیل آیہ زیر بحث اور المنہ مادہ دین کی طرف رجوع فرمائیں۔

سورہ کہف کی آیہ ۳۶ میں آیا ہے (وَمَا ظَنُّوا السَّاعَةَ قَائِمَةً وَلَئِنْ رُدُّوا إِلَى اللَّهِ لَأَجِدَنَّ خَيْرًا مِنْهَا مُنْقَلَبًا) میں بالکل باؤ نہیں کرتا کہ قیامت برپا ہوگی اور اگر میں اپنے پروردگار کی طرف لوٹوں بھی اور قیامت ہو بھی پھر بھی اس جگہ سے بہتر جگہ وہاں ہاؤں گا (ان معانی کی تفسیر سورہ فصلت کی آیت ۵۰ میں بھی آئی ہے)۔

اس طرح نہیں ہے جس طرح وہ خیال کرتے ہیں بلکہ وہ قیامت میں شدید ترین عذابوں اور سخت ترین شکنجوں میں گرفتار ہوں گے۔

جی ہاں! آخرت انسان کے اس دنیا کے اعمال کا عکس اور عظیم تجسم ہے۔ وہ لوگ جو یہاں مشاہدہ حق سے آنکھیں بند کر لیتے ہیں اور ان کے اعمال رنگ بن کر ان کے دلوں پر لٹے ہوئے ہیں وہاں بھی پروردگار سے محروم ہوں گے اور جمال حق کے مشاہدہ کی طاقت ان میں نہیں ہوگی اور وہ محسوس حقیقی کے لفافے معنوی سے محروم رہیں گے۔

اس کے بعد وہ یقیناً جہنم کی آگ میں داخل ہوں گے (مشوہلہم لصالوا الجحیم)۔ یہ جہنم میں ورود پر درگاہ سے محروم ہونے کا نتیجہ ہے اور ایک ایسا اثر ہے جو اس سے جدا نہیں ہے اور بحیثیت مسلم دیدار حق سے محرومیت کی آگ جہنم کی آگ سے بھی زیادہ جلاسنے والی ہے۔ اور آخری آیت میں فرماتا ہے: ”پھر ان سے کہا جائے گا یہ وہی چیز ہے جس کی تم تکذیب کرتے تھے“ (مشوہلہم لصالوا الجحیم)۔ یہ بات ان سے بطور قویح و ملامت و سرزنش کسی جائے گی اور یہ اس بیوقوف اور ہٹ دھرم گروہ کے لیے ایک روحانی عذاب ہے۔

Presented by: <https://jafrilibrary.com/>

چند نکات

۱۔ دل کے لیے گناہ کیوں رنگ ہے

نہ صرف اس سورہ کی آیات میں دل کو تاریک کرنے پر گناہ کی تاثیر کو ذمہ دار ٹھہرایا گیا ہے بلکہ قرآن مجید کی بہت سی دوسری آیتوں میں بھی ان معانی کی کئی مرتبہ تکرار کی گئی ہے اور بڑی صراحت کے ساتھ انہیں قابل توجہ قرار دیا گیا ہے۔ ایک جگہ فرماتا ہے:

(كذالك يطبع الله على كل قلب متكبر جبار) ”اسی طرح خدا ہر متکبر جبار اور سرکش کے دل پر ٹھہر لگا دیتا ہے“ (مومن - ۲۵)۔ ایک دوسری جگہ ہٹ دھرم اور عناد رکھنے والے گناہ گاروں کے گروہ کے بارے میں فرماتا ہے:

(ختم الله على قلوبهم وعلى سمعهم وعلى ابصارهم غشاوة ولهم عذاب عظیم) ”خدا نے ان کے دلوں پر ٹھہر لگا دی ہے اور اسی طرح ان کے کانوں اور ان کی آنکھوں پر پردہ ڈال دیا ہے اور ان کے لیے بہت بڑا عذاب ہے“ (لقہ - ۷)۔ اور سورہ حج کی آیت ۴۶ میں ہم پڑھتے ہیں: (فانصلا عما لا تعنى الابصار ولكن تعنى القلوب التى فى الصدور) ظاہری آنکھیں نابینا نہیں ہوتیں بلکہ وہ دل میں جو سینوں میں اندھے اور نابینا ہو جاتے ہیں۔

جی ہاں! گناہ اور اس کو جاری رکھنے کا بدترین اثر دل کا تاریک ہو جانا ہے اور نور علم اور حس کا

ختم ہو جانا ہے۔ گناہ اعضاء و جوارح سے سرزد ہوتے ہیں لیکن دل کو متاثر کرتے ہیں اور اُسے غلیظ و متعفن کچھڑ میں تبدیل کر دیتے ہیں۔

یہ وہ مقام ہے جہاں انسان راہ اور چاہ کے درمیان امتیاز نہیں کر سکتا اور عجیب و غریب شبہات کا شکار اور غلطیوں کا مرتکب ہوتا ہے جن سے ہر شخص حیران ہو جاتا ہے۔ وہ اپنے پیروں پر خود کھڑی مارتا ہے اور اپنی خوش بختی کا سرمایہ برباد کر دیتا ہے۔

ایک حدیث میں پیغمبر اسلام سے منقول ہے (کثرة الذنوب مفسدة للقلب) گناہوں کی فراوانی انسان کے دل کو تباہ کر دیتی ہے۔

پیغمبر اسلام کی ایک اور حدیث ہے (ان العبد اذا اذنب ذنبا نکثت فی قلبه نکتة سوداء فان قاب و نزع واستغفر صقل قلبه وان عاد زادت حتی تعلو قلبه فذالک الرین الذی ذکر اللہ فی القرآن (تلا بل وان علی قلوبہم ما کانوا یکسبون) جس وقت بندہ گناہ کرے تو اس کے دل میں ایک سیاہ نکتہ پیدا ہو جاتا ہے اگر توبہ کرے اور گناہ سے دستبردار ہو جائے اور استغفار کرے تو اس کا دل صقل ہو جاتا ہے اور اگر دوبارہ گناہ کی طرف پلٹے تو سیاہی بڑھ جاتی ہے، یہاں تک کہ اس کے پورے دل کو گھیر لیتی ہے اور یہی رنگ ہے جس کی طرف اس آیت (تلا بل وان علی قلوبہم ما کانوا یکسبون) میں اشارہ ہوا ہے۔

یہی مفہوم امام محمد باقر سے بھی اصول کافی میں مختصر سے فرق کے ساتھ منقول ہے۔

نیز اسی اصول کافی میں رسول خدا سے منقول ہے کہ (تذاکروا و تلاقوا و تعذبوا فان الحدیث جلا للقلب ان القلوب لترین کما یرین السیف و جلا ثلث الحدیث) مذاکرہ کرو اور ایک دوسرے سے ملاقات کرو اور (دین کے پیشواؤں کی) احادیث نقل کرو اس لیے کہ حدیث دلوں کی جلا کا سبب ہے۔ دل بھی رنگ آلود ہو جاتے ہیں جس طرح تلواریں کو رنگ لگ جاتا ہے اور مستلوب کا صقل حدیث ہے۔

اصول نفسیات کی روش سے بھی یہ مفہوم ثابت ہو چکا ہے کہ انسان کے اعمال کا ہمیشہ اس کی روح پر اثر ہوتا ہے اور وہ اعمال روح کو آہستہ آہستہ اپنی صورت پر لے آتے ہیں، یہاں تک کہ انسان کے

۱۔ در المنثور، جلد ۶ ص ۳۲۶۔

۲۔ در المنثور، جلد ۶ ص ۳۲۵۔

۳۔ نور الثقلین، جلد ۵ ص ۵۲۱ حدیث ۲۳، ۲۲۔

۴۔ ایضاً " " " " " "۔

سوچنے کے طریقہ اور فیصلہ کرنے کے انداز پر بھی اپنا اثر ڈالتے ہیں۔
یہ نکتہ بھی قابل توجہ ہے کہ انسان گناہ کو جاری رکھنے کے نتیجے میں رفتہ رفتہ روح کی تاریکی میں ڈوبتا چلا جاتا ہے اور ایسی منزل پر پہنچ جاتا ہے کہ اس کو اپنے گناہ حسانات نظر آتے ہیں یعنی وہ اپنی برائیوں ہی کو اچھائیاں سمجھنے لگتا ہے۔ وہ بعض اوقات اپنے گناہ پر فخر کرتا ہے ایسی منزل پر پہنچ کر اس کے لیے واپس کا کوئی امکان نہیں رہتا یہ ایک خطرناک ترین حالت ہے جو ایک انسان کو پیش آتی ہے۔

۲۔ روح و جان کے چہرہ پر عذاب

اگرچہ بہت سے مفسرین نے کوشش کی ہے کہ آیت (کَلَّا اِنَّهُمْ عَنْ رَبِّهِمْ يَوْمَئِذٍ لَمَحْجُوبُونَ) میں کسی چیز کو مقدر قرار دیں اور کہیں کہ یہ گناہ گار خدا کی رحمت سے محجوب ہوں گے، یا اس کے احسان، کرامت اور ثواب سے محجوب ہوں گے لیکن بظاہر آیت کسی تقدیر کی محتاج نہیں ہے۔
وہ واقعتاً پروردگار سے محجوب ہوں گے جبکہ نیک اور پاک افراد قرب خداوندی کی منزل پر فائز ہوں گے اور دیدار محبوب اور اس کے شہود باطنی سے بہرہ مند ہوں گے۔

یہ بے ایمان اور گنہگار دوزخی ہیں جو اس فیض عظیم اور نعمت بے نظیر سے محروم ہیں۔ بعض پاک دل مومن اس جہان میں بھی اس دیدار سے فیضیاب ہوتے ہیں جبکہ کور دل مجرم اس جہان میں بھی اس فیض سے محروم ہوں گے۔ پاک دل ہمیشہ حضور خداوندی میں ہیں اور یہ بے بصیر تاریک دل اس سے دور ہیں۔
وہ اس کی مناجات سے اس قدر لذت حاصل کرتے ہیں جو کسی بیان کی محتاج نہیں ہے جبکہ یہ گنہگار اپنے گناہوں کی خواست میں اس قدر غرق ہیں کہ ان کے لیے کوئی راہ نجات نہیں ہے۔

تو کوسرائے طبیعت نمی دمی بر دل کجا بکوسے حقیقت گزرتوانی کرد
جال بار ندارد حجاب پردہ دلے غبار راہ نشان تا نظر توانی کرد
تو مادہ کے گھر ہے باہر نہیں نکلتا تو پھر حقیقت کے کوچ میں تیرا گزر کیسے ہو سکتا ہے۔ محبوب کے جمال پر کوئی پردہ نہیں ہے لیکن غبار راہ کو بٹھانا کہ تو دیکھ سکے۔

امیر المومنین حضرت علی مشور دعاتے کھیل میں فرماتے ہیں: ہبنی صبر علی عذابک فکیف اصبر علی فراقک! بالضرر اگر میں تیرے دردناک عذاب پر صبر کر بھی لوں تو تیرے فراق پر کیسے صبر کروں گا۔

- حز

- (۱۸) ایسا نہیں ہے جیسا وہ (قیامت کے بارے میں) خیال کرتے ہیں بلکہ نیک لوگوں کا نامہ اعمال علیین میں ہے۔
- (۱۹) اور تو کیا جانے علیین کیا ہے؟
- (۲۰) تحریر ہے لکھی ہوئی اور سر نوشت ہے قطعی۔
- (۲۱) جس کے شاہد مقررین ہیں۔

یقیناً نیک لوگ انواع و اقسام کی نعمتوں سے لطف اندوز ہوں گے۔ (۲۲)
جنت کے خوبصورت پلنگوں اور تختوں پر تکیہ لگائے ہوئے اور جنت کی خوبصورتی کو دیکھ رہے ہوں گے۔ (۲۳)

ان کے چہروں پر تو نعمت کی طراوت اور نشاط دیکھے گا۔ (۲۴)
وہ شراب زلال دست نخورده و سر بستہ سے سیراب ہوں گے۔ (۲۵)
اس پر جو مہر لگائی گئی ہوگی وہ مشک و کستوری سے ہوگی اور ان جنت کی نعمتوں میں رغبت رکھنے والوں کو ایک دوسرے سے سبقت لے جانی چاہیے۔ (۲۶)
یہ شراب (طہور) تسنیم سے مخرج ہوگی۔ (۲۷)

وہی چشمہ جس سے مقربین پئیں گے۔ (۲۸)

Presented by: https://jafrilibrary.com

تفسیر

علیتین ابرار کے انتظار میں ہے

اس توصیف کے بعد جو گزشتہ آیات میں فاجر لوگوں کے اعمال اور سر نوشت کے بارے میں آئی ہے ان آیات میں اس گروہ کے بارے میں گفتگو ہے جو ان کا متقابل ہے یعنی ابرار اور نیکوکار لوگ جن کا امتیاز، افتخار اور اعزاز فاجروں کے مقابلہ میں ملاحظہ کرنے سے دونوں کی حیثیت واضح ہو جاتی ہے۔ پہلے فرماتا ہے:

”ایسا نہیں ہے جیسا وہ قیامت کے بارے میں خیال کرتے ہیں بلکہ نیک لوگوں کے نام لائے اعمال علیین میں ہوں گے“ (کَلَّا اِنَّ كِتَابَ الْاَبْرَارِ لَفِي عَلَیِّیْنَ)۔

”علیین“ ”علی“ (بر وزن علی) کی جمع ہے بلند جگہ اور اس پر بیٹھنے والوں کے معنوں میں ہے۔ پہاڑوں کے بلند ترین حصوں پر رہنے والوں پر بھی اس کا اطلاق ہوتا ہے۔ یہاں مفسرین کی ایک جماعت نے آسمان کی افضل ترین جگہ یا جنت کی بہترین جگہ کے معنی میں اس کی تفسیر کی ہے اور بعض نے کہا ہے کہ اس کا ذکر صیغہ جمع کے ساتھ جو ہے وہ تاکید کے لیے ہے اور علو فی علو بلندی در بلندی کے معنوں میں ہے۔

ہر حال وہ دو تفسیریں جو گزشتہ آیات میں سمجھنے کے بارے میں ہم کر چکے ہیں انہی سے مشابہ یہ تفسیریں ہیں۔

پہلی یہ کہ کتاب الابرار سے مراد نیک، پاک اور مومنین کا نامہ اعمال ہے اور مقصود کلام یہ ہے کہ ان کا نامہ اعمال ایک ایسے دیوان کل میں موجود ہے جو تمام مومنین کے اعمال کو بیان کرتا ہے۔ وہ دیوان بہت ہی بلند منزلت رکھتا ہے۔ یا یہ کہ ان کا نامہ اعمال بلند ترین مکان یا جنت کے فراز پر ہے۔ اور یہ سب معانی بتاتے ہیں کہ خود ان کا مقام بہت ہی بلند و بالا ہے۔

ایک حدیث میں ہمیں ملتا ہے کہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ علیین سے مراد ساتواں آسمان اور عرش خدا کا نچلا حصہ ہے۔

اور یہ نقطہ فہم کا عین نقطہ مقابل ہے جو دوزخ کے طبقوں میں پست ترین جگہ قرار پاتی ہے۔ دوسری تفسیر یہ ہے کہ کتاب سے مراد سرفروشت اور حکم قطعی ہے جو نیک لوگوں کو بہشت کے اعلیٰ درجوں میں مقرر کیے جوتے ہیں۔

ان دونوں تفسیروں میں کوئی تضاد نہیں ہے کہ ان کا نامہ اعمال ایک دیوان کل میں برقرار ہے اور اس دیوان کا مجموعہ آسمانوں کی بلندی پر ہے اور فرمان الہی بھی یہی قرار پایا ہے کہ وہ خود جنت کے بلند ترین مقامات میں ہوں۔

اس کے بعد علیین کی اہمیت و عظمت کو بیان کرنے کے لیے مزید کہتا ہے: ”تو بجا جانے کہ علیین کیا ہے“ (وما ادراک ما علیون)۔ یہ اس طرف اشارہ ہے کہ وہ ایسا مقام ہے جو خیال و قیاس اور دہم و دگمان سے بھی برتر ہے جسے کوئی بھی جنتی کہ پیغمبر اسلام بھی اس کی عظمت اور حدود و ابعاد کا ادراک نہیں کر سکتے۔

اس کے بعد خود قرآن وضاحت کرتا ہے اور کہتا ہے کہ ”علیین ایک ٹھکانہ ہے“ (کتاب مرقوم)۔ یہ اس تفسیر کی بنا پر ہے جو علیین کو ابرار کے نامہ اعمال کے دیوان کل کے معنی میں پیش کرتی ہے۔ باقی رہی دوسری تفسیر تو پھر آیت کے معنی یہ ہوں گے کہ یہ حتی سرفروشت ہے جس کے بارے میں خدا نے تحریر کیا ہے ان کی جگہ جنت کے افضل ترین درجات میں ہوگی۔ اس بنا پر کتاب مرقوم کتاب الابرار کی تفسیر ہے نہ کہ علیین کی۔ (غور کیجئے)۔

اس کے بعد مزید کہتا ہے: ”یہ ایسی کتاب ہے جس کا مقررین مشاہدہ کریں گے یا اس کی گواہی دیں گے“ (یشہدہ المقربون)۔

اگرچہ مفسرین کی ایک جماعت اس آیت میں مقربوں سے مراد وہ فرشتے یعنی ہے جو بارگاہ الہی میں مقرب ہیں، وہ فرشتے جو نیک لوگوں کے اعمال کے یا یقینی سرفروشت کے ناظر ہیں لیکن بعد کی آیت اچھی طرح بتاتی ہے کہ مقربوں خاصاً خدا اور برگزیدہ مومنین کا ایک گروہ ہے جس کا مقام بہت اونچا ہے اور وہ دوسرے نیک افراد کے اعمال پر شاہد ہے جیسا کہ سورہ واقعہ کی آیت ۱۰، ۱۱ میں اصحاب المینہ اور اصحاب الشہدہ کے ذکر کے بعد فرماتا ہے :

روا السابقون السابقون اولئک المقربون) اور سبقت کرنے والوں میں سے سبقت کرنے والے ہی مقربین ہیں۔ اور سورہ نحل کی آیت ۸۹ میں ہم پڑھتے ہیں (و یوم نبعث فی کل امۃ شہیداً علیہم من انفسہم وجئنا بک شہیداً علی هؤلاء) اور یاد کرو اس دن کو جب ہر امت میں سے ایک گواہ اس پر مقرر کریں گے اور تجھے ان پر گواہ قرار دیں گے۔ اس کے بعد نیک لوگوں کے عظیم ثواب کے ایک حصہ کی تشریح کرتے ہوئے فرماتا ہے :

”یقیناً ابراہان انواع واقسام کی نعمتوں سے بہرہ یاب ہیں“ (ان الابرار لفی نعم)۔
”نعم“ کا اصلی مفہوم، جو راعب کے بقول بہت زیادہ نعمت کے معنی میں ہے اور نکرہ کی شکل میں اپنے ذکر کے اضافہ کے ساتھ یہاں عظمت و اہمیت کی دلیل ہے، یہ بتاتا ہے کہ ابراہان اس قسم کی برکتوں اور نعمتوں کے حامل ہیں جو محدود توصیف و تعریف سے باہر ہیں اور یہ جنت کی تمام مادی و معنوی نعمتوں اور برکتوں کی طرف اشارہ کرنے کے لیے ایک جامع تعبیر ہے۔ اس کے بعد ان میں سے بعض کی تشریح کرتے ہوئے فرماتا ہے :

”وہ جنت کے خوبصورت پلنگوں اور تختوں پر ٹیکہ لگائے ہوئے ان تمام نعمتوں اور مناظر کو دیکھ رہے ہوں گے اور لذت اٹھا رہے ہوں گے“ (علی الارائٹ ینظرون)۔

”ارائٹ“ ”اریکھ“ کی جمع ہے اور خوبصورت تخت کے معنی میں ہے یا پُر زینت پلنگ جو جملہ عروسی میں رکھتے ہیں۔ یہاں جنت کے بہت ہی خوبصورت تختوں اور پلنگوں کی طرف اشارہ ہے جن پر نیک اور صالح افراد متمکن ہوں گے۔

بعض مفسرین کا نظریہ ہے کہ اس لفظ کی اصل فارسی ہے اور یہ ”ارگ“ سے لیا گیا ہے جس کے معنی قصر سلطنت کے ہیں۔ (یہ لفظ اس قلعہ کے معنی میں بھی آیا ہے جو شہر کے اندر ہو یا دور جو کہ شہر کے اندر والا قلعہ عام طور پر بادشاہوں کے لیے مخصوص ہوتا ہے لہذا اس پر اطلاق ہوتا ہے)۔

۱۔ اس جملہ میں مبتدا محذوف ہے اور تقدیر میں (ہم علی الارائٹ ینظرون) ہے اس جملہ میں ینظرون حال ہے یا یہ کہ علی الارائٹ گزشتہ آیت کے لفظ ”ان“ کی خبر کے بعد خبر ہے۔

بعض دوسرے مفسرین اراٹھ کو مفرد اور فارسی لفظ ”اراک“ یا ”ارایک“ سے ماخوذ جانتے ہیں جس کے معنی شاہی تخت کے ہیں اور پایہ تخت اور اس صوبہ کے معنی میں ہیں جس میں پایہ تخت ہو اور عراق کو اراک کا عرب سمجھتے ہیں جو اس قسم کے صوبہ کے معنی میں ہے اور سمجھتے ہیں کہ لفظ اراٹھ اوتا (زر تخت کی مقدس کتاب) میں بھی بارگاہ اور تخت سلطنت کے معنی میں آیا ہے۔

لغت عرب کے بعض علما اس کی اصل عربی کو سمجھتے ہیں۔ ان کا نظریہ ہے کہ یہ لفظ اراک سے لیا گیا ہے جو مشہور درخت کا نام ہے جس سے تخت اور سائبان بنائے جاتے ہیں۔ لیکن قرآن مجید میں اس کے موارد استعمال سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ اس زیا خوبصورت اور مزین تخت کے معنوں میں ہے جس سے صاحبان قدرت و نعمت استفادہ کرتے ہیں۔

(یہ نظرون) دیکھیں گے کی تعبیر جو سربستہ شکل میں استعمال ہوتی ہے اس میں یہ نہیں فرمانا کہ کس چیز کی طرف دیکھیں گے تاکہ اس کے مفہوم میں وسعت رہے۔ وہ لطف خدا کی طرف دیکھیں گے۔ اس کے لیے مثال جمال کی طرف، جنت کی انواع و اقسام کی نعمتوں کی طرف اور نگاہوں کو خیرہ کرنے والی خوبصورتیوں کی طرف دیکھیں گے جو بہشت بریں میں ہوں گے، اس لیے کہ انسانی لذتوں میں سے اہم ترین لذت دیکھنے کی لذت ہے۔ اس کے بعد مزید فرماتا ہے:

”جب تو ان کے چہروں کی طرف دیکھے تو نعمت کی طراوت خوشی اور نشاط ان میں دیکھے گا۔“ (تغوف فی وجوہہم نصرة النعیم)۔ جو اس طرف اشارہ ہے کہ نشاط، سرور اور خوشی ان کے چہروں پر جھلک رہی ہوگی اور ان سے بے لطفی کی ضرورت نہیں ہوگی۔ اس کے برعکس اگر دو ذخیروں کے چہروں پر نظر کرے تو ان سے غم و رنج اور اندوہ و بدبینی اور بے چارگی نمایاں ہوگی۔

”نصرة“ جیسا کہ ہم پہلے بھی اشارہ کر چکے ہیں تہذیب و تہذیب اور نشاط کے معنی میں ہے جو اچھی زندگی گزارنے والوں کے چہرے سے عیاں ہوتی ہے۔ تخت، نظارہ، آرام و سکون و نشاط کی نعمتوں کے بعد ایک اور نعمت یعنی بہشتیوں کی شراب کی طرف اشارہ کرتے ہوئے مزید فرماتا ہے:

”انہیں ایسی پاک و پاکیزہ شراب پلائیں گے جس کو کسی کا ہاتھ نہیں لگا ہوگا (یسقون من ریح مقنوم)۔ وہ شراب طور جو دنیا کی شرابوں کی طرح گناہ پر آمادہ کرنے والی، جنون پیدا کرنے والی شیطانی شراب کی طرح نہیں ہے بلکہ وہ ہوش و عقل اور نشاط و عشق و مصفا پیدا کرتی ہے۔

زیادہ مفسرین نے ریح کو خاص شراب کے معنی میں لیا ہے، ایسی شراب جس میں کسی قسم کی ملاوٹ نہیں ہوگی۔

لے ”لغت نامہ“ و ”معارف“، کتاب ”دیوان وین“، مفردات راغب، اور برہان قاطع کی طرف رجوع کیا جائے۔

”مختوم“ کے معنی مہر لگی ہوئی۔ اس سے بھی اس کے خالص اور پاک و صاف ہونے کا اظہار ہے۔ اس کے علاوہ اس قسم کے برتنوں کا استعمال مہمان کے خاص احترام کی علامت ہے۔ ایسا ظرف جس کا منہ بند ہے اس پر مہر لگی ہوئی ہے اور اس کی مہر صرف مہمان کی خاطر توڑی جاتی ہے بلکہ اس کے بعد فرماتا ہے: ”اس کی مہر مشک اور کستوری سے لگائی گئی ہے“ (ختامہ محکم)۔ دنیا کے منہ بند برتنوں کی طرح نہیں جن کی مہر مٹی سے لگائی جاتی ہے تو مشک اور عطر کی خوشبو فضا میں پھیل جاتی ہے۔

بعض مفسرین نے یہ بھی کہا ہے کہ مراد یہ ہے کہ آخر میں یعنی اس شرابِ طور کے پینے کے اختتام پر انسان کے منہ سے مشک و عنبر کی خوشبو آئے گی، دنیا کی نجس شرابوں کے برخلاف جن کے پینے کے بعد منہ تلخ اور بدبودار ہو جاتا ہے لیکن اس تعبیر کی طرف توجہ کرتے ہوئے جو گزشتہ آیت میں آئی ہے یہ تفسیر بعید نظر آتی ہے۔ آیت کے آخر میں جنت کی شرابِ طور کے اوصاف بیان کرنے کے بعد فرماتا ہے: ”ان ہشتی نعمتوں میں اور خصوصیت کے ساتھ اس شرابِ طور کی طرف رغبت کرنے والوں کو ایک دوسرے پر بھگت لے جانی چاہیے“ (و فی ذالک فلیتنافس العتائفون)۔ مفسر عظیم ”طبرسی“ ”جمع البیان“ میں کہتے ہیں:

”تنافس“ کے معنی دو انسانوں کے ایک پیر کے لیے کوشش کرنے کے ہیں جن میں سے دونوں یہ چاہیں کہ یہ نفیس چیز میرے پاس ہو۔

جمع البحرین میں ہے کہ تنافس کے معنی عظمت و عزت کے ساتھ ایک دوسرے پر بھگت لے جانا ہے۔ راغب مفردات میں گمنا ہے ”منافسہ“ کے معنی یہ ہیں کہ معزز افراد سے مشابہت پیدا کرنے کے لیے ان سے ملتی ہو جانے کی اس طرح کوشش کرنا کہ دوسرے کو نقصان نہ پہنچے۔

حقیقت میں اس آیت کا مضمون اس آیت کے مشابہ ہے جو سورہ حدید کی آیت ۲۱ میں آئی ہے (سابقہ) اٰلِیٰ مَغْفِرَۃٍ مِّنْ رَّبِّکُمْ وَجَنۡۃٍ عَرْضُہَا کَعَرْضِ السَّمَاءِ وَالْاَرْضِ) ”آپنے پروردگار کی مغفرت تک پہنچنے کے لیے اور اس جنت تک پہنچنے کے لیے جس کی وسعت آسمان و زمین جتنی ہے ایک دوسرے پر بھگت لے جاؤ۔“

لے گزشتہ زمانے میں معمول تھا اور موجودہ زمانے میں بھی معمول ہے کہ یہ اطمینان کرنے کے لیے کہ اس چیز کو کسی کا ہاتھ نہیں لگا اس کو کسی برتن میں رکھتے اور اس کا منہ بند کرنے کے بعد کسی دسی یا بنے ہوئے تار سے اس پر گرہ لگا دیتے تھے اور اس گرہ پر سخت مٹی یا لاکھ کو چھو کر رکھ دیتے اور اس پر اس طرح سے مہر لگا دیتے کہ برتن کے اندر مہر توڑے بغیر رسائی ممکن نہ ہوتی۔ عرب اس کو مختوم کہتے ہیں۔

یا جو کچھ سورہ آل عمران کی آیت ۱۳۲ میں آیا ہے: (و سارعوا الی مغفرة من ربکم و جنة عرضها السماوات والارض)۔ بہر حال اس آیت میں جو تعبیر آئی ہے وہ بہت ہی خوبصورت ہے اور جو ایمان و عمل صالح کے ذریعہ ان بے نظیر نعمتوں تک پہنچنے کے سلسلہ میں انسانوں کو شوق دلانے کا سبب بھی جاتی ہے اور قرآن کی فصاحت و بلاغت کو عمدہ انداز میں ظاہر کرتی ہے۔
اس کے بعد آخری نعمت جو اس سلسلہ آیات میں آئی ہے اس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرماتا ہے:

”یہ شراب طور تسنیم میں ملی ہوئی ہے“ (و مزاجہ من تسنیم)۔ وہی چشمہ جس سے مقربین پیتے ہیں (عیناً یشرّب بها المقربون)۔
ان آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ تسنیم جنت کی افضل ترین شراب طور ہے جسے خاص طور پر مقربین پیتے ہیں لیکن عام نیک لوگ اس میں سے ایک مقدار حقیقی محتوم ملا کر پیتے ہیں جو جنت کی شراب طور کی ایک اور قسم ہے۔

یہ کہ یہ شراب یا یہ چشمہ تسنیم کے نام سے کیوں موسوم ہے (اس طرف توجہ کرتے ہوئے کہ تسنیم لغت کے اعتبار سے چشموں کے معنوں میں ہے جو اد پر سے نیچے کی طرف گرا رہا ہو) بعض مفسرین نے کہا ہے کہ یہ وہ شراب ہے جو بہشت کے آسمانوں سے گرا رہی ہے۔ حقیقت میں جنت کی شراب کئی قسم کی ہے بعض تو نروں کی صورت میں بہہ رہی ہے جن کی طرف قرآن کی متعدد آیات میں اشارہ ہوا ہے۔

جو کچھ آیت کی تفسیر میں لکھا گیا ہے اس سے واضح ہو جاتا ہے کہ ذالک کا اشارہ جنت کی سات نعمتوں کی طرف ہے خصوصاً مخصوص شراب طور جس کے پرکشش اوصاف آیت میں آئے ہیں۔

چونکہ ”واو“ اور ”فاء“ (وفی ذالک فلیتناض المتناضون) کے جملہ میں دونوں عطف کے لیے ہیں تو یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ دو حرف عطف یکے بعد دیگرے کیوں آئے ہیں۔ زیادہ مناسب جواب یہ ہے کہ یہاں حرف شرط محذوف ہے اور تقدیر عبارت اس طرح ہے (وان اريد تناض فی شئ فلیتناض فی ذالک المتناضون) اگر کسی چیز میں رنجت ہے تو رنجت کرنے والے اس میں رنجت محسوس کریں۔ اس طرح حرف شرط اور جملہ شرطیہ دونوں محذوف ہیں اور ذالک بھی مقدم رکھا گیا ہے۔ (غور فرمائیے)

یہ کہ عیناً کیوں مضموب ہے اس کے لیے بہت سی وجوہ بیان ہوئی ہیں۔ مجملہ ان کے یہ کہ تسنیم کے لیے حال یا اس کی تیسرے بیادرج و اختصاص کے عنوان کے ماتحت ہے اور تقدیر اعنی (میری مراد ہے) اور بھاگی بایا تو نازد ہے یا ”من“ کے معنی میں ہے اور دوسرے معنی زیادہ مناسب ہیں۔

سورہ محمد، آیت ۱۵۔

ان میں سے بعض منہ بند برتنوں میں مژردہ صورت میں ہیں جیسا کہ مندرجہ بالا آیت میں آیا ہے۔ سب سے زیادہ اہم وہ شراب ہے جو بہشت کے آسمان یا اور اوپر والے طبقوں سے گرتی ہے اور یہ وہی شرابِ تسنیم ہے کہ جنت کا کوئی مشروب اس کا ہم پلہ نہیں ہے اور جنیتوں کے جسم و جان میں جو تاثر فطری طور پر وہ کرتی ہے وہ سب سے بہتر پرکشش اور عیس ہے۔ اس کے پینے سے جو نشہ حاصل ہوتا ہے وہ تعریف و توصیف سے بالا ہے۔

البتہ اس حقیقت کو بھی دوبارہ بیان کرنا چاہیے کہ یہ سب دھندلے نقوش ہیں جو دور سے نظر آتے ہیں ورنہ جنت کی گراں قدر اور بے نظیر نعمتوں کی تعریف و توصیف زبان و قلم کے ذریعہ ممکن نہیں ہے۔ حتیٰ کہ خود قرآن کے بقول اس کی طرف کسی شخص کی فکر اور اس کے ذہن میں نہیں آسکتی۔ (خلا تعلم نفس ما اخفی لہم من قرۃ اعین) (الم سجدہ - ۱۷)۔ کوئی نفس نہیں جانتا کہ آنکھوں کو ٹھنڈک پہنچانے والی کونسی چیزیں ان کے لیے رکھی گئی ہیں۔

چند نکات

ابرار اور مقربین کون لوگ ہیں؟

قرآن مجید کی آیات میں ابرار، مقربین اور ان کے عظیم اجر و ثواب کے بارے میں بار بار گفتگو ہوئی ہے یہاں تک کہ سورہ آل عمران کی آیت ۱۹۳ کے مطابق اولوالالباب (قوی عقل و فکر والے) تصاضا کتے ہیں کہ ان کی زندگی کا اختتام ابرار کے ساتھ ہو۔ (و توفنا مع الابرار) اور سورہ دہر کی آیات میں بھی ان کے لیے بہت اجر و ثواب بیان ہوئے ہیں (دہر آیت ۵ تا ۲۲) اور سورہ انفطار کی آیت ۱۳ اور سورہ مطفین کی زیر بحث آیت بھی ان کے بارے میں بار بار خدا کی مہربانیوں کو بیان کرتی ہے۔

ابرار، جیسا کہ ہم پہلے بھی کہ چکے ہیں، ”بر“ کی جمع ہے یہ وہی لوگ ہیں جو وسیع روح، بلند ہمت، اچھے اعتقاد اور نیک عمل کے حامل ہیں اور مقربین وہ ہیں جو یادگار و خدایں قرب مقام کے حامل ہیں۔ ان دونوں کے درمیان ظاہری طور پر عام و خاص مطلق کی نسبت ہے یعنی سب مقرب افراد ابرار ہیں لیکن سب ابرار مقرب نہیں ہیں۔

ایک حدیث امام حسن مجتبیٰ سے منقول ہے کہ (کلما فی کتاب اللہ عزوجل من قولہ ان الابرار فواللہ ما اراد بہ الاعلیٰ بن ابی طالب و فاطمۃ و انا والحسین) جہاں کہیں قرآن میں ان الابرار آیا ہے خدا کی قسم اس سے پروردگار کی مراد علی ابن ابی طالب، فاطمہ زہرا، یسٰ اور حسین ہیں۔

٢٤ ايضاً " " " " " "

جی ہاں وہ افراد جو شراب کو اپنی سلامتی کی حفاظت کی خاطر ترک کریں وہ حقیقت میں اولوالالباب ہیں اور جیسا کہ سورہ آل عمران کی آیت ۱۹۳ سے معلوم ہوتا ہے۔ اولوالالباب بھی ابرار کے زمرہ میں ہیں جو جنت کی شراب ہائے طور سے بہرہ مند ہوں گے۔

ایک اور حدیث میں علی بن حسینؑ سے منقول ہے (من سقى مؤمناً من ظمأ سقاہ اللہ من الرقیق المختوم) جو شخص کسی پیاسے مومن کو سیراب کرے خدا اسے رقیق مختوم سے سیراب کرے گا یہ

ایک دوسری حدیث میں آیا ہے: (من صام للہ فی یوم صائف سقاہ اللہ من انظما من الرقیق المختوم) جو شخص موسم گرما کے دنوں میں روزہ رکھے تو خدا اسے قیامت کی تشنگی کی حالت میں رقیق مختوم سے سیراب کرے گا یہ

- ۲۹ إِنَّ الَّذِينَ أَجْرَمُوا كَانُوا مِنَ الَّذِينَ آمَنُوا يَضْحَكُونَ ۝
 ۳۰ وَإِذَا مَرُّوا بِهِمْ يَتَغَامَزُونَ ۝
 ۳۱ وَإِذَا انْقَلَبُوا إِلَىٰ أَهْلِهِمْ انْقَلَبُوا فَكِهِينَ ۝
 ۳۲ وَإِذَا رَأَوْهُمْ قَالُوا إِنَّ هَٰؤُلَاءِ لَضَالُّونَ ۝
 ۳۳ وَمَا أُرْسِلُوا عَلَيْهِمْ خَفِظِينَ ۝
 ۳۴ فَالْيَوْمَ الَّذِينَ آمَنُوا مِنَ الْكُفَّارِ يَضْحَكُونَ ۝
 ۳۵ عَلَىٰ الْأَرَائِكِ يُنْظَرُونَ ۝
 ۳۶ هَلْ تُؤْتَوْنَ الْكُفَّارُ مَا كَانُوا يَفْعَلُونَ ۝

Presented by: <https://jafrilibrary.com/>

ترجمہ

- ۲۹ بدکار دنیا میں ہمیشہ مومنین پر ہنستے تھے۔
 ۳۰ اور جب مومنین کے پاس سے گزرتے تو اشاروں سے ان کا مذاق اڑاتے۔
 ۳۱ اور جب اپنے خاندان کی طرف پلٹتے تو مسرور پلٹتے۔
 ۳۲ اور جس وقت مومنین کو دیکھتے تو کہتے یہ گمراہ ہیں۔
 ۳۳ حالانکہ وہ مومنین کی نگرانی پر کبھی مامور نہیں رہے اور نہ ان کے مشغل تھے۔
 ۳۴ لیکن آج مومنین کفار پر ہنستے ہیں۔
 ۳۵ جبکہ جنت کے مزین تختوں (اور پلنگوں) پر بیٹھے ہیں اور دیکھ رہے ہیں۔
 ۳۶ کیا کفار نے اپنے اعمال کا اجر لے لیا ہے؟

شان نزول

مفسرین نے ان آیات کے لیے دو شان ہائے نزول نقل کی ہیں۔ پہلی یہ کہ ایک دن حضرت علیؑ اور مومنین کی ایک جماعت کھارمک کے قریب سے گزری تو وہ حضرت علیؑ اور ان مومنین پر ہنسنے لگے اور ان کا مذاق اڑایا تو مندرجہ بالا آیتیں نازل ہوئیں اور ان مذاق اڑانے والے کافروں کی جو قیامت میں حالت ہوگی اس کو واضح کیا۔

”حاکم ابو القاسم حکانی شواہد التزیل میں ابن عباس سے اس طرح نقل کرتے ہیں کہ ”ان الذین اجرّموا“ سے مراد قریش کے منافقین ہیں اور ”الذین امنوا“ سے مراد علی بن ابی طالب اور ان کے یار و انصار ہیں۔

دوسری شان نزول یہ ہے کہ مندرجہ بالا آیات عمار، صیب، جناب بلال اور اسی قسم کے دوسرے غریب مومنین کے بارے میں نازل ہوئی ہیں جو ابو جہل، ولید بن مغیرہ اور عاص بن داکل جیسے مشرکین قریش کے شر کا نشانہ بنے تھے۔

Presented by: <https://jafrilibrary.com/>

تفسیر

اس دن وہ مومنین کا مذاق اڑاتے تھے لیکن آج

گزشتہ آیات کے بعد، جو نیک لوگوں کو ملنے والی نعمتوں اور ثواب کے بارے میں گفتگو کر رہی تھیں، زیر بحث آیات میں ان مصائب اور زحمتوں کے ایک گوشہ کی طرف، جس سے اس جہان میں ایمان و تقویٰ کی بنا پر ان کا واسطہ پڑا تھا، اشارہ کرتا ہے تاکہ واضح ہو جائے کہ وہ عظیم اجر و ثواب حساب کتاب کے بغیر نہیں ہے۔

ان آیات میں کفار کی قبیح اور دل دکھانے والی تنقید اور ان سے آمناسامنا ہونے کے بارے میں گفتگو کرتا ہے اور کفار کے چار قسم کے رد عمل کو بیان کرتا ہے پہلے فرماتا ہے:

”بدکار اور کفار ہمیشہ مومنین پر ہنستے تھے“ (ان الذین اجرّموا کانوا من الذین امنوا یضحکون)۔ تمہارا میز اور مہمی برحسارت ہنسی، ایسی ہنسی جو سرکشی و تکبر اور غرور و غفلت کی وجہ سے پیدا ہوتی ہے اور ہمیشہ چھوٹے دماغ کے مغرور افراد متقی مومنین کے مقابلہ میں اس قسم کی بے وقوفانہ ہنسی سے کام لیتے ہیں۔

جمع البیان، جلد ۱۰، ص ۴۵۔ حضرت علیؑ اور مشرکین مکہ کے بارے میں ان آیات کا نازل ہونا بہت سی کتب تفسیر مثلاً قرطبی، روح المعانی، کشاف اور تفسیر خرازی میں آیا ہے۔

ضمنی طور پر ”کفر“ کی بجائے ”اجر موعا“ کی تعبیر یہ بتاتی ہے کہ کافر وہ ہے ایمان افراد اپنے گناہ آلود اعمال سے پہچانے جاتے ہیں اس لیے کہ کفر ہمیشہ سے عصیان و جرم کا سرچشمہ ہے۔

بعد والی آیت میں ان کے قبیح طرز عمل کو بیان کرتے ہوئے فرماتا ہے :

”جس وقت کفار مومنین کی جماعت کے قریب ہوں تو اشاروں سے ان کا مذاق اڑاتے ہیں“

(واذا متروا بھم یتغامزون) ، اور اشاروں اشاروں میں کہتے ہیں کہ ان بے سرو پا افراد کو دیکھتے ہو کہ یہ مقررین بارگاہ خدا ہو گئے ہیں ان ننگے پاؤں اور بُرے حال لوگوں کو دیکھو کہ یہ اپنے اوپر وحی کے نزول کے مدعی ہیں اور نادان لوگوں کو دیکھو کہ یہ کہتے ہیں کہ بوسیدہ اور خاک شدہ ہڈیاں دوبارہ زندگی کی طرف پلٹ آئیں گی اور یوں وہ اسی قسم کی دوسری کھوکھلی باتیں کرتے ہیں۔

ایسا نظر آتا ہے کہ مشرکین واضح طور پر اس وقت ہنسی اڑاتے تھے جب مومنین کی کوئی جماعت ان کے پاس سے گزرتی تھی اور ان کے متخرف آمیز اشارے اس وقت ہوتے جب وہ مومنین کی جماعت کے نزدیک سے گزرتے اور چونکہ مومنین کی جماعت کے قریب رہ کر آسانی سے ان کا مذاق نہیں اڑا سکتے تھے، لہذا انھوں نے اشاروں سے کام لیتے تھے لیکن جہاں خود ان کا جھگڑا ہوتا اور مومنین ان کے پاس سے گزرتے وہاں وہ زیادہ آزادی اور جسارت سے کام لیتے تھے۔

”یتغامزون“ ”غمز“ (بروزن طنز) کے مادہ سے آنکھ اور ہاتھ سے ایسی چیز کی طرف اشارہ کرنے کے معنی میں ہے جس سے عیب جوئی کا پہلو نکلتا ہو اور بعض اوقات یہ لفظ ہر قسم کی عیب جوئی کے معنی میں استعمال ہوتا ہے خواہ زبان ہی سے کیوں نہ ہو۔

اور تغامز (باب تفاعل سے) کی تعبیر اس بات کی دلیل ہے کہ وہ سب کے سب ایک دوسرے کے ساتھ مل کر یہ حرکت کرتے تھے اور ہر کوئی اشارہ کر کے دوسرے کو کچھ بتاتا، جس میں مذاق کا پہلو ہوتا۔ یہ تو مومنین سے آمناسا منا ہونے پر ہوتا تھا۔ خصوصی جلسوں میں بھی یہی طریق کار اختیار کیے رکھتے اور علیحدگی میں بھی اس سلسلہ کو جاری رکھتے، جیسا کہ بعد والی آیت کہتی ہے :

”جس وقت وہ اپنے گھروں کی طرف پلٹ جاتے تو خوش ہوتے اور جو کچھ انجام دیا ہوتا اس پر پھولے نہ سماتے“ (واذا انقلبوا الی اہلہم انقلبوا فکھین)۔ گویا انہیں نفع و کامیابی نصیب ہوتی ہے جس کی وجہ سے غرور و مباہات کر رہے ہیں اور پھر مومنین سے علیحدگی کی صورت میں بھی اس مذاق

۱۔ ”متروا“ اور ”بھم“ کی ضمیروں کے مرجع کے بارے میں مفسرین نے دو احتمال تجویز کیے ہیں بعض نے پہلی ضمیر پر مشرکین کی طرف اور دوسری مومنین کی طرف پٹائی ہے اور بعض نے اس کے برعکس کہا ہے لیکن ہم نے جو کچھ اوپر کہا ہے اس کے مطابق پہلا احتمال زیادہ مناسب ہے۔

کو حبابی رکھتے۔

”فکھین“ جمع ہے ”فکھ“ کی، یہ صفت ہے مشبہ (اور بروزن خشن ہے) ”فکھ“ (بروزن قبائل) مذاق اڑانے کے معنی میں ہے اور اصل میں فکھ سے لیا گیا ہے جس کے معنی پھل کے ہیں۔ گویا یہ شوخیوں پھلوں کے مانند ہیں جن سے وہ لذت حاصل کرتے ہیں اور شیریں اور دستانہ گفتگو کو فکھ کہا جاتا ہے۔ اگرچہ اہل کالفاظ عام طور پر خاندان اور قریبی رشتہ داروں کے معنی میں ہے لیکن ممکن ہے کہ یہاں زیادہ وسیع معنی رکھتا ہو اور قریبی دوستوں کا بھی احاطہ کرے۔

مومنین کے مقابلہ میں ان کا جو تھا شرارت آمیز طرز عمل یہ تھا کہ وہ جب انہیں دیکھتے تو سمجھتے یہ گمراہ ہیں (واذا راؤہم قالوا ان هؤلاء لضاقلون) اس لیے کہ وہ بت پرستی اور خرافات جو کفار میں رائج تھیں انہیں یہ گمراہ راہ ہدایت خیال کرتے تھے جبکہ مومنین نے انہیں چھوڑ دیا تھا اور توحید کی طرف پلٹ آئے تھے اور کفار کے گمان میں نقد دنیا کی لذت کو مومنین نے آخرت کی خاطر ادا ہاریج دیا تھا۔

ہو سکتا ہے کہ یہ تعبیر ان مراحل میں ہو جہاں بات مذاق سے آگے بڑھ چکی ہو اور کفار اپنے آپ کو ناچار و مجبور دیکھتے ہوں کہ زیادہ سے زیادہ مشرت عمل دکھائیں اس لیے کہ ہمیشہ عظیم پیغمبروں اور نئے دین و آئین کے ظہور کے وقت دشمنوں اور مخالفوں کا یہی طرز عمل ہوتا ہے کہ وہ مذاق اڑاتے تھے۔ گویا وہ نئے دین کو اس قابل نہ سمجھتے تھے کہ سنجیدگی سے اس کا سامنا کریں۔ لیکن جب دین خدا آمادہ افراد کے دلوں میں نفوذ کر جاتا اور اس کے بہت سے پیروکار ہو جاتے تو کفار خطرہ محسوس کرتے اس پر سنجیدگی سے اپنا رد عمل ظاہر کرتے اور لڑائی پر شدت سے آمادہ رہتے اور مرحلہ بہ مرحلہ زیادہ شدت اختیار کرتے۔

مندرجہ بالا آیت ان کی انتہائی کوشش کا پہلا مرحلہ ہے جس کی بعد فوبت خوں ریز جنگوں تک پہنچ گئی۔ چونکہ مومنین عام طور پر ایسے افراد میں سے تھے جن کی کوئی اجتماعی حیثیت نہ تھی اور وہ دولت مند بھی نہیں تھے، اس بنا پر کفار انہیں چشم حقارت سے دیکھتے تھے اور ان کے ایمان کو بے قیمت شمار کرتے تھے اور ان کے دین کا مذاق اڑاتے تھے۔ بعد والی آیت میں قرآن کہتا ہے:

”یہ گروہ کفار ان کی زندگی کا (مومنین کی) کبھی بھی محافظ و نگہبان اور متکفل نہیں تھا (روما اور سلوا علیم حافظین) تو پھر کس حق کی بنا پر اور کون سی منطق کی رو سے ان پر تنقید اور اعتراض کرتے تھے؟

سورہ ہود کی آیت ۲۷ میں ہم پڑھتے ہیں کہ قوم نوح کے دولتمندوں اور متکبر لوگوں نے آپ سے کہا (وما نراک اتباع الا الذین ہم اراذلنا بادی الوای) ”ہم ان لوگوں کو جنہوں نے تیرا اتباع کیا ہے ذلیل اور سادہ لوح ہونے کے علاوہ اور کچھ نہیں دیکھتے تو ان جناب نے

کفار کے جواب میں کہا: (ولا اقول للذين تزددى اعينكم لن يؤتيهم الله خيرا الله اعلم بما في انفسهم) ”میں بالکل نہیں کہتا کہ وہ لوگ جو تمہاری نظر میں ذلیل و خوار ہیں خدا انہیں خیر نہیں دے گا خدا ان کے دلوں سے زیادہ آگاہ ہے۔“ (ہود-۳۱)

یہ حقیقت میں ان خود پرست اور متکبر افراد کا جواب ہے اور انہیں بتایا جا رہا ہے کہ اس کا تم سے کوئی تعلق نہیں ہے کہ مومنین کس گروہ سے وابستہ ہیں، تم اپنے طور پر روج و دعوت دین اور پیغمبر اسلام کے آئین اور ان کے مجربہ و قوانین کو دیکھو اور سمجھنے کی کوشش کرو۔

قیامت میں صورت حال بالکل برعکس ہو جائے گی جیسا کہ بعد والی آیت میں فرماتا ہے:

”آج مومنین کفار پر نہیں گئے۔“ (قال يوم الذين امنوا من الكفار يضحكون)۔ چونکہ قیامت انسان کے دنیاوی اعمال کا رد عمل ہے اور وہاں عدالت الہی کا اجر ہونا ہے اور عدالت کا تقاضا یہ ہے کہ وہاں پاک دل مومن ہٹ دھرم اور مذاق اڑانے والے کافروں پر نہیں۔ یہ ان مغرور لوگوں پر ایک قسم کا دردناک عذاب ہے۔

بعض روایات میں رسول خدا سے منقول ہے کہ اس روز جنت کا ایک در کفار کے سامنے کھلے گا اور وہ اس خیال سے کہ جہنم سے آزادی اور جنت میں درود کا حکم انہیں دے دیا گیا ہے اس دروازے کی طرف چل پڑیں گے۔ جس وقت اس کے قریب پہنچیں گے وہ دروازہ اچانک بند ہو جائے گا۔ اور یہ کئی مرتبہ ہو گا اور وہ مومنین جو جنت سے ان کا نظارہ کر رہے ہوں گے ان پر نہیں گئے یہ لہذا بعد والی آیت میں مزید کہتا ہے:

وہ مرتبہ پلنگوں اور تختوں پر بیٹھے ہوتے ہوں گے اور ان مناظر کو دیکھیں گے (على الارائك ينظرون)۔ وہ کن چیزوں کی طرف دیکھیں گے؟ خدا کی لامحدود نعمتوں کی طرف، جی ہاں! بے کراں الطاف و کرم کو دیکھیں گے، اس آرام و سکون و عظمت و احترام کو دیکھیں گے (جو انہیں حاصل ہو گا) اور ان دردناک عذابوں کی طرف دیکھیں گے جن میں مغرور و خود پرست کفار انتہائی ذلت اور زبوں حالی کے ساتھ گرفتار ہوں گے۔

اور پھر اس سورہ کی آخری آیت میں ایک استفہامیہ جملے کی شکل میں فرماتا ہے:

”کیا کفار نے اپنے اعمال کا اجر اور کاموں کا ثواب لے لیا ہے؟“ (هل ثوب الكفار ما كانوا يفعلون)۔

یہ بات چاہے خدا کی جانب سے ہو یا فرشتوں کی طرف سے، یا مومنوں کی طرف سے، یہ ایک قسم کا طعن و استہزا ہے ان مغرور و متکبر افراد کے افکار اور دعووں پر جنہیں توقع تھی کہ اپنے بُرے اعمال کے بدلے میں خدا کی طرف سے انعام و اکرام انہیں ملے گا۔ اس غلط گمان اور خیالی خام کے مقابلہ میں فرماتا ہے :

”کیا انہوں نے اپنے اعمال کا ثواب اور اجر لے لیا ہے“ بہت سے مفسرین نے اس جملے کو ایک مستقل جملہ سمجھا ہے جبکہ بعض کا نظریہ ہے کہ یہ گزشتہ آیت کا حصہ ہے یعنی مومنین مرنے کی حالت پر بیٹھے ہوئے دیکھ رہے ہوں گے اور سوچ رہے ہوں گے کہ کیا کفار نے اپنے غلط اعمال کا اجر لے لیا ہے ۔

جی ہاں ! وہ اگر اجر لیں تو شیطان سے لیں، کیا وہ بے نوا گرفتار انہیں کوئی اجر دے سکتے ہیں ۔

”ثوب“ (بروزن جوف) ثوب کے مادہ سے اصل میں کسی چیز کا اپنی پچھلی حالت کی طرف پلٹنا ہے اور ثواب اس اجر کو کہا جاتا ہے جو انسان کو اس کے اعمال کے مقابلہ میں دیتے ہیں، اس لیے کہ اس کے اعمال کا نتیجہ اس کی طرف لوٹتا ہے۔ یہ لفظ اچھی یا بری جزا کے لیے استعمال ہوتا ہے مگر جہ عام طور پر موردِ خبر میں استعمال ہوتا ہے۔

اس لیے اوپر والی آیت ایک قسم کا کفار پر طنز کرتی ہے اور ہونا بھی ایسا ہی چاہیے اس لیے کہ وہ ہمیشہ مومنین اور آیاتِ خدا کا مذاق اڑاتے تھے لہذا ضروری ہے کہ اس دن اپنے مذاق کی سزا بھگتیں ۔

ایک نکتہ

دشمنانِ حق کا مذاق اڑانے کا بزدلانہ حربہ

انبیاء کی طویل تاریخ میں ہم بار بار دیکھتے ہیں کہ دشمنانِ خدا کا ایک حربہ مومنین کے مقابلہ میں تسخود استہزا ہوتا ہے اور آیاتِ قرآنی نے اس موضوع کو بار بار پیش کیا ہے۔ اور چونکہ تسخود استہزا عام طور پر ایسے لوگوں سے صادر ہوتا ہے جو مغرور ہوتے ہیں اور خود کو دوسروں سے بہتر و برتر سمجھتے ہیں اور دوسروں کو چٹمِ حارث سے دیکھتے ہیں اور کوئی تعجب کی بات نہیں ہے کہ کافر، ظالم، ہٹ دھرم اور خود پرست اہل ایمان کے مقابلہ میں اس قسم کا حربہ استعمال کریں ۔

موجودہ زمانے میں بھی یہی صورت حال ہے۔ دنیا کے افسوس ناک گروہی معاملات میں کئی شکلوں میں طعن و طنز اور مذاق کی صورت حال کو جاری رکھا جاتا ہے۔ اب بھی کوشش کی جاتی ہے کہ حق کے طرفداروں کو اس قدیمی حربے سے فائدہ اٹھاتے ہوئے میدان چھوڑنے پر مجبور کریں۔ لیکن مومنین ان کے مقابلہ میں خدائی دعووں کی طرف توجہ کر کے، جن کا ایک نمونہ اوپر والی آیت میں آیا ہے آرام و سکون محسوس کرتے ہیں اور تاریک دل مخالفوں کے مقابلہ میں مومنین کے دلوں میں رُوحِ مقاومت پیدا ہوتی ہے۔

اصولی طور پر استہزاء، تمسخر، غمزہ (اشارے) ضحک اور ہنسنا، حق کے مقابلہ میں، جس کی طر مندرجہ بالا آیت میں اشارہ ہوا ہے، یہ سب گناہانِ کبیرہ میں سے ہیں اور جہالت و غرور کی علامت ہیں ایک قیم، عاقل اور ہشیار انسان بغرض حال کسی مکتب فکر سے متعلق نہ بھی ہو، بھی اپنے آپ کو اجازت نہیں دیتا کہ اس قسم کے حربوں سے کام لے وہ مقابل سے صرف منطقی حربوں سے مقابلہ کرتا ہے۔

خداوند! ہم سب کو غرور و جہالت اور کبر و نخوت سے محفوظ فرما۔

پروردگار! ہمیں حق طلبی، حق جوئی اور تواضع کی روح مرحمت فرما۔

بار الہا! ہمارا نامہ اعمالِ علیین میں قرار دے اور تجنیوں کے زمرہ سے خارج کر دے۔

آمین یا رب العالمین

سورہ مطففین کا اختتام

سُورَةُ انشِقَاقِ

Presented by: <https://jafrilibrary.com/>

یہ سورہ مکہ میں نازل ہوا
اس کی ۲۵ آیتیں ہیں

تاریخ ابتداء شعبان المعظم ۶۰۴ھ بروز ولادت امام حسینؑ

سورۃ انشقاق کے مضامین اور اس کی تلاوت کی فضیلت

یہ سورہ قرآن مجید کے آخری پارے کی بہت سی دوسری سورتوں کے مانند معاد و قیامت کے بارے میں گفتگو کرتا ہے۔ شروع میں دنیا کے اختتام اور قیامت کے شروع ہونے کے ہولناک اور دل ہلا دینے والے حادثہ کی طرف کچھ اشارے کرتا ہے اور بعد والے مرحلہ میں قیامت، نیکوکاروں اور بدکاروں کے اعمال کا حساب اور ان کی سرفروخت کے مسئلہ کو بیان کرتا ہے۔

تیسرے مرحلہ میں چند ایسے اعمال و عقائد جو موجب عذاب الہی ہیں، ان کو پیش کرتا ہے اور چوتھے مرحلہ میں چند قسموں کے بعد انسان کی دنیاوی اور اخروی زندگی کے مرحلوں کی طرف اشارہ کرتا ہے اور آخر کار پانچویں مرحلہ میں دوبارہ نیک و بد اعمال اور ان کی متوازن جزا کے بارے میں بات کرتا ہے۔

اس سورہ کی تلاوت کی فضیلت کے سلسلہ میں ایک حدیث پیغمبر اسلام سے منقول ہے (من قرأ سورۃ انشقاق اعادہ اللہ ان یؤتیہ کتابہ وراء ظہرہ)، جو شخص سورہ انشقاق کو پڑھے تو خدا قیامت میں اس شر سے اس کو امان میں رکھے گا کہ اس کا نامہ اعمال پس پشت سے دیا جائے یہ کتاب ثواب الاعمال میں امام جعفر صادقؑ سے منقول ہے کہ جو شخص ان دونوں سورتوں (انفطار و انشقاق) کو پڑھے اور نماز فریضہ و نافلہ میں اپنا نصب العین بنالے تو خدا اس کو اس کی خواہشات تک پہنچائے گا، کوئی چیز اس کے اور خدا کے درمیان حائل نہیں ہوگی، وہ ہمیشہ لطف خدا پر نظر رکھے گا اور خدا اس پر نظر رکھے گا، یہاں تک کہ لوگوں کے حساب سے فارغ ہوگا۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

- ۱ اِذَا السَّمَاءُ انشَقَّتْ ۝
- ۲ وَاذْنَتْ لِرَبِّهَا وَحُقَّتْ ۝
- ۳ وَاِذَا الْاَرْضُ مُدَّتْ ۝
- ۴ وَاَلْقَتْ مَا فِيهَا وَتَخَلَّتْ ۝
- ۵ وَاذْنَتْ لِرَبِّهَا وَحُقَّتْ ۝
- ۶ يَا أَيُّهَا الْاِنْسَانُ اِنَّكَ كَادِحٌ اِلَىٰ رَبِّكَ كَدًا فَمُلِقِيهِ ۝
- ۷ فَاَمَّا مَنْ اُوْتِيَ كِتَابًا بِيَمِينِهِ ۝
- ۸ فَسَوْفَ يُحَاسَبُ حِسَابًا يَسِيرًا ۝
- ۹ وَيُنْقَلَبُ اِلَىٰ اَهْلِهِ مَسْرُورًا ۝

ترجمہ رحمن ورحیم خدا کے نام سے

- ۱ جس وقت آسمان پھٹ جائے گا۔
- ۲ اور اپنے پروردگار کے فرمان کو تسلیم کرے گا اور سزاوار ہے کہ ایسا ہی ہو۔
- ۳ اور جب زمین میں وسعت پیدا ہوگی۔
- ۴ اور جو کچھ اس کے اندر ہے اُسے باہر پھینک دے گی اور خالی ہو جائے گی۔

- ۵ اور اپنے پروردگار کے حکم کو تسلیم کرے گی اور ایسا ہی ہونے کے لائق ہے۔
- ۶ اے انسان تو رنج و تکلیف اور سعی و کوشش کے ساتھ اپنے پروردگار کے طرف جانے گا اور اس سے ملاقات کرے گا۔
- ۷ لیکن وہ شخص جس کا نامہ اعمال اس کے دائیں ہاتھ میں دیا گیا ہے۔
- ۸ عنقریب اس کے لیے آسان حساب ہوگا۔
- ۹ اور وہ خوشحالی کے ساتھ اپنے گھر والوں کی طرف پلٹ جائے گا۔

تفسیر

کمال مطلق کی طرف رنج آمیز سعی و کوشش

جیسا کہ ہم نے اس سورہ کے آغاز میں ذکر کیا ہے اس سورہ کے آغاز میں ہی عظیم اور عجیب دنیا کے اختتام کے حادثہ کی طرف اشارہ ہوا ہے۔ پروردگار عالم فرماتا ہے:

”جب آسمان میں شکاف پڑ جائیں گے اور آسمانی اجرام پراگندہ ہو جائیں گے اور نظام کو اکب درجہ و درجہ ہو جائے گا۔“ (اذا السماء انشقت) ۱۰

اس کی نظیر جو سورہ انفطار میں آئی ہے اس میں فرماتا ہے: (اذا السماء انفطرت واذا النواکب انتفرت)۔ جس وقت آسمان میں شکاف پڑ جائیں گے اور ستارے پراگندہ ہو جائیں گے اور بھج جائیں گے (انفطار - ۲۰۱)۔ اور یہ اختتام دنیا اور اس کی خرابی و فنا کا اعلان ہے۔ اس کے بعد مزید فرماتا ہے:

”اور اس کے پروردگار کا حکم تسلیم کیا جائے گا اور حقیقت میں ایسا ہی ہونا چاہیئے (واذنت لربها وحقت)۔ مبادا یہ تصور ہو کہ انسان اس عظمت کے باوجود حکم الہی کا معمولی سا مقابلہ بھی کرے وہ مطیع و فرمانبردار بندے کی طرح ہے جس کا اس کے حکم کے سامنے مکمل طور پر سر تسلیم خم ہے۔“

”اذنت“ اصل میں ”اذن“ (بروزن افق) سے جو کان کے معنی میں ہے لیا گیا ہے اور اس کے

۱۰ اذا حرف شرط ہے اور اس کی جزاء محذوف ہے اور تقدیر میں اس طرح ہے: اذا السماء انشقت..... لاقی الانسان ربه فحاسبه و جازاه۔

۱۰ تفسیر فخر رازی در ذیل آیات زیر بحث -

وزنی بوجھ باہر نکالے گی۔ یا جو کچھ سورہ نازعات کی آیہ ۱۳، ۱۴ میں آیا ہے (فانما ہی زجوة واحدة فاذا هو بالساهرة)۔ صرف ایک صیغہ ہوگا اور اس کے بعد سب کے سب صفحہ زمین پر ظاہر ہو جائیں گے۔

بعض مفسرین نے کہا ہے کہ انسانوں کے علاوہ معدنیات اور خزانے جو زمین میں پوشیدہ ہیں، سب کے سب زمین سے باہر آجائیں گے۔

آیت کی تفسیر میں یہ احتمال بھی ہے کہ زمین کے اندر پھلا ہوا مواد ہولناک اور وحشت ناک زلزلوں کی وجہ سے کلی طور پر باہر آکر گرے گا اور وہ تمام پستیوں کو پُر کر دے گا اس کے بعد زمین کے اندر کا حصہ بالکل خالی اور ساکن ہو جائے گا۔

ان معانی کے درمیان جمع میں بھی کوئی چیز مانع نہیں ہے۔ اس کے بعد مزید کہتا ہے:

”اس کے بعد زمین اپنے پروردگار کے فرمان کے سامنے سر تسلیم خم کر دے گی اور شائستہ و لائق ہے کہ سر تسلیم خم کرے“ (واذنت لربها وحقت)۔ یہ عظیم حوادث جو تمام موجودات کے سر تسلیم خم کرنے کے ساتھ لازم و ملزوم ہیں، ایک طرف تو اس دنیا کے فنا ہونے کو بیان کرتے ہیں، زمین و آسمان، انسانوں، خزانوں اور گنجینوں کی فنا، اور دوسری طرف عالم آفرینش میں نئے عالم ہستی کے ایجاد کی دلیل ہیں۔ اور تیسرے خداوند عظیم و بزرگ کی ہر چیز پر مخصوصاً معاد و قیامت پر قدرت کی نشانی ہیں۔ جی ہاں! جب یہ حوادث واقع ہوں تو انسان اپنے نیک و بد اعمال کا نتیجہ دیکھ لیتا ہے۔ (یہ ایسا جملہ ہے جو تقدیر میں ہے)۔ اس کے بعد انسانوں کو مخاطب کرتے ہوئے اور اس راہ میں جو ان کی سرفروخت ہے، ان کے لیے واضح کرتے ہوئے فرماتا ہے:

”اے انسان توجہ سے دیکھو اور رنج و تکلیف کے ساتھ اپنے پروردگار کی طرف بڑھ رہا ہے اور آخر کار اس سے ملاقات کرے گا“ (یا ایہا الانسان انک کادح الی ربک کدخاً فملاقہ)۔ ”کدح“ (بر وزن مدح) سعی و کوشش کے معنی میں ہے جو رنج و تعب کے ہمراہ ہوا اور جسم و جان پر اثر انداز ہو۔ اسی لیے سخت محنت کرنے والے بیل کی جس میں کام کرنے کے آثار ظاہر ہوں، ”تورینہ کدوح“ کہتے ہیں۔

تفسیر کشاف، فخر رازی اور روح المعانی میں آیا ہے کہ یہ لفظ اصل میں اس خواہش کے معنی میں ہے جو کمال پر لگ جاتی ہے۔ اسی مناسبت سے ان کوششوں پر جو روح انسانی پر اثر انداز ہوں، اس کا اطلاق ہوا ہے۔

یہ آیت ایک بنیادی اصل کی طرف اشارہ ہے جو تمام انسانوں کی حیات میں موجود ہے اور وہ یہ ہے کہ زندگی ہمیشہ زحمت اور رنج و تعب اپنے ساتھ رکھتی ہے۔ اگر مقصود صرف متاع دنیا تک

پسینا ہی ہوتا ہے، چہ جائیکہ مقصود آخرت، سعادت جاوداں اور قرب پروردگار ہو۔
دنیاوی زندگی کی یہ طبیعت اور اس کا یہ مزاج ہے۔ یہاں تک کہ وہ افراد جو انتہائی خوش حالی سے عمر گزارتے ہیں وہ بھی رنج و زحمت اور درد و تکلیف سے بچے ہوئے نہیں۔
پروردگار کی ملاقات کی تعبیر سے یہاں مراد چاہے قیامت کے منظر کا دیکھنا ہو، جو اس کی حاکمیت مطلقہ کا مظہر ہے یا اس کی جزا و سزا کا آئنا سامنا ہو یا شہود باطن کے طریقہ سے خود اس کی ملاقات ہو۔ اس سے یہ پتہ چلتا ہے کہ یہ رنج و تعب اس دن تک جاری رہے گا اور اس وقت ختم ہوگا جب اس دنیا کا سلسلہ ختم ہو جائے گا اور انسان پاکیزہ عمل کے ساتھ اپنے خدا سے ملاقات کرے گا۔
جی ہاں رنج و تعب کے بغیر راحت و آرام صرف وہم ہے۔ ”انسان“ کے لفظ سے خطاب جو ساری نوع انسانی پر حاوی ہے (انسان کی انسانیت پر انحصار کی طرف توجہ کرتے ہوئے) اس حقیقت کو بیان کرتا ہے کہ خدا نے ضروری یہ توانائیاں اس اشرف المخلوقات میں پیدا کی ہیں اور عزوان رب پر انحصار اس طرف اشارہ ہے کہ یہ سعی و کوشش انسانیت کے تکامل و تربیت کے نظام الاوقات کا ایک جز ہے۔

جی ہاں ہم سب مسافر ہیں جنہوں نے سرحد عدم سے رخت سفر باندھا ہے اور اقلیم وجود میں قدم رکھا ہے۔ ہم سب اس کی راہ عشق کے راہ رو ہیں اور دوست کے رُخ انور کی مقناطیسی کشش کی بنا پر آئے ہیں۔

اس تعبیر کی نظر قرآن کی دوسری آیات میں بھی آتی ہے مثلاً (وان الی ربک المنتہی) اور یہ کہ تمام امواد تیرے پروردگار کی طرف لوٹتے ہیں اور تمام خطوط اسی پر منتہی ہوتے ہیں (نجم - ۴۲) نیز فرماتا ہے:

(والی اللہ المصیر) ”سب کی بازگشت خدا کی طرف ہے“ (فاطر - ۱۸)۔ اور دوسری آیات سب یہ بتاتی ہیں موجودات کے تکامل کا یہ راستہ خداوند متعال کی طرف جاتا ہے۔ لیکن یہاں تمام انسان دو گروہوں میں تقسیم ہو جاتے ہیں جیسا کہ فرماتا ہے:

”لیکن یہ شخص جس کا نام اعمال اس کے دائیں ہاتھ میں دیا گیا، عنقریب اس کا آسان حساب کتاب ہوگا“ (فاما من اوتی کتابہ بيمينه فسوف يحاسب حساباً يسيراً)۔ اور وہ سرور ہو کر اپنے اہل خانہ کی طرف پلٹ جائے گا (وینقلب الی اہلہ مسروراً)۔ یہ ایسے لوگ ہیں جو آفرینش کے مدارِ اصلی میں، وہی مدار جو خدا نے اس انسان کے لیے اس کے مربایوں، طاقتوں اور توانائیوں کے لیے معین کیا ہے، حرکت کرتے ہیں اور ان کی سعی و کوشش ہمیشہ خدا کے لیے ہے اور ان کی حرکت خدا کی طرف ہے۔

دہاں ان کا نامہ اعمال ان کے دائیں ہاتھ میں دیں گے۔ ان کے اعمال کی پاکیزگی، ایمان کی صحت اور قیامت میں نجات کی علامت ہے اور اہل عشر کے مقابلہ میں سرفرازی و سربلندی کا سبب ہے۔

جس وقت میزانِ عدل کے نیچے کھڑے ہوں گے، وہ میزان جو کم سے کم میزان کو تولتی ہے، تو خدا ان کا حساب کتاب آسان کر دے گا، ان کی لغزشوں سے درگزر کرے گا اور ایمان و عمل صالح کی وجہ سے ان کی سیتات کو حسنت میں تبدیل کر دے گا۔

یہ کہ حساب یسیر سے کیا مراد ہے بعض مفسرین نے کہا ہے کہ اس سے مراد سہل و آسان حساب ہے جس میں سخت گیری و دقت نہ ہو، برائیوں سے درگزر اور حسنت کا اجر ہو۔

ایک حدیث میں پیغمبر اسلام سے منقول ہے: (ثلاث من کن فیہ حاسبہ اللہ حساباً یسیراً و ادخلہ الجنۃ برحمۃ قالوا ما ہی یا رسول اللہ؟ قال تعطى من حرمک و تصل من قطعک و تعفو عن ظلمک) تین چیزیں جس شخص میں موجود ہوں خدا اس کے حساب کو آسان کر دے گا اور اس کو اپنی رحمت سے جنت میں داخل کرے گا۔ لوگوں نے عرض کیا یا رسول اللہ وہ کونسی چیزیں ہیں؟ آپ نے فرمایا تو اس کو عطا کرے جو تجھے عطا کرے، اس سے صلہ رحم کرے جو تجھ سے قطع رحم کرے اور اس کو معاف کرے جو تجھ پر ظلم کرے۔

یہ مضمون روایات سے بھی ظاہر ہوتا ہے کہ قیامت میں حساب و کتاب میں دقت و سخت گیری انسانوں کی عقل و دانش کی میزان سے تعلق رکھتی ہے جیسا کہ امام محمد باقرؑ ارشاد فرماتے ہیں (انما یداق اللہ العباد فی الحساب یوم القیامۃ علی ما اقامہم من العقول فی الدنیا) خدا قیامت میں بندوں کے حساب کتاب میں اس عقل کی مقدار کے مطابق جو دنیا میں بندہ کو دی گئی ہے، سخت گیری کرے گا۔

لفظ اہل کے لیے مندرجہ بالا آیات میں مختلف تفسیریں بیان ہوئی ہیں بعض مفسرین نے کہا ہے کہ اس سے مراد اس کی بیوی اور ایمان دار اولاد ہے۔ مومنین جنت میں ان کے پاس پہنچیں گے اور یہ خود ایک بہت بڑی نعمت ہے کہ انسان جن سے محبت رکھتا ہے انہیں جنت میں دیکھے اور ان سے قریب رہے۔

بعض دوسرے مفسرین نے اہل کو جنت کی حوروں کے معنی میں لیا ہے جو مومنین کے لیے معین

ہوتی ہیں بعض نے اسے صاحبانِ ایمان افراد کے معنی میں لیا ہے جن سے وہ دنیا میں محبت کرتا تھا۔
ان تمام معانی کے درمیان جمع بھی ممکن ہے۔

چند نکات

۱۔ ایک ایسی حدیث جس میں اعجاز ہے

ایک حدیث میں اذا السماء انشقت کی تفسیر کے سلسلے میں حضرت علیؑ سے منقول ہے کہ آپ نے فرمایا (انها تنشق من المجرة) (ستارے) ککشادوں سے الگ ہو جائیں گے بلکہ یہ حدیث پر معنی اور قابلِ وقعت ہے اور علمی معجزات میں شمار ہوتی ہے اور ایسی حقیقت پر سے پردہ اٹھاتی ہے کہ اس زمانہ کے ماہرینِ علماء میں سے کوئی اس تک نہیں پہنچا تھا۔ وہ یہ کہ موجودہ زمانے کے ماہرینِ فلکیات نے اپنے نجوم سے متعلق مشاہدات اور دوربینوں کے ذریعہ ثابت کیا ہے کہ عالم ککشادوں کا مجموعہ ہے اور ہر ککشائیں شمسی نظاموں اور ستاروں کا مجموعہ ہے اسی بنا پر انہیں ستاروں کے شہر کا نام دیتے ہیں۔

ککشائیں مشہور شہر کا راستہ ہے جو آکھ سے نظر آسکتا ہے اور نظامِ ہائے شمسی اور ستاروں کے عظیم مجموعہ اور دائرہ کی مانند ہے۔ اس کی ایک سمت ہم سے اس قدر دور ہے کہ اس کے ستارے ہم کو سفید بادل کی شکل میں نظر آتے ہیں لیکن وہ درحقیقت ایک دوسرے سے نزدیک نورانی نقطوں کا مجموعہ ہیں۔ وہ سمت جو ہم سے نزدیک ہے اس کے ستارے قابلِ رویت ہیں۔ یہ وہی ستارے ہیں جو رات کے وقت ہم آسمان پر دیکھتے ہیں اور اس طرح ہمارا نظامِ شمسی سوائے اس ککشائیں کے اور کچھ نہیں ہے۔

مندرجہ بالا روایت کے مطابق حضرت علیؑ فرماتے ہیں کہ قیامت کے برپا ہونے کے وقت یہ ستارے جنہیں تم دیکھتے ہو ککشائیں سے جدا ہو جائیں گے اور سب کا نظام درہم درہم ہو جائے گا۔ اس زمانے میں کون جانتا تھا کہ یہ ستارے جنہیں ہم دیکھ رہے ہیں واقعی اس ککشائیں کا جز ہیں سوائے اس شخص کے جس کا دل عالمِ غیب سے مربوط ہو اور علمِ خدا کے سرچشمے سے سیراب ہوا ہو۔

۲۔ دنیا رنج و تکلیف اور دکھ درد کا گھر ہے

”کادح“ کی تعبیر جو مندرجہ بالا آیت میں آئی ہے اور اس سعی و کوشش کی طرف اشارہ ہے جس

”باقی رہا وہ شخص جس کا نامہ اعمال اس کی پشت کی طرف سے دیا جائے گا“ (روا ما من ادق کتابہ وراء ظہرہ)۔ عنقریب وہ فریاد کرے گا کہ واسے ہو مجھ پر کہ میں ہلاک ہو گیا (فسوف یدعوا شورا)۔ ”اور آگ کے جلانے والے شعلوں میں جلے گا“ (و یصلی سعیرا)۔

یہ کہ ان کے نامہ اعمال کس طرح ان کے پس پشت سے دیں گے اور کس طرح یہ آیت اور وہ آیات جو کہتی ہیں کہ ان کے بائیں ہاتھ میں دیں گے، ایک جگہ جمع ہوں گی اس سلسلہ میں مفسرین نے مختلف تفسیریں کی ہیں بعض نے کہا ہے کہ ان کے دائیں ہاتھ گردن کے ساتھ زنجیر سے بندھے ہوں گے اور ان کے نامہ نامے اعمال بائیں ہاتھ اور پشت کے پیچھے سے ملیں گے جو ذلت و خواری سر نیچے رکھنے اور شرمساری کی علامت ہے۔

بعض دوسرے مفسرین نے کہا ہے کہ ان کے دونوں ہاتھ قیدوں کی طرح پیچھے باندھ دیئے جائیں گے بعض دوسروں نے کہا ہے کہ سورہ نسا کی آیت، ہم کی طرف توجہ کرتے ہوئے جو کہتی ہے: (من قبل ان نطمس وجوهاً فنر دھا علی اذبارھا)۔ ”اس سے پہلے کہ ہم چہروں کو مٹا دیں اور پشت کی طرف پھیر دیں“ اس طرح گردہ مجرین کے منہ محتب کی جانب مڑ جائیں گے اور ضروری ہے کہ وہ اپنے نامہ نامے اعمال خود پڑھیں۔ لہذا وہ ان کے بائیں ہاتھ میں پشت کی جانب انہیں دیں گے۔

لیکن زیادہ مناسب یہ ہے کہ کہا جائے کہ اصحاب الیمین سرفرازی اور فخر و مباہلات کے ساتھ اپنا نامہ اعمال دائیں ہاتھ میں لیے ہوئے پکار کر کہیں گے (ھاؤم اقروا واکتابہ) ”اے اہل محشر آؤ اؤ میرا نامہ اعمال لے کر پڑھو“ (حاقہ - ۱۹)۔ لیکن جب گنگاروں کو ان کا نامہ اعمال ان کے بائیں ہاتھ میں دیں گے تو وہ شرمساری اور ذلت سے اپنا ہاتھ پشت کے پیچھے کر لیں گے تاکہ جرم کی سند کم تر دیکھی جاتے۔

لیکن فائدہ کچھ نہیں ہوگا اس لیے کہ وہاں کوئی چیز پوشیدہ رہنے والی نہیں ہے (یدعوا شورا)، اس تعبیر کی طرف اشارہ ہے جو عرب کسی خطرناک حادثہ کے موقع پر کرتے ہیں اور فریاد بلند کرتے ہیں (واشورا)، یعنی اے واسے کہ میں ہلاک ہو گیا۔

توجہ فرمائیں کہ ”شور“ ہلاکت کے معنی میں ہے۔ لیکن یہ آہ و نالہ و فریاد کسی کے کان تک نہیں پہنچے گی۔ اس کے بعد (و یصلی سعیرا) ہے یعنی وہ جسم کی جلانے والی آگ میں داخل ہوگا اس کے بعد اس منجوس سر نوشت کی علت کو بیان کرتے ہوئے فرماتا ہے:

”یہ اس بنا پر ہے کہ وہ اپنے گھر والوں میں ہمیشہ اپنے (کفر و گناہ کی وجہ سے) خوش رہتا تھا (انہ کان فی اہلہ مسرورا)، ایسا مرد جس میں غرور کی آمیزش تھی اور ایسا غرور جو غفلت اور خدا سے بے خبری کو اپنے ساتھ لیے ہوئے تھا، ایسا غرور جو دنیا کے ساتھ شدید وابستگی اور موت کے

ہوتی ہیں بعض نے اسے صاحبانِ ایمان افراد کے معنی میں لیا ہے جن سے وہ دنیا میں محبت کرتا تھا۔
ان تمام معانی کے درمیان جمع بھی ممکن ہے۔

چند نکات

۱۔ ایک ایسی حدیث جس میں اعجاز ہے

ایک حدیث میں اذا السماء انشقت کی تفسیر کے سلسلے میں حضرت علیؑ سے منقول ہے کہ آپ نے فرمایا (انها تنشق من المجررة) (ستارے) کمکشاول سے الگ ہو جائیں گے بلکہ یہ حدیث پر معنی اور قابلِ وقعت ہے اور علیؑ معجزات میں شمار ہوتی ہے اور ایسی حقیقت پر سے پردہ اٹھاتی ہے کہ اس زمانہ کے ماہرین و علماء میں سے کوئی اس تک نہیں پہنچا تھا۔ وہ یہ کہ موجودہ زمانے کے ماہرینِ فلکیات نے اپنے نجوم سے متعلق مشاہدات اور دوربینوں کے ذریعہ ثابت کیا ہے کہ عالم کمکشاول کا مجموعہ ہے اور ہر کمکشال شمسی نظاموں اور ستاروں کا مجموعہ ہے اسی بنا پر انہیں ستاروں کے شہر کا نام دیتے ہیں۔

کمکشال مشہور شہر کا راستہ ہے جو آنکھ سے نظر آ سکتا ہے اور نظامِ ہائے شمسی اور ستاروں کے عظیم مجموعہ اور دائرہ کی مانند ہے۔ اس کی ایک سمت ہم سے اس قدر دور ہے کہ اس کے ستارے ہم کو سفید بادل کی شکل میں نظر آتے ہیں لیکن وہ درحقیقت ایک دوسرے سے نزدیک نورانی نقطوں کا مجموعہ ہیں۔ وہ سمت جو ہم سے نزدیک ہے اس کے ستارے قابلِ رویت ہیں۔ یہ وہی ستارے ہیں جو رات کے وقت ہم آسمان پر دیکھتے ہیں اور اس طرح ہمارا نظامِ شمسی سوائے اس کمکشال کے اور کچھ نہیں ہے۔

مندرجہ بالا روایت کے مطابق حضرت علیؑ فرماتے ہیں کہ قیامت کے برپا ہونے کے وقت یہ ستارے جنہیں تم دیکھتے ہو کمکشال سے جدا ہو جائیں گے اور سب کا نظام درہم برہم ہو جائے گا۔
اس زمانے میں کون جانتا تھا کہ یہ ستارے جنہیں ہم دیکھ رہے ہیں واقعی اس کمکشال کا جز ہیں سوائے اس شخص کے جس کا دل عالمِ غیب سے مربوط ہو اور علمِ خدا کے سرچشمے سے سیراب ہوا ہو۔

۲۔ دنیا رنج و تکلیف اور دکھ درد کا گھر ہے

”کادح“ کی تعبیر جو مندرجہ بالا آیت میں آتی ہے اور اس سہی و کوشش کی طرف اشارہ ہے جس

میں رنج و زحمت کی آمیزش ہو، اس طرف توجہ رکھتے ہوئے کہ اس کے مخاطب تمام انسان ہیں، اس واقعیت کو پیش کرتی ہے کہ اس جہان کی زندگی کی طبیعت کسی مرحلہ میں بھی مشکلات، تکالیف اور رنج و مشقت سے خالی نہیں ہے۔

چاہے یہ مشکلات و تکالیف جسمانی ہوں چاہے روحانی اور فکری یا دونوں کسی فرد کو اس سے مفر نہیں ہے حضرت علی ابن الحسین کی ایک بہت ہی پُر معنی حدیث ہے: (الراحت لخلق في الدنيا ولا لاهل الدنيا انما خلقت الراحة في الجنة ولا لاهل الجنة والتعب والنصب خلقا في الدنيا ولا لاهل الدنيا وما اعطى احد منها جفنة الا اعطى من الخرص مثليها ومن اصاب من الدنيا اكثر كان فيها اشد فقرا لانه يفتقر الى الناس في حفظ امواله وفتقر الى كل آلة من آلات الدنيا فليس في غنى الدنيا الراحة) راحت و آرام دنیا میں اہل دنیا کے لیے نہیں ہے راحت و آسائش صرف جنت میں ہے اور اہل جنت کے لیے ہے۔ رنج و تعب دنیا میں ہیں اور اہل دنیا کے لیے پیدا کیے گئے ہیں۔ اسی وجہ سے جو ایک پیمانہ اس میں سے حاصل کر لیتا ہے تو دگنا لالچ اس کے نصیب میں شامل ہو جاتا ہے اور جس کے پاس مال دنیا کافی ہے وہ زیادہ فقیر ہے کیونکہ وہ اپنے مال کی حفاظت کے سلسلہ میں دوسروں کا محتاج ہے اور زیادہ وسائل حفاظت کا محتاج ہے لہذا دنیا کے مال و دولت میں کوئی راحت و آرام نہیں ہے۔

اس کے بعد امام نے اس حدیث کے ذیل میں فرمایا: (كلا ما تعب اولياء الله في الدنيا للدنيا بل تعبوا في الدنيا للآخرة) اولیائے خدا دنیا میں دنیا کی خاطر رنج و تعب میں نہیں مبتلا ہوتے بلکہ دنیا میں ان کا رنج و تعب آخرت کے لیے ہے۔

۱۰. وَأَمَّا مَنْ أُوْتِيَ كِتَابَهُ وَرَاءَ ظَهْرِهِ ۝
 ۱۱. فَسَوْفَ يَدْعُوا ثُبُورًا ۝
 ۱۲. وَيَصْلَىٰ سَعِيرًا ۝
 ۱۳. إِنَّهُ كَانَ فِي أَهْلِهِ مَسْرُورًا ۝
 ۱۴. إِنَّهُ ظَنَّ أَنْ لَنْ يَحُورَ ۝
 ۱۵. بَلَىٰ إِنَّ رَبَّهُ كَانَ بِهِ بَصِيرًا ۝

ترجمہ

۱۰. اور رہا وہ شخص جس کو اس کا نامہ اعمال اس کے پیچھے کی طرف سے دیا گیا۔
 ۱۱. تو عنقریب اس کی فریاد بلند ہوگی کہ دلتے ہو مجھ پر میں ہلاک ہو گیا۔
 ۱۲. اور وہ جہنم کی آگ کے جلانے والے شعلوں میں جلے گا۔
 ۱۳. وہ اپنے گھر والوں کے درمیان (کفر و گناہ کے سبب) مسرور تھا۔
 ۱۴. وہ گمان کرتا تھا کہ کبھی پلٹ کر نہیں آئے گا۔
 ۱۵. جی ہاں! اس کا پروردگار اس کے مقابلہ میں بینا تھا۔

تفسیر

وہ جو شرم و حیا کے باعث اپنا نامہ اعمال پشت کی طرف سے لیں گے

اس بحث کے بعد جو گزشتہ آیات میں اصحاب الیمین (وہ مومنین جن کا نامہ اعمال ان کے دائیں ہاتھ میں دیا جائے گا) کے بارے میں گزر چکی ہے ان آیات میں کفار مجرمن اور ان کے نامہ اعمال کی کیفیت کے بارے میں گفتگو کرتے ہوئے فرماتا ہے:

”باقی رہا وہ شخص جس کا نام اعمال اس کی پشت کی طرف سے دیا جائے گا“ (واہامن اوقی کتابہ وراء ظہرہ)۔ عنقریب وہ فریاد کرے گا کہ واٹے ہو مجھ پر کہ میں ہلاک ہو گیا (فسوف یدعوا ثبورا)۔ ”اور آگ کے جلانے والے شعلوں میں جلے گا“ (ویصلی سعیرا)۔

یہ کہ ان کے نامہ اعمال کس طرح ان کے پس پشت سے دیں گے اور کس طرح یہ آیت اور وہ آیات جو کہتی ہیں کہ ان کے بائیں ہاتھ میں دیں گے، ایک جگہ جمع ہوں گی، اس سلسلہ میں مفسرین نے مختلف تفسیریں کی ہیں۔ بعض نے کہا ہے کہ ان کے دائیں ہاتھ گردن کے ساتھ زنجیر سے بندھے ہوں گے اور ان کے نامہ ہائے اعمال بائیں ہاتھ اور پشت کے پیچھے سے ٹیس گے جو ذلت و خواری سر نیچے رکھنے اور شرمساری کی علامت ہے۔

بعض دوسرے مفسرین نے کہا ہے کہ ان کے دونوں ہاتھ قیدیوں کی طرح پیچھے باندھ دیئے جائیں گے۔ بعض دوسروں نے کہا ہے کہ سورہ نسا کی آیت ۷۴م کی طرف توجہ کرتے ہوئے جو کہتی ہے: (من قبل ان نطمس وجوهنا فندھا علی اذہارھا)۔ ”اس سے پہلے کہ ہم چہروں کو مٹا دیں اور پشت کی طرف پھیر دیں“ اس طرح گردہ مجرمن کے منہ عقب کی جانب مڑ جائیں گے اور ضروری ہے کہ وہ اپنے نامہ ہائے اعمال خود پڑھیں۔ لہذا وہ ان کے بائیں ہاتھ میں پشت کی جانب انہیں دیں گے۔

لیکن زیادہ مناسب یہ ہے کہ کہا جائے کہ اصحاب الیمین سرفرازی اور فخر و مباہات کے ساتھ اپنا نامہ اعمال دائیں ہاتھ میں لیے ہوئے پکار کر کہیں گے (ھاؤم اقروا و کتابہ) ”اے اہل محشر آؤ اور میرا نامہ اعمال لے کر پڑھو“ (حادثہ ۱۹)۔ لیکن جب گنہگاروں کو ان کا نامہ اعمال ان کے بائیں ہاتھ میں دیں گے تو وہ شرمساری اور ذلت سے اپنا ہاتھ پشت کے پیچھے کر لیں گے تاکہ جرم کی سند کم تر دیکھی جائے۔

لیکن فائدہ کچھ نہیں ہوگا اس لیے کہ وہاں کوئی چیز پوشیدہ رہنے والی نہیں ہے۔ (یدعوا ثبورا)، اس تعبیر کی طرف اشارہ ہے جو عرب کسی خطرناک حادثہ کے موقع پر کرتے ہیں اور فریاد بلند کرتے ہیں (واثبورا)، یعنی اے واٹے کہ میں ہلاک ہو گیا۔

توجہ فرمائیں کہ ”ثبور“ ہلاکت کے معنی میں ہے۔ لیکن یہ آہ و نالہ و فریاد کسی کے کان تک نہیں پہنچے گی۔ اس کے بعد (ویصلی سعیرا) ہے یعنی وہ جہنم کی جلانے والی آگ میں داخل ہوگا۔ اس کے بعد اس منحوس سرفروشت کی علت کو بیان کرتے ہوئے فرماتا ہے:

”یہ اس بنا پر ہے کہ وہ اپنے گھر والوں میں ہمیشہ اپنے (کفر و گناہ کی وجہ سے) خوش رہتا تھا (انہ کان فی اہلہ مسرورا)، ایسا سرد جس میں غرور کی آمیزش تھی اور ایسا غرور جو غفلت اور خدا سے بے خبری کو اپنے ساتھ لیے ہوئے تھا، ایسا غرور جو دنیا کے ساتھ شدید وابستگی اور موت کے

بعد والے جہان سے بے پرداہی کی نشانی تھا۔

واضح رہے کہ ذاتی طور پر سرور و خوش حالی مذموم چیز نہیں ہے بلکہ مومن کو چاہیے کہ لطفِ خدا سے سرور ہو اور رہنے سمنے کے انداز میں ہمتاں ہمتاں ہو۔ وہ سرور و خوشی مذموم ہے جو انسان کو یادِ خدا سے غافل کر دے اور خواہشات کا اسیر بنا کر رکھ دے۔

اس لیے بعد والی آیت میں مزید کہتا ہے: ”یہ اس بنا پر ہے کہ وہ گمان کرتا تھا کہ کبھی واپس نہیں لوٹے گا اور معاد و قیامت کا کوئی امکان نہیں ہے“ (انہ ظن ان لن یحور) حقیقت میں اس کی بد بختی کا سبب اصل اس کا اعتقادِ فاسد اور گمانِ باطل تھا جس کا دار و مدار انکارِ قیامت پر تھا۔ یہی اعتقاد اس کے غرور و سرور کا باعث ہوا۔ اس نے اس کو خدا سے دور کیا اور خواہشات کا اسیر بنا کر رکھ دیا۔ یہاں تک کہ وہ انبیاء کی دعوتِ فکر کا مذاق اڑاتا اور جب اپنے گھر والوں کے پاس آتا تو اس مذاق سے خوش ہوتا۔

یہی مفہوم سورہ مطففین کی آیت ۳۱ (واذا انقلبوا الی اہلہم انقلبوا فکھین) میں بھی آیا ہے۔ اسی طرح قارون، اس مغرور دولت مند اور خدا سے بے خبر انسان کی داستان میں بیان ہوا ہے کہ بنی اسرائیل میں سے باخبر افراد اس سے کہتے تھے (لا تفرح بک) (لا یحب الفرحین) اس قدر متکبرانہ طور پر خوش نہ ہو کیونکہ خدا خوش ہونے والے مغروروں کو دوست نہیں رکھتا (قصص ۷۶) ”لن یحور“ کبھی واپس نہیں لوٹے گا“ ”یحور“ ”حور“ (بروزن غور) کے مادہ سے تردد اور آمد و رفت کے معنی میں ہے، خواہ یہ آمد و رفت عمل میں ہو یا فکر و نظر میں۔ اسی لیے پانی کے حوض اور تالاب میں گردش کرنے کے سلسلہ میں اس لفظ کا اطلاق ہوتا ہے اور محوِ اس لمحہ کو سمجھتے ہیں جس کے گرد چرخ گھومتا ہے۔ محاورہ بحث کی آمد و رفت اور رد و بدل کے معنی سے ہے اور ”حوار“ بھی انہی معانی میں ہے اور کبھی اس داد کے معنی میں بھی آتا ہے جو بحث کے دوران بلند ہوتی ہے اور تحیر بھی کسی مسئلہ میں فکر کی آمد و رفت کا نتیجہ ہے جس کا لازمہ عمل میں سرگردانی ہے۔

بعض مفسرین کا نظریہ ہے کہ اس لفظ کی اصل حبشی ہے۔ اور ابن عباس سے نقل ہوا ہے کہ میں قرآن کے اس جملے کے معنی نہیں جانتا تھا۔ یہاں تک کہ ایک بیابانی عرب سے میں نے سنا کہ وہ اپنی لڑکی سے کہہ رہا تھا ”حوری“ یعنی واپس آ جا۔

حواری کی تعبیر حضرت عیسیٰؑ کے نزدیک رہنے والوں کے بارے میں ہے، یا ہر شخص کے قریب بیٹھنے والوں کے متعلق بھی شاید اسی مناسب سے ہے کہ وہ اس کے پاس آمد و رفت رکھتے ہیں۔ بعض نے

اسے "حور" کے مادہ سے دھونے اور سفید کرنے کے معنی میں سمجھا ہے کیونکہ وہ لوگوں کے دلوں کو شرک و گناہ کے زنگ سے پاک و صاف کرتے تھے اور جنت کی حوروں کو اسی لیے یہ نام دیا گیا ہے کہ ان رنگ سفید ہے، یا ان کی آنکھوں کی سفیدی بہت زیادہ ہے۔

بعض مفسرین نے یہ بھی کہا ہے کہ یہ لفظ جنت کی حوروں کے لیے اس لیے بولا جاتا ہے کہ وہ اس قدر خوبصورت ہیں کہ آنکھ انہیں دیکھ کر حیران رہ جاتی ہے۔ لیکن ہر حال یہ لفظ زیر بحث آیت میں بازگشت اور معاد کے معنی میں ہے۔

یہ آیت ضمنی طور پر یہ بھی بتاتی ہے کہ قیامت پر ایمان نہ رکھنا، غفلت، غرور اور انواع و اقسام کے گناہوں میں آلودہ ہونے کا سرچشمہ ہے اور آخری زیر بحث آیت میں ان کے باطل عقائد کی نفی میں فرماتا ہے :

"جی ہاں! اس کا پروردگار اس کے بارے میں بیٹھا تھا (بلی ان ربہ کان بہ بصیر)۔ اس کے تمام اعمال کو لکھ دیا اور روزِ حساب کے لیے ایک نامہ اعمال میں انہیں محفوظ کیا۔ اس آیت کی تعبیر گزشتہ آیت (یا ایہا الانسان انک کادح الی ربک کدحاً فملاقیہ) کی مانند عقیدہ و معاویہ پر دلیل و حجت شمار ہو سکتی ہے۔

خصوصاً دونوں آیات میں رب یعنی پروردگار کے عنوان پر انحصار ہوا ہے، اس لیے کہ انسان کی سیرا و تقاریر پروردگار تک پہنچنے کا عمل موت کے آنے پر منقطع نہیں ہوتا اور دنیاوی زندگی ہرگز اس قابل نہیں ہے کہ خود مقصود تکمیل ہو نیز انسان کے اعمال کے بارے میں خدا کا بصیر ہونا اور ان اعمال کو تحریر کیا جانا حساب و سزا و جزا کی تمہید ہی بن سکتا ہے ورنہ فضول ہے۔

- ۱۶ فَلَا أُقْسِمُ بِالشَّفَقِ ۝
۱۷ وَالَّيْلِ وَمَا وَسَقَ ۝
۱۸ وَالْقَمَرِ إِذَا اتَّسَقَ ۝
۱۹ لَتَرْكَبُنَّ طَبَقًا عَنْ طَبَقٍ ۝
۲۰ فَمَا لَهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ ۝
۲۱ وَإِذَا قُرِئَ عَلَيْهِمُ الْقُرْآنُ لَا يَسْجُدُونَ ۝
۲۲ بَلِ الَّذِينَ كَفَرُوا يَكْذِبُونَ ۝
۲۳ وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِمَا يُوعُونَ ۝
۲۴ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ أَلِيمٍ ۝
۲۵ إِلَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَهُمْ أَجْرٌ غَيْرُ مَمْنُونٍ ۝

ترجمہ

- ۱۶ شفق کی قسم۔
۱۷ اور رات کی قسم اور جسے وہ جمع کرتی ہے۔
۱۸ اور قسم ہے چاند کی جبکہ وہ بدرِ کامل ہوتا ہے۔
۱۹ تم سب ہمیشہ ایک حالت سے دوسری حالت کی طرف منتقل ہوتے ہو۔
۲۰ پس وہ کیوں ایمان نہیں لاتے؟
۲۱ اور جب قرآن ان کے سامنے پڑھا جائے تو سجدہ نہیں کرتے۔

- ۲۲) بلکہ کفار ہمیشہ آیات الہی کی تکفیر کرتے ہیں۔
- ۲۳) خدا اس چیز کو جسے وہ دل میں چھپائے رکھتے ہیں اچھی طرح جانتا ہے۔
- ۲۴) پس انہیں دردناک عذاب کی بشارت دے۔
- ۲۵) مگر وہ لوگ جو ایمان لاتے ہیں اور انہوں نے اعمال صالح انجام دیے ہیں تو ان کے لیے ختم نہ ہونے والا اجر ہے۔

تفسیر

تم ہمیشہ دگرگوں ہوتے رہتے ہو

اس بحث کے بعد جو گزشتہ آیات میں خدا کی طرف سے انسان کی سیر نکال کے بارے میں آئی تھی ان آیات میں اس مضمون کی تاکید اور مزید توضیح کے لیے فرماتا ہے:

”قسم ہے شفق کی“ (فلا اقسم بالشفق)۔ اور قسم ہے ان پر آگندہ امور کی جنہیں وہ اکٹھا کرتی ہے (واللیل وما وسق)۔ اور قسم ہے چاند کی جبکہ وہ کامل ہوتا ہے اور چودھویں کے چاند کی صورت اختیار کر لیتا ہے (والقمر اذا اتسق)، کہ تم سب ہمیشہ ایک حالت سے دوسری حالت کی طرف منتقل ہوتے ہو (لترکبن طبقاً عن طبق)۔

فلا اقسم کے جملے میں لا کا لفظ، جیسا کہ پہلے بھی ہم نے اشارہ کیا ہے، زائد ہے اور تاکید کچھ لے ہے۔ اگرچہ بعض کا خیال ہے کہ نفی کے لیے ہو، یعنی میں قسم نہیں کھاتا اس بنا پر کہ مفہوم عیاں ہے، قسم کی ضرورت نہیں ہے، یا یہ کہ مطلب اس قدر اہم ہے کہ ان قسموں کی ضرورت نہیں ہے یا یہ کہ یہ امور جن کی قسم کھائی گئی ہے اس قدر اہمیت رکھتے ہیں کہ وہ اس لائق نہیں ہیں کہ ان کی قسم کھائی جائے لیکن پہلے معنی (زائد اور تاکید کے لیے ہونا) زیادہ مناسب ہیں۔

”شفق“ مفردات میں راعب کے بقول دن کی روشنی کا رات کی تاریکی سے آمیختہ ہونا ہے اس لیے لفظ اشفاق اس توجہ اور عنایت کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے جس میں خوف کا عنصر پایا جاتا ہو۔ مثلاً اگر کوئی فرد کسی شخص کے لیے محبت کے جذبات رکھتا ہو اور اس کے بارے میں کچھ حوادث سے ڈرتا ہو تو اس حالت کو اشفاق اور ایسے شخص کو مشفق کہتے ہیں۔

لیکن غرازی کا نظریہ ہے کہ شفق کا لفظ اصل میں رقت اور نازک ہونے کے معنی میں ہے۔ رقت

کے معنی پتلا ہونا ہے اسی لیے بہت ہی نازک اور پتلے لباس کو شفق کہتے ہیں اور شفقت کا لفظ رقت قلب کی حالت کے لیے بولا جاتا ہے (لیکن رغب کا قول زیادہ صحیح نظر آتا ہے)۔

بہر حال شفق سے مراد وہی روشنی ہے جو آغاز شب کی تاریکی کی آمیزش رکھتی ہو اور چونکہ ابتدائے شب میں ایک کم رنگ کی سرخی افق مغرب پر پیدا ہوتی ہے اور پھر اس کی جگہ سفیدی لے لیتی ہے تو اس میں اختلاف ہے کہ شفق کا اطلاق اس سرخی پر ہے یا سفیدی پر۔

علماء مفسرین کے درمیان مشہور و معروف وہ پہلے ہی معنی ہیں اور اشعار عرب میں بھی اسی پر انحصار کیا گیا ہے اور شفق کو شیدوں کے خون سے تشبیہ دیتے ہیں اور (دماء الشہداء) کہتے ہیں۔

لیکن بعض مفسرین نے دوسرے معنی کو منتخب کیا ہے جو بہت ضعیف نظر آتے ہیں خصوصاً یہ کہ اگر اس کی لغوی اصل کے معنی ہم رقت سمجھیں تو پھر اس کم رنگ کی سرخی سے مناسبت رکھتے ہیں جو سورج کی رقیق اور پتلی روشنی اور نور ہے۔

بہر حال چونکہ شفق کا ظہور دنیا میں ایک گہری تبدیلی اور دگرگونی کی حالت کی خبر دیتا ہے اور دن کے اختتام اور رات کے آغاز کا اعلان کرتا ہے، اس کے علاوہ اس میں ایک خاص قسم کا جلوہ زیبائی اور خوبصورتی ہے، اور ان سب سے قطع نظر نماز مغرب کا وقت ہے لہذا خدا نے نماز مغرب کے وقت کی قسم کھائی ہے تاکہ سب لوگوں کو خبردار اور آمادہ کرے کہ وہ اس خوبصورت آسمانی وجود کے بالے میں غور و فکر کریں۔

باقی رات کی قسم کھانا تو وہ ان بہت سے آثار و اسرار کی بنا پر ہے جو اس میں پوشیدہ ہوتے ہیں۔ اس پر ہم پہلے مفصل گفتگو کر چکے ہیں۔

”ما وستی“ کی تعبیر اس طرف توجہ کرتے ہوئے کہ ”دستی“ بھری ہوئی چیزوں کے جمع کرنے کے معنی میں ہے، اور مختلف قسم کے جانوروں، پرندوں، یہاں تک کہ انسانوں کے اپنے گھروں، آشیانوں اور گھونسلوں کی طرف رات کے وقت لوٹنے کی طرف اشارہ ہے جس کا نتیجہ جانوروں کا عمومی آرام و سکون اور آسائش ہے اور یہ رات کے اہم آثار و اسرار میں سے ایک شمار ہوتا ہے جیسا کہ سورہ مؤمن کی

۱۔ تفسیر نمونہ، جلد ۹ ص ۱۴۳ سورہ قصص کی آیت ۷۱ تا ۷۳ سے رجوع فرمائیں۔

۲۔ ”ما وستی“ میں ما موصولہ ہے اور اس کے مصدر یہ ہونے کا احتمال ضعیف ہے اور اس کی طرف لوٹنے والی ضمیر بھی محذوف ہے اور تقدیر میں ”و ما وستی“ ہے۔

۳۔ ”دستی“ (بروزن مضرب) اونٹ کے ایک بار یا ساٹھ صاع جس کا ہر صاع تقریباً تین کلو ہے کے معنی میں آیا ہے اور وہ بھی ان سب کے مجتمع ہونے کے معنی میں ہے۔

آیت ۶۱ میں ہم پڑھتے ہیں (اللہ الذی جعل لکواللیل لتسکنا فیہ)، خدا وہ ہے جس نے رات کو تھارے لیے خلق کیا ہے تاکہ تم اس میں آرام و سکون حاصل کرو۔

اس سے واضح ہوتا ہے کہ اذا اقسق کی تعبیر اسی مادہ سے ہے اور مختلف وجودوں کے جمع ہونے کے معنی میں ہے اور یہاں چودھویں رات کے چاند کی روشنی کے کمال کے معنی میں ہے۔ ہم جانتے ہیں کہ چاند اس حالت میں بہت ہی خوبصورت لگتا ہے اور ہر دیکھنے والی آنکھ کو دل کش نظر آتا ہے۔ اس کا نور صفحہ زمین کو روشن کرتا ہے۔ اس کے ہلکے رنگ کی روشنی جو رات کے آرام و سکون کو خراب نہیں کرتی، رات کے مسافروں کو راستہ دکھاتی ہے اسی لیے وہ خدا کی عظیم آیات میں سے ایک آیت ہے۔ اسی بنا پر اس کی قسم کھائی گئی ہے۔

قابل توجہ بات یہ ہے کہ چاروں موضوعات جن کی ان آیات میں قسم کھائی گئی ہے (شفق، رات اور وہ موجودات جنہیں رات جمع کرتی ہے اور چودھویں رات کا چاند)۔

یہ سب ایسے ہیں جو ایک دوسرے سے مربوط ہیں اور ایک دوسرے کی تکمیل کرتے ہیں اور ایک ایسے خوبصورت مجموعہ کو تشکیل دیتے ہیں جو انسانی فکر میں تحریک پیدا کرتا ہے تاکہ وہ تخلیق کی عظیم قوت پر غور و فکر کرے اور ان تیز تبدیلیوں سے وقوع قیامت اور قدرت خدا کے بارے میں آشنائی حاصل کرے۔ قابل توجہ بات یہ ہے کہ مختلف امور کا یہ حصہ ایسے حالات اور تبدیلیوں کی طرف اشارہ ہے جو عالم آفرینش میں ایک دوسرے کے ساتھ رد و بدل ہوتی ہیں۔

سوج چہرہ پر نقاب ڈالتا ہے تو شفق ظاہر ہو جاتی ہے جو اس کے نور کا بقیہ ہے۔ انسان پرند، چرند بڑی تیزی سے اپنے ٹھکانوں اور آشیانوں کی طرف لوٹتے ہیں اور چاند بدرکامل کی شکل میں بلند ہوتا ہے۔

توجہ فرمائیں کہ چودھویں کا چاند رات کے اسی ابتدائی حصے میں طلوع ہوتا ہے اور ان قسموں کو "لترکین طبعا عن طبق" کے اس جملے کی تہید قرار دیتا ہے جو مختلف ایسے حالات کو بیان کرتا ہے جو انسان اپنی راہ حیات میں یکے بعد دیگرے پیدا کرتا ہے۔ اس جملے کے لیے مفسرین نے مختلف تعبیریں بیان کی ہیں جن میں ایک یہ بھی ہے۔

۱۔ مراد وہ گونا گوں حالات ہیں جو انسان خدا اور کمال مطلق کی جانب سفر کرنے کے پر مشقت راستے میں پیدا کرتا ہے۔ پہلے عالم دنیا ہے پھر عالم برزخ ہے اور پھر قیامت اور اس کے مختلف حالات ہیں۔ (توجہ فرمائیں کہ "طبق" "مطابقہ" کے مادہ سے ایک چیز کو دوسری چیز کے اوپر قرار دینے کے معنی میں ہے اور ان منزلوں کے معنی میں ہے جنہیں انسان اپنی سیر صعودی میں طے کرتا ہے)۔

۲۔ مراد وہ حالات ہیں جنہیں انسان کو نطفہ سے لے کر موت تک کے سفر میں سامنا کرنا ہوتا ہے۔

بعض محققین نے ایسی ۳۷ حالتیں شمار کی ہیں۔

۳۔ مراد وہ مختلف حالات و شدائد ہیں جن سے انسان دنیاوی زندگی میں صحت و بیماری، غم و اندوہ سرور و مسرت، بختی و آرام اور صلح و جنگ کی صورت میں دوچار ہوتا ہے۔

۴۔ مراد وہ مختلف حالات و شدائد ہیں جن سے انسان قیامت میں دوچار ہوگا یہاں تک کہ حساب سے فارغ ہو کر ہر شخص اپنے اعمال کے نتیجے میں دوزخ اور جنت کی طرف جاتے گا۔

۵۔ مراد وہ حالات ہیں جو گزشتہ قوموں کو پیش آئے یعنی وہی تلخ و شیریں حوادث اور انواع و اقسام کی تردیدیں اور مخالفین کے انکار اس امت میں بھی واقع ہوں گے۔ یہ مضامین ایک روایت میں امام جعفر صادق سے بھی نقل ہوئے ہیں۔

ان تفسیروں کا جمع ہونا بھی کوئی معنی نہیں رکھتا۔ ہو سکتا ہے کہ آیت ان تمام تبدیلیوں، تغیرات اور مراحل کی طرف اشارہ کر رہی ہو جنہیں انسان اپنی زندگی میں دیکھتا ہے۔ بعض مفسرین یہاں مخاطب خود پیغمبر کو سمجھتے ہیں اور آیت کو ان آسمانوں کی طرف اشارہ سمجھتے ہیں جن سے پیغمبر اسلام معراج کی شب گزرے ہیں۔

لیکن اس طرف توجہ کرتے ہوئے کہ اللہ تعالیٰ نے اس پر پیش ہے اور حج کے معنی دیتا ہے اس لیے یہ تفسیر مناسب ہے خصوصاً یہ کہ گزشتہ آیات میں بھی مخاطب کل انسان تھے۔ ہر حال ان حالات کا حدوث اور آدمی کا ایک حالت پر قیام نہ کرنا، ایک تو اس کے مخلوق ہونے اور محتاج خالق ہونے کی دلیل ہے اس لیے کہ ہر متغیر حادثہ ہے اور ہر حادثہ کو خالق کی ضرورت ہے، دوسرے اس جہان کے ناپائیدار ہونے کی دلیل ہے۔

تیسرے انسان کی پروردگار عالم کی طرف حرکت مستمر مسئلہ معاد و قیامت کی نشانی ہے جیسا کہ گزشتہ آیات میں آیا تھا ریا ایھا الانسان انک کادح الی ربک کمحاً فملاقیہ

اس کے بعد گزشتہ مباحث سے ایک نتیجہ کلی اخذ کرتے ہوئے فرماتا ہے: ”وہ ایمان کیوں نہیں لاتے“ (فما لہم لا یؤمنون) اس کے باوجود کہ حق کے دلائل واضح و آشکار ہیں، توحید و خدا شناسی کے بھی اور معاد و قیامت کے بھی۔

آیات آفاقی بھی جو رات دن کی خلقت اور چاند سورج، نور و ظلمت، طلوع و غروب، آفتاب و شفق، رات کی روشنی اور رات کی روشنی کے نکال میں چھپے ہوئے ہیں۔ اور آیات انفسی بھی۔ اس لمحے سے لے کر جب انسان کا لفظ رحم میں قرار پاتا ہے اور یکے بعد دیگرے مختلف مراحل طے کرتا ہے یہاں تک کہ عالم جنین میں اپنے اوج کمال کو پہنچتا ہے، اس کے بعد ولادت کے لمحے سے لے کر موت تک دوسرے مراحل طے کرتا ہے تو ان واضح نشانیوں کے باوجود نوع بشر ایمان کیوں نہیں لاتی۔

اس کے بعد کتاب تکوین سے کتاب حق کی طرف رخ کرتے ہوئے فرماتا ہے: ”جب ان کے سامنے قرآن پڑھا جاتا ہے تو یہ خضوع اختیار کیوں نہیں کرتے؟ (واذا قرئ علیہم القرآن لا یسجدون)۔“

قرآن جو آفتاب کے مانند اپنی دلیل آپ ہے، نورِ اعجاز اس کے مختلف پہلوؤں سے عیاں ہے، پھر اس کے مضامین و مشمولات یہ سب اس بات کی واضح دلیل ہیں کہ اسے وحی کے سرچشمہ سے پایا گیا ہے۔

قرآن کے بارے میں ہر غیر جانبدار یہ جانتا ہے کہ یہ ممکن ہی نہیں کہ قرآن کسی انسان کے دماغ کی تخلیق ہو۔ پھر انسان بھی ایسا جس نے کبھی کوئی سبق نہ پڑھا ہو اور ایک ایسے ماحول میں اس نے زندگی بسر کی ہو جو خرافات و ظلمات سے پُر ہو۔ یہاں سجدہ سے مراد خضوع تسلیم اور اطاعت ہے۔ اور وہ مشہور سجدہ جس میں پیشانی کو زمین پر رکھتے ہیں، اس مفہوم کلی کا ایک مصداق ہے۔ اور شاید اسی بنا پر بعض روایات میں آیا ہے کہ جب پیغمبرؐ نے ان آیات کی تلاوت فرمائی تو سجدہ کیا۔

ابنہ فقہائے اہلبیت کے مشہور فتوے کے مطابق یہ سجدہ قرآن کے مستحب سجدوں میں سے ہے اور اہل تسنن کے چاروں مذاہب اس آیت کی تلاوت کے وقت سجدہ کرنا واجب سمجھتے ہیں، ہوائے امام مالک کے جن کا نظریہ ہے کہ سورہ کے ختم ہونے کے بعد سجدہ کرنا چاہیے۔

بعد والی آیت میں مزید کہتا ہے: ”بلکہ کفار ہمیشہ آیات الہی اور معاد و قیامت کی تکذیب کرتے ہیں“ (بل الذین کفروا یکذبون)۔ یہاں فعل مضارع کا استعمال جو عام طور پر استمرار کے لیے ہوتا ہے، ان معانی کا گواہ ہے کہ وہ اپنی تکذیب پر مصر تھے اور یہ ایسا اصرار تھا جو محض ہٹ دھرمی اور عناد کی وجہ سے تھا ان کی تکذیب ایسی نہیں تھی کہ انہیں اس کے لیے دلیل نہیں مل سکی تھیں، بلکہ تعصب، اندھی تقلید، مادی منفعتوں کی حفاظت اور شیطانی خواہشات کی تسکین کے لیے تھی۔

اس کے بعد تہدید آمیز لہجے میں فرماتا ہے: ”خدا اسے اچھی طرح جانتا ہے جسے وہ اپنے دل کے اندر پنہاں رکھتے ہیں“ (واللہ اعلم بما یوعون)۔ خدا ان کی نیتوں، مقاصد اور ایسی ترغیبات سے جو مسلسل تکذیبوں کا سبب بنتی ہیں، باخبر ہے۔ وہ چاہے کتنی ہی پردہ پوشی کیوں نہ کریں، انجام کار انہیں

ان معانی کے شواہد میں سے گزشتہ اور آئندہ آیات کی شہادت کے علاوہ ایک یہ ہے کہ سجدہ جس کے معنی تلاوت قرآن کے وقت زمین پر پیشانی رکھنا ہے ہوائے جذبات کے نہ واجب ہے نہ مستحب اس لیے یہ جو کہہ رہا ہے کہ قرأت قرآن کے وقت وہ سجدہ کیوں نہیں کرتے اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ سجدہ سے مراد سارے قرآن کے سامنے سر تسلیم خم کرنا ہے۔

اس کی سزا ملے گی۔

”یوعون“ ”وعاء“ کے مادہ سے ظرف اور برتن کے معنی میں ہے، جیسا کہ حضرت علیؑ کی مشہور عبارت سے بیچ البلاغہ میں منقول ہے کہ آپؐ نے فرمایا:

(ان هذه القلوب اوعية فخيرها واعلها) یہ دل ظرف ہیں اور ان میں سے بہترین دل وہی ہے جس کی حفاظت اور ظرفیت زیادہ ہو۔

بعد والی آیت میں فرماتا ہے: ”پس انہیں دردناک عذاب کی بشارت دے“ (فبشرهم بعذاب الیوم)۔ بشارت کی تعبیر جو عام طور پر خوشخبری کے لیے استعمال ہوتی ہے یہاں ایک قسم کے طعن اور سرزنش کے طور پر ہے۔

درحقیقت وہ اس طرح مومنین کو جنت کی وسیع نعمتوں کی بشارت دیتا ہے تاکہ تکذیب کرنے والے دوزخی حسرت و اندہ میں ڈوب جائیں۔ اس سورہ کی آخری آیت میں ایک استثنائی شکل میں ایک مرتبہ پھر نیک عمل مومنین کی سرفروخت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرماتا ہے:

”مگر وہ لوگ جو ایمان لائے اور اعمال صالح انجام دیئے ان کے لیے اجر و ثواب ہے ایسا اجر جو ثابت شدہ اور منقطع نہ ہونے والا اور ہر قسم کے نقصان سے محفوظ ہے“ (الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَهُمْ اجر غیر ممنون)۔

”ممنون“ ”من“ کے مادہ سے نقصان و انقطاع کے معنی میں آیا ہے اور منت کے معنوں میں بھی۔ (لفظ ممنون جو موت کے معنوں میں ہے وہ بھی اسی مادہ سے ہے) اور یہ بھی ممکن ہے کہ یہ سب معافی یہاں جمع ہوں اس لیے کہ آخرت کی نعمتیں دنیاوی نعمتوں کے برعکس، جو ناپائیدار اور نقصان پذیر بھی ہیں اور عام طور پر غیر مطلوب عوارض کی آمیزش رکھتی ہیں، کسی قسم کی منت، نقصان، فنا اور غیر مطلوب عوارض نہیں رکھتیں۔ وہ جادوانی ہیں، نقصان ناپذیر ہیں اور ہر قسم کے نامناسب امور اور منت و احسان سے مبتلا ہیں۔ یہ استثناء متصل ہے یا منقطع، مفسرین کے درمیان اس میں اختلاف ہے۔

بعض نے یہ احتمال تجویز کیا ہے کہ استثنائے منقطع ہے یعنی کفار کے حالات کی تشریح جو گزشتہ آیات میں تھی اس کو چھوڑ کر مومنین کے جادوانی اجر کی بات کرتا ہے لیکن زیادہ مناسب یہی ہے کہ استثناء متصل ہو اور مقصد یہ ہو کہ کفار کے سامنے بازگشت کی راہ کھولے اور انہیں یہ بتائے کہ جو لوگ توبہ کر کے ایمان لے آئیں اور اعمال صالح انجام دیں ان سے عذاب دائمی اٹھایا جائے گا اور انہیں ایسا اجر دیا جائے گا جو دائمی ہوگا اور جس میں نقصان کا کوئی پہلو نہ ہوگا۔

ایک نکتہ

مرحوم طبری مجمع البیان میں اس سورہ کی آخری آیات سے پہلے تو اختیار اور ارادہ کی آزادی کی

اصل کا فائدہ اٹھاتے ہیں، اس لیے کہ مجبور افراد کے بارے میں ترک سجدہ اور ترک ایمان پر ملامت کرنا خداوند حکیم کے لیے ایک امر قبیح ہے اور وہ جو یہ فرماتا ہے: (فما لہم لا یؤمنون و اذا قرئ علیہم القرآن لا یسجدون) مسئلہ اختیار پر واضح دلیل ہے۔ اور پھر ترک سجدہ پر ملامت کرنا اس امر کا ثبوت ہے کہ کفار جس طرح اصول دین کے مکلف ہیں اسی طرح فروع دین کے بھی مکلف ہیں۔ (یہ گفتگو اس صورت میں ہے جب لفظ سجدہ مذکورہ بالا آیت میں نماز والے سجدے کے معنی میں ہو یا کم از کم وسیع معانی رکھتا ہو جس میں سجدہ نماز بھی شامل ہے)۔

خداوند! جس دن سب لوگ تیری داد گاہِ عدل میں حاضر ہوں گے ہم پر حساب آسان کر دیجو۔

پروردگارا! اس راہ میں جہاں تمام بندے تیری طرف سفر کرتے ہیں صراطِ مستقیم طے کرنے میں ہماری مدد فرما۔

بارالہ! ہم تیرے قرآن کریم کے سامنے سر تسلیم خم کیے ہوئے ہیں ہم سب کو اس پر عمل کرنے کی توفیق مرحمت فرما۔

آمین یا رب العالمین
احتمام سورۃ الانشقاق
Presented by: <https://jafrilibrary.com/>



سُورَةُ بُرُوج

Presented by: <https://jafrilibrary.com/>

یہ سورہ مکتے میں نازل ہوا
اس میں ۲۲ آیتیں ہیں

سورہ بروج کے مضامین اور اس کی فضیلت

ابتداءً بعثت کے زمانے میں مومنین (مکہ میں) بہت سخت رنج و تکلیف اور دباؤ کی حالت میں تھے اور ہمیشہ دشمنوں کی طرف سے جہانی اور روحانی اذیتوں میں گرفتار رہتے تھے اور یہ اس درجہ سے تھا کہ وہ راہ ایمان کو خیر باد کہہ دیں۔

اس سلسلہ میں ایک گروہ نے صورت حال کا مقابلہ کیا لیکن بعض کمزور افراد دشمنوں کے مقابلہ میں شکستہ دل ہو کر راہ ایمان سے ہٹ گئے۔ اس طرف توجہ کرتے ہوئے کہ یہ سورہ مکی ہے یوں نظر آتا ہے کہ اس کا مقصد اصلی مومنین کے قلب و روح میں تقویت پیدا کرنا ہے۔ یہ سورہ ان مومنین کو پامردی اور استقامت کا شوق دلاتا ہے۔

اس صورت حال کے حوالے سے پروردگار عالم اس سورہ میں اصحاب اخذود کے واقعہ کو نقل کرتا ہے؛ وہی لوگ جنہوں نے خندق کھودی، اس میں بہت زیادہ آگ جلائی اور مومنین کو اس آگ میں جلاسنے کی دھمکی دی اور ایک گروہ کو اس آگ میں جلا یا لیکن انہوں نے راہ ایمان کو خیر باد نہیں کہا۔ پھر اس سورہ کے دوسرے حصہ میں ان کافروں کو تنبیہ کرتا ہے جنہوں نے مومنین پر دباؤ ڈال رکھا تھا اور انہیں جہنم کے جلاسنے والے عذاب کی خبر دیتا ہے جبکہ جنت کے پُر نعمت باغات کی مومنین کو بشارت دیتا ہے۔

بعد ازلے حصہ میں انہیں گزشتہ تاریخ کی طرف لے جاتا ہے اور فرعون و ثمود اور دیگر ظالم اقوام کی داستانیں ان کی نگاہوں کے سامنے مجسم کر کے پیش کرتا ہے اور بتاتا ہے کہ عذاب الہی نے انہیں کس طرح نابود کر دیا، تاکہ کفار متوجہ ان کی نسبت بہت کمزور تھے اپنا اندازہ لگا لیں نیز یہ کہ یہ صورت حال پیغمبر اور مومنین کے دلوں کی تسلی کا سبب بھی ہو۔

اس سورہ کے آخری حصہ میں قرآن مجید کی عظمت اور وحی الہی کی سب سے زیادہ اہمیت کی طرف اشارہ کرتا ہے اور اسی مفہوم پر سورہ کو ختم کرتا ہے۔ مجموعی طور پر یہ سورہ مومنین کو ظالموں کے مقابلہ میں پامردی و استقامت اور صبر و شکیبائی کا درس دیتا ہے۔ اس کی آیتوں کے اندر نصرت الہی کا وعدہ بھی چھپا ہوا ہے۔ اس سورہ کا جو بروج نام رکھا گیا ہے وہ اس لفظ کی وجہ سے ہے جو اس کی پہلی آیت میں آیا ہے۔

اس سورہ کی فضیلت کے لیے اتنا ہی کافی ہے کہ پیغمبر اسلام کی ایک حدیث میں یہیں ملتا ہے کہ:

(من قرأ هذه السورة اعطاه الله من الاجر بعدد كل من اجتمع في جمعة وكل

من اجتمع في يوم عرفة عشر حسنة وقرأتها تنجي من المخاوف والشدائد)

”جو شخص اس سورہ کو پڑھے تو خداوند عالم اسے ان افراد کی تعداد سے جو نماز جمعہ میں جمع

ہوتے ہیں اور ان کی تعداد سے جو یوم عرفہ میں عرفات میں جمع ہوتے ہیں، دس گنا حسنات دیتا ہے اور اس کی تلاوت انسان کو خوف و ہراس اور مصائب سے رہائی بخشتی ہے۔ یہ اس طرف توجہ کرتے ہوئے کہ شاہد و مشہود، کی ایک تفسیر روز جمعہ اور روز عرفہ ہے، نیز اس طرف توجہ کرتے ہوئے کہ گزشتہ سورہ مصیبتوں کے مقابلہ میں مومنین کی مقادمت کو بیان کرتی ہے لہذا اس اجہد و ثواب کی مناسبت سورہ کے مضامین سے واضح ہو جاتی ہے اور حتی طور پر یہ بھی معلوم ہو جاتا ہے کہ یہ تمام اجہد و ثواب ان لوگوں کے لیے ہے جو اسے پڑھیں، اس میں غور و فکر کریں اور پھر اس پر عمل کریں۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

وَالسَّمَاءِ ذَاتِ الْبُرُوجِ ۝ (۱)

وَالْيَوْمِ الْمَوْعُودِ ۝ (۲)

وَشَاهِدٍ وَمَشْهُودٍ ۝ (۳)

قَتَلَ أَصْحَابُ الْأُخْدُودِ ۝ (۴)

النَّارِ ذَاتِ الْوُقُودِ ۝ (۵)

إِذْ هُمْ عَلَيْهَا قُعُودٌ ۝ (۶)

وَهُمْ عَلَىٰ مَا يَفْعَلُونَ بِالْمُؤْمِنِينَ شُهُودٌ ۝ (۷)

وَمَا نَقَمُوا مِنْهُمْ إِلَّا أَنْ يُؤْمِنُوا بِاللَّهِ الْعَزِيزِ

الْحَمِيدِ ۝ (۸)

الَّذِي لَهُ مُلْكُ السَّمُوتِ وَالْأَرْضِ ۖ وَاللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ

شَيْءٍ شَهِيدٌ ۝ (۹)

ترجمہ رحمن ورحیم خدا کے نام سے

۱۔ قسم ہے آسمان کی جس کے بہت سے بروج ہیں۔

۲۔ اور قسم ہے اس موعود دن کی۔

۳۔ اور شاہد و مشہود کی (شاہد سے مراد پیغمبر اور اعمال کے گواہ ہیں اور مشہود سے

مراد اعمال ہیں)۔

- ۴ موت اور عذاب ہو ایذا دینے والے اصحاب اخذ و پر (آگ کی خندق)۔
- ۵ شعلہ اور آگ سے پُر خندقیں۔
- ۶ جس وقت وہ اس کے کنارے پر بیٹھے تھے۔
- ۷ اور جو کچھ وہ مومنین کی نسبت انجام دیتے تھے (سرد مہری سے) اسے دیکھ رہے تھے۔
- ۸ انہیں کوئی اعتراض ان (مومنین) پر نہیں تھا سوائے اس کے کہ وہ خداوند عزیز و حمید پر ایمان لاتے تھے۔
- ۹ وہی خدا کہ آسمانوں اور زمین کی حکومت جس کے لیے ہے اور وہ ہر چیز پر گواہ ہے۔

Presented by: <https://jafrilibrary.com/>

تفسیر

مومنین انسانوں کو جلانے والی بھٹیوں کے سامنے

میں معلوم ہے کہ بھٹی کے مسلمان ابتدا میں سخت فشار اور دباؤ میں تھے اور دشمن ان کے لیے ہر قسم کی تکلیف کو جائز سمجھتے تھے اور جیسا کہ ہم نے سورہ کے مضامین کی تشریح میں کہا ہے اس سورہ کے نزول کا مقصد ان ایذا پہنچانے والے کفار کو خبردار کرنا ہے کہ وہ ماضی کی اپنے سے مشابہت رکھنے والی اقوام کے لوگوں کی سرنوشت کو پیش نظر رکھیں اور ساتھ ہی یہ سورہ موجودہ مومنین کی تسلی، دلداری اور تقویت روحانی کا باعث اور تمام مسلمانوں کے لیے ایک درس بھی ہے۔ پہلے فرماتا ہے:

”ہم قسم ہے آسمان کی جس کے ٹہنت سے بروج ہیں“ (والسماوات البروج) ”بروج“ ”برج“ کی جمع ہے جس کے معنی اصل میں قصر اور محل کے ہیں۔

بعض مفسرین نے اسے ظاہر و آشکار شے کے معنوں میں لیا ہے اور بلند و بالا عمارات کو اس نام سے منسوب کرنے کا سبب ان کے ظاہر ہونے کو قرار دیا ہے۔ اسی بنا پر شہر کے اطراف کی دیوار کے ایک خاص حصہ کو اور لشکر کے جمع ہونے کی جگہ کو جو نمایاں ہوتی ہے برج کا نام دیا جاتا ہے اور حبيب عورت اپنی زینت کا

اٹھار کرے تو اسے تہرجت المرأة کہا جاتا ہے بلکہ

آسمانی برج یا قوس آسمان کے درخشاں اور روشن ستاروں کے معنی میں ہے یا آسمانی شکلوں اور صورتوں کے معنی میں ہے یعنی ستاروں کا ایسا مجموعہ جو ہماری نظروں کے اعتبار سے موجودات زمین میں سے کسی ایک سے مشابہت رکھتا ہے اور بارہ برج بارہ فلكی شکلیں ہیں۔ سورج اپنے سالانہ سفر میں سے ہر ماہ ان میں سے ایک برج کی حدود میں گزرتا ہے البتہ سورج حرکت نہیں کرتا۔ زمین اس کے گرد گردش کرتی ہے لیکن نظر ایسا آتا ہے کہ سورج حرکت کر رہا ہے اور ان فلكی صورتوں میں سے کسی ایک کے سامنے آگیا ہے۔

ان معانی میں سے جو بھی ہوں وہ عظیم ہیں اور پھر ان کی عظمت بھی ایسی ہے جو غالباً اس زمانے میں عربوں پر واضح نہیں تھی لیکن موجودہ زمانے میں ہمارے لیے جانی پہچانی ہے۔ اگرچہ زیادہ یہی نظر آتا ہے کہ مراد وہی آسمانی ستارے ہوں۔ ایک حدیث میں منقول بھی ہے کہ لوگوں نے پیغمبر اسلام سے اس آیت کی تفسیر پوچھی تو آپ نے فرمایا کہ اس سے مراد ستارے ہیں۔

اس کے بعد دوسری آیت میں ارشاد ہوا ہے: ”اور قسم ہے اس موعود دن کی“ (قیامت کا دن جس کا وعدہ کیا گیا ہے)۔ (والیوم الموعود)۔ وہی دن جس کی تمام انبیاء اور پیغمبروں نے خبر دی ہے اور مکی سورہ قرآنی آیتیں جس کے ثبوت کے طور پر ہیں وہی دن جو اولین و آخرین کی وعدہ گاہ ہے اور وہی دن جس میں سب کے حساب کا فیصلہ ہوتا ہے۔

تیسری اور چوتھی قسم میں فرماتا ہے: ”اور قسم ہے شاہد و مشہود کی“ (و شاہد و مشہود)۔ یہ کہ شاہد و مشہود سے کیا مراد ہے اس کی حمار نے بہت سی تفسیریں کی ہیں جو تعداد میں تیس سے زیادہ ہیں جن میں سے اہم ترین درج ذیل ہیں:

۱۔ شاہد سے مراد پیغمبر اسلام کی ذات گرامی ہے جیسا کہ قرآن مجید کہتا ہے: (یا ایہا النبی انا ارسلناک شاہداً و مبشراً و نذیراً) ”اے پیغمبر ہم نے تجھے شاہد، بشارت دینے والے اور ڈرانے والے کی حیثیت سے بھیجا ہے“ (احزاب - ۴۵)۔ اور مشہود سے مراد قیامت کا دن ہے جیسا کہ قرآن کہتا ہے: (ذالک یوم مجموعہ له الناس و ذالک یوم مشہود) قیامت کا دن وہ دن ہے جس میں تمام لوگ جمع ہوں گے وہ مکمل طور پر مشہود

۲۔ بعض محققین کا نظریہ ہے کہ یہ لفظ فارسی لفظ ہر سے لیا گیا ہے جو ہندی بزرگی اور شکر کے معنی رکھتا ہے۔ یہ ان کا طالع اور اس کے طالع کی طرف رجوع کیا جائے۔ یہ بارہ صورتیں عبارت میں حمل، ثور، جوزا، سرطان، اسد، سنبلہ، میزان، عقرب، قوس، جدی، دلو اور حوت سے جو اسی ترتیب سے گزرتے ہیں، دوپے جو افروٹ پھیل رہے ہیں، کیلا، شیر، خوش، تراندہ، بھج، کمان، بکری، ڈول اور چھل کی شکلیں ہیں۔

اور آشکار دن ہے۔ (ہود۔ ۱۰۳)۔

۲۔ شاہد سے مراد انسان کے اعمال کے گواہ ہیں مثلاً اس کے جسم کے اعضاء و جوارح جیسا کہ سورہ نور کی آیت ۲۴ میں ہیں مٹا ہے (یوم تشهد علیکم السنتھم وایدیھم وارجلھم بما كانوا یعملون) وہ دن جس میں ان کی زبانیں، ہاتھ اور پاؤں ان کے اعمال کی گواہی دیں گے۔ لہذا مشہود سے مراد انسان اور اس کے اعمال ہیں۔

۳۔ شاہد کے معنی جہد کا دن ہے جو نماز کے بہت ہی اہم مراسم کے سلسلہ میں مسلمانوں کے اجتماع کا شاہد ہے اور مشہود عرفہ کا دن ہے کہ بیت اللہ الحرام کے زائرین اس دن کے شاہد و ناظر ہیں۔ ایک روایت میں پیغمبر اسلام، امام محمد باقرؑ اور امام جعفر صادقؑ سے یہ تفسیر منقول ہے۔

۴۔ شاہد عید قربان کا دن ہے اور مشہود عرفہ کا دن ہے (جو عید قربان سے ایک دن پہلے ہے)۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ ایک شخص مسجد نبوی میں داخل ہوا اس نے کسی کو دیکھا کہ بیٹھا ہوا ہے اور رسول اللہؐ سے حدیث نقل کر رہا ہے وہ کہتا ہے کہ میں نے اس شخص سے اس آیت کی تفسیر پوچھی تو اس نے کہا شاہد سے مراد جمعہ کا دن ہے اور مشہود عرفہ کا دن ہے۔ وہ کہتا ہے کہ میں وہاں سے ہٹ کر ایک دوسرے شخص کے پاس گیا وہ بھی رسول اللہؐ سے حدیث نقل کر رہا تھا تو میں نے اس آیت کی تفسیر اس سے بھی پوچھی تو اس نے کہا کہ شاہد عید کا دن اور مشہود عید قربان کا دن ہے۔ اس سے ہٹ کر میں ایک نوجوان کے پاس گیا جو خوبصورت تھا اور رسول خداؐ ہی سے حدیث بیان کر رہا تھا۔ میں نے کہا اس آیت کی تفسیر کے بارے میں مجھے بتا تو اس نے کہا: شاہد محمدؐ ہیں اور مشہود قیامت کا دن ہے۔ کیا تو نے سنا نہیں کہ خدا کہتا ہے؟

(یا ایہا النبی انا ارسلناک شاہداً و مبشراً و نذیراً) اور یہ بھی نہیں سنا کہ خدا کہتا ہے: (ذالک یوم مجموع لہ الناس و ذالک یوم مشہود)

میں نے سوال کیا کہ پہلا شخص کون تھا لوگوں نے بتایا ابن عباسؓ، دوسرے کے متعلق پوچھا تو بتایا عبداللہ بن ابی سہلؓ اور تیسرے کے متعلق پوچھا تو بتایا کہ وہ حبشین بن علیؓ علیہ السلام تھے۔

۵۔ شاہد سے مراد راتیں اور دن ہیں اور مشہود سے مراد اولاد آدم جن کے اعمال کی وہ گواہی دیں گے جیسا کہ امام زین العابدینؑ کی صبح و شام کی دعا میں ہم پڑھتے ہیں (ہذا یوم حادث جدید و هو علینا شاہد عتید ان احسننا و دعنا بمحمد و ان اسأنا فارقنا بذنب) یہ نیا دن ہے جو ہمارے اعمال کا شاہد ہے اگر ہم نیکی کریں تو

حمد و سپاس کے ساتھ ہم کو الوداع کہے گا اور اگر برائی کریں تو مذمت کرتا ہوا ہم سے جدا ہو گا۔

۶۔ شاہد سے مراد ملائکہ اور مشہود سے مراد قرآن ہے۔

۷۔ شاہد سے مراد حجر الاسود اور مشہود سے مراد حجاج حرم میں جو اس کے پاس آتے ہیں اور اس پر ہاتھ رکھتے ہیں۔

۸۔ شاہد مخلوق اور مشہود حق تعالیٰ ہے۔

۹۔ شاہد سے مراد امت اسلامی اور مشہود سے مراد دوسری امتیں ہیں جیسا کہ سورہ بقرہ کی آیت ۱۴۳ میں آیا ہے (لنكونوا شهداء على الناس) مقصد یہ ہے کہ تم دوسری امتوں پر گواہ بنو۔

۱۰۔ شاہد پیغمبر اسلام ہیں اور مشہود باقی تمام انبیاء ہیں۔ سورہ نسا کی آیت ۱۴ میں گواہی ہے (وجئنا بک علی هؤلاء شہیداً) اس دن ہم تجھے دوسرے انبیاء کا گواہ بنا کر لائیں گے۔

۱۱۔ شاہد پیغمبر اور مشہود حضرت علی ہیں۔

البتہ اس آیت کی گزشتہ آیتوں سے مناسبت اس کو قبول کرتی ہے کہ روز قیامت کے مشہود اور گواہوں کی طرف اشارہ ہو عام اس سے کہ وہ پیغمبر اسلام ہوں یا باقی انبیاء اپنی امتوں کے مقابلہ میں، یا ملائکہ ہوں یا بدن انسانی کے اعضاء و ارجاء یا راستہ دن یا کچھ اور مشہود سے مراد انسان ہوں یا ان کے اعمال۔

اسی طرح بہت سی تفسیریں ایک دوسرے میں مدغم ہو جائیں گی اور ایک مجموعی مفہوم میں ان کا خلاصہ ہو جائے گا۔ لیکن روز جمعہ، روز عرفہ اور روز عید جیسی تفسیریں ان معانی سے الگ ہیں مگر چہ وہ بھی روز محشر کے مشہود اور انسانوں کے اعمال کے گواہ ہیں بلکہ ان میں سے ہر ایک ایسا پُرہجوم دن ہے جو اس دنیا میں قیامت کا ایک منظر شمار ہوتا ہے۔

اس بیان کی طرف توجہ کرتے ہوئے واضح ہو جاتا ہے کہ ان تفسیروں کے درمیان کوئی تضاد نہیں ہے اور ہو سکتا ہے کہ شاہد و مشہود کے وسیع مفہوم میں یہ سب شامل ہوں۔ اور یہ قرآن کی عظمت کی ایک نشانی ہے کہ اس میں اس قسم کے وسیع مغایر ہیں جو مختلف اور کافی تفسیروں کو اپنے اندر جگہ دیتے ہیں اس لیے کہ شاہد ہر قسم کے گواہ کہتے ہیں اور مشہود ہر اس چیز کو جس کی گواہی دی جائے۔ پھر یہ دونوں نکرہ کی شکل میں بیان ہوئے ہیں جو اس شاہد اور مشہود کی عظمت کی طرف اشارہ ہے جو اوپر والی تفسیروں میں منکسر ہوا ہے۔

قابل توجہ نکتہ یہ ہے کہ ایک لطیف و عمدہ تعلق ان چار حصوں کے درمیان اور اس مطلب کے درمیان، جس کی قسم کھائی گئی ہے، موجود ہے۔ آسمان، درختاں ستارے اور اس کے موزوں برج سب کے سب نظم و حیا کی نشانی ہیں اور پریم موجود حساب و کتاب کا واضح منظر ہے شاہد و مشہود بھی اسی حساب کی نکتہ دہی کا ذریعہ ہیں۔

پھر یہ تمام قسمیں اس لیے ہیں کہ ایذا پہنچانے والے ظالموں کو خیردار کرے کہ کچھ مومنین کے ساتھ کیے جانے والے ان کے تمام مظالم ثبت و ضبط ہیں اور یوم موعود کے لیے انہیں محفوظ کیا گیا ہے اور وہ مشرود جنہوں نے تمہارے جسم کو ہر طرف سے گھیر رکھا ہے، عام اس سے کہ وہ فرشتے ہوں یا تمہارے جسم کے اعضاء و جوارح یا رات دن یا اور اسی قسم کی اشیاء، وہ سب ان کاموں کو نظر میں رکھے ہوئے ہیں اور قیامت میں وہ گواہی دیں گے۔

اس لیے ان قسموں کے بعد فرماتا ہے: ”موت اور عذاب تشدد کرنے والوں پر ہو“ (قتل اصحاب الاخذود)۔ ”وہی خندقیں جو آگ اور لکڑیوں سے پُر تھیں جن میں سے بڑے بڑے شے نکل رہے تھے“ (الذات ذات الوقود)۔ ”جس وقت وہ اس آگ کی خندق کے پاس بیٹھے ہوتے تھے (سرد مہری سے) (اذہم علیہما قعود)۔“ اور جو کچھ وہ مومنین کے بارے میں انجام دے رہے تھے اسے دیکھ رہے تھے“ (وہم علی ما یفعلون بالمؤمنین شہود)۔

”اخذود“ مفردات میں بداعجب کے بقول بزمین وسیع و عین اور کھلے ہوئے تنگاف کے معنی میں ہے۔ دوسرے لفظوں میں بڑی بڑی خندقوں اور گڑھوں کو کہتے ہیں۔ اس کی جمع ”اخاذید“ ہے اور اصل انسان کے مذ سے لی گئی ہے جو انسان کی ناک کے دونوں طرف دائیں اور بائیں دو دھنسی ہوئی جگہوں کے معنی میں ہے۔ (رخسار) اور گریہ کرتے وقت اس پر آنسو جاری ہوتے ہیں۔

اس کے بعد بطور کنایہ اس گڑھے پر اس کا اطلاق ہوا ہے جو زمین پر ظاہر ہو رہا ایک حقیقی معنی کی شکل اختیار کر گیا ہے۔ یہ کہ یہ اذیت دینے والا گڑھ کون تھا اور کس زمانے میں تھا، مفسرین اور ارباب تاریخ اس سلسلہ میں مختلف نظریات کے حامل ہیں جن کی تشریح انشاء اللہ آیات کے ذیل میں نکات کی بحث میں آئے گی۔ لیکن یہ طے شدہ بات ہے کہ انہوں نے آگ کی بہت بڑی بڑی خندقیں بنا رکھی تھیں۔

وہ مومنین کو مجبور کرتے تھے کہ اپنے ایمان سے دستبردار ہو جائیں۔ مومنین جس وقت ان کے سامنے مقابلہ کے لیے کھڑے ہوتے تھے تو وہ انہیں جلانے والی ان بھٹیوں میں ڈال کر آگ لگا دیتے تھے۔

”وقود“ اصل میں اس مادہ کے معنی میں ہے جس سے وہ آگ لگاتے تھے لکڑیاں وغیرہ اور ذات الوقود کی تعبیر اگرچہ ایندھن کی محتاج ہوتی ہے لیکن یہاں اس آگ بھڑکانے والے مواد کی کمزرت کی طرف اشارہ ہے، جسے وہ استعمال کرتے تھے اور جس کی آگ طبعی طور پر بہت زیادہ اور تیز ہوتی تھی۔

اس بنا پر جواب یہی مذکور ہے اور قتل اصحاب الاخذود کا جملہ یا ان الذین فتنوا المؤمنین و المؤمنات اس پر دلالت کرتے ہیں اور تقدیر میں اس طرح ہے اقسام بھذہ الامور ان الذین فتنوا المؤمنین و المؤمنات معذبون ملعونون کما لعن اصحاب الاخذود۔ میں ان امور کی تم کھاتا ہوں جن لوگوں نے مومنین مرد و عورت کو مصیبت میں ڈالا وہ ملعون و معذب ہیں جس طرح خندق والے معذب تھے۔

یہی وجہ ہے، کہ مجھے بعض مفسرین نے سمجھا ہے کہ وقود کے دو معنی ہیں، ایک ایندھن اور دوسرے شعلہ اور انہوں نے افسوس کیا ہے کہ مفسرین و مترجمین نے اس نکتہ کی طرف توجہ کیوں نہیں کی۔

اس آیت (اذہم علیہما قعود) اور اس کے بعد کی دوسری آیت سے مراد یہ ہے کہ ایک گروہ انتہائی سرد مہری سے بیٹھا ہوا تھا اور اس تشدد کو دیکھ رہا تھا اور لذت حاصل کر رہا تھا جو خود ان کی انتہائی قسوت اور سخت دل ہونے کی نشانی ہے۔

بعض مفسرین نے یہ بھی کہا ہے کہ یہ گروہ مذہبِ حق سے مومنین کو روگرداں کرنے پر مامور تھا۔ بعض نے انہیں دو گروہوں پر مشتمل سمجھا ہے، ایک اذیت دینے والا اور دوسرا تماشا دیکھنے والا اور چونکہ دیکھنے والے تشدد کرنے والوں کے اعمال سے راضی تھے لہذا اس فعل کی ان سب کی طرف نسبت دی گئی ہے اور یہ فطری بات ہے کہ اس قسم کے کام میں ایک گروہ ہمیشہ کام کرنے والا ہوتا ہے اور ایک دیکھنے والا۔

علاوہ ازیں ان کے سرخنے عام طور پر حکم دیتے ہیں اور کارندے پچھلے طبقہ کے لوگ ہوتے ہیں۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ ایک گروہ بیٹھا ہوا تھا اور تشدد کے عمال کی نگرانی کر رہا تھا کہ وہ متعلقہ کام سے کسی قسم کی روگردانی نہ کریں اور بادشاہ کے سامنے گواہی دیں کہ انہوں نے اپنی ذمہ داریوں کو ابھی طرح نبھایا ہے۔ اس گروہ کی تشکیل ان مختلف گروہوں سے بھی بعید نظر نہیں آتی لہذا ان تمام تفسیروں کے ”میان جمع بھی ممکن ہے۔“

بہر حال یفعلون کا جملہ فعل مضارع کی شکل میں اس بات کی دلیل ہے کہ یہ عمل ایک مدت تک استمرار رکھتا تھا اور کوئی یک لحظہ ہونے والا حادثہ نہیں تھا۔ اس کے بعد مزید کہتا ہے، ”وہ تشدد کرنے والے ان مومنین پر سواتے اس کے اور کوئی اعتراض نہیں رکھتے تھے کہ وہ خداوند عزیز و حکیم پر ایمان لاتے ہوئے تھے“ (وما نقموا منهم الا ان یؤمنوا باللہ العزیز الحمید)۔

جی ہاں! ان کا جرم اور گناہ صرف خدا کے واحد و یگانہ دیکتا پر ایمان تھا۔ خداوند قادر جو ہر قسم کی ستائش کے لائق اور ہر قسم کے کمال کا جامع ہے، تو کیا اس قسم کے خدا پر ایمان لانا جرم و گناہ ہے یا ہر قسم کے شعور و شائستگی سے محروم بتوں پر ایمان رکھنا کوئی گناہ یا جرم ہے؟

”نقما“، ”نقم“ (بروزن ظم) کے مادہ سے کسی چیز کا انکار کرنے یا اسے عیب لگانے کے معنی میں ہے۔ زبانی طور پر عیب لگانا یا کسی قسم کی عملی طور پر سزا دینا، یہ دونوں پہلو اس کے معنی میں داخل ہیں۔ اسی مادہ سے انتقام ہے۔ یہ بات طے شدہ ہے کہ اس قسم کا کام ایک بڑے اور واضح گناہ کے مقابلہ میں سرانجام پاتا ہے نہ کہ پروردگارِ عالم پر ایمان لانے کے سلسلہ میں۔

اس قسم کے اقدام سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ وہ قوم جو یہ کام کر رہی تھی اس کا تمدن نہایت پست اور بگڑا ہوا تھا جیسا کہ ان کے نزدیک ایک افتخار و اعزاز والا کام عظیم ترین جرم و گناہ تھا۔

بہر حال یہ چیز سورہ مائدہ کی آیت ۵۹ میں آئی ہے کہ جادو گردوں نے حضرت موسیٰ پر ایمان لانے اور

زعون کی طرف سے تشدد اور قتل کی دھمکی کے بعد اس سے کہا کہ (هل تتقون منا الا ان امننا بالله) تو ہم سے صرف اس وجہ سے انتقام لے رہا ہے کہ ہم اپنے پروردگار پر ایمان لے آئے ہیں۔

”عزیز“ طاقتور اور شکست نہ کھانے والے اور حمید ہر قسم کی تعریف و توصیف کے قابل اور ہر قسم کے کمال کے حامل کی تعبیر حقیقت میں ان کے جرائم کا جواب ہے اور ان کے برخلاف ایک دلیل ہے یعنی کیا اس قسم کے خدا پر ایمان لانا جرم و گناہ ہے۔

ضمنی طور پر یہ بھی واضح ہے کہ یہ بات تشدد کرنے والے کے لیے پورے دورِ تاریخ میں ایک قسم کی شدید تنبیہ بھی ہے کہ خداوند عزیز و حمید ان کی تحین گاہ میں ہے۔ اس کے بعد وہ عظیم معبود اپنے دو اور اوصاف کو بیان کرتے ہوئے مزید فرماتا ہے:

”وہی خدا کہ آسمانوں اور زمین کی حکومت جس کے لیے ہے اور جو ہر چیز کا گواہ ہے اور ہر جگہ حاضر و ناظر ہے (الذی له ملک السموات والارض واللہ علی کل شہید)۔

حقیقت میں یہ چار اوصاف ایسے ہیں جو عبودیت کے لیے قابلیت کو مسلم کر دیتے ہیں اور یہ بتا دیتے ہیں کہ خدا وہ ہے جو قادر و توانا ہے ہر قسم کے کمال کا حامل ہے وہ آسمانوں اور زمین کا مالک ہے اور ہر چیز سے آگاہ ہے۔ یہ چیز مومنین کے لیے بشارت بھی ہے کہ خدا حاضر و ناظر ہے اور ایمان کی حفاظت کے سلسلہ میں وہ ان کے صبر و استقامت کو دیکھتا ہے اور ان کے ایثار و قربانی اور فداکاری کا اسے علم ہے۔

ایسی صورت حال ان کو قوت، توانائی اور احساس نشاط عطا کرتی ہے دوسرے یہ ان کے دشمنوں کے لیے شدید اور دھمکی ہے کہ اگر خدا ان کے کام میں مانع نہیں ہوتا تو یہ اس کی کمزوری کی وجہ سے نہیں ہے بلکہ آزمائش اور امتحان کی وجہ سے ہے اور انجام کار یہ ظالم اپنے گناہ کے نتیجے میں دردناک عذاب کا سزاخ مرہ چکیں گے۔

چند نکات

۱۔ اصحاب اُخدود کون لوگ تھے؟

ہم بتا چکے ہیں اُخدود عظیم گڑھے اور خندق کے معنی میں ہے اور یہاں بڑی بڑی خندقیں مراد ہیں جو آگ سے پُر تھیں تاکہ تشدد کرنے والے اس میں مومنین کو پھینک کر جلائیں۔ یہ حقیقت کہ یہ واقعہ کس قوم سے متعلق ہے اور کس وقت معرض وجود میں آیا اور کیا یہ ایک خاص معین و مقرر واقعہ تھا یا دنیا کے مختلف علاقوں کے اسی قسم کے متعدد واقعات کی طرف اشارہ ہے،

مفسرین و مورخین کے درمیان اس موضوع پر اختلاف ہے سب سے زیادہ مشہور یہ ہے کہ یہ واقعہ سرزمینِ یمن کے قبیلہ حمیر کے ذوالفواس نامی بادشاہ کے دور کا ہے۔

۲۔ حمیرین کے مشہور قبائل میں سے ایک قبیلہ تھا۔

تفصیل اس کی یہ ہے کہ ذونواس جو حیر نامی قبیلہ سے متعلق تھا، یہودی ہو گیا۔ اس کے ساتھ ہی اس کا پورا قبیلہ بھی یہودی ہو گیا۔ اس نے اپنا نام یوسف رکھا۔ ایک عرصہ تک یہی صورت حال رہی۔ ایک وقت ایسا آیا کہ کسی نے اسے خبر دی کہ سرزمین بنجران (دین کا شمالی حصہ) میں ابھی تک ایک گروہ نصرانی مذہب پر قائم ہے۔ ذونواس کے ہم مسلک لوگوں نے اُسے اس بات پر ابھارا کہ اہل بنجران کو دین یہود کے قبول کرنے پر مجبور کرے۔

وہ بنجران کی طرف روانہ ہو گیا۔ وہاں پہنچ کر اس نے وہاں کے رہنے والوں کو اکٹھا کیا اور دین یہود ان کے سامنے پیش کیا اور ان سے اصرار کیا کہ وہ اس دین کو قبول کریں۔ لیکن انہوں نے انکار کیا اور شہادت قبول کرنے پر تیار نہ ہو گئے۔ انہوں نے اپنے دین کو خیر باد نہ کہا۔ ذونواس کے حکم پر اس کے حامیوں نے ایک بہت بڑی خندق کھودی اس میں لکڑیاں ڈالیں اور آگ لگادی۔ ذونواس اور اس کے ساتھیوں نے ایک گروہ کو پکڑ کر اس آگ میں زندہ جلایا اور ایک گروہ کو تلوار کے گھاٹ اتارا۔ اس طرح آگ میں جلنے والوں اور مقتولین کی تعداد بیس ہزار تک پہنچ گئی۔

بعض مفسرین نے یہ بھی لکھا ہے کہ اس سلسلہ ہواد دیگر سے پنج کر نصاریٰ بنی بنجران کا ایک آدمی قیصر روم کے دربار میں جا پہنچا۔ اس نے وہاں ذونواس کی شکایت کی اور اس سے مدد طلب کی۔ قیصر نے کہا تمہاری سرزمین مجھ سے دور ہے بادشاہ حبشہ کو خط لکھتا ہوں جو عیسائی ہے اور تمہارا جسابہ ہے میں اس سے کتا ہوں کہ وہ تمہاری مدد کرے۔

پھر اس نے خط لکھا اور حبشہ کے بادشاہ سے نصاریٰ بنجران کے عیسائیوں کے خون کا انتقام لینے کی خواہش کی۔ وہ بنجرانی شخص بادشاہ حبشہ نجاشی کے پاس گیا۔ نجاشی اس سے یہ تمام ماجرا سن کر بہت متاثر ہوا اور سرزمین بنجران میں شہد دین مسیح کے قاتل ہوجانے کا اسے بہت افسوس ہوا۔ اس نے ذونواس سے شہیدوں کے خون کا بدلہ لینے کا مصمم ارادہ کر لیا۔

اس مقصد کے پیش نظر حبشہ کی فوج یمن کی طرف روانہ ہوئی اور ایک گھسان کی جنگ کے نتیجے میں اس نے ذونواس کو شکست فاش دی اور ان میں سے بہت سے افراد کو قتل کیا۔ جلد ہی بنجران کی حکومت نجاشی کے قبضہ میں آگئی اور بنجران حبشہ کا ایک صوبہ بن گیا۔

بعض مفسرین نے تقریر کیا ہے کہ اس خندق کا طول چالیس ذراع (باقد) تھا اور اس کا عرض بارہ ذراع تھا۔ (ایک ذراع تقریباً آدھا میٹر ہے اور بعض اوقات گز کے معنی میں استعمال ہوتا ہے جو تقریباً ایک میٹر ہے)۔ بعض مؤرخین نے لکھا ہے کہ سات گڑھے تھے جن میں سے ہر ایک کی وسعت اتنی ہی تھی جتنی اوپر بیان ہوئی۔

۱۔ تفسیر طبری ابن ابراہیم فی جلد ۲ ص ۲۱۴۔

۲۔ قصص قرآن ج ۱، ص ۲۸۸۔

۳۔ تفسیر روح المعانی اور البر الصغیر رازی زیر بحث آیات کے ذیل میں۔

مندرجہ بالا واقعہ تاریخ تفسیر کی بہت سی کتابوں میں درج ہے۔ بخلا دیگر کتب کے عظیم مفسر طبری نے مجمع البیان میں، ابوالفتح رازی نے اپنی تفسیر میں، فخر رازی نے اپنی تفسیر کبیر میں، آلوسی نے روح المعانی میں اور قرطبی نے اپنی تفسیر میں زیر بحث آیات کے ذیل میں اسی طرح ہشام نے اپنی سیرۃ (جلد اول ص ۳۵) میں اور ایک دوسری جماعت نے اپنی کتب میں اس واقعہ کو تحریر کیا ہے۔

جو کچھ ہم نے تحریر کیا اس سے واضح ہوتا ہے کہ تشدد کرنے والے بے رحم افراد آخر کار عذاب الہی میں گرفتار ہوئے اور ان سے اس خونِ ناحق کا انتقام دنیا ہی میں لیا گیا اور عاقبت کا عذاب جہنم ابھی ان کے انتظار میں ہے۔

انسانوں کو جلائے والی یہ بھٹیاں جو یہودیوں کے ہاتھ سے معرض وجود میں آئیں، احتمال اس امر کا ہے کہ پوری انسانی تاریخ میں یہ پہلی آدم سوز بھٹیاں تھیں لیکن قہب کی بات یہ ہے کہ اسی قسم کی قساوت اولیٰ رحی کا خود یہودی بھی شکار ہوئے جیسا کہ ہم جانتے ہیں کہ ان میں سے بہت زیادہ لوگ ہٹلر کے حکم سے آدم سوز بھٹیوں میں جلائے گئے اور اس جہان میں بھی عذابِ عرین کا شکار ہوئے۔

علاوہ ازیں ذوفواس یہودی، جو اس منحوس اقدام کا بانی تھا، وہ بھی اپنی بد اعمالی کے انجام سے نہ بچ سکا۔ جو کچھ اصحابِ اخذود کے بارے میں درج کیا گیا ہے یہ مشہور و معروف نظریات کے مطابق ہے لیکن اس ضمن میں کچھ اور روایات بھی موجود ہیں جو یہ بتاتی ہیں کہ اصحابِ اخذود صرف یمن میں ذوفواسی ہی کے زمانے میں نہیں تھے۔ بعض مفسرین نے توان کے بارے میں دس قول نقل کیے ہیں۔

ایک روایت حضرت امیر المومنین علیؑ سے منقول ہے۔ آپ نے فرمایا ہے کہ وہ اہل کتاب مجوسی تھے جو اپنی کتاب پر عمل کرتے تھے۔ ان کے بادشاہوں میں سے ایک نے اپنی بہن سے مباشرت کی اور خواہش ظاہر کی کہ بہن سے شادی کو جائز قرار دے لیکن لوگوں نے قبول نہیں کیا۔ بادشاہ نے ایسے بہت سے مومنین کو جنہوں نے یہ بات قبول نہیں کی تھی چلی ہوئی آگ کی خندق میں ڈلوا دیا۔

یہ فارس کے اصحابِ اخذود کے بارے میں ہے۔ شام کے اصحابِ اخذود کے بارے میں بھی علماء نے لکھا ہے کہ وہاں مومنین رہتے تھے اور آفتابِ عرس نے انہیں خندق میں جلوایا تھا۔

بعض مفسرین نے اس واقعہ کو بنی اسرائیل کے مشہور پیغمبر حضرت دانیالؑ کے اصحاب و انصار کے ساتھ مربوط سمجھا ہے جس کی طرف قرأت کی کتاب دانیال میں اشارہ ہوا ہے اور قطبی نے بھی اخذود فارسی کو انہی پر منطبق کیا ہے۔

کچھ معید نہیں کہ اصحابِ اخذود میں یہ سب کچھ اور ان جیسے دوسرے لوگ شامل ہوں اگرچہ اس کا مشہور و معروف مصداق سرزمینِ یمن کا ذوفواس ہی ہے۔

۲۔ حفظ ایمان کے سلسلہ میں استقامت

ایمان کی حفاظت کے سلسلہ میں ماضی و حال دونوں میں خداکاری کی بہت درخشاں مثالیں ہیں۔ تاریخ انسانی بہت سے ایسے افراد کا پتہ دیتی ہے جنہوں نے اس راستے میں حام شہادت نوش کیا ہے اور سولی کی رسی اور جلادوں کی تھواروں کو بوسہ دیا ہے اور پروانہ وار تشدد کرنے والوں کی روشنی کی ہوئی آگ میں جلے ہیں جن میں سے صرف ایک گروہ کا نام و نشان تاریخ میں محفوظ ہے۔

آسیہ زن فرعون کی داستان ہم نے سنی ہے جو موسیٰ بن عمران پر ایمان لانے کی وجہ سے ان تمام شہداء سے دوچار ہوئی اور جس نے انجام کار اس راہ میں اپنی جان جانِ آفرین کی بارگاہ میں پیش کی۔

ایک حدیث میں حضرت علیؑ سے منقول ہے کہ خدا نے حبشہ کے لوگوں میں سے ایک پیغمبران پر مبعوث کیا۔ وہ لوگ اس پیغمبر کی تکذیب پر آمادہ ہوئے۔ ان کے درمیان جنگ ہوئی۔ آخر کار ان لوگوں نے اس پیغمبر کے اصحاب میں سے ایک گروہ کو قتل کیا اور ایک گروہ کو اس پیغمبر سمیت گرفتار کر لیا۔ اس کے بعد ایک جگہ آگ تیار کی اور لوگوں کو اس کے قریب بلایا اور کہا جو شخص ہمارے دین پر ہے وہ ایک طرف ہو جائے اور جو اس گروہ کے دین پر ہے وہ اپنے آپ کو آگ میں ڈال دے۔ پیغمبر کے وہ مقید ہمراہی آگ میں کودنے پر ایک دوسرے سے ہمت کرتے تھے۔ اس موقع پر ایک عورت آئی جس کی گود میں ایک بچہ تھا جس وقت عورت نے چاہا کہ اس آگ میں چھلانگ لگائے تو شفقتِ مادری جو شش میں آئی اور ستر راہ ہوئی تو اس بچے نے کہا اے مادرِ گرامی خوف نہ کھائیں آپ خود بھی اس آگ میں کود جائیں اور مجھ کو بھی ڈال دیں۔ خدا کی قسم یہ چیز رام خدا میں بہت معمولی ہے۔ (ان هذا والله فی اللہ قلیل۔) اور یہ بچہ بھی ان افراد میں سے تھا جنہوں نے گواہی میں کلام کیا۔

اس داستان سے معلوم ہوتا ہے کہ چوتھا گروہ اصحاب الاخذہ کا حبشہ میں تھا۔ حضرت عمار یا سر کے ماں باپ اور ان جیسے دوسرے افراد کی داستان اور اس سے بڑھ کر حضرت امام حسینؑ کا واقعہ جاں بازی اور میدانِ کربلا میں ایک دوسرے سے بڑھ کر جام شہادت نوش کرنا اسلام میں مشہور و معروف ہے۔

ہم نے اپنے اس زمانے میں بھی بہت زیادہ نمونے اس موضوع کے اپنے کانوں سے سنے ہیں اور اپنی آنکھوں سے دیکھے ہیں کہ بوڑھوں اور جوانوں نے دین و ایمان کی حفاظت کے سلسلہ میں اپنی جان بھیلی پر دکھ کر نہایت دلہانہ انداز میں منزل شہادت کی طرف قدم بڑھائے۔ کتنا یہ چاہیے کہ خدا کے دین کی بقا گزشتہ اور موجودہ زمانہ میں اس قسم کی قربانیوں کے بغیر ممکن نہ تھی۔

- ۱۰ إِنَّ الَّذِينَ فَتَنُوا الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ ثُمَّ لَمْ يَتُوبُوا فَلَهُمْ عَذَابُ جَهَنَّمَ وَلَهُمْ عَذَابُ الْحَرِيقِ ۝
- ۱۱ إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَهُمْ جَنَّاتٌ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ ذَلِكَ الْفَوْزُ الْكَبِيرُ ۝
- ۱۲ إِنَّ بَطْشَ رَبِّكَ لَشَدِيدٌ ۝
- ۱۳ إِنَّهُ هُوَ يُبْدِي وَيُعِيدُ ۝
- ۱۴ وَهُوَ الْغَفُورُ الْودُودُ ۝
- ۱۵ ذُو الْعَرْشِ الْمَجِيدُ ۝
- ۱۶ فَعَالٌ لَمَّا يُرِيدُ ۝

Presented by: <https://jafrilibrary.com>

ترجمہ

- ۱۰ جنہوں نے صاحب ایمان مردوں اور عورتوں پر تشدد کیا، پھر انہوں نے توبہ نہ کی ان کے لیے دوزخ کا عذاب ہے اور آگ کا جلانے والا عذاب ہے۔
- ۱۱ جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے اعمال صالح انجام دیئے ان کے لیے جنت کے باغات ہیں جن کے درختوں کے نیچے نہریں جاری ہیں اور یہ بہت بڑی کامیابی ہے۔
- ۱۲ تیرے پروردگار کی قرآیمز گرفت اور سزا بہت ہی شدید ہے۔
- ۱۳ وہی ہے جو خلقت کا آغاز کرتا ہے اور وہی ہے جو دوبارہ پٹھاتا ہے۔

۱۴) اور بچنے والا اور مومنین کا دوست رکھنے والا ہے۔

۱۵) صاحب عرش مجید ہے۔

۱۶) اور جو چاہتا ہے انجام دیتا ہے۔

تفسیر

تشدد کرنے والے عذاب الہی کے سامنے

گزشتہ اقوام میں سے تشدد کرنے والوں کی عظیم بے رحمی کے بیان کے بعد جو صاحب ایمان لوگوں کو آگ میں زندہ جلاتے تھے ان آیات میں ان تشدد کرنے والوں کے متعلق خدا کے سخت عذاب اور مومنین کے لیے عظیم ثواب کی طرف نوید ہے۔ پہلے فرماتا ہے:

”وہ جنہوں نے ایماندار مردوں اور عورتوں کو مورد آزار و عذاب قرار دیا اور پھر توبہ نہیں کی ان کے لیے دوزخ کا عذاب ہے اور اسی طرح جلاتے والی آگ کا عذاب ہے“ (ان الذین فتنوا المؤمنین والمؤمنات

Presented by: https://jafrilibrary.com

”فتنوا“ ”فتن“ (بروزن متن) اور فتنہ کے مادہ سے اصل میں سونے کو آگ میں ڈالنے کے معنی میں ہے تاکہ اس کو پرکھا جاسکے اور کھرا کھوٹا قرار دیا جاسکے۔ اس کے بعد یہ مادہ (فتنہ) آزمائش، عذاب و عقاب، گمراہی اور شرک کے معنی میں بھی استعمال ہوا ہے اور زیر بحث آیت میں عذاب، آزار اور تشدد کے معنی میں ہے۔

اس کی تفسیر سورہ ذاریات کی آیت ۱۳، ۱۴ میں بھی آئی ہے (یوم هو علی النار یفتنون ذوقوا فتنکم هذا الذی کنتم بہ تستعجلون) ”وہی دن جس دن وہ آگ میں جلائے جائیں گے اور ان سے کہیں گے کہ عذاب کا مزہ چکھو۔ یہ وہی چیز ہے جس کے بارے میں تمہیں جلدی تھی“ ”ثم لم یتوبوا“ کا جملہ بتاتا ہے کہ توبہ کا راستہ اس قسم کا تشدد کرنے والوں کے لیے بھی کھلا ہوا ہے اور یہ چیز یہ بتاتی ہے کہ ہر دردگار عالم گناہ گاروں پر کتنا رحم کرنا چاہتا ہے۔

ضمناً یہ متکے کے لوگوں کے لیے تنبیہ ہے کہ وہ جلد از جلد مومنین کو آزار پہنچانے اور تکلیف دینے سے باز آجائیں اور خدا کی طرف رجوع کریں۔ قرآن اصولی طور پر بازگشت کی راہ کسی پر بند نہیں کرتا اور یہ چیز بتاتی ہے کہ دردناک عذاب دنیا بھی مضدین کی اصلاح کے لیے ہے اور ان کے حق کی طرف لوٹ آنے کے لیے ہے۔ قابل توجہ یہ ہے کہ اس آیت میں ان کے لیے دو قسم کے عذاب بیان ہوئے ہیں ایک عذاب جسم دومرا

عذابِ حریق (جلائے والی آگ کا عذاب) ان دو عذابوں کا ذکر ہو سکتا ہے کہ اس بنا پر ہو کہ جنہم میں کئی قسم کی سزائیں اور عذاب ہیں جن میں سے ایک جلائے والی آگ ہے۔ اس کا ذکر خصوصیت کے ساتھ اس بنا پر ہے کہ تشدد کرنے والے مذکورہ افراد مومنین کو آگ میں جلاتے تھے لہذا وہاں انہیں آگ کی سزا ملنی چاہیے لیکن یہ آگ کہاں اور وہ آگ کہاں۔ وہ آگ خدا کے قہر و غضب کے شعلوں سے بھڑکائی گئی ہے اور وہ ہمیشہ قائم رہنے والی ہے، نیز ذلت و خواری اپنے ہمراہ لیے ہوئے ہے۔ جبکہ دنیا کی آگ ناپائیدار ہے جو کمزور مخلوق کی جلائی ہوئی ہے اور جو مومنین اس میں جلتے ہیں وہ سر بلند و پُرافتخار ہوں گے اور راہِ حق کے شہیدوں کی پہلی صف میں ان کی جگہ ہے۔ بعض مفسرین نے یہ بھی کہا ہے کہ عذابِ جنہم ان کے کفر کی سزا تھا اور عذابِ حریق ان کے تشددِ اعمال کے نتیجے میں ہے۔ اس کے بعد مومنین کے اجر کو پیش کرتے ہوئے فرماتا ہے:

”وہ لوگ جو ایمان لائے اور انہوں نے اعمالِ صالح انجام دیئے ان کے لیے جنت کے باغات ہیں جن کے درختوں کے نیچے نہریں جاری ہیں اور یہ بہت بڑی کامیابی و نجات ہے“ (ان الذین آمنوا و عملوا الصالحات لهم جنات تجری من تحتها الانهار ذالک الفوز الکبیر)۔

اس سے بہتر کونسی کامیابی ہوگی کہ پروردگار کے جوارِ قدس میں انواع و اقسام کی پائیدار نعمتوں کے درمیان سر بلندی و افتخار کے ساتھ ان کو جگہ ملے لیکن اس بات کو فراموش نہیں کرنا چاہیے کہ اس فخرِ کبیر اور کامیابی کی اصل کلید ایمان اور عملِ صالح ہے۔ اس راہ کا اصل سرمایہ یہی ہے، باقی جو کچھ ہے وہ اس کی شاخیں ہیں۔ ”عملوا الصالحات“ کی تعبیر (اس طرف توجہ کرتے ہوئے کہ صالحاتِ صالح کی جمع ہے) بتاتی ہے کہ صرف ایک یا چند عملِ صالح کافی نہیں ہیں بلکہ ضروری ہے کہ انسان ہر قدم پر عملِ صالح انجام دے۔

”ذالک“ کی تعبیر جو عربی زبان میں دُور کے اشارے کے لیے ہے، اس قسم کے مقامات پر اہمیت اور بلندی کو ظاہر کرتی ہے یعنی ان کے کامیابی، نجات اور اختیارات و اعزازات اس قابل ہیں کہ ہماری فکر کی دس سرس سے خارج ہیں۔ اس کے بعد دوبارہ تشدد کرنے والوں اور کفار کو تنبیہ کرتے ہوئے فرماتا ہے:

”یہ یقینی بات ہے کہ تیرے پروردگار کی قہر آمیز گرفت اور سزا بہت ہی شدید ہے“ (ان بطش ربک لشدید)۔ اس کے بعد فرماتا ہے: ”یہ گمان نہ کرو کہ درمیان میں قیامت نہیں ہے یا تمہاری بازگشت مشکل ہے، وہی ہے جو خلقت کا آغاز کرتا ہے اور وہی ہے جو واپس لوٹائے گا“ (انہو یبیدری و یبعید)۔

”بطش“ کے معنی ایسی گرفت کے ہیں جس میں قہر و قدرت کا دخل ہو۔ چونکہ عام طور پر یہ کام سزا کی تسدید ہوتا ہے اس لیے یہ لفظ سزا کے معنی میں بھی آیا ہے۔

”ربک“ تیرا پروردگار کی تعبیر پیغمبر کے دل کی تسلی اور خدا کی طرف سے ان کی حمایت کی تاکید ہے۔ قابلِ توجہ یہ ہے کہ مندرجہ بالا آیت کئی قسم کی تاکیدوں کو لیے ہوئے ہیں۔ ایک طرف تو لفظ بطش خود قہر آمیز گرفت کے معنی میں ہے اور اس میں شدت پوشیدہ ہے، دوسرے جگہ اسیہ ہے جو عام طور پر تاکید کے لیے آتا ہے، تیسرے شدت کی تعبیر اور

چوتھے لفظ "ان" پانچویں "لام" تاکید ہے سب اسی ایک آیت میں جمع ہیں اس بنا پر قرآن مجید چاہتا ہے کہ انہیں انتہائی قطعی انداز میں سزاؤں کے بیان سے شدید کرے اور دھمکائے اور اندھو بیدھی و بید کا جملہ جس میں معاد کی اجمالی دلیل پوشیدہ ہے کہہ کر ایک اور تاکید کا اضافہ کرتا ہے یہ

اس کے بعد خدا نے عظیم و برتر کے اوصاف میں سے پانچ اوصاف بیان کرتے ہوئے کہتا ہے: وہ تو بہ کرنے والے بندوں کو بخشنے والا اور مومنین کو دوست رکھنے والا ہے: (وہو الغفور الودود)۔

۔ "وہ مختص قدرت والا، عالم ہستی پر حکومت مطلق رکھنے والا اور صاحبِ مجد و عظمت ہے" (ذوالعرش المجید)۔
۔ "وہ کام کا ارادہ کر کے اسے انجام دیتا ہے" (فعال لما یوید)۔

"غفور وودود" دونوں مبالغہ کے صیغہ ہیں اور اس کی انتہائی بخشش اور محبت کی طرف اشارہ ہیں۔ گناہگار تو بہ کرنے والوں کا بخشنے والا اور بندگان صالح کے بارے میں شفیق و مہربان۔

حقیقت میں ان اوصاف کا ذکر اس شدید کے مقابلہ میں جو گزشتہ آیات میں آئی ہے اس حقیقت کو بیان کرنے کے لیے ہے کہ بازگشت کا راستہ گناہ گاروں کے سامنے کھلا ہے اور خدا شدید العقاب ہونے کے باوجود غفور وودود و رؤف و مہربان ہے۔

جو کچھ کہا گیا ہے اس سے واضح ہو جاتا ہے کہ وودود یہاں فاعل کے معنی رکھتا ہے نہ کہ مفعول کے۔ اور یہ جو بعض مفسرین نے وودود کے لفظ کو اسم مفعول کے معنوں میں سمجھا ہے، مثل رکوب کے جو مرکب کے معنی میں آیا ہے یعنی خدا سے بہت زیادہ محبت و دوستی کی گئی ہے، غفور کی صفت کے ساتھ جو اس سے پہلے آئی ہے کوئی مناسبت نہیں رکھتا۔ اس لیے کہ خدا کا ہدف و مقصد بندوں سے محبت کرنا اور انہیں دوست رکھنا ہے نہ کہ بندوں کا اس کی نسبت دوست رکھنا اور محبت کرنا ہے۔

تیسری صفت یعنی ذوالعرش، اس طرف توجہ کرتے ہوئے کہ عرش بلند تخت شاہی کے معنی میں ہے، اس قسم کے موارد میں قدرت و حاکمیت کا کنایہ ہے اور اس حقیقت کو بیان کرتا ہے کہ جہاں ہستی کی حکومت اسی کے لیے ہے اور جو کچھ وہ ارادہ کرے وہ انجام پا جاتا ہے۔

اس بنا پر حقیقت میں فعال لما یوید، "کا جملہ اس حاکمیت مطلقہ کے لازم میں سے ہے اور ان سب میں مسئلہ معاد اور مومنوں کو موت کے بعد زندہ کرنے اور قتل و دہشتہ کرنے والے جباروں کو سزا دینے اور کیڑا کر دار ملک

سے معاد کے بارے میں مندرجہ بالا خوب صورت و سلیس دہی ہے جو سورہ یسین کے آخر میں آیہ ۹، میں بھی آئی ہے۔
(قل یحییٰ الذی انشاها اول مرة و هو بكل خلق علیم) کہ دے وہی ذات جس نے اسے ابتدا میں خلق کیا ہے دوبارہ زندہ کرے گی اظہار اپنی پوری محنت سے آگاہ ہے۔ کہتے ہیں کہ قارانی کی آرزو یعنی کاش مشورہ بر تانی فیصوت اوسط زندہ ہوتا تاکہ وہ حکم اور خوب صورت دلیل معاد و قیامت کے بارے میں قرآن مجید کی طرف سے سنا۔

پہچانے کے سلسلہ میں اس کی طاقت و قدرت کی نشاندہی کرتا ہے۔
 ”مجید“۔ ”مجد“ کے مادہ سے کرم و شرافت و جلالت کی وسعت کے معنی میں ہے اور یہ ایسی صفات
 میں سے ہے جو خدا کی ذات سے مخصوص ہیں اور دوسروں کے بارے میں بہت کم استعمال ہوتی ہیں۔
 یہ پانچوں صفیں ایک واضح انجام اور ایک دوسرے سے تعلق رکھتی ہیں اس لیے کہ غفور و ودود ہونا
 اس وقت مفید ہے جب قدرت حاصل ہو اور کرم و وسیع اور نعمت بے پایاں ہو تاکہ وہ جو کچھ ارادہ کرے
 انجام دے سکے۔ نہ کوئی چیز اس کے کام میں مانع ہو اور نہ کوئی مقابلہ کی قدرت رکھتا ہو اور اس کے ارادہ
 میں ضعف و نقاہت و شک و تردید و فتح کا امکان نہ ہو۔

- ۱۶ هَلْ أَشْكُ حَدِيثُ الْجُنُودِ
۱۸ فِرْعَوْنَ وَثَمُودَ
۱۹ بَلِ الَّذِينَ كَفَرُوا فِي تَكْذِيبٍ
۲۰ وَاللَّهُ مِنْ وَرَائِهِمْ مُحِيطٌ
۲۱ بَلْ هُوَ قُرْآنٌ مَجِيدٌ
۲۲ فِي لَوْحٍ مَحْفُوظٍ

ترجمہ

- ۱۶ کیا لشکروں کی داستان تجھ تک پہنچی ہے؟
۱۸ فرعون و ثمود کے لشکر۔
۱۹ بلکہ کفار ہمیشہ حق کی تکذیب میں مصروف رہتے ہیں۔
۲۰ اور خدا ان سب پر احاطہ رکھتا ہے۔
۲۱ (یہ کوئی جلد اور جھوٹ نہیں ہے) بلکہ با عظمت قرآن ہے۔
۲۲ جو لوح محفوظ میں موجود ہے۔

تفسیر

تُو نے دیکھا کہ خدا نے فرعون و ثمود کے لشکروں کے ساتھ کیا کیا؟

گزشتہ آیات خدا کی قدرت مطلقہ اس کی قطعی حاکمیت اور تشدد کرنے والے کفار کی تمدید کے طور پر تھیں۔ یہ بتانے کے لیے کہ یہ تمدیدیں عمل میں ہاتوں اور نعروں کی حد تک محدود نہیں ہیں، زیر بحث آیات میں رُئے سخن پیغمبر کی طرف کرتے ہوئے فرماتا ہے:

”کیا لشکروں کی داستان تجھ تک پہنچی ہے؟ (ہل اٹاٹ حدیث الجنود)۔ وہ عظیم لشکر جنوں نے خدائی پیغمبروں کے مقابلہ میں صف آرائی کی اور لڑنے کے لیے مستعد ہو گئے ماس گمان میں کہ وہ خدائی قدرت کے مقابلہ میں اپنے آپ کو پیش کر سکتے ہیں۔ اس کے بعد ان کے دو بہت ہی واضح اور آشکار نمونوں کی طرف جن میں سے ایک قدیم الایام میں اور دوسرا بہت ہی نزدیک کے زمانہ میں وقوع میں آیا، اشارہ کرتے ہوئے فرماتا ہے:

”وہی فرعون اور ثمود کے لشکر“ (فرعون و ثمود)۔ ”وہی جن میں سے بعض نے دنیا کے مشرق و مغرب کو اپنے زیر تسلط کر لیا تھا اور بعض نے پہاڑوں کو چیر کر بڑے بڑے پھر کاٹ کر ان سے بڑے بڑے مکانات، قصر اور محل بنائے اور کسی میں بھی ان کا مقابلہ کرنے کی جرأت نہیں تھی لیکن خدا نے پہلے گردہ کو پانی کے ذریعہ اور دوسرے کی آندھی کے وسیلے سے، جو دونوں انسانی زندگی کا ذریعہ ہیں اور زیادہ لطیف موجودات شمار ہوتے ہیں، سرکوبی کی۔ دریا سے نیل کی مہجیں فرعون اور اس کے لشکر کو نکل گئیں اور ٹھنڈی اور سرکوبی کرنے والی ہوا قوم ثمود کو پرکھ کر طرح اٹھاتی اور تھوڑے وقفہ کے بعد ان کے بے جان جسموں کو سطح زمین پر پھینک دی تھی تاکہ مشرکین عرب جان لیں کہ وہ کچھ بھی نہیں کر سکتے۔

جب خدا نے ان عظیم اور طاقتور لشکروں سے اس طرح انتقام لیا تو ان لوگوں کی کیا ہستی ہے جو ان کے مقابلہ میں بہت ہی کمزور و ناتواں ہیں مگر چہ اس کی قدرت کے مقابلہ میں ضعیف و قوی سب برابر ہیں۔ گزشتہ عام اقوام میں سے قوم ثمود و فرعون کا انتخاب سرکش قوموں کے نمونہ کے طور پر اس بنا پر ہے کہ وہ دونوں قومیں انتہائی طاقتور تھیں۔ ایک گزشتہ ادوار سے متعلق تھی (قوم ثمود) اور دوسری زیادہ نزدیک ماضی سے تعلق رکھتی تھی (قوم فرعون)، علاوہ ازیں قوم عرب ان ناموں سے باخبر تھی اور اجمالی طور پر ان کی تاریخ سے آشنا تھی۔

بعد والی آیت میں مزید کہتا ہے: ”بلکہ وہ لوگ کافر ہو گئے وہ ہمیشہ حق کی تکذیب میں گرفتار و مبتلا ہیں“ (بل الذین کفروا فی تکذیب)۔ اس طرح نہیں ہے کہ حق کی نشانیاں کسی سے مخفی ہیں۔ عناد اور ہٹ دھرمی اجازت نہیں دیتے کہ بعض لوگ راہ نکال کر منزل حق کی طرف قدم بڑھائیں۔

”بل“ کی تعبیر جو اصطلاح کے مطابق ”اضراب“ (ایک چیز سے دوسری چیز کی طرف عدد دل کرنے کے لیے ہے، گویا اس طرف اشارہ ہے کہ یہ مشرک گردہ قوم فرعون و ثمود سے بھی بدتر اور زیادہ ہٹ دھرم ہے۔ یہ لوگ ہمیشہ قرآن کے انکار اور تکذیب میں لگے رہتے ہیں اور اس مقصد کے لیے ہر ذریعہ اور وسیلہ سے فائدہ اٹھاتے ہیں۔ لیکن انہیں جان لینا چاہیے کہ خدا ان سب پر احاطہ رکھتا ہے اور وہ سب اس کی قدرت کی گرفت میں ہیں (واللہ من ورائہم محیط)۔

اگر خدا انہیں صلت دیتا ہے تو عجز و ناتوانی کی بناء پر نہیں ہے اور اگر انہیں جلدی سزا نہیں دیتا تو وجہ یہ نہیں

ہے کہ وہ اس کی اعلیٰ قدرت سے باہر ہیں (وراثت) ان کے پیچھے اور پس پشت کی تعبیر اس طرف اشارہ ہے کہ وہ ہر جہت سے قدرت الہی کے قبضہ میں ہیں اور قدرت تمام اطراف سے ان کا احاطہ کیے ہوئے ہے۔ اس بنا پر ممکن نہیں ہے کہ اس کی عدالت اور سزا سے راہ فرار اختیار کر سکیں۔

یہ احتمال بھی ہے کہ اس سے مراد ان کے اعمال پر تمام جہات سے خدا کا علمی احاطہ ہو اس طرح سے کہ ان کی کوئی گرفتار، ان کا کوئی کردار اور ان کا کوئی کام اس سے مخفی نہیں ہے۔ بعد والی آیت میں مزید کہتا ہے: "ان کا قرآن کی تکذیب پر اصرار اور اسے سحر، جادو، شراد و کمانت سے تشبیہ دینا، بیہودہ اور فضول بات ہے بلکہ وہ قرآن مجید با عظمت اور بلند مرتبہ ہے (بل هو قرآن مجید)۔" ایسا کلام ہے جو لوح محفوظ میں ثبت ہے اور نا اہل شیاطین اور کامنوں کا ہاتھ ہرگز اس تک نہیں پہنچتا، اور ہر قسم کے تغیر، تبدیلی، اضافہ اور نقصان سے محفوظ ہے (فی لوح محفوظ)۔

اس بنا پر اگر وہ ناروا نسبتیں تیری طرف دیتے ہیں اور تجھے شاعر، ساحر، کائن اور مجنوں کہتے ہیں تو تو اس سے ہرگز غلگین نہ ہو۔ تیری نگاہ علم، تیری راہ روشن و واضح اور تیرا حمایتی صاحب قدرت ہے۔ "مجید جیسا کہ ہم نے کہا ہے" مجد کے مادہ سے شرافت و جلالت کی وسعت کے معنی میں ہے اور یہ معنی قرآن کے بارے میں پورے طور پر صادق آتے ہیں، اس لیے کہ قرآن کے مشمولات و مضامین وسیع و عظیم ہیں اور اس کے معانی بلند و پرمایہ ہیں۔

معارف و عقائد کے سلسلہ میں بھی اور اخلاق و مواضع و احکام و قسمن کے بارے میں بھی۔ (لوح، لام کے زبر کے ساتھ) حریف و وسیع صفحہ کے معنی میں ہے جس پر کوئی چیز لکھتے ہیں اور لوح (لام کے پیش کے ساتھ) پیاس کے معنی میں ہے۔ اس نوا کو بھی کہتے ہیں جو زمین و آسمان کے درمیان موجود ہے۔ وہ فعل جو پہلے تلفظ سے مشتق ہوتا ہے آشکار ہونے اور چکنے کے معنوں میں ہے۔

برہال یہاں مراد وہ صفحہ ہے جس پر قرآن مجید تحریر ہے۔ لیکن وہ صفحہ نہیں جو ہمارے درمیان رائج ہے جو الواح کی مانند ہے بلکہ ایک تفسیر کے مطابق جو ابن عباس سے منقول ہے کہ:

لوح محفوظ کا طول زمین و آسمان کے درمیانی فاصلے کے برابر ہے اور عرض مغرب و مشرق کے فاصلے کے برابر ہے۔ یہ وہ مقام ہے جہاں عکس ہوتا ہے کہ لوح محفوظ وہی علم خدا کا ایک صفحہ ہے جس نے عالم کے شرق و غرب کو گھیر رکھا ہے اور وہ ہر قسم کی دگرگونی، تغیر اور تبدیلی و تخریب سے محفوظ ہے۔

جی ہاں! قرآن کا سرچشمہ حق تعالیٰ کا علم ہے پایاں ہے۔ یہ انسانی فکر کی پیداوار نہیں ہے نہ یہ القائے شیاطین کا نتیجہ ہے۔ اس کے مشمولات و مضامین اس حقیقت کے گواہ ہیں۔

یہ احتمال وہی چیز ہے جسے قرآن مجید میں بھی کتاب میں سے اور بھی ام الکتاب سے تعبیر کیا گیا ہے جیسا کہ سورہ رعد کی آیت ۳۹ میں ہم پڑھتے ہیں (یصحوا اللہ ما یشاء ویثبت وعندہ ام الکتاب) خدا جسے چاہتا

سے محو کر دیتا ہے اور جہے چاہتا ہے ثابت رکھتا ہے اور اس کے پاس ام الکتاب ہے۔ اور سورہ انفام کی آیت ۵۹ میں آیا ہے (ولا تطع ولا یابس الا فی کتاب مبین) خشک و تر کی کوئی چیز ایسی نہیں مگر یہ کہ واضح کتاب میں ثبت ہے۔

خداوند! ہمیں اپنی اس عظیم آسمانی کتاب کی حقیقت سے زیادہ آشنا فرما۔

پروردگار! اس دن جس میں مومنین صالح فوز کبیر حاصل کریں گے اور کافریں مجرم عذاب حریق میں گرفتار ہوں گے ہمیں اپنے دامن عافیت میں پناہ دیجئے۔

بارالہ! تو غفور و ودود و رؤف و مہربان ہے، تو ہم سے وہ سلوک کر جو تیرے ان اسمائے صفات سے ہم آہنگ ہے۔ وہ سلوک نہ کیجو جس کا ہمارے اعمال تقاضا کرتے ہیں۔

آمین یا رب العالمین

سورہ بروج کا اختتام

سُورَةُ طَارِقِ

Presented by: <https://jafrilibrary.com/>

یہ سورہ مکہ میں نازل ہوا
اور اس میں ۱۷ آیتیں ہیں

سورہ طارق کے مضامین اور ان کی فضیلت

اس سورہ کے مطالب نہایت عمدہ طریقہ سے دو محوروں کے گرد گھومتے ہیں۔

۱۔ معاد و قیامت کا محور۔

۲۔ قرآن مجید اور اس کی قدر و قیمت و اہمیت کا محور۔

لیکن سورہ کے آغاز میں فکر آفریں قسموں کے بعد ان نگہانوں کی طرف اشارہ کرتا ہے جو خدا کی طرف سے بندوں پر مقرر ہیں اور معاد و قیامت کے امکان کو ثابت کرنے کے بعد پہلی زندگی، یعنی انسان کے نطفہ کے پانی سے پیدا ہونے کی طرف اشارہ کر کے نتیجہ اخذ کرتا ہے اور فرماتا ہے،

”وہ خدا جو قدرت رکھتا ہے کہ اسے اس قسم کے بے قیمت اور ناچیز پانی سے پیدا کرے، وہ نئے سرے سے اس کی بازگشت کی توانائی اور طاقت بھی رکھتا ہے۔ بعد کے مرحلے میں روزِ قیامت کی بعض خصوصیات کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ اس کے بعد متعدد پُر معنی قسموں کے حوالہ سے قرآن کی اہمیت کو گوش گزار کرتا ہے اور آخر کار سورہ کو خدائی عذاب کی اس شدید پر ختم کرتا ہے جو کافروں کے لیے ہے۔

اس سورہ کی فضیلت کے بارے میں ایک حدیث میں ہیں پیغمبر اسلامؐ سے معلوم ہوتا ہے کہ (من قرأ ہا اعطاه اللہ بعد دکل نجم فی السماء عشر حسنات) جو شخص اس کی تلاوت کرے خدا اسے ہر اس ستارے کی تعداد کے مقابلہ میں، جو آسمان میں ہے، دس نیکیاں عطا کرتا ہے بلکہ

اور ایک حدیث میں امام جعفر صادقؑ سے منقول ہے (من کان قرائتہ فی الفریضۃ والسماء والطارق کان لہ عند اللہ یوم القیامۃ جاہ و منزلۃ وکان من رفقاء النبیین واصحابہم فی الجنۃ) جو شخص نمازِ فریضہ و واجب میں سورہ والسماء والطارق کی تلاوت کرے وہ روزِ قیامت خدا کے ہاں عظیم مقام و منزلت کا حامل ہوگا اور جنت میں پیغمبروں کے رفقاء اور ان کے اصحاب میں سے ہوگا بلکہ

واضح رہے کہ سورہ کے مضامین پر عمل کرنا ہی ایسی چیز ہے جس کا یہ اجر عظیم ہے، نہ کہ وہ تلاوت جو عمل اور غور و فکر سے خالی ہو۔

- بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ
- وَالسَّمَاءِ وَالطَّارِقِ ۝ (۱)
- وَمَا أَدْرَاكَ مَا الطَّارِقُ ۝ (۲)
- النَّجْمُ الثَّاقِبُ ۝ (۳)
- إِنْ كُلُّ نَفْسٍ لَّمَّا عَلَيْهَا حَافِظٌ ۝ (۴)
- فَلْيَنْظُرِ الْإِنْسَانُ مِمَّ خُلِقَ ۝ (۵)
- خُلِقَ مِنْ مَّاءٍ دَافِقٍ ۝ (۶)
- يَخْرُجُ مِنْ بَيْنِ الصُّلْبِ وَالتَّرَائِبِ ۝ (۷)
- إِنَّهُ عَلَى رَجْعِهِ لَقَادِرٌ ۝ (۸)
- يَوْمَ تُبْلَى السَّرَائِرُ ۝ (۹)
- فَمَا لَهُ مِنْ قُوَّةٍ وَلَا نَاصِرٍ ۝ (۱۰)

ترجمہ

رحمن ورحیم خدا کے نام سے۔

- ۱) قسم ہے آسمان کی اور رات کے کھٹکھٹانے والے کی۔
- ۲) اور تو نہیں جانتا کہ رات کو کھٹکھٹانے والا کیا ہے؟
- ۳) وہی درخشاں ستارہ اور تاریکیوں کو پھیرنے والا۔
- ۴) (اس عظیم خدائی آیت کی قسم) ہر شخص کا ایک مراقب و محافظ ہے۔
- ۵) انسان کو دیکھنا چاہیے کہ وہ کس چیز سے پیدا کیا گیا ہے؟
- ۶) وہ اچھلتے ہوئے پانی (منی) سے پیدا ہوا ہے۔

- ۷ وہ پانی جو پشت اور سینوں کے درمیان سے خارج ہوتا ہے۔
- ۸ (وہ جس نے اسے اس قسم کی ناچیز شے سے پیدا کیا ہے) اسے واپس لوٹا سکتا ہے۔
- ۹ جس دن اسرار کھلیں گے۔
- ۱۰ اور اس کے لیے کوئی قوت اور مددگار نہیں ہے۔

تفسیر

اے انسان دیکھ کہ تو کس چیز سے پیدا ہوا ہے؟

یہ سورۃ بھی قرآن کے آخری پارہ کی بہت سی دوسری سورتوں کی طرح خوبصورت اور فکر انگیز قسموں کے ساتھ شروع ہو رہا ہے۔ ایسی قسمیں ایک عظیم حقیقت کے بیان کی تمہید ہیں۔
 ”قسم ہے آسمان کی اور رات کو کھٹکھٹانے والے کی“ (والسما والطارق)۔ ”اور تو نہیں جانتا کہ رات کو کھٹکھٹانے والا کیا ہے“ (وما ادراک ما الطارق)۔ ”بلند و درخشاں اور رات کی تاریکیوں کو چیرنے والا ستارہ ہے“ (النجم الثاقب)۔

”طارق“ طرق (بروزن برق) کے مادہ سے کوٹنے کے معنی میں ہے۔ راستے کو اس لیے طریق کہتے ہیں کہ وہ چلنے والے لوگوں کے قدموں سے روندنا جاتا ہے اور مقرر اس ہتھوڑے کے معنوں میں ہے جسے دھاتوں وغیرہ کو کوٹنے کے لیے استعمال کیا جاتا ہے۔ چونکہ رات کو گھروں کے دروازے بند کر دیتے ہیں اس لیے وہ شخص جو رات کو آتا ہے دروازہ کھٹکھٹانے پر مجبور ہوتا ہے لہذا رات کو آنے والے شخص کو طارق کہتے ہیں۔

امیر المومنین حضرت علی اشعث بن قیس منافق کے بارے میں، جو رات کے وقت آپ کے دروازہ پر آیا تھا اور حلوہ اپنے ساتھ لایا تھا کہ اپنے خیال ناقص میں حضرت علیؑ کو اپنی طرف متوجہ کرے اور کسی معاملے میں آپ سے اپنے موافق حکم حاصل کرے، فرماتے ہیں (واعجب من ذالک طارق طرقتنا بملفوظہ وعائٹھا) اور اس سے زیادہ تعجب کی بات تو اس شخص کی ہے جس نے رات کے وقت دروازہ کھٹکھٹایا تھا اور وہ لذیذ حلوہ سے پُر ڈھکا ہوا برتن اپنے ہمراہ لایا تھا ۱۵

لیکن قرآن یہاں طالق کی خود تفسیر کرتا ہے اور کہتا ہے یہ رات کا مسافر وہی درخشاں ستارہ ہے جو آسمانی پند ظاہر ہوتا ہے اور اس قدر بلند ہے گویا چاہتا ہے کہ آسمان کی چھت میں سوراخ کر دے۔ اس کی روشنی آنکھوں کو اس قدر خیرہ کرنے والی ہے کہ تاریکیوں میں شکاف ڈال دیتی ہے اور انسان کی آنکھوں کے اندر نفوذ کرتی ہے۔ (توجہ فرمائیں کہ ثاقب ثقب کے مادہ سے سوراخ کرنے کے معنی میں ہے)۔

یہ بات کہ اس سے مراد کوئی معین ستارہ ہے، مثلاً ثریا نامی ستارہ (آسمان میں بلندی اور دوری کے لحاظ سے) یا زحل، پھر زہرہ یا شنب (خیرہ کرنے والی روشنی کے لحاظ سے) یا آسمان کے تمام ستاروں کی طرف اشارہ ہے۔ یہاں کئی تفسیریں کی گئی ہیں۔ لیکن اس طرف توجہ کرتے ہوئے کہ بعد کی آیت میں اسے نجم ثاقب (نفوذ کرنے والے ستارے) کے نام سے ظاہر کیا گیا ہے معلوم ہوتا ہے کہ اس سے مراد ہر ستارہ نہیں بلکہ وہ درخشاں ستارے ہیں جن کا نور تاریکی کے پردوں میں شکاف ڈال دیتا ہے اور انسان کی آنکھوں میں نفوذ کرتا ہے۔

بعض روایات میں النجم الثاقب کی زحل ستارے سے تفسیر کی گئی ہے جو نظام شمسی کے سیاروں میں سے بہت ہی پُر فروغ اور منور ستارہ ہے، اور یہ معنی اس حدیث سے بھی ظاہر ہوتے ہیں جو امام جعفر صادق علیہ السلام نے النجم الثاقب کی تفسیر کے سلسلہ میں ایک نجم کو بتاتے ہیں۔

آپ نے فرمایا: زحل ستارہ ہے جو ساتویں آسمان میں طلوع ہوتا ہے اور اس کی روشنی تمام آسمانوں کو چیرتی ہوئی پچھلے آسمان تک پہنچ جاتی ہے۔ اسی لیے خدا نے اسے نجم ثاقب کہا ہے۔

قابل توجہ بات یہ ہے کہ زحل آخری اور سب سے دور جو نظام شمسی ہے، اس کا ستارہ ہے، جو بغیر کسی آلے کی مدد کے خالی آنکھ سے دیکھا جاسکتا ہے۔ اور وہ چونکہ نظام شمسی کے ستاروں کی ترتیب کے اعتبار سے سورج کی نسبت کے پیش نظر ساتویں مدار اور مقام گردش میں قرار پاتا ہے (چاند کے مدار کے حساب سے) تو امام اس حدیث میں اس کا مدار ساتواں آسمان بتاتے ہیں۔ اس ستارے کی کچھ خصوصیات ہیں جو اسے قابل قسم بناتی ہیں۔ ایک تو یہ نظام شمسی کے سب سے دور ستاروں میں سے ہے۔ اس وجہ سے ادب عربی میں ہر بلندی کی اس سے مثال دیتے ہیں اور کبھی اسے شیخ النجوم بھی کہتے ہیں۔

زحل ستارہ، جس کا فارسی نام کیوان ہے، اس کے کئی نورانی حلقے ہیں جو اس کا احاطہ کیے ہوئے ہیں۔ اس کے آٹھ چاند ہیں۔ زحل کے نورانی حلقے جو اس کا احاطہ کیے ہوئے ہیں عجیب ترین آسمانی مظاہر میں سے ہیں جن کے بارے میں ماہرین فلکیات کے مختلف نظریات ہیں اور وہ حلقے اب بھی پُر اسرار موجودات ہیں۔ بعض مفسرین کا نظریہ ہے کہ زحل کے دس چاند ہیں جن میں سے آٹھ کا عام بخروی دور بیٹوں سے مشاہدہ کیا جاسکتا ہے اور دوسرے

دو چاند صرف بہت بڑی دور بینوں سے نظر آسکتے ہیں بلکہ

مذکورہ اسرار اس وقت کسی پر قطعاً واضح نہیں تھے جب قرآن نازل ہوا تھا۔ وہ اس کے صدیوں بعد آشکار ہوئے۔ بہر حال نجم ثاقب کی زحل ستارے سے تفسیر خصوصیت کے ساتھ ممکن ہے، ایک واضح مصداق کے بیان کی قبل سے ہو اور وہ اس راہ میں حائل نہ ہو کہ آسمان کے دوسرے درخشاں ستاروں سے تفسیر کی جائے اس لیے کہ ہم جانتے ہیں کہ ہماری روایات میں مصداقی تفسیر بہت زیادہ ہے۔

سورہ صافات کی آیت ۱۰ میں ہم پڑھتے ہیں (الآ من خطف الخطفۃ فاتبعد شہاب ثاقب) ”مگر وہ جو مختصر سے لمحے میں استراق سمع کے لیے (چوری چھپے کان لگا کر سننے کے لیے) آسمان کے نزدیک ہو تو شہاب ثاقب اسکا تعاقب کرتا ہے“

تو اس آیت میں شہاب کی توصیف لفظ ثاقب سے ہوئی ہے اور چونکہ یہ آسمان میں وجود میں آنے والی چیز عجائبات عالم میں سے ایک ہے، لہذا ممکن ہے کہ زیر بحث آیت کی ایک تفسیر یہ بھی ہو۔ اس آیت کے لیے جو شاہن نزول بعض کتب تفسیر میں بیان ہوئی ہے وہ بھی ان معانی کی تائید کرتی ہے بلکہ

اب ہم دیکھیں گے کہ یہ قسمیں کس لیے ہیں۔ بعد میں آنے والی آیت میں فرماتا ہے: ”مسلم ہے کہ ہر ایک شخص کا ایک مراقب و محافظ ہے“ (ان من نفس لما علیہا محافظ)۔

جو اس کے اعمال کو لکھتا ہے اور حساب کتاب اور جزا و سزا کے لیے محفوظ رکھتا ہے جیسا کہ سورہ انفطار کی آیت ۱۰، ۱۱، ۱۲ میں ہم پڑھتے ہیں (وان علیکم لحافظین کواماً کاتبین یعلون ما تفعلون) ”اور تم پر کچھ محافظ مقرر کر دیئے گئے ہیں، لکھنے والے معزز، جو ہمیشہ تمہارے اعمال لکھتے رہتے ہیں اور جو کچھ انجام دیتے ہو وہ اس سے واقف ہیں“

اس طرح تم اکیلے اور تمہا نہیں ہو اور تم میں سے کوئی بھی ہو اور جہاں کہیں بھی ہو، وہ پروردگار کے مامورین کی زیر نگرانی ہوگا۔ یہ ایسا مفہوم ہے جس کی طرف توجہ انسان کی اصلاح و تربیت کے لیے بے حد موثر ہے۔ قابل توجہ بات یہ ہے کہ آیت میں یہ نہیں بیان کیا گیا کہ یہ محافظ کون ہے اور کن امور کی حفاظت کرتا ہے۔

لیکن قرآن کی دوسری آیتیں گواہی دیتی ہیں کہ حفاظت کرنے والے فرشتے ہیں اور جن چیزوں کی حفاظت کرتے ہیں وہ انسان کے اعمال ہیں، قطع نظر اس سے کہ وہ اطاعتیں ہوں یا معاصی و گناہ۔ یہ احتمال بھی پیش کیا گیا ہے کہ اس سے مراد انسان کی حوادث و مملکت سے حفاظت ہے۔

۱۔ دائرۃ المعارف و معجم زادہ زحل۔

۲۔ روح المعانی، جلد ۱۰ ص ۳۹۷۔

۳۔ اس آیت میں ان نافیہ ہے اور لما الآ کے معنی میں ہے۔

واقعی اگر خدا انسان کی حفاظت نہ کرے تو دنیا میں بہت کم افراد کو طبعی موت نصیب ہو اس لیے کہ حادثات کا حجم اس قدر زیادہ ہے کہ کوئی بھی ان سے نہیں بچ سکتا۔ خصوصاً وہ بچے جن کی عمر ابھی چند سال ہی کی ہوتی ہے۔ ممکن ہے یہ بھی مراد ہو کہ شیطانی دوسروں سے انسان کی حفاظت کی جاتی ہے، اس لیے کہ اگر خدا کی طرف سے فراہم کی ہوئی یہ حفاظت نہ ہو تو جن دوائس پر مبنی شیاطین کے دوسرے اس قدر زیادہ ہیں کہ کوئی فرد بھی اس سے محفوظ نہیں رہ سکتا۔

لیکن اس طرف توجہ کرتے ہوئے کہ بعد والی آیت مسئلہ معاد و قیامت اور اعمال و کردار کے حساب کتاب میں گفتگو کرتی ہے لہذا پہلی تفسیر سب سے زیادہ مناسب ہے۔ اگرچہ اس آیت میں ان تینوں تفسیروں کو جمع کرنے سے بھی کوئی قباحت پیدا نہیں ہوتی۔

قابل توجہ یہ ہے کہ پہلے بیان شدہ قسموں کے اور اعمال انسان کی فرشتوں کے ذریعہ حفاظت کے مسئلہ کے درمیان ایک زندہ رابطہ ہے، اس لیے کہ بلند آسمان اور وہ سارے، جو اپنے منظم راستوں میں مسلسل راہ پیمائی کر رہے ہیں، اس عالم عظیم میں نظم و ضبط اور حساب کتاب کے موجود ہونے کی دلیل ہے تو پھر کس طرح ممکن ہے کہ انسان کے اعمال حساب کتاب کے بغیر ہوں اور مراقبین الہی اور محافظین خدائی ان کی نگرانی نہ کریں۔

اس کے بعد مسئلہ معاد کے ایک استدلال کے عنوان سے ان لوگوں کے مقابلہ میں جو اسے غیر ممکن سمجھتے ہیں، فرماتا ہے: ”انسان کو دیکھنا چاہیے کہ وہ کس چیز سے پیدا کیا گیا ہے“ (فلینظر الانسان م خلق)۔

اس طرح قرآن تمام لوگوں کا ہاتھ پکڑ کر پہلی خلقت کی طرف واپس لے جاتا ہے اور ایک جملہ استنباطیہ کے ذریعہ ان سے پوچھتا ہے ”تمہاری خلقت کس چیز سے ہوئی ہے؟“ اور بغیر اس کے کہ ان کے جواب کا انتظار نہ کرے اس سوال کا جواب جو بالکل واضح ہے، خود دیتا ہے اور مزید کہتا ہے:

”وہ ایک ٹپکنے والے پانی سے خلق ہوا ہے“ (خلق من ماء دافق)۔ جو مرد کے نطفہ کی توصیف ہے جو مٹی کے پانی میں تیرتا ہے اور باہر آتے وقت ٹپکتا ہے۔ اس کے بعد اس پانی کی ایک اور توصیف کرتے ہوئے کہتا ہے: ”جو صلب و تراشب کے درمیان میں سے نکلتا ہے“ (یخرج من بین الصلب والترائب)۔

”صلب“ کے معنی پشت کے ہیں اور تراشب ترمیم کی جمع ہے جو علمائے لغت کے مطابق سینے کے اوپر کی ہڈیوں کے معنی میں ہے، جس کے اوپر گلوبند باندھا جاتا ہے۔ جیسا کہ ابن منظور لسان العرب میں کہتا ہے: (قال اهل اللغة اجعون موضع القلادة من الصدر)

سب اہل لغت کہتے ہیں وہ سینے کے قلاوہ والی جگہ ہے۔ اس کے باوجود اس کے کئی اور معانی بھی بیان ہوئے ہیں۔ منجملہ ان کے ایک یہ کہ تراشب کے معنی ہاتھ، پاؤں اور آنکھیں ہیں، یا یہ کہ سینے کی ساری ہڈیاں ہیں۔ یا دائیں طرف کی چار ہڈیاں، یا بائیں طرف کی چار ہڈیاں ہیں۔ بہر حال یہ کہ اس آیت شریفہ میں صلب و تراشب سے کیا مراد ہے، اس عنوان پر مفسرین کے درمیان بہت کچھ اختلاف ہے اور اس سلسلہ میں انہوں نے بہت سی

تفسیر میں تحریر کی ہیں ان میں سے چند درج ذیل ہیں :

۱۔ صلب " مردوں کی طرف اشارہ ہے اور " ترائب " عورتوں کی طرف ، اس لیے کہ مرد منظر صلابت اور عورتیں منظر لطافت و زینت ہیں ۔ اسی لیے یہ آیت نطفہ انسانی کی ترکیب کی طرف مرد و عورت کے نطفے کے حوالے سے اشارہ کرتی ہے جو موجودہ زمانے کی اصلاح میں " اسپرم " (SPERM) اور " اڈول " کے نام سے موسوم ہے ۔

۲۔ " صلب " اشارہ ہے مرد کی پشت کی طرف اور ترائب اشارہ ہے اس کے پیٹے اور بدن کے اگلے حصہ کی طرف ۔ اس بناء پر مراد صرف مرد کا نطفہ ہے جو شکم کے اندرونی حصوں میں سے پشت اور اگلے حصے کے اندر سے خارج ہوتا ہے ۔

۳۔ مراد عورت کے رحم سے جنین کا خروج ہے جو اس کی پشت اور بدن کے اگلے حصہ میں قرار پاتا ہے ۔

۴۔ بعض مفسرین نے کہا ہے کہ یہ آیت ایک دقیق علمی نکتہ کی طرف اشارہ کرتی ہے جس سے اس آخری زمانہ کے انکشافات نے پردہ اٹھایا ہے ، جو نزول قرآن کے زمانے میں یقیناً پناہا تھا اور وہ یہ کہ نطفہ مرد کے بیٹھے اور عورت کے تمدان سے لیا جاتا ہے اور ماہرین جنین شناسی کے حوالے بتاتے ہیں کہ یہ دونوں ابتداء میں جب جنین میں ظاہر ہوتے ہیں تو گردوں کے قرب میں جوتے ہیں اور تقریباً پشت کے مردوں کے ستون کے وسط کے مقابلہ میں صلب اور ترائب (پشت اور انسان کی پچلی پسلیاں) کے درمیان قرار پاتے ہیں ۔ پھر کچھ وقت گزرنے کے بعد اور ان دونوں اعضاء کے نشوونما سے اس جگہ سے نیچے آجاتے ہیں اور ان میں سے ہر ایک اپنی موجودہ جگہ پر آجاتا ہے ۔

چونکہ انسان کی پیدائش عورت و مرد کے نطفہ کی ترکیب سے ہوتی ہے اور دونوں ابتداء میں اصل محل صلب و ترائب کے درمیان قرار پاتا ہے لہذا قرآن نے اس قسم کی تعبیر کو منتخب کیا ہے وہ تعبیر جو اس زمانے میں کسی کو معلوم نہیں تھی اور جدید علم جنین شناسی نے اس پر پردہ اٹھایا ہے ۔

زیادہ واضح تعبیر میں مرد کا بیٹھے اور عورت کا تمدان ابتداء سے خلقت میں ، یعنی اس وقت جب عورت و مرد خود عالم جنین میں تھے ، ان کی پشت میں قرار پایا تھا ، جو تقریباً پشت کے مردوں کے ستون کے وسط کے مقابل تھا ۔ اس طرح سے کہا جاسکتا ہے کہ مرد کا نطفہ ساز کارخانہ اور عورت کی نطفہ ساز دستگاہ دونوں صلب و ترائب کے درمیان تھے ۔ لیکن آہستہ آہستہ جب مرد و عورت کی خلقت شکم مادر میں مکمل ہوتی ہے تو وہاں سے الگ ہو کر آہستہ آہستہ نیچے آتی ہے ، اس طرح سے کہ مرد کے بیٹھے کے قولہ کے وقت شکم سے باہر اور آلہ تناسل کے قریب

قرار پاتی ہے اور عورت کا تمدن دم کے قرب میں قرار پاتا ہے۔

لیکن اس تفسیر پر اہم اعتراض یہ ہے کہ قرآن کتا ہے کہ وہ ٹپکنے والا پانی صلب و ترائب کے درمیان سے خارج ہوتا ہے، یعنی پانی خروج کے وقت ان دونوں کے درمیان سے گزرتا ہے، جبکہ اس تفسیر کے مطابق نطفہ کے پانی کے خروج کے وقت ایسا نہیں ہوتا۔ بلکہ نطفہ ساز دستگاه اس موقع پر کہ جب خود شکم مادر میں ممتی تو اس وقت صلب و ترائب کے درمیان ممتی۔ اس سے قطع نظر ترائب کی تعبیر اگر بجلی آفری پیلوں سے کی جائے تب بھی بحث و تنقید سے خالی نہیں ہے۔

۵۔ اس جملہ سے مراد یہ ہے کہ ممتی حقیقت میں انسان کے تمام اجزائے بدن سے لی جاتی ہے۔ اسی لیے خروج کے وقت سارے بدن میں ہیجان ہوتا ہے اور اس کے بعد تمام بدن میں سُستی آجاتی ہے۔ اس لیے صلب و ترائب انسان کی عام پشت اور تمام اگلے حصہ کی طرف اشارہ ہے۔

۶۔ بعض نے یہ بھی کہا ہے کہ عمدہ ترین ممتی کی پیدائش کا عامل ”خناع شوکی“ حرام مغز ہے جو مرد کی پشت اور اس کے بعد دل و جگر میں، جن میں سے ایک سینے کی ہڈیوں کے نیچے اور دوسرا دونوں کے درمیان ہے اور یہی چیز سبب بنی کہ صلب و ترائب کے مابین کی تعبیر کا اس کے لیے انتخاب ہوا، لیکن ہر چیز سے پہلے شکل کے حل کرنے کے لیے اس اہم نکتہ کی طرف توجہ کی جائے کہ مندرجہ بالا آیات میں صرف مرد کے نطفہ کے بارے میں گفتگو ہے اس لیے کہ بطور واقعہ کی تعبیر (اچھل کر نطفہ والا پانی) مرد کے نطفہ پر صادق آتی ہے نہ کہ عورت کے نطفہ پر۔

یہی وجہ ہے کہ بعد والی آیت پر ”یخرج“ کی تعبیر جس کی طرف لوثی ہے اور کمتی ہے کہ یہ اچھل کر نطفہ والا پانی صلب و ترائب سے خارج ہوتا ہے، تو اس حساب سے اس بحث قرآنی میں عورت کو شریک کرنا مناسب نظر نہیں آتا، بلکہ زیادہ مناسب وہی تعبیر ہے کہ کما جائے کہ قرآن نطفہ کے دو اصل اجزاء میں سے ایک کی طرف، جو مرد کا نطفہ ہے اور سب کو معلوم ہے، اشارہ کرتا ہے اور صلب و ترائب سے مراد انسان کی پشت اور اگلا حصہ ہے اس لیے کہ مرد کے نطفہ کا پانی انہی دونوں کے درمیان میں سے نکلتا ہے بلکہ

یہ تعبیر واضح اور ہر قسم کی پیچیدگی سے خالی ہے اور حفظ کے معنی کے سلسلہ میں جو کچھ کتب لغت میں آیا ہے اس سے ہم آہنگ ہے۔ اس کے باوجود ممکن ہے کہ اس آیت میں ایک زیادہ اہم حقیقت بھی چھپی ہوئی ہو جو ہمارے موجودہ علم کی حد تک ہمارے لیے منکشف نہیں ہوئی اور ماہرین کے آئندہ کے انکشافات اس پر سے پردہ اٹھا سکیں گے۔

اس کے بعد اس بیان سے نتیجہ اخذ کرتے ہوئے فرماتا ہے: ”وہ جس نے انسان کو نطفہ کے پانی سے پیدا کیا

۱۔ قرآن کی دوسری آیتوں میں بھی جب نطفہ سے انسان کی خلقت کی گفتگو درمیان میں آتی ہے تو زیادہ تر مرد ہی کے نطفہ پر، جو ایک محسوس امر ہے، انحصار کیا جاتا ہے۔ سورہ نجم کی آیت ۶م اور قیامت کی آیت ۴۲ کی طرف رجوع فرمائیں۔

ہے، قادر ہے کہ اسے دوبارہ زندگی کی طرف لوٹائے، (انہ علی رجعه لقادر)۔
ابتداء میں وہ مٹی تھا۔ پیچیدہ اور تعجب انگیز مراحل طے کرنے کے بعد کامل انسان میں تبدیل ہوا۔ اس لیے
اس کی نئی زندگی کی طرف بازگشت کوئی شکل پیدا نہیں کرتی۔ اس بیان کی نظیر قرآن کی دوسری آیتوں میں بھی
نظر آتی ہے۔

سورہ حج کی آیت ۵ میں فرماتا ہے: (یا ایہا الناس ان کنتم فی ریب من البعث فانا خلقناکم من تراب
ثم من نطفۃ) ”اے لوگو! اگر قرآن کے بارے میں شک میں مبتلا ہو تو ہم نے تمہیں خاک سے پیدا کیا، پھر
نطفہ سے“ نیز سورہ مريم کی آیت ۶ میں ہم پڑھتے ہیں (اولایذکر الانسان انا خلقناہ من قبل ولم یک شیئاً)
”کیا انسان اس بات کو یاد نہیں کرتا کہ ہم نے اسے پہلے پیدا کیا، جبکہ وہ کوئی شے نہیں تھا؟“
اس کے بعد اس عظیم دن کی تعریف و توصیف کو پیش کرتے ہوئے فرماتا ہے: ”یہ بازگشت اس دن سخت پائے
گی جس دن اسرار آشکار ہوں گے“ (یوم تبلى السواشی)۔

”بتلی“ ”بلوی“ کے مادہ سے آزمائش اور امتحان کے معنی میں ہے اور چونکہ آزمائش کے وقت اشیا کی
حقیقت آشکار و واضح ہو جاتی ہے لہذا یہ مادہ یہاں ظہور و بروز کے معنی میں آیا ہے۔

”سراز“ ”سریرہ“ کی جمع ہے جو اندرونی پوشیدہ حالات، صفات اور خصلتوں کے معنی میں ہے۔
جی ہاں! اس دن جو یوم الظہور و یوم البروز ہے، اسرار آشکار ہو جائیں گے، قطع نظر اس سے کہ ایمان و کفر و
فحاق ہوں، یا نیت خیر و شر، یا زیاد اخلاص۔

روز بروز یہ ظہور مومنین کے لیے باعث افتخار و فزوانی نعمت ہوگا اور مجرموں کے لیے شرمساری اور سر کے
جھکنے کا سبب اور ذلت و خواری کا باعث۔ اور کیا ہی دردناک ہے کہ وہ انسان جس نے اپنی اندرونی خرابیوں اور
برائیوں کو عمر بھر لوگوں سے چھپاتے رکھا ہو اور ان کے درمیان عزت سے زندگی گزاری ہو، لیکن اس دن، جس دن
تمام اسرار آشکار ہوں گے، تو تمام مخلوق کے سامنے شرمسار اور ندامت سے سرنگوں ہو، اس لیے کہ بعض اوقات غلاب
ندامت و دوزخ کی آگ سے بھی زیادہ دردناک ہوتا ہے۔

سورہ الرحمن کی آیت ۱۴ میں بھی آیا ہے: (یعرف المجرمون بسیاھو) ”قیامت میں گنہگار اپنے جرموں
سے پہچانے جائیں گے“ نیز دوسری آیات میں ہے کہ ”قیامت میں ایک گروہ کے چہرے روشن اور تابناک ہوں گے
اور دوسرے گروہ کے چہرے تاریک و غبار آلود ہوں گے“ (عیس - ۳۸ - ۴۱)۔

جی ہاں! جس طرح طاریق اور ستارے رات کے وقت آسمان میں ظاہر ہوتے ہیں اور پردے سے بھر آ

یوم بیاں غرت ہے اور وجہ کاستحق ہے جو گزشتہ آیت میں آیا ہے اور اس قسم کے بار بار میں مصدر اور اس کے محول کے درمیان
فاصلہ ضرر نہیں رکھتا، اس لیے کہ یہ کسی انہی سے فاصلہ نہیں ہے۔

جاتے ہیں، وہ محافظ و مراقب جو انسان کے اعمال کے حفظ و ضبط پر مامور ہیں، وہ بھی وہاں سب کچھ ظاہر کر دیں گے۔ ایک روایت میں معاذ بن جبل سے منقول ہے، وہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول خدا سے اس آیت میں جو لفظ سرائر ہے اس کے معنی پوچھے کہ وہ کون سے اسرار ہیں جن کے ذریعہ خدا قیامت میں بندوں کو آزمائے گا؟ تو آپ نے فرمایا:

سرائرکم ہی اعمالکم من الصلوٰۃ والصیام والزکوٰۃ والوضوء والغسل من الجنابة وکل مفروض لان الاعمال کلھا سرائر خفیة فان شاء الرجل قال صلیت ولم یصل وان شاء قال قوضت ولم یتوضأ فذا لکم قوله یوم تبلی السرائر

تمہارے سرائر تمہارے اعمال ہی ہیں، مثلاً نماز، روزہ، زکوٰۃ، وضو، غسل جنابت اور ہر واجب عمل اس لیے کہ تمام اعمال حقیقت میں پنهان ہیں۔ اگر انسان چاہے تو کہہ دے کہ میں نے نماز پڑھی ہے جبکہ اس نے نہ پڑھی ہو اور کہہ سکتا ہے کہ میں نے وضو کیا ہے جبکہ نہ کیا ہو۔ یہ ہے خدا کے اس کلام کی تفسیر (یوم تبلی السرائر)۔

اس دن اہم مشکل یہ ہوگی کہ انسان کے لیے کوئی قوت و طاقت اندر سے اور کوئی یاد و ہمدرد باہر سے نہیں ہوگا (فعمالہ من قوۃ ولا ناصر)۔ کوئی طاقت جو اس کے برے اعمال اور بُری نیت پر پردہ ڈالے اور کوئی مددگار جو اسے عذابِ الہی سے رهایی بخٹھے۔

یہ مفہوم بہت سی قرآنی آیات میں آیا ہے کہ اس دن نہ کوئی مددگار ہوگا نہ کوئی فدیہ اور خدا ہونے والا قبول ہوگا، نہ ہی کوئی فرار اور بازگشت کی راہ انسان کے سامنے ہوگی اور نہ کوئی راستہ عدالت پروردگار کے چنگل سے فرار کرنے کا راستہ ہوگا۔ نجات کا وسیلہ صرف اور صرف عمل صالح ہوگا۔ جی ہاں! نجات کا وسیلہ صرف یہی ہے۔

- ۱۱ وَالسَّمَاءِ ذَاتِ الرَّجْعِ ۝
- ۱۲ وَالْاَرْضِ ذَاتِ الصَّدْعِ ۝
- ۱۳ اِنَّهٗ لَقَوْلُ فَصْلٍ ۝
- ۱۴ وَمَا هُوَ بِالْهَزْلِ ۝
- ۱۵ اِنَّهُمْ يَكِيدُوْنَ كَيْدًا ۝
- ۱۶ وَّاَكِيدُ كَيْدًا ۝
- ۱۷ فَهَلِ الْكَافِرِيْنَ اَمْهَلُمْ رُوَيْدًا ۝

ترجمہ

- ۱۱ پُر بارش آسمان کی قسم۔
- ۱۲ اور پُر شکاف زمین کی قسم۔
- ۱۳ کہ یہ ایک سچی بات ہے۔
- ۱۴ اور یہ مذاق نہیں ہے۔
- ۱۵ وہ ہمیشہ مکر کرتے ہیں۔
- ۱۶ اور میں اس کے مقابلہ میں چارہ جوئی کرتا ہوں۔
- ۱۷ اب جبکہ ایسا ہے تو کافروں کو تھوڑی سی مہلت دے دے۔ (تاکہ اپنے اعمال کی سزا دیکھ لیں)

تفسیر

میں دشمنوں کے منصوبوں کو خاک میں ملا دیتا ہوں

گزشتہ آیات کے بعد، جن میں انسان کے نطفہ اور اس کی پہلی زندگی کی طرف توجہ کے حوالے سے استدلال

تھا، ان آیات میں پھر امر معاد پر تاکید کرتے ہوئے اور دوسرے دلائل کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرماتا ہے: ”قسم ہے بارش سے پُر آسمان کی“ (والسماوات ذات الرجیع)۔ اور قسم ہے زمین کی جو شگافتہ کی جاتی ہے اور اس میں سے سبزہ پھوٹتا ہے“ (والارض ذات الصدع)۔ کہ یہ ایک حق بات ہے کہ تم زندہ ہو جاؤ گے“ (وانہ لفعول فصل)۔

”یہ پختی بات ہے اور اس میں کسی قسم کی شوخی اور مزاح نہیں ہے“ (رد ماہو بالہزل)۔ ”رجع“ رجوع کے مادہ سے بازگشت کے معنی میں ہے اور عرب بارش کو رجع کہتے ہیں، اس وجہ سے کہ پانی زمین اور سمندروں سے اٹھتا ہے اور بارش کی صورت میں زمین کی طرف لوٹ آتا ہے۔ یا یہ کہ مختلف فاصلوں پر بار بار بارش ہوتی ہے۔

وہ گڑھے جن میں بارش کا پانی جمع ہو جاتا ہے انہیں بھی رجع کہتے ہیں، بارش کے پانی کے جمع ہو جانے کی بنا پر، یا ان لہروں اور موجوں کی بنا پر جو ان کی سطح پر ہوا کی جنبش سے پیدا ہوتی ہیں بلکہ ”صدع“ سخت اجسام میں شگافت پڑ جانے کے معنی میں ہے، اس طرف توجہ کرتے ہوئے کہ جو کچھ رجع کے معنی میں کہا گیا ہے اس کو خشک و سخت زمینوں کے بارش کے نزول کے بعد شگافتہ ہونے اور سبزہ کی نشوونما کی طرف اشارہ سمجھا ہے۔ حقیقت میں یہ دونوں قسمیں اشارہ ہیں مردہ زمینوں کے بارش کی وجہ سے زندہ ہونے کی طرف جسے قرآن نے بار بار مسئلہ معاد کے سلسلہ میں بطور دلیل پیش کیا ہے۔ مثلاً سورہ ق کی آیت ۱۱ (واھینناہ بلدۃ میتاً کذا لک الخروج) ”ہم نے بارش کے ذریعہ مردہ زمینوں کو زندہ کیا اور قیامت میں تمہارا خروج بھی اسی طرح ہوگا“۔

اسی طرح ان قسموں کے درمیان اور ان چیزوں کے درمیان جن کے لیے قسم کھائی گئی ہے، واضح مناسبت ہے۔ یہ قرآن کے محاسن میں سے ایک ہے کہ قسموں کے درمیان اور ان کے درمیان جن کے لیے یہ قسمیں کھائی جا رہی ہیں، ایک عمدہ اور پرکشش تناسب نظر آتا ہے۔ جس طرح سورہ ج کی آیت ۵ میں مسئلہ معاد پر نطق سے انسان کی خلقت اور جنین کے اسرار سے استدلال کرتا ہے اور بارش کے نزول کے زیر اثر مردہ زمینوں کے زندہ ہونے پر استدلال کرتا ہے، اسی طرح اس سورہ (سورہ طارق) میں بھی ان دونوں مسائل پر انحصار کیا ہے۔

بعض مفسرین نے ”والسماوات ذات الرجیع“ کے جملے کے لیے ایک اور تفسیر بھی بیان کی ہے اور وہ ہے آسمان کے ستاروں کی گردش کی تکرار اور ان کا پہلی حالت کی طرف پھٹنا، زمین کی مختلف ادوار میں اپنے گرد اور سورج کے گرد گردش اور نظام شمسی کے سیاروں کی حرکت، چاند، سورج اور ستاروں کی طلوع و غروب کی حرکت۔ یہ سب حرکات بازگشت کی حامل ہیں۔ ان بازگشتوں کا وجود انسان کی حیات تازہ کی طرف بازگشت کی علامت ہے۔ البتہ پہلے معنی

زمین کے شگافہ ہونے اور مسد معاد کے دلائل کے ساتھ بہت زیادہ مناسبت رکھتے ہیں۔

قول فصل کے معنی ایسی بات کے ہیں جو حق و باطل کو الگ الگ کر دے۔ یہاں گزشتہ آیتوں کے قرینہ سے ایک گروہ نے اسے قیامت کی طرف اشارہ سمجھا ہے، جبکہ مفسرین کی ایک دوسری جماعت اسے قرآن کی طرف اشارہ سمجھتی ہے۔

مفسرین کی بعض روایات میں بھی اس طرف اشارہ ہوا ہے۔ البتہ قیامت کو یوم الفصل سے تعبیر کرنا قرآن کی بہت سی آیتوں میں نظر آتا ہے، جو ضمنی طور پر معاد کی خبر دیتی ہیں۔ اس طرح دونوں تفسیروں کے درمیان جمع بھی ممکن ہے۔

ایک حدیث میں امیر المومنین حضرت علیؑ کے واسطے سے پیغمبر اسلامؐ سے منقول ہے کہ آپؐ نے فرمایا: (انھا ستكون فتنة قلتم فما المخرج منها يا رسول الله قال كتاب الله فيه نبأ من قبلكم وخبر ما بعدكم وحكم ما بينكم هو الفصل ليس بالهزل من توكله من جبار قصمه الله ومن ابتغى الهدى في غيره أضله الله)

”عقرب تبار سے درمیان فتنہ ظاہر ہوگا۔ میں نے عرض کیا اے خدا کے رسولؐ اس سے نجات کی کیا صورت ہے؟ فرمایا: قرآن جس میں گزشتہ اور آئندہ لوگوں کی خبریں اور تبار سے درمیان کے فیصلے ہیں اور وہ ایسا کلام ہے جو حق کو باطل سے جدا کر دیتا ہے، حکم دیتا ہے، اس میں شرعی و مزاح نہیں ہے۔ جو جبار اس کو چھوڑے گا خدا اس کی کمر توڑے گا اور جو شخص اس کے غیر سے ہدایت چاہے گا خدا اس کو گمراہ کر دے گا۔

اس کے بعد پیغمبرؐ و مومنین کو تسلی دینے کے لیے اور دشمنان اسلام کی تہدید کی عرض سے خداوند عالم مزید فرماتا ہے: ”وہ ہمیشہ کمر و حیلہ کرتے ہیں اور منصوبے بناتے ہیں (انھم یکیدون کیداً)۔ میں بھی ان کے مقابلہ میں ایک منصوبہ بناتا ہوں اور ان کی سازش کو خاک میں ملا دیتا ہوں۔ (و اکید کیداً)۔ اب جبکہ معاملہ اس طرح ہے تو کافروں کو تھوڑی سی سہولت دے دے تاکہ وہ اپنے اعمال کا انجام دیکھ لیں۔ (فمهل الكافرين امھلهم رویداً)۔

ہاں! وہ ہمیشہ منحوس منصوبے تھوڑے سے لٹنے کے بناتے رہتے ہیں۔ کبھی مذاق اڑاتے ہیں، کبھی دیوانہ بھگتے ہیں، کبھی صبح کو ایمان لاتے ہیں اور عصر کے وقت کافر ہو جاتے ہیں تاکہ ایک گروہ کو اپنے ساتھ واپس کفر کی طرف لے جائیں۔

کبھی کہتے ہیں کہ جو لوگ تیرے گرد جمع ہو گئے ہیں وہ فخر و بے نوا ہیں۔ انہیں دور کر تاکہ ہم تیرا ساتھ دیں۔ کبھی کہتے ہیں کہ ہم اذکم ہمارے بعض خداؤں کو قانونی طور پر قبول کر لے تو ہم تیرا ساتھ دیں گے۔ کبھی تجھے جلا وطن کرنے کا

اور قتل کرنے کا منصوبہ بناتے ہیں۔ خلاصہ یہ کہ ہر لمحے ایک نئے بھیس میں آتے ہیں تاکہ تیری جماعت کو متفرق و منتشر کر دیں اور تیرے اصحاب و انصار پر دباؤ ڈالیں یا تجھے ختم کر دیں اور خدا کے نور کو بجھا دیں۔

لیکن انہیں جاننا چاہیے کہ خدا نے ارادہ کیا ہے کہ یہ نور عالمگیر ہو جائے۔ یہ خدا کا نور ہے۔ یہ کسی کے چھونک مارنے سے نہیں بجھ سکتا۔ یہ فردزاں آفتاب ہے جو چمکا ڈردن کی چشم پوشی سے ختم نہیں ہو سکتا۔ وہ منصوبہ بناتے ہیں اور ہم بھی اپنی تدابیر کرتے ہیں۔

”کید۔ بقول مفردات راغب، ایک قسم کی چارہ جوتی ہے اور یہ دو قسم کا ہوتا ہے۔ ایک مذموم دوسرا پسندیدہ، اگرچہ اس کا استعمال مذموم چارہ جوتی میں زیادہ ہوتا ہے لیکن مدوح چارہ جوتی میں بھی ہوتا ہے مثلاً رکذ اللک کدنا لیوسف، ہم نے اس طرح یوسف کے لیے چارہ جوتی کی۔ (یوسف ۷۶)۔

دشمنوں کے کید و سنو کی مراد زیر بحث آیت میں واضح ہے۔ یہ وہی صورت حال ہے جس کے کچھ عنوانات کے متعلق ہم نے اوپر اشارہ کیا ہے اور قرآن ان کی ایذا رساں سازشوں اور شرارت پر مبنی واقعات سے پُر ہے۔ باقی رہ خدا کی کید اس سے یہاں کیا مراد ہے؟

بعض نے یہاں کہا ہے کہ وہی ملت دیتا ہے جو دردناک عذاب پر منتہی ہوتی ہے اور بعض بخود عذاب کے معنی میں سمجھا ہے لیکن زیادہ مناسب یہ ہے کہ کہا جائے کہ مراد وہی الطاف الہی میں جو پیغمبر اور مومنین کے شامل حال تھے اور دشمنان اسلام کو غافل کر دیتے اور ان کی کوششوں کو ختم کر دیتے۔ ان کی سازشوں کو درہم برہم کر دیتے جس کے نمونے تاریخ اسلام میں بہت زیادہ ہیں۔

ان آیات میں خصوصیت کے ساتھ پیغمبر کو حکم دیتا ہے کہ کافروں سے لطف و مدارت سے پیش آ، انہیں ملت دے اور ان کے فنا ہو جانے کے بارے میں عجلت سے کام نہ لے۔ انہیں چھوڑ دے کہ کافی حد تک اتمام حجت ہو جائے اور انہیں رہنے دے تاکہ جو لوگ مختصر سی آمادگی بھی رکھتے ہوں وہ آخر کار مشرف بہ اسلام ہو جائیں۔

اصولی طور پر جلد باز وہ ہوتا ہے جو فرصتوں کے خوف اور امکانات کے ہاتھ سے نکل جانے کا اندیشہ رکھتا ہے اور یہ چیز خداوند قادر و قادر کے بارے میں کوئی مفہوم نہیں رکھتی۔

قابل توجہ یہ کہ فرماتا ہے: (فمهل الكافرين) ”کافروں کو ملت دے“ اور دوبارہ تاکید کرتے ہوئے کہتا ہے: (امهلهم) ”انہیں ملت دے“

ان میں سے ایک باب تفصیل سے ہے اور دوسرا افعال سے اور اس کی تکرار تاکید کے لیے ہے، بغیر اس کے کہ لفظ کی تکرار ہو اور اس کے کانوں کو بوجھ غوس ہو۔

”رویداً۔“ ”رود“ (بروزن عود) کے مادہ سے آمد و رفت رکھنے اور کسی کام کو نرمی سے انجام دینے کے معنی میں ہے۔ یہاں اس کے مصدری معنی مراد ہیں اور تصغیر کا پہلو لیے ہوئے ہیں یعنی انہیں تھوڑی سی ملت دے دے۔

اس بنا پر رویداً یہاں مفہول ملحق کا جانشین ہے اور حقیقت میں ایسا ہے جیسا کہ کہا جائے، امہلہم امہلا قلیلاً اور یہ جو بعض نے افعال پیش (یعنی کچھ عرصہ)

اس طرح خدا اس مختصر سے جملے میں اپنے پیغمبر کو تین مرتبہ ان سے مدارات کرنے اور انہیں سہلست دینے کی ہدایت کرتا ہے۔ یہ تمام مسلمانوں کے لیے نوازہ عمل ہے کہ وہ اپنے کاموں میں، خصوصاً جبکہ ان کا دشمن سے مقابلہ ہو، اس وقت حوصلہ اور صبر و شکیبائی سے کام لیں اور ہر قسم کی جلد بازی سے پرہیز کریں۔ کوئی بے عمل اقدام نہ کریں اور ہر کام کا منصوبہ بنائیں۔ علاوہ انہیں دین حق کی تبلیغ کی راہ میں ہمیشہ جلد بازی سے پرہیز کریں تاکہ وہ تمام افراد، جن کی ہدایت کا احتمال موجود ہے ایمان لے آئیں اور باقی تمام افراد کے بارے میں اتمام حجت ہو جائے۔

یہ بات کہ یہ سہلست کم اور مختصر کھوں شمار کی گئی ہے، اس کی وجہ یا تو یہ ہے کہ اسلام مختصر سی مدت میں دشمنوں کے مقابلہ میں کامیاب ہو گیا تھا اور کافروں کے منصوبے خاک میں مل گئے تھے۔ انہوں نے پہلی ضرب کا مزہ جنگ بذر میں چکھا۔ اس کے بعد بہت جلد میدانِ احزاب و خیبر و حنین وغیرہ میں ان کے ارادے خاک میں ملے۔ پیغمبر کی زندگی کے آخری دنوں میں فوراً اسلام سارے جزیرۃ العرب پر چھا گیا اور ایک صدی گزرنے سے پہلے دنیا کے اُس دور کے عمدہ اور اہم حصوں پر اس نے اپنا سایہ ڈال دیا۔ یا پھر اس وجہ سے ہے کہ قیامت کا عذاب بھی نزدیک ہے اور اصولی طور پر جو کچھ قطعی ہو وہ نزدیک شمار ہوتا ہے۔

بہر حال یہ سودہ آسمان اور ستاروں کی قسم سے شروع ہوتا ہے اور سازش کرنے والے حقیقت کے دشمن کفار کی تہذیب پر ختم ہوتا ہے۔ درمیان میں معاد و قیامت کے خوبصورت اور مؤثر دلائل اور انسانوں پر نگہبانوں کے تقرر کے بارے میں پُر لطف بیانات ہیں۔ نیز مومنین کی فطری و دلدادہی ہے۔ یہ تمام عنوانات مختصر قسم کی عبارتوں کے ساتھ، جو نہایت ہی لطیف ہے اور مخصوص قسم کی قاطعیت لیے ہوئے ہیں، بیان ہوئے ہیں۔

خداوند! دشمنوں کے کید و مکر کا رخ، جو ہمارے زمانے میں بہت زیادہ ہو گیا ہے، خود انہی کی طرف کر دے اور ان کے منحوس منصوبے نقش بر آب کر دے۔

پہرہ دگارا! جس روز اسرار کھل جائیں گے اس روز ہیں شرمندہ نہ بچو۔

بار الہا! ہم تیرے علاوہ کوئی قوت، ناصر اور مددگار نہیں رکھتے۔ جس اپنے غیر کے سپرد نہ کیجئے۔

آمین یا رب العالمین

سورۃ طہ کا اختتام

وہیچہ حاشیہ غرضتہ صفر) کیا ہے کہ رویدہ ایسا امر کے معنی رکھتا ہے کسی لیے تین امر پہ در پہ آتے ہیں، بعید نظر آتا ہے البتہ رویدہ امر کے معنی میں اور اسم مفعول کی شکل میں بھی آیا ہے لیکن زیر بحث آیت سے مناسب اور اس لفظ کے معنوب ہونے کے ساتھ موزوں ہی ہے کہ مفعول مطلق ہو۔



سورۃ اعلیٰ

یہ سورہ مکہ میں نازل ہوا

اس میں ۱۹ آیتیں ہیں <https://jafrilibrary.com/>

تاریخ ابتدا : ۲۴ شعبان / ۲۰۰۷ھ

سوۃ اعلیٰ کے مضامین اور ان کی فضیلت

اس سورہ کے درحقیقت دو حصہ ہیں۔ ایک حصہ تو وہ ہے جس میں روئے سخن خود پیغمبر کی طرف ہے اور ان کے لیے تسبیح پر دروگہ اور ادا تے فرض رسالت کے سلسلہ میں احکام جاری کیے گئے ہیں۔ اُس حصہ میں خدا تے بزرگ و برتر کے سات اوصاف شمار کرائے گئے ہیں۔

دوسرا حصہ وہ ہے جو خوفِ خدا رکھنے والے مومنین اور شقی القلب کفار کی بات کرتا ہے۔ اس حصہ میں ان دونوں گروہوں کی سعادت و شقاوت کے عوامل و اسباب اخفاد کے ساتھ بیان کیے گئے ہیں۔

سورہ کے آخر میں اعلان کیا گیا ہے کہ یہ مطالب صرف قرآن ہی میں نہیں آئے بلکہ وہ حقائق ہیں جن پر گزشتہ کتب و صحف اور صحبِ ابراہیم و موسیٰ میں بھی تاکید آئی ہے۔

اس سورہ کی تلاوت کی فضیلت کے بارے میں ہم تک بہت سی روایات پہنچی ہیں۔ ایک حدیث ہمیں پیغمبر اسلام کی ملتی ہے کہ آپ نے فرمایا:

”من قرأھا اعطاه اللہ عشر حسنات بعد دکل حرف انزل اللہ علی ابراہیم و موسیٰ و محمد (صلوٰۃ اللہ علیہم) جو شخص سورہ اعلیٰ کی تلاوت کرے خدا ہر اس حرف کے بدلے جو اس نے ابراہیم، موسیٰ اور محمد پر نازل کیا ہے دس نیکیاں اسے عطا فرمائے گا۔“

ایک اور حدیث میں امام جعفر صادق سے منقول ہے کہ ”من قرأ سبح اسم ربك الاعلیٰ فی فرائضہ او نوافلہ قبل لہ یدم القیامۃ ادخل الجنة شدت انشاء اللہ“ جو شخص اپنے فرائض یا نوافل میں سورہ اعلیٰ کی تلاوت کرے تو قیامت کے دن اس سے کہا جائے گا کہ جنت کے جس دروازے سے چاہے داخل ہر جا (انشاء اللہ) متعدد روایات میں آیا ہے کہ جس وقت پیغمبر یا ائمہ ہدیٰ ”سبح اسم ربك الاعلیٰ“ پڑھتے تو اس کے بعد اس حکم پر عمل کرتے ہوئے فرماتے ”سبحان ربی الاعلیٰ“۔“

ایک اور روایت میں آیا ہے کہ حضرت علیؑ کے اصحاب میں سے ایک شخص کہتا ہے کہ میں نے بیس راتوں کو آپ کی اقتدار میں نماز پڑھی تو سوائے سبح اسم ربك الاعلیٰ کے اور کوئی سورہ آپ نماز میں نہیں پڑھتے تھے۔ آپ فرماتے تھے اگر تم جانتے کہ اس میں کیا برکتیں ہیں تو تم میں سے ہر شخص اسے دس مرتبہ پڑھتا۔ اور جو شخص اسے پڑھے گویا اس نے موسیٰ و ابراہیم کے صحف کی تلاوت کی ہے۔“

۱۔ تفسیر نور الثقلین، جلد ۵ ص ۵۲۳۔

۲۔ تفسیر نور الثقلین، جلد ۵ ص ۵۲۳۔

۳۔ تفسیر نور الثقلین، جلد ۵ ص ۵۲۲۔

خلاصہ کلام یہ کہ مجموعہ روایات جو اس سلسلہ میں دستیاب ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ سورہ ایک خاص اہمیت کا حامل ہے۔ یہاں تک کہ ایک حدیث میں حضرت علیؓ سے منقول ہے کہ یہ سورہ پیغمبر اکرمؐ کو محبوب سوڑھا رکھنا رسول اللہؐ یحب هذه السورة صحیح اسم ربك الاعلیٰ علیہ السلام

یہ بات کہ یہ سورہ کئی ہے یا مدنی، اس میں مفسرین کے درمیان اختلاف ہے۔ مشہور یہ ہے کہ یہ سورہ مکہ میں نازل ہوا جبکہ بعض کا نظریہ ہے کہ مدینہ میں نازل ہوا۔ علامہ طباطبائی رحمۃ اللہ علیہ اس بات کو ترجیح دیتے ہیں کہ اس سورہ کا پہلا حصہ مکی ہو اور دوسرا حصہ (ذیلی) مدنی۔ وہ اس لیے کہ ذیل میں گفتگو نماز اور زکوٰۃ کی ہے اور، اس تفسیر کے مطابق جو آئمہ اہل بیتؑ سے ہم تک پہنچی ہے، نماز سے مراد نماز عید الفطر اور زکوٰۃ سے مراد فطرہ ہے اور ہم جانتے ہیں کہ ماہ رمضان کے روزے، نماز عید اور زکوٰۃ فطرہ مدینہ میں نازل ہوتے ہیں۔

لیکن یہ احتمال بھی ہے کہ نماز و زکوٰۃ کا حکم اس سورہ کے آخری حصہ میں ایک عام حکم کے طور پر ہے، اگرچہ نماز عید الفطر اور زکوٰۃ فطرہ اس کے ایک واضح مصداق شمار ہوتے ہیں اور ہم جانتے ہیں کہ واضح مصداق کے ساتھ روایت اہل بیتؑ بہت ہی فراوان ہے۔ اس وجہ سے ان مشہور علماء کا نظریہ جو کہتے ہیں کہ تمام سورہ کئی ہے، بعید نظر نہیں آتا۔ بالخصوص جبکہ آغاز سورہ کی آیات اور اختتام سورہ کی آیات مکمل طور پر، مقاطع حروف کے لحاظ سے ہم آہنگ ہیں۔ لہذا شکل ہے کہ یہ کہا جاسکے کہ ایک حصہ مکہ میں نازل ہوا اور ایک مدینہ میں۔

ایک روایت میں یہ بھی آیا ہے کہ مسلمانوں کا جو گروہ بھی مدینہ میں داخل ہوتا تو یہی سورہ مدینہ میں لوگوں کے سامنے پڑھتا۔ پس یہ احتمال کہ اس کا صرف صدر حصہ مکہ میں اور اس کا ذیلی حصہ مدینہ میں نازل ہوا ہو، بہت ہی بعید نظر آتا ہے۔

۱۔ تفسیر مجمع البیان، جلد ۱۰ ص ۴۷۲۔

۲۔ المیزان، جلد ۲۰ ص ۳۸۶۔

۳۔ تفسیر دار المنثور، ج ۶ ص ۳۳۷ مضمحل حدیث ہے جس کے اجمالی مضمون کی طرف ہم نے اشارہ کیا ہے۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

۱ سَبِّحْ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلَى ۝

۲ الَّذِي خَلَقَ فَسَوَّى ۝

۳ وَالَّذِي قَدَّرَ فَهَدَى ۝

۴ وَالَّذِي أَخْرَجَ الْمَرْعَى ۝

۵ فَجَعَلَهُ غُثَاءً أَحْوَى ۝

ترجمہ رحمن و رحیم خدا کے نام سے

اپنے بلند مرتبہ پروردگار کے نام کی تسبیح کر (اور اسے منزہ رکھ)۔

وہ خدا جس نے پیدا کیا اور منظم کیا۔

اور وہ جس نے منظم کیا اور ہدایت فرمائی۔

اور وہ جس نے چراگاہ کو ظاہر کیا۔

پھر اسے خشک اور سیاہ قرار دیا۔

تفسیر

خداوند عظیم کی تسبیح کر

یہ سورہ حقیقت میں مکتب انبیاء کی دعوت، فکر کا پتھر اور خلاصے، یمن پروردگار عالم کی تسبیح اقدس ہے شروع ہوتا ہے۔

پروردگار عالم ابتداء میں روئے سخن پیغمبر اسلام کی طرف کرتے ہوئے فرماتا ہے: ”اپنے بلند مرتبہ پروردگار کے نام کو ہر عیب و نقص سے منزہ شمار کر (سبح اسم ربك الاعلیٰ)۔“

مفسرین کی ایک جماعت کا نظریہ ہے کہ یہاں اسم سے مراد مسیٰ ہے جبکہ ایک جماعت نے کہا ہے کہ مراد

خود اسم پروردگار ہے، وہ نام جو معنی پر دلالت کرتا ہے۔ ان دونوں تفسیروں کے درمیان کوئی خاص تضیق نہیں۔ ہر حال مراد یہ ہے کہ خدا کا نام بتوں کے ناموں کا ہم ردیف قرار نہ دیا جائے اور اس کی ذات پاک کو ہم ہر قسم کے عیب و نقص سے، جسم و جسمانیات کے عوارض سے اور ہر قسم کی محدودیت و نقصان سے منزہ شمار کریں بت پرستوں کی طرح نہیں جو خدا کا نام بتوں کے نام کے ساتھ لیتے تھے، یا وہ لوگ جو خدا کو جسم و جسمانیات سے منزہ خیال نہیں کرتے۔

۱۰ اعلیٰ کی تعبیر اس حقیقت کو بیان کرتی ہے کہ وہ ہر شخص اور ہر اُس چیز سے، جس کا ہم تصور کر سکتے ہیں، ہر خیال و قیاس و گمان سے اور ہر قسم کے جلی و خنی شرک سے برتر و بالا ہے۔
 ۱۱ ربّک (تیرا پروردگار) کی تعبیر اس طرف اشارہ ہے کہ وہ پروردگار جس کی طرف تو لوگوں کو بلاتا ہے بت پرستوں کے پروردگار سے الگ ہے۔

رب داعلی کی دو معنوں کے بعد ان کی وضاحت کے لیے پانچ اذی صفات بیان کرتا ہے جو سب کی سب پروردگار کی اعلیٰ ربوبیت کی تشریح ہیں فرماتا ہے: ”وہ خدا جس نے پیدا کیا اور مرتب و منظم کیا“ (الذی خلق فسوی)۔

”سوی“ تسویہ کے مادہ سے نظام بننے اور مرتب کرنے کے معنی میں ہے اس کا ایک وسیع مفہوم ہے جو عالم کے تمام نظاموں پر محیط ہے۔ قطع نظر اس نظام سے جو آسمانی ستاروں پر حاکم ہے، یا جو زمینی مخلوقات پر حکم فرما ہے، انسان کی جسم و جان کے لحاظ سے۔

اور یہ جو بعض مفسرین نے صرف انسان کے ہاتھ پاؤں اور آنکھوں کے خاص نظام یا انسان کے راست قامت ہونے کے ساتھ تفسیر کی ہے، درحقیقت وہ اس مفہوم کے ایک محدود و مصداق کا بیان ہے۔ ہر حال عالم آفرینش کا نظام جو عظیم ترین آسمانی نظاموں پر حاوی ہے، پروردگار کی ربوبیت اور اس کے وجود کے اثبات کے لیے سادہ اور عام موضوعات کا موید ہے۔ مثلاً انسان کی انگلیوں کی پوروں کی لکیروں تک، جن کی جانب سورۃ قیامت میں اشارہ ہوا ہے: (ملیٰ قادرین اعلیٰ ان نسوی بنافذ) (قیامت - ۴)۔ اس مختصر سی تعبیر میں مطالب کا ایک جہان پوشیدہ ہے۔

آفرینش اور خلقت کی تنظیم کے مسئلہ کے بعد حرکت کمالی اور اس کی راہ میں موجودات کی ہدایت کے لیے لائحہ عمل مقرر کرنے کے موضوع کو پیش کرتے ہوئے مزید فرماتا ہے: ”وہ جس نے تقدیر مقرر کی اور ہدایت فرمائی“ (والذی قدر فہدی)۔

تقدیر سے مراد اندازہ، اہداف و مقاصد اور رہ عمل ہونے کے لائحہ عمل کی تعیین ہے جن کے لیے موجودات کو خلق کیا گیا ہے۔ ہدایت سے مراد وہی ہدایت نکوینی ہے جو عمرات اور قوانین کی شکل میں ہے اور جسے ہر موجود پر حاکم قرار دیا جاتا ہے (عام اس سے کہ وہ اندرونی محرک ہوں یا بیرونی)۔

مثلاً ایک طرف ماں کے پستان اور اس کے دودھ کو بچے کی غذا کے لیے پیدا کیا ہے، ماں کو شدید محبت ماموری سے نوازا ہے اور دوسری طرف بچے میں محرک پیدا کیا ہے جو اسے ماں کے پستان کی طرف کھینچتا ہے۔ یہ آمادگی دونوں طرف کی قوتِ جاذبہ تمام موجودات کی راہِ مقاصد میں نظر آتی ہے۔

خلاصہ یہ کہ ہر موجود کی ساخت کے بارے میں تدبیر و تفکر کرنا اور وہ راہِ عمل جسے وہ اپنی پوری زندگی میں طے کرتا ہے، یہ دونوں باتیں اس حقیقت کا پتہ دیتی ہیں کہ نہایت باریک بینی پر مبنی ایک لائحہ عمل تجویز کیا گیا ہے، طاقتور جسٹ ہدایت اس کے پیچھے ہے جو اس لائحہ عمل کے اجراء میں مدد کرتا ہے، اور یہ پروردگار کی ربوبیت کی ایک اور نشانی ہے۔

البتہ انسان کے لیے ہدایت نکوینی کے پروگرام کے علاوہ ایک اور قسم کی ہدایت بھی موجود ہے جو وحیِ اُوحیٰ بعثتِ انبیاء کے ذریعہ صورت پذیر ہوئی ہے۔ اس کا نام ہدایت تشریعی ہے۔ قابلِ توجہ یہ امر ہے کہ انسان کی ہدایت تشریعی بھی اس کی ہدایت نکوینی کی تکمیل کرتی ہے۔

اسی مضمون کو سورہ طہ کی آیت ۵۰ میں بھی پیش کیا گیا ہے جہاں حضرت موسیٰ فرعون کے اس سوال کے جواب میں کہ تم دونوں کا پروردگار کون ہے؟ (فمن ربكما یا مولیٰ) فرماتے ہیں (ربنا الذی اعطیٰ علی شئ مضلفہ شئو ھذی) "ہمارا پروردگار وہ ہے جس نے ہر موجود کو اس کی خلقت کا لازمہ عطا فرمایا اور پھر اس کی ہدایت کی ہے"۔

اس بات کا مضمون موسیٰ ابن عمران کے زمانہ میں یا نزولِ قرآن کے زمانہ میں اگرچہ مختصراً معلوم تھا لیکن موجود زمانہ میں جبکہ انسانی علوم و دانش نے انواعِ موجودات کی شناخت کے سلسلہ میں خصوصاً پودوں اور جانداروں کے بارے میں بڑی پیش رفت کی ہے، اب بہت سی معلومات عام ہو چکی ہیں اور ہزار کتابیں اس قدر اور ہدایت نکوینی کے سلسلہ میں معرضِ تحریر میں آچکی ہیں۔ اس کے باوجود محققین سمجھتے ہیں کہ جو کچھ ابھی معلوم نہیں کیا جاسکا وہ کئی گنا زیادہ ہے۔

بعد والے مرحلہ میں گیاہ و نباتات یعنی چوپاؤں کی غذا کی طرف خصوصی اشارہ کرتے ہوئے مزید فرماتا ہے :
"وہ جو چراگاہ کو وجود میں لایا اور اسے زمین کے اندر سے باہر نکالا" (والذی اخروج المصروعی)۔

"اخرج" کی تعبیر "اخراج" کے مادہ سے اس طرف اشارہ ہے۔ گویا یہ سب زمین کے اندر موجود تھے اور خدا نے انہیں باہر نکالا ہے۔ یہ بات بالکل واضح ہے کہ حیوانات کی غذا انسانی غذا کی تمید ہے اور اس کا فائدہ آخر کار انسان کو پہنچتا ہے۔

اس کے بعد مزید فرماتا ہے : "اس کے بعد خدا نے اسے خشک اور سیاہ قرار دیا" (فجعلہ غشاؤ اھوی)۔

"غشاؤ" اصل میں خشک گھاس کے معنی میں ہے جو سیلاب کے نتیجہ میں نکلتی ہے۔ وہ جھاگ جو دیگ کے جوش کھانے سے پیدا ہوتا ہے، اسے بھی غشاؤ کہتے ہیں۔ یہ تعبیر ہر اس چیز کے لیے کنایہ ہے جو ضائع ہو جاتی ہے۔

زیر بحث آیت میں خشا کے معنی خشک گھاس اور فضول چیز کے ہیں۔

”احوی“ ”حوہ“ (بروزن قوہ) کے مادہ سے کبھی سبز رنگ اور کبھی سیاہ رنگ کے معنی دیتا ہے اور دونوں ایک ہی معنی کی طرف لڑتے ہیں، اس لیے کہ سبز رنگ جب زیادہ سبز ہو تو سیاہی مائل ہو جاتا ہے۔ یہ تعبیر اس بنا پر ہے کہ خشک گھاس جب اوپر تلے پڑی ہو تو آہستہ آہستہ سیاہ ہونے لگتی ہے۔ اس تعبیر کا انتخاب، باوجودیکہ خدائی نصتوں کے بیان کے محل پر ہے، لیکن ہو سکتا ہے کہ مندرجہ ذیل تین علتوں میں سے اس کی ایک علت ہو۔ پہلی علت یہ کہ گھاس وغیرہ کی کیفیت دنیا کے فانی ہونے کو ظاہر کرتی ہے اور انسانوں کے لیے ہمیشہ درس عبرت کا کام دیتی ہے۔ وہ سبزہ جو فصل بہار میں تروتازہ اور مسرت بخش تھا، چند ماہ گزرنے کے بعد خشک ہو کر سیاہ رنگ اختیار کر لیتا ہے اور اس پر مُردنی چھا جاتی ہے۔ گویا زبانی حال سے دنیا کی ناپائیداری اور وقت کے تیزی سے گزرنے کی داستان سناتی ہے۔

۲۔ دوسرے یہ کہ خشک گھاس جب اوپر نیچے دکھ دی جائے اور بوسیدہ ہو جائے تو ایک قسم کی کھادیں ہاتی ہے جو نئی گھاس کو پرورش کے لیے مفید ہوتی ہے اور زمین کی تقویت کا باعث بنتی ہے۔

۳۔ تیسری علت یہ ہے کہ بعض مفسرین کے مطابق اس آیت میں گھاس اور درختوں سے پتھر کے کوٹوں کی تخلیق کی طرف اشارہ ہے، اس لیے ہم جانتے ہیں کہ پتھر کا کوئلہ جو کرۂ زمین سے حاصل ہونے والی قوتوں میں سے ایک اہم ترین قوت ہے، انسان اپنی روزمرہ کی زندگی میں اپنی صنعتوں اور کارخانوں میں اس سے بہت زیادہ فائدہ اٹھا چکا ہے اور اب بھی اٹھاتا ہے۔

یہ کوئلہ گیہ اور درختوں کا باقی ماندہ حصہ تھا جو کئی طین سال سے خشک ہو کر زمین میں دفن ہو گیا اور امتداد زمانہ کے ساتھ ساتھ پتھر بن کر سیاہ رنگ اختیار کر چکا ہے۔ بعض ماہرین کا نظریہ ہے کہ وہ چراگاہیں جو موجودہ زمانے میں پتھر کے کونے کی شکل اختیار کر چکی ہیں تقریباً ڈھائی طین سال پہلے موجود تھیں اور پھر زمین میں دفن ہو گئیں۔ یہ چراگاہیں اس قدر زیادہ ہیں کہ اگر موجودہ زمانے میں پتھر کے کوئلہ کا مصرف ہم اپنی نگاہ میں رکھیں تو وہ چار ہزار سال سے زیادہ دنیا کے لوگوں کی ضرورت کو پورا کر سکتا ہے۔

آیت کی تفسیر خصوصیت کے ساتھ آخری معنی کے حوالہ سے بعید از قیاس نظر آتی ہے لیکن ہو سکتا ہے کہ آیت کے جامع معانی ہوں، جس میں تینوں تفسیریں صحیح ہوں۔

برہ حال (غشاؤ احوی) ”خشک سیاہ رنگ کی گھاس“ بہت سی منفعتیں رکھتی ہے۔ سردی کے ڈمانے میں جانوروں کی مناسب غذا بھی ہے، انسان کے لیے آگ کی فراہمی کا ذریعہ بھی اور زمینوں کے لیے مناسب کھاد بھی ہے۔

قابل توجہ بات یہ ہے کہ سات صفحتیں، جو مندرجہ بالا آیت میں آئی ہیں، بلند و بالا ربوبیت، خلقت، تسویر، تقدیر، ہدایت اور گناہ و نباتات کی تخلیق، یہ حقیقت میں پروردگار کی اعلیٰ ربوبیت کے مسئلہ کی نہایت احسن انداز میں تشریح ہے جس کا مطالعہ انسان کو خدا کے اعلیٰ مقام ربوبیت سے اچھی طرح آشنا ہے، اس کے دل میں ایمان کی روشنی پیدا کرتا ہے، خدا کی اہم ترین نعمتوں کو اجمالی طور پر بیان کرتا ہے اور انسان میں شکر گزاری کا احساس پیدا کرتا ہے۔

ایک نکتہ

مسئلہ تقدیر اور موجودات عالم کی عمومی ہدایت جو اوپر والی آیات میں پروردگار کی ربوبیت کے مظاہر میں شمار ہوتی ہے، ایسے مسائل میں سے ہے کہ جس قدر زمانہ گزرتا جائے اور انسانی علم و دانش میں پیش رفت ہوگی اس قدر اس میں زیادہ سے زیادہ حقائق آشکار ہوتے جائیں گے۔ علمی انکشافات ہمیں یہ امکان فراہم کرتے ہیں کہ ہم تمام ذرات عالم میں نئے، تعجب انگیز اور زیادہ شوق آور چہرے دیکھیں۔

بعض مفسرین نے یہاں مشہور ماہر حیوانات کمریسی مورلین کی کتاب راز آفرینش (انسان) کی تحریروں سے استناد کرتے ہوئے مختلف جانداروں کے حوالے سے حیوانات کی ہدایت کے بارے میں اس عظیم راز کے نونے پیش کیے ہیں جس کا ایک مختصر سا نمونہ درج ذیل کیا جاتا ہے۔

۱۔ ماہر پرندے، جو کبھی ایک سال کے اندر سمندروں، جنگلوں اور بیابانوں کا ہزار میل کا راستہ طے کرتے ہیں اپنے آشیانوں کو کبھی نہیں بھولتے اور واپسی پر ٹھیک اپنے وطن پہنچ جاتے ہیں۔ اسی طرح شد کی مکیاں اپنے چھتے سے خواہ کتنی ہی دور کیوں نہ ہو جایش اور تیز ہوا انہیں کتنا ہی منتشر کیوں نہ کر دے، پھر بھی وہ ٹھیک اپنے چھتے کی طرف واپس لوٹ آتی ہیں، جبکہ انسان اپنے وطن کی طرف لوٹنے کے لیے واضح نشانوں، پتوں اور رہنماؤں کا محتاج ہوتا ہے۔

۲۔ حشرات الارض خوردبین آنکھیں رکھتے ہیں جن کی ساخت اور دیکھنے کی طاقت انسان کو درمط حیرت میں ڈال دیتی ہے جبکہ باز جیسے پرندے دور بین آنکھ رکھتے ہیں۔

۳۔ انسان رات کے وقت اپنا راستہ معلوم کرنے کے لیے مجبور ہے کہ منبع نور سے فائدہ اٹھائے لیکن بہت سے پرندے انتہائی تاریکی شب میں ابھی طرح دیکھ لیتے ہیں۔ ان کا یہ دیکھنا ایسی آنکھوں کے ذریعہ ہے جو ایسی شعاؤں کے مقابلہ میں جو سرخ رنگ سے کم ہیں، حسیت رکھتی ہیں اور اس طرح راڈار کی دستگاہ کی مانند ہیں جن میں سے بعض کے اندر یہ دستگاہ یادگار کے طور پر رکھی ہوئی ہے۔

۴۔ کتے ایک اضافی قوت شامہ رکھنے کی وجہ سے ہر اس جانور کو جو ان کے سامنے آئے سو نگاہ کر پہچان لیتے ہیں جبکہ انسان ان وسائل و ذرائع کے باوجود جو اسے میسر ہیں اس قسم کی قوت سے محروم ہے۔

۵۔ تمام جانور ان آوازوں کو سن لیتے ہیں جن کی شدت ارتعاش ہماری قوت سامعہ کی گرفت سے باہر ہے۔ ان کی

” قوت سماعت ہماری قوت سماعت سے کئی گنا زیادہ ہے۔ انسان اپنی اس کوتاہی کی تلافی علی وسائل و آلات کے ذریعہ کر سکتا ہے اور کھلی کے پردوں کی آواز جو اس سے کئی کلومیٹر دور ہو، اس طرح سن سکتا ہے گویا یہ آواز اس کی کان کی نوکے نزدیک ہے۔ شاید انسان اور حیوان کی قوت و طاقت و سماعت کا یہ فرق، جو خدا نے دونوں میں رکھا ہے اس بنا پر ہے کہ انسان علم و عقل کے ذریعہ اپنی کوتاہیوں کی تلافی کر سکتا ہے جب کہ حیوان اس سے محروم ہیں۔

۶۔ چھوٹی مچھلی کی ایک قسم ہے جو سالہا سال سمندر میں زندگی گزارتی ہے۔ اس کے بعد تخم ریزی کے لیے اُس نہر یا دریا کی طرف لوٹ جاتی ہے جس میں وہ پیدا ہوئی ہے۔ یہ مچھلی امواج کے برعکس بڑھتی ہے اور اپنے اس اصلی وطن کو، جو اس کی پرورش سے مناسبت رکھتا ہے کئی سال دور فاصلہ پر رہنے کے باوجود اسے تلاش کر لیتی ہے۔

۷۔ پانی کے بعض جانوروں کی داستان اس سے زیادہ عجیب ہے۔ وہ اپنے راستے کو اس طریقہ کے برعکس طے کرتے ہیں۔

- ۶ سَنُقْرِئُكَ فَلَا تَنْسَى ۝
 ۷ إِلَّا مَا شَاءَ اللَّهُ إِنَّهُ يَعْلَمُ الْجَهْرَ وَمَا يَخْفَى ۝
 ۸ وَنُيْسِرُكَ لِلْيُسْرَى ۝
 ۹ فَذَكَرْنَاكَ نَفَعْتَ الذِّكْرَى ۝
 ۱۰ سَيَذَكِّرُ مَنْ يَخْشَى ۝
 ۱۱ وَيَتَجَنَّبُهَا الْأَشْقَى ۝
 ۱۲ الَّذِي يَصْلَى النَّارَ الْكُبْرَى ۝
 ۱۳ ثُمَّ لَا يَمُوتُ فِيهَا وَلَا يَحْيَى ۝

Presented by: <https://jafrilibrary.com/>

ترجمہ

- ۶ ہم عنقریب تیرے سامنے قرآن کو پڑھیں گے اور تو اسے کبھی فراموش نہیں کرے گا۔
 ۷ مگر جو کچھ خدا چاہے۔ وہ آشکار اور پنہاں کو جانتا ہے۔
 ۸ اور ہم تمہیں ہر اچھے کام کے انجام دینے کے لیے آمادہ کریں گے۔
 ۹ تو جہاں تک سمجھنا مفید ہو، سمجھاتے رہو۔
 ۱۰ اور عنقریب وہ لوگ جو خدا سے ڈرتے ہیں متذکر ہوں گے۔
 ۱۱ لیکن زیادہ بد بخت لوگ اس سے دُوری اختیار کرتے ہیں۔
 ۱۲ وہی جو بہت بڑی آگ میں داخل ہوگا۔

پھر اس آگ میں نہ مرے گا، نہ زندہ رہے گا۔

۱۳

تفسیر

ہم تجھے ہر اچھے کام کے لیے آمادہ کریں گے

گزشتہ آیتوں میں پروردگار کی ربوبیت اور توحید کے بارے میں گفتگو تھی۔ اس کے بعد زیر بحث آیات میں قرآن اور پیغمبر کی نبوت کی بات ہو رہی ہے۔ گزشتہ آیات میں عام موجودات کی ہدایت کے متعلق گفتگو تھی اور زیر بحث آیات میں نوح انسانی کی ہدایت کی بات ہے۔ خلاصہ یہ کہ گزشتہ آیات میں پروردگار علیٰ دواعیٰ کی تسبیح کا ذکر آیا تھا اور ان آیات میں اس قرآن کی بات ہے جو اس تسبیح کو بیان کرتا ہے۔

فرماتا ہے: ”ہم عنقریب تیرے لیے قرأت کریں گے اور تو کبھی نہیں بھولے گا۔“ (سنقرئک فلا تنسئ)۔ اس بنا پر نزول وحی کے وقت جلالت سے کام نہ لے اور آیات الہی کے بھول جانے کے بارے میں کبھی پریشان نہ ہو۔ وہ ذات جس نے یہ عظیم آیات انسانوں کی ہدایت کے لیے تجھ پر نازل کی ہیں، وہ ان کا محافظ و نگہبان بھی ہے۔ وہ ان آیات کا نقش تیرے مہارک پیٹے میں اس طرح ثبت کرے گا کہ نسیان کا گرد و غبار اسے کبھی مکدر نہیں کرے گا۔ یہ اس مضمون کی نظیر ہے جو سورہ طہ کی آیت ۱۲ میں آیا ہے ”ولا تعجل بالقرآن من قبل ان یقضی الیک وجیہ وقل رب زدنی علماً“ ”قرآن پڑھنے کے سلسلہ میں اس سے پہلے کہ اس کی وحی تجھ پر تمام ہو، جلدی نہ کر اور کہہ پروردگار میرے علم میں اضافہ فرما“

پھر سورہ قیامت کی آیت ۱۶-۱۷ میں ہم پڑھتے ہیں: (لا یتوکل بہ لسانک لتعجل بہ ان علینا جمہ وقرآن) ”اپنی زبان کو قرآن کے ساتھ حرکت نہ دے اس سے پہلے کہ وحی تجھ پر تمام ہو۔ یہ ہماری ذمہ داری ہے کہ ہم اس کو جمع کریں اور تیرے سامنے پڑھیں۔“

اس کے بعد خدا کی قدرت کو ثابت کرنے اور یہ کہ جو کچھ خیر و برکت ہے وہ اسی کی طرف ہے، مزید کہتا ہے: ”تو آیات الہی میں۔۔۔ کسی چیز کو نہیں بھولے گا، مگر وہ جسے خدا چاہے۔ اس لیے کہ وہ آشکار و پنهان کو جاننے والا ہے؟“ (الا ماشاء اللہ انہ یعلم البصیر وما یخفی)۔

اس تعبیر کا مضمون یہ نہیں ہے کہ پیغمبر آیات الہی میں سے کسی چیز کو بھول جائیں گے، یا ان کی گفتگو سے اطمینان سلب ہو جائے گا۔

مقصود کلام یہ ہے کہ آیات الہی کو یاد رکھنے کی نعمت خدا کی طرف سے ہے، لہذا جس وقت وہ چاہے اسے پیغمبر سے چھین سکتا ہے، یا ”دوسرے لفظوں میں ہر وقت و مقصد خدا کے علم ذاتی اور اس کے پیغمبر کے علم وہی کے درمیان جو فرق ہے اس کو بیان کرتا ہے۔“

یہ آیت حقیقت میں اس چیز کے مشابہ ہے جو سورہ ہود کی آیت ۱۰۸ میں اہل بہشت کے جنت میں ہمیشہ رہنے کے بارے میں آئی ہے (و اما الذین سعدوا ففی الجنة خالدین فیہا ما دامت السماوات والارض الا ما شاء ربک عطاء غیر مجدوذ) "سعادت مند ہمیشہ جنت میں رہیں گے، جب تک کہ آسمان و زمین قائم ہیں، مگر وہ جوترا پروردگار چاہے، یہ عطا ہے جو کبھی منقطع نہیں ہوگی۔"

یہ طے شدہ بات ہے کہ اہل جنت ہمیشہ جنت میں رہیں گے اور آیت کا آخری حصہ گواہ ہے۔ (الا ما شاء ربک) کا جملہ خدا کے ارادہ و حاکمیت کی قدرت کی طرف اشارہ ہے اور اس طرف اشارہ ہے کہ ہر چیز اس کی مشیت سے ربط رکھتی ہے، اپنی ابتدا و خلقت میں بھی اور بقا و استمرار میں بھی۔

من جملہ ان امور کے جو اس موضوع کے گواہ ہیں یہ ہے کہ بعض مسائل کو یاد رکھنا اور بعض کو بھول جانا تمام انسانوں میں موجود ہے اور یہ کوئی امتیاز و خصوصیت نہیں ہے کہ خدا اپنے پیغمبر کے لیے ایک نعمت کے طور پر بیان کرے۔ لہذا مراد تمام آیات قرآن اور احکام و معارف اسلام کا حفظ اور یاد رکھنا ہے۔

بعض مفسرین نے یہ بھی کہا ہے کہ اس استثناء سے مراد وہ آیتیں ہیں جن کے معنی اور تلاوت دونوں منسوخ ہو گئے ہیں۔ لیکن یہ تفسیر بہت بعید نظر آتی ہے۔ اصولی طور پر اس قسم کی آیات کا وجود ہی ثابت نہیں ہے۔

بعض مفسرین نے یہ احتمال بھی پیش کیا ہے کہ انشاء قرأت سے متعلق ہے جس لیے آیت کا مضمون یہ ہے کہ ہم مغرب تیرے لیے قرأت کریں گے اور اپنی آیات کو بیان کریں گے، مگر وہ آیات جن کے بارے میں تیرے پروردگار نے ارادہ کیا ہے اور اس کے علم مخزون میں پوشیدہ رہ جائیں۔ یہ تفسیر بھی آیات کے سیاق کی طرف توجہ کرتے ہوئے بعید نظر آتی ہے۔ (انہ یعلم البصر وما ینفخی) کا جملہ حقیقت میں اس مضمون کی علت کا بیان ہے جو منفرد رک کے جملہ میں آیا ہے، جو اس طرف اشارہ ہے کہ وہ خدا جو تمام آشکار و پنهان حقائق سے باخبر ہے، وہ تجھ پر نوح بشر کی امتیاجات میں سے باقی رہ جانے والی چیزیں وحی کے ذریعہ الہا کرتا ہے اور اس سلسلہ میں کسی چیز کو نظر انداز نہیں کرے گا۔

یہ احتمال بھی ہے کہ مراد یہ ہو کہ پیغمبر وحی کے حصول میں عجلت نہ کریں اور بھول چک کا خوف نہ رکھیں، اس لیے کہ وہ خدا، جو آشکار و پنهان حقائق کا عالم ہے، اس نے وعدہ کیا ہے کہ پیغمبر کو فیان نہیں ہوگا۔
بہر حال یہ پیغمبر اسلام کا ایک مجزہ ہے کہ طولانی آیات کو جبرائیل کے ایک ہی مرتبہ تلاوت کرنے سے یاد کر لیتے، ہمیشہ یاد رکھتے اور کوئی بات بھی نہیں بھولتے تھے۔

اس کے بعد پیغمبر کی دلداری کرتے ہوئے مزید کہتا ہے: "تم تجھے ہر اچھے کام کے انجام دینے کی توفیق دیں گے؟"

(روپنسر کے لیسری)۔

بعض نے کہا ہے کہ واقعی آیت کا مضمون ضمیر الیسری لک تھا، اور تاکید کے مزان سے تقدیم و تاخیر ہوتی ہے اور ضمیر کر الیسری ہو گیا ہے۔ البتہ یہ اس صورت میں ہے کہ ضمیر کو فطرت کے معنی میں نہ ہو ورنہ مضمون و تاخیر کی ضرورت نہیں ہے۔

دوسرے غفلتوں میں مقصود کلام یہ ہے کہ اس راستہ میں جو نتیجے درپیش ہے بہت سی سختیاں اور مشکلات ہیں، وحی کے اخذ کرنے اور اسے یاد رکھنے کی راہ میں بھی، تبلیغ رسالت میں بھی اور اچھے کام انجام دینے میں بھی۔ ہم ان تمام امور میں (وحی کے حصول، اس کی تبلیغ، نشر و اشاعت، تعلیم دینے اور اس پر عمل کرنے میں) تیری مدد کریں گے اور مشکلات کو تجھ پر آسان کر دیں گے۔

یہ جملہ، جو سکتا ہے کہ دعوت، فکر پیغمبر کے نفس مضمون، پیغمبر کی ذمہ داریوں اور خدا کی طرف سے بھیجے ہوئے لائحہ عمل کی طرف بھی اشارہ ہو، یعنی اس کا مضمون و مضمون آسان ہے، اس کی شریعت شریعت سہل ہے اور اس خدائی دین میں حوصلہ شکن تکلیفیں اور ذمہ داریاں نہیں ہیں۔

اس بنا پر مندرجہ بالا آیات کا ایک بہت ہی وسیع مضمون ہے۔ اگرچہ بہت سے مفسرین نے اسے اس کی ایک ہی جہت میں محدود کر دیا ہے، اور واقعی اگر خدا کی مدد، توفیق اور نصرت نہ ہوتی تو ان تمام مشکلات پر پیغمبر کا قابو پانا ممکن نہیں تھا۔ خود پیغمبر اسلام کی زندگی بھی اس حقیقت کی تعلیم کا ایک نمونہ تھی۔ آپ کسی چیز میں بھی، قطع نظر اس سے کہ لباس، خوراک، سواری یا زندگی کے دوسرے وسائل میں سخت گیر نہیں تھے۔ ہر مناسب غذا کھا لیتے، ہر قسم کا لباس جو باعث عیب و نقص نہ ہوتا، زیب تن فرما لیتے، کبھی بستر پر آرام کرتے، کبھی عام فرش پر، حتیٰ کہ کبھی بیابان کے ریت پر۔ نیز آپ ہر قسم کے قتل اور تعذیب سے آزاد تھے۔

پیغمبر اسلام پر وحی آسمانی کی موہبت و نعمت اور آپ کے لیے توفیق اور قبیل امور کے وعدے کے بیان کرنے کے بعد آپ کی اہم ترین ذمہ داری کو بیان کرتے ہوئے فرماتا ہے، پس تذکر اگر تذکر مضید ہو۔ (خذکرو ان نفع الذکری)۔

بعض مفسرین نے کہا ہے کہ اس سے مراد یہ ہے کہ تذکر ہر حال مفید ہے۔ وہ افراد جو اس سے کسی طرح بھی مستفید نہ ہوں، وہ بہت کم ہیں۔ علاوہ ازیں اور کچھ نہیں تو کم از کم منکرین پر اتمام حجت کا سبب قہر، جو بجائے خود ایک بہت بڑی منفعت ہے بلکہ

جبکہ بعض کا نظریہ ہے کہ آیت میں کچھ محذوف ہے اور اس کا مضمون یہ ہے کہ تذکر کر اور یاد دہانی کرنا چاہے مفید ہو یا نہ ہو (خذکرو ان نفع الذکری اولم تنفع) یہ حقیقت میں اس چیز کے مشابہ ہے جو سورہ نحل کی آیت میں آئی ہے (وجعلکم سوابیل تقیکم الحرح) خدا نے تمہارے لیے پیراہن قرار دیئے ہیں جو تمہیں گرمی (سرخی)

اور ہر جو قرآن کہتا ہے سوا علیہم داخذ و قہم ام لم تذوہم لایؤمنون) ان کے لیے برابر ہے چاہے تو انہیں ڈراتے باز ڈراتے۔ وہ ایمان نہیں لائیں گے (بقرہ-۶) یہ لوگوں کی حیرت ایک اقلیت کے لیے ہے، درز اکثریت ہر حال اچھی باتوں کا اثر لیتی ہے۔ اگرچہ بعض لوگ بہت زیادہ اور اسی کے برعکس بعض لوگ بہت کم اثر لیتے ہیں۔ لیکن ہر حال سفید باتیں عام طور پر اثر کرتی ہیں۔ اس وجہ سے یہاں جملہ شرطیں قید غالب کی قبیل سے ہے جو اثر نہیں رکھتی۔

سے غصہ رکھتے ہیں۔

اس آیت میں صرف گرمی کا ذکر ہوا ہے اور سردی قرینہ تقابل سے معلوم ہوتی ہے لیکن بعض مفسرین کا اصرار ہے کہ جملہ شرطیں یہاں مفہوم رکھتا ہے اور مراد یہ ہے کہ وہاں تذکرہ جہاں مفید ہو اور جہاں اس کا کوئی فائدہ نہ ہو تو پھر اس کی کوئی ضرورت نہیں۔

یہ احتمال بھی پیش کیا گیا ہے کہ ”ان“ یہاں شرطیہ نہ ہو بلکہ قد کے معنی میں تاکید و تحقیق کے لیے ہو اور جملہ کا مفہوم یہ ہو کہ تذکرہ کرے کہ تذکرہ مفید و فائدہ بخش ہے۔ ان چاروں تفسیروں میں سے سب سے زیادہ مناسب پہلی تفسیر ہے۔

پیغمبر اسلام کا لا محالہ عمل بھی اس پر گواہ ہے کہ وہ اپنی تبلیغات و تذکرات کے لیے کسی قسم کی قید و شرط کے قائل نہیں تھے۔ سب کو وعظ و نصیحت کرتے اور خوف خدا دلاتے تھے۔

بعد والی آیت میں تذکرہ، وعظ اور انذار کے مقابلہ میں لوگوں کے رد عمل کو پیش کرتا ہے اور انہیں دو گروہوں میں تقسیم کرتے ہوئے فرماتا ہے: ”مغربی وہ لوگ جو خدا سے ڈرتے ہیں اور مسئولیت و ذمہ داری کا احساس کرتے ہیں، متذکر ہوں گے“ (سید کو من یخشى)۔

جی ہاں! جب تک روح میں خوف خدا اور خشیت الہی نہ ہو، یا دوسرے لفظوں میں حق طلبی اور حق جوئی کی روح انسان میں نہ ہو، جو تقویٰ کا ایک مرتبہ ہے (زواجر علیہ الذلہ اور تذکرات انبیاء فائدہ نہیں پہنچاتے، اسی لیے سورہ بقرہ کے آغاز میں پروردگار قرآن کو پرہیزگاروں کے لیے سبب ہدایت شمار کرتے ہوئے فرماتا ہے: (ہڈی للمعتقین) ایک بعد والی آیت میں دوسرے گروہ کو پیش کرتے ہوئے مزید ارشاد ہوتا ہے: ”لیکن زیادہ بد بخت افراد اس سے دوری اختیار کرتے ہیں“ (و یتجنبھا الا شقی) یہ

بعض روایات میں آیا ہے کہ ابن عباس کہتے ہیں کہ آیت (سید کو من یخشى) عبد اللہ ابن مسعود، پاک دل و حق طلب نابینا کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ (و یتجنبھا الا شقی) ولید بن مغیرہ اور عتبہ بن ربیعہ کے بارے میں ہے جو کفار و مشرکین کے سرغنہ تھے۔

بعض مفسرین نے کہا ہے کہ اشقی سے مراد میاں معاندین اور دشمنانِ حق ہیں، اس لیے کہ لوگوں کے تین گروہ ہیں: ایک عارف و آگاہ گروہ، دوسرا متوقف اور شک کرنے والا گروہ اور تیسرا دشمن کرنے والا گروہ۔ فطری و طبعی امر ہے کہ پہلا اور دوسرا گروہ تو فحاشی سے فائدہ اٹھاتے ہیں۔ صرف تیسرا گروہ ہے جو مثبت فائدہ نہیں اٹھاتا۔ ان کے بارے میں فحاشی کی تاثیر صرف وہی اتمامِ حجت ہے جس کا ذکر کیا گیا۔

۱۔ یتجنبھا کی ضمیر مذکر کی طرف لڑتی ہے جو گزشتہ آیات میں آیا ہے (خود بھیجئے)۔

۲۔ تفسیر قرطبی، جلد ۱۰ ص ۱۱۰، دوسرا حصہ تفسیر کثرت و روح المعانی زیر بحث آیات کے ذیل میں۔

اس آیت سے ضمنی طور پر یہ معلوم ہوتا ہے کہ پیغمبر اسلام قیصر سے گردہ کو بھی اپنی فحاشی سے مستفید فرماتے تھے، لیکن وہ لوگ دُوری اختیار کرتے اور روگرداں ہوتے تھے۔

قابلِ توجہ بات یہ ہے کہ ان دونوں آیتوں میں شقاوت و خبیثیت کا لفظ مقابل قرار دیا گیا ہے جبکہ قاعدۂ اسے سعادت کے مقابل میں قرار پانا چاہیے تھا۔ یہ اس بنا پر ہے کہ انسان کی سعادت اور خوش بختی کا اصل سبب مسنویت و ذمہ داری کا احساس اور خبیثیت ہی ہے۔

بعد والی آیت میں آخری گردہ کی سرفروخت اس طرح بیان فرماتا ہے: ”وہ شقی جو دوزخ کی عظیم آگ میں داخل ہو گا اور وہاں قرار پائے گا“ (الذی یصلی النار الکبریٰ)۔ پھر اس آگ میں ہمیشہ رہے گا، نہ مرے گا اور نہ زندہ رہے گا۔ (ثم لا یبعوث فیہا ولا یموت)۔ یعنی نہ تو مرے گا نہ کہ آسودہ ہو اور نہ اس حالت کو جس میں وہ ہو گا زندگی کا نام دیا جاسکتا ہے۔ وہ ہمیشہ زندگی اور موت کے درمیان دائم پاؤں مارتا رہے گا جو کیفیت ایسے افراد کے لیے بدترین بلا و مصیبت ہے۔

(النار الکبریٰ) سے کیا مراد ہے؟ ایک جماعت کا کہنا ہے کہ جہنم کا سب سے بڑا طبقہ اسفل السافلین ہے۔ ایسا کیوں نہ ہو کہ وہ شقی ترین اور معاند ترین لوگ ہیں۔ لہذا ان پر نازل ہونے والا عذاب بھی سخت ترین اور ہولناک ترین ہونا چاہیے۔ لیکن بعض مفسرین نے کہا ہے کہ اس آگ کی لفظ کبریٰ کے ساتھ توصیف آتش صغریٰ کے مقابل میں ہے یعنی اس دنیا کی آگ کے مقابل میں، جیسا کہ ایک حدیث میں آیا ہے کہ امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا:

(ان نارکم ہذہ جہنم سبعین جہنم نار جہنم وقد اطفئت سبعین مرة بالماء شوال التہبت ولولا ذالک ما استطاع آدمی ان یطیقہا)۔ ”یہ تماری آگ جہنم کی آگ کے ستر اجزا میں سے ایک ہے۔ وہ پانی سے ستر مرتبہ دھوئی گئی پھر بھی وہ بجھ کر اٹھی۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو پھر کوئی آدمی اس کے تحمل کی طاقت نہ رکھتا اور اس کے قریب نہ ٹھہر سکتا۔“

مشہور دعائے کیل جو امیر المومنین حضرت علیؑ سے منقول ہے اس میں دنیا کی آگ اور آخرت کی آگ کے موازنہ میں ہم پر بھٹے ہیں (علیٰ ان ذالک بلاؤ مکر وہ قلیل مکشہ یسیر بقاشہ قصیر مدتہ) یہ ایسی بلا اور مکر وہ و ناپسندیدہ چیز ہے جس میں توقف کم ہے، اس کی بقا مختصر ہے اور اس کی مدت محدودی ہے۔

- ۱۳) قَدْ أَفْلَحَ مَنْ تَزَكَّى ۝
 ۱۵) وَذَكَرَ اسْمَ رَبِّهِ فَصَلَّى ۝
 ۱۶) بَلْ تُؤْمِرُونَ الْحَيَاةَ الدُّنْيَا ۝
 ۱۷) وَالْآخِرَةَ خَيْرٌ وَأَبْقَى ۝
 ۱۸) إِنَّ هَذَا لَفِي الصُّحُفِ الْأُولَى ۝
 ۱۹) صُحُفِ إِبْرَاهِيمَ وَمُوسَى ۝

ترجمہ

- ۱۳) یقیناً وہ رستگار ہو گا جو تزکیہ کرے۔
 ۱۵) اور اپنے پروردگار کے نام کا ذکر کرے اور نماز پڑھے۔
 ۱۶) بلکہ تم دنیا کی زندگی کو مقدم سمجھتے ہو۔
 ۱۷) جبکہ آخرت زیادہ پائیدار اور بہتر ہے۔
 ۱۸) یہ احکام پہلی آسمانی کتب میں آچکے ہیں۔
 ۱۹) کتب ابراہیم و موسیٰ میں۔

تفسیر

وہ دستور العمل جو تمام آسمانی کتب میں آیا ہے

گزشتہ آیات میں کفار اور دشمنان حق کے بارے میں سخت سزا کا اشارہ ہوا ہے۔ زیر بحث آیات میں اہل ایمان کی نجات اور اس نجات کے اسباب و عوامل کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ پہلے فرماتا ہے: ”یقیناً وہ شخص فلاح پائے گا جو اپنا تزکیہ کرے“ (قد افلح من تزکی)۔ اور اپنے پروردگار کے نام کا ذکر

کرے اور اس کے بعد نماز پڑھے (و ذکر اسم ربہ فصلی)۔ اس طرح فلاح و دستگاری اور کامیابی و نجات کے عوامل ان تین چیزوں کو بتایا ہے۔ تزکیہ، نام خدا کا ذکر اور اس کے بعد نماز پڑھنا۔

تزکیہ سے مراد کیا ہے؟ اس سلسلہ میں علماء نے مختلف تفسیریں کی ہیں۔ پہلی روح کو نجاست شرک سے پاک کرنا ہے، گزشتہ آیات کے قرینہ سے، نیز اس قرینہ سے بھی کہ اہم ترین تطہیر شرک سے تطہیر ہے۔

دوسری یہ کہ تزکیہ سے مراد دل کو اخلاقی رذائل سے پاک کرنا اور اعمال صالح بجالانا ہے۔ قرآن مجید میں آیات فوج کے نقطہ نظر سے دوسری آیات کے علاوہ سورہ مومنین کے آغاز کی آیتیں ہیں جو فلاح کو اعمال صالح کی روح قرار دیتی ہیں اور سورہ شمس کے حوالے سے جس میں تقویٰ اور فجور کے بیان کے بعد فرماتا ہے: (فدا فلاح من ذلکھا) وہ فلاح پاکیا جس نے اپنے نفس کو فسق و فجور اور دوسرے بُرے اعمال سے پاک کیا اور تقویٰ سے آراستہ کیا۔

تیسری تفسیر یہ ہے کہ تزکیہ سے مراد زکوٰۃ فطرہ دینا ہے۔ عید فطر کے دن پہلے زکوٰۃ فطرہ ادا کی جائے، پھر نماز عید پڑھی جائے۔ جیسا کہ متعدد روایات میں امام جعفر صادق سے منقول ہے اور یہی معانی منابع اہل سنت میں امیر المومنین سے منقول ہیں۔

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ سورہ اعلیٰ کی ہے اور کد میں نہ زکوٰۃ فطرہ مقرر ہوئی تھی، نہ ماہ رمضان کے روزے، نہ نماز عید ہی اور فطرہ کے مرام۔ اس سوال کے جواب میں بعض محققین نے کہا ہے کہ کوئی مانع نہیں ہے کہ اس سورہ کا پہلا حصہ تک میں نازل ہوا ہو اور ذیل حصہ مدینہ میں۔

یہ احتمال بھی قوی طور پر موجود ہے کہ مندرجہ بالا تفسیر ایک واضح مصداق کے بیان کی قبیل سے ہو اور آیت کی تطبیق کسی واضح فرد پر ہو۔ بعض نے یہاں تزکیہ کو مالی صدقہ دینے کے معنی میں سمجھا ہے۔ اہم بات یہ ہے کہ تزکیہ کے وسیع معانی ہیں۔ یہ روح سے شرک کی آلودگی کو دور کرنے کے معنی میں بھی ہے، اخلاقی رذیلہ سے خود کو پاک کرنے کے معنی میں بھی، ہر قسم کے کدور یا سے پاک کرنے کے معنی میں بھی اور راہ خدا میں زکوٰۃ دے کر مال و جان کی تطہیر کے معنی میں بھی۔ ایسے کہ سورہ توبہ آیت ۱۰۳: اخذ من اموالکم صدقۃ تطہروہم و تزکیہم بھا۔ ان کے مال میں سے صدقہ (زکوٰۃ) لے تاکہ انہیں اس کے ذریعہ پاک کرے اور ان کا تزکیہ کرے۔ کے مطابق زکوٰۃ کا دینا روح و جان کی پاکیزگی کا سبب ہے۔

اس بناء پر تمام تفسیریں آیت کے وسیع معنی کے اعتبار سے ممکن ہے کہ ٹھیک ہوں۔ قابل توجہ یہ بات ہے کہ مندرجہ بالا آیت میں پہلے تزکیہ، اس کے بعد پھر نماز کا ذکر اور پھر نماز کی بات ہوئی ہے۔

بعض مفسرین کے بقول مکلف کے تین عملی مراحل ہیں۔ پہلا دل سے فاسد عقائد کا ازالہ، اس کے بعد اللہ کی معرفت اور اس کے صفات و اسما کا دل میں حضور، اور تیسرا مشغلہ ہے ”اشتغال بخدمت“ یہ مندرجہ بالا آیت نے تین مختصر جملوں میں ان تینوں مرحلوں کی طرف اشارہ کیا ہے۔

یہ نکتہ بھی قابلِ توجہ ہے کہ نماز کا ذکر پروردگار کی فرع شمار کیا گیا ہے۔ یہ اس بنا پر ہے کہ جب ہم اس کی یاد میں محو ہو اور نورِ ایمان دل میں سایہ فلک نہ ہو اس وقت تک بندہ نماز کے لیے کھڑا نہیں ہوتا۔ علاوہ ازیں وہ نماز قدر و قیمت رکھتی ہے جس کے ساتھ اس کا ذکر بھی ہوا اور وہ اس کی یاد کو ساتھ لیے ہوئے ہو اور یہ جو بعض لوگوں نے ذکر پروردگار سے مراد صرف اللہ اکبر یا بسم اللہ الرحمن الرحیم کو لیا ہے، یہ درحقیقت اس کے بعض مصادیق کا بیان ہے۔ اس کے بعد اس فلاح و دستگاری کے دستور العمل سے انحراف کے اصلی عامل کی طرف اشارہ کرتے ہوئے مزید فرماتا ہے: ”بلکہ تم دنیاوی زندگی کو مقدم رکھتے ہو اور اسے ترجیح دیتے ہو“ (بل تؤثرون الحیوة الدنیا) جبکہ آخرت بہتر اور زیادہ پائیدار ہے (والآخرة خیر و ابقى)۔

یہ حقیقت میں وہی مفہوم ہے جو احادیث میں بھی آیا ہے (حب الدنیا راس کل خطیئة) ”دنیا کی محبت ہر گناہ کا سرچشمہ ہے“۔

حالانکہ عقل کبھی اجازت نہیں دیتی کہ انسان سراسر باقی کو متابع فانی کے بدلے فروخت کرے اور ان مختصر سی لذتوں کو جو انواع و اقسام کے درد و رنج ساتھ لیے ہوئے ہیں ان تمام جاودانی اور ہر قسم کی تکالیف سے مبرا نعمتوں پر مقدم سمجھے اور ان پر ترجیح دے۔

انجام کار سورہ کے آخر میں فرماتا ہے: ”یہ احکام جو بتائے گئے ہیں اس کتاب آسمانی ہی میں محدود نہیں ہیں بلکہ پہلی کتب اور صحف میں بھی آچکے ہیں“ (ان هذا الفی الصحف الاولیٰ) یعنی صحف و کتب ابراہیم و موسیٰ میں۔ (صحف ابراہیم و موسیٰ)۔

یہ بات کہ خدا کا مشاغل الہیہ کیا ہے اس سلسلہ میں کئی نظریات موجود ہیں۔ ایک جماعت نے کہا ہے ترکیہ، نماز اور حیات دنیا کو آخرت پر ترجیح نہ دینے کے آخری حکم کے سلسلہ میں اشارہ ہے، اس لیے کہ یہی انبیاء کی سب سے اہم اور بنیادی تعلیمات تھیں اور ان کا بیان تمام کتب آسمانی میں موجود ہے۔

۱۔ تفسیر فرازی، جلد ۱ ص ۱۴۰۔

۲۔ یہ حدیث مختلف حادقوں کے ساتھ امام حمزہ صادق اور امام زین العابدین سے، بلکہ تمام انبیاء سے نقل ہوئی ہے اور یہ اس کی حد سے زیادہ اہمیت کی بنا پر ہے۔ نور الثقلین، جلد ۵ ص ۵۵۶، ۵۵۷۔

۳۔ ہر کتاب کے صحف ابراہیم و موسیٰ صحف الاولیٰ کی وضاحت ہو، یہ احتمال بھی ہے کہ اس کا بیان اور واضح مصداق ہو۔ پہلی صورت میں گزشتہ تمام انبیاء کی کتب پر حاوی ہو گا اور دوسری صورت میں صرف ابراہیم و موسیٰ کے صحیفہ مراد ہوں گے۔

بعض دوسرے مفسرین اس کو ساری سورۃ کی طرف اشارہ سمجھتے ہیں، اس لیے کہ سورۃ توحید سے شذوذ ہوتی ہے اور نبوت کا تذکرہ جاری رکھتے ہوئے عملی دستور العمل پر ختم ہو جاتی ہے۔ بہر حال یہ تعبیر بتاتی ہے کہ اس سورۃ کا اجماع مضمون بالخصوص آخری آیات عالم ادیان کے اصول اساسی میں سے ہے، تمام انبیاء کی بنیادی تعلیمات میں سے ہے اور یہ خود اس سورۃ کی عظمت اور ان تعلیمات کی اہمیت کی نشانی ہے۔

”صحف صحیفہ کی جمع ہے جو یہاں لوح، تختی اور صفحہ کے معنی میں ہے جس پر کوئی چیز لکھتے ہیں۔ مندرجہ بالا آیات بتاتی ہیں کہ حضرت ابراہیمؑ اور حضرت موسیٰؑ بھی آسمانی کتابوں کے حامل تھے۔ ایک روایت حضرت ابوذرؓ سے منقول ہے کہ انہوں نے کہا کہ میں نے پیغمبر اکرمؐ کی خدمت میں عرض کیا کہ انبیاء کی تعداد کیا ہے تو آپؐ نے فرمایا ”ایک لاکھ چوبیس ہزار“ میں نے عرض کیا ”ان میں سے رسول کتنے تھے؟“ فرمایا ”تین سو تیرہ اور باقی صرف نبی تھے“ میں نے عرض کیا ”حضرت آدمؑ نبی تھے؟“ فرمایا ”ہاں۔ خدا نے ان سے کلام کیا اور انہیں اپنے دست قدرت سے خلق فرمایا“

اس کے بعد پیغمبر اکرمؐ نے مزید فرمایا: ”اے ابوذر! انبیاء میں سے چار افراد عرب تھے: ہود، صالح، شعیب اور تیرا پیغمبر“ میں نے کہا ”اے اللہ کے رسول! خدا نے کتنی کتابیں نازل فرمائی ہیں؟“ فرمایا ”ایک سو چار کتابیں“ دس کتابیں آدمؑ پر، پچاس کتابیں شیثؑ پر اور تیس کتابیں اخنوخؑ پر جو ادریسؑ ہیں۔ وہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے قلم سے لکھا۔ ابراہیمؑ پر دس کتابیں اور قودیت، انجیل، زبور اور فرقانؑ موسیٰؑ، عیسیٰؑ، داؤدؑ اور پیغمبر اسلامؐ پر نازل ہوئیں۔

Presented by: <https://jafrilibrary.com/>

(الصحف الاولیٰ) کی تعبیر ابراہیمؑ و موسیٰؑ کی کتب کے بارے میں آخری صفحہ کے مقابل ہے جو حضرت عیسیٰؑ اور پیغمبر اسلامؐ پر نازل ہوئے۔

ایک نکتہ

حُب الدنیا راس کل خطیئۃ کی تحلیل

یقیناً مومن افراد کے لیے یہ قرآنی عاصدہ جو مندرجہ بالا آیت میں آیا ہے اور جو دنیا و آخرت کے موازنے کے سلسلہ میں ہے، جس میں یہ بتایا گیا ہے کہ آخرت بہتر اور زیادہ پائیدار ہے، مکمل طور پر واضح ہے، لیکن اس کے باوجود مومن اکثر اوقات اپنے اس علم و آگاہی کو اپنے قدموں کے روندنا ہے اور گنہوں کا ارتکاب کرتا ہے۔

اس سوال کا جواب ایک ہی جملہ میں دیا جاسکتا ہے کہ یہ سب ان خواہشات کے نتیجے میں ہوتا ہے جن کا انسان کے وجود پر غلبہ ہوتا ہے اور خواہشات کے غلبہ کا سرچشمہ بھی حُب دنیا ہی ہے۔ حُب دنیا میں یہ سب چیزیں شامل ہیں:-

حُصْبِ مال، حُصْبِ مقام، شہوتِ جنسی، تفریقِ طبلی، تن پروری، جذبہ انتقام اور اسی قسم کے دیگر امور جو انسان کی روح میں کبھی بھی اس قسم کا طوفان برپا کر دیتے ہیں کہ اس کی تمام سلوٹات کو برباد کر دیتے ہیں، یہاں تک کہ بعض اوقات اس کی جس شخصیت ہی کو ختم کر دیتے ہیں جس کے نتیجے میں وہ دنیا کی زندگی کو آخرت پر ترجیح دیتا ہے۔

یہ جو بعض اسلامی روایات میں بارِ حُصْبِ دنیا کو تمام گناہوں کا سرچشمہ بنایا گیا ہے یہ ایک حقیقتِ واقعی ہے جسے ہم نے خود اپنی زندگی اور دوسروں کی زندگی میں بار بار آزمایا ہے۔ اسی بنا پر گناہ کی جڑوں کو کاٹنے کے لیے اس کے علاوہ اور کوئی چارہ کار نہیں ہے کہ ہم دنیا کی محبت اور اس کے عشق کو دل سے باہر نکال دیں۔

ہمیں چاہیے کہ ہم دنیا کو ایک وسیلہ، رُکڑ، پل اور کھیتی سمجھیں۔ یہ ممکن نہیں ہے کہ دنیا کے عاشق، جو دوسرا ہے پر کھڑے ہیں اپنی متاعِ دنیا کے حصول اور رخصتے خدا کے حصول کا دوا بہرہ، وہ کسی دوسری چیز کو ترجیح دیں۔

اگر ہم اپنے جہانم کے دفتر کو دیکھیں تو مندرجہ بالا آیت کی حقیقت ہمیں اس میں اچھی طرح نظر آجائے گی، مگر ہم لڑائیوں، خونریزیوں اور قتل و غارت کے اسباب و علل کو موردِ توجہ قرار دیں تو ان سب میں حُصْبِ دنیا بنائے فساد کے طور پر ملے گی۔

باقی رہا یہ کہ حُصْبِ دنیا کو کس طرح دل سے نکالا جاسکتا ہے جبکہ ہم سب ابنائے دنیا ہیں اور ماں سے بیٹے کی محبت ایک امر فطری ہے۔ یہ چیز فکری تعلیم و تربیت اور تہذیبِ نفس کی متقاضی ہے۔ من جملہ ان امور کے جو حُصْبِ دنیا کو دل سے نکالنے کے خواہشمند لوگوں کی مدد کر سکتے ہیں، اہل دنیا کے انجام کار کا مطالعہ ہے۔

فراعزہ نے ہاوجود قوت اور مالی وسائل کے آخر کار کیا کیا؟ فارون ان خزانوں میں سے جن کی چابیاں کئی طاقتور انسان شکل سے اٹھا سکتے تھے اپنے ساتھ کیا لے کر گیا؟ وہ عظیم طاقتیں جنہیں ہم اپنے زمانے میں دیکھتے ہیں ایک سوج بڑا کے ذریعہ ان کی زندگی کا چراغ گل کر دیا جاتا ہے اور صرف ایک گردشِ میل و مدار کے نتیجے میں ان کا تختِ سلطنت الٹ کر رکھ دیا جاتا ہے۔ وہ اپنے قہرِ دولت و ثروت کو چھوڑ کر بھاگ کھڑے ہوتے ہیں، یا زیرِ خاک پنہاں ہو جاتے ہیں۔ یہ سب چیزیں ہمارے لیے بہترین مہکم کا کام دے سکتی ہیں۔

اس وسیع و عریض گفتگو ہم امامِ ذہین العابدین کی ایک بہت ہی معنی خیز حدیث پر ختم کرتے ہیں۔ آنجناب سے کچھ لوگوں نے پوچھا ”خدا کے نزدیک سب سے افضل عمل کونسا ہے؟“ آپ نے فرمایا:

(ما من عمل بعد معرفة الله عزوجل و معرفة رسولہ افضل من بعض الدنیا) ”خدا اور اس کے رسول کی معرفت کے بعد بعضِ دنیا سے بہتر کوئی عمل نہیں ہے“ اس کے بعد آپ نے مزید فرمایا ”محبتِ دنیا کے بہت سے شعبے ہیں اور گناہوں کے بھی بہت سے شعبے ہیں۔ سب سے پہلی چیز جس کی وجہ سے خدا کی نافرمانی ہوتی وہ اہلیس کی نافرمانی تھی، جس وقت اس نے انکار کیا اور دیگر کفر کے کافریں میں سے ہو گیا۔

اس کے بعد عرصہ تھی جو آدمؑ و حواؑ کے ترکِ ادوی کا سبب بنی، جس وقت کہ خداوندِ متعال نے ان سے فسادِ بایا جنت کی جس جگہ سے چاہو کھاؤ لیکن اس ممنوع درخت کے قریب نہ جانا ورنہ ظالم ہو جاؤ گے۔ لیکن وہ اس چیز کی

طرف گئے جس کی انہیں ضرورت نہیں تھی۔ یہی چیز ان کی اولاد کے لیے قیامت تک باقی رہ گئی، اس لیے کہ زیادہ تر چیزیں جو انسان طلب کرتا ہے اس کی ضرورت سے تعلق نہیں رکھتیں۔ (عام طور پر ضرورتیں گناہ کا سبب نہیں ہیں وہ چیز جو سبب گناہ ہے وہ ہوا و ہوس اور ضرورت سے زائد امور ہیں)۔

اس کے بعد حد تھا جو آدمؑ کے بیٹے کا سبب گناہ تھا۔ اس نے اپنے بھائی سے حد کیا اور اس کو قتل کر دیا۔ اس کے شعبوں میں سے عورتوں کی محبت، دنیا کی محبت، حبِ ریاست، حبِ راحت و آرام، حبِ گفتگو و کلام، حبِ برتری اور حبِ دولت و ثروت ہے۔ یہ سات صفات ہیں جو سب کی سب حبِ دنیا میں جمع ہیں۔ اسی لیے انبیاء و مرسلین اور علمائے اعلام نے اس حقیقت سے آگاہی کے لیے کہا ہے کہ "حبِ الدنیا داس کل خطیئۃ" ۱۔

خداوند! دنیا کی محبت، جو تمام گناہوں کا سرچشمہ ہے، اسے ہمارے دلوں سے نکال دے۔
پروردگار! تو خود ہی تکمال و ارتقا کے پرہیز راستے میں ہمارا ہاتھ تمام کر منہ زلی مقصود تک ہماری ہدایت فرما۔

بار الہ! تو آشکار و پنهان سب سے آگاہ ہے۔ ہمارے معنی اور آشکار گناہ اپنے لطف و کرم سے بخش دے۔

Presented by: <https://jafrilibrary.com/>

آمین یا رب العالمین

سورۃ اعلیٰ کا اختتام

آغا زماہ مبارک رمضان ۱۴۴۰ھ

۱۔ ایسا نظر آتا ہے کہ یہاں حبِ دنیا سے مراد دنیا میں باقی رہنے کی محبت ہے، جو سات شعبوں میں سے ایک شمار ہوتی ہے اور عام طور پر طویل امیدوں میں ظاہر ہوتی ہے۔ اصول کافی جلد ۲ باب حبِ الدنیا و الحرس علیہا حدیث ۸۔ اصول کافی کے اس باب میں اس سلسلے میں ۱۷ روایات نقل ہوئی ہیں جو بہت ہی اخلاقی اور تربیتی ہیں۔

سورۃ غاشیہ

Presented by: <https://jafrilibrary.com/>

یہ سورہ مکہ میں نازل ہوا
اس میں ۲۶ آیتیں ہیں
تاریخ ابتداء یکم رمضان المبارک ۱۴۰۷ھ

سوہ غاشیہ کے مشتملات اور اس کی فضیلت

یہ سورہ جو مکی سورتوں میں سے ہے، زیادہ تر تین محروروں کے گرد گردش کرتا ہے۔ پہلا۔ معاد و قیامت کی بحث، بالخصوص مجرموں کا دردناک انجام اور مومنوں کو ملنے والا شوق انگیز ثواب۔ دوسرا۔ توحید کی بحث جو آسمان کی خلقت، پہاڑوں اور آسمان کی آفرینش کی طرف اشارہ اور انسان کی تین موضوعات کی طرف توجہ کے بیان سے عبارت ہے۔

تیسرا۔ نبوت کی بحث، پیغمبر اسلام کے فرائض اور ان کی ذمہ داریوں کے بیان پر مبنی ہے۔ یہ سورہ مجموعی طور پر مکی سورتوں کے مقاصد ہی کو موضوع گفتگو بناتا ہے جن سے ایمان و اعتقاد کو تقویت

موصول ہوتی ہے۔ Presented by: <https://jafrilibrary.com/>

اس سورہ کی تلاوت کی فضیلت کے سلسلہ میں ایک حدیث پیغمبر اسلام سے منقول ہے ”من قرأھا حسابہ اللہ حساباً یسیئرا“ جو شخص اس کی تلاوت کرے گا پروردگار عالم بردہ قیامت اس کا حساب آسان کرے گا۔ ایک اور حدیث امام جعفر صادق سے مروی ہے ”جو شخص واجب اور مستحب نمازوں میں اس سورہ کی قرأت کی پابندی کرے گا، خدا اسے دنیا و آخرت میں اپنے سایہ رحمت میں جگہ دے گا“ یقیناً یہ سب ثواب اسی صورت میں انسان کو حاصل ہوگا جب اس کی تلاوت اس کے لیے فکر و عمل کا محرک ثابت ہو۔

يَسُو اللّٰهُ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

۱. هَلْ أَتَاكَ حَدِيثُ الْغَاشِيَةِ ۝
۲. وَجُودُهُ يُؤَمِّدُ خَاشِعَةً ۝
۳. عَامِلَةً نَّاصِبَةً ۝
۴. تَصْلٰى نَارًا حَامِيَةً ۝
۵. تُسْقٰى مِنْ عَيْنٍ اٰنِيَةٍ ۝
۶. لَيْسَ لَهُمْ طَعَامٌ اِلَّا مِنْ ضَرِيْعٍ ۝
۷. لَا يُسْمِنُ وَلَا يُغْنِي مِنْ جُوعٍ ۝

ترجمہ

Presented by: <https://jafrilibrary.com/>

رحمن درحیم خدا کے نام سے۔

۱. کیا غاشیہ (قیامت کا دن جس کے وحشت ناک حوادث سب کا احاطہ کر لیں گے) کی داستان تجھ تک پہنچی ہے؟
۲. پھر اس دن خاشع اور ذلت بار ہوں گے۔
۳. وہ جہنوں نے ہمیشہ عمل کیا ہے اور تھک چکے ہیں (اور کوئی نتیجہ انہیں حاصل نہیں ہوا)۔
۴. دہکتی ہوئی آگ میں داخل ہوں گے۔
۵. انہیں حد سے زیادہ گرم چشمتے سے بلایا جائے گا۔
۶. ضریح (بدبودار اور تلخ خشک کانٹے) کے علاوہ انہیں اور کوئی کھانا نہیں ملے گا۔

ایسی غذا جو نہ انہیں موٹا کرے گی اور نہ ان کی بھوک کو ختم کرے گی۔

تفسیر

بد نصیب تھکے ماندے

اس سورہ کے آغاز میں ہمارا سامنا قیامت کے ایک نئے نام سے ہوا ہے جو غاشیہ ہے۔ فرماتا ہے: ”کیا غاشیہ کی داستان تجھ تک پہنچی ہے؟ (هل اشدك حدیث الغاشیة)۔

”غاشیہ“ عشاؤہ کے مادہ سے ڈھانپنے کے معنوں میں ہے۔ قیامت کے لیے اس نام کا انتخاب اس وجہ سے ہے کہ وحشت ناک حوادث اچانک سب کو ڈھانپ لیں گے۔ بعض مفسرین نے کہا ہے کہ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس دن اولین و آخرین حساب کے لیے جمع ہوں گے۔ بعض نے یہ کہا ہے کہ مراد اس طرح کی آگ ہے جو کافروں اور مجرموں کے چہرہ کو ڈھانپ لے گی۔

پہلی تفسیر سب سے زیادہ مناسب ہے۔ ظاہر ہے کہ اس آیت میں مخاطب خود پیغمبر کی ذات اقدس ہے۔ اور پیغمبر اسلام سے یہ جملہ استفہام کی شکل میں اس عظیم دن کی اہمیت کے پیش نظر کہا گیا ہے۔ بعض مفسرین نے یہ احتمال بھی تجویز کیا ہے کہ اس آیت میں مخاطب ہر انسان ہے، لیکن یہ مفہوم بعید نظر آتا ہے۔ اس کے بعد مجرموں کی حالت کو پیش کرتے ہوئے فرماتا ہے:

”پھر اس دن خاشع اور ذلت بار ہوں گے“ (وجوه یومئذ خاشعة)۔ ذلت عذاب اور عظیم سزا کے خوف نے اس دن ان کے تمام وجود کو گھیر رکھا ہوگا، اور چونکہ انسان کے باطنی حالات ہر جگہ سے زیادہ اس کے چہرے سے ظاہر ہوتے ہیں، لہذا خوف، ذلت اور وحشت کی طرف اشارہ کرتا ہے، جو اس کے تمام چہرے کو ڈھانپ لیں گے۔

بعض نے یہ بھی کہا ہے کہ یہاں ”وجہ“ سے کفر کے بڑے بڑے لوگ اور سرغنہ مراد ہیں جو ایک گہری ذلت میں ڈوبے ہوئے ہیں۔ لیکن پہلے معنی زیادہ مناسب نظر آتے ہیں۔ اس وقت مزید فرماتا ہے: ”یہ ایسے لوگ ہیں جو مسلسل کام کر کے تھک چکے ہیں“ (عاملۃ ناصبۃ)۔ زندگانی دنیا میں بہت زیادہ کوشش کرتے ہیں، لیکن تھکن کے علاوہ انہیں کوئی فائدہ نصیب نہیں ہوتا، نہ ان کا بارگاہِ خدا میں کوئی عمل مقبول ہے اور نہ اس دولت و ثروت میں سے وہ کوئی چیز اپنے ساتھ لے جاسکتے ہیں جسے انہوں نے جمع کر رکھا ہے، نہ اپنے بعد وہ کوئی نیک نامی چھوڑ جاتے ہیں، نہ کوئی اولاد صالح۔ وہ محض تھک جانے والے زحمت کش ہیں۔ کتنی بہترین اور عمدہ تفسیر ہے۔ (عاملۃ ناصبۃ)

بعض مفسرین نے اس جملہ کی تفسیر میں کہا ہے کہ مراد یہ ہے کہ اس دنیا میں وہ عمل کرتے ہیں لیکن اس کی

خشکی و رنج و تکلیف اپنے ساتھ آخرت میں لے جاتے ہیں۔

بعض نے کہا ہے کہ مجرموں سے دوزخ میں عنت شاقہ لی جائے گی تاکہ وہ زیادہ سے زیادہ عذاب بھلیں۔ لیکن ان تینوں تفسیروں میں سے پہلی تفسیر زیادہ صحیح نظر آتی ہے۔

آخر کار یہ خستہ، تھکے ہوئے اور ضلول کام کرنے والے زحمت کش جبرمکتی ہوئی آگ میں داخل ہوں گے اور اس میں جلیں گے۔ (تصلیٰ ناذا حاحیہ)۔ ”تصلیٰ“ صلی (بروزن نفی) کے مادہ سے آگ میں داخل ہونے اور اس میں جلنے کے معنی میں ہے (صلی لانداری لومما و احترق بها)۔ ”آگ میں ہمیشہ رہا اور جلنا رہا“۔

لیکن ان کا عذاب اسی پر ختم نہیں ہوگا۔ جب وہ آگ کی حرارت کی وجہ سے پیاس میں مبتلا ہوں گے تو وہ سے زیادہ کھولتے ہوئے چشمے سے انہیں پلایا جائے گا۔ (تسقی من عین انیۃ)۔ ”انیۃ“ ٹونٹ ہے انی کے رانی بروزن حل) مادہ سے جو تاخیر میں ڈالنے کے معنی میں ہے اور کسی چیز کے بیان کرنے کے وقت کے پہنچ جانے کے لیے بولا جاتا ہے۔ یہاں ایسے جلانے والے پانی کے معنی میں ہے جس کی حرارت اپنی انتہا کو پہنچی ہوئی ہو۔

سورہ کہف کی آیت ۲۹ میں ہم پڑھتے ہیں (وان یتسقیثوا یغاثوا بماء کالمهل یشوی الوجہ بشی الشواب و ساءت موتفعا) اور اگر پانی مانگیں گے تو ان کے لیے ایسا پانی لائیں گے جو کسی ٹھنڈی پھل ہوئی دھات کی طرح ہوگا جو ان کے جھروں کو بھول دے گا۔ وہ کتنا برا مشروب ہے اور وہ کتنا برا ہے۔

بعد والی آیت میں ان کی خوراک کے بارے میں، جبکہ وہ بھوکے ہوں گے، مزید فرماتا ہے: ”وہ ضریع کے علاوہ کوئی طعام نہیں رکھتے“ (لیس لھو طعام الا من ضویع)۔ یہ ضریع کیا ہے؟ اس سلسلہ میں مفسرین کے پاس مختلف تفاسیر ہیں۔ بعض نے کہا ہے کہ ایک قسم کا کاشا ہے جو زمین سے چٹ جاتا ہے۔ اگر وہ تر ہو تو قریش اسے شبرق کہتے تھے اور جب خشک ہو تو ضریع کہتے۔ وہ ایک زمربل گھاس ہے جسے کوئی جانور منہ نہیں لگاتا بلکہ

علائے لغت میں سے خلیل کا کہنا ہے کہ ضریع بدبودار اور سبز گھاس ہے جو دریا سے باہر آن گرتی ہے۔ ابن عباس نے کہا ہے کہ یہ آتش جہنم کا ایک درخت ہے جو اگر دنیا میں ہو تو زمین اور جو کچھ اس میں ہے اس سب کو جلا کر فنا کر دے۔ ایک حدیث میں پیغمبر اسلام سے منقول ہے کہ ضریع دوزخ کی آگ میں ایک چیز ہے جو کائنات کی طرح ہے، خنظل سے زیادہ تلخ اور مردار سے زیادہ بدبودار، آگ سے زیادہ جلانے والی ہے۔ خدا نے اس کا نام ضریع رکھا ہے۔ (الضریع شئی یشکون فی النار یشبه الشوک اشد مرارة من الصبر و انتن من الجیفۃ و احمر من النار ساء اللہ ضریعا) بعض نے یہ بھی کہا ہے کہ ضریع ایک ذلیل غذا ہے کہ جنہی جس سے چھٹکارہ حاصل کرنے کے لیے بارگاہ خدا میں تضرع کریں گے)۔ ہم اس بات کو نہ بھول جائیں کہ ضریع کا مادہ ضعیف، ذلت اور خضوع

کے معنی میں ہے۔ لے

یہ تفاسیر ایک دوسرے کے ساتھ منافات نہیں رکھتیں اور ہو سکتا ہے کہ اس لفظ کے معنی میں یہ سب جمع ہوں۔ اس کے بعد مزید اذشاد ہوتا ہے :

”وہ انہیں موٹا کرتا ہے نہ ان کی بھوک کو ختم کرتا ہے“ (لایسمن ولا یغنی من جوع)۔ یقیناً اس قسم کی غذا نہ جسم کی تقویت کے لیے اور نہ بھوک کو ختم کرنے کے لیے ہے۔ وہ ایک ایسی غذا ہے جو بجائے خود ایک عذاب ہے جیسا کہ سورہ مزمل کی آیت ۱۳ میں ہم پڑھتے ہیں :

(و طعمائنا ذاعصاة و عذابنا الیم) ہمارے پاس گلے میں پھندہ لگانے والی غذائیں ہیں اور وہ دردناک عذاب ہیں۔ وہ لوگ جنہوں نے اس دنیا میں انواع و اقسام کی لذیذ مرغیوں اور شیریں غذائیوں و دوسروں پر ظلم کر کے فراہم کی ہیں اور جنہوں نے محروم لوگوں کو ناگوار غذائیں کھانے کے علاوہ اور کسی غذا کے حاصل کرنے کا موقع نہیں دیا، ضروری ہے کہ وہاں ان کی ایسی غذا ہو جو ان کے لیے عذاب الیم بنے۔ البتہ جیسا کہ ہم نے بار بار کہا ہے جنت کی نعمتیں اور دوزخ کے عذاب دونوں ہم جیسے اسیرانِ زندگی کے لیے ناقابلِ تشریح ہیں۔ یہ سب اشارے ہیں جنہیں ہم سمجھنے کی کوشش کر سکتے ہیں۔

Presented by: <https://jafrilibrary.com/>

لے ایک اور بحث دوزخیوں کی غذا کے بارے میں ہے قرآن بھی مزید کبھی ذوق اور بھی غلین کے نام سے یاد کرتا ہے اور ان تعبیرات میں فرق ہے۔ یہ سب تفسیر نمونہ کی جلد ۱۴ پر سورہ حادّہ کی آیت ۳۶ کے ذیل میں ہم پیش کر چکے ہیں۔

۸. وَجُوهٌ يُّؤَمِّدُ نَاعِمَةٌ ۝
 ۹. لِسَعِيهَا رَاضِيَةٌ ۝
 ۱۰. فِي جَنَّةٍ عَالِيَةٍ ۝
 ۱۱. لَا تَسْمَعُ فِيهَا لَاغِيَةً ۝
 ۱۲. فِيهَا عَيْنٌ جَارِيَةٌ ۝
 ۱۳. فِيهَا سُرُرٌ مَّرْفُوعَةٌ ۝
 ۱۴. وَأَكْوَابٌ مَّوْضُوعَةٌ ۝
 ۱۵. وَنَمَارِقُ مَصْفُوفَةٌ ۝
 ۱۶. وَزَرَابِيُّ مَبْثُوثَةٌ ۝

Presented by: <https://jafrilibrary.com/>

ترجمہ

۸. اُس دن کچھ پھرے شاداب ہوں گے۔
 ۹. اس لیے کہ اپنی کوشش سے مسرور ہوں گے۔
 ۱۰. جو بہشت عالی میں ہوں گے۔
 ۱۱. جس میں تو کوئی لغو اور بیہودہ بات نہیں سنے گا۔
 ۱۲. اس میں چشمے جاری ہیں۔
 ۱۳. اس میں خوبصورت بلند تخت ہوں گے۔
 ۱۴. اور پیالے جو ان چشموں کے پاس رکھے ہوں گے۔

اور تیجے جو صف بستہ ہوں گے۔
اور پچھے ہوئے فاخرہ فرش ہوں گے۔

تفسیر

بہشت کی روح پرور نعمتوں کے مناظر

اس تشریح کے بعد جو گزشتہ آیات میں دوسری دنیا میں مجرموں اور بدکاروں کی حالت اور جہنم کے عذاب کے بارے میں آئی تھی، ان آیتوں میں نیکو کار مومنین کی حالت کی تشریح اور جنت کی بے نظیر نعمتوں کی توصیف پیش کرتا ہے تاکہ قمر کو مہر سے ملادے اور انذار کو بشارت سے مربوط کر دے۔ فرماتا ہے:

”چہرے اس دن پُر طراوت اور سرور ہوں گے“ (وجوہ یومئذ ناعمة)۔ بدکاروں کے چہروں کے برعکس، جن کی طرف گزشتہ آیات میں اشارہ ہوا ہے کہ وہ ذلت و اندوہ میں غرق ہوں گے۔

”ناعمة“ نعمت کے مادہ سے یہاں ایسے چہروں کی طرف اشارہ ہے جو نعمت سے سرشار، تروتازہ، شاداب اور سرور و نورانی ہوں گے جیسا کہ سورہ مطفئین کی آیت ۲۲ میں آیا ہے کہ جنتیوں کی توصیف میں فرماتا ہے:

(تعوف فی وجوہہم نضرة النعم) ”ان کے چہروں میں تجھے طراوت اور نعمت کی شادابی نظر آئے گی“ یہ چہرے ایسے نظر آئیں گے کہ وہ اپنی سعی و کوشش سے راضی اور خوش ہوں گے (لسعیہا راضیۃ)، دوزخیوں کے برعکس جنہوں نے اپنی سعی و کوشش سے سوائے تعلق اور رنج کے اور کچھ حاصل نہیں کیا (عاملۃ ناصبۃ)

بہشتی اپنی سعی و کوشش کو احسن وجہ سے دیکھیں گے اور مکمل طور پر راضی اور خوش ہوں گے، ایسی سعی و کوشش جو لطف خدا کے پرتو کے سامنے میں کبھی کئی گنا، کبھی دس گنا اور کبھی سات سو گنا اور کبھی اس سے بھی زیادہ بڑھ چکی ہو۔

اور وہ کبھی اس سے بے حد و حساب جزا حاصل کر چکے ہوں گے (انفا یوفی الصابرون اجرہم بغير حساب) (زمرہ: ۱۰) اس کے بعد اس مضمون کی شرح پیش کرتا ہے اور فرماتا ہے: ”وہ بہشت عالی میں قرار پائے ہیں“ (رفی جنة عالیہ)۔

لفظ عالیہ عین ہے کہ علو مکانی کی طرف اشارہ ہو، یعنی وہ جنت کے عالی طبقات میں ہیں، یا یہ علو مقامی ہے۔ مفسرین نے دونوں احتمال تجزیہ کیے ہیں، لیکن دوسری تفسیر زیادہ مناسب نظر آتی ہے، اگرچہ دونوں کے درمیان جمع بھی ممکن ہے۔

اس کے بعد اس جنت کی ایک اور صفت جو روحانی اور معنوی پہلو رکھتی ہے، بیان فرماتا ہے: ”وہاں تو کوئی لغو اور بیہودہ بات نہیں سنے گا“ (لا تسمع فیہا لا غیۃ) یہ نہ ایسی بات جو فحاش کا پہلو لیے ہوئے ہو،

نہ ”لا غیۃ“ اگرچہ اسم فاعل ہے لیکن اس قسم کے موارد میں اس چیز کے معنی میں ہے جو لغویت لیے ہوئے ہو۔ اسی لیے طبرسی نے اس کی (ذات لغو) لغو لیے ہوئے تفسیر کی ہے۔

نہ عداوت و جنگ و جدل کی، نہ کینہ پردری اور حسد کی، نہ جھوٹ نہ تممت و افترا، نہ غیبت نہ لغو و بے فائدہ۔
وہ ماحول کیسا آرام دہ ہو گا جو ان فضولیات سے پاک و مبرا ہو۔

اگر ہم ٹھیک طرح غور و فکر کریں تو دنیاوی زندگی کی پریشانیوں کا زیادہ تر حصہ اسی قسم کی باتوں کا سنا ہے جو روح و جان کے سکون اور اجتماعی نظاموں کو درہم برہم کر دیتا ہے، فتنوں کی آگ بھڑکاتا ہے اور انہیں شعلہ در کرتا ہے۔

اس روحانی اور آرام و سکون بخش نعمت کے ذکر کے بعد ہر جنتیوں کی روح و جان کو لغو و بیہودہ باتیں نہ ہونے کی وجہ سے حاصل ہے، جنت کی مادی نعمتوں کے ایک حصہ کو پیش کرتے ہوئے فرماتا ہے: ”اس جنت میں چشمے جاری ہیں“ (فیہا عین جاریۃ)۔ اگرچہ عین یہاں نگرہ ہے اور عام طور پر نگرہ ایک فرد کے لیے بھی آتا ہے لیکن قرآن کی باقی آیات کے قریب سے جنس کے معنی رکھتا ہے اور مختلف چشموں کے معنی میں ہے، جیسا کہ سورہ ذاریات کی آیت ۱۵ میں ہے (ان المتعین فی جنات و عیون) پر ہر نگار اور متعین لوگ جنت کے باغات اور چشموں کے درمیان قرار پائے ہیں۔

بعض مفسرین نے یہ بھی کہا ہے کہ جنیتوں کے عملوں میں سے ہر عمل میں ایک جہتہ جاری ہے اور عین کا مفرد ہونا یہاں اس طرف اشارہ کرتا ہے، ایسا جہتہ جہتہ جنسیت والوں کی خواہش کے مطابق جس طرف چاہیں گے اسی طرف جھے گا اور جنت والے نبرد غیرہ بنانے کے محتاج نہیں ہوں گے۔ البتہ کئی چیزوں کا ہونا خوبصورتی و زیبائی و طراوت کے اضافہ کے علاوہ یہ فائدہ بھی رکھتا ہے کہ ان میں سے ہر ایک مخصوص مشروب جو اور جنیتوں کے ذائقہ کو انواع و اقسام کی شراب طہور سے شیریں و معطر کرتا ہو۔

ان چشموں کے تذکرہ کے بعد جنت کے تخت اور پلنگوں کو موصوف بنا کر فرماتا ہے: ”جنت کے ان باغوں میں بلند اور اونچے تخت اور پلنگ ہوں گے۔“ (فیہا سرد مرفوعۃ)۔ ”سرد“ جمع ہے سریری کی۔ ”سرد“ کے مادہ سے، ایسے تخت اور پلنگوں کے معنی میں کہ جن پر عباس اس دسرد میں بیٹھے ہیں۔

ان پلنگوں کا بلند ہونا اس بنا پر ہے کہ جنتی اپنے اطراف کے تمام مناظر اور صحن دیکھ سکیں اور ان کے مشاہدہ سے لذت حاصل کریں۔ ابن عباس کہتے ہیں یہ بلند تخت اور پلنگ اس قسم کے ہیں کہ جس وقت ان کے مالک ان پر بیٹھنے کا ارادہ کریں گے تو وہ تواضع و خضوع کریں گے اور نیچے ہو جائیں گے اور بیٹھنے کے بعد اپنی پہلی حالت پر ہلٹ جائیں گے۔

یہ احتمال بھی ہے کہ ان پگنوں کی مرفوعہ کے لفظ کے ساتھ توصیف ان کے قیمتی ہونے کی طرف اشارہ ہو اور جیسا کہ بعض مفسرین نے کہا ہے کہ وہ سونے کے ٹکڑوں سے بنے ہوئے ہوں گے اور دُر و یاقوت و زبرجد سے مزین

ہوں گے۔ دونوں تفسیروں کے مابین جمع بھی ممکن ہے۔

چونکہ ان خوشگوار چشموں اور جنت کی شراب طہور سے فائدہ اٹھانا برتنوں کی احتیاج رکھتا ہے، لہذا بعد والی آیت میں فرماتا ہے: ”خوبصورت اور جاذب نظر پیالے ان چشموں کے پاس رکھے ہوں گے“ (د اکواب موصوعہ)۔ جس وقت وہ ارادہ کریں گے تو پیالے چشموں سے پُر ہو کر ان کے سامنے آجائیں گے اور وہ تازہ تازہ نوش کریں گے ایسی لذت جس کا شعور ساکنین دنیا کے لیے ممکن نہیں ہے۔ اکواب جمع کوب (بروزن خوب) جو قدح، پیالے یا ایسے ظرف کے معنی میں ہے جس میں دستہ لگا ہوا ہو۔

اس نکتہ کی طرف توجہ ضروری ہے کہ قرآن میں اہل جنت کی شراب طہور کے برتنوں کے بارے میں مختلف تعبیریں آئی ہیں یہاں اور بعض دوسری آیات میں اکواب کی تعبیر آئی ہے جبکہ بعض دوسری آیات میں ابارین (ابرین کی جمع) کی تعبیر آئی ہے جو ایسے ظرف کے معنی میں ہے جس کا دستہ اور ٹوٹی ہو، سیال چیزوں کو انڈیلنے کی ٹھن سے۔ یا پھر کاس کا لفظ آیا ہے جس کے معنی شراب سے لبریز جام کے ہیں (یطوف علیہم ولدان مخلصون بالکواب وابدان وکاس من معین) ان کے گرد ایسے جوان گردش کرتے ہوں گے جو ہمیشہ جوانی کی طراوت و تروتازگی کے حامل ہوں گے جبکہ شراب طہور سے لبریز پیالے اور جام ان کے ہاتھ میں ہوں گے اور وہ ان کے سامنے پیش کریں گے۔ (واقفہ)۔ [Presented by: https://jafrilibrary.com](https://jafrilibrary.com)

اس کے بعد جنت کی نعمتوں کی جزئیات کے متعلق مزید نکات پیش کرتے ہوئے اضافہ فرماتا ہے: ”ہاں پلنگوں پر تکیے اور گاؤں تکیے ہوں گے جو صف بستہ ہوں گے“ (وہما دق مصفوفہ)۔ ہمارق مرقہ (بروزن غلقہ) کی جمع ہے جس کے معنی چھوٹے تکیے کے ہیں جس کا سارا لپیتے ہیں بلہ اور عام طور پر مکمل استراحت کے وقت ان سے فائدہ اٹھایا جاسکتا ہے اور مصفوفہ کی تعبیر اشارہ ہے نظم خاص اور تعدد کی طرف جو ان پر حاکم ہے۔

یہ تعبیر بتاتی ہے کہ وہ مجالس انس تشکیل دیں گے اور یہ مجلسیں جو ہر قسم کی لغویت اور بیہودگی سے پاک ہوں گی۔ ان میں صرف الطاف الہی، اس کی بے پایاں نعمتوں اور دنیا کے درد و دلچ اور عذاب سے نجات کے بارے میں گفتگو ہوگی، اس قدر لطف اور لذت رکھتی ہوں گی کہ کوئی چیز ان کی ہوس نہیں ہو سکتی۔

آخری زیر بحث آیت میں جنت کے قیمتی فرشوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرماتا ہے، ”ہاں گراں بہاؤ خوبصورت فرش بچے ہوئے ہوں گے“ (وزلابی مبثوثہ)۔

”وزلابی“ جمع ہے وزرہ کی جو ایسے قیمتی فرش کے معنی میں ہے جو نرم، راحت بخش اور بیش قیمت ہونگے۔ واضح ہے کہ ان آسائش و لذت کے وسائل و ذرائع کے برابر اور بہت سے دوسرے وسائل موجود ہوں گے جبکہ یہ نمونہ از خود ارے کے مصداق ہیں۔ ان آیتوں میں جنت کی سات اہم نعمتیں بیان ہوئی ہیں جن میں سے ہر ایک دوسری

سے زیادہ جاذب تر اور زیبا تر ہے۔

خلاصہ کلام یہ کہ جنت ایک بے نظیر ملک ہے جس میں کسی قسم کا لڑائی جھگڑا نہیں ہے۔ وہاں انواع و اقسام کے رنگ برنگ کے پھل، دل خوش کن نغمے، آبِ جاری کے چشمے، شرابِ طہور، شائستہ خدمتکار، بے شل بہوئیاں، نرِ صبح پلنگ، قیمتی فرش اور پُر خلوص دوست ہوں گے۔ نیز عمدہ اور خوبصورت پیالے ہوں گے جو چشموں کے پاس لکھے ہوئے ہوں گے۔ مختصر یہ کہ ایسی نعمتیں وہاں دستیاب ہوں گی جن کی نہ اس دنیا کے الفاظ کے ذریعے تشریح ممکن ہے اور نہ عالم خیال ہی اس کی توضیح کر سکتا ہے۔

یہ سب چیزیں ان مومنین کی تشریف آوری کی منتظر ہیں جنہوں نے اپنے اعمالِ صالح کے ذریعہ نعمتِ الہی کے اس مرکز میں ورود کی اجازت لے لی ہے۔

مذکورہ بالا مادی لذتوں کے علاوہ معنوی لذتیں بھی ہیں۔ سب سے بڑھ کر لقا اللہ کی نعمت ہے۔ اس محبوبِ حق کے لطف و کرم ہیں کہ اگر ایک لمحے کے لیے مل جائیں تو وہ جنت کی تمام مادی نعمتوں کے مقابلہ میں بہتر و برتر ہیں۔ بقول شاعر؎

گرم بہ دامنِ وصل تو دوسرے باشند دگر ذلیلِ خویشم چہ ملتس باشند؟

اگر بہر دو جہاں یک نفسِ نرم بردست مرا زہر دو جہاں حالِ آن نفس باشند

اگر مجھے ترسے وصل کے دامنِ ملک و سرس حاصل ہو جائے تو پھر میں اپنے سجدے اور کیا مانگوں۔

اگر دونوں؟ اں کے بدلے دوست کے ساتھ ایک سانس لوں تو ان دونوں جہان کا حاصل ہی ایک سانس ہوگا۔

- ۱۷ (۱۷) أَفَلَا يَنْظُرُونَ إِلَى الْإِبِلِ كَيْفَ خُلِقَتْ ۖ وَقَفَّةٌ
- ۱۸ (۱۸) وَإِلَى السَّمَاءِ كَيْفَ رُفِعَتْ ۖ وَقَفَّةٌ
- ۱۹ (۱۹) وَإِلَى الْجِبَالِ كَيْفَ نُصِبَتْ ۖ وَقَفَّةٌ
- ۲۰ (۲۰) وَإِلَى الْأَرْضِ كَيْفَ سُطِحَتْ ۖ وَقَفَّةٌ
- ۲۱ (۲۱) فَذَكِّرْ إِنَّمَا أَنْتَ مُذَكِّرٌ ۖ
- ۲۲ (۲۲) لَسْتَ عَلَيْهِمْ بِمُصَيِّرٍ ۖ
- ۲۳ (۲۳) إِلَّا مَنْ تَوَلَّى وَكَفَرَ ۖ
- ۲۴ (۲۴) فَيُعَذِّبُهُ اللَّهُ الْعَذَابَ الْأَكْبَرَ ۖ
- ۲۵ (۲۵) إِنَّ إِلَيْنَا إِيَابَهُمْ ۖ
- ۲۶ (۲۶) ثُمَّ إِنَّ عَلَيْنَا حِسَابَهُمْ ۖ

Presented by: <https://jafrilibrary.com>

ترجمہ

- ۱۷ (۱۷) کیا وہ اونٹ کی طرف نہیں دیکھتے کہ کس طرح اسے پیدا کیا گیا؟
- ۱۸ (۱۸) اور آسمان کی طرف نہیں دیکھتے کہ کس طرح بلندی پر قائم کیا گیا؟
- ۱۹ (۱۹) اور پہاڑوں کی طرف کہ کس طرح وہ اپنی جگہ نصب ہوئے ہیں؟
- ۲۰ (۲۰) اور زمین کی طرف کہ وہ کس طرح سطح ہوئی ہے؟
- ۲۱ (۲۱) پس نصیحت کر کہ تو صرف نصیحت کرنے والا ہے۔
- ۲۲ (۲۲) تو ان پر مسلط نہیں ہے کہ انہیں (ایمان لانے پر) مجبور کرے۔

- ۲۳ مگر وہ شخص جو پشت پھیرے اور کافر ہو جائے۔
- ۲۴ جسے خدا بہت بڑے عذاب کی سزا دے گا۔
- ۲۵ یقیناً ان کی بازگشت ہماری طرف ہے۔
- ۲۶ اور یقیناً ان کا حساب کتاب ہمارے پاس ہے۔

تفسیر

اونٹ کی طرف دیکھو جو خود ایک آیت ہے

گزشتہ آیات میں بہت زیادہ بحیثیت جنت اور اس کی آیتوں کے بارے میں آئی تھیں لیکن زیر بحث آیات میں ان نعمتوں تک پہنچنے کی اصلی کلید کی گفتگو ہے جو اللہ کی معرفت ہے۔ خدا کی قدرت کے چار مظاہر بیان کر کے خدا کی تادخلت اور انسان کو اس کے مطالعہ کی دعوت کے ساتھ جنت میں داخل ہونے کی راہ بتاتا ہے اور ضمن طور پر یہ بھی اشارہ کرتا ہے کہ خدا کی قدرت بے پایاں ہے جو مسئلہ معاد کے حل کرنے کی کلید ہے۔

پہلے فرماتا ہے: ”کیا اونٹ کی طرف نہیں دیکھتے کہ وہ کس طرح پیدا کیا گیا ہے؟“ (افلا ينظرون الى الابل كيف خلقت)۔ یہاں ہر چیز سے پہلے اونٹ کی تخلیق کے عنوان کو کیوں منتخب کیا گیا ہے؟ اس سلسلہ میں مفسرین نے بہت کچھ تحریر کیا ہے، لیکن یہ چیز واضح ہے کہ ابتداء میں روئے سخن موت کے عربوں کی طرف تھا، جن کی زندگی کے بہت سے کام اونٹ سے وابستہ تھے۔ اس سے قطع نظر یہ جانور عجیب و غریب خصوصیتوں کا حامل ہے، جو اسے دوسرے جانوروں سے ممتاز کرتی ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ وہ اللہ کی نشانیوں میں سے ایک نشانی ہے۔ پھر یہ بھی ہے کہ:

۱۔ بعض جانور ایسے ہیں جن کے صرف گوشت سے فائدہ اٹھایا جاسکتا ہے، بعض ایسے ہیں جن کے صرف دودھ سے استفادہ ہوتا ہے، بعض ایسے ہیں جو صرف سواری کے کام آتے ہیں اور بعض صرف بار برداری کے کام آتے ہیں، لیکن اونٹ ایسا جانور ہے جس میں یہ تمام خصوصیتیں پائی جاتی ہیں۔ اس کا گوشت بھی قابل استعمال ہے اور دودھ بھی۔ یہ سواری کے کام بھی آتا ہے اور بار برداری کے لیے بھی اسے کام میں لایا جاتا ہے۔

۲۔ اونٹ زیادہ طاقتور اور زیادہ قوت مقادمت رکھنے والا جانور ہے۔ یہ بہت زیادہ سامان اٹھا لیتا ہے اور تعب کی بات یہ ہے کہ جس وقت وہ بیٹھا ہوا ہو تو بھاری بوجھ اس پر رکھ دیتے ہیں اور ایک ہی حرکت کے ساتھ اپنے ہاتھوں کے سارے کھڑا ہو جاتا ہے، جبکہ دوسرے جانور اس قسم کا کام نہیں کر سکتے۔

۳۔ اونٹ آٹھ دس روز تک پیاسا رہ سکتا ہے، اور اس میں بھوک کو برداشت کرنے کی بھی بہت

صلاحیت ہوتی ہے۔

۴۔ اونٹ ہر روز راستے کی طولانی مسافت طے کر سکتا ہے اور ایسی زمینوں سے، جن میں سے گزرنا مشکل ہے جیسے رگستانی علاقہ جس کو عبور کرنا مشکل ہوتا ہے، آسانی سے گزر سکتا ہے۔ اسی بنا پر عرب اسے صحرائی جہاز کہتے ہیں۔

۵۔ وہ غذا کے اعتبار سے بہت ہی سستا ہے، ہر قسم کے خار و خس و خاشاک کھا لیتا ہے۔

۶۔ وہ غذا کے نامناسب حالات میں بیابان کے ایسے طوفانوں کے درمیان، جو آنکھ اور کان کو اندھا بہرا کر دیتے ہیں، اپنے مخصوص وسائل کے ساتھ، جو خدا نے اس کی ہلکوں، کانوں اور ناک میں مہیا کیے ہیں، مقابلہ کرتا ہوا اپنے سفر کو جاری رکھتا ہے۔

۷۔ وہ اپنی پوری قوت و طاقت کے باوجود نہایت مطیع جانور ہے۔ ایک چھوٹا سا بچہ بھی اونٹ کی قطار کی مار ماتھ میں لے کر جہر اس کا دل چاہے انہیں لے کر جاسکتا ہے۔

مختصر یہ کہ اس جانور کی خصوصیات کچھ اس قسم کی ہیں کہ اس کی خلقت کے بارے میں اگر غور و فکر کیا جائے تو وہ انسان کو خالق عظیم کی طرف متوجہ کرتی ہے، جو ایسی مخلوق کا پیدا کرنے والا ہے۔ جی ہاں! قرآن میں ارشاد ہوتا ہے: ”کیا یہ وادی خلقت کے گشدہ اس مخلوق کے حیران کن اسرار پر غور نہیں کرتے تاکہ انہیں حق کی راہ حاصل ہو اور یہ بے راہ روی سے بچ جائیں؟“ یہ بات بغیر کے واضح ہے کہ ”افلامنظون“ کے جملہ میں نگاہ سے مراد عام نگاہ نہیں، بلکہ ایسی نگاہ ہے جس میں غور و فکر و تدبر شامل ہو۔

اس کے بعد آسمان کی طرف متوجہ ہونے ہوئے فرماتا ہے: ”کیا وہ آسمان کی طرف نہیں دیکھتے کہ کس طرح قرار دیا گیا ہے؟“ (والی السماء کیف دفعت)۔ آسمان اپنی اس عظمت کے ساتھ اور اپنے ان سب عجائبات کے ساتھ بتاروں اور نکستاروں کے ساتھ اور اس مارے جمال و زیبائی و شکوہ کے ساتھ، جس نے انسان کو درط حیرت میں ڈال رکھا ہے، جس کی درجہ سے اپنے آپ کو وہ اس عظیم اور نظم و حساب سے پُر جہان کے پیدا کرنے والے کے مقابلہ میں چھوٹا اور ناچیز بلکہ اس لامعہ و درخشندہ کے مقابلہ میں صفر کے برابر سمجھتا ہے، کس طرح یہ عظیم کُرتے اپنی اپنی جگہ پر میخ کی طرح گڑھے ہوئے ہیں اور بغیر ستون کے اپنی جگہ برقرار ہیں۔

اس نظام شمس کے گڑوں کو عالم وجود میں آتے ہوئے لاکھوں سال گزر چکے ہیں لیکن ان کی حرکت اصلی کے محور تبدیل نہیں ہوئے۔ آسمان کی خلقت اگرچہ ہمیشہ عجیب و غریب لیکن موجودہ زمانہ کے علمی انکشافات کے سامنے اس کے عجائبات کئی گنا زیادہ ہو گئے ہیں اور اس کی عظمت اور بھی نمایاں ہو گئی ہے۔ کیا اس عالم عظیم کے خالق و مدبّر کے بارے میں غور و فکر نہیں کرنا چاہیے اور اس کے بلند و عظیم مقاصد کے قریب نہیں جانا چاہیے؟

اس کے بعد آسمان سے ہٹ کر زمین کو موصوف گشتگو بناتے ہوئے فرماتا ہے: ”کیا وہ پہاڑوں کی طرف نہیں دیکھتے کہ وہ کس طرح اپنی جگہ پر نصب ہوئے ہیں؟“ (والی الجبال کیف نصبت)۔ وہ پہاڑ جن کی جڑیں ایک دوسرے سے متصل ہیں، زمین کے اطراف کو زرہ کے حلقوں کی مانند گھیرے ہوئے ہیں اور اندرونی پچھلے ہوئے مادہ سے پیدا

ہونے والے زلزلوں اور چاند و سورج کی قوتِ جذبہ سے پیدا ہونے والے مد و جزر کو کم کرتے ہیں۔ وہ پہاڑ و جان طوفانوں کے مقابلہ میں قابلِ اطمینان پناہ گاہ اور ڈھال ثابت ہوتے ہیں مگر یہ نہ ہوتے تو کرہ زمین ایسے بیابانوں میں تبدیل ہو جاتا جن میں زندگی گزارنا ناممکن ہوتا۔

وہ پہاڑ جو پانی کے ذخیروں کو اپنے اندر بھنڈ کر کے ہوئے ہیں اور انہیں آہستہ آہستہ پیاسی زمینوں کی طرف روانہ کرتے ہیں اور اپنے چاروں طرف زندگی کی مسرت، ہریالی، خوشی، طراوت اور تروتازگی پیدا کرتے ہیں۔ غالباً یہی پہلو ہیں جن کی وجہ سے دوسری آیات میں پہاڑوں کو زمین کی پیٹھیں کہا گیا ہے۔ اصولی طور پر پہاڑ عظمت و صلابت کے مظہر ہیں اور ہر جگہ خیر و برکت کا سبب ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ انسان پہاڑوں پر تفکر کی زیادہ صلاحیت محسوس کرتا ہے اور یہ بات بلا سبب نہیں ہے کہ پیغمبر اکرمؐ اپنی بعثت سے مدتوں پہلے جبلِ نور اور غارِ حرا میں عبادت میں مشغول رہتے تھے۔ ”فصبت“ نصب کے مادہ سے ثابت قرار دینے کے معنی میں ہے اور ہو سکتا ہے کہ یہ تعبیر ضمنی طور پر آفاقی عظمت میں پہاڑوں کی عظمت کی کیفیت کی طرف اشارہ ہو، وہی چیز جس پر سے موجودہ علم نے پردہ اٹھایا ہے، اسے پہاڑوں کی عظمت کے متعدد اسباب و عوامل کی طرف نسبت دی ہے اور ان کے لیے انواع و اقسام کی قائل ہے۔

وہ پہاڑ جو زمین کے گھوٹنے کی وجہ سے پیدا ہوتے ہیں، وہ پہاڑ جو آتش فشانیوں کے نتیجے میں وجود میں آتے ہیں، وہ پہاڑ جو بارش سے پیدا ہونے والے جھاگ کا نتیجہ ہیں، وہ پہاڑ جو سمندروں کے اندر بٹنے میں اور جو سمندر کی کچڑاؤ اس میں پھنس جانے والے جانوروں کا مجموعہ ہیں۔ (مشکوٰۃ ج ۱، ص ۱۷۷) اس کے آثار و برکات مشکل سے سمجھ میں آنے والے ہیں، جی ہاں! ان پہاڑوں میں سے ہر ایک کی بناوٹ اور اس کے آثار و برکات مشکل سے سمجھ میں آنے والے ہیں، اہمیت کے حامل بھی اور بیدار مغز انسانوں کے لیے قدرتِ حق کی نشانیاں بھی۔

اس کے بعد زمین کے بارے میں گفتگو کرتے ہوئے فرماتا ہے، ”کیا وہ زمین کی طرف نہیں دیکھتے کہ وہ کس طرح مسطح ہوتی ہے؟“ (والی الارض کیف سطحت)۔

کس طرح مسلسل بارشوں نے پہاڑوں کو غسل دے کر مٹی کے ذرات کو دھو دیا ہے، پھر گڑھوں کو دھت دے کر ایسی صاف زمین تیار کی ہے جو زراعت کے لیے بھی موزوں ہے اور ہر قسم کی تعمیر کے لیے بھی اور اسے انسانوں کے اختیار میں دے دیا گیا ہے۔

اگر تمام کرۂ زمین پہاڑوں اور دھڑوں پر مشتمل ہوتا تو اس پر زندگی گزارنا کس قدر مشکل اور طاقت رکھا ہوتا۔ وہ کون ہے جس نے ہمارے پیدا ہونے سے پہلے اسے سطح کر کے قابلِ استفادہ بنایا۔ یہ سب ایسے امور ہیں جن پر غور و فکر کی قرآن ہمیں دعوت دیتا ہے۔

میاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ ان چاروں امور کے درمیان کو نسا ربط ہے: اونٹ، آسمان، پہاڑ اور زمین۔ فخر رازی اپنی تفسیر میں کہتے ہیں کہ:

یہ اس بنا پر ہے کہ قرآن عربی میں نازل ہوا ہے اور عرب عام طور پر سفر میں رہتے تھے۔ چونکہ ان کے علاقہ میں زراعت

اور کھیتی باڑی نہیں تھی اور ان کے سفر زیادہ تر اونٹوں پر ہی ہوتے تھے۔ جب وہ ہولناک بیابانوں اور غیر آباد ریگستانوں میں سفر کرتے تھے تو ان میں فکر کا مادہ پیدا ہوتا تھا۔ کوئی موجود نہ ہوتا جس سے وہ بات کرتے۔ کوئی چیز ایسی نہ ہوتی جو ان کی آنکھ اور کان کو اپنی طرف متوجہ رکھتی۔ ایسی حالت میں جب وہ غور و فکر کرتے تو سب سے پہلے ان کی نظر اونٹ پر پڑتی جس پر وہ سوار ہوتے تھے۔ وہ اس کا عجیب منظر دیکھتے اور سوچ میں ڈوب جاتے۔ جب وہ سڑاٹھا کر اوپر کی طرف دیکھتے تو آسمان کے علاوہ کوئی چیز انہیں نظر نہ آتی۔ جب دائیں بائیں نگاہ کرتے تو پہاڑوں کے سوا انہیں کچھ نظر نہ آتا، اور جب اپنے قدموں کی طرف دیکھتے تو زمین کے علاوہ کوئی چیز موجود نہ ہوتی۔ گویا خدا انہیں دعوت فکر دے رہا ہے اور دعوت فکر بھی ایسی جوتہائی کے موقع پر دی جائے اور اس کا دائرہ صرف چار چیزوں تک محدود ہو رہا ہے۔

لیکن اگر ہم چاہیں کہ ہم عربوں کے ماحول سے نگاہ ہٹا کر زیادہ وسیع فضا میں غور و فکر کریں تو کہا جاسکتا ہے کہ چاروں امور جو اوپر والی آیت میں آئے ہیں، انسانی زندگی کی بنیاد کو تشکیل دیتے ہیں۔ آسمان نور و روشنی کا مرکز ہے اور بارش و ہوا کا بھی۔ زمین انواع و اقسام کے مواد غذائی کی پرورش کا مرکز ہے۔

پہاڑ آرام و سکون کی رمز اور پانی اور معدنیات کا ذخیرہ ہیں۔ اونٹ خانگی جانوروں کا نمونہ ہے جسے انسان کے اختیار میں دیا گیا ہے۔ اس طرح زراعت کے مسائل، جانور دیکھنے کے مسائل اور صنعت و کارگری کے مسائل انہی چاروں میں پوشیدہ ہیں۔ ان گونا گوں نعمتوں کے بارے میں غور و فکر انسان کو بہر حال شکر منعم حقیقی پر اٹھارتا ہے اور شکر منعم انہیں اللہ کی معرفت اور خالق نعمت کی شناخت کی دعوت دیتا ہے۔

توحید سے متعلق اس بحث کے بعد پیغمبر کی طرف روتے سخن کرتے ہوئے ارشاد ہوتا ہے: ”اب جبکہ ایسا ہی ہے تو انہیں یاد دلا اور نصیحت کر اور تو صرف یاد دہانی کرانے والا ہی ہے“ (فذكر انما انت مذکور)۔ تو ان پر بالکل مسلط نہیں ہے کہ انہیں ایمان لانے پر مجبور کرے۔ (لست علیہم بمصیطر)۔

جی ہاں! آسمان و زمین، پہاڑوں اور جانوروں کی خلقت بتاتی ہے کہ یہ عالم ظاہر حساب و کتاب کے بغیر نہیں ہے اور اس کی خلقت کا کوئی ہدف و مقصد ہے۔ اب جبکہ ایسا ہی ہے تو انہیں یاد دہانیوں اور نصیحتوں سے خلقت و آفرینش پر غور کرنے کی تلقین کر، انہیں قرب خدا کی راہ دکھا اور رام نکال و ارتقا میں ان کا رہبر و رہنما بن جا۔ البتہ راہ و کمال اسی صورت میں ملے گی جاتی ہے جب ارادہ و اختیار کے ساتھ میل و رغبت بھی شامل ہو۔ وہ تکامل و ارتقا جو حالت جبر کے نتیجے میں ہوا اس کا کوئی فائدہ نہیں ہے۔ تو انہیں مجبور نہیں کر سکتا اور اگر مجبور کر بھی سکتا تو کوئی فائدہ نہیں تھا۔

بعض مفسرین کا خیال ہے کہ یہ حکم فرمان جہاد کے نزول سے پہلے تھا اور حکم جہاد کے نزول سے یہ حکم منسوخ ہو

نہ گجایا یہ جتنا بڑا اشتباہ اور غلطی ہے۔ پیغمبر کے تذکر و تبلیغ کا سلسلہ پہلے دن سے شروع ہوا اور آپ کی زندگی کے آخری دن تک جاری رہا۔

آپ کے بعد بھی آپ کے معصوم جانشینوں اور علمائے دین کے ذریعہ جاری و ساری رہا اور ہے۔ یہ فسخ ہونے والی چیز نہیں ہے۔ اسی طرح لوگوں کو ایمان لانے پر مجبور نہ کرنا بھی ایک بنیادی بات ہے۔ جہاد کا مقصد بھی زیادہ تر سرکش افراد سے جنگ کرنا ہے اور حق طلب لوگوں کے راستے سے رکاوٹوں کو دور کرنا ہے۔

یہ مفہوم اس چیز کے مشابہ ہے جو سورہ نساء کی آیت ۸۰ میں آئی ہے، جس میں فرماتا ہے: (ومن تولیٰ فمما ارسلناک علیہم حفیظاً) ”اور جو شخص روگردانی کرے تو ہم نے تجھ کو اس کا ذمہ دار نہیں بنایا، اور سورہ انعام کی آیت ۱۰۷ اور شوریٰ کی آیت ۸۴ میں انہی معافی کو بیان کرتی ہیں۔

”مھیضطر“ سطر کے مادہ سے کتاب کی سطور کے معنی میں ہے اور مھیضطر وہ شخص ہے جو سطوروں کو مرتب کرتا ہے۔ اس کے بعد ہر وہ شخص جو کسی چیز پر مسلط ہو اور اس کو منظم کرے یا اسے کسی کام کے انجام دینے پر مجبور کرے۔ بعد والی آیت میں ایک استثناء کی شکل میں فرماتا ہے: ”مگر وہ شخص جو پشت پھیرے اور کافر ہو جائے“ (الامن تولیٰ د کفر)۔ ”اسے خدا ایک بہت بڑے عذاب کی سزا دے گا“ (فیعذبہ اللہ العذاب الا کبیر)۔ یہ بات کہ یہ استثناء کس جملے سے متعلق ہے اس کی مختلف تفسیریں ہیں۔

پہلی یہ کہ فذکر کے جملے کے معقول سے استثناء ہے۔ یعنی ضروری و لازمی نہیں ہے کہ ان معاند افراد سے روگردانی کرتے ہیں اور ہند و نصیحت کو قبول نہیں کرتے تو نصیحت کر اور یاد دہانی کرا۔ حقیقت میں یہ اس چیز کے مشابہ ہے جو سورہ زخرف کی آیت ۸۳ میں آئی ہے (فذہم میخوضوا ویلجوا حتیٰ یلا قوا یمہموا الذی یوعدون) ”انہیں ان کی حالت پر چھوڑ دے تاکہ وہ اپنے باطل میں الجھے رہیں اور کھیل کود میں لگے رہیں، یہاں تک کہ وہ دن آجائے جس کا وعدہ کیا گیا ہے“

دوسرے یہ کہ ایک مخذون جملے سے استثناء ہے اور معنوی طور پر اس طرح ہے ”نصیحت کر اس لیے کہ نصیحت سب لوگوں کے لیے نفع بخش ہے، مگر وہ جو حق کے ساتھ دشمنی رکھتے ہیں“ اس چیز کے مشابہ جو سورہ اعلیٰ کی آیت ۹ میں آئی ہے (فذکر ان ففعت الذکر) اس بنا پر کہ آیت معنی شرط رکھتی ہو۔

تیسرے یہ کہ عظیم کی ضمیر سے استثناء ہے جو گزشتہ آیت میں ہے یعنی تو ان پر کوئی تسلط نہیں رکھتا، مگر وہ لوگ جو روگرداں ہو جائیں اور راہِ عناد اختیار کریں تیری ذمہ داری ہے کہ ان سے مقابلہ کرے یہ سب تفاسیر اس صورت میں ہیں کہ اگر استثناء اصطلاح کے مطابق مقل ہو، لیکن یہ احتمال بھی ہے کہ استثناء

۱۰ ایک حدیث سے جو در المنثور میں پیغمبر اسلام سے منقول ہے معلوم ہوتا ہے کہ پیغمبر کی ذمہ داری تھی کہ بت برستوں سے جنگ کریں اور اس صورت کے علاوہ باقی حالات میں ان کی ذمہ داری صرف یہ تھی کہ نصیحت کریں۔

منقطع ہو، جو تقریباً بلکہ کامنوم دکھتا ہے اور جلد کے معنی اس طرح ہیں ”بلکہ وہ لوگ جو دو گرواں ہو جائیں اور کافر ہو جائیں تو خدا ان پر مسلط ہے، یا خدا انہیں بہت بڑے عذاب کی خبر دے گا۔“

ان تفسیروں میں سے دو تفسیریں سب سے زیادہ مناسب ہیں۔ پہلی یہ کہ استنثار متصل ہو اور است علیم بمعنی طہ کے چلنے کی طرف لوٹے، جو طاقتوروں کے مقابلہ میں طاقت سے کام لینے کی طرف اشارہ ہو۔ یا استنثار متصل ہو اور ہٹ دھرم کافروں کے لیے عذاب الہی کی خبر کے معنی میں ہو۔

عذاب اکبر سے مراد آخرت کا عذاب ہے، دنیا کے عذاب کے مقابلہ میں جو چھوٹا ہے اور کم اہم ہے جیسا کہ سورہ زمر کی آیت ۲۶ میں ہم پڑھتے ہیں (فَاَذْاَقَهُمُ اللّٰهُ الْعَذٰی فِی الْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا وَلِعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَکْبَرُ) خدا نے ذلت و خواری کا مزہ انہیں اس دنیا میں چکھایا اور آخرت کا عذاب اکبر ہے۔

یہ احتمال بھی ہے کہ عذاب اکبر سے مراد عذاب قیامت و دوزخ کا شدید ترین حصہ ہے اس لیے کہ دوزخ میں تمام مجرموں کا عذاب ایک جیسا نہیں ہے۔ اس سورہ کے آخر میں تندید آمیز لہجے میں فرماتا ہے: ”یقیناً ان کی بازگشت ہماری طرف ہے“ (اِنَّ اِلَیْنَا یَاۡبُھُمُ)۔ اس کے بعد مزید ارشاد ہوتا ہے: ”اس کے بعد یقیناً ان کا حساب ہمارے ہاتھ میں ہے“ (مَشْمُ اِنَّ عَلَیْنَا حِسَابُھُمْ)۔

یہ حقیقت میں پیغمبر کے دل کے لیے ایک قسم کی قشقی و تسلی ہے کہ کافروں کی ہٹ دھرمی کی وجہ سے پریشان و غمزدہ نہ ہوں اور اپنے کام کو جاری رکھیں۔ جہنمی طور پر یہ سب ہٹ دھرم کافروں کے لیے دھکی ہے تاکہ وہ جان لیں کہ ان کا حساب کتاب بھی کے اختیار میں ہے۔ اس طرح سورہ غاشیہ جو قیامت کے موضوع سے شروع ہوا تھا، قیامت ہی کے موضوع پر ختم ہو رہا ہے۔ درمیان میں توحید و نبوت کی طرف جو قیامت کی کی بنیادوں کو تشکیل دیتے ہیں، اشارہ ہوا ہے۔

اس سورہ کی ابتدائی آیات کے ضمن میں مجرموں کو ملنے والی سنگین سزاؤں کا ایک حصہ اور اس کے بعد مومنین کے روح پرورد حساب کا اہم حصہ آیا ہے۔ جہنمی طور پر راستے کے انتخاب کا اختیار دیا گیا کہ وہ کیا کرنا چاہتے ہیں اور ساتھ ساتھ انہیں خبردار کیا گیا ہے کہ سب کی بازگشت خدا کی طرف ہے اور اس کو ان سے حساب لینا ہے۔ ساتھ ہی یہ بھی واضح ہو جاتا ہے کہ پیغمبر تبلیغ رسالت پر مامور ہیں اور لوگوں کے کفر و گناہ کے ذمہ دار ہیں۔ راوی حق کے تمام مبلغین کی ذمہ داری اسی قسم کی ہوتی ہے۔

خداوند! جس دن تمام مخلوقات کی بازگشت تیری طرف ہے اور سب کا حساب تجھے لینا ہے ہم پر اپنا لطف و رحم بھجیے۔ پروردگار! ہمیں اپنی رحمت کبریائی سے کام لے کر عذاب اکبر سے رهایی بخش۔

بارالہ! تیری جنت کی نعمتیں جن کا ایک گوشہ تو نے اس سورہ میں بیان کیا ہے بہت ہی بیش بہا اور شوق انگیز ہیں۔ اگر ہم اپنے اعمال کی وجہ سے اس کے مستحق نہیں ہیں تو تو ہمیں ان کو اپنے فضل و کرم سے مرحمت فرما۔

آمین یا رب العالمین



سورہ فجر

Presented by: <https://jafrilibrary.com/>

یہ سورہ مکہ میں نازل ہوا
اس میں تیس آیات ہیں
تاریخ ابتداء ۳ رمضان المبارک ۱۴۰۷ھ

سوہ فجر کے مشمولات اور اس کی فضیلت

یہ سورہ بہت سے دوسرے سوروں کی طرح، جو سیکے میں نازل ہوئے، مختصر متزلزل کر دینے والی، پُر جلال اور بہت زیادہ ڈرانے والی آیات کا حامل ہے۔ اس سورہ کے پہلے حصہ میں ہیں بہت سی قسمیں ملتی ہیں جو اپنی نوعیت کے لحاظ سے نئی ہیں اور یہ قسمیں ظالموں کے لیے عذاب الہی کی تہدید کے طور پر ہیں۔

اس سورہ کے دوسرے حصہ میں نریشہ سرکش کرنے والی بعض اقوام، مثلاً قوم عاد و ثمود و فرعون اور ان سے خدا کے شدید انتقام لینے کی طرف اشارہ ہے، تاکہ دوسری طاقتیں اپنے انجام پر غور کریں۔

اس سورہ کے تیسرے حصہ میں منہ معاد اور بحرین و کافریں کی سرنشت اور اسی طرح مومنین کے اجر کو، جو صاحب نفس مطمئنہ ہیں، موضوع بنایا گیا ہے۔

اس سورہ کی تلاوت کی فضیلت کے سلسلہ میں ہیں ایک حدیث پیبر اسلام کی ملتی ہے (من قرأ ہا فی لیال عشر عفر اللہ لہ ومن قرأ ہا سائر الا یام کانت لہ نوراً یوم القیامۃ) جو شخص اسے دس راتوں رات فی الحج کی دس راتوں میں پڑھے، خدا اس کے گناہوں کو بخش دیتا ہے اور جو شخص باقی ایام میں پڑھے تو قیامت کے دن اس کے لیے نور روشن ہوگی۔

ایک حدیث امام جعفر صادق کی ہے کہ سورہ فجر کو ہر واجب و مستحب نماز میں پڑھو کہ یہ حسین بن علی کا سورہ ہے۔ جو شخص اسے پڑھے گا وہ قیامت میں امام حسین کے ساتھ بہشت میں ان کے درجہ میں ہوگا۔

اس سورہ کا تعارف سورہ امام حسین کے عزان سے ممکن ہے کہ اس وجہ سے جو کہ نفس مطمئنہ کا واضح مصداق ہو اس سورہ کی آخری آیات میں واقع ہوا ہے، حسین بن علی ہی ہیں، جیسا کہ ایک حدیث میں امام جعفر صادق سے انہی آیات کے ذیل میں آیا ہے۔ یا پھر اس بنا پر کہ لیال عشر دس راتوں سے مراد کی تفسیر عظام الحرام کی پہلی دس راتیں ہیں جو حسین بن علی سے خاص رابطہ رکھتی ہیں۔ بہر حال یہ سب اجر و ثواب و فضیلت ان اشخاص کے لیے ہے جو اس کی تلاوت کو اپنی اصلاح اور تربیت کی تمید قرار دیں۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

- ۱ وَالْفَجْرِ ۝
- ۲ وَلَيَالٍ عَشْرٍ ۝
- ۳ وَالشَّفْعِ وَالْوُسْرِ ۝
- ۴ وَاللَّيْلِ إِذَا يَسْرِ ۝
- ۵ هَلْ فِي ذَلِكَ قَسْرٌ لِّذِي حِجْرِ ۝

ترجمہ رحمن ورحیم خدا کے نام سے۔

۱ صبح کی قسم۔

Presented by: <https://jafrilibrary.com/>

۲ اور دس راتوں کی۔

۳ اور زوج و فرد کی۔

۴ اور رات کی جبکہ وہ (دن کی روشنی کی طرف) حرکت کرتی ہے قسم ہے (کہ)

تیرا پروردگار ظالموں کی گھات میں ہے۔

۵ کیا جو کچھ کہا گیا ہے اس میں صاحبانِ عقل کے لیے اہم قسم نہیں ہے؟

تفسیر

تمہاری صبح کی سفیدی کی قسم

اس سورہ کے آغاز میں پانچ بیدار کرنے والی قسموں کی طرف اشارہ ہوا ہے۔ پہلے فرماتا ہے،
”قسم ہے فجر اور رات کے سیاہ پردے کے چاک ہونے کی“ (والفجر)۔ ”اور قسم ہے دس راتوں

کی“ (ولیل عشر)۔

”فرائض میں وسیع شکاف کے معنی میں ہے۔ چونکہ صبح کا نور شب کی تاریکی میں شکاف ڈال دیتا ہے لہذا اُسے فجر کہا گیا ہے۔ ہمیں معلوم ہے کہ فجر دو قسم کی ہے کاذب اور صادق۔ فجر کاذب طولانی سفیدی ہے جو آسمان میں ظاہر ہوتی ہے اور اسے لومڑی کی دم سے تشبیہ دیتے ہیں جس کا باریک نقطہ افق کی طرف ہے اور اس کا قاعدہ مخروط وسط آسمان میں ہے۔

فجر صادق ابتداء ہی سے افق میں وسعت پیدا کرتی ہے۔ اس میں نورانیت اور صاف قسم کی شفافیت ہوتی ہے۔ وہ آب زلال کی نہر کی مانند افق مشرق کو گھیر لیتی ہے۔ اس کے بعد پورے آسمان میں پھیل جاتی ہے۔ فجر صادق رات کے ختم ہونے اور دن کے آغاز کا اعلان ہے۔ اس موقع پر روزہ داروں کو اکل و شرب سے ہاتھ کھینچ لینا چاہیے۔ اس وقت صبح کی نماز کا وقت شروع ہو جاتا ہے۔

بعض مفسرین نے اس آیت میں فجر کے اس کے مطلق معنی یعنی صبح کی سفیدی مراد لی ہے جو یقیناً غلبہ پروردگار کی ایک نشانی ہے۔ یہ انسانوں اور تمام زمینی موجودات کے لیے نور کی حاکمیت کے آغاز اور ظلمت کے ختم ہونے کا نقطہ عطفی ہے۔ یہ زندہ موجودات کی جنبش و حرکت کا آغاز اور نیند و سکوت کا اختتام ہے۔ اس زندگی کی بنا پر خدا اس کی قسم کھاتا ہے۔

لیکن بعض مفسرین نے اس کے نئے سال کا چلنا دن میں پہلی مرتبہ مراد لی ہے۔ بعض نے اس کی تفسیر عید قربان کی فجر کی ہے جس میں حج کے اہم مراسم انجام پاتے ہیں اور یہ دس راتوں سے متصل ہے۔ بعض نے اس کو ماہ رمضان مبارک کی صبح قرار دیا ہے اور بعض نے روز جمعہ کی فجر سمجھا ہے۔ لیکن آیت کا وسیع مفہوم ہے جو ان سب معانی پر حاوی ہے، اگرچہ اس کے بعض مصداق دوسرے بعض مصداقوں سے زیادہ واضح اور اہم بھی ہیں۔

بعض نے آیت کے معنی اس سے زیادہ وسیع سمجھے ہیں اور کہا ہے کہ فجر سے مراد ہر وہ روشنی ہے جو تاریکی میں جھلکتی ہے۔ اس بنا پر اسلام اور نور پاک محمدی کا عصر جاہلیت پر طلوع ہونا اس فجر کا ایک مصداق ہے۔ اسی طرح قیام محمدی کی صبح کی سفیدی کا عالم کے ظلم و ستم کی تاریکی میں ڈوبے ہوئے ہونے کے وقت چمکنا، اس کا ایک دوسرا مصداق شمار ہوتا ہے جیسا کہ بعض روایات میں اس کی طرف اشارہ ہوا ہے۔

علی ہذا دشتِ کربلا میں عاشورہ حسینی کا قیام اور اس کا بنی امتیہ کے مظالم کے تاریک پردوں کو چاک کرنا اور اُن دیو صفت لوگوں کے حقیقی چہروں کو بے نقاب کرنا، اس کا ایک اور مصداق ہے۔

اسی طرح تمام بچے انقلاب، جو کفر و جہالت اور ظلم و ستم کے خلاف گزشتہ اور موجودہ تاریخ میں برپا ہوتے ہیں نہ صرف وہ فجر کے مصداق ہیں بلکہ بیداری کا وہ پہلا شعلہ جو گنہگاروں کے تاریک دل میں ظاہر ہوتا ہے اور انہیں توبہ کی دعوت دیتا ہے، وہ بھی فجر ہے۔ البتہ یہ آیت کے مفہوم کی ایک وسعت ہے جبکہ ظاہر آیت وہی فجر ہے،

میں نپیدہ صبح کا طلوع ہونا۔

باقی رہا "لیال عشر" (دس راتیں) تو مشہور وہی ذوالحجہ کی دس راتیں ہیں جو مسلمانانِ عالم کے سیاسی اور عبادتی عظیم ترین اور نہایت متاثر کرنے والے اجتماعات کی گواہ ہیں۔ یہ معانی ایک حدیث میں جابر بن عبد اللہ انصاری کے واسطے سے پیغمبر اسلام سے منقول ہوئے ہیں بلکہ

بعض مفسرین نے ان دس راتوں کو نام مبارک رمضان کی آخری دس راتیں قرار دیا ہے جن میں شب قدر ہے۔ بعض نے عرم کی ابتدائی دس راتوں کو "لیال عشر" کا مصداق قرار دیا ہے۔ ان تینوں تفسیروں کو جمیع کرنا بھی مکمل طور پر ممکن ہے۔

بعض ایسی روایات جو بطور قرآن کی طرف اشارہ کرتی ہیں، ان کے مطابق فجر سے مراد حضرت مدی کا جو روزی جو ہے اور یہاں مشران سے پہلے کے دس ائمہ ہیں اور شفع جو بعد والی آیت میں آیا ہے اس سے مراد حضرت علی و حضرت فاطمہ الزہراء ہیں۔ ہر حال ان دس راتوں کی قسم خواہ اس کی تفسیر کچھ بھی کیوں نہ ہو، ان کی حد سے زیادہ اہمیت کی دلیل ہے۔ اس لیے کہ ہمیشہ اہم امور کی کھائی جاتی ہے۔ ان تمام معانی کی جمع بھی ممکن ہے۔

اس کے بعد قسموں کو جاری رکھتے ہوئے مزید فرماتا ہے: **بجنت و طاق کی قسم** (والشفع والوتر)۔ یہ کہ شفع و وتر (زوج و فرد) سے اس آیت میں کیا مراد ہے، مفسرین نے بہت سے اقوال اور احتمال بیان کیے ہیں۔ بعض نے ۲۰ اقوال تک پیش کیے ہیں۔ اور بعض نے اس سے بھی زیادہ یعنی ۳۶ اقوال تک نقل کیے ہیں بلکہ ان میں سے زیادہ اہم امور مندرجہ ذیل اقوال ہیں:

۱۔ ہر زوج و فرد اعداد ہیں۔ اس تفسیر کے مطابق خدا نے ان تمام اعداد کی قسم کھائی ہے جو زوج و فرد سے تشکیل پاتے ہیں۔ وہ اعداد ایسے ہیں کہ تمام حسابات اور تمام نظام ان کے محور کے گرد گھومتے ہیں اور انہوں نے سارے عالم صحنی کو گھیر رکھا ہے گویا فرماتا ہے:

قسم ہے نظم و ضبط اور حساب و کتاب کی، اور حقیقت میں عالم ہستی میں اہم ترین مضمون ہی نظم و حساب اور عدد

۱۔ تفسیر ابو الفرج رازی، جلد ۱۲ ص ۷۲۔

۲۔ اگرچہ "لیال عشر" بیانِ نکرہ کی شکل میں بیان ہوئی ہیں لیکن اس طرف توجہ کرتے ہوئے کہ نکرہ یہاں بیانِ عظمت کے لیے ہے لہذا یہ عدد کا مضمون پیدا کرتی ہیں اور یہ ان خصوصیات راتوں کی طرف اشارہ ہے جو اہم پر بیان ہوتی ہیں۔

۳۔ تفسیر فر رازی، جلد ۳۱ ص ۱۶۳۔

۴۔ علامہ طباطبائی نے المیزان میں بعض مفسرین سے جلد ۲۰ ص ۴۰ پر نقل کیا ہے اور زوج المعانی نے التخریر و التبیان جلد ۲۰ ص ۱۲۰ پر نقل کیا ہے۔

کا مسئلہ ہے جو انسانی زندگی میں اصل بنیاد کو تشکیل دیتا ہے۔

۲۔ شفع سے مراد مخلوقات ہیں کیونکہ ساری مخلوق جوڑا جوڑا ہے اور ایک دوسرے کی قرین ہے جبکہ وتر سے مراد خدا ہے، جس کی شبیہ و نظیر و مانند و مثل نہیں ہے۔ اس کے علاوہ تمام نعمات و مہیبت و وجود سے مرکب ہیں جسے فلسفہ میں زوج ترکیبی سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ صرف غیر منہای شے جو مہیبت کے بغیر نہادہ خدا کی اپنی ذات ہے۔ اس تفسیر کی طرف مصوئین کی بعض روایات میں اشارہ ہوا ہے بلکہ

۳۔ زوج و فرد سے مراد اس جہان کی تمام مخلوق ہے جو ایک لحاظ سے زوج اور ایک لحاظ سے فرد ہے۔

۴۔ مراد نمازیں ہیں جن میں رکعات کی تعداد کے لحاظ سے بعض زوج اور بعض فرد ہیں۔ یہ معنی بھی ایک روایت میں مصوم سے نقل ہوئے ہیں یا یہ کہ یہی نماز شفع وتر ہے جو نماز تہجد کے آخر میں پڑھی جاتی ہے۔

۵۔ شفع سے مراد روزِ تردیہ ہے (آنکھوں ذی الحج جس دن حاجی عرفات کی طرف کوچ کرنے کے لیے آمادہ ہوتے ہیں) اور وتر سے مراد عرفہ کا دن ہے جس میں فاذ خدا کے زائرین عرفات میں ہوتے ہیں۔ یا یہ کہ شفع سے مراد عید قربان کا دن ہے (دس ذی الحج) اور وتر سے مراد عرفہ کا دن ہے۔ یہ تفسیر بھی مصوئین کی روایات میں آئی ہے بلکہ

عہدہ بات یہ ہے کہ اگر الف لام ان دونوں الفاظ میں عموم کے لیے ہوں تو یہ تمام معانی اس میں جمع ہو جاتے ہیں۔ اس لیے کہ ان تفسیروں میں سے ہر ایک تفسیر اس کی کوئی نہ کوئی مصداق ہے۔ شفع و وتر کا خصوصیت سے ذکر ہونا اس مفہوم میں مخصوص ہونے کے معنی میں نہیں ہے بلکہ ایک واضح مصداق سے مطابقت رکھنے کی قسم سے ہے۔ لیکن الف لام اگر ان دونوں میں عہد کا ہو تو پھر خاص قسم کے زوج و فرد کی طرف اشارہ ہوگا اور یہاں گزشتہ قسموں کی مناسبت سے سب سے زیادہ دو معنی مناسب ہیں:

ایک یہ کہ عید کا دن اور عرفہ کا دن جو روزِ الحج کی ابتدائی دس راتوں سے مکمل طور پر مناسبت رکھتا ہے اور مناسک حج کا اہم ترین حصہ انہیں دنوں میں انجام پاتا ہے۔ یا یہ کہ مراد نمازیں ہوں جو فجر کی قسم کے ساتھ مناسبت رکھتی ہیں، جو سحر کا اور بارگاہِ خدا میں راز و نیاز کا وقت ہے، خصوصاً جبکہ یہ دونوں تفاسیر ان روایات میں بھی وارد ہوئی ہیں جو مصوئین سے مروی ہیں۔

آخر میں آخری قسم میں فرماتا ہے: اور قسم ہے رات کی جبکہ وہ صبح اور دن کی روشنی کی طرف جاتی ہے (والقیل اذا یسر)۔

۱۔ ابو سعید خدری نے اسے پیڑ سے نقل کیا ہے۔ مجمع البیان، جلد ۱۰، ص ۲۸۵۔

۲۔ مجمع البیان، جلد ۱۰، ص ۲۸۵۔

۳۔ یہ اصل میں سیری ہے جو مادہ سری کا فعل مضارع ہے اس کے بعد اس کی یا تخفیف اور گزشتہ آیات میں آہنگی کی بنا پر حذف ہو گئی ہے۔

کیسے پرکشش اور عمدہ تعبیر ہے کہ چلنے کی نسبت رات کی طرف دی ہے، وہ بھی رات کو چلنا اس لیے کہ تیر ستری کے مادہ سے (بردوزن شام) بقول راغب مفردات میں رات کے چلنے کے معنی میں ہے۔ گویا رات ایک زندہ وجود ہے اور حق و حرکت رکھتی ہے جو تاریکی میں قدم بڑھاتی ہے اور روشن صبح کی طرف جاتی ہے۔ جی ہاں! اس تاریکی کی قسم کھاتی ہے جس کا رخ روشنی کی طرف ہے، متحرک تاریکی نہ کہ ٹھہری ہوئی۔ تاریکی اس وقت دشتناک ہوتی ہے جب وہ رُک جاتی ہو لیکن اس میں اگر نور و روشنی کی طرف حرکت ہو تو اس کی قدر و قیمت زیادہ ہوتی ہے۔

بعض مفسرین نے یہ بھی کہا ہے کہ ظلمت شب کرۂ زمین پر حرکت کی حالت میں ہے اور اصولی طور پر جو رات اہم مفید اور حیات بخش ہے وہ وہی رات ہے جو حرکت کی حالت میں ہو، یعنی جو مستقل طور پر بتدریج خود کو دن سے تبدیل کرے، اس لیے کہ اگر رات کرۂ زمین کے نصف حصہ پر جا کر رُک جائے اور صبح کی طرح کڑ جائے تو وہ آدھا حصہ بھی ختم ہو جائے اور دوسرا آدھا حصہ بھی جو ہمیشہ سورج کی روشنی کے مقابل ہو۔

رات سے مراد یہاں کیا ہے؟ کیا سب راتیں مراد ہیں، یا کوئی خاص رات؟

اس میں مفسرین کے درمیان اختلاف ہے۔ اگر اس کا الف لام عموم کے لیے ہو تو اس میں تمام راتیں شامل ہوں گی، جو خدا کی آیات میں سے خود ایک آیت ہیں اور آفرینش کے مظاہر میں سے خود ایک مظہر ہیں۔ اگر اس کا الف لام عمد ہو تو پھر معین رات کی طرف اشارہ ہے اور گزشتہ قسموں کی مناسبت سے مراد عید قربان کی رات ہے جس میں حجاج کرام مزدلفہ (مشعر الحرام) کی طرف اور اس وادی مقدس میں رات گزارنے کے بعد طلوع آفتاب کے وقت سر زمین منیٰ کی طرف روانہ ہو جاتے ہیں۔ یہ تفسیر مصحوبین سے منقول روایات میں بھی آئی ہے۔

جن لوگوں نے اس رات کا منظر قریب سے عرفات و مشعر میں دیکھا ہے وہ جانتے ہیں کہ کس طرح ہر گوشہ و کنار سے لاکھوں افراد حرکت کی حالت میں ہوتے ہیں۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ رات اپنے وجود کے ساتھ حرکت کر رہی ہے۔ یہ ٹھیک ہے کہ حاجی چل رہے ہوتے ہیں لیکن یہ حرکت عمومی اس قدر وسعت رکھتی ہے کہ گویا زمین و زمان سب حرکت میں ہوں اور یہ سب اس وقت محسوس ہوتا ہے جب انسان عید کی رات اس سر زمین میں ہو اور ولیلہ اذایس کے معنی اپنی آنکھوں سے دیکھے۔ بہر حال رات کبھی بھی معنی میں ہو، عام یا خاص، عظمت الہی کی نشانی ہے اور عالم ہستی کے اہم موضوعات میں سے ہے۔

رات ہوا کی حرارت میں اعتدال پیدا کرتی ہے، تمام موجودات کو آرام پہنچاتی ہے اور بارگاہِ خدا میں راز و نیاز کے لیے فضا میں سکون پیدا کرتی۔ باقی رہی عید قربان کی رات جس کا نام (لیلۃ جمع) ہے، وہ بھی اس مقدس وادی مشعر الحرام میں سال کی عجیب ترین رات ہے۔

ہر حال ان پانچ قسموں کا رشتہ زعفر کی قسم، دس راتوں کی قسم، زوج و فرد کی قسم اور رات کی قسم، اس صورت میں بالکل واضح ہے جب ہم ان سب کو ایام ذی الحج اور حج کے عظیم مراسم سے متعلق سمجھیں۔

اس صورت حال کے علاوہ پھر عالم تکوین اور عالم تشریع کے اہم حوادث کے عروج کی طرف اشارہ ہے جو خدا کی حکمت کی نشانیوں میں اور عالم ہستی کے عجیب و غریب اور حیران کن مظاہر ہیں۔ ان پر مبنی اور بیدار کرنے والی قسموں کے بعد ارشاد ہوتا ہے:

”کیا جو کچھ کہا گیا ہے اس میں صاحبانِ فرد کے لیے اہم قسم ہے۔“ (هل فی ذالک قسم لذی حجب)۔ جرمیاں عقل کے سنی میں ہے اور اصل میں منہ کے معنی میں ہے۔ مثلاً کہا جاتا ہے کہ قاضی نے فلاں شخص کو جرم (زجر) کیا یعنی اسے اس کے اموال میں تصرف کرنے سے منع کر دیا۔ یا یہ کہ کمرہ کو حجرہ کہا جاتا ہے، اس لیے کہ وہ ایک محفوظ و ممنوع جگہ ہوتی ہے کہ اس میں دوسرے وارد نہیں ہو سکتے۔

دامن اور آغوش کو حجر (بروزن فکر) کہا جاتا ہے دوسروں سے محفوظ ہونے اور ممنوع ہونے کی وجہ سے، اور عقل بھی انسان کو غلط کاموں سے روکتی ہے لہذا اسے حجر سے تعبیر کیا گیا ہے، جیسا کہ خود لفظ عقل کے معنی بھی خود منع کرنے کے ہیں۔ اسی لیے وہ رستی جسے اونٹ کے گھٹنے سے بانڈ جتے ہیں کہ اسے چلنے پھرنے سے روکیں عقل کھلاتی ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ منقسم (مردہ جرمیں کے لیے قسمیں کہانی تھیں) کیا ہے؟ اس سلسلہ میں دو احتمال ہیں پہلا یہ کہ جملہ ان دہکے لہا (موصاف) تیرا پروردگار ہمیں گاہ میں ہے، ان قسموں کا جواب قسم ہے۔ دوسرا یہ کہ جواب قسم عذوف ہے اور آنے والی آیات جو سرکشوں کی سزا اور ان پر نازل ہونے والے عذاب کی بات کرتی ہے اور وہ اس پر گواہ ہیں۔ یہ معنی کے لحاظ سے اس طرح ہے۔ قسم ہے ان چیزوں کی جو کبھی گئی ہیں کہ ہم کافروں اور سرکشوں پر عذاب نازل کریں گے یہ اس طرح قسم اور منقسم بہ واضح ہو جاتے ہیں۔

- ۶ اَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِعَادٍ ۝
 ۷ اِرْمَ ذَاتِ الْعِمَادِ ۝
 ۸ الَّتِي لَمْ يُخْلَقْ مِثْلُهَا فِي الْبِلَادِ ۝
 ۹ وَثَمُودَ الَّذِينَ جَابُوا الصَّخْرَ بِالْوَادِ ۝
 ۱۰ وَفِرْعَوْنَ ذِي الْأَوْتَادِ ۝
 ۱۱ الَّذِينَ طَعَفُوا فِي الْبِلَادِ ۝
 ۱۲ فَأَكْثَرُوا فِيهَا الْفَسَادَ ۝
 ۱۳ فَصَبَّ عَلَيْهِمْ رَبُّكَ سَوْطَ عَذَابٍ ۝
 ۱۴ إِنَّ رَبَّكَ لَبِالْمِرْصَادِ ۝

ترجمہ

- ۶ کیا تو نے نہیں دیکھا کہ تیرے پروردگار نے قوم عاد کے ساتھ کیا کیا؟
 ۷ اور اس ہاضمت شہرام کے ساتھ۔
 ۸ وہی شہر جس کی نظیر شہروں میں پیدا نہیں کی گئی۔
 ۹ اور قوم ثمود جو دروں میں سے بڑے بڑے پتھر کاٹی تھی۔
 ۱۰ اور فرعون جو صاحب قوت اور سخت سزا دینے والا تھا۔
 ۱۱ وہی قومیں جنہوں نے شہروں میں سرکشی کی۔
 ۱۲ اور ان میں بہت زیادہ فساد انہوں نے کیا۔

۱۳) لہذا خدا نے ان کو عذاب کا تازیانہ لگایا۔

۱۴) یقیناً تیرا پروردگار کمین گاہ میں ہے۔

تفسیر

تیرا پروردگار ظالموں کی گہات میں ہے

گزشتہ آیات کے بعد جو سرکشوں کی سزا اور ان پر نازل ہونے والے عذاب کے بارے میں باطنی قسموں کی ضمانت لیے ہوئے تھیں، ان آیات میں گزشتہ اقوام میں سے چند طاقتور قوموں کے متعلق، جن میں سے ہر ایک عظیم قوت کی مالک تھی، لیکن ساتھ ہی مغرور بھی متسکبر و سرکش بھی تھی، ان کی طرف اشارہ کرتا ہے اور ان کی دردناک سرفروخت کو واضح کرتا ہے تاکہ مشرکین کہ اور دوسری اقوام جو ان کے مقابلہ میں بہت کمزور ہیں، اپنا انداز لگائیں اور غلاب غفلت سے بیدار ہو جائیں۔ پہلے فرماتا ہے، ”کیا تو نے دیکھا نہیں کہ تیرے پروردگار نے قوم عاد کے ساتھ کیا کیا ہے؟“ (الم تر کیف فعل ربک بعدا)۔

روایت (دیکھنا) سے یہاں مراد علم و آگاہی ہے چونکہ ان اقوام کی داستانیں اس قدر مشہور و معروف تھیں کہ گو یا بعد کے زمانے کے لوگ بھی انہیں اپنی آنکھوں سے دیکھتے تھے، لہذا روایت کی تفسیر صرف ہوئی ہے۔ البتہ اس آیت میں مخاطب پیغمبر ہیں لیکن مقصود سب کو تنبیہ کرنا اور خبردار کرنا ہے۔

”عاد خدا کے عظیم پیغمبر حضرت ہودؑ کی قوم ہے۔ بعض مؤرخین کا نظریہ ہے کہ عاد کا اطلاق دو قبیلوں پر ہوتا ہے ایک وہ جو بہت پہلے تھا اور قرآن نے اسے عاد الادلی سے تعبیر کیا ہے۔ (نجم۔ ۵۰)۔ وہ غالباً تاریخ سے پہلے موجود تھا۔ دوسرا قبیلہ جو تاریخ بشر کے دور میں اور تقریباً ولادت مسیح سے سات سو سال پہلے تھا اور عاد کے نام سے مشہور تھا۔ یہ اصحات یامین میں رہائش پذیر تھا۔ اس قبیلہ کے افراد بلند قامت اور قوی الجثہ تھے اور اسی بنا پر بہت نمایاں جنگجو شمار ہوتے تھے۔ اس کے علاوہ وہ تمدن بھی تھے۔ ان کے شہر آباد اور زمینیں سرسبز و شاداب تھیں۔ ان کے باغات پُر بہار تھے اور انہوں نے بڑے بڑے محل تعمیر کیے تھے۔ بعض مؤرخین کا خیال ہے کہ عاد اس قبیلے کے جدِ اعلیٰ کا نام تھا اور وہ قبیلے کو اپنے جد کے نام سے موسوم کر کے پکارتے تھے۔ اس کے بعد مزید فرماتا ہے،

”وہی پُر شکوہ اور عظیم شہرام۔“ (ارم ذات العصا)۔ اس بات میں کہ ارم کسی شخص کا نام ہے یا قبیلے کا یا جگہ کا یا کسی شہر کا، مؤرخین کے درمیان اختلاف ہے۔ زعفرانی کشاف میں نقل کرتا ہے کہ عاد بیٹا ہے عوص کا، وہ بیٹا ہے ارم کا، وہ بیٹا ہے سام ابن نوح کا اور چونکہ قبیلے کے اجداد سے قبیلے منسوب ہوتے تھے لہذا عاد کو ارم بھی کہتے ہیں۔ بعض مؤرخین کا نظریہ ہے کہ ارم وہی عاد ادلی ہے اور عاد دوسرا قبیلہ ہے جبکہ کچھ اور حضرات کا نظریہ ہے کہ ارم ان کے

شہر اور سرزمین کا نام ہے۔

لیکن بعد والی آیت سے مناسب یہ معلوم ہوتا ہے کہ ارم ان کے لیے نظیر شہر کا نام ہے۔

عماد کے معنی ہیں ستون اس کی جمع ہے عمد (بروزن شہر)۔ پہلی تفسیر کی بنا پر قوم عاد کے طاقتور جسموں اور ستون جیسے پیکروں کی طرف اشارہ ہے اور دوسری تفسیر کے مطابق با عظمت عمارتوں، بلند و بالا عمارات اور ان عظیم ستونوں کی طرف اشارہ ہے جو عظیم محلوں میں تعمیر کیے گئے تھے اور ان دونوں صورتوں میں قوم عاد کی طاقت و قوت کا اشارہ ہے۔ دوسری تفسیر (ان کے محلوں کے عظیم ستون) زیادہ مناسب ہے۔

اس کے بعد والی آیت میں فرماتا ہے: وہی شہر دیار جن کی مانند دشل دنیا کے شہروں میں پیدا نہیں ہوئی تھی (الحق لم یخلق مثلاً فی البلاد)۔ یہ تفسیر بتاتی ہے کہ ارم سے مراد وہی شہر ہے نہ کہ قبیلہ و طاقت۔ شاید یہی وجہ ہے کہ بعض بزرگ مفسرین نے اسی تفسیر کو قبول کیا ہے اور ہم نے بھی اسی کو ترجیح دی ہے۔

بعض مفسرین نے جزیرۃ العرب کے بیابانوں اور عدن کے صحرائوں میں شہر ارم کے برآمد ہونے کی ایک دلچسپ داستان بیان کی ہے جس میں وہ اس شہر کی بلند و بالا عمارات اور سامان زینت و غیرہ کی بات کرتے ہیں۔ لیکن مذکورہ داستان واقعیت کی نہایت خراب یا افسانے سے زیادہ تعلق رکھتی ہے۔ لیکن اس میں کوئی شک و شبہ نہیں کہ قوم عاد طاقتور قبائل پر مشتمل تھی، ان کے شہر ترقی یافتہ تھے اور جیسا کہ قرآن اشارہ کرتا ہے ان جیسے شہر پھر آباد نہیں ہو سکے۔ بہت سی داستانیں شہر کی جو عاد کا بیٹا تھا، زبان زورعام ہیں اور تاریخ میں مرقوم ہیں یہاں تک کہ شہر کی بہشت اور اس کے باغ ضرب المثل کی شکل اختیار کر گئے ہیں۔ لیکن ان داستانوں کی حقیقت کچھ نہیں ہے یہ محض افسانے ہیں۔ یہ ایسے افسانے ہیں کہ ان کی حقیقت پر بعد میں حاشیہ آرائی کر لی گئی۔

اس کے بعد گذشتہ اقوام کے دوسرے مرکز شہر گردہ کا حوالہ دے کر فرماتا ہے: کہا تو نے نہیں دیکھا کہ تیرے پروردگار نے قوم ثود کے ساتھ کیا کیا جو دادی میں بڑے بڑے پتھروں کو کاٹتی اور ان سے گھر اور قہر بناتی تھی (وشود الذین جابوا الصخر بالواد)۔ ثود کی قوم قدیم ترین اقوام میں سے ہے۔ ان کے پیغمبر حضرت صالحؑ تھے اور وہ دادی الحدادی نامی سرزمین میں رہتے تھے، جو مدینہ اور شام کے درمیان تھی۔ ان کا تمدن ترقی یافتہ تھا، زندگی مرفہ الحال تھی اور ان کی عمارتیں عظیم تھیں۔

بعض مؤرخین کہتے ہیں ثود اس قبیلے کے باپ کا نام تھا۔ اسی نام سے وہ قبیلہ موسوم ہوا۔ جابوا اصل میں جوہ

۱۔ تفسیر کثامت، جلد ۴، ص ۶۷۔ اس مضمون کو قطعی نے بھی اپنی تفسیر میں نقل کیا ہے۔ اسی طرح دوسری تفسیروں میں بھی ہے۔

۲۔ پہلی تفسیر کی بنا پر ذات کا مؤنث ہونا طاقت و قبیلہ کی بنا پر ہے جو مؤنث لفظی ہے۔

۳۔ ارم غیر منصرف ہے اسی لیے حالت جر میں منصوب ہوتا ہے۔

۴۔ ثود اہل لغت کے لحاظ سے ثد (بروزن مند) اس ٹھوڑے سے ہانی کے معنی میں ہے جس کا کوئی مادہ نہ ہو اور ثود اس شخص کو کہتے ہیں جس (پیغمبر حاشیہ اگلے صفحہ پر)

(بروزن توہ) سے لیا گیا ہے جو پست زمین کے معنی میں ہے۔ اس کے بعد ہر قطعہ زمین کی قطعہ دہریہ کے معنی میں آیا ہے۔ کسی بات کے جواب کو اس لیے جواب کہتے ہیں گویا وہ بڑا کو قطع کرنا ہے اور کٹنے والے کے منہ سے نکل کر سننے والے کے کان تک پہنچتا ہے (یا اس لحاظ سے کہ سوال کو کاٹ کر ختم کر دیتا ہے)۔

ہر حال یہاں مراد پہاڑوں کے ٹکڑوں کا کاٹنا اور اطمینان کے ساتھ ان سے گھر بنانا ہے، جیسا کہ سورہ قمر کی آیت ۴۴ میں اسی قوم خود کے بارے میں ہم پڑھتے ہیں (وكانوا يبنون من الجبال بيوتا امنين)۔ وہ دو پہاڑوں کے اندر پڑ سکون گھر بناتے تھے۔ ان معنی کی تفسیر سورہ شرا کی آیت ۱۴۹ میں آئی ہے وہاں بیوتناغارہین کی تفسیر صرف ہوتی ہے جو اس بات کی دلیل ہے کہ وہ ان گھروں میں عیش و عشرت سے زندگی بسر کرتے اور جس رانی سے کام لیتے تھے۔ بعض نے کہا ہے کہ قوم خود وہ پہلی قوم تھی جنہوں نے پہاڑوں سے پتھر کاٹ کر پہاڑوں کے اندر مضبوط و محکم گھر بنانے کا اقدام کیا۔

”واد مجد اصل میں وادی تھا، دریا یا سیلابوں کی گزرگاہ کے معنی میں ہے اور کبھی درہ کے معنی میں بھی آیا ہے، اس لیے کہ سیلاب ان سے جو پہاڑوں کے قریب ہوتے ہیں، گزرتے ہیں۔ یہاں دوسرے معنی مناسب ہیں یعنی دریا اور پہاڑ کے دامن، اس لیے کہ قرآن کی وہ آیات بھی یہی بتاتی ہیں جو اس قوم کے متعلق بیانات دیتی ہیں اور اس کا اوپر بھی اشارہ ہوا ہے کہ قوم خود اپنے گھر پہاڑوں کے دامن میں بناتی تھی۔ اس طرح وہ پتھر کاٹتے اور ان کے اندر پڑاں گھر بناتے تھے۔“

ایک حدیث میں آیا ہے کہ پیغمبر اسلام غزوہ تبوک کے موقع پر راستہ چلتے ہوئے دیستان کے شمال میں وادی ثمود میں پہنچے۔ آپٹ گھوڑے پر سوار تھے۔ فرمایا جلدی کرو اس وقت تم ملعون و مذنب سرزمین پر ہو رہے۔ اس میں شک نہیں کہ قوم ثمود کا تمدن ترقی یافتہ تھا کہ ان کے شہر آباد تھے۔ لیکن پھر یہیں ایسے اعداد و شمار سے واسطہ پڑتا ہے جو مخالف آمیز نظر آتے ہیں۔ مثلاً یہ کہ مفسرین کی ایک جماعت نے لکھا ہے کہ انہوں نے ایک شانہ سات سو شہر بنائے تھے جو سب کے سب پتھروں سے تعمیر ہوئے تھے۔ اس کے بعد تیسری قوم کو پیش کرتے ہوئے فرماتا ہے،

”اور اسی طرح فرعون صاحب ثروت“ (فرعون ذی الادتاد)۔ جو اس طرف اشارہ ہے کہ کیا ٹوٹنے نہیں دیکھا کہ خدا نے طاقتور عالم اور بیدادگر قوم فرعون کے ساتھ کیا کیا۔“ ادتاد جمع۔ دتد کی (بروزن حمد) جس کے معنی یخ کے ہیں۔ فرعون کو ذی الادتاد کیوں کہتے ہیں؟ اس

بیتہ ماشیہ عزشہ صفر، سے زیادہ مال کا مالکہ کریں اتنی ہزار جس سے اس کے مال میں نقص پیدا ہو جائے جس اس لفظ کو بھی کہتے ہیں۔ مزدلہ راطب۔

لے جاہوا الصخر بالواد میں بار بظاہر قرینیت کے معنی رکھتا ہے۔

لے روح البیان، جلد ۲ ص ۲۵۵۔

کی مختلف تفسیریں ہیں۔

پہلی یہ کہ اس کے بہت سے لشکر تھے جن میں سے بہت سے غیوں میں زندگی گزارتے تھے اور جو بچے ان کے لیے گاڑے جاتے تھے ان میں نہیں استعمال ہوتی تھیں۔

دوسری یہ کہ فرعون جس شخص پر غضبناک ہوتا، زیادہ تر اس کو یہ سزا دیتا کہ اس کے چاروں ہاتھ پاؤں بھوں سے باندھ دیتا، یا اس کے ہاتھ اور پاؤں میں نہیں گڑوا دیتا اور اس کو چھوڑ دیتا یہاں تک کہ وہ مرجاتا۔ یہ تفسیر ایک حدیث میں امام بھڑصادقؑ سے منقول ہے۔

تاریخ میں آیا ہے کہ جس وقت فرعون کی بیوی حضرت آسیہ حضرت موسیٰ پر ایمان لے آئیں تو انہیں بھی یہی سزا دی گئی اور شہید کیا گیا۔ ذی الاوتاد اصولی طور پر قوت اور استقرار حکومت کا کنایہ ہے۔

تینوں تفسیریں آپس میں منافات بھی نہیں رکھتیں۔ ہو سکتا ہے کہ آیت کے معنی میں جمع ہوں۔ اس کے بعد مجموعی طور پر ان تینوں اقوام کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ارشاد ہوتا ہے:

”وہی جنہوں نے شہروں میں سرکشی کی“ (الذین طغوا فی البلاد) اور ان میں بہت سا فساد برپا کیا اور خرابی کی (فاکثروا فیھا العساد)۔ فساد جو ہر قسم کے ظلم و ستم، تجاوز عن الحدود، عیاشی اور ہوس رانی پر مشتمل تھا واقعی ان کی سرکشی ایک اثر رکھتی ہے اور ہر سرکشی کرنے والی قوم ہر کار ہر قسم کے فساد میں مبتلا ہو جاتی ہے۔ اس کے بعد ایک مختصر اور پر معنی جملے کے ساتھ ان تمام سرکش قوموں کی دردناک سزا کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اضافہ فرماتا ہے: ”لنذاعذابہ ان کو عذاب کا نازیبا نہ لگایا“ (نحسب علیہم دہش سوط عذاب)۔

مسطوح کے معنی تازیانے کے ہیں۔ اس کے معنی اصل میں ایک چیز کو دوسری چیز سے مخلوط کرنے کے ہیں اس کے بعد اس کا نازیبا نہ پر بھی اطلاق ہوا ہے جو چمڑے وغیرہ سے بنا ہو۔ بعض مفسرین کے نزدیک عذاب کا کنایہ ہے، ایسا عذاب جو انسان کے گوشت و خون سے مخلوط ہو جائے اور اس کو سخت پریشان و بے حال کر دے۔

امیر المؤمنین حضرت علیؑ کے کلام میں امتحان کے بارے میں طے ہے (والذی بعثہ بالحق لبیلین بیلۃ ولتقر بلین عربۃ ولتساطن سوط القدر)۔ ”قسم ہے اس کی جس نے پیغمبر کو حق کے ساتھ مبعوث کیا تم شدتِ معنی کے ساتھ مورد امتحان و آزمائش قرار پاؤ گے، چھلنی کی مانند ہو جاؤ گے، دیگ میں جو چیز ہو اس کی طرح اس کے جویش کھانے اور اُبال آنے کے وقت مل جل جاؤ گے اور اوپر نیچے ہو جاؤ گے“۔

مصعبؓ کی تفسیر جو اصل میں ہانی اندیلنے اور پھینکنے کے معنی میں ہے، یہاں اس عذاب کی لذت اور استراحت کی طرف اشارہ ہے اور ہو سکتا ہے کہ مفسر زمین کے ان سرکشوں کے دھندے پاک ہونے کی طرف اشارہ ہو۔

سوط کے تمام معانی میں سے یہاں مناسب وہی پہلے سنی معنی تازیانہ ہے۔ وہی تعبیر جو روزمرہ کی گفتگو میں بھی رائج ہے جیسا کہ کہتے ہیں کہ فلاں شخص نے دشمن کی پشت پر عذاب کا تازیانہ لگایا۔

یہ مختصر سی تعبیر شدید اور مختلف قسم کے عذابوں کی طرف اشارہ ہے جو اس قوم پر نازل ہوئے۔ قوم عاد تو قرآن مجید کے بقول تیز ٹھنڈی اور جلانے والی بڑا اور آندھی سے ہلاک ہوئی رد اما عاد فاهلکوا بربیع حصر صر عاتیقہ (حادثہ ۶)۔ باقی رہی قوم ثمود تو وہ عظیم آسمانی پیچ کے ذریعہ نابود ہوئی۔ (فاما ثمود فاهلکوا بالطاغیۃ) (حادثہ ۵) اور قوم فرعون دریائے نیل کی مروجوں میں غرق اور دفن ہو گئی (فاغرقناہم اجمعین) (زفر ۵۵)

آخری ذریعہ بحث آیت میں ان تمام لوگوں کو ہتیار اور خبردار کرنے کے لیے، جو اس راستہ پر چلتے ہیں جس پر وہ سرکش لوگ چلتے تھے، فرماتا ہے :

”یقیناً تیرا پروردگار کین گاہ میں ہے“ (ان رہبک بالمرصاد) ”مرصاد مرصد کے مادہ سے کسی چیز کی نگہبانی کرنے کے لیے آمادگی کے معنی میں ہے۔ فارسی میں اسے کین گاہ کہتے ہیں۔ یہ لفظ عام طور پر ایسی جگہ استعمال ہوتا ہے جہاں کچھ افراد مجبور ہوں کہ کسی گزرگاہ سے گزریں اور کوئی شخص اس گزرگاہ میں ضرب لگانے کے لیے آمادہ و تیار ہو۔

اس ساری گفتگو میں اس طرف اشارہ ہے کہ تم ان نہ کرو کہ کوئی شخص عذاب الہی سے بچ کر جاسکتا ہے۔ سب کچھ اس کے قبضہ قدرت میں ہے اور جس وقت وہ ارادہ کرے ان کو سزا دے سکتا ہے اور ان پر عذاب نازل کر سکتا ہے۔

یہ بات واضح ہے کہ خدا کا کوئی مکان نہیں ہے اور وہ کسی گزرگاہ میں بھی نہیں بیٹھا۔ یہ تعبیر اس بات کا نکتہ ہے کہ پروردگار اپنی قدرت کے ذریعہ تمام سرکشوں کا احاطہ کیے ہوئے ہے۔ ایک حدیث حضرت علیؓ سے منقول ہے، (ان رہبک قادر علی ان یجزی اهل المعاصی جزائهم)۔ تیرا پروردگار قدرت و توانائی رکھتا ہے کہ گنہگاروں کو کیڑ کر دار تک پہنچائے۔

ایک حدیث میں امام جعفر صادقؑ سے منقول ہے کہ آپ نے فرمایا: (المرصاد قنطرة علی الصراط لا یجوزھا عبد بمظلومة عبد) ”مرصاد ایک پل ہے اس راستہ پر جو جہنم کے اوپر سے گزرتا ہے جس شخص کی گردن پر کسی مظلوم کا حق ہو گا وہ اس پر سے نہیں گزر سکے گا۔“

یہ حقیقت میں ایک واضح مصداق کے میان کی قسم میں سے ہے اس لیے کہ خدا کی عین گاہ قیامت اور مشہور پل صراط تک محدود نہیں ہے۔ خدا تو اس دنیا میں بھی ہر عالم کی گھات میں ہے اور گزشتہ تینوں اقوام پر نازل ہونے

والا عذاب اس کا واضح مصداق ہے۔

”ربك مرتیرا پروردگار کی تعبیر اس طرف اشارہ ہے کہ مسند الہی تیری امت کی سرکش، ظالم اور متکرموں کے بارے میں بھی جاری ہوگی۔ پیغمبر اور مومنین کے دلوں کی تسکین بھی ہے کہ وہ سمجھ لیں کہ یہ ہٹ دھرم اور کینہ پرور دشمن خدا کی قدرت کے چنگل سے کبھی فراد نہیں کر سکیں گے اور یہ ان لوگوں کے لیے خطرہ کی تنبیہ بھی ہے جو پیغمبر اکرمؐ اور مومنین پر ہر قسم کا ظلم و ستم روا رکھتے تھے۔ انہیں جان لینا چاہیے کہ وہ لوگ جو ان سے زیادہ صاحب طاقت تھے، ایک تیز اندھی، ایک طرفان، ایک مشطہ اور صعب آسمانی کے مقابلے میں تائب و متادمست نہ لاسکے، تو یہ کس طرح سوچتے ہیں کہ اپنے ان غلط اعمال کے باوجود عذاب الہی سے نجات پاسکیں گے۔

ایک حدیث پیغمبر اسلامؐ سے منقول ہے آپؐ فرماتے ہیں: ”جبرائیل امینؑ نے مجھ کو خبر دی کہ جس وقت خداوند بیکتا و اولین و آخرین کی مخلوق کو میدانِ حشر میں جمع کرے گا تو جنم کو لے آئے گا اور پھر صراط کو، جو بال سے زیادہ باریک اور تلوار سے زیادہ تیز ہے، اس پر رکھ دے گا۔ اس صراط پر تین پل ہوں گے۔ پہلے پل پر امانتِ رست گاری اور رحمت و محبت ہے۔ دوسرے پل پر نماز اور تیرے پل پر پروردگارِ عالم کا عدل ہوگا۔ لوگوں کو حکم دیا جائے گا کہ وہ اس پل پر سے گزریں۔ جنہوں نے امانت اور رحم میں کوتاہی کی ہوگی وہ پہلے پل پر ہی رہ جائیں گے۔ اگر اس سے گزر گئے تو نماز میں کوتاہی کی ہوگی تو دوسرے پل پر ہی رہ جائیں گے۔ اور اگر اس سے بھی گزر گئے تو اپنے راستے کے آخر میں عدل الہی پائیں گے اور ان ربك لبالمصداق کے ہی معنی ہیں۔“

حضرت علیؑ کے ارشادات و کلمات میں ہم پڑھتے ہیں (دلین اھل اللہ الظالم فلن یعوث اخذہ وھو لہ بالمصداق علی مجاز طویقہ و بموضع الشجی من مساع ریقہ) اگر خدا ظالم کو ملت دے دے تو اس کی سزا ہرگز ختم نہیں ہوگی۔ وہ ستمکاروں کی گھات میں ہے اور اس طرح ان کے ملن کو اپنے دمست قدرت میں لیے ہوئے ہے کہ جس وقت چاہے گا اس طرح دبا دیگا کہ اس کا عذاب دہن تک لگے سے بچے نہیں جاسکے گا۔

۱۵) فَأَمَّا الْإِنْسَانُ إِذَا مَا ابْتَلَاهُ رَبُّهُ فَأَكْرَمَهُ وَنَعَّمَهُ

فَيَقُولُ رَبِّي أَكْرَمَنِ

۱۶) وَأَمَّا إِذَا مَا ابْتَلَاهُ فَقَدَرَ عَلَيْهِ رِزْقَهُ فَيَقُولُ رَبِّي

أَهَانَنِ

۱۷) كَلَّا بَلْ لَا تَكْرُمُونَ الْيَتِيمَ

۱۸) وَلَا تَحْضُونَ عَلَىٰ طَعَامِ الْمُسْكِينِ

۱۹) وَتَأْكُلُونَ الثَّرَاثَ أَكْلًا لَّمًّا

۲۰) وَتُحِبُّونَ الْمَالَ حُبًّا جَمًّا

Presented by: <https://jafrilibrary.com/>

ترجمہ

۱۵) لیکن انسان کو جس وقت خدا آزمائش کے لیے عزت دیتا ہے (اس کا اکرام کرتا

ہے) اور نعمت بخشتا ہے تو (مغرور ہو جاتا ہے) اور کہتا ہے میرے پروردگار نے

میرا اکرام کیا ہے۔

۱۶) لیکن جب امتحان کے لیے اس پر روزی تنگ کر دیتا ہے تو مایوس ہو جاتا ہے

اور کہتا ہے میرے پروردگار نے مجھے ذلیل و خوار کیا ہے۔

۱۷) ایسا نہیں ہے جیسا تم نے خیال کیا ہے بلکہ تم یتیموں کا احترام نہیں کرتے۔

۱۸) اور ایک دوسرے کو مساکین و فقراء کو کھانا کھلانے کا شوق نہیں دلاتے۔

۱۹) اور میراث کو جائز و ناجائز طریقہ سے جمع کر کے کھاتے ہو۔

اور مال و دولت کو بہت دوست رکھتے ہو۔

۲۰
تفسیر

نہ اس کی نعمت کے ملنے پر غرور کرو اور نہ سلبِ نعمت پر مایوس ہو

گزشتہ آیات کے بعد جو سرکشی کرنے والوں کو خبردار کر رہی تھیں اور انہیں خدا کے عذاب سے ڈرا رہی تھیں، زیر بحث آیات میں مسئلہ امتحان کو پیش کرتا ہے جو ثواب اور عقاب الہی کا معیار ہے اور انسانی زندگی کا اہم ترین مسئلہ شمار ہوتا ہے۔ پہلے فرماتا ہے،

لیکن انسان جس وقت اس کا پروردگار اور اس کی آزمائش کے لیے اس کا اکرام کرے اور نعمت بخشے، تو مغرور ہو جاتا ہے اور کہتا ہے کہ میرے پروردگار نے مجھے عزت دی ہے (فاما الانسان اذا ما ابتلاه فاكرمه و نعمه فيقول دني اكرمن)۔ وہ نہیں جانتا کہ خدائی آزمائش بھی نعمت کے ذریعہ اور کبھی انواع و اقسام کی مصیبتوں کے ذریعہ ہوتی ہے۔ نہ نعمت کا حصول سبب غرور بنتا چاہیے اور نہ مصائب مایوسی اور ناامیدی کا سبب بنتیں لیکن یہ کم ظرف انسان دونوں حالتوں میں مقصد آزمائش کو بھول جاتا ہے۔ نعمت کے ملنے کے وقت اس طرح خیال کرتا ہے کہ وہ مغرب بارگاہِ خدا ہو گیا ہے اور یہ نعمت اس قرب کی دلیل ہے۔

قابلِ توجہ بات یہ ہے کہ ابتداء میں کہتا ہے کہ خدا اسے موردِ اکرام قرار دینا ہے۔ لیکن آیت کے ذیل میں ہے کہ انسان خود کو موردِ اکرام خدا دیکھتا ہے۔ اس کی مذمت ہو رہی ہے۔ یہ اس بنا پر ہے کہ پہلا اکرام انعام ہی کے معنی میں ہے اور دوسرا اکرام بارگاہِ خدا کے قرب کے معنی میں ہے لیکن جس وقت امتحان لینے کے لیے سے اس کی ردی تنگ کر دیتا ہے تو مایوس ہو جاتا ہے اور کہتا ہے،

”میرے پروردگار نے مجھے ذلیل و خوار کر دیا ہے“ (واما اذا ما ابتلاه فقد ر عليه رزقه فيقول دني اهاني)۔ ناامیدی اسے ہر طرف سے گھیر لیتی ہے اور وہ اپنے پروردگار سے رنجیدہ و ناخوش ہو جاتا ہے۔ وہ اس سے غافل ہے کہ یہ سب چیزیں تو اس کی آزمائش اور امتحان کے ذرائع ہیں۔ وہ امتحان جو انسان کی پرورش اور ارتقاء کی رمز ہے اور اس کے بعد استحقاقِ ثواب کا سبب اور مخالفت کی صورت میں استحقاقِ عذاب کا باعث ہے۔

یہ دونوں آیتیں خبردار کرتی ہیں کہ نہ تو نعمت کا درد و تقربِ خدا کی دلیل ہے اور نہ اس کا سلب ہو جانا حق سے دوری کی دلیل۔ یہ تو امتحان کی مختلف صورتیں ہیں کہ خدا اپنی حکمت کے مطابق ہر گروہ کی کسی چیز سے آزمائش کرتا ہے۔ یہ کم ظرف انسان ہیں جو کبھی مغرور ہو جاتے ہیں اور کبھی مایوس ہو جاتے ہیں۔ سورہ طہ سورہ کی آیت ۵۱ میں بھی آیا ہے،

(واذا انعمنا على الانسان اعرض و نا بجانہ و اذا مسه الشر فذود دعاء عریض)۔ جس وقت

مہم کسی انسان کو نعمت دیتے ہیں تو وہ رد گردانی کرتا ہے اور تجر کر کے حق سے دور ہو جاتا ہے، لیکن جب اُسے حقوڑی سی تکلیف پہنچے تو ہمیشہ دعا کرتا ہے اور بے نابی دکھاتا ہے۔ اسی طرح سورہ ہود کی آیت ۹ میں آیا ہے رد لین اذ قنا الانسان منارحمة شتم نزعناھا منه انه لیئوس کفود۔ جس وقت ہم انسان کو رحمت کا ذائقہ چکھائیں اور اس سے چھین لیں تو ناامید اور ناشکرا ہو جاتا ہے۔

یہ دونوں آیتیں علاوہ اس کے کہ خدا کی آزمائش کے مسئلہ کو مختلف طریقوں سے بیان کرنی ہیں، یہ نتیجہ بھی بخشتی ہیں کہ نعمت سے بہرہ ور ہونا یا اس سے محروم ہونا قرب خدا یا دوری پر دروکار کی دلیل نہیں ہے، بلکہ ہمیشہ اور ہر جگہ ایمان و تقویٰ کا معیار ہے۔

کتنے پھینچتے تھے جو اس دنیا میں انواع و اقسام کے مصائب میں مبتلا رہے۔ ان کے مقابلہ میں کتنے کافر تھے جو گوناگوں نعمتوں سے بہرہ مند تھے۔ دنیا کی زندگی کا مزاج و طبیعت یہی ہے۔ اس آیت کے ضمن میں پروردگار عالم ایستامات اور دردناک حوادث کے فلسفہ کی طرف ایک سرشتہ اور اجمالی اشارہ بھی کرتا ہے۔ اس کے بعد ان اعمال کی تشریح کرتا ہے جو خدا سے دوری اور عذاب الہی کے چنگل میں پھنسنے کا موجب ہیں۔ فرماتا ہے:

”ایسا نہیں ہے جیسا تم خیال کرتے ہو (کہ تمہارے احوال پر دروکار کے نزدیک تمہارے قرب منزلت کی دلیل ہیں، بلکہ تمہارے اعمال تو تمہاری خدا سے دوری کی کیفیت کو بیان کرتے ہیں)“ تم تو یتیموں کا احترام نہیں کرتے، (مکلا بل لا تحکمون الیتیم)۔ اور ایک دوسرے کو فخر و مساکین کو کھانا کھلانے کا شوق نہیں دلاتے؟ (ولا تحاضون علی طعام المسکین)۔

قابل توجہ بات یہ ہے کہ یتیموں کو کھانا کھلانے کی بات نہیں کرتا، بلکہ اکرام و احترام کی بات کرتا ہے۔ اس لیے کہ یتیموں کے سلسلہ میں صرف محبوں کا مسئلہ درپیش نہیں ہوتا بلکہ اسے احترام سے عروہ کا سامنا کرنا ہوتا ہے اور وہ یہ احساس کرنے لگتا ہے کہ چونکہ اس کا باپ مر گیا ہے لہذا وہ ذلیل و خوار ہو گیا ہے۔ ضرورت ہے کہ اس کی عزت کی جائے تاکہ وہ باپ کے نہ ہونے کا احساس نہ کرے۔

اسی لیے اسلامی رہنمائی میں یتیموں سے محبت اور ان پر نوازش کرنے کے مسئلہ کو ایک خاص اہمیت دی گئی ہے۔ ایک حدیث میں امام جبرہ صاقلی سے منقول ہے کہ (ما من عبد یصعب یدہ علی رأس یتیم رحمة له الا اعطاه اللہ بعل شجرة فزادہم القیامة) کوئی شخص کسی یتیم کے سر پر دست شفقت نہیں پھیرتا مگر یہ کہ خدا ان ہاتھوں کی تعداد کے برابر جو اس کے ہاتھ کے نیچے آتے ہیں قیامت میں اُسے فوراً بخشے گا۔

سورہ ضحیٰ کی آیت ۹ میں بھی آیا ہے (فاما الیتیم فلا تقهر)۔ ”باقی رہا یتیم تو اسے مورد قہر و تحقیر قرار نہ دے“ یہ بالکل اس چیز کے مقابلہ میں ہے جو ایمان و اخلاق سے دور کل کے دور جاہلیت کے معاشرہ کی طرح آج کے معاشرہ

میں بھی رواج رکھتی ہے کہ یتیموں کے مال کو مختلف حیوں اور بہانوں سے اپنی ملکیت بنایا جاتا ہے اور اس یتیم کو اس طرح تنہا چھوڑ دیتے ہیں کہ وہ باپ کی غیر موجودگی کا دکھ تلخ ترین شکل میں محسوس کرتا ہے۔

جو کچھ ہم نے کہا ہے اس سے واضح ہو جاتا ہے کہ یتیموں کا اکرام ان کے مال کی حفاظت تک محدود نہیں ہے جیسا کہ بعض مفسرین نے خیال کیا ہے، بلکہ اس کے ایک واضح، صاف اور وسیع معنی ہیں جو مال کی حفاظت اور دوسرے امور دونوں کے متقاضی ہیں۔

”تَحَاضُنُونَ“ کا جملہ حض کے مادہ سے تخلص و ترغیب کے معنی میں ہے جو اس طرف اشارہ ہے کہ صرف مسکین کو کھانا کھلانا ہی کافی نہیں ہے، بلکہ لوگ ایک دوسرے کو اس کا خیر کے سلسلہ میں شوق دلائیں تاکہ یہ طریق کار معاشرہ کی فضا میں وسعت پیدا کرے۔ تعجب کی بات یہ ہے کہ سورہ عائدہ کی آیت ۲۲ میں اس موضوع کو خداوند عظیم پر ایمان نہ لانا۔ نے کے برابر بیان کرتے ہوئے فرماتا ہے:

(اِنَّهٗ كَانَ لَا يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ وَلَا بِحُضْنِ عَلٰى طَعَامِ الْمَسْكِيْنَ) وہ خدا کے عظیم پر ایمان نہیں رکھتا اور دوسروں کو مسکین کو کھانا کھلانے کا شوق نہیں دلاتا۔

اس کے بعد اس کے تیسرے غلط کام کی طرف اشارہ کرتے ہوئے انہیں مورد مذمت و ملامت قرار دیتے ہوئے فرماتا ہے: ”تم میراث کو (حلال و حرام طریقہ سے) جمع کر کے کھا جاتے ہو اور تَأْكُلُوْنَ السَّوَاثِ اَكْلًا لِّعَاقِبَتِهِ“

اس میں شک نہیں کہ اس مال کا کھانا، جو شرعی میراث کے طور پر کسی شخص کو پہنچے، بُرا نہیں ہے۔ اس بنا پر مندرجہ بالا آیت میں اس کام کی مذمت ہو سکتا ہے کہ ذیل کے امور میں سے کسی ایک کی طرف اشارہ ہو۔ پہلا یہ کہ مراد اپنے اور دوسروں کے حق کو جمع کر لینا ہو یا اس لیے کہ ”لم“ کا لفظ اصل میں جمع کے معنی میں ہے اور بعض مفسرین مثلاً زحشری نے کثافت میں خصوصیت سے اس کی حرام و حلال کے درمیان جمع کرنے سے تفسیر کی ہے۔ خصوصاً زمانہ جاہلیت کے عربوں کی حالت یہ تھی کہ وہ عورتوں اور بچوں کو میراث سے محروم کر دیتے تھے اور ان کا حق خور لے لیتے تھے۔ ان کا نظریہ تھا کہ میراث انہیں ملنی چاہیے جو جنگجو ہوں (اس لیے ان کے ہاتھ جو اموال لگتے تھے ان میں سے بہت سے مال وہ ہوتے تھے جو غارتگری کے نتیجے میں حاصل ہوتے تھے) لہذا وہ صرف ان لوگوں کو حقدار سمجھتے تھے جو غارتگری کے قابل ہوں۔

دوسرے یہ کہ جب میراث تم تک پہنچتی ہے تو تم خیر و مسکین، عزیزوں اور رشتہ داروں اور معاشرہ کے محروم افراد پر بالکل خرچ نہیں کرتے اور جب تم میراث کے مال کے ساتھ، جو غیر کسی زحمت و تکلیف کے تمہارے ہاتھ آتا ہے،

تَحَاضُنُونَ اصل میں تَحَاضُنُونَ تھا جس کی ایک تائید کے لیے حذف ہو گئی۔

طعام اس آیت میں اور زیر بحث آیت میں مصدری معنی رکھتا ہے اور اطعام (کھانا کھلانے) کے معنی میں ہے۔

”لم“ کے معنی جمع کرنا ہیں اور کبھی ایسا جمع کرنا جس میں اصلاح کا مقصد بھی کارفرما ہو اس کے معنی میں آتا ہے۔

اس طرح کرتے ہو تو یقیناً اپنے کھانے پینے کے مال کے بارے میں تو تم زیادہ بخیل اور سخت ہو گے جو بہت بڑا عیب ہے۔
 تیسرے یہ کہ میراث اور چھوٹے بچوں کے حقوق کھانا ہے اس لیے کہ اکثر دیکھا گیا ہے کہ بے ایمان افراد اور وہ جو کسی قانون کے پابند نہیں ہوتے، جب میراث کا مال ان کے ہاتھ لگ جاتے تو وہ یتیم اور چھوٹے بچوں کا کوئی لحاظ نہیں کرتے اور چونکہ وہ یتیم اور چھوٹے بچے اپنے حقوق کی حفاظت نہیں کر سکتے لہذا یہ بے ایمان لوگ اس مال سے زیادہ سے زیادہ فائدہ اٹھاتے ہیں۔ یہ قبیح ترین اور شرمناک ترین گناہ ہے۔ ان تینوں تفسیروں کے درمیان جمع بھی ممکن ہے۔ اس کے بعد ان کے چوتھے مذموم عمل کو پیش کرتے ہوئے فرماتا ہے:

”اور تم دولت و ثروت کو زیادہ عزیز رکھتے ہو“ (و تعجبون العاقل حَتَّاجًا مَّاءً) تم دنیا پرست اور مال و متاع دنیا کے عاشق افراد ہو اور یقیناً وہ شخص جو مال دنیا سے ایسا لگاؤ رکھے وہ اس کے جمع کرنے کے وقت جائز و ناجائز، حلال و حرام کا خیال نہیں رکھتا۔ اس قسم کا شخص حقوق الہی کو بالکل تسلیم نہیں کرتا، یا ان میں کسی کا مرتکب ہوتا ہے جس شخص کو حُبِ دنیا نے گھیر رکھا ہو، اس کے دل میں یاد خدا کے لیے کوئی جگہ نہیں ہوتی۔

اس طرح نعمت و بلا کے ذریعہ انسانوں کی آزمائش کے ذکر کے بعد چار ایسی اہم آزمائشوں کی طرف متوجہ کرتا ہے جن کے بارے میں یہ عزمِ گردہ ناکام ہو کر مردود ہوا تھا، یتیموں کے بارے میں آزمائش، مسکینوں کو کھانا کھلانے کی آزمائش، میراث کے حقوق کی جائز و ناجائز طریقے سے جمع کرنے کی آزمائش اور آخر میں بغیر کسی قید و شرط کے اموال جمع کرنے کی آزمائش۔ تعجب کی بات یہ ہے کہ یہ تمام آزمائشیں مالی پہلو رکھتی ہیں۔ واقعی اگر کوئی شخص مالی آزمائشوں سے عمدہ برآ ہو جائے تو پھر اس کے لیے دوسری آزمائشیں آسان ہو جائیں گی۔ یہ دنیا کا مال ہی ہے جو مشہور قول ”ایمان ملکِ دادہ بباد“ کے مطابق دنیا میں ایمان کو خراب کر دیتا ہے۔ آدم کے بیٹے کی عظیم ترین لغزشیں اسی شعبہ سے تعلق رکھتی ہیں۔
 کچھ لوگ ایسے ہیں جو مال کے ایک حد تک قوانین ہیں لیکن جب ان کا پیادہ پڑ ہو جائے اور وہ اس حد سے گزر جائیں تو شیطانی دوسرے انہیں خیانت کی طرف بھیج کر لے جاتے ہیں۔ بچے مومنین وہ ہیں جو امانت اور وصیت عمل کا خیال دوسروں کے واجب و مستحب حقوق کے سلسلہ میں مال کی ہر حد میں بغیر کسی قید و شرط کے رکھتے ہیں۔ اس قسم کے افراد کو ایمان اور تقویٰ کا دعویٰ زیب دیتا ہے۔

مختصر یہ کہ جو افراد ہر حالت میں اور مال کی ہر مقدار کے سلسلہ میں امتحان و آزمائش سے عمدہ برآ ہو سکیں وہ قابلِ اعتماد، متقی، پربہیزگار اور عمدہ شخصیت کے حامل ہوتے ہیں اور بہترین دوست و احباب شمار ہو سکتے ہیں۔ دوسرے معاملات میں بھی (عام طور پر) پاک اور عمدہ افراد ہوتے ہیں۔ مندرجہ بالا آیات جو مالی آزمائشوں تک محدود ہیں وہ اسی درجہ سے ہیں۔

نوٹ: اصل میں وراثت (تراث ہی کے وزن پر) تھا اس کی داد تا میں تبدیلی ہو گئی ہے۔

نوٹ: جم جیسا کہ صحابہ الخضر اور متاعیں میں آیا ہے کثیر اور فزادوں کے معنی میں ہے اور جو بہرہ و لذت جبر سے آگے جمع شدہ مال کے معنی میں ہے۔

- (۲۱) كَلَّا اِذَا دُكَّتِ الْاَرْضُ دَكًّا دَكًا ۝
- (۲۲) وَجَاءَ رَبُّكَ وَالْمَلَكُ صَفًّا صَفًّا ۝
- (۲۳) وَجِئْنَا يَوْمَئِذٍ بِجَهَنَّمَ يَوْمَئِذٍ يَتَذَكَّرُ الْاِنْسَانُ وَاَنَّىٰ
- لَهُ الذِّكْرٰى ۝
- (۲۴) يَقُوْلُ يَلَيْتَنِي قَدَّمْتُ لِحَيَاتِي ۝
- (۲۵) فَيَوْمَئِذٍ لَا يُعَذِّبُ عَذَابَهُ اَحَدٌ ۝
- (۲۶) وَلَا يُؤْتِيْكَ وَثَاقَهُ اَحَدٌ ۝

Presented by: <https://jafrilibrary.com/>

ترجمہ

- (۲۱) ایسا نہیں ہے جیسا کہ وہ خیال کرتے ہیں جس دن زمین کوٹ کوٹ کر ریزہ ریزہ کر دی جائے گی۔
- (۲۲) اور تیرے پروردگار کا فرمان پہنچے گا اور ملائکہ صف بہ صف ہوں گے۔
- (۲۳) اور اس دن جہنم کو حاضر کریں۔ جی ہاں! اس دن انسان متذکر ہوگا، لیکن کیا فائدہ اس لیے کہ یہ تذکر اس کے لیے سود مند نہیں ہوگا۔
- (۲۴) وہ کہے گا کاش اس زندگی کے لیے میں نے کوئی چیز بھیجی ہوتی۔
- (۲۵) اس دن کوئی بھی اس جیسا عذاب نازل نہیں کرے گا۔
- (۲۶) اور کوئی شخص اس کی طرح کسی کو قید و بند میں نہیں جکڑے گا۔

تفسیر اس دن بیدار ہوں گے کہ جب پانی سر سے اونچا ہو چکا ہوگا

ان مذمتوں کے بعد جو گزشتہ آیات میں سرخشی کرنے والوں، دنیا پرستوں اور دوسروں کے حقوق پر ہاتھ

صاف کرنے والوں کی ہوتی تھیں، ان آیات میں امنیں خطرے سے آگاہ کرتا ہے کہ آخر کار قیامت آنے والی ہے اور حساب و کتاب اور جزا و سزا کا مرحلہ درپیش ہے۔ ضروری ہے کہ آپ خود کو اس کے لیے تیار کریں۔ پہلے فرماتا ہے :

ایسا نہیں ہے جیسا وہ گمان کرتے ہیں (کہ حساب و کتاب نہیں ہے اور اگر خدا نے امنیں مال دیا ہے تو ان کے احترام و اکرام کی وجہ سے دیا ہے، نہ کہ آزمائش و امتحان کے لیے) (مکلا)۔

جس وقت زمین کوٹ کوٹ کر ریزہ ریزہ کر دی جائے گی (اذا دکت الارض دکتاً)۔ دن اصل میں نرم و صاف زمین کے معنی میں ہے۔ پھر اونچی جگہ اور عمارتوں کے لیے کوٹنے اور ریزہ ریزہ کرنے اور صاف کرنے پر اطلاق ہوا ہے۔ ”وکان“ اس جگہ کو کہتے ہیں جو صاف اور نشیب و فراز کے بغیر ہو۔ ”وکان“ اس اونچی جگہ کو کہتے ہیں جسے بیٹھنے کے لیے صاف اور تیار کرتے ہیں۔ ”دن“ کی تکرار مندرجہ بالا آیت میں تاکید کے لیے ہے۔ مجموعی طور پر یہ تاکید دنیا کے اختتام اور قیامت کے آغاز کے زلزلوں اور جھنجھوڑ دینے والے حوادث کی طرف اشارہ ہے جو وجودات میں اس قسم کا تزلزل رونما ہوگا کہ پہاڑ ریزہ ریزہ اور زمینیں ہموار ہو جائیں گی، جیسا کہ سورہ طہ کی آیہ ۱۰۵ سے ۱۰۷ تک آیا ہے :

Presented by: <https://jafrilibrary.com/>

ویشلونک عن الجبال فقل ینسفھار بی نسفا فیذرها قاعاً صفصفاً لا تری فیھا عوجاً ولا امتاً) تجھ سے پہاڑوں کے بارے میں سوال کرتے ہیں کہہ دے میرا پروردگار امنیں برباد کر دے گا اور اس کے بعد زمین کو صاف و ہموار اور بے آب و گیاہ کر دے گا اس طرح کہ تو اس میں کسی طرح کا نشیب و فراز نہیں دیکھے گا۔ قیامت کے پہلے مرحلہ کے اختتام یعنی اس جہان کی دیرانی کے بعد دوسرا مرحلہ شروع ہوگا۔ سارے انسان نڈر ہو جائیں گے اور عدالت الہی میں ظاہر ہوں گے۔ اس وقت تیرے پروردگار کا فرمان آپ پہنچے گا۔ فرشتے صف در صف حاضر ہوں گے (وجاء ربک والملك صفاً صفاً)۔ محشر میں موجود لوگوں کے اطراف کا عاصرہ کر لیں گے اور فرمان حق کے اجراء کے لیے آمادہ ہوں گے۔

یہ تصویر کشی اس عظیم دن کی عظمت اور عدالت کے چنگل سے انسان کے فزاد کرنے کی توانائی نہ ہونے کی ہے۔ (جاء ربک) تیرا پروردگار آئے گا۔ کی تعبیر اس حقیقت کا کنایہ ہے کہ مخلوقات کے حساب و کتاب کا فرمان پہنچے گا۔ یا پھر خدا کی عظمت کی علامتوں کا ظہور مراد ہے، یا پروردگار کے ظہور سے مراد اس دن اس کی معرفت کا ظہور ہے، اس طرح سے کسی شخص کے لیے انکار کی گنجائش باقی نہیں رہے گی۔ گویا سب لوگ اپنی آنکھوں سے اس کی ذات بے مثال کے جمال کا مشاہدہ کریں گے۔ بہر حال مسلم ہے کہ خدا کا آنا، اس لفظ کے حقیقی معنی جن کا لازم جم ہے اور کسی مکان میں منتقل ہونا ہے کوئی مکان نہیں رکھتے اور وہ مراد نہیں رہی اس لیے کہ خدا جم اور خواص جم سے بڑا ہے بلکہ

فرازی اپنی تفسیر میں کہتا ہے کہ لفظ امر یا قرآن یا جلال آیات یا عہد و عہد ہر دو معنی ہیں۔ ان چار الفاظ میں سے خصوصاً پہلے لفظ کو تقدیر آیت کے عنوان سے بیان کیا ہے۔

یہی مفہوم بڑی صراحت کے ساتھ ایک حدیث میں امام علی بن موسیٰ رضا سے منقول ہے۔ یہ اس تفسیر کی شاہد سورہ نخل کی آیت ۲۳ ہے جس میں فرماتا ہے:

(هل ينظرون الا ان تأتيهم الملائكة او يأتي امر ربك) کیا وہ اس کے علاوہ توقع رکھتے ہیں کہ فرشتے ان کے پاس آئیں یا ترے پروردگار کا امر آں پہنچے؟۔ صفا صفا کی تعبیر اس طرف اشارہ ہے کہ ملائکہ عشر میں مختلف صفوں میں وارد ہوں گے۔ احتمال ہے کہ ہر آسمان کے فرشتے ایک الگ صف میں حاضر ہوں گے اور اہل عشر کے گرد گھیرا ڈال دیں گے۔ اس کے بعد فرماتا ہے:

”اور اس دن جہنم کو لے آئیں گے، اس دن انسان متذکر ہوگا لیکن اس کو اس کا کوئی فائدہ نہیں پہنچے گا۔“ (وحي يومئذ بجهنم يومئذ يذكرون الانسان واني له الذكوى)۔ اس تعبیر سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ جہنم چلانے کے قابل ہے اور اسے لاکر مجرموں کے قریب کر دیا جائے گا، جیسا کہ جنت کے بارے میں بھی سورہ شuraa کی آیت ۹۰ میں ہم پڑھتے ہیں (واذلفت الجنة للمتقين) جنت پر ہمیز گاروں کے نزدیک کر دی جائے گی۔ اگرچہ بعض مفسرین بآیہ کہ ان الفاظ کو مجازی معنوں پر محمول کریں اور جنت و جہنم کے نیکو کاروں اور بدکاروں کے سامنے ظہور کا کنایہ سمجھیں، لیکن اس خلاف ظاہر کے لیے ہمارے پاس کوئی دلیل نہیں ہے۔ بلکہ بہتر ہے کہ انہیں اس کے ظاہر پر چھوڑ دیا جائے، اس لیے کہ عرصہ عشر کی حقیقتیں ہم پر مکمل طور پر واضح نہیں ہیں اور وہاں کے حالات ہماری دنیا کے حالات سے بہت مختلف ہیں۔ پھر اس کا کوئی مانع نہیں ہے کہ اس روز دوزخ و جنت کو ان کی جگہ سے ہٹائیں گے۔

ایک حدیث پیغمبر اسلام میں بھی ملتا ہے کہ جس وقت مندرجہ بالا آیت (وحي يومئذ بجهنم) نازل ہوئی تو آپ کے چہرہ مبارک کا رنگ متغیر ہو گیا۔ یہ حالت اصحاب پر گراں گزری۔ وہ حضرت علیؑ کے پاس آئے اور ماجرا بیان کیا۔ حضرت علیؑ آئے اور پیغمبر اسلام کے دونوں شانوں کے درمیان برسہ دیا اور کہا:

”اے خدا کے رسول! میرے ماں باپ آپ پر قربان ہو جائیں۔ کیا حادثہ رونما ہوا ہے؟“

آپؐ نے فرمایا: ”جبرائیلؑ آتے تھے اور یہ آیت تلاوت کی ہے۔“

حضرت علیؑ کہتے ہیں: ”میں نے عرض کیا کس طرح جہنم کو لے آئیں گے؟“

فرمایا: ”ستر ہزار فرشتے ستر ہزار مداروں کے ذریعہ اسے کھینچ کر لائیں گے اور وہ سرکشی کی حالت میں ہوگی۔ اگر اس کو چھوڑ دیں تو وہ سب کو آگ لگا دے گی۔ پھر میں جہنم کے سامنے کھڑا ہو جاؤں گا اور وہ کہے گی: اے محمدؐ مجھے آپ سے کوئی سردکار نہیں ہے۔ خدا نے آپ کا جہم مجھ پر حرام کیا ہے۔“

اس دن ہر شخص اپنی فکر میں ہوگا لیکن جناب سید المرسلینؐ کہیں گے: ”رب استغث رب استغث“ (پروردگار میری

امت، میری امت) ارسلہ

جی ہاں! جب مجرم انسان ان مناظر کو دیکھے گا تو بل جائے گا، بیدار ہو جائے گا اور غم و اندوہ میں ڈوب جائے گا۔ اپنے ماضی پر نگاہ ڈالے گا اور اپنے اعمال سے سخت پشیمان ہوگا۔ لیکن یہ پشیمانی اس کو کوئی فائدہ نہ دے گی۔ انسان آرزو کرے گا کہ واپس پلٹ جائے اور اپنے تاریک ماضی کی تلافی کرے لیکن واپسی کے دروازے مکمل طور پر بند ہوں گے۔ وہ چاہے گا کہ توبہ کرے لیکن توبہ کا زمانہ ختم ہو چکا ہوگا۔ وہ چاہے گا کہ اعمال صالح بجالائے تاکہ اپنے بُرے اعمال کی تلافی کر سکے لیکن اعمال کا درخت بند ہو چکا ہوگا۔ یہ وہ مقام ہے جہاں اس کی فریاد بلند ہوگی اور وہ کہے گا، ”اے کاش! میں نے اپنی زندگی کے لیے اعمال صالح بھیجے ہوتے“ (یعنی یا لیتنی قدمت لحیاق)۔

قابل توجہ یہ کہ یہ نہیں کہے گا کہ اپنی آخرت کی زندگی کے لیے، بلکہ کہے گا اپنی زندگی کے لیے، گو زندگی کا لفظ آخرت کی زندگی کے علاوہ کسی اور زندگی کے لیے موزوں نہیں ہے۔ اور جلدی گزر جانے والی، انواع و اقسام کے مصائب کی آمیزش رکھنے والی دنیاوی زندگی، زندگی شمار ہی نہیں ہوتی، جیسا کہ سورہ عبکوت کی آیت ۶۴ میں ہم پڑھتے ہیں (وما هذه الحیوة الدنیا الا لہو ولعب وان الدار الاخرة لعی الحیوان لو کاھا یعلمون) ”یہ دنیا کی زندگی کھیل کود اور لہو و لعب کے علاوہ اور کچھ نہیں ہے اور حقیقی زندگی آخرت کی زندگی ہے اگر تم جانتے ہو“

جی ہاں! وہ لوگ جنہوں نے بیبیوں کا مال کھایا، بھوکوں کے منہ میں فخر نہیں دیا، ان کا مال و میراث غارت کیا اور مال دنیا کی محبت نے ان کے دل کو سخر کر رکھا تھا، وہ اس دن آرزو کریں گے کہ کاش کوئی چیز آخرت کی زندگی کیلئے، جو حقیقی اور جاودان زندگی ہے، ہم نے آگے بھیجی ہوتی۔ لیکن یہ آرزو بے نتیجہ ہوگی۔

اس کے بعد دو مختصر جملوں میں اس دن کے عذاب کی شدت کی تشریح کرتے ہوئے فرماتا ہے، ”اس دن خدا اس قسم کی سزا دے گا کہ اس جیسی سزا کوئی بھی نہیں دے سکے گا“ (فیومید لا یعذب عذابہ احد)۔

جی ہاں! یہ سرکش جو اپنی قوت کے وقت بدترین جرائم اور گناہوں کے مرتکب ہوئے ہیں، اس دن ان کو اس قسم کی سزائے گی جو اس سے پہلے کسی کو نہیں ملی ہوگی، جیسا کہ نیکوکار اس قسم کی جزا پائیں گے جو کسی کے خیال و گمان میں بھی نہیں گزری ہوگی، اس لیے کہ خدا ارحم الراحمین بھی ہے اور اشد المہلکین بھی۔ نیز اس دن کوئی بھی خدا کی طرح کسی کو قید و بند کی سزا نہیں دے گا۔

(ولایوثق و شاقہ احد)۔ نہ اس کی قید و بند و زنجیر کی کوئی مثال ہے، نہ اس کے عذاب کی کوئی مثل و نظیر ہے۔ ایسا کیوں نہ ہو جبکہ انہوں نے اس دنیا میں خدا کے مظلوم بندوں کو جتنا ان سے ممکن تھا قید و بند میں رکھا اور ان کو سخت تکالیف پہنچائیں۔

- ۲۷ یَا أَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ۝
 ۲۸ ارْجِعِي إِلَىٰ رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً ۝
 ۲۹ فَادْخُلِي فِي عِبَادِي ۝
 ۳۰ وَادْخُلِي جَنَّتِي ۝

ترجمہ

- ۲۷ تُو اے سکون و اطمینان یافتہ نفس۔
 ۲۸ اپنے پروردگار کی طرف پلٹ جا، اس حالت میں کہ تُو بھی اس سے راضی ہے
 اور وہ بھی تجھ سے راضی ہے۔
 ۲۹ اور میرے بندوں کی صف میں شامل ہو جا۔
 ۳۰ اور میری جنت میں وارد ہو جا۔

تفسیر

اے صاحب نفس مطمئنہ!

اس دشتِ اکِ عذاب کے تذکرے کے بعد جو سرکشوں اور دنیا پرستوں پر قیامت میں نازل ہوگا، زیر بحث آیات میں اس کے برعکس جو صورت حال ہے اس کو پیش کرتا ہے۔ اب نفس مطمئنہ اور ان سونہیں کی طرف جو ان عظیم طوفانوں میں مکمل سکون و اطمینان سے بہرہ ور رہے، متوجہ ہوا ہے۔ انہیں نہایت لطف و محبت سے مخاطب کرتے ہوئے فرماتا ہے:

”اے نفس مطمئنہ! (یا ایٹھا النفس المطمئنۃ)۔“ اپنے پروردگار کی طرف پلٹ آ، اس حالت میں کہ تُو اس سے راضی ہے اور وہ تجھ سے راضی ہے۔“ (ارجعی الی ربک راضیۃ مَرْضِیۃ)۔“ اور میرے بندوں کی صف میں داخل ہو جا۔“ (فادخلی فی عبادی)۔“ اور میری جنت میں داخل ہو جا۔“ (وادخلی جنتی)۔
 کیا ہی پرکشش، دل خوش کن اور روح پرور تعبیریں ہیں، جن سے لطف و صفا اور اطمینان کی خوشبو آتی ہے۔

پر دروگاہ کی دعوت مستقیم ایسے نفوس کے لیے، جو ایمان کے سائے میں اطمینان و سکون کی حالت کو پہنچے ہوئے ہیں، انہیں اپنے پروردگار، اپنے مالک و مربی اور مصلح کی طرف بازگشت کی دعوت دیتا ہے ایسی دعوت جو طرفین کی رضا مندی لیے ہوتے ہے۔ دلدادہ عاشق کی رضا مندی معشوق کے لیے اور محبوب و مہبود حقیقی کی رضا مندی۔ اس کے بعد افتخار عبودیت کا تاج اس کے سر پر رکھنا اور لباس زندگی سے اُسے مستحضر کرنا اور اپنے خاصانِ بارگاہ کی سلک میں انہیں پروانا اور جگہ دینا۔

اس کے بعد انہیں جنت میں ورود کی دعوت دینا اور وہ بھی ”میری جنت میں داخل ہو جا“ کی تعبیر کے ساتھ جو باقی ہے کہ اس مہمان کا میزبان صرف اور صرف خدا کی ذات پاک ہے عجیب دعوت عجیب مہمان اور عجیب میزبان۔ نفس سے مراد یہاں وہی انسان ہے اور مطلقہ کی تعبیر اس سکون و اطمینان کی طرف اشارہ ہے جو ایمان کے پر تو کے سائے میں پیدا ہوا ہے جیسا کہ قرآن کہتا ہے: (الابذکر اللہ قطعاً من القلوب) ”جان لو کہ صرف اللہ کے ذکر ہی سے دلوں کو سکون و اطمینان حاصل ہوتا ہے“ (رعد- ۲۸) اس قسم کا نفس اللہ کے وعدوں پر بھی اطمینان رکھتا ہے اور جو راہ اس نے اختیار کی ہے اس پر بھی مطمئن ہوتا ہے۔ دنیا اس کی طرف بڑھے تب بھی اور اس سے منہ موڑے تب بھی، طوفانوں میں بھی اور حوادث و بلا میں بھی اور سب سے بالاتر خوف و وحشت اور قیامت کے

عظیم اضطراب میں بھی۔ Presented by: <https://jafrilibrary.com/>

پروردگار کی طرف بازگشت سے مراد، خسرین کی ایک جماعت کے نظریہ کے مطابق، اس کے ثواب و رحمت کی طرف بازگشت ہے، یعنی اس کے جوار و قرب میں جگہ پانا، معنوی و روحانی بازگشت پانا نہ کہ مادی و جسمانی۔ کیا پروردگار کی طرف بازگشت کی یہ دعوت صرف قیامت میں ہوگی یا جان دینے اور عمر کے لمحات کے ختم ہونے سے مستقل ہے؟ آیات کا سابق قرابۃ قیامت سے مربوط ہے اگرچہ خود اس آیت کی تعبیر مطلق و وسیع ہے۔ راضیہ کی تعبیر اس بنا پر ہے کہ ثواب خداوندی کے تمام وعدوں کو، اس سے زیادہ کہ جتنا وہ تصور کر سکتا تھا وہ حقیقی طور پر دیکھے گا اور اس طرح خدا کا فضل و کرم اس کے شامل حال ہوگا کہ وہ مجسم رضائیں جانے لگا۔ باقی رہی مرضیہ کی تعبیر تو وہ اس بنا پر ہے کہ وہ مورد قبول و رضائے دوست واقع ہوا ہے۔

اس قسم کا بندہ اس طرح کے اوصاف کے ساتھ اور مکمل رضا و تسلیم کے مقام پر پہنچنے کے ساتھ جس نے عبودیت کی اس حقیقت کو جو عبود کی راہ میں ہر چیز کو چھوڑ دینا ہے، پالیا ہے اور اس نے خدا کے بندگانِ خاص کے دائرہ میں قدم رکھا ہے۔ یقیناً اس کے لیے جنت کے علاوہ کوئی دوسری جگہ نہیں ہے۔

بعض تفاسیر میں آیا ہے کہ یہ آیتیں سید الشہداء حضرت حمزہؓ کے بارے میں نازل ہوئی ہیں لیکن اس طرف توجہ کرتے ہوئے کہ یہ سورہ کئی ہے یہ حقیقت میں ایک قسم کی تطبیق ہے، نہ کہ شانِ نزول، جیسا کہ امام حسینؓ کے بارے میں بھی ہم نے سورہ کے آغاز میں پڑھا ہے۔ قابلِ توجہ یہ کہ کافی میں امام جعفر صادقؑ سے منقول ایک روایت میں بھی ملتا ہے کہ آپ کے ایک صحابی نے پوچھا کہ کیا یہ ممکن ہے کہ ایک مومن اپنی روح کے قبض ہوجانے سے غش نہ ہو؟ تو آپ نے فرمایا:

”نہیں خدا کی قسم! جب موت کا فرشتہ اس کی روح قبض کرنے کے لیے آتا ہے تو وہ ناخوشی و ناراضی کا اظہار کرتا ہے۔ اس وقت موت کا فرشتہ اس سے کہتا ہے: اے دل خدا! پریشان نہ ہو۔ قسم ہے اس ذات کی جس نے محمدؐ کو مبعوث کیا ہے، میں تجھ پر مہربان باپ سے زیادہ شفیق ہوں۔ ٹھیک طرح سے اپنی آنکھیں کھول کر دیکھ لے۔ وہ دیکھے گا: رسول خدا، امیر المؤمنین، فاطمہ الزہراء، حسن و حسین اور ان کی ذریت میں سے باقی ائمہ کو، تو فرشتہ اس سے یہ کہے گا: یہ رسول خدا، امیر المؤمنین، حضرت فاطمہ الزہراء، حسن و حسین اور باقی ائمہ تیرے دوست و محبوب ہیں۔ وہ اپنی آنکھوں کو کھولے گا اور دیکھے گا۔ اچانک ایک کینے والا پروردگار کی طرف سے کہے گا: یا ایتھا النفس المطمئنة! اے وہ شخص جو حضرت محمدؐ اور ان کے اہلبیت پر ایمان رکھتا ہے، پلٹ آنا اپنے پروردگار کی جانب، اس حالت میں کہ تو ان کی ولایت پر راضی ہے اور وہ اپنے ثواب پر تجھ سے راضی ہیں۔ داخل ہو جا میرے بندوں یعنی محمدؐ اور ان کی اہلبیت کے درمیان اور داخل ہو جا میری جنت میں۔ تو اس موقع پر اس مومن کے لیے کوئی اور چیز زیادہ محبوب نہیں ہوگی۔ وہ چاہے گا کہ جس قدر جلد ہو روح بدن سے رہا ہو اور اس منادی کے ساتھ مل جائے۔“

خداوند! جس اس قسم کے اطمینان و سکون سے متغیر فرمانا کہ ہم اس عظیم خطاب کے لائق و شائستہ نہیں۔ پروردگار! اس مقام تک پہنچنا تیرے لطف و کرم کے بغیر ممکن نہیں ہے ہمیں اپنے لطف و کرم

لئے نواز۔

Presented by: https://jafrilibrary.com/

خداوند! یقیناً کوئی چیز تیرے کرم سے کم نہیں ہوگی، اگر ہمیں صاحبان نفوس مطمئنہ میں سے قرار دے۔ ہم پر احسان و کرم فرما۔

بارِ اِله! ہم جانتے ہیں کہ یہ سکون و اطمینان تیرے ذکر کے سائے کے بغیر ممکن نہیں ہے۔ تو ہمیں اپنے ذکر کی خود توفیق عطا فرما۔ آمین یا رب العالمین

(اختتام سورہ فجر اور حب ۲۹ تفسیر نمونہ کا اختتام)

۷ رمضان المبارک / ۱۴۰۷ھ

اختتام ترجمہ بتاريخ ۲۴ جمادی الثانی ۱۴۰۸ھ مطابق ۱۳ فروری ۱۹۸۸ء بوقت ۹ بجکر ۲۰ منٹ شب بر مکان سیٹھ نواز شمس علی، ۸۱-۷، ماڈل ٹاؤن لاہور، بدست حقیر پُر تفسیر سید صفدر حسین نجفی فرزند سید غلام سرور مرحوم۔

سُورَةُ بَلَدٍ

یہ سورہ مکہ میں نازل ہوا۔

اس کی بیس آیات ہیں۔

•

سُورۃ بلد کی فضیلت اور اس کا مضمون

یہ سُورہ مختصر ہونے کے باوجود عظیم حقائق اپنے اندر لیے ہوئے ہے :-

۱۔ اس سُورہ کے پہلے حصہ میں پُرستی قسموں کے ذکر کے بعد اس حقیقت کی طرف اشارہ ہوا ہے کہ انسان کی زندگی اس عالم میں مشکلات اور تکلیفوں کے ساتھ توأم ہوتی ہے، تاکہ وہ ایک طرف تو اپنے آپ کو مشکلات سے جنگ کرنے کے لیے آمادہ کرے اور دوسری طرف اس دنیا میں راحت و آرام اور مطلق آسودگی کی توقع اپنے ذہن سے نکال دے، کیونکہ مطلق آسودگی و راحت تو صرف آخرت کی زندگی میں ہی ممکن ہے۔

۲۔ یہ سورہ دوسرے حصہ میں انسان پر اللہ کی کچھ اہم ترین نعمتوں کو شمار کرتا ہے، اور اس کے بعد ان نعمتوں کے مقابلہ میں اس کی ناشکری اور کفرانِ نعمت کی طرف اشارہ کرتا ہے۔

۳۔ اس سُورہ کے آخری حصہ میں لوگوں کو دو گروہوں "اصحابِ یمنہ" اور "اصحابِ شمرہ" میں تقسیم کرتا ہے، اور پہلے گروہ (صالح مومنین) کے صفاتِ اعمال کے ایک گوشہ کو اور پھر ان کی سرفروشت کو بیان کرتا ہے۔ اس کے بعد ان کے نقطہ مقابل یعنی کفار و مجرمن اور ان کی سرفروشت کو پیش کرتا ہے۔

اس سُورہ کی آیات کی تفسیر بہت ہی قاطع اور دو ٹوک اور چبھنے والی ہیں، اس کی جملہ بندیاں مختصر اور زوردار ہیں الفاظ بہت ہی مؤثر اور انتہائی فصیح ہیں، آیات کی ضرورت اور اس کا مضمون اس بات کی نشان دہی کرتا ہے کہ یہ سُورہ مکی سُورتوں میں سے ہے۔

اس سُورہ کی تلاوت کی فضیلت میں پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نقل ہوا ہے کہ آپ نے فرمایا :

"من قرأها اعطاه الله الامن من غضبه يوم القيامة"

”جو شخص سورہ بلد کو پڑھے گا خدا اُسے قیامت میں اپنے غضب سے امان
میں رکھے گا۔“

نیز ایک حدیث میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ :

”جو شخص نماز واجب میں سورہ لا اقسو بهذا البلد“ کو پڑھے گا وہ
دنیا میں صالحین میں شمار ہوگا اور آخرت میں ایسے لوگوں میں سے پہچانا جائے گا جو
بارگاہ خدا میں مقام و منزلت رکھتے ہیں، اور وہ انبیاء، شہداء اور صلحاء کے دوستوں
میں سے ہوگا۔“

Presented by: <https://jafrilibrary.com/>

سَبَّحَ لِلَّهِ الْمَرْغُوبُ الرَّغْبُ

- ۱۔ لَا أَقْسِمُ بِذَا الْبَلَدِ ۝
- ۲۔ وَأَنْتَ حِلٌّ بِذَا الْبَلَدِ ۝
- ۳۔ وَوَالِدٍ وَمَا وَلَدَ ۝
- ۴۔ لَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ فِي كَبَدٍ ۝
- ۵۔ اَيَحْسَبُ أَنْ لَنْ يَقْدِرَ عَلَيْهِ أَحَدٌ ۝
- ۶۔ يَقُولُ أَهْلَكْتُ مَا لَا بَدَأَ ۝
- ۷۔ اَيَحْسَبُ أَنْ لَوْ يَرَهُ أَحَدٌ ۝

ترجمہ

شروع اللہ کے نام سے جو رحمان و رحیم ہے

- ۱۔ قسم ہے اس شہر مقدس (مکہ) کی۔
- ۲۔ وہ شہر کہ جس میں تو ساکن ہے !
- ۳۔ اور قسم ہے باپ اور اس کے بیٹے کی (ابراہیم خلیل و اسمعیل فیض)۔
- ۴۔ کہ ہم نے انسان کو تکلیف میں پیدا کیا ہے۔ (اور اس کی زندگی رنج و الم سے پر ہے)۔

- ۵۔ کیا وہ یہ گمان کرتا ہے کہ اس پر کوئی بھی قدرت نہیں رکھتا؟!
- ۶۔ وہ یہ کہتا ہے کہ میں نے بہت سا مال (اچھے کاموں میں) تلف کر دیا ہے!
- ۷۔ کیا وہ یہ گمان کرتا ہے کہ اُسے کسی نے نہیں دیکھا۔ (اور نہ ہی دیکھتا ہے)؟

تفسیر اس شہر مقدس کی قسم

بہت سے سولہ میں قرآن کا طریقہ یہ ہے کہ وہ بہت زیادہ اہم حقائق کو قسم کے ساتھ شروع کرتا ہے، ایسی قسمیں جو خود بھی انسانی عقل اور فکر و نظر کے متحرک کا سبب بنتی ہیں، ایسی قسمیں جو اس سولہ نظر مطلب کے ساتھ ایک خاص ربط رکھتی ہیں۔ یہاں بھی اس حقیقت کو بیان کرنے کے لیے کہ دنیا میں انسان کی زندگی دکھ دود اور رنج و الم کے ساتھ تو آم ہے ایک نئی قسم سے

شروع کرتا ہے اور فرماتا ہے: [Presented by: https://jafrilibrary.com/](https://jafrilibrary.com/)

”قسم ہے اس شہر مقدس مکہ کی“ (لا اقسو بھذا البلد)۔

”وہ شہر کہ جس میں تو ساکن ہے: (وانت حل بھذا البلد)۔

اگرچہ ان آیات میں مکہ کا نام صراحت کے ساتھ نہیں آیا، لیکن ایک طرف تو اس سولہ کے کئی ہونے کی طرف توجہ کرتے ہوئے اور دوسری طرف اس مقدس شہر کی حد سے زیادہ اہمیت کی بنا پر یہ بات واضح ہے کہ اس سے مراد مکہ ہی ہے۔ اور مفسرین کا اجماع بھی اسی پر ہے۔

یقیناً سرزمینِ مکہ کی شرافت اور عظمت اس بات کا تقاضا کرتی ہے کہ خدا اس کی قسم کھائے، کیونکہ توحید اور پروردگار کی عبادت کا پہلا مرکز ہمیں بنا گیا تھا، اور عظیم پیغمبروں نے اس گھر کے گرد و طواف کیا ہے۔ لیکن ”وانت حل بھذا البلد“ کا جملہ ایک نئے مطلب کو اپنے اندر لیے ہوئے ہے، جو یہ کہتا ہے کہ یہ شہر تیرے وجود کے فیض و برکت سے اس قسم کی عظمت کا حامل ہو گیا ہے کہ وہ اس قسم کے لائق ہو گیا ہے۔

اور حقیقت بھی یہی ہے کہ سرزمینوں کی قدر و قیمت ان میں مقیم انسانوں کی قدر و قیمت کی وجہ سے ہوا کرتی ہے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ کفار یہ تصور کرتے گلیں کہ قرآن نے جو اس سرزمین کی قسم کھائی ہے تو وہ ان کا وطن ہونے، یا ان کے بتوں کا مرکز ہونے کی وجہ سے اس کی اہمیت کا قائل ہو گیا ہے۔ ایسا نہیں ہے۔ بلکہ اس شہر کی قدر و قیمت (اس کے مخصوص تاریخی حالات سے قطع نظر) خدا کے خاص

لے یہاں ”لا“ لافظ ہے، جو تنبیہ کے لیے آیا ہے۔ البتہ ایک دوسری تفسیر کے مطابق احتمال ہے کہ ”لا“ نامیہ ہو (اس سلسلہ میں مزید وضاحت

سودہ قیامت کی ابتدا میں دی گئی ہے)۔

بندے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وجودِ فیکو کی بنا پر ہے :

اے کعبہ رازِ مین قدم تو صد شرف

دی نروہ رازِ مقدمِ پاک تو صد صفا

بطا ز نور طلعت تو یافتہ فروغ

یثرب از خاک پائے تو بارونق و نوا

اے وہ کہ تیرے قدم ہیمنت لزوم سے کعبہ کا شرف سوگنا ہو گیا ہے۔

اور تیرے پاک قدم کے آنے سے نروہ کو صفائی حاصل ہو گئی ہے۔

بطا نے تیرے نور کی چمک سے روشنی حاصل کی ہے۔

اور یثرب تیرے پاؤں کی خاک کی وجہ سے بارونق اور خوشحال ہو گیا ہے۔

یہاں ایک اور تفسیر بھی ہے، اور وہ یہ ہے کہ : ”میں اس شہر مقدس کی قسم نہیں کھاتا، جب کہ انہوں نے تیرے احترام کی ہتک کی ہے، اور تیری جان و مال اور عزت و آبرو کو حلال اور مباح شمار کر لیا ہے۔“

اور یہ کفار قریش کے لیے ایک شدید سرزنش اور توبیخ ہے کیونکہ وہ خود کو حرمِ مکہ کے غلام اور محافظ سمجھتے تھے اور وہ اس زمین کے احترام کے اس قدر قائل تھے کہ اگر ان کے باپ کا قاتل بھی اس میں آجاتا تو وہ بھی امان میں ہوتا تھا۔ یہاں تک کہ کہتے ہیں کہ جو لوگ مکہ کے درختوں کا پھلکا بھی لے کر اپنے بدن سے باندھ لیتے تھے تو وہ بھی اس کی وجہ سے امان میں ہوتے تھے، لیکن اس کے باوجود انہوں نے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں ان تمام آداب و سنن کو پاؤں تلے کیوں روند ڈالا !! اور آپ کے اور آپ کے اصحاب کے بارے میں ہر قسم کے آزار اور اذیت کو جائز کیوں سمجھ لیا، یہاں تک کہ ان کے خون کو بھی مباح سمجھنے لگے !!

یہ تفسیر ایک حدیث میں امام صادق علیہ السلام سے بھی نقل ہوئی ہے :

اس کے بعد مزید کہتا ہے : ”قسم ہے باپ اور اس کے بیٹے کی (والد وما ولد)۔“

اس بارے میں کہ اس باپ اور بیٹے سے کون مراد ہے؟ کئی تفسیر بیان کی گئی ہیں۔

پہلی تفسیر یہ ہے کہ ”والد“ سے مراد ”ابراہیم خلیل“ اور ”ولد“ سے مراد ”اسمعیل ذبیح“ ہیں۔ اور اس بات کی طرف توجہ کرتے ہوئے کہ گزشتہ آیت میں شہرِ مکہ کی قسم کھائی گئی ہے اور ہم جانتے ہیں کہ کعبہ اور شہرِ مکہ کی بنیاد رکھنے والے ابراہیم علیہ السلام اور ان کے فرزند اسمعیل علیہ السلام ہی تھے، یہ تفسیر بہت ہی مناسب نظر آتی ہے، خصوصاً زمانہ جاہلیت کے عرب بھی حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کے فرزند کی حد سے زیادہ اہمیت کے قائل تھے، اور ان پر فخر کرتے تھے اور ان میں سے بہت سے اپنا نسب ان دونوں تک پہنچاتے تھے۔

دوسری تفسیر یہ ہے کہ اس سے مراد حضرت آدم علیہ السلام اور ان کے بیٹے ہیں۔

تیسری تفسیر یہ ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام اور ان کی ذریت میں سے جو پیغمبر اور انبیاء مبعوث ہوئے وہ مراد ہیں۔
چوتھی تفسیر یہ ہے کہ اس سے ہر باپ اور بیٹا مراد ہیں کیونکہ مختلف زمانوں میں تولد اور نسل انسانی کی بقا کا مسئلہ خلقت کی آفرینش کے حیرت انگیز ترین مسائل میں سے ہے، اور خدا نے خصوصیت کے ساتھ اس کی قسم کھائی ہے۔
ان چاروں تفسیروں کے درمیان جمع بھی بعید نہیں ہے اگرچہ پہلی تفسیر سب سے زیادہ مناسب نظر آتی ہے،
اس کے بعد اس چیز کو بیان کرتا ہے جو ان قسموں کا اصل مقصد ہے فرماتا ہے: "یقیناً ہم نے انسان کو رنج اور تکلیف میں پیدا کیا ہے، (لقد خلقنا الانسان في كبد)۔

"کبد" جمع البیان میں طبرسی کے قول کے مطابق اصل میں شدت کے معنی میں ہے، اسی لیے جب دودھ کاڑھا ہوتا ہے تو اسے "تکبد اللبن" کہتے ہیں۔

لیکن "مغزوات" میں "راغب" کے قول کے مطابق "کبد" (بروزن حسد) اس درد کے معنی میں ہے جو انسان کے کبد (سیاہ جگر) کو عارض ہوتا ہے۔ اس کے بعد ہر قسم کی مشقت اور دھکے تکلیف کے لیے اطلاق ہونے لگا۔

اس لفظ کی اصل پہلے جو کچھ بھی ہو اس کا اس مقام پر منہم وہی رنج و تکلیف اور دھکے درد ہی ہے۔
ہاں! انسان آغاز زندگی سے ہی، یہاں تک کہ اسی لمحے جب اس کا لطف قرار گاہ رحم میں واقع ہوتا ہے، مشکلات اور درد و رنج

کے بہت سے مرحلے طے کرتا ہوا متولد ہوتا ہے اور پیدا ہونے کے بعد پچھنے میں، اور اس کے بعد جوانی میں، اور سب سے زیادہ بڑھاپے میں، طرح طرح کی رستوں، مشقتوں اور تکلیفات سے زبردور ہوتا ہے۔ دنیا کی زندگی کا مزاج یہی ہے اور اس کے علاوہ کوئی اور توقع رکھنا غلطی

ہی غلطی ہے۔ ایک شاعر عرب کے قول کے مطابق:

طبع علی قدر وانت تریدھا

صفتوا عن الاكدار والاقذار؟

و مکلف الایام ضد طباعھا

متطلب فی الما جدوة نار؟

جہاں کی طبیعت کمورت اور گندے جن پر ہے اور تو پاہتا ہے کہ

ہر قسم کی کمورت اور ناپاکی سے صاف ہو،

تو جو شخص دنیا کے دور کو اس کے مزاج کے برخلاف طلب کرے گا،

وہ اس شخص کی مانند ہے جو پانی کی موجوں کے درمیان آگ کا شعلہ طلب کرے۔

انبیاء اور اولیاء اللہ کی زندگیوں کی طرف نگاہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے۔ آفرینش کسان سرسبز پھولوں کی زندگی بھی انواع و اقسام کے غیر مناسب امور اور درد و تکلیف میں گھری ہوئی تھی۔ جب دنیا ان کے لیے اس طرح ہے تو دوسروں کے لیے اس کی وضع و کیفیت ماضی ہے

۱۔ بعض تفسیر میں قالہ سے مراد امیر المؤمنین اور اولاد سے مراد ان کے فرزند گرامی ہیں، اور شاید وہ جناب اس کے بہترین مصداق ہوں لہذا اس تفسیر کو ذکر کرنا

زیادہ مناسب تھا (مترجم)

اور اگر ہمیں کچھ افراد یا معاشرے ایسے نظر آتے ہیں جنہیں بظاہر کوئی دکھ اور تکلیف نہیں ہوتی تو وہ یا تو ہمارے سطحی مطالعہ کی وجہ سے ایسا دکھائی دیتے ہیں۔ اس لیے جب ہم اور زیادہ نزدیک ہوتے ہیں تو انہیں مرضا محال زندگی والوں کے درد و رنج کے علق اور گہرائی سے آشنا ہو جاتے ہیں، اور یا پھر وہ ایک محدود مدت اور استثنائی زمانہ کے لیے ہوتا ہے، جو عالم کے قانون کلی کو نہیں توڑتا۔ اس کے بعد مزید فرماتا ہے: ”کیا یہ انسان یہ گمان کرتا ہے کہ کوئی بھی اس پر دست رسی کی قدرت نہیں رکھتا“ (ایحسب ان لن یقدر علیہ احد)۔

یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ انسان کی زندگی کی ان تمام درد، دکھ اور تکلیف کے ساتھ آمیزش اس بات کی دلیل ہے کہ وہ بالکل کوئی قدرت نہیں رکھتا۔

لیکن غرور و تکبر کے گھوڑے پر سوار ہے اور ہر قسم کے غلط کام گناہ مہم اور حد سے بڑھ جانے کا مرکب ہوتا رہتا ہے، گویا وہ خود کو امن و امان میں سمجھتا ہے اور اپنے آپ کو سزاؤں کی قلم برد سے دور خیال کرتا ہے۔ جب اُسے قدرت حاصل ہو جاتی ہے تو تمام خدائی احکام کو پاؤں کے نیچے دھنڈالتا ہے، جیسے سلطانِ خدا کا بندہ نہیں ہے۔ کیا حقائق وہ بھی خیال کرتا ہے کہ پروردگار کے عذاب کے چنگل سے رہائی حاصل کر لے گا؟ کتنا بڑا اشتباہ اور غلط فہمی ہے!

یہ احتمال بھی دیا گیا ہے کہ اس سے مراد وہ دولت مند ہیں جو یہ خیال کرتے تھے کہ کوئی ان کی دولت و ثروت کو ان سے چھین لینے کی قدرت نہیں رکھتا۔

یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس سے مراد وہ لوگ ہیں جن کا عقیدہ یہ تھا کہ ان کے اعمال کی کوئی بھی باز پرس نہیں کرے گا۔

لیکن آیت ایک جامع مضمون رکھتی ہے جو ان تمام تقاسیم کو شامل ہو سکتی ہے۔

بعض نے یہ کہا ہے کہ ”اوپر والی آیت قبیلہ ”جمع“ کے ایک شخص کی طرف جس کا نام ”الوالاسد“ تھا اشارہ ہے وہ اس قدر طاقت ور تھا کہ چمڑے کے ایک ٹکڑے پر بیٹھ جاتا تھا اور دس آدمی اُسے اس کے نیچے سے کھینچنا چاہتے تھے تو نہیں کھینچ سکتے تھے وہ چمڑا ٹکڑے ٹکڑے ہو جاتا تھا، لیکن وہ اپنی جگہ سے نہیں ہلتا تھا۔

لیکن آیت کا اس قسم کے مفرد شخص یا اشخاص کے بارے میں بیان اس مضمون کی عمومیت و وسعت سے مانع نہیں ہے۔

اس کے بعد اس گٹنگو کو جاری رکھتے ہوئے مزید فرماتا ہے: ”وہ یہ کہتا ہے کہ میں نے بہت زیادہ مال تباہ کر دیا ہے“

یَقُولُ اَهْلَكَتُ مَا لَا اَبْدَان۔

یہ ایسے لوگوں کی طرف اشارہ ہے کہ جب انہیں کارِ غیر میں مال صرف کرنے کو کہتے تھے تو وہ غرور و نفوت کی بنا پر یہ کہتے تھے: ہم نے بہت زیادہ مال ان کاموں میں صرف کیا ہے، حالانکہ انہوں نے خدا کی راہ میں کوئی چیز خرچ نہیں کی تھی۔ اور اگر انہوں نے کسی کو کچھ مال دیا بھی تھا تو وہ دکھا دے، یا کاری اور شخصی اغراض کی بنا پر تھا۔

بعض نے یہ بھی کہا ہے کہ آیت میں ان لوگوں کی طرف اشارہ ہے جنہوں نے اسلام اور پیغمبرِ اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

لے۔ ”ان“ اس جملہ میں ”مثلاً سے مخفف ہے“ اور تفسیر میں ”انہ لن یقدر علیہ احد“ ہے۔

عہ۔ ”جمع البیان“ جلد ۱۰ ص ۴۹۳

کی دشمنی اور اسلام کے برخلاف سازشوں میں صرف کیا تھا اور وہ اس پر فخر کرتے تھے، جیسا کہ ایک حدیث میں آیا ہے کہ جنگ خندق کے دن جب علی علیہ السلام نے عمر بن جعدہ کے سامنے اسلام کو پیش کیا تو اس نے جواب میں کہا:

”فاین ما افقت فیکو مالا لبدًا“

”پس وہ سارا مال جو میں نے تمہاری مخالفت میں صرف کیا ہے اس کا کیا بنے گا؟“

بعض نے یہ بھی کہا ہے کہ آیت ”حارث بن عامر بیکے بعض سرداران قریش کے بارے میں ہے، جو ایک گناہ کا مرتکب ہوا تھا۔ اس نے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نجات کے بارے میں پوچھا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے کفارہ دینے کا حکم دیا۔ اُس نے کہا: جب سے میں دین اسلام میں داخل ہوا ہوں میرا تمام مال و دولت کفاروں اور نفقات میں نابود ہو گیا ہے۔ ان تینوں تفسیر کے درمیان جمع میں بھی کوئی امر مانع نہیں ہے اگرچہ پہلی تفسیر آیت کے ساتھ زیادہ مناسب ہے۔

”اہلکت“ کی تفسیر اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اس کے اموال درحقیقت نابود ہی ہوئے ہیں، اور اُسے ان سے کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔

”لبد“ (بروزن لغت) تہ بہ تہ اور انبوہ کثیر کے معنی میں ہے اور یہاں بہت زیادہ مال کے معنی میں ہے۔

اس کے بعد مزید فرمایا ہے: کیا وہ یہ گمان کرتا ہے کہ کسی نے نہیں دیکھا، اور نہ ہی دیکھے گا؟ (ایحسان لہ)

یہ (احد)۔

وہ اس حقیقت سے غافل ہے کہ نہ صرف اس کے ظاہری اعمال کو خلوت و جلوت میں دیکھتا ہے، بلکہ اس کے دل اور روح کی گہرائیوں سے بھی آگاہ ہے، اور اس کی نیتوں سے باخبر ہے۔ کیا یہ ممکن ہے کہ وہ خدا جس کا غیر متناہی وجود ہر چیز پر احاطہ کرتا ہے کسی چیز کو نہ دیکھے اور نہ جانے؟ یہ غافل اس بات سے بے خبر ہیں کہ وہ اپنی جہالت اور نادانی کی وجہ سے خود کو پروہ کار کی دائمی نگرانی سے باہر خیال کر رہے ہیں۔

ہاں! خدا کو علم ہے کہ انہوں نے یہ اموال کہاں سے حاصل کیے ہیں اور انہیں کس راہ میں صرف کیا ہے؟ ایک حدیث میں ابن عباسؓ سے نقل ہوا ہے کہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

”لا تزول قدم المباحی یسأل عن اربعۃ: عن عمرہ فیما افناه وعن ماله من

این جمعه، و فیما ذا انفقہ؟ وعن عملہ ماذا عمل بہ؟ وعن حبنا اهل البیت

”قیامت میں کوئی شخص اپنے قدم سے قدم نہیں اٹھائے گا، مگر یہ کہ چار چیزوں کے بارے

میں اس سے سوال ہوگا: اس کی عمر کے بارے میں کہ اُسے کس راہ میں فنا کیا، اس کے مال کے

بارے میں کہ اسے کہاں سے جمع کیا، اور کس راہ میں اُسے صرف کیا، اور اس کے عمل کے بارے

میں کہ اس نے کون کون سا عمل انجام دیا، اور ہم اہل بیتؑ کی محبت و مودت کے بارے میں دلہ خلاصہ یہ ہے کہ انسان کس طرح سے مغرور ہو جاتا ہے اور قدرت و طاقت کا دعویٰ کیسے کرتا ہے، حالانکہ اس کی زندگی مدد و رنج اور تکلیفات کے ساتھ خمیر ہوئی ہے۔ اگر اس کے پاس کچھ مال ہے تو ایک رات کے لیے ہے، اور اگر جان رکھتا ہے تو ایک بھاری رکھتا ہے۔ اور پھر وہ یہ دعویٰ کیسے کرتا ہے کہ میں نے بہت زیادہ مال خدا کی راہ میں خرچ کیا ہے جب کہ وہ اس کی نیت سے آگاہ ہے اور ان اموال کے غیر شرعی حصول کی کیفیت سے بھی آگاہ ہے، اور کیا کاری اور مغرضانہ طور پر صرف کرنے کی کیفیت سے بھی باخبر ہے۔

Presented by: <https://jafrilibrary.com/>

- ۸۔ اَلَمْ نَجْعَلْ لَهُ عَيْنَيْنِ ۚ
 ۹۔ وَلِسَانًا وَشَفَتَيْنِ ۚ
 ۱۰۔ وَهَدَيْنَاهُ النَّجْدَيْنِ ۚ

ترجمہ

- ۸۔ کیا ہم نے اس (انسان) کے لیے دو آنکھیں قرار نہیں دیں؟
 ۹۔ اور ایک زبان اور دو ہونٹ (اُسے نہیں دیے)؟
 ۱۰۔ اور ہم نے اُسے اس کی بھلائی اور بُرائی کی دونوں راہیں دکھا دیں۔

تفسیر

آنکھ، زبان اور ہدایت کی نعمت

گذشتہ آیات کے بعد جن میں سرکشی کرنے والے انسانوں کے غرور و غفلت کے بارے میں گفتگو ہوئی تھی، زیر بحث آیت میں انسان پر خدا کی اہم ترین مادی و معنوی نعمتوں کا کچھ مختصر بیان کرتا ہے۔ تاکہ ایک طرف تو اس کے غرور و غفلت کو توڑے اور دوسری طرف اُسے ان نعمتوں کو خلق کرنے والے میں فکر اور غور و غوض کرنے پر آمادہ کرے اور اس کے دل و جان کے اندر شکر و کرمی کے احساس کو بیدار کرے اُسے خالق کی معرفت کی طرف چلائے۔

پہلے فرماتا ہے: "کیا ہم نے اس انسان کے لیے دو آنکھیں قرار نہیں دیں؟" (اَلَمْ نَجْعَلْ لَهُ عَيْنَيْنِ)۔
 "اور ایک زبان اور دو ہونٹ (نہیں دیے)؟" (وَلِسَانًا وَشَفَتَيْنِ)۔

اور ہم نے اُسے اس کی بھلائی اور بُرائی کی دونوں راہیں دکھا دیں۔ (وَهَدَيْنَاهُ النَّجْدَيْنِ)۔

اس طرح ان چند مختصر جملوں میں تین اہم مادی نعمتوں اور ایک عظیم معنوی نعمت کی طرف، جو سب کی سب خدا کی عظیم ترین نعمتوں میں اشارہ کیا ہے۔ ایک طرف تو آنکھوں، زبان اور لبوں کی نعمت ہے اور دوسری طرف خیر و شر کی معرفت و ہدایت کی نعمت ہے۔
 (اس بات کی طرف توجہ رہے کہ "نجد" اصل میں مرتفع اور بلند مقام کے معنی میں ہے، "تھامہ" کے مقابلہ میں جو پست

زینوں پر بولا جاتا ہے، یا دوسرے نظموں میں "بلند جگہ" اور "پست جگہ" اور یہاں خیر و شر اور سعادت و شقاوت کی راہ سے کنایہ ہے۔
اوپر والی نعمتوں کی اہمیت کے بارے میں بس اتنا کافی ہے کہ :

"آنکھ" بیرونی دنیا سے انسان کے رابطہ کے لیے ایک اہم ترین ذریعہ ہے۔ آنکھ کے عجائبات اس قدر ہیں کہ وہ واقعی طور پر انسان کو خلق کے مقابلہ میں خضوع کرنے پر آمادہ کر دیتے ہیں۔ آنکھ کے سات طبقے جو صلیب (قرنیر) شیبہ، عنبیہ، جلدیہ، نلالیہ، زجاجیہ اور شبکیہ کے نام سے موسوم ہیں، ان میں سے ہر ایک عجیب و غریب اور عمدہ ساخت رکھتا ہے جن میں نور و روشنی اور آئینوں سے مربوط طبیعیاتی اور جسمانی قوانین کا بہت ہی باریک بینی کے ساتھ خیال رکھا گیا ہے۔ اس طرح سے کہ تصویر کشی کی ترقی یافتہ ترین دور میں بھی اس کے مقابلہ میں بے قدر و قیمت ہیں، اور حقیقت یہ ہے کہ اگر ساری دنیا میں انسان کے سوا، اور سارے وجود انسانی میں آنکھ کے علاوہ اور کوئی چیز نہ ہوتی، تو اس کی عجائبات کا مطالعہ پروردگار کے عظیم علم و قدرت کی شناخت کے لیے کافی تھا۔

باقی رہی "زبان" تو وہ انسان کے لیے دوسرے انسان سے ارتباط، اور ایک قوم سے دوسری قوم، اور ایک نسل سے دوسری نسل کی طرف اطلاعات و معلومات کے نقل ہونے، اور مبادلہ کا ایک اہم ترین ذریعہ ہے۔ اور اگر یہ ارتباط کا ذریعہ نہ ہوتا تو انسان ہرگز بھی علم و دانش اور مادی تمدن اور معنوی مسائل میں اس حد تک ترقی نہ کر سکتا۔

باقی رہے "لب" تو "اولا" بول چال میں ان کا بہت بڑا حصہ ہے کیونکہ بہت سے حروف لبوں ہی کے ذریعے ادا ہوتے ہیں۔ اس کے علاوہ ہونٹ کے چلنے، اور منہ کی رطوبت کو محفوظ رکھنے اور پانی کے پینے میں بہت زیادہ مدد کرتے ہیں، اور اگر یہ نہ ہوتے تو انسان کے کھانے پینے کا مسئلہ، یہاں تک کہ اس کے چہرہ کا منظر، اس کے لعاب و دہن کے باہر کی طرف بہنے کی وجہ سے، اور بہت سے حروف کی ادائیگی پر قدرت نہ رکھنے کی بنا پر افسوس ناک ہوتا۔

اور چونکہ حقائق کا ادراک پہلے درجہ میں آنکھ اور زبان سے ہوتا ہے۔ ان کے بعد "حقل" اور فطری ہدایت آتی ہے، یہاں تک کہ آیت کی تعبیر "ہدایت تشریعی" کو بھی جو انبیاء و اولیاء کے ذریعے ہوتی ہے شامل ہے۔

ہاں! اس نے دیکھنے والی آنکھ اور زبان کو بھی انسان کے اختیار میں رکھا ہے، اور "ماہ اور پناہ" کی بھی اسے نشان دہی کر دی ہے۔
"تا آدمی شگاہ کند پیش پائے غریب" تاکہ انسان اپنے سامنے کی ہر چیز کو دیکھ لے۔
لیکن ان روشن چراغوں کے باوجود، جو اس کے راستے میں موجود ہیں، اگر پھر بھی کوئی راستہ سے ہٹ جاتا ہے تو پھر کتنا چاہیے،
"بگذارتا بینند و میند سزای غریب" اُسے گرنے دو تاکہ وہ اپنی سزا پالے۔

"وہدیناہ الذجدین" زہم نے اُسے بھلائی اور بُرائی کے دونوں راستے دکھا دیے) کا جملہ علاوہ اس کے کہ وہ انسان کے ارادہ کی آزادی اور اختیار کے مسئلہ کو بیان کرتا ہے، اس بات کی طرف توجہ کرتے ہوئے کہ "نجد" اُوچی جگہ کو کہتے ہیں لہذا یہ اس بات

طے یہ تفسیر ایک حدیث میں امیر المؤمنین علیؑ سے نقل ہوئی ہے (یعنی البیان زیر بحث آیات کے ذیل میں) اور یہ جو بعض نے ماں کے دو پستانوں سے جو سینہ پُر اُبھرے ہوئے ہوتے ہیں تفسیر ہے، بہت ہی عجیب و غریب نہیں ہے۔ "نجد" کی تعبیر خیر کے بارے میں اس کی حکمت کی وجہ سے ہے اور شر کے بارے میں باپ تغلیب سے ہے۔

کی طرف اشارہ ہے کہ خیر اور بھلائی کی راہ کو طے کرنا مشکلات، زحمت اور رنج سے خالی نہیں ہے، جیسا کہ اونچی زمینوں کی طرف جانا مشکل ہے یہاں تک کہ شر اور بُرائی کی راہوں کو طے کرنا بھی مشکلات رکھتا ہے۔ لہذا کیسی اچھی بات ہے کہ انسان سب سے دگرگشت سے خیر کی راہ کو اختیار کرے۔

لیکن اس کے باوجود راستہ کا انتخاب کرنا خود انسان کے اختیار میں ہے۔ یہ وہی ہے جو اپنی آنکھ اور زبان کو حلال یا حرام کے راستہ میں گردش دے سکتا ہے اور خیر و شر کی دونوں راہوں میں سے جسے چاہے انتخاب کر سکتا ہے۔

لہذا ایک حدیث میں پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے موسیٰ ہے خداوند تعالیٰ آدم علیہ السلام کی اولاد سے کہتا ہے:

”یا بن آدم! ان نازعك لسانك فيما حرمت عليك فقد اعنتك عليه بطبقتين

فاطبق فان نازعك بصوتك الى بعض ما حرمت عليك فقد اعنتك عليه

بطبقتين فاططبق“

”اے اولاد آدم! اگر تیری زبان تجھے کسی فعل حرام پر ابھارنا چاہے، تو میں نے اُسے

روکنے کے لیے دو ہونٹ تیرے اختیار میں دیے ہیں۔ پس تو ہونٹوں کو بند کر کے

اور اگر تیری آنکھ تجھے حرام کی طرف لے جانا چاہے تو میں نے پلکیں تیرے اختیار

میں دے دی ہیں تو انہیں بند کر کے۔“

اس طرح سے خدا نے ان عظیم نعمتوں پر کنٹرول کے وسائل و ذرائع بھی انسان کے اختیار میں دیے ہیں اور یہ ایک اور اس کا عظیم

لطف ہے۔

قابلِ توجہ بات یہ ہے کہ اوپر والی آیات میں زبان کے بارے میں تو لبوں کی طرف اشارہ ہوا ہے، لیکن آنکھوں کے بارے

میں پلکیں کی طرف اشارہ نہیں ہوا۔ اس کے ظاہر و اسباب میں، ایک تو یہ ہے کہ لبوں کا کام بات کرنے، کھانا کھانے اور تمام پہلوؤں

میں پلکیں کی نسبت آنکھوں کے لیے کام کرنے سے کئی گنا زیادہ ہے، اور دوسرا سبب یہ ہے کہ زبان کا کنٹرول کرنا آنکھ کے کنٹرول

سے کئی درجے زیادہ اہم ہے، اور زیادہ سخت سزا ہے۔

چند نکات

۱۔ آنکھ کی حیرت انگیزیاں

آنکھ کو عام طور پر کمرے کی دُور ہیں سے تشبیہ دیتے ہیں، جو اپنی بہت ہی چھوٹی سی پتلی کے ساتھ مختلف مناظر کے فوٹو اتنی

ایسی تصویریں جو فلم کی بجائے ”شبکیہ چشم“ (آنکھ کی سکرین) پر منعکس ہوتی ہیں اور وہاں سے بینائی کے اعصاب کے ذریعے دماغ میں

منتقل ہوتی ہیں۔

۷۔ بعض اوقات ہم روشنی سے تاریکی کی طرف جلتے ہیں، یا بجلی کے بلب اچانک بجھ جاتے ہیں، تو ہم اس وقت کسی چیز کو نہیں دیکھ سکتے، لیکن چند ہی لمحے گزر جانے کے بعد ہماری آنکھ خود کار طور پر اپنی کیفیت کو اس کمزور روشنی کے ساتھ منطبق کر لیتی ہے، اس طرح سے کہ جب ہم اپنے ارد گرد کو نظر کرتے ہیں کہ ہماری آنکھ تاریکی کی عادی ہو گئی ہے اور یہ عادت والی تعبیر جو ساڈو اور عام زبان

میں ادا ہو جاتی ہے۔ ایک بہت ہی پیچیدہ مکالمہ (طرز ساخت) کا نتیجہ ہے جو آنکھ میں لگی گئی ہے، اور وہ خود کو بہت ہی مختصر سے وقت میں نئے حالات پر منطبق کر سکتی ہے۔

اس کے برخلاف جب ہم تاریکی سے روشنی میں داخل ہوتے ہیں تو اس کے برعکس ہوتا ہے۔ یعنی ابتدا میں ہماری آنکھ قوی روشنی کو برداشت نہیں کرتی، لیکن چند لمحات کے بعد وہ اس سے منطبق ہو جاتی ہے اور اصطلاح کے مطابق عادی ہو جاتی ہے لیکن یہ امور تصویر بنانے والے کیمروں میں ہرگز موجود نہیں ہیں۔

۸۔ تصویر بنانے والے کیمرے محض دو فضا سے تصویر بنا سکتے ہیں جب کہ انسان کی آنکھ تمام افق کا نیم دائرہ جو اس کے سامنے ہوتا ہے دیکھ لیتی ہے، اور دوسرے نقطوں میں ہم اپنے اطراف کے تقریباً ۱۸۰ درجے کے دائرے کو دیکھ لیتے ہیں، جب کہ تصویر کشی کا کوئی کیمرہ ایسا نہیں ہے۔

۹۔ عجیب و غریب بات یہ ہے کہ انسان کی دونوں آنکھیں جن میں سے ہر ایک ایک مستقل مشین ہے، اس طرح منتقل ہوتی ہیں کہ ان دونوں سے لیے گئے فوٹو ایک ہی نقطہ پر جا کر پڑتے ہیں۔ اس طرح سے اگر یہ تنظیم تھوڑی سی بھی خراب ہو جائے تو انسان اپنی دو آنکھوں سے ایک ہی جسم کو دو جسم دیکھتا ہے، جیسا کہ احوال (جسے دو دو نظر آتے ہوں) اشخاص میں یہ معنی مشاہدہ ہوتا ہے۔

۱۰۔ دوسرا قابل غور نکتہ یہ ہے کہ وہ تمام مناظر جن کی آنکھ تصویر کشی کرتی ہے آنکھ کی سکین پر اسلٹ پڑتے ہیں، حالانکہ ہم کسی چیز کو اٹا نہیں دیکھتے، آنکھ کے عداد اور چیزوں کی ایک دوسرے سے نسبت کو محفوظ رکھنے کی بنا پر ہے۔

۱۱۔ آنکھ کی سطح ہمیشہ مرطوب ہوتی چاہیے، کیونکہ اگر وہ چند ساعت بھی خشک نہ جائے تو اس پر شدید ضرب پڑے۔ یہ ضرورت ہمیشہ آنسوؤں کے خدو دھل سے حاصل ہوتی ہے جو آنکھ میں ایک طرف سے وارد ہوتے ہیں اور بہت ہی باریک اور لطیف رگوں سے، جو آنکھوں کے کناروں پر ہوتی ہیں، باہر نکلتے ہیں اور ناک کی طرف منتقل ہو جاتے ہیں اور اُسے بھی مرطوب رکھتے ہیں۔

اگر آنکھ کے خدو خشک ہو جائیں تو آنکھ خطرے میں پڑ جاتی ہے اور بالکل کی حرکت غیر ممکن ہو جاتی ہے، اور اگر اس کا فعل حد سے زیادہ بڑھ جائے تو ہمیشہ چہرے پر آنسو بہتے رہیں، یا اگر آنکھ کے فاضل پانی کو خشک کرتے رہیں اور یہ کتنا بڑا درد سحر ۱۲۔ آنسوؤں کی ترکیب ایک پیچیدہ ترکیب ہے، اور اس میں دس سے زیادہ عناصر ہوتے ہیں اور وہ مجموعاً آنکھ کی نگہداشت کے لیے ایک بہترین اور مناسب ترین مائع یا مرکب ہوتا ہے۔

مختصر یہ ہے کہ آنکھ کے عجائبات اس قدر زیادہ ہیں کہ ان کے بارے میں کسی دن تک بیٹھ کر گفتگو کرنے کی ضرورت ہے، اور ان کیلئے کئی کتابیں لکھی پڑیں، اور ان تمام چیزوں کے باوجود اگر ہم اس کے اصلی مادہ کو دیکھیں تو وہ تقریباً چربی کے ایک ٹکڑے سے زیادہ نہیں ہے۔

امیر المؤمنین علی علیہ السلام اپنی ایک قابل قدر گفتگو میں فرماتے ہیں :

”اعجبوا لهذا الانسان ينظر بشعر، ويتكلم بلحم، ويسمع بعظم“

”وینفسم من لحم!“

”عجب ہے اس انسان پر جو چربی کے ایک ٹکڑے سے دیکھتا ہے، اور گوشت کے ایک ٹکڑے

سے برکت ہے بڑی سے سُنتا ہے سُورخ سے سانس لیتا ہے اور وہ ان بزرگ
حیاتی کاموں کو ان پھرٹے سے وسائل کے ذریعے انجام دیتا ہے۔

۲. زبان کی حیرت انگیزیاں

زبان بھی اپنی جگہ پر انسانی بدن کے بہت ہی حیرت انگیز اعضاء میں سے ہے اور اس کے ذائقے بہت ہی سخت ذائقہ دار ہیں وہ غذا کو چلنے میں مدد دینے کے علاوہ اس کو چبانے میں بھی اہم کام انجام دیتی ہے، اور بار بار غذا کے ٹکڑوں کو دانتوں کی ہتھوڑی کے نیچے دھکیلتی رہتی ہے، لیکن اس کام کو اتنے ہارنہ انداز میں انجام دیتی ہے کہ اپنے آپ کو دانتوں کی ضربوں سے محفوظ رکھتی ہے، حالانکہ ہمیشہ ان کے پاس اور ان سے چھٹی ہوئی رہتی ہے۔

بعض اوقات اتفاقیہ طور پر کھانے کو چباتے وقت ہم اپنی زبان کو بھی چھالیتے ہیں تو ہماری پیچ نکل جاتی ہے اور ہم یہ بات سمجھ جاتے ہیں کہ اگر زبان میں وہ مہارت نہ ہوتی تو ہم پر کتنی مصیبت آن پڑتی۔

ضمنی طور پر غذا کھانے کے بعد منہ کی نفاذ اور دانتوں کو پاک و صاف کرتی اور بھلاؤ دیتی ہے۔

اور ان سب کاموں سے زیادہ اہم بات کرنے کا مسئلہ ہے، جو زبان کی تیزی کے ساتھ منظم طور پر پے درپے حرکات اور پیچ و تنوں میں حرکت کرنے سے انجام پاتا ہے۔

قابل توجہ بات یہ ہے کہ خدا نے بات کرنے اور حکم کے لیے ایک ایسا وسیلہ انسانوں کے اختیار میں دیا ہے جو بہت ہی سہل اور آسان، اور سب کی دسترس میں ہے، نہ کچھ ٹھکانا ہوتی ہے اور نہ ہی رنج و ملال حاصل ہوتا ہے، اور نہ ہی کچھ خرچ ہوتا ہے۔

اور اس سے بھی زیادہ عجیب بات انسان میں گفتگو کرنے کی استعداد کا مسئلہ ہے، جو انسان کی روح میں ودیعت کر دیا گیا ہے اور انسان اپنے طرح طرح کے حصے زیادہ مقاصد کو بیان کرنے کے لیے بے حد مختلف مقررہ ہیں زیادہ سے زیادہ جملہ بندیاں کر سکتا ہے۔ اور اس سے بھی زیادہ اہم، مختلف زبانوں کی وضع کی استعداد ہے، اور ان ہزاروں زبانوں کے مطالعہ سے جو دنیا میں موجود ہیں اس کی اہمیت واضح ہو جاتی ہے، "وَاتقوا العظمتہ للہ الواحد القہاس!" (عظمت و بزرگی واحد و تبار خدا کے لیے ہی ہے)

۳. نجدین کی طرف ہدایت

"نجر" جیسا کہ ہم نے بیان کیا ہے، بلندی یا بلند سرزمین کے معنی میں ہے اور یہاں "خیر" و "شر" کی راہ مراد ہے۔ ایک حدیث میں پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے آیا ہے کہ آپ نے فرمایا:

"یا ایہا الناس! مع نجدان، نجد الخیر ونجد الشر فما جعل نجد الشر احب الیکم من نجد الخیر؟"

"اے لوگو! دو بلند سرزمینیں موجود ہیں، خیر کی سرزمین اور شر کی سرزمین، اور شر کی سرزمین

تمہارے لیے خیر کی سرزمین سے ہرگز زیادہ محبوب قرار نہیں دی گئی۔

اس میں شک نہیں کہ "تکلیف" اور مسئولیت، معرفت و آگاہی کے بغیر ممکن نہیں ہے۔ اور اوپر والی آیت کے مطابق خدا نے یہ آگاہی انسانوں کے اختیار میں دے دی ہے۔

یہ آگاہی تین طریقوں سے انجام پاتی ہے :

۱۔ عقلی اور احکامات اور استدلال کے طریق سے ،

۲۔ فطرت و وجدان کے طریق سے، جس میں استدلال کی ضرورت نہیں ہوتی ،

۳۔ وحی اور انبیاء و اوصیاء کی تعلیمات کے طریق سے۔ اور مکمل کی راہ کو طے کرنے کے لیے انسان کو جن چیزوں کی ضرورت

ہوتی ہے، ان کی خدا نے ان تین طریقوں میں سے کسی ایک سے یا بہت سے موارد میں ان تینوں ہی طریقوں سے اسے تعلیم دی ہے۔

قابل توجہ بات یہ ہے کہ اس حدیث میں اس بات کی تصریح ہوئی ہے کہ ان دونوں راستوں میں سے کسی ایک کا طے کرنا انسان کی

طبیعت اور مزاج کے لیے دوسرے سے زیادہ آسان نہیں ہے۔ اور یہ بات حقیقت میں اس عمومی تصور کی کہ انسان برائیموں کی طرف زیادہ

میلان رکھتا ہے اور شر کے راستے کو طے کرنا اس کے لیے زیادہ آسان ہے، نفی کرتی ہے۔

اور سچی بات یہ ہے کہ اگر غلط تربیتیں اور فاسد ماحول نہ ہو تو انسان کو نیکیوں کے ساتھ نگاہ اور محبت زیادہ ہوتی ہے۔ اور شاید "نہر"

(بلند سرزمین) کی تعبیر نیکیوں کے بارے میں اسی بنا پر ہے، کیونکہ بلند زمینیں بہتر اور زیادہ عمدہ فضا رکھتی ہیں، اور شرور کے بارے میں تکلیف

Presented by: <https://jafrilibrary.com/>

کی بنا پر ہے۔

بعض نے یہ بھی کہا ہے کہ یہ تعبیر خیر و شر کے راستے کے ظاہر نمایاں اور آشکار ہونے کی طرف اشارہ ہے، جس طرح سے مرتفع اور

بلند سرزمین مکمل اور پورے طور پر نمایاں ہوتی ہے۔

♦

♦

♦

- ۱۱۔ فَلَا اقْتَحَمَ الْعَقَبَةَ ۝
- ۱۲۔ وَمَا أَدْرَاكَ مَا الْعَقَبَةُ ۝
- ۱۳۔ فَكُّ رَقَبَةٍ ۝
- ۱۴۔ أَوْ اطْعَمْتُ يَوْمَ ذِي مَسْفَةِ ۝
- ۱۵۔ يَتِيمًا ذَا مَقْرَبَةٍ ۝
- ۱۶۔ أَوْ مِسْكِينًا ذَا مَتْرَبَةٍ ۝
- ۱۷۔ ثُمَّ كَانَ مِنَ الَّذِينَ آمَنُوا وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ ۝
- ۱۸۔ وَتَوَاصَوْا بِالْمَرْحَمَةِ ۝
- ۱۹۔ أُولَئِكَ أَصْحَابُ الْمَيْمَنَةِ ۝
- ۲۰۔ وَالَّذِينَ كَفَرُوا بَايَعْنَا هُمْ أَصْحَابُ الشُّمُوءِ ۝
- ۲۱۔ عَلَيْهِمْ نَارُ مُؤَصَّدَةٍ ۝

ترجمہ

- ۱۱۔ لیکن وہ (نا شکرا انسان) اس اہم گھاٹی سے اُدھر نہیں گیا۔

- ۱۲۔ اور تجھے کیا معلوم کہ وہ گھائی کیا ہے ؟
- ۱۳۔ غلام کو آزاد کرنا ہے ۔
- ۱۴۔ یا بھوک کے دن کھانا کھلانا ہے ۔
- ۱۵۔ رشتہ داروں میں سے کسی یتیم کو ۔
- ۱۶۔ یا خاک پر پڑے ہوئے مسکین کو ۔
- ۱۷۔ پھر اسے ایسے لوگوں میں سے ہونا چاہیے جو ایمان لائے ہیں اور جو ایک دوسرے کو صبر و شکیبائی اور رحم کرنے کی وصیت کرتے ہیں ۔
- ۱۸۔ وہ اصحاب الیمین ہیں (اور ان کے نامہ اعمال کو ان کے دائیں ہاتھ میں دیں گے) ۔
- ۱۹۔ اور جن لوگوں نے ہماری آیات کا انکار کر دیا ، وہ شوم اور بد بخت لوگ ہیں اور ان کا نامہ اعمال ان کے بائیں ہاتھ میں دیا جائے گا ۔
- ۲۰۔ ان کو آگ نے ہر طرف سے گھیر رکھا ہے ، (جس سے بھاگنے کی کوئی راہ نہیں ہے) ۔

تفسیر دُشوار گزار گھائی

ان عظیم نعمتوں کا ذکر کرنے کے بعد ، جو رشتہ آیات میں آئی تھیں ، زیر نظر آیات میں نا شکر گزار بندوں کو سہولت و سرفراز قرار دیتا ہے ، کہ ان تمام وسائل سعادت کے ہوتے ہوئے انہوں نے نجات کی راہ کیوں ملے نہیں کی ، پہلے فرماتا ہے :-

”یہ نا شکرا انسان اس عظیم گھائی سے اُدھر نہیں گیا : (فَلَاقَتْهُمُ الْعُقُوبَةُ)“

اس بارے میں کہ یہاں عقبہ سے کیا مراد ہے ، بعد والی آیات اس کی تفسیر کرتی ہیں ۔

۱۔ ظاہر یہ ہے کہ اس جملہ میں ”لا“ ”نافیہ“ اور ”تخبیہ“ ہے اور یہ جو بعض نے اسے لغزین یا استفہام کے معنی میں سمجھا ہے بہت بعید نظر آتا ہے ۔

وہ دواہر احراض جو یہاں موجود ہے یہ ہے کہ جب فعل ماضی پر ”لا“ آتا ہے تو عام طور پر اس کا تکرار ہوتا ہے ، جیسا کہ شہد قیامت کی آیت ۳۱ میں آیا ہے (باقی اگلے صفحہ)

فرماتا ہے: "تو نہیں جانتا وہ گھائی کیا ہے؟" (وما ادريك ما للعقبة)۔
 "غلام کو آزاد کرنا ہے" (فك رقبة)۔

"یا جوگ کے دن کھانا کھانا ہے" (او اطعم في يوم ذي منية)۔
 "قریبوں میں سے کسی یتیم کو" (یتیمًا ذا مقربة)۔
 "یا خاک پر پڑے ہوئے مسکین کو" (او مسكينًا ذا مقربة)۔

اس طرح یہ دُشوار گزار گھائی جس سے گزرنے کے لیے ناشکرے انسانوں نے ہرگز خود کو تیار نہیں کیا ہے، اعمال خیر کا ایک ایسا مجموعہ ہے جو ارادی طور پر خدمتِ خلق اور کردارِ اعلیٰ کی مدد کرنے کے گرد گھومتا ہے، اور ان صحیح اور اعلیٰ مقاصد کا مجموعہ بھی ہے جن کی طرف بعد والی آیات میں اشارہ ہوا ہے۔

اور سچ تو یہ ہے، کہ اس شدید لگاؤ کو دیکھتے ہوئے، جو عام طور سے لوگ مال و ثروت کے ساتھ رکھتے ہیں، اس دُشوار گزار گھائی سے گزرنے کوئی آسان کام نہیں ہے۔

اسلام اور ایمان صرف دعویٰ اور باتوں سے حاصل نہیں ہوتے بلکہ ہر مومن مسلمان کے سامنے ایسی دُشوار گزار گھائیاں ہیں جن سے یکے بعد دیگرے، حل و قہر خدا اور نوح ایمان و اخلاص سے مدد طلب کرتے ہوئے گزرنا پڑتا ہے۔

بعض نے یہاں "عقبہ" کی تفسیر ہوائے نفس کے معنی میں کی ہے، جس سے ہمارے کرنے کو "پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے، مشہور حدیث کے مطابق، "جہاد اکبر" کا نام دیا ہے۔

البتہ اس بات کی طرف توجہ کرتے ہوئے کہ یہاں آیات نے "عقبہ" کی تفسیر کی ہے تو اس تفسیر سے مراد اس طرح ہونا چاہیے کہ اصلی گھائی ہوائے نفس کی گھائی ہے، لیکن غلاموں کو آزاد کرنا، اور مسکینوں کو کھانا کھانا، اس سے مبارزہ کرنے کے واضح مصادیق ہیں۔ بعض دوسرے مفسرین نے یہ کہا ہے کہ اس "عقبہ" سے مراد قیامت میں ایک دُشوار گزار گھائی ہے، جیسا کہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ایک حدیث میں آیا ہے:

"ان امامك عقبه كؤدا لا يجوزها الشقلون، وانا اريد ان اخفف عنك لتلك العقبة"۔

"تمہارے سامنے ایک دُشوار گزار گھائی ہے، جس سے ہماری بوجھ والے نہیں گزر سکیں گے، اور میں چاہتا ہوں کہ اس گھائی سے عبور کرنے کے لیے تمہارے بوجھ کو ہلکا کر دوں"۔

اچھے صوفیاء حاشیہ، فلا صدق ولا صلی: (نہ تو اس نے صدقہ دیا اور نہ ہی نماز پڑھی) جبکہ زیر بحث آیت میں "لا" کا تکرار نہیں ہوا، لیکن جیسا کہ مرقم "طبری" نے مجمع البیان میں نقل کیا ہے کہ بعض اوقات یہ تکرار کے بغیر بھی استعمال ہوتا ہے، قرطبی نے اپنی تفسیر میں بعض عربی ادب کے بزرگوں سے نقل کیا ہے کہ اگر "لا" "لہ" کے معنی میں ہو تو ہر تکرار کی ضرورت نہیں ہے، یہ احتمال بھی دیا ہے کہ یہاں تکرار ہوا ہے: فلا اقترح العقبة ولا فك رقبة ولا اطعم في يوم ذي منية۔

البتہ یہ حدیث جو پیغمبر سے نقل ہوئی ہے زیر بحث آیت کی تفسیر کے عنوان سے نہیں ہے، لیکن مفسرین نے اس سے یہی سمجھا ہے، لیکن ایسا سمجھنا اس تفسیر کی طرف توجہ کرتے ہوئے جو صراحت کے ساتھ آیات میں آئی ہے، مناسب و مکافی نہیں دیتا، مگر یہ کہ مراد یہ ہو کہ قیامت کی دشواری گزار گھائیاں اس جہان کی سختی اور سنگین اطاعتوں کا ختم ہیں، اور ان سے عبور کرنا ان اطاعتوں سے عبور کرنے کی فرع ہے (غور کیجئے)۔

یہاں پر "اقتصاص" کی تفسیر جو "اقتصاص" کے مادہ سے ہے، قابل توجہ ہے، جو اصل میں سختی اور خوفناک کام میں داخل ہونے کے معنی میں ہے، (مفردات راجع) یا کسی چیز میں داخل ہونا یا اس کے پاس سے شدت و مشقت سے گزرنا ہے (تفسیر کشاف) اور یہ چیز بتاتی ہے کہ اس گھائی سے گزرنا کوئی آسان کام نہیں ہے۔ اور یہ اس بات پر ایک تاکید ہے جو سورہ کے آغاز میں آئی ہے، جس میں فرمایا ہے: "ہم نے انسان کو دکھ اور تکلیف میں پیدا کیا ہے، اور اس کی زندگی بھی دکھ درد اور رنج و تکلیف سے قائم ہے، اور پروردگار کی اطاعت کرنا بھی بہر حال کوئی آسان کام نہیں ہے۔"

امیر المؤمنین علی علیہ السلام کے ایک ارشاد میں آیا ہے:

"ان الجنة حفت بالمكاره وان النار حفت بالمشومات"

نبے فک جنت سختیوں کے درمیان گھری ہوئی ہے، اور دوزخ مشومات کے درمیان گھری ہوئی ہے۔

Presented by: <https://jafrilibrary.com>

چند قابل توجہ نکات

۱۔ "فک رقبة" سے مراد ظاہراً وہی غلاموں کو آزاد کرنا ہے۔

ایک حدیث میں آیا ہے کہ ایک اعرابی پیغمبر کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی، اے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مجھے کوئی ایسا عمل تعلیم کیجئے کہ جو مجھے جنت میں داخل کرے، آپ نے فرمایا:

"ان كنت اقصرت الخطبة لقد عرضت المسألة"

• اگرچہ ٹوٹنے بات تو مختصر کی ہے، لیکن ایک بہت بڑے مطلب کا سوال کیا ہے۔ (یا

یہ کہ اگرچہ ٹوٹنے مختصر سی بات کی ہے، لیکن ٹوٹنے اپنے مقصود کو اچھی طرح سے بیان کیا ہے)

اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

"اعتق النعمة وفك رقبة"

• غلاموں کو آزاد کر اور مردوں کو (طوق غلامی سے) رہائی دے۔

راوی سوال کرتا ہے، کیا یہ دونوں چیزیں ایک ہی نہیں ہیں؟

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

"نہیں! پہلے سے میری مراد یہ ہے کہ تو غلام کو مستقل طور پر آزاد کر دے، اور دوسرے سے

میری مراد یہ ہے کہ تو اس کی قیمت کی ادائیگی میں امداد کرے تاکہ وہ آزاد ہو جائے۔
اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مزید فرمایا :

”والنبي وعلى ذى الرحم والظالم، فان لم يكن ذاك فاطعم الجائع، واسق
الظمآن، وامر بالمعروف، وانه عن المنكر، فان لم تطق فالك فلك لسانك
الامن الخير“۔

”ان رشتہ داروں کی طرف جنہوں نے تجھ سے قلع رچی کی ہے اور تجھ پر ظلم کیا ہے، لوٹ جا۔
(اور ان سے نیکی کر) اور اگر اس قسم کا کام ممکن نہ ہو تو پھر بھوکوں کو کھانا کھلا اور پیاسوں کو پانی پلا،
اور امر بالمعروف اور نہی از منکر کر اور اگر تجھ میں اس کام کے کرنے کی بھی طاقت نہیں ہے تو کم از کم
اپنی زبان نیکی کے علاوہ کسی چیز کے لیے نہ کھول، نہ“

۲۔ بعض مفسرین نے ”فك رقبة“ کو، اپنی گردن کو گناہوں کے بارے سے توبہ کے ذریعے آزاد کرنے، یا خود کو اطاعتوں کے ذریعے
عذاب الہی سے آزاد کرنے کے معنی میں سمجھا ہے، لیکن ان آیات کی طرف توجہ کرتے ہوئے جو اس کے بعد آئی ہیں، اور یتیم و مسکین کے بارے
میں وصیت کر رہی ہیں، ظاہراً اس سے مراد وہی غلاموں کو آزاد کرنا ہی ہے۔

۳۔ ”مسغبة“ مسغب (بروزان غصب) کے مادہ سے بھوک کے معنی میں ہے، اس بنا پر ”یوم ذی مسغبة“ بھوک کے
دن کے معنی میں ہے، اگرچہ بھوکے افراد انسانی معاشروں میں رہتے ہیں لیکن یہ تعبیر تھوڑی سی اور خشک سالی اور اسی قسم کے دنوں میں کھانا کھلانے
کی ایک تاکید ہے، جو اس موضوع کی اہمیت کی بنا پر ہے، ورنہ تو بھوکوں کو کھانا کھانا ہمیشہ افضل اعمال سے رہا ہے اور ہے۔

ایک حدیث میں پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے آیا ہے :

”من اشبع جائعاً في يوم مغب اذخله الله يوم القيامة من باب من ابواب

الحق لا يدخلها الا من فعل مثل ما فعل“۔

”جو شخص کسی بھوکے کو قحط کے دنوں میں پیٹ بھر کر کھانا کھلائے گا تو خدا اس کو قیامت میں

جنت کے دروازوں میں سے اس دروازے سے داخل کرے گا جس سے کوئی دوسرا داخل

نہیں ہوگا سوائے اس شخص کے جس نے اس جیسا عمل انجام دیا ہوگا۔

۴۔ ”مقربة“ قربت اور رشتہ داری کے معنی میں ہے اور یتیم رشتہ داروں کے بارے میں تاکید بھی ان کی اولیت کی بنا پر ہے، ورنہ
تمام یتیموں کو کھانا کھلانا اور ان پر نازش کرنا چاہیے۔ یہ چیز اس بات کی نشان دہی کرتی ہے کہ رشتہ دار اپنے خاندان کے یتیموں کے بارے میں زیادہ
سخت دسمداری رکھتے ہیں۔

اس سے قطع نظر وہ غلط فائدے جو خاص طور پر اس زمانے میں رشتہ دار یتیموں کے احوال سے اٹھائے جاتے تھے، قافلاً کرتے ہیں کہ

اس دُشوار گزار گھاٹی کے بارے میں ایک خاص قسم کی تفسیر کی جائے۔ ابو الفتح رازی کا نظریہ یہ ہے کہ مقربہ "قرابت کے مادہ سے ہیں جہ بجز قرب کے مادہ سے ہے اور ایسے قریبوں کی طرف اشارہ ہے جن کے پہلو جھوک کی شدت سے ایک دوسرے سے چپٹے ہوئے ہیں لیکن یہ تفسیر یوں ہے کہ:

۵۔ "مترتبة" مصدر سے ہے "ترب" (بروزن طرب) کے مادہ سے جو اصل میں "تراب" بمعنی "خاک" سے لیا گیا ہے۔ اور اس شخص پر بولا جاتا ہے جو فقر و فاقہ کی شدت کی بنا پر خاک نشین ہو گیا ہو۔ پھر یہاں یہ تاکید اس قسم کے مساکین کے لیے ان کی اولیت کی بنا پر ہے وہ تمام مساکین کو کھانا کھانا اعمالِ حسنہ میں سے ہے۔

ایک حدیث میں آیا ہے :

"امام علی بن موسیٰ رضا علیہ السلام جب کھانا کھانا چاہتے تھے تو یہ حکم دیتے تھے کہ ایک بہت بڑی سینی دسترخوان کے پاس رکھ دی جائے، اور دسترخوان پر جتنے کھالے ہوتے تھے ان میں سے بہترین کھانا اٹھا کر اس سینی میں ڈال دیتے تھے، اور پھر یہ حکم دیتے تھے کہ وہ حاجت منظر کو دے دیں۔ پھر آپ اس آیت کی تلاوت فرماتے : فلا اقتحم العقبة ... اس کے بعد مزید فرماتے : خداوند تعالیٰ جاننا تھا کہ سب لوگ غلاموں کو آزاد کرنے پر قادر نہیں ہیں لہذا اپنی بہشت کی طرف ایک اور راستہ بھی قرار دیا ہے۔"

بعد والی آیت میں اس تفسیر کو جاری رکھتے ہوئے اس دُشوار گزار گھاٹی کے لیے یہاں فرمایا ہے، مزید کتابہ "پھر وہ ایسے لوگ ہیں جو جو ایمان لائے ہیں، اور ایک دوسرے کو صبر و استقامت اور رحم کرنے کی وصیت کرتے ہیں؟ (شعور کان من الذین آمنوا وتواصوا بالصبر وتواصوا بالمرحمة)۔

اس طرح سے وہ لوگ اس دُشوار گزار گھاٹی سے عبور کر لیں گے جو صاحبِ ایمان بھی ہوں اور صبر کی دعوت کرنے اور عواطفِ انسانی جیسے اعلیٰ اخلاق بھی رکھتے ہوں اور انہوں نے غلاموں کو آزاد کرنے اور یتیموں اور مسکینوں کو کھانا کھانے جیسے اعمالِ صالح بھی انجام دیئے ہوں یا دوسرے لفظوں میں وہ عین میدانوں، ایمان، اخلاق اور عمل میں قدم رکھیں اور اس سے سر بلند و سرفراز ہو کر نکلیں۔ یہی ہیں وہ لوگ جو اس قسم کی دُشوار گزار گھاٹی کو عبور کر لیں گے۔

"شعور" (بعد کی تفسیر ہمیشہ ہی تاخیر زمانی کے معنی میں نہیں ہوتی کہ اس کلام کا لازمیہ ہو کہ پہلے کھانا کھائیں اور اخفاق کریں اور اس کے بعد ایمان لائیں، بلکہ اس قسم کے موارد میں۔ جیسا کہ مفسرین کی ایک جماعت نے تصریح کی ہے۔ مقام کی برتری کے بیان کیلئے کیونکہ سطر طور پر ایمان کا ترتیب اور صبر و مرحمت کی وصیت کرنے کا مرتبہ، حاجت منظر کی مدد کرنے کے مرتبہ سے بالاتر ہے، بلکہ اعمالِ صالح کا سرچشمہ ایمان اور اخلاق ہی ہیں، اور ان سب کی جڑ بنیاد اعتقادات اور اعلیٰ اخلاق میں ہی تلاش کرنا چاہیے۔

بعض نے یہ احتمال بھی دیا ہے کہ "شعور" یہاں تاخیر زمانی کے معنی میں ہے، کیونکہ بعض اوقات اعمالِ صالح ایمان کی طرف جھکاؤ کا سرچشمہ بن جاتے ہیں اور خاص طور پر اخلاق کی بنیادوں کو محکم کرنے میں مؤثر واقع ہوتے ہیں، کیونکہ انسان کا خلق و خو پہلے "فعل" کی صورت میں،

ہوتا ہے، اس کے بعد حالت کی صورت میں اور پھر عادت بن جاتا ہے اور اس کے بعد وہ ایک مکہ کی صورت اختیار کر لیتا ہے۔
 "تواصلاً" کی تفسیر جس کا مفہوم ایک دوسرے کو وصیت اور سفارش کرنا ہے، ایک اہم حکمت اپنے اندر لیے ہوئے ہے اور وہ یہ ہے کہ پروردگار کی اطاعت کی راہ میں صبر و استقامت اور ہوائے نفس سے مبارزہ و مقابلہ جیسے اہم مسائل اور اسی طرح اصل محبت و رحمت کو تقویت دینا معاشرے میں انفرادی صورت میں نہیں ہونے چاہئیں، بلکہ اسے ایک عمومی صورت میں سارے معاشرے میں جاری ہونا چاہیے، اور سب افراد ہی ایک دوسرے کو اس اصول کی رعایت و حفاظت کرنے کی وصیت کریں تاکہ اس طریقہ سے اجتماعی تعلقات اور زیادہ محکم سے محکم ہوں۔

بعض نے کہا ہے کہ "صبر" یہاں قربانِ خدا کی اطاعت میں استقامت اور اس کے احاس میں اہتمام کرنے کے معنی میں ہے اور "رحمت" مخلوقِ خدا کے لیے محبت کی طرف اشارہ ہے، اور ہم جانتے ہیں کہ خالق و مخلوق سے ارتباط ہی دین کی اساس و بنیاد ہے۔ بہر حال میری ہمت ہی ہر قسم کی اطاعت و بندگی اور گناہ و عصیان کے ترک کرنے کی اصل و بنیاد ہے۔
 اور ان اوصاف کے آخر میں ان اوصاف کے حاملین کے مقام کو اس طرح بیان فرماتا ہے: "وہ اصحابِ یحییٰ ہیں" (اولیٰ عین اصحاب الیمینۃ)۔

اور ان کا نام اعمال بارگاہِ خداوندی میں مقبول ہونے کی نشانی اور علامت کے طور پر ان کے بائیں ہاتھ میں دیا جائے گا۔
 یہ احتمال بھی دیا گیا ہے کہ "یمینہ" کے مادہ سے ہے یعنی وہ صاحبانِ برکت ہیں اور ان کا وجود خود ان کے لیے ہی برکت اور معاشرے کے لیے بھی۔

اس کے بعد اس گروہ کے نقطہ مقابل یعنی ان لوگوں کا بیان کرتے ہوئے، جو اس دشوار گزار گھاٹی سے نہیں گزرے، فرماتا ہے:
 وہ لوگ جنہوں نے ہماری آیات کا انکار کر دیا، ایسے بد بخت اور شوم ہیں کہ ان کا نام اعمال ان کے بائیں ہاتھ میں دیا جائے گا:
 (والذین کفروا بالآیاتنا هم اصحاب المشرقۃ)۔

اور یہ اس بات کی نشانی ہے کہ ان کا ہاتھ حسنت اور نیکیوں سے خالی ہے اور ان کا نام اعمال سیئات اور برائیوں سے سیاہ ہے۔
 "مشرقۃ" - شوم کے مادہ سے "یمینہ" کا جو "بین" کے مادہ سے ہے، نقطہ مقابل ہے۔ یعنی یہ کافر گروہ شوم، بد بخت اور نامبارک افراد ہیں جو اپنی بد بختی کا سبب بھی ہیں اور معاشرے کی بد بختی کا بھی، لیکن چونکہ قیامت میں بد بخت و شوم ہونا اور مبارک ہونا اس چیز سے پہچانا جائے گا کہ ان کا نام اعمال ان کے بائیں یا دائیں ہاتھ میں ہوگا۔ لہذا بعض نے اس تفسیر کو اسی وجہ سے پسند کیا ہے، خصوصاً جب کہ شوم کا مادہ لغت میں بائیں طرف کے جھکاؤ کے معنی میں بھی آیا ہے۔

اس سورہ کی آخری آیت میں آخری گروہ کی سزا کی طرف ایک مختصر اور پر معنی اشارہ کرتے ہوئے فرماتا ہے: ان کے اوپر آگ ہے، جو انہیں ہر طرف سے گھیرے ہوئے ہے، جس سے فرار کی کوئی راہ نہیں ہے: (علیہم نار مؤصدة)۔

"مؤصدة" - "ایصاد" کے مادہ سے۔ حذرانہ کو بند کرنے اور اسے محکم کرنے کے معنی میں ہے۔ یہ بات کے بغیر واضح ہے کہ انسان اس کمرے میں جس کی ضار گرم ہو یہ چاہتا ہے کہ اس کے درمائل کو کھول دے، تاکہ تانہ ہوا آئے اور فضا کی گرمی کو محسوس کر دے۔

آب سوچنا چاہیے کہ دوزخ کی جلانے والی بھٹی میں، جب کہ تمام دھواڑے بند ہو جائیں، کیا حالت پیدا ہوگی؟
خداوند! ہمیں اس قسم کے جان گواہ حذاب سے اپنے لطف و کرم کی پناہ میں محفوظ رکھنا۔
پردہ گارا! ان گناہیوں سے گزرتا جو ہمارے سامنے ہیں، تیری توفیق کے بغیر ممکن نہیں ہے۔ تو اپنی توفیق کو ہم سے نہ روکنا۔

بار الہا! ہمیں اصحاب میمنہ کی صف میں جگہ دینا اور نیک اور ابرار لوگوں کے ساتھ محشود فرماتا۔

آمین یا رب العالمین
سودہ "بلد" کا اختتام

سُورَةُ الشَّمْسِ

یہ سورہ مکہ میں نازل ہوا

اس کی ۱۵ آیات ہیں

Presented by: <https://jafrilibrary.com/>

سُورَةُ الشَّمْسِ اور اس کی فضیلت

یہ سورہ جو حقیقت میں "تہذیبِ نفس" اور دلوں کو آلائشوں اور ناپائیداریوں سے پاک کرنے والا سُورہ ہے، اسی معنی کے محور پر گردش کرتا ہے۔ البتہ اس سُورہ کے آغاز میں اس مطلب کو ثابت کرنے کے لیے کرفلاح و درست گامی تہذیبِ نفس کی مہمیں منت ہے، عالم خلقت کے گیارہ اہم موضوعات اور خدا کی ذاتِ پاک کی قومِ کمالی گئی ہے۔ اور قرآن مجید کی بیشتر قصوں کو مجموعی طور پر اپنے اندر سمویا ہے۔ اور سُورہ کے آخر میں باغی اور سرکش قوسوں میں سے ایک کا ذکر، جو تہذیبِ نفس کو ترک کرنے کی بنا پر ابدی اور دائمی شقاوت و بد بختی میں ڈوب گئی تھی، اور خدا نے اُسے شدید عذاب میں گرفتار کیا تھا، یعنی قوم "نمود"۔ بطور نمونہ پیش کرتا ہے، اور ایک مختصر سے اشارے کے ساتھ ان لوگوں کی سرفروشت کی طرف اشارہ کرتا ہے۔

حقیقت میں یہ مختصر سا سورہ بشر کی زندگی کے سرفروشت ساز مسائل میں سے ایک اہم ترین مسئلہ کو موضوع بناتا ہے اور انسانوں کے لیے اسلام کے قابلِ قدر نظام کو شخص کرتا ہے۔

اس سُورہ کی فضیلت کے بارے میں بس اتنا ہی کافی ہے کہ ایک حدیث میں پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے آیا ہے،

"من قرأها فکانما تصدق بکل شیءٍ مطلعت علیہ الشمس والقمر؛"

"جو شخص اس سُورہ کو پڑھے گا تو گویا اس نے ان تمام چیزوں کی تعداد میں جن پر سورج اور

چاند طلوع کرتے ہیں صدقہ دیا ہے۔"

اور مسئلہ طر پر یہ عظیم فضیلت اس شخص کے لیے ہے جو اس پھرٹے سے سورہ کے عظیم مطالب پر دل و جان سے عمل کرے اور

تہذیبِ نفس کو اپنا قافی و طیف بنے۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

- ۱۔ وَالشَّمْسِ وَضُحَاهَا ۝
- ۲۔ وَالْقَمَرِ إِذَا تَلَّهَا ۝
- ۳۔ وَالنَّهَارِ إِذَا جَلَّهَا ۝
- ۴۔ وَاللَّيْلِ إِذَا يَغْشَاهَا ۝
- ۵۔ وَالسَّمَاءِ وَمَا بَنَاهَا ۝
- ۶۔ وَالْأَرْضِ وَمَا طَحَاهَا ۝
- ۷۔ وَنَفْسٍ وَمَا سَوَّاهَا ۝
- ۸۔ فَالْهَمَّهَا فُجُورَهَا وَتَقْوَاهَا ۝
- ۹۔ قَدْ أَفْلَحَ مَنْ زَكَّاهَا ۝
- ۱۰۔ وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسَّاهَا ۝

ترجمہ

- شروع اللہ کے نام سے جو رحمان و رحیم ہے
- ۱۔ سورج اور اس کی روشنی کے پھیلنے کی قسم۔

- ۲۔ اور چاند کی جب کہ وہ اس کے پیچھے آئے۔
- ۳۔ اور دن کی جب کہ وہ صغیر زمین کو روشن کرے۔
- ۴۔ اور قسم ہے رات کی جب کہ وہ صغیر زمین کو ڈھانپ لے۔
- ۵۔ اور قسم ہے آسمان کی اور جس نے اُسے بنایا۔
- ۶۔ اور قسم ہے زمین کی اور جس نے اسے بچھایا۔
- ۷۔ اور قسم ہے انسان کے نفس کی اور جس نے اسے درست کیا۔
- ۸۔ پھر اُسے فجور و تقویٰ (خیر و شر) کا الہام کیا۔
- ۹۔ کہ جس نے اپنے نفس کا تزکیہ کیا وہ خلاص پاگیا (اور رست گار ہوا)۔
- ۱۰۔ اور جس نے اپنے نفس کو مصیبت اور گناہ سے آلودہ کیا وہ ناامید اور محروم ہوا۔

Presented by: <https://jafrilibrary.com>

تفسیر تہذیبِ نفس کے بغیر نجات ممکن نہیں

وہ پہلے درپے اور اہم قسمیں جو اس سورہ کے آغاز میں آئی ہیں ایک حساب سے ”گیانہ“ قسمیں ہیں اور دوسرے حساب سے ”سات“ قسمیں ہیں، اور قرآن کی بیشتر قسموں کو اپنے اندر سمایا ہوا ہے۔ یہ چیز اس بات کی ابھی طرح سے نشان دہی کرتی ہے کہ یہاں کوئی بہت ہی اہم مطلب پیش ہے، ایسا مطلب جو آسمانوں، زمین، سورج اور چاند کی عظمت کے برابر ہے اور ایک ایسا مطلب ہے جو سر فرشتہ نماز اور حیات بخش ہے۔

پہلے ضروری ہے کہ ہم ان قسموں کی تشریح و تفسیر پیش کریں اور اس کے بعد اس نہایت اہم مطلب پر غور کریں جس کے لیے یہ سب قسمیں کھائی گئی ہیں۔

پہلے فرمایا ہے: ”سورج اور اس کی روشنی کے پھیلنے کی قسم“ : (والشمس وضحاها)۔

جیسا کہ ہم پہلے بھی بیان کر چکے ہیں قرآن کی قسموں کے عام طور پر دو مقصد ہوتے ہیں، پہلا مقصد اس مطلب کی اہمیت جس کے لیے قسم کھائی گئی ہے اور دوسرا ان امور کی اہمیت جن کی قسم کھائی گئی ہے کیونکہ قسم ہمیشہ اہم موضوعات کی کھائی جاتی ہے۔ اسی بنا

پر یہ قسمیں انسان کو خود و فکر کی طرف مائل کر دیتی ہیں تاکہ وہ عالم غفلت کے اُن اہم موضوعات کے بارے میں غور و فکر کریں، اور ان سے خدائی طرف راستہ نکالیں۔

”سُورج“ کا انسان اور تمام زندہ زمینی موجودات کی زندگی میں اہم ترین اور پائندہ ترین نقش و اثر ہے، کیونکہ اس بات کے علاوہ کوئی دُور روشنی اور حرارت کا منبع ہے، اور یہ دونوں انسانی زندگی کے اصلی عوامل ہیں سے شمار ہوتے ہیں۔ دوسرے حیاتی مناج بھی اسی کے سبب سے وجود میں آتے ہیں۔ ہوائوں کا چلنا، بارش کا برسنا، نباتات کی پھلش، دیباہوں اور آبشاروں کا چلنا، یہاں تک کہ قوت پیدا کرنے والے مناج کا ظاہر ہونا، جیسا کہ تیل و پٹرول اور پتھر کا کوئلہ وغیرہ، اگر ہم صحیح طور پر غور کریں تو ان میں سے ہر ایک کسی نہ کسی صفت میں سُورج کی روشنی سے ارتباط رکھتا ہے اس طرح سے کہ اگر کسی دن یہ حلیت بخش پرلخ خاموشی ہو جائے تو ہماری سکوت اور خاموشی و موت ہر جگہ کو گھیر لے۔

”خُضنی“ اصل میں سُورج کی روشنی کے پھیلنے کے معنی میں ہے۔ یہ اس وقت ہوتا ہے جب سُورج اُفق سے اُپر اُبلے اور اس کی روشنی ہر جگہ کو گھیر لے۔ اس کے بعد دن کے اس موقع پر بھی ”خُضنی“ کا اطلاق ہونے لگا۔

خُضویت کے ساتھ ”خُضنی“ پر تکیہ اس کی اہمیت کی بنا پر ہے کیونکہ وہ زمین پر سُورج کی روشنی کے تسلط کا وقت ہوتا ہے۔ اس کے بعد تیسری قسم کو پیش کرتے ہوئے فرماتا ہے: ”قسم ہے چاند کی جب کہ وہ سُورج کے پیچھے پیچھے آئے“ (والقمر اذا تلاھا)۔ یہ تعبیر جیسا کہ مشرین کی ایک جماعت نے کہا ہے۔ حقیقت میں چاند کے بدو کامل ہونے یعنی چودھویں رات کی طرف اشارہ ہے۔

کیونکہ چودھویں رات کا چاند غروب آفتاب کے ساتھ ہی اُفق مشرق سے نمودار ہوتا ہے اور چودھویں رات کو ظاہر کرتے ہوئے اپنا تسلط آسمان پر جمالیتا ہے اور چونکہ یہ اس وقت ہر زمانہ سے زیادہ عظمہ اور زیادہ پُر شکوہ ہوتا ہے لہذا اس کی قسم کھائی ہے۔

مشرین نے یہ احتمال بھی دیا ہے کہ اُپر دلی تعبیر چاند کے دائمی طور پر سُورج کے تابع ہونے اور اس منبع اُور سے روشنی حاصل کرنے کی طرف اشارہ ہے، لیکن اس صورت میں ”اذا تلاھا“ کا جملہ قید توضیحی ہوگا۔

بعض نے اس آیت کی تفسیر میں کچھ اور احتمال بھی دیے ہیں جو توجہ کے لائق نہیں ہیں، لہذا ان کو ذکر نہیں کیا گیا۔

چوتھی قسم میں مزید کہتا ہے: اور دن کی قسم ہے جب کہ وہ صغیر زمین کو روشن کر دے۔ (والنہار اذا جلاھا)۔ ”جلاھا“ تجلیۃ کے مادہ سے، اظہار و ابلاغ کے معنی میں ہے۔

اس بارے میں کہ جلاھا کی ضمیر کس طرف لوٹتی ہے، مشرین کے وہ میان اختلاف ہے۔ بہت سے اسے زمین یا دنیا کی طرف لٹاتے ہیں (جیسا کہ ہم نے اُپر بیان کیا ہے)۔ یہ ٹھیک ہے کہ گزشتہ آیات میں ”زمین کے بارے میں کوئی گفتگو نہیں تھی، لیکن یہ بات قرینہ مقام سے واضح ہو جاتی ہے۔

بعض کا یہ بھی نظریہ ہے کہ ضمیر ”سُورج“ کی طرف لوٹتی ہے۔ یعنی قسم ہے دن کی جب کہ وہ سُورج کو ظاہر کرتا ہے۔ لیکن پہلی تفسیر زیادہ مناسب نظر آتی ہے۔

ہر حال اس اہم آسمانی مخلوق کی قسم اس کی نوع بشر اور تمام زندہ موجودات کی زندگی میں اس کی حد سے زیادہ تاثیر کی بنا پر ہے، کیونکہ دن حرکت و جنبش اور حیات کا مظہر ہے، اور زندگی کی تمام جدوجہد، کشش اور کشش عام طور پر دن کی روشنی میں ہی صورت پذیر ہوتی ہے۔ پانچویں قسم میں فرماتا ہے: ”رات کی قسم جب کہ وہ صغیر زمین (یا سُورج) کو ڈھانپ دیتی ہے“ (واللیل اذا فشاھا)۔ (حاشیہ الی صغیر)

رات اپنی تمام برکات و آثار کے ساتھ ایک طرف تو سورج کی طرف کی حرارت میں اعتدال پیدا کرتی ہے اور دوسری طرف تمام زندہ موجودات کے آرام و سکون اور راحت پانے کا سبب بنتی ہے۔ کیونکہ اگر رات کی تاریکی نہ ہوتی، اور مسلسل سورج ہی چمکتا رہتا تو آرام و سکون کا وجود ہی نہ ہوتا، کیونکہ سورج کی جلانے والی حرارت ہر چیز کو نابود کر دیتی۔ یہاں تک کہ اگر شب و روز کا نظام موجود نہ ہوتا تو ہر چیز کی شکل و صورت ہی نہ ہوتی، جیسا کہ پانچویں جہ کی باتیں گزشتہ زمین کے دو ہفتوں کے برابر ہوتی ہیں اور دن بھی دو ہفتے کے برابر ہوتے ہیں۔ وہاں اوپر کے وقت حرارت تقریباً تین سو درجہ سینٹی گریڈ تک پہنچ جاتی ہے، جس میں کوئی بھی زندہ موجود ہے ہم پہچانتے ہیں باقی نہیں رہ سکتا۔ اور اسی رات کے وقت اس کا درجہ حرارت صفر سے نیچے چلا جاتا ہے کہ اگر وہاں پر کوئی زندہ موجود ہو تو یقینی طور پر برف ہو کر نابود ہو جائے۔ قابل توجہ بات یہ ہے کہ گزشتہ آیات میں افعال ماضی کی ضرورت میں آئے تھے اور اس مدت میں ماضی کا محضت میں آئے ہیں تفسیر کا یہ فرق ممکن ہے اس بات کی افلاک اور کرب و روز کے ظہور و خفا کی صورت کسی زمانہ کے ساتھ مخصوص نہیں ہوتے وہ گزشتہ اور آئندہ سب کو شامل ہوتے ہیں اس لیے بعض ضل ماضی کی ضرورت میں اور بعض مضارع کی ضرورت میں آئے ہیں، تاکہ ان حوادث کی عمومیت کو زمانہ کے ضمن میں واضح کریں۔

پچھٹی اور ساتویں قسم میں آسمان اور خالق آسمان کی طرف توجہ کرتا ہے اور مزید فرماتا ہے: "قسم ہے آسمان کی اور اس ذات کی جس نے آسمان کو بنایا" (والسما و ما بناہا)۔

ایسی خبر دینے والی عظمت کے ساتھ آسمان کی اصل خلقت، عالم خلقت کے عظیم عجائبات میں سے ہے، اور ان تمام ستاروں، اجرام سماوی اور ان پر قائم نظام ایک تعجب خیز چیز ہے۔ اور ان سب سے زیادہ اہم ان آسمان کا خالق ہے۔ قابل توجہ بات یہ ہے کہ لفظ "ما" عربی لغت میں عام طور پر "غیر فدی العقول موجود" کے لیے آتا ہے۔ لہذا خلافت عالم حکیم پر اس کا اطلاق کوئی مناسبت نہیں رکھتا۔ اس لیے بعض علما یہاں "ما" کو مصدریہ "مراد لینے پر مجبور ہوئے ہیں نہ کہ" موصولہ "اور اس صورت میں آیت کا منہم اس طرح ہوگا: قسم ہے آسمان کی اور اس کی بنا کی۔

لیکن آیات "ونفس و ما سواھا فالھما فجورھا وتقواھا" کی طرف توجہ کرتے ہوئے، جن کی تفسیر حق تعالیٰ بیان کی جائے گی، اس کے علاوہ اور کوئی راستہ نہیں ہے کہ "ما" موصولہ ہو اور خدا کی ذات پاک کی طرف اشارہ ہو جو تمام آسمانوں کا خالق ہے، اور عربی زبان میں افراد ذوی العقول کے بارے میں بھی "ما" کا استعمال ہوتا رہتا ہے، جیسا کہ سورہ نساء کی آیت ۲ میں آیا ہے: فانكحوا ما طاب لکم من النساء: جو عورتیں تمہیں پسند آئیں ان سے نکاح کرو۔

مفسرین کی ایک جماعت کا نظریہ یہ ہے کہ "ما" (جس چیز) کی تفسیر یہاں اس بنا پر ہے کہ مبداء جہان کو پہلے ہم صورت میں اس بارے میں کہ "یشتاہا" کا تفسیر کسی چیز کی طرف لٹتی ہے؛ یہاں بھی دو نظریے ہیں، ایک تو یہ ہے کہ "ما" کی طرف لٹتی ہے، کیونکہ رات ایک پردہ کی مانند ہے جو ماضی کی چیز پر گرتا ہے، اور دوسرا یہ ہے کہ یہ "سورج" کی طرف لٹتی ہے، کیونکہ رات ایک پردہ کی مانند ہے جو سورج کے چہرے پر پڑتا ہے، البتہ اس صورت میں اس کا منہم جاری ہوگا، کیونکہ رات حقیقت میں سورج پر پردہ نہیں ڈالتی۔ بلکہ سورج کے غروب ہونے کے بعد ظاہر ہوتی ہے۔ حقیقت میں اگر گزشتہ آیت میں ضمیر "ارض" کی طرف لوٹے تو یہاں بھی ایسا ہی ہونا چاہیے اور اگر "شمس" کی طرف لوٹے تو پھر یہاں بھی اسی طرح ہوگا۔

ذکر کیا گیا ہو، تاکہ بعد میں غور و تحقیق اور مطالعہ کے ساتھ اس کے علم و حکمت سے آشنا ہوں، اور "جس چیز" اس ذات کے ساتھ تبدیل ہو جائے، لیکن پہلی تفسیر زیادہ مناسب ہے۔

پھر آٹھویں اور نویں قسم میں "زمین" اور "زمین کے خالق" کے بارے میں گفتگو کرتے ہوئے فرماتا ہے، "قسم ہے زمین کی اور اس کی جس نے زمین کو بچھایا" (والارض وما طحاها)۔

زمین جو انسان اور تمام زندہ موجودات کی زندگی کا گوارہ ہے۔

زمین بجا پستی تمام حیرت انگیز چیزوں: پہاڑوں، سمندروں، دروں، جنگلوں، چشمیں، دریاؤں، مغللوں اور اس کے گونا گونا گوں کے ساتھ، کران میں سے ہر ایک اکیلا بھی حق تعالیٰ کی آیات میں سے ایک آیت اور اس کی نشانیوں میں سے ایک نشانی ہے۔

اور اس سے برتر و بالاتر اس زمین کا خالق اور وہ ذات ہے کہ جس نے اُسے بچھایا ہے۔

"طحاها" (بروزن سہو) کے آدھ سے بچھانے اور پھیلانے کے معنی میں بھی آیا ہے اور دھکیلنے، اور دھرنے اور ختم کرنے کے معنی میں بھی، اور یہاں بچھانے کے معنی میں ہے، کیونکہ اولاً زمین ابتدا میں پانی کے نیچے غرق تھی۔ بتدریج آہستہ آہستہ پانی زمین کے ٹکڑوں میں قرار پایا اور خشکیوں نے سر نکال لیا اور زمین پھیلی ہوئی گئی اور اس کو "دحو الارض" سے بھی تعبیر کیا گیا ہے۔

ثانیاً زمین ابتدا میں پستیوں اور بلندیوں اور ناقابل سکونت گراہوں کی صورت میں تھی جس پر مسلسل موسلا دھار بارشیں برسیں جنہوں نے زمین کی بلندیوں کو دھو دیا اور گھاٹیوں میں پھیل دیا اور آہستہ آہستہ انسانی زندگی اور صنعت کے لیے قابل مقناہ ہمارے زمینیں وجود میں آ گئیں۔

بعض مترسین کا نظریہ یہ ہے کہ اس تعبیر میں زمین کی حرکت کی طرف ایک اجمالی اشارہ موجود ہے، کیونکہ طحو کے معنی میں سے ایک معنی دھکیلنا بھی ہے، جو سورج کے گرد زمین کی انتہائی حرکت کی طرف اشارہ ہو سکتا ہے، یا اس کی محوری حرکت، یا دونوں قسم کی حرکت بھی ہو سکتی ہے۔

اور آخر میں "دوسری" اور "گیارہویں" قسم کو پیش کرتے ہوئے جو اس سلسلہ کی آخری قسم ہے، فرماتا ہے: "قسم ہے انسان کے نفس کی، اور اس ذات کی، جس نے اُسے مرتب و منظم کیا ہے" (ونفس وما سواها)۔

وہی انسان جو عالم خلقت کا خلاصہ، جہان ملک و ملکوت کا نچھڑا اور عالم آفرینش کا کل سرسید ہے: یہ عجیب مخلوق جو عجائبات اور اسرار سے بھرپور ہے اس قدر اہم ہے کہ خدا نے خود اس کی اور اس کے خالق کی ایک ہی جگہ قسم کھائی ہے اس بارے میں کہ یہاں "نفس" سے مراد انسان کی روح ہے یا جسم و روح دونوں؟ مفسرین نے کئی احتمال دیے ہیں۔

اگر مراد روح ہو تو پھر "سواها" سے مراد (جو تسویہ کے مادہ سے ہے) انسان کے روح قوی اور استدلال کی، حواس ظاہری سے لے کر ادراک، حافظہ، انتقال، تخیل، ابتکار، حشق، ارادہ، تقسیم اور اسی قسم کے قوائی جو "علم النفس" کے مباحث میں بیان ہوئے ہیں، تنظیم و تبدیل ہے۔

اور اگر روح جسم و روح دونوں مراد ہوں تو پھر بدن کے تمام حیرت انگیز نظاموں اور اس کے مختلف کارخانوں کو۔ جن کے بارے میں علم "تشویع الاعضاء" اور "فریالوجی" (افعال الاعضاء) میں تفصیل کے ساتھ بحث کی گئی ہے۔ شامل ہو گا۔

البتہ قرآن مجید میں نفس کا دونوں معانی پر اطلاق ہوا ہے۔

نوح کے بارے میں سورہ زمر کی آیہ ۲۲ میں آیا ہے: "اللہ یتوفی الانفس حین موتھا: "مدا موت کے وقت ارواح کو لے لیتا ہے۔"

اور جسم کے بارے میں سورہ قصص کی آیہ ۳۲ میں آیا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کہتے ہیں: "قال رب انی قتلتمنہم نفسا فلاحاف ان یقتلون: موسیٰ علیہ السلام نے کہا، میں نے ان (قالم فرعونوں) میں سے ایک کو قتل کر دیا ہے، مجھے ڈر ہے کہ وہ مجھے قتل کر دیں گے۔"

لیکن یہاں مناسب یہ ہے کہ دونوں کو شامل ہو، کیونکہ خدا کی قدرت کی حیرت انگیز پیل جسم میں بھی موجود ہیں اور روح میں بھی، اور ان میں سے کسی ایک کے ساتھ اختصاص نہیں رکھتیں۔

قابلِ توجہ بات یہ ہے کہ یہاں "نفس" کلمہ کی صورت میں بیان ہوا ہے۔ ممکن ہے کہ یہ بات نفسِ انسانی کی اہمیت و عظمت کی طرف اشارہ ہو، ایسی عظمت جو تصور سے مافوق اور ایہام سے مٹی ہوئی ہو، جو اس کے انجانے موجود کی صورت میں تعارف کراتی ہے جیسا کہ موجود زمانہ کے ایک عظیم ترین عالم نے انسان کو اسی عنوان سے تعبیر کیا ہے، اور انسان کا موجود ناشائستہ نام رکھا ہے۔

بعد والی آیت میں انسان کی خلقت سے مربوط ایک اہم ترین مسئلہ کو پیش کرتے ہوئے مزید کہتا ہے، "انسان کے قوی اور جسم و روح کی تنظیم کرنے کے بعد اُسے "فجور" و "قتوی" کا الہام کیا۔" (فالحمھا خجورھا و قوتواھا)۔

ہاں! جب اس کی خلقت کی تکمیل ہو گئی اور اس کی ہستی وجود میں آگئی تو اُسے "بایدھا و نبایدھا" (جو کام کرنے چاہئیں اور جو کام نہیں کرنے چاہئیں) کی تعلیم دی۔ اور اس طرح سے وہ ایک ایسا وجود بن گیا۔ جو خلقت کے لحاظ سے "سزئی ہوئی" گیلی سٹی اور نورِ الہی کا مجموعہ ہے، تعلیمات کے لحاظ سے "فجور و قوتوی" سے آگاہ ہے، اور تیر کے لحاظ سے وہ ایک ایسا وجود ہے جو قوسِ معویٰ میں فرشتوں سے برتر ہو سکتا ہے، فرشتوں سے بھی آگے بڑھا کر سکتا ہے، اور جو بات دہم میں بھی نہ آئے وہ بن سکتا ہے جبکہ قوسِ نزلی میں درندہ جانوں سے بھی پست تر ہو جائے اور "بل ہر اھضل" کے مرحلہ تک جا پہنچے، اور یہ چیز اس بات پر موقوف ہے کہ وہ اپنے ارادہ و اختیار کے ساتھ کون سی راہ اختیار کرتا ہے۔

"الھمھا" "الھام" کے مادہ سے اصل میں تو کسی چیز کے نکلنے یا پھینکے کے معنی میں ہے، اور اس کے بعد پروردگار کی طرف سے انسان کی روح میں کسی مطلب کے الہام کرنے کے معنی میں آیا ہے۔ گویا انسان کی روح اس مطلب کو اس کے سارے وجود کے ساتھ لپی لیتی ہے اور بھل جاتی ہے اور کبھی وہی کے معنی میں بھی آیا ہے۔ لیکن بعض مفسرین کا نظریہ یہ ہے کہ "الھام" اور "وحی" میں فرق یہ ہے کہ وہ شخص جسے الھام ہوتا ہے وہ یہ نہیں سمجھتا کہ یہ مطلب اُسے کہاں سے حاصل ہوا ہے، جب کہ وحی کے وقت وہ جانتا ہوتا ہے کہ یہ اُسے کہاں سے اور کس ذریعے سے پہنچ رہا ہے۔

"فجور" "فجر" کے مادہ سے۔ جیسا کہ ہم نے پہلے ہی اشارہ کیا ہے۔ وسیع شکاف کرنے کے معنی میں ہے۔ اور چونکہ صبح کی سفیدی رات کے پردہ کو پاک کر دیتی ہے، لہذا اُسے "فجر" کہا گیا ہے۔ اور چونکہ گناہوں کا ارتکاب بھی دیانت کے پردہ کو پاک کر دیتا ہے لہذا اس پر "فجر" کا اطلاق ہوا ہے۔

البتہ زیر بحث آیت میں "فجر" سے مراد وہی اس کے اسباب، عوامل اور طریقے ہیں۔

اور "تقویٰ" سے مراد، جو "وقایہ" کے مادہ سے نگہداری کے معنی میں ہے، یہ ہے کہ انسان اپنے آپ کو قباحتوں، برائیوں، آلودگیوں اور گناہوں سے محفوظ اور دور رکھے۔

یہ بات بھی یاد دلانا ضروری ہے کہ اس آیہ (خالصہا فجورہا وتقواہا) کے معنی یہ نہیں ہیں، کہ خدا نے فجور و تقویٰ کے عوامل انسان کی روح کے اندر ایجاد کر دیے ہیں، ایسے عوامل جو اُسے فجور و آلودگی اور حیا کے پردوں کو چاک کرنے کی دعوت دیتے ہیں اور ایسے عوامل جو اُسے خیرات اور نیکیوں کی طرف کھینچ لے جاتے ہیں، جیسا کہ بعض نے خیال کیا ہے اور آیت کو انسان کے وجود میں تضاد کے موجود ہونے کی دلیل سمجھا ہے۔

بلکہ یہ کہتا ہے کہ اس نے ان دو حقیقتوں کا اُسے الہام کیا اور تعلیم دی، یا زیادہ سادہ اور آسان زبان میں اُس کو راہِ اِجْبَا کی نشان دہی کر دی، جیسا کہ سورہ بلدہ کی آیہ ۱۰ میں آیا ہے: "وہدیناہ النجدین: ہم نے انسان کو خیر و شر کی ہدایت کر دی ہے اور دوسرے نفل میں خدا نے اسے تشخیص کی ایسی قدرت اور بیاد عقل و وجدان عطا کیا ہے کہ وہ "فجور" و "تقویٰ" کو حاصل و "فطرت" کے طریق سے معلوم کر لیتا ہے۔

اسی لیے بعض مفسرین نے یہ کہا ہے کہ یہ آیت حقیقت میں "حسن و قبح عقلی" کے مسئلہ کی طرف ایک اشارہ ہے کہ خدا نے ادراک کی توانائی انسانوں کی عطا کی ہے۔

قابلِ توجہ بات یہ ہے کہ خدا نے انسان کو بے شمار نصیب عطا کی ہیں، لیکن ان تمام نعمتوں میں سے یہاں مسئلہ فجور و تقویٰ کو خن و قبح کے ادراک پر تنکب کیا ہے کیونکہ یہ مسئلہ انسان کی زندگی کے مسائل میں سے زیادہ قسمت کو بنانے یا بگاڑنے والا مسئلہ ہے۔ انجام کار ان تمام اہم اور بڑے درجے کے مسئلوں کے بعد ان کے تیسرے کو پیش کرتے ہوئے فرماتا ہے: "ان چیزوں کی قسم ہے کہ جس نے اپنے نفس کا تزکیہ کیا وہ نجات پائے گا" (قد افلح من زکّھا)۔

"زکّھا" "تزکیہ" کے مادہ سے اصل میں، جیسا کہ راغب نے مفردات میں بیان کیا ہے، رشد و نمو کے معنی میں ہے اور زکات بھی اصل میں نشو و نما اور رشد کے معنی میں ہے۔ اسی لیے ایک روایت میں حضرت علی علیہ السلام سے آیا ہے:

"المال تنقصہ النفقة والعلم يزكو على الانفاق"

"مال تو خرچ کرنے سے کم ہوتا ہے لیکن علم خرچ کرنے سے بڑھتا ہے اور نشو و نما پاتا ہے"

اس کے بعد یہ نظر طہات اور پاک کرنے کے معنی میں بھی آیا ہے، شاید اس مناسبت سے کہ آلودگیوں سے پاک کرنا رشد و نمو کا سبب ہوتا ہے، اور زیر بحث آیت میں دونوں معانی کا اسکان ہے۔

ہاں! درست گامی اور نجات اس شخص کے لیے ہے جو اپنے نفس کی تربیت اور نشو و نما کرے اور اسے شیطانی اخلاق و عادات، گناہ و عصیان اور گھر سے پاک رکھے۔

حقیقت میں انسان کی زندگی کا اصلی مسئلہ بھی یہی "تزکیہ" ہی ہے کہ اگر یہ ہو تو وہ سعادت مند ہے ورنہ بدبخت و بے نوا ہے اس کے بعد گروہ مخالف کا ذکر کرتے ہوئے فرماتا ہے: "نا امید و بدبخت ہوا وہ شخص جس نے اپنے نفس کو معصیت و گناہ سے

آلودہ کیا۔ (وقد خاب من دسٹا)۔

”خاب“ مخیبتہ کے مادہ ہے، مطلوب تک نہ پہنچنے، محروم ہونے، اور نقصان اٹھانے کے معنی میں ہے۔
 ”دسٹاھا“ دس کے مادہ سے، اصل میں کسی چیز کو کراہت و ناپسندیدگی کے ساتھ داخل کرنے کے معنی میں ہے، جیسا کہ
 قرآن مجید عرب جاہل کے اپنی لڑکیوں کو زندہ درگور کرنے کے بارے میں فرماتا ہے، اِم یدسہ فی التراب: ”اسے کراہت و نفرت
 سے مٹی میں پھنسا کر دیتا ہے“۔ (غل - ۵۹) اور ”دسپستہ“ نقصان دہ معنی کاموں کے لیے بولا جاتا ہے۔

زیر بحث آیت کے ساتھ اس معنی کی مناسبت کے بارے میں مندرجہ ذیل مختلف بیان دیے ہیں۔
 کبھی قریہ کو لگایا کہ یہ تعبیر گناہ اور فسق سے کنایہ ہے، کیونکہ اہل تقویٰ و صلاح خود کو آشکار کرتے ہیں، جب کہ آلودہ اور گنہگار لوگ خود
 کو چھپاتے ہیں، جیسا کہ نفل ہوا ہے کہ عربوں میں جو لوگ زیادہ معنی ہوتے تھے وہ اپنے خیمے اور بچی جگہ پر نصب کرتے تھے اور رات کو آگ
 جلا دیا کرتے تھے تاکہ حاجت مند دن رات میں جب چاہیں ان کے پاس آسکیں اور ان سے مالوس ہو سکیں، لیکن بخیل اور کجس لوگ
 نشیمن زمینوں میں خیمے لگاتے تھے تاکہ کوئی شخص ان کے پاس نہ آ سکے۔

اور کبھی یہ کہتا ہے کہ اس سے مراد یہ ہے کہ گنہگار خود کو صالح لوگوں میں پھنسا کر لیتے ہیں۔

یا اپنے نفس یا اپنی حیثیت انسانی کو معاصی و گناہ میں چھپا لیتے ہیں۔

یا معاصی و گناہ کو اپنے نفس کے اندر چھپا لیتے ہیں۔

بہر حال یہ گناہ و مصیبت اور شیطانی علوات سے آلودگی سے ایک کنایہ ہے، اور یہ ٹھیک تزکیہ کا نقطہ مقابل ہے۔

اس آیت کے وسیع مفہوم میں ان تمام معانی کو جمع کرنے میں بھی کوئی مانع نہیں ہے۔

اس طرح سے دنیاوی زندگی کے میدان میں کامیاب ہونے والے اور شکست کھانے والے مشفق ہو جاتے ہیں اور ان دونوں
 گروہوں کی قدر و قیمت کا سمیار ”تزکیہ نفس اور مدح تقویٰ و اطاعت خداوندی نور شد“ یا ”انواع و اقسام کے معاصی اور گناہوں سے آلودگی
 کے سوا اور کچھ نہیں ہے۔“

اور اس سے وہ بات واضح ہو جاتی ہے، جو امام محمد باقر علیہ السلام اور امام خمینہ صلی علیہ السلام سے اس آیت کی تفسیر میں نقل ہوئی ہے
 کہ آپ نے فرمایا:

”قد افلح من اطاع و خاب من عصی“:

”جس نے اطاعت کی وہ نجات پا گیا اور جس نے نافرمانی کی وہ ناسید اور محروم ہو گیا۔“

یہ حقیقت میں نتیجہ کا بیان اور مقصد کا ماحصل ہے۔

ایک اور حدیث میں آیا ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جس وقت آیہ ”قد افلح من زکّٰہا“ کی تلاوت کی تو

توقف فرمایا اور اس طرح دعا کی

۱۔ ”مغوات“ راضی و ”قاموس اللغہ“

۲۔ ”معجم السبیلین“ جلد ۱۰ ص ۴۹۸

”اللہم انت نفسی تقواھا، انت ولیہا ومولاھا، ونزکھا انت خیر من
نکھاھا؛“

”خداوند! میرے نفس کو اس کا تقویٰ عطا فرما، تو اس کا ولی و مولا ہے، اور اس کا تزکیہ فرما
کیونکہ تو بہترین تزکیہ کرنے والا ہے۔“

یہ گفتگو اس بات کی نشان دہی کرتی ہے کہ اس پر بیچ و خم راہ کو عبور کرنا اور اس دشوار گزار گھاٹی سے گزرنے پر پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وسلم
سبک کے لیے بھی توفیق الہی کے بغیر ممکن نہیں ہے، یعنی بنیادی طرف سے قدم اٹھانے اور خدا کی طرف سے تائیدات کے ذریعے نکلنا
ایک اور حدیث میں آیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دو آیات کی تفسیر میں فرمایا:

”افلحت نفس نکھاھا اللہ، وخابت نفس خبیھا اللہ من کل خیر!“

”جس نفس کا خدا نے تزکیہ کیا وہ نجات پا گیا، اور جس نفس کو خدا نے غیر سے محروم کر دیا
وہ ناسید و محروم ہو گیا۔“

چند نکات

Presented by: <https://jafrilibrary.com/>

۱۔ قرآنی قسموں کا ان کے نتائج کے ساتھ ربط

ان گیارہ انتہائی اہم قسموں کا، اس حقیقت کے ساتھ جس کے لیے قسم کھائی گئی ہے، کیا رابطہ ہے؟
ایسا دکھائی دیتا ہے کہ خداوند تعالیٰ کی طرف سے اس حقیقت کی بیان کرنا مقصود ہے کہ میں نے تم انسانوں کی سعادت و خوش بختی کے لیے
تمام مادی و معنوی وسائل فراہم کیے ہیں۔

ایک طرف تو سورج اور چاند کے نور اور روشنی سے تمہاری زندگی کے میدان کو روشن کر دیا ہے اور تمہارے رات دن کے حرکت
سکون کے نظام کو منظم کر کے زمین کو تمہاری زندگی کے لیے ہر جہت سے آمادہ کیا ہے۔

دوسری طرف تمہاری نوح کو تمام صلاحیتوں کے ساتھ خلق کیا ہے۔ بسیار و جلال تمہیں عطا کیا ہے، اور اشیاء کے حسن و قبح کا تمہیں
الہام کیا ہے۔ اس بنا پر سعادت کی راہ کو ملے کرنے کے لیے تمہارے پاس کسی چیز کی کمی نہیں ہے۔ اس حال میں تم اپنے نفس کا تزکیہ
کیوں نہیں کرتے؟ اور شیطان کے بہکانے میں کیوں آتے ہو؟

۲۔ سورج کا عالم حیات میں نقش و اثر

سورج کے بارے میں جو نظام شمسی کا مرکز ہے اور اس کے کواکب کا رہبر و سالار ہے، دو مباحث ہیں، ایک تو اس کے عظیم

ہونے کی بحث جس کے بارے میں ہم پہلے بحث کر چکے ہیں اور دوسری بحث اس کی برکتوں اور آثار کے بارے میں ہے، جس کیلئے خلاصہ کے طور پر اس طرح کہا جاسکتا ہے۔

۱۔ انسان اور دوسرے تمام زندہ موجودات کی زندگی کے لیے پہلے مرحلہ میں حرارت اور روشنی کی ضرورت ہے، زندگی کے یہ دونوں امور اس آتشیں گز کے ذریعے کامل طور پر اعتدال کے ساتھ مہیا ہوئے ہیں۔

۲۔ تمام غذائی اشیاء سورج کی روشنی کے ذریعے حاصل ہوتی ہیں۔ یہی ملک کردہ موجودات جو سمندوں کی گہرائیوں میں زندگی بسر کرتے ہیں ایسی نباتات سے استفادہ کرتے ہیں جو سمندوں کی سطح پر نور آفتاب کے سایہ میں اور پانی کی موجوں کے درمیان پوش پاتے ہیں اور نیچے بیٹھے جلتے ہیں۔ یا اگر زندہ موجودات ایک دوسرے سے استفادہ کرتے ہیں تو پھر بھی ان میں سے ایک گروہ کی غذائیات ہی ہے، جو سورج کی روشنی کے بغیر پیدائش نہیں پاتی۔

۳۔ وہ تمام رنگ، زیبائیاں اور جلوے، جنہیں ہم عالم طبیعیات میں دیکھتے ہیں، ایک طرح سے سورج کی چمک کے ساتھ ارتباط رکھتے ہیں اور یہ معنی مختلف علوم کے ذریعے خصوصاً فزکس میں ثابت ہو چکے ہیں۔

۴۔ حیات بخش بارشیں بادلوں سے برتی ہیں اور بادل وہی بخارات ہیں جو سمندوں کی سطح پر سورج کے چمکنے سے وجود میں آتے ہیں اس بنا پر پانی کے تمام منالغ جو بارش سے غذا حاصل کرتے ہیں، چاہے وہ دریا ہوں یا چشمے، نہریں ہوں یا کھال، یا گہرے کنوئیں، سب سورج کی روشنی کی برکات سے ہیں۔

Presented by: <https://jafrilibrary.com>

۵۔ وہ ہوائیں جن کا کام فضا کو معتدل کرنا، بادلوں کو مختلف جگہوں تک پہنچانا، نباتات کی تنقیح اور پھینکنا، اور گرمی اور سردی کو گرم علاقوں سے سرد علاقوں کی طرف، اور سرد علاقوں سے گرم علاقوں کی طرف منتقل کرنا ہے۔ آفتاب کے نور اور روشنی کے پراثر نورے زمین کے مختلف منطقتوں کے درجہ حرارت کے بدلنے سے وجود میں آتی ہیں۔ اور اس طرح سے وہ بھی سورج سے سرمایہ حاصل کرتی ہیں۔

۶۔ انرجی پیدا کرنے والے مائے اور منالغ، چاہے وہ آبشاریں ہوں، یا وہ بڑے بڑے بند ہوں جنہیں کوہستانی علاقوں میں بنایا جاتا ہے، پٹرول اور تیل کے منالغ، اور پتھر کے کٹنے کی کانیں، یہ سب کے سب ایک طرح سے سورج کے ساتھ پیوند رکھتے ہیں، کہ اگر وہ نہ ہوتا تو ان منالغ میں سے کوئی بھی موجود نہ ہوتا اور صفحہ زمین میں تمام حرکتیں سکوت میں بدل جاتیں۔

۷۔ نظام شمسی کی بقا، جاذبہ و دافعہ کے اعتدال کی بنا پر ہے، جو ایک طرف تو کڑوا آفتاب کے درمیان اور دوسرے ان سیاروں کے درمیان، جو اس کے گرد گردش کرتے ہیں، وجود رکھتا ہے۔ اس طرح سے سورج ان سیاروں کے اپنے مداروں میں محفوظ رہنے میں بہت ہی موثر نقش و اثر رکھتا ہے۔

اس ساری گفتگو سے معلوم ہو جاتا ہے، کہ اگر خدا نے پہلی قسم کی ابتلا سورج سے کی ہے، تو اس کی کیا وجہ تھی؟ اسی طرح سے چاند اور دن کی روشنی، اور رات کی تاریکی کڑوا زمین میں سے ہر ایک انسان اور غیر انسان کی زندگی میں ایک اہم نقش و اثر دیکھتے ہیں اسی بنا پر ان کی قسم کھائی گئی ہے اور ان سب سے بڑھ کر انسان کی نوح اور اس کا جسم ہے، جو ان سب سے زیادہ اسرار آمیز اور حیرت انگیز ہے تہذیب نفس کے بارے میں ہم اس سورہ کے آخر میں ایک بحث کریں گے۔

- ۱۱۔ كَذَبَتْ ثَمُودُ بِطَغْوَاهَا ۖ
 ۱۲۔ اِذَا نُبِعَثَ اَشْقَاهَا ۖ
 ۱۳۔ فَقَالَ لَهُمُ رَسُوْلُ اللّٰهِ نَاقَةُ اللّٰهِ وَسُقْيَاهَا ۖ
 ۱۴۔ فَكَذَّبُوْهُ فَفَقَرُوْهَا ۚ فَدَمْدَمَ عَلَيْهِمُ رَبُّهُمْ
 بِذُنُوبِهِمْ فَفَسَّوْهَا ۖ
 ۱۵۔ وَلَا يَخَافُ عُقْبَاهَا ۖ

Presented by: <https://jafrilibrary.com/>

ترجمہ

- ۱۱۔ قوم ثمود نے سرکشی کی وجہ سے (اپنے پیغمبر کی) تکذیب کی۔
 ۱۲۔ جب کہ ان کا ایک شقی ترین آدمی اُٹھ کھڑا ہوا۔
 ۱۳۔ اور خدا کے بھیجے ہوئے رسول (صالح) نے ان سے کہا : اللہ کے نالائقے کو اس کے پانی پینے کے لیے چھوڑ دو (اور اس کی مزاحمت نہ کرو)۔
 ۱۴۔ لیکن انہوں نے اس کی تکذیب کی ، اور ناقہ کی کوئچیں کاٹ دیں ، اور اُسے ہلاک کر دیا ، لہذا ان کے خدا نے انہیں اس گناہ کی بنا پر جس کے وہ مرتکب ہوئے تھے تباہ کر دیا ، اور ان کی زمین کو ہموار کر دیا۔
 ۱۵۔ اور وہ ہرگز اس کام کے انجام دینے سے نہیں ڈرتا۔

تفسیر سرکشوں کا ہلاکت خیز انجام

اس تنبیہ کے بعد، جو گزشتہ آیات میں ان لوگوں کے انجام کے بارے میں آئی تھی، جو اپنے نفس کو آلودہ کرتے ہیں، ان آیات میں نونہ کے طور پر اس مطلب کی ایک واضح تاریخی مثال کو پیش کیا ہے اور سرکش قوم (ثمود) کی سرورشٹ کو قاطع اور پُر معنی جہازوں کے ساتھ بیان کرتے ہوئے فرماتا ہے: "قوم ثمود نے سرکشی کی وجہ سے (اپنے پیغمبر کی) تکذیب کی: (کے ذہن ثمود بظفواہا)۔"

"طفوی" اور طفیان دونوں ایک ہی معنی میں ہیں، اور وہ صدارت سے تھوڑا کرنا ہے اور یہاں طرود الہی سے تھوڑا کرنا اور اس کے فرامین کے مقابلہ میں سرکشی کرنا مراد ہے۔

قوم ثمود، جن کے پیغمبر کا نام "صالح" تھا، قدیم ترین اقوام میں سے ہے، جو "حجاز" اور "شام" کے درمیان ایک کوہستانی علاقے میں رہتی تھی۔ ان کی زندگی مرزا محال تھی، زمینیں آباد، ہوار میدان اور زراعت کے لیے عمدہ مٹی، شان و شوکت والے محلات اور بڑے بڑے شہر رکھتے تھے۔ لیکن نہ صرف یہ کہ ان سب نعمتیں کا شکر ادا نہیں کرتے تھے، بلکہ سرکشی کرتے ہوئے اپنے پیغمبر صالح علیہ السلام کی تکذیب کے لیے کھڑے ہو گئے، آیات الہی کا مذاق اڑایا اور آخر کار غلطی انہیں ایک آسمانی بجلی کے ذریعے نالود کر دیا۔

اس کے بعد اس قوم کی ایک ظاہری سرکشی کا نمونہ پیش کرتے ہوئے فرماتا ہے: جب کہ ان کا ایک شقی ترین آدمی اٹھ کھڑا ہوا: (اذا نبعث اشقاھا)۔

"اشقی" اس قوم کے شقی ترین اور سنگ دل ترین آدمی کے معنی میں ہے۔ جو اس شخص کی طرف اشارہ ہے جس نے نافرمانی کو ہلاک کیا تھا، وہی اولیٰ (ناقد) جو ایک مجروحہ کے طور پر اس قوم کے درمیان ظاہر ہوئی تھی اور اس کو ہلاک کرنا اس پیغمبر الہی کے ساتھ اعلان جنگ تھا۔

مفسرین اور مومنین کے قول کے مطابق اس شخص کا نام "قدار بن سالت" تھا۔

بعض روایات میں آیا ہے کہ پیغمبر اکرم نے علیؑ سے فرمایا: "من اشقی الاولین؟"

"پہلی قوم میں سب سے زیادہ شقی اور سنگ دل کون تھا؟"

علیؑ علیہ السلام نے جواب میں عرض کیا:

"عاقرا لثاقۃ"

"وہ شخص جس نے نافرمانی کی کڑی کاٹ کر ہلاک کر دیا تھا؟"

پیغمبرؐ نے فرمایا:

بعض علماء لغت کی جملہ سے معلوم ہوتا ہے کہ "طفیان" نامھس وادی کی مہرست میں بھی آیا ہے اور اندر ناقص پانی کی مہرست میں بھی۔ "طفوی"

ناقص وادی کے مادہ سے لیا گیا ہے، اور "طفیان" ناقص پانی سے (غور کیجئے)

” صدقت ، فمن اشقى الآخرين ؟ “

” تم نے سچ کہا ۔ آخری اقوام کا شقی ترین آدمی کون ہے ؟ “

علی علیہ السلام کہتے ہیں : میں نے کہا اسے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مجھے معلوم نہیں ہے ، تو پیغمبر نے فرمایا :

” الذی يضربك على هذه ، و اشار الى يافوخه “

” جو شخص تیرے سر کے اس مقام پر تلوار کی ضرب لگائے گا ، اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے

آپ کی پیشانی کے اوپر والے حصہ کی طرف اشارہ کیا ۔ “

بعد والی آیت میں قوم ثمود کی سرکشی کے بارے میں مزید تشریح پیش کرتے ہوئے فرماتا ہے : ” اللہ کے رسول (حضرت صالح) ”

نے ان سے کہا : خدا کے نافر اس کا پانی پینے کے لیے آنا چھوڑ دو اور اس کی مزاحمت نہ کرو “ (فقال له و رسول الله ناقة الله

وسقياها) ”

یہاں ” رسول اللہ “ سے مراد قوم ثمود کے پیغمبر ، حضرت صالح “ ہیں ، اور ناقة اللہ (وہ اونٹنی جو خدا کی طرف منسوب ہے)

کی تعبیر اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ یہ اونٹنی کوئی معمولی اونٹنی نہیں تھی بلکہ صالح علیہ السلام کے دعویٰ کی صداقت کی ایک گویا و ناقل

سند اور معجزہ کے عنوان سے بھی گئی تھی ۔ مشہور روایت کے مطابق اس کی ایک خصوصیت یہ تھی کہ مذکورہ اونٹنی پہلا کے ایک پتھر کے اندر سے

نکلے تھی تاکہ وہ ہٹ دھرم منکرین کے لیے ایک گویا د ناقل معجزہ ہو ۔

قرآن مجید کی دوسری آیات سے اچھل طرح معلوم ہوتا ہے کہ حضرت صالح علیہ السلام نے انہیں یہ خبر دی تھی کہ بستی کے پینے کا پانی

ان کے اور نافر کے درمیان تقسیم ہو ۔ ایک دن تو نافر کے لیے ہوگا اور ایک دن بستی والوں کے لیے ہوگا ، اور ان میں سے ہر ایک اپنی

باری پر پانی سے فائدہ اٹھائے گا ، اور ایک دوسرے کے لیے مزاحم نہیں ہوگا ،

” ونبئكم ان الماء قسمته بينهم كل شرب محتضر “ (قر - ۷۸)

اور انہیں خصوصیت کے ساتھ بتلادیا گیا : اگر تم نے اس نافر کو ہاتھ لگایا تو عذاب الہی تمہارے دامن گیر ہو جائے گا : ”

ولا تصوها بسوه فياخذكم عذاب يوم عظيم “ (شعرا - ۱۵۶)

اور بعد والی آیت میں فرماتا ہے : اس سرکشی قوم نے اس عظیم پیغمبر کے کلمات اور اس کی تنبیہات کی کوئی پرواہ نہ کی ، اس کی تکذیب

کی اور نافر کو ہلاک کر دیا “ (فكذبوه فحقروه)

” حقروه “ - حقروں کے ہاتھ سے (جو ظلم کے ذوق پر ہے) کسی چیز کی اصل اور جڑ بنیاد کے معنی میں ہے ، اور حقروں کا

۱۔ مجمع البیان جلد ۱۰ ص ۴۹۹ ، یہی معنی کہ محض شہادت میں تفسیر قرطبی میں بھی آیا ہے ، جلد ۶ ص ۷۶۸

۲۔ ” یا فوخ “ سر کے اس نلے حصہ کو کہا جاتا ہے ، جو بچوں میں بالکل نرم ہوتا ہے ، اور آہستہ آہستہ لمبی کی مشورت اختیار کرتا ہے اور مضبوط ہوتا ہے ،

اور سر کا حساس ترین مقام ہے ۔

۳۔ ” ناقة اللہ “ منسوب ہے ، ایک نعل منسوب ہے اور تفسیر میں اس طرح ہے ، ذروا ناقة اللہ وسقياها ، اس کے شاہد کہ جو مشرہ

اعراف کی آیہ ۷۳ اور مشرہ ثمود کی آیہ ۶۴ میں آیا ہے ۔

معنی اس کی جڑ کاٹنے اور ہلاک کرنے کے معنی میں ہے۔

بعض نے یہ بھی کہا ہے کہ اس سے مراد اس کی کوئی چیز یعنی اس جانور کے پاؤں کے پچھلے حصہ کو کاٹنا اور اُسے زمین پر پھینکنا ہے کہ اس کا نتیجہ بھی اس حیوان کی موت ہی ہے۔

قابلِ توجہ بات یہ ہے کہ جس شخص نے نافر کو ہلاک کیا تھا وہ صرف ایک ہی کتاب جسے قرآن نے "اشقی" سے تعبیر کیا ہے۔ لیکن اُد پر والی آیت میں ہم دیکھتے ہیں کہ اس عمل کی قومِ ثمود کے تمام سرکشوں اور ظالموں کی طرف نسبت دی گئی ہے اور "عقروا" جمع کے صیغہ کی صورت میں آیا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ دوسرے لوگ بھی اُس طرح سے اُس کام میں حصہ دار تھے، کیونکہ اُد اس قسم کی سازشیں عموماً گروہ اور جماعت کے توسط سے پیش ہوتی ہیں۔ اس کے بعد معینی آدمی یا چند افراد کے ہاتھوں پایہ تکمیل کو پہنچتے ہیں۔ ثنائیا چونکہ مدسول کی رضا اور خوشنودی سے انجام پاتی ہیں تو وہ ان کی اس کام میں شرکت کا سبب بن جاتا ہے، یعنی رضامندی نتیجہ میں شرکت کا سبب بنتی ہے۔

اسی لیے امیر المؤمنین علی علیہ السلام کے نصح و تبلیغ کلام میں آیا ہے :

"انما عقروا ناقة ثمود رجل واحد فعمه الله بالعذاب، لما عموه بالرضی، فقال سبحانه :

فقنروها فاصبحوا نادمین :

"ناقر ثمود کو صرف ایک ہی شخص نے ہلاک کیا تھا، لیکن خدا نے عذاب میں سب کو شامل کیا ہے کیونکہ وہ سب اس امر پر راضی تھے، اسی لیے فرماتا ہے :

"ان (سب نے) نافر کو ہلاک کیا، اور اس کے بعد وہ سب سے سب اپنے آپ کے پر نام ہو گئے۔" (لیکن اس وقت جب پشیمانی کا کوئی فائدہ نہیں تھا) !

اس نکتہ ذیاب اور شدید مخالفت کے بعد خدا نے انہیں ایسی سزا دی کہ ان کا نام و نشان تک باقی نہ رہا، جیسا کہ اسی آیت کو جاری رکھتے ہوئے فرماتا ہے : "ان کے پردہ گارنے ان کے اس گناہ کی بنا پر جس کے وہ مرتکب ہوئے تھے سب کو نابود کر دیا، اور ان کی سرزمین کو صاف اور ہموار بنا دیا۔" (فدمدم علیہم وریہو یذنبہم وفسواھا)۔

صافحہ یعنی اسی عظیم آسمانی چیخ نے چند ہی لمحہ کے اندر اندران کی سرزمین کو ہلاک کر رکھ دیا اور ایسا زلزلہ پیدا کیا کہ ان کے سارے کے سارے مکانات زمیں بوس ہو گئے، اور ان کے گھروں کو ان کی قبروں میں بدل کر رکھ دیا۔

"دمدم" "دمدمہ" کے مادہ سے، کبھی تو ہلاک کرنے کے معنی میں آیا ہے، اور کبھی عذاب اور مکمل سزا کے معنی میں، بعض اوقات کوٹنے اور نرم کرنے کے معنی میں آیا ہے، اور کبھی جوش سے اکھاڑنے کے معنی میں، اور کبھی غضب ناک ہونے کے معنی میں یا احاطہ کرنے اور گھیر لینے کے معنی میں، اور زیر بحث آیت میں یہ سب معانی صادق آتے ہیں کیونکہ اس وسیع عذاب کا سرچشمہ

۱۔ نبی ابلاغہ علیہ ۲۰۱۔

۲۔ مطوابع رافضی، لسان العرب، جمع البیان اور تفسیر کی مدد سے لکھا۔

غضب الہی ہے، اور ان سب کی اس نے سرکوبی کی، انہیں کمر کر کیا اور انہیں جڑ سے اٹھاڑ چھینکا۔

”سقاھا“ ”تسویہ“ کے مادہ سے، ممکن ہے کہ صیغہ عظیم اور صاعقہ و زلزلا کی وجہ سے ان کے گھروں کا صفایا کرنے اور ان کی زمینوں کو صاف کرنے کے معنی میں ہو، یا اس گروہ کو ایک طرف ٹھکانے لگانے کے معنی میں ہو، یا ان سب کی سزا و عذاب میں ملوث کر کے لیے ہو اس طرح سے کہ ان میں سے کوئی بھی اس ماجرے سے صحیح و سالم نہ بچا۔

ان معانی کے درمیان جمع بھی ممکن ہے۔

”سقاھا“ میں ضمیر قبیلہ، ثمود کی طرف لوٹتی ہے، یا ان کے شہروں اور آبادیوں کی طرف، جنہیں خدا نے مٹی میں ٹکڑے کر ڈیا۔ بعض نے یہ بھی کہا ہے کہ یہ ”حدم“ کی طرف لوٹتی ہے جو بعد والے جملہ سے معلوم ہوتی ہے، یعنی خدا نے اس خشم و غضب و ہلاکت کو ان کے درمیان یکساں قرار دیا، اس طرح سے کہ تمام کو اس نے گھیر لیا۔

لیکن پہلی تفسیر زیادہ مناسب نظر آتی ہے۔

ضمنی طور پر اس آیت سے بخوبی معلوم ہوتا ہے کہ ان کی سزا اور عذاب ان کے گناہ کا نتیجہ اور اس کے ساتھ مناسبت رکھتا تھا اور یہ عین عدالت و حکمت ہے۔

بہت سی اقوام کے بارے میں ہم پڑھتے ہیں کہ وہ آثار عذاب کے ظہور کے وقت پشیمان ہو گئیں، اور توبہ کی راہ اختیار کر لی، لیکن تعجب کی بات یہ ہے کہ بعض روایات میں آیا ہے کہ جس وقت صالح علیہ السلام کی قوم نے عذاب کی نشانیاں دیکھیں تو وہ صالح علیہ السلام کی تلاش میں نکل پڑے ہوئے کہ جہاں کہیں بھی وہ بل جائیں انہیں ہلاک کر دیں۔ اور یہ خدا و پیغمبر کے مقابلہ میں ان کے حصیان و سرکشی کے شدید ہونے کی دلیل ہے۔ انہیں خدا نے صالح علیہ السلام کو نجات دی اور اس قوم کو ہلاک کر دیا، اور ان کی زندگی کے دفتر کو کلی طور پر لپیٹ دیا۔

انجام کار آخری آیت میں ان تمام لوگوں کو جو اسی راستہ پر چلتے ہیں، سخت تنبیہ کرتے ہوئے فرماتا ہے: ”اور خدا کو اس کام کے انجام کا کوئی خوف نہیں ہے“ (ولا يخاف عقباہا)۔

بہت سے ایسے حاکم ہیں جو سزا دینے پر قدرت رکھتے ہیں، لیکن وہ ہمیشہ اس کے نتیجہ اور انجام سے ڈرتے رہتے ہیں، ان کے رد عمل اور عکس العمل سے خوف زدہ رہتے ہیں اور اسی بنا پر اپنی قدرت سے فائدہ نہیں اٹھاتے، اور زیادہ صحیح تفسیر میں ان کی قدرت ضعف و ناتوانی کے ساتھ اور ان کا علم ہلاکت کے ساتھ ملا ہوا ہوتا ہے کیونکہ وہ اس بات سے ڈرتے ہیں کہ کہیں ان میں اس کے بُرے نتائج کے مقابلہ کی طاقت نہ ہو۔

لیکن خداوند قادر و متعال جس کا علم ان تمام امور اور ان کے حواقب و آثار پر احاطہ رکھتا ہے، اور اس کی قدرت میں حوادث کے بُرے نتائج کے مقابلہ میں کسی قسم کے ضعف و ناتوانی کی آمیزش نہیں ہوتی۔ اور اسی بنا پر انتہائی قدرت اور قاطعیت کے ساتھ جس چیز کا ارادہ کرتا ہے اُسے انجام دے دیتا ہے۔

سرکشوں کو بھی اپنے کیے کی سزا بھگتنی پڑے گی، لہذا انہیں اپنے اعمال کی وجہ سے خدا کے خشم و غضب کا مشمول ہونے سے

خود کو بچانا چاہیے۔

”عقبنی“ اختتام، انتہا اور انجام کار کے معنی میں ہے اور ”عقبھا“ کی ضمیر ”دممعه“ اور ہلاکت کی طرف لڑتی ہے۔

چند نکات

۱۔ قوم ثمود کی سرگزشت کا خلاصہ

قوم ”ثمود“ جیسا کہ ہم نے بیان کیا ہے، مدینہ اور شام کی درمیانی سرزمین میں (جس کا نام وادی القرطی ہے) زندگی بسر کرتی تھی۔ ان کا دین و مذہب بت پرستی تھا اور وہ انواع و اقسام کے گناہوں میں ملوث تھے۔ خدا کے عظیم پیغمبر صالح ان میں مبعوث ہوئے اور ان کی ہدایت اور نجات کے لیے مکرہمت باز بھی، لیکن نہ تو یہ لوگ بت پرستی سے دست بردار ہوئے اور نہ ہی انہوں نے سرکشی اور گناہ کے بارے میں اپنا نظریہ بدلا۔

جب انہوں نے معجزہ کا قیام کیا تو خدا نے ایک نافر (اڈلٹی) اجمار آمیز اور خارق العادہ طریقے سے پہاڑ کے اندر سے نکالی لیکن اس بنا پر کہ اس بارے میں ان کی آزمائش کرے یہ نیکم دیا کہ اس بستی کا ایک دن کا سا پانی اس اڈلٹی کے لیے رہے گا اور ہر دن کا پانی وہ خود استعمال کریں گے، یہاں تک کہ بعض روایات میں آیا ہے کہ جس دن وہ پانی سے محروم ہوتے تھے تو اس اڈلٹی کے دروازے سے فائدہ اٹھاتے تھے۔ لیکن یہ عظیم معجزہ بھی ان کی ہمت دھری اور فتنہ و تجر میں کمی نہ کر سکا۔ لہذا انہوں نے نافر کو نابود کرنے کا منصوبہ بنایا اور حضرت صالح علیہ السلام کو قتل کرنے کا بھی، کیونکہ وہ انہیں اپنی خواہشات اور ہوا و ہوس میں مڑا رہے تھے۔

نافر کی نابودی کا منصوبہ ایک بہت ہی بے رحم اور شقی آدمی ”قدار بن سالف“ کے ذریعے عمل میں آیا اور اس نے کئی ضرروں کے ساتھ نافر کو زمین پر ڈھیر کر دیا۔

یہ بات حقیقت میں خدا کے ساتھ اعلان جنگ تھی، کیونکہ وہ یہ چاہتے تھے کہ نافر کو ختم کر دینے سے، جو صالح علیہ السلام کا معجزہ تھی، ثور ہدایت کو خاموش کر دیں گے۔ اس موقع پر حضرت صالح علیہ السلام نے انہیں آگاہ کیا کہ وہ زمین دن تک اپنے گھروں میں جس نعمت سے لذت حاصل کرنا چاہیں کر لیں، لیکن وہ اچھی طرح جان لیں کہ تین دن کے بعد عذاب الہی سب کو گھیر لے گا۔ (سورہ صافات) یہ تین دن آخری غور و فکر کے لیے ایک غلط تھی، اور توبہ و بازگشت کے لیے ایک آخری فرصت۔ لیکن انہوں نے نہ صرف یہ کہ تجدید نظر نہیں کی، بلکہ ان کے غلیان و سرکشی میں اضافہ ہو گیا۔ اس موقع پر عذاب الہی ان پر نازل ہوا اور ”میسہ آسمانی“ نے ان کی سرزمین کو درہم و درہم کر کے رکھ دیا اور وہ سب کے سب اپنے گھروں میں زمین پر ادھڑے گر پڑے اور مر گئے۔ ”وَ اخذ الذین ظلموا الصیحة فاصبحوا فی دیار ہم رجاسۃ“ (ہود - ۶۷)۔

۱۔ میسہ آسمانی جیسا کہ ہم نے پہلے ہی اشارہ کیا ہے ”صافحہ“ کے معنی میں ہے جو ایک عظیم آواز بھی کہتی ہے اور سخت قسم کا زلزلہ بھی پیدا کرتی ہے، اور آگ اور جلانے کے ساتھ قرام برتی ہے اور علیٰ غرہ کے مطابق ایک عظیم برقی شعلہ ہے، جو بلوں کے درمیان جو مثبت برقی بار کے حامل ہوتے ہیں اور زمین جو منفی بار رکھتی ہے، وجود میں آتا ہے۔

وہ ایسے نابود ہوئے، اور ان کی سرزمین اس طرح خاموش ہوئی کہ گویا ہرگز ان گھروں میں کوئی رہتا ہی نہیں تھا۔ لیکن خدا نے صالحؑ اور ان کے موسیٰ اصحاب کو اس جگہ سے نجات بخشی۔ (حدود - ۶۶)۔

قوم ثمود کی سرگزشت کی مزید تفصیل کے بارے میں تفسیر نمونہ جلد ۵ ص ۲۱۲ سے آگے مطالعہ کریں۔

۲۔ "اشقی الاولین" و "اشقی الآخرين"

شیخہ دوستی بزرگ علما کی ایک جماعت منجملہ ثعلبی، واحدی، ابن مردویہ، خطیب بغدادی، طبری موصلی اور احمد ضلیٰ وغیرہ نے اپنی اپنی اسناد کے ساتھ عمار یاسرؒ، جابر بن سمروہ اور عثمان بن مسیب کی دسالت سے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اس طرح نقل کیا ہے کہ آپؐ نے علی علیہ السلام سے فرمایا،

"یا علی! اشقی الاولین عاقراً ناقراً، واشقی الآخرين قاتلاً، وفی

روایۃ من یخصب هذه من هذا :

"اے علی! پہلے لوگوں میں سے بد بخت ترین شخص وہ تھا جس نے ناقہ صالح کو قتل کیا،

اور پچھلے لوگوں میں سے بد بخت ترین آدمی تیرا قاتل ہے اور ایک روایت میں آیا ہے کہ

جو اس کو اس سے رنگین کرے گا، (جو اس طرف اشارہ ہے کہ تیری دائمی کوتاہی سے

کے خون سے عذاب کرے گا)۔

حقیقت میں ناقہ صالحؑ کی کوئیں کاٹنے والے "قدار بن یوسف" اور امیر المومنین کے قاتل "عبد الرحمن بن ملجم مرادی" کے درمیان ایک شباهت موجود تھی، ان دونوں میں سے کسی کو بھی ذاتی رنجش نہیں تھی۔ بلکہ دونوں ہی یہ چاہتے تھے کہ نور حق کو خاموش کر دیں۔ اور جس طرح ناقہ صالحؑ کے ماجرے کے بعد اس طاعنی اور سرکش قوم کو عذاب الہی نے گھیر لیا تھا، مسلمان بھی امیر المومنین علیؑ کی مظلومانہ شہادت کے بعد عار و بے آبرو بنی امیہ کی حکومت کے زیر تسلط و دو تارک ترین عذابوں کے شاہد ہوئے۔

قابل توجہ بات یہ ہے کہ "حاکم جیسانی" نے "مشواہد التنزیل" میں اس سلسلے میں بہت زیادہ روایات نقل کی ہیں، جو مضمون و مطالب کے لحاظ سے اوپر والی روایت کے مشابہ ہیں۔

۳۔ تہذیب نفس ایک عظیم خدائی وظیفہ ہے

جس قدر قرآنی قسمیں کسی چیز کے سلسلہ میں زیادہ سے زیادہ تعداد میں اور زیادہ حکم ہوں وہ اس موضوع کی اہمیت کی دلیل ہیں اور ہم جانتے ہیں کہ زیادہ طولانی اور زیادہ تاکید کی قسمیں اسی شعوہ میں ہیں، خصوصاً خدا کی ذات پاک کی قسم کا اس میں تین مرتبہ تکرار ہوا ہے۔ اور انجام کار اس مسئلہ پر چمکیا ہوا ہے کہ فلاح و رست گاری تحریک نفس میں ہے۔ اور محرومیت اور شکست و بد بختی تحریک کے ترک کر دینے میں ہے۔

حقیقت میں انسانی زندگی کا اہم ترین مسئلہ بھی یہی مسئلہ ہے اور حقیقتاً قرآن نے اوپر والے معنی کے ساتھ معنوم کو واضح کر دیا ہے کہ

۱۔ "تفسیر فراخانی" جلد ۵ ص ۵۸۰

۲۔ "شواہد التنزیل" جلد ۲ ص ۲۳۵ تا ۲۴۲

انسان کی نجات و درست گامی تصورات اور خیالوں کی مرہون منت نہیں ہے، نہ ہی مال و ثروت اور مقام و منصب کے سایہ میں اور نہ ہی دوسرے اشخاص کے اعمال کے ساتھ وابستہ ہے۔ (جیسا کہ عیسائی خیال کرتے ہیں کہ ہر شخص کی نجات عیسائی مسیح کی فداکاری کی مرہون منت ہے اور نہ ہی اس قسم کی دوسری باتوں میں۔

بلکہ نجات انسانی ایمان و عمل صالح کے سایہ میں نوح و جان کی پاکیزگی اور بلندی کی مرہون منت ہے۔ انسان کی بد بختی اور شکست بھی نہ تو اجباری قضا و قدر میں ہے، اور نہ ہی الزامی سرگزشتوں میں، اور نہ ہی دوسروں کے کیے ہوئے کاموں میں، بلکہ وہ صرف اور صرف گناہ کی آلودگی سے بچے رہنے میں ہے اور تقویٰ کی راہ اختیار کرنے میں ہے۔ تاریخوں میں آیا ہے کہ عزیز مصر کی بیوی (زلیخا) نے، جب یوسفؑ قزاقوں کے ملک اور سرزمین مصر کے حاکم بن گئے، ان سے ملاقات کی اور کہا:

”ان الحرص والشهوة تصير المملوك عبداً، وان الصبر والتقوى يصير العبيد مملوكاً، فقال يوسف قال الله تعالى: انه من يتق ويصبر فان الله لا يضيع اجر المحسنين“

”حرص و شہوت بادشاہوں کو غلام بنا دیتے ہیں اور صبر و تقویٰ غلاموں کو بادشاہ بنا دیتے ہیں۔ یوسفؑ نے اس کی بات کی تصدیق کی اور یہ کلام الہی اسے یاد دلایا۔ جو شخص تقویٰ اور صبر و شکیبائی اختیار کرے گا تو خدا شیکو کاروں کے اجر کو ضائع نہیں کرتا۔ یہی مطلب ایک دوسری عبارت میں نقل ہوا ہے کہ عزیز مصر کی بیوی ایک راہ گزر میں بیٹھی ہوئی تھی کہ یوسفؑ کی سواری وہاں سے گزری، تو زلیخا نے کہا:

”الحمد لله الذي جعل المملوك بمعصيته معبداً، ويجعل العبيد بطاعته مملوكاً“

”سب تعریفیں اس اللہ کے لیے ہیں کہ جس نے بادشاہوں کو معصیت اور نافرمانی کی بنا پر غلام بنا دیا، اور غلاموں کو اطاعت و فرماں برداری کی وجہ سے بادشاہ بنا دیا۔ ہاں نفس کی بندگی انسان کی غلامی کا سبب ہے، اور تقویٰ و تہذیب نفس عالم ہستی پر حکومت کرنے کا سبب ہے۔ ایسے افراد کتنے زیادہ ہیں جو خدا کی بندگی اور اطاعت کی وجہ سے ایسے بلند مقام تک پہنچے ہیں کہ ولایت مکیوبی کے ملک بن گئے، خدا کے اذن سے اس عالم کے خدوٹ میں اثر انداز ہو سکتے ہیں اور کرامات و خوارق عادات پر دسترس رکھ سکتے ہیں۔ خداوند! ہمارے نفس کے ساتھ مبارزہ کرنے میں تو ہماری مدد اور نصرت فرما۔

پروہدو گارا! تو نے ہمیں ”نخور“ و ”تقویٰ“ کا الہام کیا ہے۔ ہمیں اس الہام سے فائدہ اٹھانے کی توفیق عنایت فرما۔

ہا انا ! شیطان کے مکر و فریب انسان کے نفس میں منفی دلچسپیہ ہیں ، ہمیں ان سکول کی شناخت سے آشنا کر دے !
امین یا رب العالمین
سورہ الشمس کا اختتام

اختتام ترجمہ قسم منزل خود

۸ رمضان المبارک ۱۴۰۸ھ ۸ بجے صبح



سُورَةُ اللَّيْلِ

❖ یہ سورہ مکہ میں نازل ہوا۔

Presented by: <https://jafrilibrary.com/>

❖ اس کی ۲۱ آیات ہیں۔

سُورَةُ الْاٰلِیْلِ کے مضامین اور اس کی فضیلت

یہ سورہ جو کئی سورتوں میں سے ہے اور کئی سورتوں کی خصوصیات کا حامل ہے، مختصر آیات کے ٹکڑوں میں ہے، لیکن ان کے مضامین گرما گرم اور تیز ہیں، اور زیادہ ترقیامت، خدائی جزا و سزا اور اس کے عوامل و اسباب کے بارے میں ہیں۔ ابتدا میں تین قسموں کو ذکر کرنے کے بعد لوگوں کو دوزخوں میں تقسیم کیا ہے۔

۱۔ تقویٰ کے ساتھ اتفاق کرنے والے۔

۲۔ وہ بخیل جو قیامت کے اجر و پاداش کے منکر ہیں۔ پہلے گروہ کا انجام کار خوش بختی اور راحت و آرام ہے جب کہ دوسرے گروہ کا انجام کار سختہ، تنگی اور بد بختی ہے۔

اس گروہ کے دوسرے حصہ میں اس معنی کی طرف اشارہ کرنے کے بعد کہ بندوں کو ہدایت کرنا خدا کا کام ہے، سب لوگوں کو دوزخ کی بھڑکتی ہوئی آگ سے ڈرایا ہے۔

اور آخری حصہ میں، ان لوگوں کے، جو اس آگ میں جلیں گے، اور اس گروہ کے، جو اس سے نجات پائیں گے، اوصاف بیان کرتے ہوئے تعارف کرایا ہے۔

اس سورہ کی تلاوت کی فضیلت میں پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا :

”من قرأھا اعطاه اللہ حتی یرضی، وعافاه من العسر والیسر، الیسر“ :

”جو شخص اس سورہ کی تلاوت کرے گا خدا اسے اس قدر عطا کرے گا کہ وہ راضی اور خوش

ہو جائے گا، اور اسے سختیوں سے نجات دے گا اور زندگی کی راہوں کو اس کے لیے آسان

کر دے گا۔

سُبْحَانَكَ اللَّهُمَّ وَالْحَمْدُ لَكَ

- ۱۔ وَاللَّيْلِ إِذَا يَنفَسُ ۝
- ۲۔ وَالنَّهَارِ إِذَا تَجَلَّى ۝
- ۳۔ وَمَا خَلَقَ الذَّكَرَ وَالْأُنثَى ۝
- ۴۔ إِنَّ سَعْيَكُمْ لَشَتَّى ۝
- ۵۔ فَأَمَّا مَنْ أَعْطَى وَاتَّقَى ۝
- ۱۔ وَصَدَّقَ بِالْحُسْنَى ۝
- ۷۔ فَسَنِيَرُهُ لِلْيُسْرَى ۝
- ۸۔ وَأَمَّا مَنْ بَخِلَ وَاسْتَغْنَى ۝
- ۹۔ وَكَذَّبَ بِالْحُسْنَى ۝
- ۱۰۔ فَسَنِيَرُهُ لِلْعُسْرَى ۝
- ۱۱۔ وَمَا يُغْنِي عَنْهُ مَالُهُ إِذَا تَرَدَّى ۝

ترجمہ

- شروع اللہ کے نام سے جو رحمان و رحیم ہے
- ۱۔ قسم ہے رات کی جب کہ وہ عالم کو ڈھانپ لے۔
 - ۲۔ اور قسم ہے دن کی جب کہ وہ تجلی کرے۔
 - ۳۔ اور قسم ہے اس کی جس نے مذکر و مؤنث پیدا کیے۔
 - ۴۔ کہ تمہاری سعی و کوشش مختلف ہے۔
 - ۵۔ پس وہ شخص کہ جو (راہِ خدا میں اتفاق کرے اور پرہیزگاری اختیار کرے۔
 - ۶۔ اور خدا کی نیک جزا کی تصدیق کرے۔
 - ۷۔ ہم اس کی راہوں کو آسان بنا دیں گے۔
 - ۸۔ لیکن جو شخص نجل کرے، اور اس طریقہ سے بے نیاز ہونا چاہے۔
 - ۹۔ اور (خدا کی) اچھی جزاؤں کی تکذیب کرے۔
 - ۱۰۔ ہم عنقریب اس کی راہوں کو دشوار بنا دیں گے۔
 - ۱۱۔ اور جس وقت وہ (جہنم یا قبر میں) گرے گا تو اس کے اموال اس کی حالت کے لیے
- مُفید نہیں ہوں گے۔

سُورَةُ الْاٰلِیْلِ کا شانِ نزول

مفسرین نے اس سالم سورہ کے لیے ابن عباسؓ سے ایک شانِ نزول نقل کی ہے۔ ہم اس شانِ نزول کو مرحوم طبرسیؒ کی ”معجم البیان“ سے نقل کرتے ہیں :

مسلمانوں میں سے ایک شخص کے مجبور کے درخت کی ایک شاخ ایک فقیر حیاں دار کے گھر کے اوپر پہنچی ہوئی تھی۔ مجبور ملا جب

خرے اٹانے کے لیے درخت پر چڑھتا تو بعض اوقات خرے کے کچھ والے اس فقیر آدمی کے گھر میں جاگرتے، اور اس کے بچے انہیں اٹھا لیتے۔ وہ شخص کجور کے درخت سے اتر کر خرے ان سے پھین لیتا، (اور وہ اتنا بخیل اور سگدل تھا کہ) اگر ان میں سے کسی کے منہ میں بھی خرہ کا دانہ دیکھتا تو اس کے منہ میں اٹھکی ڈال کر نکال لیتا۔ اس مرد فقیر نے پیغمبر کی خدمت میں شکایت کی۔ حضور نے فرمایا: تم جاؤ میں تمہارا یہ کام کرتا ہوں، اس کے بعد آپ نے کجور والے سے ملاقات کی اور فرمایا یہ درخت جس کی شاخیں فلاں گھر کے اوپر پہنچی ہوئی ہیں، مجھے دے دے تاکہ اس کے مقابلہ میں جنت میں ایک درخت ہو۔ اس نے کہا میرے پاس کجور کے بہت سے درخت ہیں لیکن کسی کے خرے اس درخت جیسے اچھے نہیں ہیں۔ (لہذا میں یہ سودا کرنے کے لیے تیار نہیں ہوں)۔

اصحاب پیغمبر میں سے کسی نے یہ گفتگو سُن لی۔ اس نے عرض کیا: اے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اگر میں جا کر یہ درخت اس شخص سے خرید لوں اور آپ کو دے دوں تو آپ دینی چیز جو اس کو دے رہے تھے مجھے عطا فرمائیں گے؟ آپ نے فرمایا: ہاں! اس شخص نے جا کر درخت والے سے ملاقات کی اور اس سے اس سلسلہ میں بات کی۔ کجور کے مالک نے کہا: کیا تجھے معلوم ہے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اس کے بدلے میں جنت میں کجور کا ایک درخت مجھے دینے کے لیے تیار تھے (لیکن میں نے قبول نہیں کیا)۔ اور میں نے انہیں یہ کہہ دیا کہ میں اس کے خرے سے بہت لذت اندوز ہوتا ہوں، میرے پاس بہت سے کجور کے درخت ہیں لیکن کسی کے خرے اتنے اچھے نہیں ہیں۔

فریاد سنے کہا: کیا تو اسے دینا چاہتا ہے یا نہیں؟ اس نے کہا: نہیں، میں اسے نہیں سمجھتا گا، مگر صرف اس ضرورت میں کہ اتنی رقم مجھے دے کر کوئی بھی اتنی رقم نہیں دے گا۔ اس نے کہا: تو کتنی رقم لینا چاہتا ہے؟ اس نے کہا چالیس درخت۔ خریدار نے تقب کرتے ہوئے کہا: تو ایسے کجور کے درخت کی جو ٹیڑھا ہو چکا ہے بہت ہی بھاری قیمت مانگتا ہے۔ چالیس کجور کے درخت!

پھر قحطی سے سکوت کے بعد اس نے کہا: بہت اچھا، میں خرے کے چالیس درخت تجھے دیتا ہوں۔ بیچنے والے (لاہکی) نے کہا: اگر تو سچ کہتا ہے تو کچھ آدمیوں کو گواہی کے لیے بلا لے! اتفاقاً کچھ لوگ وہاں سے گزر رہے تھے اس نے انہیں آواز دی اور انہیں اس معاملہ پر گواہ بنایا۔

اس کے بعد وہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں آیا اور عرض کیا: "اے رسول خدا!" وہ کجور کا درخت میری ملکیت میں لکھا ہے اور میں اسے (آپ کی بارگاہ مبارک میں) پیش کرتا ہوں۔

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فقیر کے گھر والوں کے پاس گئے اور صاحب خانہ سے کہا: "یہ کجور کا درخت تیرا اور تیرے بچوں کا ہے۔" اس موقع پر سہوہ واللیل، نازل ہوئی۔ (اور بخیل اور سمیل کے بارے میں ان کے لائق باہمی کہیں)۔

بعض روایات میں آیا ہے کہ اس خریدار کا نام "ابوالاصلاح" تھا۔

تفسیر

تقویٰ اور خدائی امدادیں

اس سورہ کے آغاز میں ہم پھر تین فکر انگیز (مخلوقات اور خالق عالم کی) قسمیں کا سامنا کر رہے ہیں، فرماتا ہے:

”قسم ہے رات کی جب کہ وہ سارے جہان کو ڈھانپ لے“۔ (واللیل اذا یغطی)۔

”یغطی“ کی تعبیر ممکن ہے اس بنا پر کہ رات کی تاریکی پردہ کی طرح آدھے گزرتہ زمین پر پڑتی ہے، امداد سے اپنے نیچے ڈھانپ لیتی ہے۔ یا اس بنا پر کہ دن کا چھو یا آفتاب و آفتاب کا چہرہ اس کے پہنچ جلتے سے ڈھک جاتا ہے۔ بہر حال یہ رات کی اہمیت اور انسانی کی زندگی میں اس کے اثرات کی طرف سورج کے اعتدال سے لے کر، اس کے سائے میں تمام زندہ موجودات کے اہم و مکلف اور شب زندہ دار، بیدار دل اور آگاہ افراد کے مسئلہ تک ایک اشارہ ہے۔

اس کے بعد دوسری قسم کو بیان کرتا ہے اور مزید کہتا ہے: ”اور قسم ہے دن کی جب کہ وہ آشکار و ظاہر ہو“ (والنہار اذا تجلی)۔ بلکہ اور یہ اس لمحہ کی بات ہے جب سپینہ صبح رات کے ظلمات کی پردہ کو ہیر ویتا ہے اور تاریکیوں کو کچھ دھکیل کر سارے مغز آسمانی پر حاکم بن جاتا ہے۔ اور ہر چیز کو نور اور روشنی میں نکلا دیتا ہے۔ وہی نور و روشنی جو حرکت و حیات کی دھڑ اور تمام زندہ موجودات کی پردہ ریش کا سبب قرآن مجید میں ”نور“ و ”ظلمت“ کے نظام کے مسئلہ امداد ان کی انسانی زندگی پر تاثیر کی طرف بہت زیادہ توجہ دی گئی ہے، کیونکہ یہ دو عظیم دائمی نعمتیں پردہ نگار کی اہم آیات میں سے دو آتیں ہیں۔

اس کے بعد آخری قسم کو بیان کرتے ہوئے فرماتا ہے: ”اور قسم ہے اس ذات کی جس نے مذکر و مؤنث کے جنس کو پیدا کیا“۔ (وما خلق الذکر والانیث)۔

کیونکہ عالم ”انسان“ و ” حیوان“ اور ”نبات“ میں ان دونوں جنسوں کا وجود، اور وہ تغیرات جو اختلاف نطفہ سے لے کر تولد تک رونما ہوتی ہیں، اور وہ خصوصیات و صفات جو دونوں جنسوں میں ان کی فعالیتوں اور پروگراموں کی نسبت سے پائی جاتی ہیں اور وہ بہت سے اسرار جو جنسیت کے مفہوم میں چھپے ہوئے ہیں، یہ سب عظیم عالم آفرینش کی نشانیاں اور آیات ہیں جن کے ذریعے ان کے پیدا کرنے والے سے واقفیت حاصل کی جاسکتی ہے۔

لہٰذا قابل توجہ بات یہ ہے کہ ”یغطی“ فعل مضارع کی صحت میں ذکر ہوا ہے، لیکن ”تجلی“ فعل ماضی کی صحت میں ہے۔ بعض نے کہا ہے: یہ اس بنا پر ہے کہ اس ناز میں جب پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رحمت کا آغاز تھا تو جاہلیت کی تاریکی نے ہر جگہ کو گھیر رکھا تھا۔ لیکن اس صرحت میں ایسی ظلمت و تاریکی کی قسم کھانا کہ اچھا کھانا نہیں دیتا۔ بہتر یہ ہے کہ یہ کہا جائے کہ یہ فعل ماضی چونکہ ”اذا“ شرطیہ کے بعد واقع ہوا ہے، لہٰذا فعل مضارع کا معنی دیتا ہے، یا یہ کہ اصل میں ”تتجلی“ تھا اور اس کی ایک ”تاء“ حذف ہو گئی ہے، لیکن اس صرحت میں فعل غرضت ہو جائے گا، اور پھر ”فہما“ (دہن) اس کا قائل نہیں ہو سکتا بلکہ پھر تقدیر میں اس طرح ہونا چاہیے۔ ”اذا تتجلی الشمس فیہ“ (جب اس میں سورج آشکار و ظاہر ہو)۔

”ما“ (وہ چیز) کی تفسیر یہاں خدا کے بارے میں اس کی ذات پاک کی حد سے زیادہ عظمت سے کیا یہ ہے، اور یہ وہ ابہام ہے جو اس لحاظ سے یہاں اس طرح حکم فرما رہا ہے کہ وہ اُسے خیال و قیاس و گمان و دہم سے برتر کر دیتا ہے۔ بعض نے یہ بھی کہا ہے کہ ”ما“ یہاں مصدر یہ ہے، تو اس بنا پر اس جملہ کا معنی یہ ہو گا: قسم ہے ذکر و توثیق کی خلقت کی یکس یہ احتمال بہت ضعیف نظر آتا ہے۔

حقیقت میں پہلی اور دوسری دو قسمیں آیات آفاقی کی طرف اشارہ ہیں، اور تیسری قسم آیات انفسی کی طرف اشارہ ہے۔ آخر کار ان قسموں کے ہدف کو بیان کرتے ہوئے فرماتا ہے: ”زندگی کے لیے تمہاری ساری دگرگشت مختلف اور گونا گوں ہے۔“ (ان سب کو لاشعۃً)۔

ان دگرگشتوں کی سمت، اور ان کے نتائج بھی مکمل طور پر مختلف اور متفاوت ہیں، جو اس طرف اشارہ ہے کہ تم بہر حال زندگی میں سکون و آرام سے نہیں رہو گے، اور یقینی طور پر ساری دگرگشت کے لیے ہاتھ پاؤں مارو گے، اور خدا داد قوتوں اور توانائیوں کو، جو تمہارے وجود کا سرمایہ ہیں، کسی نہ کسی راستے میں خرچ کر دو گے۔ لہذا اب تم خود دیکھو گے کہ ہنداری ساری دگرگشت کس راستے، کس سمت اور کس نتیجہ کی حامل ہے؛ کہیں ایسا نہ ہو کہ تم اپنے تمام سرمایوں اور صلاحیتوں کو تھوڑی سی قیمت پر بیچ ڈالو، یا فضول شغف میں ضائع کر بیٹھو۔ ”شقی“ ”شقیۃ“ کی جمع ہے جو ”شت“ (بھٹن شط) کے مادہ سے جمعیت کو پرگندہ کرنے کے معنی میں ہے۔ اور یہاں کیفیتِ مقصد کے حصول اور ان کے نتیجہ کے لحاظ سے لوگوں کی دگرگشتوں کے اختلاف کی طرف اشارہ ہے۔

اس کے بعد لوگوں کو دو گروہوں میں تقسیم کر کے ہر ایک کی خصوصیات کو شمار کرتے ہوئے فرماتا ہے: ”پس وہ شخص جو راہِ غلامی بخشش کرے اور پرہیزگاری اختیار کرے۔“ (فاما من اعطی و اتقى)۔

”اور خدا کی اچھی جزا پر ایمان رکھتا ہو“ (و صدق بالحسنى)۔

”ہم اس کے لیے راستے کو آسان بنا دیں گے اور بہشتِ جاوداں کی طرف ہدایت کریں گے۔“ (فنسبیل للیسوی)۔

”اعطی“ سے مراد وہی راہِ خدا میں خرچ کرنا اور حاجت مندوں کی مدد کرنا ہے۔

اور اس کے بعد تیسری کے لیے تاکید ممکن ہے کہ پاک نیت، اور خرچ کرتے وقت قصہِ خالص، اور مشروع طریقہ سے اسل کا حصول اور انہیں مشروع و جائز طریقہ سے خرچ کرنا، اور ہر قسم کا احسان جتانے اور اذیت و آزار پہنچانے سے خالی ہونے کے لزوم کی طرف اشارہ ہے کیونکہ ان اوصاف کا مجموعہ تقویٰ کے عنوان میں جمع ہے۔

بعض نے یہ بھی کہا ہے کہ ”اعطی“ مالی عبادتوں کی طرف اشارہ ہے، اور ”اتقى“ باقی تمام عبادتوں کی طرف، اور واجبات کو انجام دینے اور محرمات کو چھوڑنے کی طرف، لیکن پہلی تفسیر ظاہر آیت کے ساتھ بھی سازگار ہے، اور اس شاہن نفل کے ساتھ بھی جو ہم نے اوپر بیان کی ہے۔

”حسنى“ ”حسن“ کی توثیق ہے ”جو زیادہ اچھے کے معنی میں ہے۔“

یہ خدا کی اچھی جزاؤں پر ایمان رکھنے کی طرف اشارہ ہے۔ جیسا کہ شاہن نفل میں بیان ہوا ہے کہ ”ابواللہ علیہ السلام“ نے خدا کی جزاؤں پر ایمان رکھتے ہوئے اپنے اموال خرچ کیے۔ سورہ نسا کی آیہ ۱۵ میں آیا ہے: ”وكلوا وعللوا اللہ الحسنى“: ”خدا نے ان میں سے

ہر ایک کو اچھے اجر اور جزاؤں کا وعدہ دیا ہے۔ (اس آیت میں بھی حسنی اچھی جزا کے معنی میں ہے)۔
 بعض نے یہ بھی کہا ہے کہ اس سے مراد "شریعت حسنی" یعنی دین اسلام پر ایمان ہے، جو بہترین دین ہے۔
 اور بعض نے اس کی کلمہ لا الہ الا اللہ یا شہادتین کے ساتھ تفسیر کی ہے۔
 لیکن سیاق آیات، شان نزول، اہد بہت سی آیات قرآنی میں حسنی کا اچھی جزا کے معنی میں ہونے کے ذکر کی طرف توجہ کرتے ہوئے
 پہلی تفسیر زیادہ مناسب نظر آتی ہے۔

"فہنسیرہ للیسری" کا جملہ ممکن ہے توفیق الہی، اور ایسے اشخاص پر اطاعت کے آسان کرنے کی طرف اشارہ ہو، یا
 ان کی طرف رحمت کی راہ کھولنے اور رحمت و سلام کے ساتھ ملائکہ اور فرشتوں کے استقبال کرنے، یا ان تمام چیزوں کی طرف اشارہ ہو۔
 یہ بات یقینی ہے کہ جو لوگ اتفاق و تقویٰ کی راہ اختیار کرتے ہیں اور عظیم خدائی جزاؤں پر گرم جوشی کے ساتھ ایمان رکھتے ہیں، ان
 کے لیے مشکلات آسان ہو جاتی ہیں اور وہ دنیا و آخرت میں ایک خاص قسم کے سکون و آرام کے حامل ہوتے ہیں۔
 ان سب سے قطع نظر ممکن ہے کہ مالی اتفاق ابتداء میں انسان کی طبیعت و مزاج کے لیے شاق اور مشکل ہو، لیکن ٹھکار کرنے اور
 مسلسل جبری رکھنے سے اس پر راستہ اس طرح آسان ہو جاتا ہے کہ وہ اس سے لذت اٹھاتا ہے۔

کہتے ہی سنی لوگ ایسے ہیں جو اپنے دست و سرخاں پر ہمان کی موجودگی سے خوش ہوتے ہیں، لیکن اس کے برعکس اگر کسی دن ان کے پاس
 ہمان نہ آئے تو وہ پریشان ہو جاتے ہیں اور یہ بھی مشکلات کے ان کے لیے آسان کرنے کی ایک قسم ہے۔
 اور اس نکتہ سے بھی غافل نہیں ہونا چاہیے کہ اصلی طور پر خدائی عظیم جزاؤں پر ایمان انسان کے لیے انواع و اقسام کی مشکلات کی برداشت
 کو آسان اور سہل بنا دیتا ہے، نہ صرف مال بلکہ وہ اپنی جان کو بھی اخلاص کے مطابق گزارتا ہے اور محنت شہادت میں میدان جہاد میں شہرت
 کرتا ہے، اور اپنی اس قربانی اور ایثار سے لذت حاصل کرتا ہے۔

"یسری" "یسر" کے مادہ سے اصل میں گھوڑے پر زین کئے، اُسے لگام دینے اور سواری کے لیے آمادہ و تیار کر رکھے
 معنی میں ہے۔ اس کے بعد اس کا ہر سہل اور آسان کام کے لیے اطلاق ہوا ہے۔
 بعد والی آیات میں اس گروہ کے نقطہ مقابل کو پیش کرتے ہوئے فرماتا ہے: "لیکن وہ شخص جو بخل کو اس طرح سے
 بے نیازی چاہے: (وامامن بخل واستغنی)۔

"اور خدا کی اچھی جزاؤں کی تکذیب کرے" (وکذب بالحسنی)۔

"ہم عقرب راستوں کو اس پر دشوار اور مشکل بنا دیں گے: (فہنسیرہ للعیسی)۔

"بخل" یہاں "اعطاء" کا نقطہ مقابل ہے، جو پہلے گروہ (سعادت مند شخصوں کے گروہ) میں بیان ہوا ہے۔ "واستغنی"

(بے نیازی چاہے) یا تو بخل کرنے کے لیے ایک بہانہ ہے، یا مال جمع کرنے کے لیے ایک وسیلہ ہے، اور یہ اس بات کی طرف اشارہ
 کہ وہ خدائی جزاؤں سے اپنے آپ کو بے نیاز شمار کرتا ہے، پہلے گروہ کے برعکس، جن کی آنکھ ہمیشہ لطف خدا پر لگی رہتی ہے یا وہ اپنے آپ
 کو خدا کی اطاعت سے بے نیاز سمجھتا ہے، اور ہمیشہ گناہ میں آلودہ رہتا ہے۔

ان تینوں تفاسیر میں سے پہلی تفسیر زیادہ مناسب نظر آتی ہے۔ اگرچہ تینوں تفاسیر کے درمیان جمع کرنا بھی ممکن ہے۔
 "حسنی" کی تفسیر سے مراد وہی قیامت کی جزاؤں کا انکار ہے، یا پیغمبروں کے دین و آئین اور نیک ریش کا انکار ہے۔
 "فنیسہ للہسری" کی تفسیر جو واقعی طور پر دو ظاہر متضاد تفسیریں ہیں (ہم ان کی راہ کو مشکلات کی طرف آسان کر دیں گے)۔
 "فنیسہ للہسری" کا نقطہ مقابل ہے، اس طرح سے کہ خدا پہلے گروہ کو تو اپنی توفیقات کا مشغول قرار دے گا اور ان کے لیے
 اطاعت و اتفاق کی راہ کو طے کرنا آسان بنا دے گا تاکہ وہ زندگی کی مشکلات سے رہائی حاصل کر لیں۔ لیکن دوسرے گروہ کی توفیقات سبب
 ہو گئی ہیں، لہذا ان کے لیے راستہ کو طے کرنا مشکل ہو جاتا ہے، اور انہیں دنیا و آخرت میں سختیوں کا سامنا کرنا پڑے گا اور اصولی طور پر
 ان بے ایمان بخیلوں کے لیے نیک اعمال کو انجام دینا، خصوصاً راہ خدا میں اتفاق کرنا سخت اور دشوار کام ہے، جب کہ پہلے گروہ کے لیے
 نشاط آفر اور روح افزا ہے۔

اور آخری زیر بحث آیت میں ان دل کے اندھے بخیلوں کو خبردار کرتے ہوئے فرماتا ہے: "جب وہ قریبا جہنم میں جا کرے گا،
 تو اس کے اعمال اس کے کچھ کام نہ آئیں گے۔" (و ما یغنی عنہ مالہ اذا تودی)۔
 زکوٰۃ ان اموال کو دنیا سے اپنے ساتھ لے جاسکتا ہے اور اگر وہ لے بھی جائے تو اس کے جہنم کی آگ میں جانے سے مانع
 نہیں ہوں گے۔

"ما" اس آیت کے آغاز میں ممکن ہے "تافیر" ہو، جیسا کہ ہم نے اوپر بیان کیا ہے، یا استقامت انکاری کے لیے ہو، یعنی
 اس کے اعمال قریبا دوزخ میں جانے یا گرنے کے وقت اس کو کیا فائدہ دیں گے؟
 "تودی" "روایت" اور "تودی" کے مادہ سے ہلاکت کے معنی میں ہے اور بندی سے گرنے کے معنی میں بھی آیا ہے جو ہلاکت
 کا سبب ہو۔ بلکہ بعض تو اس کی اصل ہی سقوط کے معنی میں سمجھتے ہیں، اور چونکہ بلند جگہ سے گرنے کی ہلاکت کا سبب ہوتا ہے، لہذا ہلاکت کے
 معنی میں بھی آیا ہے اور زیر بحث آیت میں ممکن ہے کہ قریبا دوزخ میں گرنے کے معنی میں ہو یا ہلاکت عذاب کے معنی میں ہو۔
 اس طرح قرآن ان آیات میں دو گروہوں کے بارے میں گفتگو کرتا ہے، ایک گروہ مومن، متقی اور خفی، اور دوسرا گروہ بے ایمان
 بے تقویٰ اور بخیل، اور ان دونوں گروہوں کا نمونہ شان نزول میں وضاحت کے ساتھ بیان ہوا ہے۔

پہلا گروہ توفیقات الہی سے فائدہ اٹھاتے ہوئے، اپنی راہ کو سہولت کے ساتھ طے کرتا ہے، اور جنت اور اس کی نعمتوں کا لطف
 بڑھا چلا جاتا ہے۔ جب کہ دوسرا گروہ زندگی میں بے شمار مشکلات میں گھل بھرا ہوتا ہے، بہت سال جمع کرتا ہے اور یہیں پر چھوڑ کر گئے
 چلا جاتا ہے، اور سوائے حسرت، اندوہ و ملال اور خدائی عذاب کے انہیں کوئی فائدہ حاصل نہیں ہوتا، اور وہ اس سے کوئی چیز نہیں خریدتے۔

✽

✽

✽

۱۔ "یسری" و "عسری" دونوں ٹرنش کے صیغہ ہیں (دن کا ٹرنش) "یسری" و "عسری" اور ان دونوں کا ٹرنش کے صیغہ کی صحت میں ذکر کرنا یا تو اس بنا پر ہے کہ ان کا
 موصوف (افعال کا کومر) ہے اور تفسیریں اس طرح ہوگا۔ فنیسہ الاعمال یسری۔ او۔ لامحالہ عسری یا تمام سال کی زندگی میں پیش آنے والے واقعات ہیں
 اور اگر اس کا موصوف مفرد ہو تو ممکن ہے کہ "طریقۃ" یا "خلۃ" یا اس قسم کا کوئی لفظ ہو۔

- ۱۲۔ إِنَّ عَلَيْنَا لَلْهُدَىٰ ۖ
- ۱۳۔ وَإِنَّ لَنَا لَلْآخِرَةَ وَالْأُولَىٰ ۚ
- ۱۴۔ فَأَنْذَرْتُكُمْ نَارًا تَلَظَّىٰ ۚ
- ۱۵۔ لَا يَصْلَاهَا إِلَّا الْأَشْقَى ۖ
- ۱۶۔ الَّذِي كَذَّبَ وَتَوَلَّىٰ ۖ
- ۱۷۔ وَسَيُجَنَّبُهَا الْأَتْقَى ۖ
- ۱۸۔ الَّذِي يُؤْتِي مَالَهُ يَتَزَكَّىٰ ۚ
- ۱۹۔ وَمَا لِأَحَدٍ عِنْدَهُ مِنْ نِعْمَةٍ تُجْزَىٰ ۖ
- ۲۰۔ إِلَّا ابْتِغَاءَ وَجْهِ رَبِّهِ الْأَعْلَىٰ ۚ
- ۲۱۔ وَلَسَوْفَ يَرْضَىٰ ۚ

ترجمہ

- ۱۲۔ یقیناً ہدایت کرنا ہمارے ذمہ ہے۔
- ۱۳۔ اور دنیا و آخرت ہمارے لیے ہے۔
- ۱۴۔ اور میں تمہیں شعلہ نکلنے والی آگ سے ڈراتا ہوں۔

- ۱۵۔ بد بخت ترین لوگوں کے سوا کوئی شخص اس میں داخل نہیں ہوگا۔
- ۱۶۔ وہی شخص جس نے آیات (خدا کی) تکذیب کی اور پیٹھ پھیر لی۔
- ۱۷۔ اور زیادہ تقویٰ اختیار کرنے والے عنقریب اس سے دُور رہیں گے۔
- ۱۸۔ وہی شخص جو اپنے مال کو (خدا کی راہ میں) بخش دیتا ہے تاکہ اپنے نفس کا تزکیہ کرے۔
- ۱۹۔ اور کسی شخص کا اس کے پاس کوئی حق نعت نہیں ہے تاکہ وہ (اس انفاق کے ذریعے)
- اس کا بدلہ دے۔ ۲۰: سوائے اپنے بلند و برتر پروردگار کی رضامندی چاہنے کے۔
- ۲۱۔ اور وہ عنقریب راضی و خوشنود ہو جائے گا۔

Presented by: <https://jafrilibrary.com/>

تفسیر

انفاق اور جہنم کی آگ سے دُوری

گزشتہ آیات میں لوگوں کی دو گروہوں: مومن سخاوت مند اور بے ایمان بخیل، میں تقسیم کرنے، اور ان میں سے ہر ایک کی سزا و نشت بیان کرنے کے بعد زیر بحث آیات میں پہلے اس بات کو بیان کرتا ہے کہ ہمارا کام ہدایت کرنا ہے کسی کو بھڑکانا نہیں ہے۔ اب یہ تمہاری ذمہ داری ہے کہ اپنے اولاد و اختیار کے ساتھ مردانہ وار راستہ پر گامزن ہو جاؤ۔ علاوہ ازیں اس راستہ کو طے کرنا خود تمہارا ہی نفع میں ہے اور ہمیں اس کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔

فرماتا ہے: "یقیناً ہدایت کرنا ہمارے ہی ذمہ ہے۔" (ان علینا للہدیٰ)۔
پہلے تکوین (فطرت و عقل) کے طریق سے ہدایت ہو، اور چاہے تشریح (کتاب و سنت) کے طریق سے ہو۔ پس سلسلوں جو کچھ ضروری تھا وہ ہم نے بیان کر دیا ہے اور اس کا حق ادا کر دیا ہے۔

"اور یقینی طور پر آخرت اور دنیا ہماری ہی ملکیت ہے۔" (وان لنا للآخرۃ والاولیٰ)۔

ل۔ "للآخرۃ" کا۔ لام۔ اور اسی طرح "للموت" میں۔ "للہدیٰ" کا۔ لام۔ ظاہر لام تاکید ہے جو یہاں "اسم ان" کے اُدیہ آئی ہے، اگرچہ عام طور پر خبر کے اُدیہ ماضی ہوا کرتی ہے، یہ اس بنا پر ہے کہ بعض اُدیہ کی کتابوں کی تصریح کے مطابق جب "ان" کی خبر مقدم ہو تو اس کے لام پر لام ماضی ہوتی ہے۔

ہمیں تمہارے ایمان و اطاعت کی کوئی ضرورت نہیں ہے، نہ تمہاری اطاعت ہمیں کوئی فائدہ پہنچاتی ہے اور نہ ہی تمہاری نافرمانی سے ہمیں کوئی نقصان پہنچتا ہے۔ یہ تمام پروگرام تمہارے فائدے کے لیے ہیں اور خود تمہارے لیے ہیں۔

اس تفسیر کے مطابق یہاں ہدایت "اراثہ طریق" کے معنی میں ہے۔ یہ احتمال بھی ہے کہ ان دو آیات کا ہدف سخاوت کرنے والے مومنین کو شوق دلانا اور اس معنی پر تاکید ہو کہ ہم انہیں مزید ہدایت کا مشمول قرار دیں گے، اور اس جہان میں بھی اور دوسرے جہان میں بھی راستہ کو ان پر آسان کر دیں گے، اور چونکہ دنیا و آخرت ہماری ہی ملکیت ہے لہذا ہم اس کام کو انجام دینے کی قدرت رکھتے ہیں یہ شک ہے کہ زمانہ کے لحاظ سے دنیا آخرت پر مقدم ہے، لیکن اہمیت اور ہدف اصلی کے لحاظ سے مقصود اصلی آخرت ہے اور اسی بنا پر اسے مقدم رکھا گیا ہے۔

اور چونکہ ہدایت کے شعبوں میں سے ایک خبردار کرنا اور ڈرانا ہے، لہذا بعد والی آیت میں مزید کہتا ہے: "اب جب کہ یہ بات ہے تو میں تمہیں اس آگ سے ڈراتا ہوں جو شعلہ درہنگی" (خاندنہ تکرنا تملقی)۔

"تلقی" لفظی "بروزن قضا" کے مادہ سے، خاص شعلہ کے معنی میں ہے اور ہم جانتے ہیں کہ خاص شعلوں میں جو ہر قسم دھوئیں سے خالی ہوں زیادہ گرمی اور حرارت ہوتی ہے۔ اور بعض اوقات لفظ "لقی" کا خود جہنم پر بھی اطلاق ہوتا ہے۔

اس کے بعد اس گروہ کی طرف "جو اس بھڑکتی ہوئی اور جلانے والی آگ میں داخل ہوں گے، اشارہ کرتے ہوئے فرماتا ہے: "بدبخت ترین آدمی کے سوا اس میں کوئی بھی داخل نہیں ہوگا" (لا یصلھا الا الاشقی)۔

اور اشقی کی توصیف میں فرماتا ہے: "دہی شخص جو آیات خدا کی تکذیب کرتا ہے اور ان سے پیٹھ پھیر لیتا ہے" (الذی کذب وتولى)۔

اس بنا پر خوش بختی اور بدبختی کا معیار وہی کفر و ایمان ہے یا وہ عملی نتائج جو ان دونوں کے ہوتے ہیں، اور وہ واقعا جو شخص ہدایت کی ان تمام نشانیوں اور ایمان و تقویٰ کے امکانات و وسائل کو نظر انداز کر دے، تو وہ "اشقی" کا مصداق، اور بدبخت ترین شخص ہے۔

"الذی کذب وتولى" کے جملہ میں ممکن ہے کہ "تکذیب" کو کفر کی طرف اشارہ ہو، اور "تولی" اعمال صالح کے ترک کرنے کی طرف اشارہ ہو، کیونکہ کفر کا لازمہ یہی ہے۔

اور یہ بھی ممکن ہے کہ دونوں ہی ترک ایمان کی طرف اشارہ ہوں۔ اس طرح سے کہ پہلے تو پیغمبر خدا کی تکذیب کرتے ہیں، اور اس کے بعد پیٹھ پھیر کر ہمیشہ کے لیے اس سے دُور ہو جاتے ہیں۔

ہمت سے منتر میں نے یہاں ایک اعتراض پیش کیا ہے اور اس کا جواب دیا ہے اور وہ یہ ہے کہ اوپر والی آیات اس بات کی نشان دہی کرتی ہیں کہ جہنم کی آگ کفار کے ساتھ مخصوص ہے۔ یہ بات اس چیز کے خلاف ہے جو قرآن کی دوسری آیات اور مجموعہ روایات اسلامی سے معلوم ہوتی ہے کہ گنہگار مومن بھی جہنم کی آگ میں حصہ دار نہیں گے، لہذا معروف گروہوں میں سے بعض نے جو یہ نظریہ رکھتے ہیں کہ ایمان کے ہوتے ہوئے کوئی گناہ ضرر نہیں پہنچاتا انہوں نے اپنے مقصود پر ان آیات سے استدلال کیا ہے۔ (اس گروہ کا نام مرجعہ ج)

اس کے جواب میں دو محکمات کی طرف توجہ کرنا چاہیے: پہلا یہ کہ یہاں جہنم میں درود سے مراد وہی "خلود" یعنی ہمیشہ رہنا ہے۔

اور ہم جانتے ہیں کہ خلود کفار کے ساتھ ہی مخصوص ہے۔ اس بات کا قرینہ وہ آیات ہیں جو اس بات کی نشان دہی کرتی ہیں کہ غیر کفار بھی جہنم میں وارد ہوں گے۔

دوسرے کہ اوپر والی آیات اور بعد والی آیات یہ کہتی ہیں کہ جہنم کی آگ سے دُوری "القی" (زیادہ متقی افراد) سے مخصوص ہے، یعنی مجموعی طور پر وہ یہ چاہتا ہے کہ صرف دو گروہوں کی حالت بیان کرے: (۱) بے ایمان، بخیل گروہ اور (۲) زیادہ تقویٰ رکھنے والے سعادت مند مومن۔ ان دونوں گروہوں میں سے صرف پہلا گروہ جہنم میں وارد ہوگا، اور دوسرا گروہ بہشت میں داخل ہوگا، اور اس طرح سے تیسرے گروہ یعنی گنہگار مومنین کے بارے میں تو اصلاً کوئی بات ہی نہیں ہوئی ہے۔

دوسرے نقطہ میں یہاں "حز" "حز امتی" ہے۔ "حز امتی" سے مراد جنت ہے، اور جہنم صرف پہلے گروہ کے لیے پیدا کی گئی ہے، اس بیان سے ایک دوسرے اعتراض کا جواب بھی، جو زیر بحث آیات اور ان آیتوں کے رابطہ سے ہوتا ہے، جو نجات کو "القی" سے مخصوص کرتی ہیں، واضح ہو جاتا ہے۔

اس کے بعد اس گروہ کے بارے میں گفتگو کرتا ہے جو اس جملے والی شعلہ بار آگ سے دُور ہے، فرماتا ہے: "مقرب سب سے زیادہ تقویٰ کرنے والا آدمی اس بزرگسی ہوئی آگ سے دُور رکھا جائے گا"۔ (وسیع جنبھا الاقی)۔

دہی آدمی جو اپنے مال کو راہِ خدا میں انفاق کرتا ہے اور اس کا مقصد رضا کے خدا کا حصول، تزکیہ نفس اور اسوئہ پاک کرنا ہوتا ہے، (الذی یؤتی مالہ یتزکی)۔

"یتزکی" کی تعبیر حقیقت میں تصدیقِ قربت اور نیتِ خالص کی طرف اشارہ ہے، چاہے یہ جملہ منہوی دُردمانی رشد و نمو کے حصول کے معنی میں ہو یا اسوئہ پاکیزگی کے حاصل کرنے کے معنی میں، کیونکہ "تزکیہ" "نورینے" کے معنی میں بھی آیا ہے، اور "پاک کرنے" کے معنی میں بھی، شہدہ توبہ کی آیہ ۲۳ میں آیا ہے: "خذ من اموالہم صدقۃ تظاہرہم وتزکیہم بها وحصل علیہم ان صلاتک مسکن لہم"۔ ان کے اموال میں سے زکوٰۃ وصول کئے تاکہ اس کے ذریعے تو انہیں پاک کرے اور ان کی پرورش کرے، اور (زکوٰۃ لیتے وقت) ان کے لیے دُعا کر کیونکہ تیری دعا ان کے سکون و آرام کا باعث ہے۔

اس کے بعد ان کے خلوصِ نیت کے سلسلہ پر، جو وہ فرج کرنے میں رکھتے ہیں، تاکید کے لیے مزید فرماتا ہے: "کسی شخص کا اس کے اوپر حقِ نعمت نہیں ہے کہ اس انفاق کے ذریعے اس کی جزا دی جائے"؛ (وما لاحد عنده من نعمة تجزی)۔

بلکہ اس کا مقصد تو اپنے بزرگ و برتر پروردگار کی رضا حاصل کرنا ہے۔ (الا ابتغاء وجه ربہ الاعلیٰ)۔

دوسرے نقطہ میں لوگوں کے درمیان بہت سے انفاق ایسے ہوتے ہیں جو دیسے ہی انفاق کا جواب ہوتے ہیں جو طرفِ مقابل کی طرف سے پہلے سے کیے ہوئے ہوتے ہیں بالبدلت حق شناسی اور احسان کا احسان کے ساتھ جواب دینا ایک اچھا کام ہے، لیکن اس کا حساب پرہیزگاروں کے مخلصانہ انفاق سے جدا ہے۔ اوپر والی آیات کہتی ہیں کہ پرہیزگار مومنوں کا دوسروں پر فرج کرنا تو بالاکار کی وجہ سے ہوتا ہے، اور نہ ہی ان کی سابقہ خدمات کے جواب کے طور پر، بلکہ اس کا سبب صرف اور صرف خدا کی رضا کا حاصل کرنا ہوتا ہے اور یہی چیز ان انفاق کو خدا سے زیادہ قدر و منزلت عطا کرتی ہے۔

"وجہ" کی تعبیر یہاں "ذات" کے معنی میں ہے اور اس سے مراد اس کی پاک ذات کی رضا و خوشنودی ہے۔

”ربہ الاعلیٰ“ کی تفسیر اس بات کی نشان دہی کرتی ہے کہ یہ اتفاق پُروری معرفت کے ساتھ صورت پذیر ہوتا ہے، اور اس حالت میں ہوتا ہے کہ وہ پردہ گار کی ربوبیت سے بھی آشنا ہوتا ہے۔ اور اس کے مقام اعلیٰ سے بھی باخبر ہوتا ہے۔
 ضمنی طور پر یہ اشتہار ہر قسم کی اخوانی تینوں کی بھی نفی کرتا ہے، مثلاً نیک نامی، لوگوں کی توجہ مبذول کرنے، اور معاشرے میں مقام و حیثیت وغیرہ حاصل کرنے کے لیے فرج کرنا، کیونکہ اس کا مضمون ان اصول کے اتفاق کا محرک، پردہ گار کی خوشنودی حاصل کرنے میں ہے۔
 انجام کار اس سورہ کی آخری آیت میں اس گروہ کی عظیم وجہ نظیر جہانوں کو پیش کرتے ہوئے ایک مختصر سے جملہ میں ملتا ہے:
 ”اور ایسا آدمی عنقریب راضی و خوشنود ہو جائے گا۔“ (ولسوف یرضی)۔

ہاں! جس طرح سے وہ رضائے خدا کے لیے کام کرتا ہے، خدا بھی اس کو راضی کرے گا، ایسی رضا جو مطلق اور بے قید و شرط ہوگی، ایسی رضا جو وسیع و غیر محدود ہوگی، ایسی پُر معنی رضا جس میں تمام نعمتیں جمع ہوں گی، ایسی رضا جس کا تصور کرنا بھی آج ہمارے لیے غیر ممکن ہے اور وہ کون سی نعمت ہوگی جو اس سے برتر و بالاتر ہوگی۔

بعض مفسرین نے بھی یہی احتمال دیا ہے کہ ”یرضی“ میں ضمیر خدا کی طرف لوثی ہے، یعنی عنقریب خدا اس گروہ سے راضی ہو جائے گا کہ وہ بھی ایک عظیم وجہ نظیر العام ہے کہ خدا نے بزرگ اور پردہ گار برتر اس قسم کے بندے سے راضی و خوشنود ہو جائے۔ وہ بھی ایسی رضا جو مطلق اور بے قید و شرط ہو، اور یقینی طور پر اس رضائے الہی کے پیچھے اس با ایمان اور باتقویٰ بندہ کی رضایت ہے، کہ یہ دونوں ایک دوسرے کے لازم و ملزوم ہیں، مباد کہ سورہ میں کی آیہ ۸ میں آیا ہے: راضی اللہ عنہم ورضو عنہ، یا سورہ فجر کی آیہ ۲۸ میں لکھا ہے راضیۃ مرضیۃ، لیکن تفسیر اول زیادہ مناسب ہے۔

ایک نکتہ

سورۃ واللیل کے شان نزول کے بارے میں ایک بات

فخر رازی کہتا ہے: ”مفسرین اہل سنت عموماً یہ نظریہ رکھتے ہیں کہ ”سیجنہا الاتقی“ میں ”اتقی“ سے مراد حضرت ابوبکرؓ ہیں اور شیعہ عام طور پر اس بات کا انکار کرتے ہیں اور یہ کہتے ہیں کہ یہ حضرت علی بن ابی طالبؓ کی شان میں نازل ہوئی ہے۔
 اس کے بعد وہ اپنے مخصوص افلاذ میں تجزیہ کرتے ہوئے اس طرح کہتا ہے، اُمت اسلامی (عام اس سے کہ اہل سنت ہوں یا شیعہ) اس چیز پر اتفاق رکھتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد افضل ترین شخص یا ابوبکرؓ ہے یا علیؓ، اور اس آیت کو علیؓ پر منطبق لے۔
 ”الا ابتغوا وجہ ربہ الاعلیٰ“ کے جملہ میں اشتہار، اشتہار منقول ہے، البتہ پہلی آیت میں ایک تقدیر ہے جو اس طرح ہے، وما لاحد عنده من نعمة تجزئ ولا ينفع مالم يلتمس الا ابتغوا وجہ ربہ الاعلیٰ، کسی کا اس پر کوئی احسان نہیں ہے کہ اس کا بدلہ دیا جائے لہذا وہ اپنا مال کسی احسان کے بدلے میں خرچ نہیں کرتا مگر اپنے بزرگ برتر پردہ گار کی خوشنودی کے لیے۔ یہ احتمال بھی ہے کہ یہ اشتہار متصل ہو، ایک محذوف کو ظہر میں رکھتے ہوئے اور تقدیر میں اس طرح ہو: لا ينفع نعمة عنده ولا لغير ذلك الا ابتغوا وجہ ربہ الاعلیٰ (غور کیجئے)۔

نہیں کیا جاسکتا، کیونکہ قرآن اس فرد اٹھی کے بارے میں کہتا ہے: وما لاحد عنده من نعمة تجزي كوفي شخص اس کو کئی حق اور احسان نہیں رکھتا، کہ جس کی جزا دی جائے اور یہ صفت علی علیہ السلام پر تطبیق نہیں کرتی کیونکہ پیغمبران پر حق نعمت رکھتے تھے۔ لیکن پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نہ صرف یہ کہ ابو بکرؓ پر کوئی مادی حق نعمت نہیں رکھتے تھے، بلکہ اس کے برعکس وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر اتفاق کرتے تھے اور حق نعمت رکھتے تھے۔

اس کا نتیجہ یہ بنتا ہے کہ "اتقی" کا مصداق ابو بکرؓ ہے، اور چونکہ اٹھی کا معنی سب لوگوں سے زیادہ پرہیزگار ہے، لہذا اس کی افضلیت ثابت ہے۔

اگرچہ ہم اس تفسیر کے مباحث میں، اس قسم کے مسائل میں، وارد ہونے کی طرف زیادہ مائل نہیں ہیں، لیکن بعض مشترک اپنے پہلے سے کیے ہوئے فیصلہ کو قرآن کی آیات کے ذریعہ ثابت کرنے پر اسرار اس حد تک پہنچ گیا ہے کہ وہ ایسی تعبیریں کر کے لگے ہیں جو پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مرتبہ اور بلند مقام کے لائق نہیں ہے۔ لہذا اسی سبب سے ہم بھی یہاں چند نکات کا ذکر کرتے ہیں۔ اولاً: یہ جو فخر رازی کہتا ہے کہ اہل سنت کا اس بات پر اجماع و اتفاق ہے کہ یہ آیت ابو بکرؓ کے بارے میں نازل ہوئی ہے اس چیز کے برخلاف ہے جسے اہل سنت کے مشہور و معروف مشرکین نے مراحض کے ساتھ نقل کیا ہے، "بخاری" "قرطبی" اپنی تفسیر میں اس حدیث سے ایک روایت میں نقل کرتا ہے کہ یہ سالا مشورہ (سورة الليل) "ابو الدرداء" کی شان میں نازل ہوا ہے جس کی داستان ہم نے مشورہ کے آغاز میں بیان کر دی ہے۔

Presented by: <https://jafrilibrary.com/>

خاص طور پر جب وہ آیہ وسید جنبھا الا تقي پر پہنچتا ہے تو پھر دوبارہ کہتا ہے کہ اس سے مراد "ابو الدرداء" ہے۔ اگرچہ اکثر مشرکین سے اس نے یہ بھی نقل کیا ہے کہ (ان کے نزدیک) یہ ابو بکرؓ کے بارے میں نازل ہوئی ہے، لیکن خود اس نے اس نظریہ کو قبول نہیں کیا۔

ثانیاً: یہ جو اس نے کہا ہے کہ شیعوں کا اس پر اتفاق ہے کہ یہ آیت علی علیہ السلام کے بارے میں نازل ہوئی ہے، ٹھیک نہیں ہے، کیونکہ بہت سے مشرکین بھی ابو الدرداء کی داستان ہی بیان کی ہے اور اُسے قبول کیا ہے۔ البتہ بعض روایات میں امام جعفر علیہ السلام سے نقل ہوا ہے کہ "اتقی" سے مراد ان کے پیروکار اور شیعوں میں اور الذی یؤتی مالہ یتزکی سے مراد امیر المومنین علیؓ ہیں، لیکن ظاہر یہ ہے کہ یہ باتیں شان نزول کا پہلو نہیں رکھتیں، بلکہ یہ واضح اور روشن مصداق کی تطبیق کی قبیل سے ہیں۔

خلاصہ: اس میں شک نہیں کہ اوپر والی آیت میں لفظ "اتقی" لوگوں میں سے زیادہ تقویٰ رکھنے والے کے معنی میں نہیں ہے، بلکہ اس کا مفہوم وہی متقی ہونا ہے، اور اس بات کا واضح گواہ یہ ہے کہ اس کے مقابلہ میں "اشقی" لوگوں میں سے بدبخت ترین کے معنی میں نہیں ہے، بلکہ اس سے مراد وہ کافر ہیں جو اتفاق سے نجات کرتے تھے۔ علاوہ ازیں یہ آیت اس وقت نازل ہوئی تھی جب کہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم زندہ تھے، تو کیا ابو بکرؓ کو پیغمبرؐ سے بھی مقدم رکھا جاسکتا ہے؟ ہم پہلے سے کیے ہوئے فیصلوں اور ذہنیوں کی بنا پر مزید یہ تعبیریں کیوں کریں جو پیغمبرؐ کے مقام بلند کو بھی ضرب لگائیں۔

اور اگر یہ کہا جائے کہ پیغمبرؐ کا معاملہ الگ ہے، تو پھر ہم کہتے ہیں کہ آیہ وما لاحد عنده من نعمة تجزي میں ان کے معاملہ

کو کہیں الگ نہیں رکھا گیا اور علی علیہ السلام کو آیت کے مورد سے خارج کرنے کے لیے کہیں کہا گیا کہ چونکہ وہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مادی نعمت کے مشمول ہیں لہذا وہ اس آیت میں داخل نہیں ہیں۔

رابعاً : ایسا کہن سا آدمی ہے جس سے اس کی زندگی میں کسی نے محبت کی ہی نہ ہو اور کسی نے بھی اسے نہ ہدیہ دیا ہو نہ کبھی دعوت کی ہو۔ کیا واقعا ایسا ہوا ہے کہ البرکۃ اپنی ساری عمر میں نہ تو کسی کی ہمتانی پر گئے اور نہ ہی کبھی کسی کا کوئی ہدیہ قبول کیا اور نہ ہی کوئی اور دوسری مادی خدمت کس سے قبول کی کیا یہ چیز باور کرنے کے لائق ہے؟ نتیجہ یہ ہے کہ آیہ وما لاحد عنده من نعمۃ تجزائی مراد یہ نہیں ہے کہ کسی بھی شخص کا اس پر کوئی حق نعمت ہے ہی نہیں، بلکہ اس سے مراد یہ ہے کہ ان کا اتفاق کرنا کسی حق نعمت کی بنا پر نہیں ہے۔

یعنی اگر وہ کسی پر اتفاق کرتے ہیں تو وہ صرف خدا کے لیے ہوتا ہے، نہ کہ وہ کسی خدمت کی بنا پر اسے اجر و پاداش دینا چاہتے ہیں۔
خامساً : اس سورہ کی آیات اس بات کی نشان دہی کرتی ہیں کہ یہ سورہ ایک ایسے باجماع کے بارے میں جس کے دو قطب ہیں نازل ہوا ہے، ایک "اتفق" کے قطب میں تھا اور دوسرا "اشقی" کے قطب میں۔ اگر ہم "ابوللہ حلیج" کی داستان کو شانِ نزول سمجھیں تو مسئلہ حل شدہ ہے، لیکن اگر ہم کہیں کہ مراد البرکۃ تھے تو "اشقی" کی شکل باقی رہ جاتی ہے کہ اس سے مراد کون شخص ہے؟
شیعوں کو اس بات پر کوئی اصرار نہیں ہے کہ یہ آیت خصوصیت کے ساتھ علیؑ ہی کے بارے میں ہے۔ ان کی شان میں آیات بہت زیادہ ہیں، لیکن اگر اس کی تطبیق علیؑ پر کی جائے تو "اشقی" کی شکل حل ہے، کیونکہ سورہ شمس کی آیت ۲ (اذا انبث اشقاها) کے ذیل میں اہل سنت کے طرق سے کافی روایات نقل ہوئی ہیں کہ "اشقی" سے مراد علی بن ابی طالب کا قاتل ہے۔ (ان روایات کو، جیسا کہ ہم نے بیان کیا ہے، حاکم حاکمانی نے شواہد الترتیل میں جمع کیا ہے)۔

خلاصہ یہ ہے کہ غفر رازی کی گفتگو اور اس آیت کے بارے میں اس کی تفسیل بہت ہی کمزور اور بہت سے اشتباہات پر مشتمل ہے۔ اسی لیے اہل سنت کے بعض مشہور مفسرین مثلاً آلوسی، ربیع نے بھی ردِ الحالیٰ میں اس ججزیہ کو پسند نہیں کیا، اور اس پر اعتراض کیا ہے، جیسا کہ وہ کہتا ہے :

"واستدل بذلك الامام علي انه (البركة) افضل الامۃ وذکر ان فی الآيات ما یأبى قول الشیعة انها فی علی وأطال الکلام فی ذالک وأتی بما لا یخلو عن قبیل وقال :

"امام غفر رازی نے اس آیت سے یہ استدلال کیا ہے کہ البرکۃ افضل اُمت ہیں اور مزید کہ آیات میں بعض قرآن ایسے ہیں جو شیعوں کے قول کے ساتھ سازگار نہیں ہیں۔ اور یہاں گفتگو کو طویل دیا ہے اور ایسے مطالب بیان کیے ہیں جو قبیل و قتل (اور اشکال) سے خالی نہیں ہیں۔"

۲۔ اتفاق فی سبیل اللہ کی فضیلت

راوی خدا میں اتفاق اور بخشش کرنا، اور عروم، خصوصاً آبرو مند لوگوں کی مالی مدد کرنا، جو خلوص نیت سے علی ہوئی ہو، ایسے امور میں سے

جس کا قرآن مجید کی آیات میں بار بار ذکر ہوا ہے، اور اس کو ایمان کی نشانیوں میں سے کہا گیا ہے۔

اس بارے میں اسلامی تعلیمات میں تاکید سے بھری ہوئی ہیں، یہاں تک کہ وہ اس بات کی نشان دہی کرتی ہیں کہ اسلامی معاشرے اور تمدن میں مالی اتفاق کرنا، بشرطیکہ اس کا محرک پرہیزگار کی رضا کے علاوہ اور کچھ نہ ہو، اور وہ ہر قسم کی ریاکاری، احسان جتانے اور آزاد سے خالی ہو، تو بہترین اعمال میں سے ہے۔

ہم اس بحث کو چند معنی خیز احادیث کے ذکر کے ساتھ مکمل کرتے ہیں۔

۱۔ ایک روایت میں امام باقر علیہ السلام سے آیا ہے :

”ان احب الاعمال الى الله ادخال السرور على المؤمن، شبعة مسلما وقضائينہ“

”خدا کے نزدیک محبوب ترین عمل ضرورت مند مومن کے دل کو خوش کرنا ہے، اس طرح سے کہ

اُسے سیر کیا جائے یا اس کا قرض ادا کیا جائے۔“

۲۔ ایک حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے آیا ہے :

”من الایمان حسن الخلق، واطعام الطعام، وارتقاء الدماء“ :

”حسن خلق، کھانا کھانا، اور خون بہانا (راہ خدا میں قربانی دینا) ایمان کے اجزاء میں سے ہیں۔“

۳۔ ایک اور حدیث میں امام غزالی علیہ السلام سے آیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا :

”ما اری شیئا یعدل زیارة المؤمن الا اطعامه، وحق علی الله ان یطعم

من اطعمه مئوساً من طعام الجنة“ :

”میرے نزدیک کوئی چیز مومن کے دیار اور زیارت کے برابر نہیں ہے سوائے اس کو کھانا

کھانے کے۔ اور جو شخص کسی مومن کو کھانا کھلانے خدا پر لازم ہے کہ وہ اُسے جنت کے

کائنات میں سے کھانا کھلائے۔“

۴۔ ایک اور حدیث میں پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے آیا ہے کہ ایک شخص نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سواری کی ہمار

پکڑ لی اور عرض کیا : اے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ! ای اعمال افضل ؟ تمام اعمال میں کون سا عمل افضل

تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا :

”اطعام الطعام، واطیاب الکلام“ :

”گوشتی کو کھانا کھانا اور خوش کلام ہونا۔“

ل۔ ”بجاء الفار“ جلد ۴، ص ۳۵ حدیث ۳۶۵

ز۔ ”دہی مدرک“ حدیث ۳۸

ح۔ ”اصول کافی“ جلد ۲، باب اطعام المؤمن حدیث ۱۷

ط۔ ”بجاء الفار“ جلد ۴، ص ۳۸۸ حدیث ۱۱۳

۵۔ اور آخر میں ایک حدیث میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے منقول ہے :

”من عال اهل بیت من المسلمین یوممہم ویلتہم غفر اللہ ذنوبہ“
 ”جو شخص مسلمانوں کے کسی گھر کے کسی ایک رات دن پذیرائی کرے تو خدا اس کے گناہوں کو بخش دیتا ہے“

خداوند! ہم سب کو توفیق دے تاکہ ہم اس عظیم کارِ خیر میں قدم رکھیں۔
 پروردگار! تمام اعمال میں ہمارے خلوص نیت میں اضافہ فرما۔
 یا ابراہیم! ہم تجھ سے دعا کرتے ہیں کہ تو ہمیں اپنی نعمت و رحمت کا اس طرح سے شمول قرار دے کہ تو بھی ہم سے خوش ہو
 اور ہم بھی خوش اور راضی ہوں۔

آمین یا رب العالمین
 اختتام سورۃ اللیل

سُورَةُ حٰجِی

❖ یہ سورہ مکہ میں نازل ہوا۔

❖ اس میں ۱۱ آیات ہیں۔

رہ "الضحیٰ" کے مضامین اور اس کی فضیلت

یہ سونہ جو کئی صدیوں میں سے ہے، اور بعض روایات کے مطابق اس وقت نازل ہوا جب پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قحطی طوفان پر منتقل ہو جانے اور تاخیر سے پریشان تھے، اور دشمنوں کی زبان کھلی ہوئی تھی، تو یہ سونہ نازل ہوا، اور ہادان رحمت کی طرح پیغمبر کے قلب پاک پر اترا، اور انہیں نئی تاب و توان بخشی اور بد زبانوں کی زبان کو بند کر دیا۔

اس سونہ کی دفعوں کے ساتھ ابتدا ہوتی ہے۔ اس کے بعد پیغمبر کو بشارت دیتا ہے کہ خدا نے آپ کو ہرگز نہیں چھوڑا۔ اس کے بعد آپ کو یہ خوش خبری دیتا ہے کہ خدا آپ کو اس قدر عطا کرے گا کہ آپ غرض ہو جائیں گے۔ اور آخری مرحلہ میں، پیغمبر کی گزشتہ زندگی کو آپ کی نظر میں مبسم کرتا ہے کہ خدا نے ہمیشہ آپ کو کس طرح سے اپنی انواع و اقسام کی نعمت کا مشمول قرار دیا ہے، اور زندگی کے سخت ترین ثمرات میں اُس نے آپ کی حمایت کی ہے۔ اور اسی لیے آخری آیات میں آپ کو حکم دیتا ہے کہ (خدا کی ان عظیم نعمتوں کے شکرانہ کے طور پر) یہیوں اور عبادت مندوں پر مہربانی کریں اور خدا کی نعمت کو یاد کرتے رہیں۔

اس سونہ کی فضیلت میں یہی بات کافی ہے کہ ایک حدیث میں پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نقل ہوا ہے :

"من قرأها کان ممن یرضاه اللہ، ولحمد (من) ان یشفع له ولہ عشر حسنات بعدد

کل یسم وسائل !

"جو شخص اس کی تلاوت کرے گا وہ ایسے لوگوں میں سے ہو گا جن سے خدا راضی ہو گا، اور وہ اس لئے

ہو گا کہ اس کی شفاعت کریں، اور یہ تئیم اور سوال کرنے والے سکین کے برابر دس دس حسنت اس کے لیے ہوں گے۔

اور یہ سب فضائل اس کے لیے ہیں جو اسے پڑھے اور اس پر عمل کرے۔

قابلِ توجہ بات یہ ہے کہ متعدد روایات کے مطابق یہ سُورہ اور اس کے بعد والا سُورہ (سورۃ الفلح) ایک ہی سورتیں اور چونکہ ہر رکعت میں الحمد کے بعد ایک مکمل سُورہ پڑھنا چاہیئے، لہذا ان دونوں سُورتوں کو اکٹھا ملا کر پڑھنا چاہیئے، (یہی بات سورۃ "قیل" اور "لایلاف" کے بارے میں بھی کہی گئی ہے)۔

اور اگر ہم صبح طہر پر ان دونوں سُورتوں کے مطالب میں غور کریں تو ہم دیکھیں گے کہ ان دونوں کے مطالب ایک دوسرے سے اتنے ملتے جلتے ہیں کہ یقیناً طہر پر ایک کا دوسرے کے ساتھ تسلسل قائم ہے، اگرچہ ان دونوں کے درمیان "بسم اللہ" کا فاصلہ ہے۔ اس بارے میں کہ کیا یہ دونوں سُورتیں ہر لحاظ سے ایک ہی ہیں؟ یا انہیں خصوصیت کے ساتھ نماز میں ایک سُورہ کے حکم میں شمار کرنا چاہیئے؟ اس میں اختلاف ہے، جن کی تفصیل کا فرقہ کی کتابوں میں (قرابت نماز کی بحث میں) مطالعہ کرنا چاہیئے، لیکن ہر حال مطالعہ کا اجماع اس بات پر ہے کہ قرابت نماز میں ان میں سے ایک سُورہ پر قناعت نہیں کرنا چاہیئے۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

۱. وَالصُّحُ ۝
۲. وَاللَّيْلِ إِذَا سَجَى ۝
۳. مَا وَدَّعَكَ رَبُّكَ وَمَا قَلَىٰ ۝
۴. وَلَلْآخِرَةُ خَيْرٌ لَّكَ مِنَ الْأُولَىٰ ۝
۵. وَلَسَوْفَ يُعْطِيكَ رَبُّكَ فَتَرْضَىٰ ۝

Presented by: <https://jafrilibrary.com/>

ترجمہ

شروع اللہ کے نام سے جو رحمان درمیم ہے

- ۱۔ قسم ہے دن کی جب کہ سورج نکل آئے (اور ہر جگہ کو گھیر لے)۔
- ۲۔ اور قسم ہے رات کی جب کہ وہ ساکن ہو جائے۔
- ۳۔ کہ ہرگز نہ تو خدا نے تجھے پھوڑا ہے اور نہ ہی تجھ سے غصہ ہوا ہے۔
- ۴۔ اور یقینی طور پر تیرے لیے آخرت دنیا سے بہتر ہے۔
- ۵۔ اور عنقریب تیرا رب تجھے اس قدر دے گا کہ تو راضی ہو جائے گا۔

شان نزول

اس سورہ کے شان نزول کے بارے میں بہت زیادہ روایات نقل ہوئی ہیں، جن میں سب سے زیادہ واضح ذیل کی روایت ہے۔

”ابن عباسؓ کہتے ہیں: پندرہ دن گزر گئے اور پیغمبرؐ کی وحی نازل نہ ہوئی۔ مشرکین نے کہا: محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے پروردگار نے اُسے چھوڑ دیا ہے اور اس کا دشمن ہو گیا ہے۔ اگر اُس کی یہ بات سچ ہے کہ اس کی ماموریت خدا کی جانب سے ہے تو پھر اس پر مسلسل وحی نازل ہوتی۔ اس موقع پر اُدھر والی سورت نازل ہوئی (اور ان کی باتوں کا جواب دیا)۔

قابلِ توجہ بات یہ ہے کہ ایک حدیث کے مطابق جب یہ سُورہ نازل ہوا تو پیغمبرؐ نے جبریل سے فرمایا، ”تُو نے دیر لگا دی مالا کہ میں شدت سے تیرا شائق تھا، تو جبریل نے کہا:

وانا كنت اشد اليك شوقا“۔ ”میں تو خود آپ کا بہت زیادہ مشتاق تھا، لیکن میں بندہ مامور ہوں اور پروردگار کے حکم کے بغیر نازل نہیں ہوتا۔“

ایک اور حدیث میں آیا ہے کہ یہودیوں کی ایک جماعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت اقدس میں آئی اور ”ذی القربین“ و ”اصحابِ کہف“ اور ”نوح“ کی غفلت کے بارے میں سوال کیا، پیغمبرؐ نے فرمایا:

”میں کل تہیں بتوں گا، اور انشاء اللہ نہ کہا، لہذا اسی وجہ سے وحی الہی کئی دن تک متعلق رہی

اور دشمنوں کی زبانِ شرارت سے مکمل گئی، اور اسی بنا پر پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم غمگین ہو گئے۔ تو یہ سُورہ نازل ہوا تاکہ پیغمبرؐ کے دل کی تسلی کا باعث ہو (لیکن یہ شاہنِ نزول بعیدِ نظر آتی ہے، کیونکہ یہودیوں کا پیغمبرؐ سے اگر لڑنا اور اس قسم کے سواکت کرنا

عام طور پر مدینہ میں قحط نہ کرتے تھے)۔
بعض روایات میں یہ بھی آیا ہے کہ مسلمانوں کی ایک جماعت نے عرض کیا، اے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ پر وحی کیوں نازل نہیں ہوتی؟ آپ نے فرمایا،

”كيف ينزل على الوحي وانت لا تنقون براجمكم ولا تقلمون
اظفاركم“

”مجھ پر وحی کیسے نازل ہو جب کہ تم اپنی انگلیوں کے جوڑوں کو پاک و صاف نہیں رکھتے اور ناخن نہیں کترواتے؟“

اس بارے میں کہ اختطاح وحی کی مدت کس قدر تھی؟ مختلف روایات ہیں۔ بعض نے بارہ دن، بعض نے پندرہ دن، بعض نے پچیس دن اور بعض نے پالیس دن تک نقل کیے ہیں، اور ایک روایت میں صرف دو تین شب و روز بھی نقل ہو چکے ہیں۔

تفسیر

تجھے اس قدر عطا کرے گا کہ تو خوش ہو جائے گا

اس سُورہ کے آغاز میں بھی دو قسمیں کھائی گئی ہیں،

۱۔ ”بسمِ البیان“ جلد ۱ ص ۵۴، (تقدیمی سی مخفی اور اقتباس کے ساتھ)۔

- ۱۔ "نور" (روشنی) کی قسم
 - ۲۔ "فلکت" (تاریکی) کی قسم، فرماتا ہے:
- "قسم ہے دن کی جب کہ سورج نکل آئے اور ہر جگہ کو گھیر لے" (والضحیٰ)۔
- "اور قسم ہے رات کی جب کہ وہ ساکن ہو جائے اور ہر جگہ کو سکون و آرام میں غرق کر دے" (واللیل اذا صبغی)۔
- "ضحیٰ" دن کے پہلے حصہ کے معنی میں ہے جب کہ سورج آسمان پر اُٹھا ہو جائے، اور اس کی روشنی ہر جگہ مستط ہو جائے اور یہ درحقیقت دن کا بہترین وقت ہوتا ہے۔

اور بعض کی تفسیر کے مطابق یہ فصل برانی کے حکم میں ہے، جب کہ گرمیوں کی ہوا ابھی گرم نہیں ہوتی، اور سردیوں میں ہوا کی سردی ٹوٹی ہوئی ہوتی ہے اور انسان کی روح و جان اس موقع پر ہر قسم کی فعالیت کے لیے آمادہ ہوتی ہے۔

"سبحی" "سجیو" (بروزن سرو، اور بروزن فلو) کے مادہ سے اصل میں سکون و آرام کے معنی میں ہے، اور "چھپانے اور" "تاریک ہونے" کے معنی میں بھی آیا ہے، اسی لیے جب "تیت" کو کفن میں لپیٹ دیتے ہیں تو اسے "سبحی" کہا جاتا ہے۔

لیکن یہاں یہ وہی اصلی معنی دیتا ہے جو سکون و آرام ہے۔ اسی وجہ سے ان راتوں کو جن میں ہوا نہ چلے "لیلۃ ساجیۃ" (آرام و سکون کی رات) کہتے ہیں، اور طوفان اور اسولج فروخشاں سے خالی سمندر کو "بحر ساج" (پُر سکون سمندر) کہا جاتا ہے۔

بہر حال جو چیز رات کے سلسلہ میں اہم ہے وہی سکون و آرام ہے جو اس پر حکم فرماتا ہے اور طبعاً انسان کے اعصاب اور روح کو سکون و آرام میں ڈبو دیتی ہے اور کل اور آئندہ آنے والے دنوں میں سعی اور کوشش کے لیے آمادہ و تیار کرتی ہے۔ اس لحاظ سے یہ بہت ہی اہم نعمت ہے اور اس لائق ہے کہ اس کی قسم کھائی جائے۔

ان دونوں قسموں اور آیت کے مضمون کے درمیان شباهت اور ایک قریبی ربط موجود ہے۔ دن تو پیغمبر کے پاک دل پر وحی کے نذر کے نفل کی مانند ہے اور رات وقتی طور پر وحی کے انقطاع کے مانند ہے جو بعض متاع اور اوقات میں ضروری ہے۔ ان دونوں عظیم قسموں کے بعد نتیجہ اور جواب قسم کو پیش کرتے ہوئے فرماتا ہے: "تیرے ہمدرد گارنے ہرگز تجھے چھوڑا نہیں ہے" اور نہ ہی تجھ سے غمناک ہوئے۔ (ماودعک ربک وما قلی)۔

"ودع" "تودیع" کے مادہ سے، چھوڑنے اور وداع کر دینے کے معنی میں ہے۔

"قلی" "قلا" (بروزن صدا) کے مادہ سے شدت بغض و عداوت کے معنی میں ہے، اور مادہ "قلو" (بروزن سرو) پھینکنے اور دھکا دینے کے معنی میں بھی آیا ہے۔

راغب کا نظریہ یہ ہے کہ یہ دونوں ایک ہی معنی کی طرف لوٹتے ہیں، کیونکہ جو شخص کسی سے دشمنی کرتا ہے تو گویا دل سے دھکا دے دیتا ہے، اور اُسے قبول نہیں کرتا بلکہ

بہر حال یہ تعبیر پیغمبر کی ذات کے لیے ایک دلکاری اور تسلی کے طور پر ہے کہ وہ ابھی طرح یہ جان لیں کہ اگر کسی نفلِ وحی میں تاخیر

لے یہ مادہ "ناقص یانی" کی شدت میں بھی آیا ہے اور ناقص ہادی کی شدت میں بھی، پہلی صرت میں بغض و عداوت کے معنی میں ہے اور دوسری صرت میں پھینکنے اور دھکا دینے کے معنی میں ہے اور جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا ہے دونوں معنی ایک ہی جڑ اور ریشہ کی طرف لوٹتے ہیں۔

ہو جائے تو وہ کچھ مصالح کی بنا پر ہوتی ہے جسے خدا ہی جانتا ہے، اور ہرگز اس بات کی دلیل نہیں ہے کہ دشمنوں کے قتل کے مطابق خدا اس سے خوشگیاں اور غصہ ہو گیا ہے، یا اس کو چھوڑ دیا ہے۔ وہ ہمیشہ ہی خدا کے خاص نطف و کرم اور عنایات کے شمول ہوتے ہیں اور ہمیشہ اس کی خاص حمایت کے زیر سایہ رہتے ہیں۔

اس کے بعد مزید فرماتا ہے: ”بے شک عالم آخرت تیرے لیے اس دنیا سے بہتر ہے۔ (والآخرۃ خیر لك من الاولیٰ)۔ اور تو اس دنیا میں بھی اس کے الطاف کا مشمول ہے، اور آخرت میں اس سے بیشتر و بہتر ہو گا۔ نہ تو تجھ پر یہاں کی مختصر مدت میں پروردگار کا غضب ہو گا اور نہ ہی آخرت کی دراز مدت میں۔ خلاصہ یہ ہے کہ اے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تو دنیا میں بھی محترم ہے اور آخرت میں بھی محترم ہے، البتہ دنیا میں عزیز و محترم ہے اور آخرت میں عزیز تر و محترم تر ہے۔

بعض مفسرین نے ”آخرت“ اور ”اولیٰ“ کو پہنچنے کی عمر کے آغاز و انجام کی طرف اشارہ سمجھا ہے اور یہ کہا ہے کہ اس سے مراد یہ ہے کہ تو اپنی آخری عمر میں زیادہ موافق اور زیادہ کامیاب ہو گا۔ اور یہ اسلام کی دست اور پھیلاؤ اور مسلمانوں کی دشمنوں پر بار بار کی کامیابیوں اور جنگوں میں ان کی فتوحات اور اسلام کے پورے بار آور ہونے اور شرک و بت پرستی کے آثار کے مٹ جانے کی طرف اشارہ ہے۔

ان دونوں تفسیر کے درمیان جمع میں بھی کوئی مانع نہیں ہے۔

اور آخری زیر بحث آیت میں نیز فرماتا ہے: ”وَلَسَوْفَ يَعْطِيكَ رَبُّكَ فَتَرْضَىٰ“۔ ”عقرب تیرا پروردگار تجھے اس قدر عطا کرے گا کہ تو خوش ہو جائے گا“۔ (ولسوف يعطيك ربك فترضى)۔

یہ خدا کا اپنے بندہ خاص محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے بالاترین احترم و اکرام ہے کہ فرماتا ہے: ”اس قدر تجھے بخشوں گا کہ تو راضی ہو جائے گا۔ دنیا میں تو دشمنوں پر کامیاب ہو جائے گا اور تیرا دین عالمگیر ہو جائے گا، اور آخرت میں بھی تو عظیم ترین نعمتوں کا مشمول ہو گا۔

اس میں شک نہیں کہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، خاتم النبیا اور عالم بشریت کا رہبر ہونے کی حیثیت سے۔ صرف اپنی ہی نجات پر خوش نہیں ہو سکتے، بلکہ آپ اس وقت راضی اور خوش ہوں گے جب آپ کی شفاعت آپ کی امت کے بارے میں بھی قبول ہو سکی۔ اس بنا پر روایات میں آیا ہے کہ یہ آیت امید بخش ترین آیت ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شفاعت کے قبول ہونے کی دلیل ہے۔

ایک حدیث میں امام محمد باقر علیہ السلام سے آیا ہے کہ انہوں نے اپنے باپ حضرت امیر المومنین علیہ السلام سے، انہوں نے اپنے چچا ”محمد بن حنفیہ“ سے، انہوں نے اپنے باپ امیر المومنین علیہ السلام سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

”قیامت کے دن میں موقف شفاعت میں کھڑا ہو جاؤں گا اور گناہ گاروں کی اس قدر کھٹکتا کروں گا، کہ خدا فرمائے گا:

”ارضیت یا محمد؟“ ”اے محمد کیا تم راضی ہو گئے؟“

تو میں کہوں گا، رضیت، رضیت: "میں راضی ہو گیا، میں راضی ہو گیا!"
اس کے بعد امیر المومنین علیہ السلام نے اہل کوفہ کی ایک جماعت کی طرف رُخ کیا اور مزید فرمایا، تمہارا یہ نظریہ ہے کہ قرآنی آیات میں سب سے زیادہ اُمید بخش آیت "قل یا عبادِی الذین اسرفوا علی انفسہم ولا تقنطروا من رحمۃ اللہ" ہے (یعنی اے میرے وہ بندو! جنہوں نے اپنے آپ پر زیادتی کی ہے خدا کی رحمت سے نا اُمید نہ ہو)۔

اس جماعت نے کہا: جی ہاں! ہم اسی طرح کہتے ہیں:
آپ نے فرمایا: "لیکن ہم اہل بیت یہ کہتے ہیں کہ آیات قرآنی میں سب سے زیادہ اُمید بخش آیت "ولسوف یعطیک ربک فخرطی" ہے۔"

یہ بات کہے بغیر واضح ہے کہ پیغمبر کی شفاعت کے لیے کچھ شرائط ہیں، نہ تو آپ ہر شخص کے لیے شفاعت کریں گے اور نہ ہی ہر گنہگار اس کی توقع رکھ سکتا ہے۔ (اس بحث کی تحصیل جلد اول سورہ بقرہ کی آیت ۴۸ میں مطالعہ فرمائیے)۔
ایک اور حدیث میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے آیا ہے:

"رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فاطمہؑ کے گھر میں داخل ہوئے، جب کہ آپ کی بیٹی زینبؑ کی اون کا سخت لباس پہنے ہوئے تھیں، ایک ہاتھ سے چوکی پر بیٹھی تھیں اور دوسرے ہاتھ سے اپنے فرزند کو دودھ پلا رہی تھیں، پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آنکھوں میں آنسو آگئے اور فرمایا، بیٹی! دنیا کی نعمی کو آخرت کی خیریت کے مقابلہ میں برداشت کر، کیونکہ خدا نے تجھ پر یہ نازل کیا ہے کہ تیرا پروردگار اس قدر تجھے دے گا کہ تو راضی ہو جائے گا۔" (ولسوف یعطیک ربک فخرطی)۔"

ایک نکتہ

انتظارِ وحی کا فلسفہ

اوپر والی آیات کے مجموعہ سے واضح ہو جاتا ہے کہ پیغمبر کے پاس جو کچھ بھی ہے وہ خدا کی جانب سے ہے، یہاں تک کہ نازلِ وحی میں بھی آپ اپنی طرف سے کوئی اختیار نہیں رکھتے، جس وقت خدا چاہے وحی کو منتقل کر دے، اور جس وقت چاہے برقرار کرے اور شاید انتظارِ وحی بھی اسی مقصد کے لیے تھا، تاکہ ان لوگوں کا جواب ہو جو پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اپنے من مانے اور اپنے میلان کے مطابق معجزوں کا تقاضا کرتے تھے، یا آپ سے فرمائش کرتے تھے کہ فلاں حکم یا فلاں آیت کو بدل دیجیے، اور آپ ان سے یہ فرماتے کہ میں ان امور میں اپنی طرف سے کوئی اختیار نہیں رکھتا، (جیسا کہ سورہ یونس کی آیہ ۱۵ میں آیا ہے)۔

- ۶۔ اَلرَّیْجِدْکَ یَتِیْمًا فَاوِیْ ۝
- ۷۔ وَوَجَدْکَ ضَالًّا فَهَدٰی ۝
- ۸۔ وَوَجَدْکَ عَآیِلًا فَاَغْنٰی ۝
- ۹۔ فَاَمَّا الْیَتِیْمَ فَلَا تُقْهَرُ ۝
- ۱۰۔ وَاَمَّا السَّآئِلَ فَلَا تَنْهَرُ ۝
- ۱۱۔ وَاَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّکَ فَحَدِّثْ ۝

ترجمہ

- ۶۔ کیا تجھے یتیم نہیں پایا تو پھر پناہ دی ؟
- ۷۔ اور تجھے گم شدہ پایا تو رہنمائی کی ۔
- ۸۔ اور تجھے فقیر پایا تو بے نیاز کیا ۔
- ۹۔ اب جب کہ یہ بات ہے تو یتیم کو حقیر نہ سمجھ ۔
- ۱۰۔ اور سوال کرنے والے کو نہ دھتکار ۔
- ۱۱۔ اور اپنے پروردگار کی نعمتوں کو یاد کر ۔

تفسیر

ان تمام نعمتوں کے شکر ادا کرنے میں جو خدا نے تجھے دی ہیں

جیسا کہ ہم بیان کر چکے ہیں اس سورہ میں ہدف اور مقصد پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تسلی و دلہاری اور آنحضرتؐ کے لیے الطاف الہی کا بیان ہے۔ لہذا گزشتہ آیات کو جاری رکھتے ہوئے، جن میں اس مطلب کو بیان کیا گیا تھا، زیر بحث آیات میں پہلے تو تیمم اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر خدا کی تین خاص نعمتوں کا ذکر کرتا ہے، اور اس کے بعد انہی سے مربوط تین اہم حکم انہیں دیتا ہے۔ فرماتا ہے: کیا خدا نے تجھے یتیم نہیں پایا تو تجھے اس نے پناہ دی؟ (الرحیم یتیمًا ھاؤی)۔

تو ابھی شکم مادر میں ہی تھا کہ تیرا باپ عبد اللہ اس دنیا سے چل بسا، توئیں نے تجھے تیرے جد عبد المطلبؐ (سردار مکہ) کی آغوش میں پرورش کرائی۔

تو چھ سال کا تھا کہ تیری ماں دنیا سے چل بسی اور اس لحاظ سے بھی تو اکیلا رہ گیا، لیکن ہم نے تیرے عشق و محبت کو عبد المطلبؐ کے دل میں زیادہ کر دیا۔

تو آٹھ سال کا ہوا تو تیرا دادا "عبد المطلب بھی دنیا سے رخصت ہو گیا، تو ہم نے تیرے چچا "ابو طالب" کو تیری خدمت و حمایت کے لیے مقرر کر دیا، تاکہ تجھے جان شیریں کی طرح رکھے اور تیری حفاظت کرے۔ ہاں! تو تیمم تھا اور میں نے تجھے پناہ دی۔

بعض مفسرین نے اس آیت کے کچھ اور دوسرے معنی بیان کیے ہیں جو اس کے ظاہر کے ساتھ سازگار نہیں ہیں، مگر ان کے یہ ہے کہ تیمم سے مراد وہ شخص ہے جو شرافت و فضیلت میں اپنا مثل و نظیر نہ رکھتا ہو، جیسا کہ بے نظیر موتی کو "فرد تیمم" کہتے ہیں، لہذا اس جملہ کا معنی یہ ہو گا کہ خدا نے تجھے شرافت و فضیلت میں بے نظیر پایا اس لیے تجھے انتخاب کیا اور مقام نبوت بخشا۔

دوسرا یہ ہے کہ تو خود ایک دن تیمم تھا لیکن آخر کار تو تیمم کی پناہ گاہ اور انسانوں کا رہبر ہو گیا۔

اس میں شک نہیں کہ پہلا معنی ہر لحاظ سے زیادہ مناسب ہے اور ظاہر آیت کے ساتھ زیادہ ہم آہنگ ہے۔

اس کے بعد دوسری نعمت کو بیان کرتے ہوئے فرماتا ہے: "اور تجھے گم شدہ پایا تو تیری رہنمائی کی۔" (ووجدک ضالًا ھاؤی)

ہاں! تو ہرگز نبوت و رسالت سے آگاہ نہیں تھا، اور ہم نے یہ نور تیرے دل میں ڈالا، تاکہ تو اس کے ذریعہ انسانوں کو ہدایت کئے

جیسا کہ ایک دوسری جگہ فرماتا ہے: ما کنت تدبری ما الا کتاب ولا الایمان ولکن جعلناه نورًا ھاؤی بد من نشاء

من عبادنا: "نہ تو تو کتاب ہی کو جانتا تھا اور نہ ہی ایمان کو" (یعنی نازل وحی سے پہلے تو اسلام و قرآن کے مطالب سے آگاہ نہیں

لیکن ہم نے اس کو ایک ایسا نور قرار دیا ہے کہ جس کے ذریعے ہم اپنے بندوں میں سے جسے چاہیں ہدایت کرتے ہیں) (شوری: ۵۲)

یہ بات واضح ہے کہ پیغمبر کے پاس مقام نبوت و رسالت تک پہنچنے سے پہلے یہ الہی فیض نہیں تھا۔ خدا نے آپؐ کا ہاتھ پکڑ کر

ہدایت فرمائی اور اس مقام تک پہنچا دیا، جیسا کہ سورہ یوسف کی آیہ ۳ میں آیا ہے: نحن نقص علیک احسن القصص بما اوحینا

ایک هذا القرآن وان كنت من قبله لمن الفاعلين: "ہم نے قرآن کی وحی کے ذریعے ایک بہترین داستان تیرے لیے بیان کی ہے، اگرچہ تو اس سے پہلے اس سے آگاہ نہیں تھا۔

یقیناً اگر ہدایت الہی اور فیہی امدادیں پیغمبر کے ہاتھ نہ پڑتیں تو وہ ہرگز منزل مقصود کا راستہ نہ پاتے۔

اس بنا پر یہاں "ضلالت" سے مراد ایمان، توحید، پاکیزگی اور تقویٰ کی نفی نہیں ہے، بلکہ ان آیات کے قرینہ سے جن کی طرف اُدھر اشارہ ہوا ہے، اسرار نبوت اور قوانین اسلام سے آگاہی کی نفی، اور ان حقائق سے عدم آشنائی تھی، جیسا کہ بہت سے مفسرین نے کہا ہے لیکن بعثت کے بعد ہندوؤں کی مدد سے ان تمام امور سے واقف ہو گئے اور ہدایت پائی، (خورکچے)۔

سُورہ بقرہ کی آیہ ۲۸۲ میں مقررہ صل کے مسئلہ میں متعدد گواہوں کے فلسفہ کو ذکر کرتے وقت فرماتا ہے، ان تفضل احد اہما فتذکر احد اہما الاخری: "یہ اس بنا پر ہے کہ اگر ان دونوں میں سے ایک گمراہ ہو جائے اور بھول جائے تو دوسری اسے یاد دلا دے۔

اس آیت میں "ضلالت" صرف بھول جانے کے معنی میں آیا ہے "فتذکر" کے جملہ کے قرینہ سے۔

یہاں اس آیت کے لیے اور کئی دوسری تفاسیر بھی بیان ہوئی ہیں، مغلطہ ان کے یہ ہے کہ اس سے مراد یہ ہے کہ تو بے نشان تھا، خدا نے تجھے اس قدیمے نظیر نعمتیں عطا کیں کہ تو ہر جگہ پہچانا جانے لگا۔

یا اس سے مراد یہ ہے کہ تو اپنے پیچھے میں کئی مرتبہ گم ہوا۔ (ایک دفعہ مکہ کے دروں میں جب کہ توجہ الطلب کی پناہ میں تھا، اُدھر دوسری مرتبہ اس وقت جب تیری رضاعی ماں "علیہ سعیدہ" دفعہ پلانے کی مدت کے اختتام پر تجھے مکہ کی طرف لارہی تھی تاکہ تجھے طلب کے سپرد کرے تو راستہ میں گم ہو گیا، اور تیسری مرتبہ اس وقت جب تو اپنے چچا ابوطالب کے ساتھ اس قافلہ میں جو شام کی طرف جا رہا تھا، ایک تارک اور انہیری رات میں گم ہو گیا تھا) اور خدا نے ان تمام موارد میں تیری رہنمائی کی، اور تجھے تیرے چچا یا بچا کی پیروی انوش تک پہنچا دیا۔

قابل توجہ بات یہ ہے کہ "ضال" لغت کے لحاظ سے دو معانی کے لیے آیا ہے، ۱۔ "گم شدہ" اور ۲۔ "گمراہ" مثلاً کہا جاتا ہے کہ: الحکمة ضالة المؤمن: "حکمت و دانش مومن کی گم شدہ چیز ہے۔"

اور اسی مناسبت سے مخفی اور غائب کے معنی میں بھی آیا ہے جیسا کہ سُورہ بقرہ کی آیہ ۱۰ میں آیا ہے: مکنون ما کما کرتھتے ءاذ اضللتنا فی الارض ءان انا لفی خلق جدید: کہ جب ہم زمین میں پناہ اور غائب ہو جائیں گے تو پھر ایک نئی خلقت اختیار کریں گے۔ ۱۔

اگر زیر بحث آیت میں "ضال" "گم شدہ" کے معنی میں ہو تو پھر کوئی مشکل پیش نہیں آتی، (یعنی تو گم شدہ قافلہ گ تیری غفلت و شرافت سے ناواقف تھے، پس ہم نے انہیں تیری طرف ہدایت کی، - مترجم)

اور اگر یہ "گمراہ" کے معنی میں ہو تو اس سے مراد بعثت سے پہلے راہ نبوت و رہبات تک و دسترس نہ رکھتا ہوگی، یا دوسرے لفظوں میں پیغمبر اپنی ذات میں کوئی چیز نہیں رکھتے تھے، جو کچھ تھا وہ خدا کی طرف سے تھا، اس بنا پر دونوں ہی صورتوں میں کوئی مشکل پیش نہیں آئے گی۔

اس کے بعد تیسری نعمت کو پیش کرتے ہوئے فرماتا ہے : خدا نے تجھے فقیر پایا تو غنی دے گا (ووجدك عائلاً فاغني)۔

جناب "خدیجہ" جیسی شخص و باوقاف خاتون کی توجہ تیسری طرف مبذول کی، تاکہ وہ اپنی عظیم ثروت و دولت کو تیسرے اعتبار میں دے دے اور تیسرے عظیم اہداف و مقاصد کے لیے وقف کر دے۔ اور اسلام کے غلبہ کے بعد جنگوں میں بکثرت مال ہائے قیمت تجھے عطا کیے، اس طرح سے کہ تو اپنے عظیم مقاصد تک پہنچنے کے لیے بے نیاز ہو گیا۔

ایک روایت میں امام علی بن موسیٰ رضا علیہ السلام سے آیا ہے کہ آپ نے ان آیات کی تفسیر میں اس طرح فرمایا :
 "الوجدك يتيماً فاؤي قال : فرداً لا مثل لك في المخلوقين ، فاؤي الناس اليك ،
 ووجدك ضالاً اى ضالة في قوم لا يعرفون فضلك فهداهم اليك ،
 ووجدك عائلاً لتول اقواماً بالملء فغناهم بك :

"کیا ہم نے تجھے اپنی مخلوق کے اندر یتیم یعنی بے نظیر فرد نہیں پایا تو ہم نے لوگوں کو تیسری پناہ میں دے دیا، اور تجھے اپنی قوم کے درمیان گمشدہ اور نا پہچانا ہوا پایا، جو تیسرے مقام فضل کو نہیں پہچانتے تھے، تو خدا نے انہیں تیسری طرف ہدایت کی اور تجھے علم و دانش میں اقصیٰ کا سرپرست قرار دیا اور انہیں تیسرے درجے بے نیاز کر دیا۔"

البتہ یہ حدیث آیت کے بطور کو بیان کرتی ہے ورنہ آیت کا ظاہر وہی ہے، جو اوپر بیان کیا گیا۔

لیکن یہ تصور نہیں ہونا چاہیے کہ یہ احمد جو آیت کے ظاہر میں بیان ہوئے ہیں پیغمبر کے مقام بلند میں کی اور نقص کا سبب نہیں یا آپ کے بارے میں پروردگار کی طرف سے منفی توصیف ہے۔ بلکہ یہ تو حقیقت میں الطاف الہی اور اس عظیم پیغمبر کے بارے میں اس کے اکرام و احترام کا بیان ہے، جب محبوب و بلاغت عاشق کے بارے میں اپنے لطف و کرم کی بات کرتا ہے تو یہ خود ایک لطف و محبت ہے اور اس کے لطف خاص کی دلیل ہے اور اسی بنا پر محبوب کی طرف سے ان الفاظ کے سننے سے اس کی روح تازہ ہو جاتی ہے، اور اس کی جان میں صفا پیدا ہوتی ہے، اور اس کے دل کو آلام و سکون حاصل ہوتا ہے۔

بعد والی آیات میں گوشہ آیات سے نتیجہ نکالتے ہوئے پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تین احکام دیتا ہے، اگرچہ ان میں غالب رسول اللہ کی ذات گرامی ہے، لیکن یقیناً وہ سب کو شامل ہیں، پہلے فرماتا ہے، "جب معاملہ یہ ہے تو پیغمبر کی حقیر و تذلیل نہ کر"۔
 (فاما الیتیم فلا تقهر)۔

"تقهر" "قهر" کے مادہ سے "مفروت" میں "راغب" کے قول کے مطابق، اس غلبہ کے معنی میں ہے جس کے ساتھ

لہ "عائلاً" اصل میں محال دہر شخص کے معنی میں ہے، چاہے وہ غنی و توخیر ہو، کیسی یہ لفظ فقیر کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے۔ اور زبردست آیت میں اسی معنی کی طرف اشارہ ہے۔ "راغب" کے کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر "عال" اجوف یا بی ہو تو فقیر کے معنی میں ہے۔ اور اجوف یا بی ہو تو کنیز اصیل کے معنی میں ہوتا ہے، (لیکن ان دونوں کا لازم و ملزوم ہونا بعید نہیں ہے)۔

تفسیر جو، لیکن ان دو معانی میں سے ہر ایک کے لیے علیحدہ ہی استعمال ہوتا ہے، اور یہاں مناسب درجہ تفسیر ہی ہے۔
 یہ چیز اس بات کی نشان دہی کرتی ہے کہ تفسیر کے بارے میں اگرچہ اطعام و افطام کا مسئلہ بھی اہم ہے لیکن اس سے
 بھی زیادہ اہم دل جوئی و نوازش اور شفقت کی کمی کو رفع کرنا ہے۔ اسی لیے ایک مشہور حدیث میں آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
 نے ارشاد فرمایا:

”من مسح علی رأس یتیم کان له بكل شعرة تمر علی یدہ نور
 یوم القیامۃ“

”جو شخص نوازش و مہربانی کے ساتھ یتیم کے سر پر ہاتھ پھیرے تو ہر بال کی تعداد کے
 مطابق جس پر اس کا ہاتھ پھیرے گا قیامت میں ایک نور ہوگا۔“

گویا خدا پیغمبر سے فرماتا ہے، تو خود بھی یتیم تھا، اور تُو نے بھی یتیمی کا رنج اور تکلیف اٹھائی ہے، تو اب تو دل و جان
 سے یتیموں کی نگہبانی کر، اللہ ان کی پیاسی نوح کو بحالت کے ساتھ سیراب کر۔
 بعد والی آیت میں دوسرے حکم کو پیش کرتے ہوئے فرماتا ہے:

”اور سوال کرنے والے کو نہ دھتکار“ (واما السائل فلا تھن)۔

”لا تھنہ“ ”نہر“ کے مادہ سے ”سختی کے ساتھ دھتکارنے کے معنی میں ہے۔ اور بعید نہیں ہے کہ اس کی
 اصل ”نہر“ ہو اور جاری پانی کی نہر کے معنی کے ساتھ ایک ہو، کیونکہ وہ بھی پانی کو شدت کے ساتھ دھکیلتی ہے۔
 اس بارے میں کہ یہاں ”سائل“ سے کون مراد ہے؟ چند تفسیریں موجود ہیں، پہلی یہ کہ اس سے ایسے افراد مراد ہیں جو علمی،
 اعتقادی اور دینی مسائل میں سوالات دیتے ہیں، اور قرینہ اس کا یہ ہے کہ یہ حکم اس چیز پر جو گردش آیات میں آیا ہے مقرر ہے
 ”ووجدک ضالاً فھدٰی“ ”خدا نے تجھے گم شدہ پایا تو تجھے ہدایت کی، پس اس ہدایت الہی کے شکرانے کے طور پر تو بھی
 ہدایت کے نیاز مندوں کے لیے کوشاں رہ، اور کسی ہدایت کا تقاضا کرنے والے کو اپنے پاس سے نہ دھتکار۔

دوسری تفسیر یہ ہے کہ اس سے مراد ایسے لوگ ہیں جو مادی لحاظ سے فقیر ہیں اور وہ تیسرے پاس آتے ہیں، تو جتنی چیزیں
 طاقت ہے اس کے مطابق عمل کر اور انہیں مالوس نہ کر اور اپنے پاس سے نہ دھتکار۔

تیسری تفسیر یہ ہے کہ یہ فقر علمی اور فقر مادی دونوں کو بیان کر رہی ہے، اور اس کا حکم یہ ہے کہ ہر قسم کا سوال کرنے والے
 کو مثبت جواب دے، یہ معنی پیغمبر کے لیے خدا کی ہدایت کے ساتھ بھی مناسبت رکھتا ہے، اور ان کی یتیمی کے زمانے میں ان
 کی سرپرستی سے بھی مناسبت رکھتا ہے۔

تجربہ کی بات یہ ہے کہ بعض مفسرین نے یہ ثابت کرنے کے لیے کہ سائل سے مراد یہاں صرف علمی مسائل کے بارے میں
 سوال کرنے والا ہے، کہ ”سائل کی تفسیر قرآن مجید میں ہرگز مالی تقاضا کرنے والوں کے لیے نہیں آئی۔“

حالانکہ یہ قرآن میں بار بار اس معنی میں استعمال ہوا ہے، چنانچہ سورہ فاریات کی آیہ ۱۹ میں آیا ہے: **وَفِي أَمْوَالِهِمْ حَقٌّ لِّلسَّالِمِ وَالْمَحْرُومِ** : "ان کے مال میں سالک اور محروم کے لیے حق ہے اور یہی معنی سورہ معارج کی آیہ ۲۵ اور سورہ بقرہ کی آیہ ۱۷۷ میں بھی آیا ہے۔

اور آخر میں تیسرے اور آخری حکم میں فرماتا ہے: **اور باقی رہیں تیرے پروردگار کی نعمتیں تو تو ان کو بیان کر** (واما ببقیۃ ربک فحدث)۔

نعمت کو بیان کرنا کہیں تو زبان سے ہوتا ہے اور ایسی تعبیروں سے جو انتہائی فکر و پاس کی ترجمان ہوتی ہیں، نہ کہ غور و محنت اور برتری کے خیال سے، اور کہیں عمل سے بھی ہوتا ہے، اس طرح کہ اس سے راہِ خدا میں افتاح و بخشش کرے، ایسی بخشش جو اس بات کی نشان دہی ہو کہ خدا نے اُسے فراوان نعمت عطا کی ہے۔

یہ سنی اور کریم لوگوں کی سنت ہے کہ جب انہیں کوئی نعمت ملتی ہے تو وہ اُسے بیان کرتے ہیں اور خدا کا شکر بجا لاتے ہیں۔ اور ان کا عمل بھی اس حقیقت کی تائید و تاکید کرتا ہے، پست ہمت، بنخیل کے برعکس جو ہمیشہ نالہ و فریاد کرتے ہیں، اور اگر ساری دنیا بھی انہیں دے دیں، تو بھی نعمتوں پر پردہ پوشی ہی کرتے رہتے ہیں۔ ان کا چہرہ فقیرانہ اور ان کی باتیں آہ و زاری کے ساتھ، اور ان کا عمل بھی فقر و فاقہ کو بیان کرنے والا ہوتا ہے۔

یہ اس حالت میں ہے کہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نقل ہوا ہے کہ آپؐ نے فرمایا:

"ان الله تعالى اذا انعم على عبد لعمته يحب ان يری اثر النعمۃ علیہ"

"خداوند عالم جب کسی بندے کو کوئی نعمت عطا کرتا ہے، تو وہ اس بات کو دوست رکھتا ہے کہ اس پر نعمت کے آثار دیکھے"

اس بنا پر آیت کے معنی کا حاصل اس طرح ہے: اس بات کے شکر لانے میں کہ توفیقِ خدا اور خدا نے تجھے بے نیاز کیا ہے، تو بھی نعمت کے آثار کو آشکار کر، اور گفتار و عمل سے اس خدائی نعمت کو بیان کر۔

لیکن بعض مغتربن نے کہا ہے کہ یہاں "نعمت" سے مراد صرف مننوی نعمتیں ہیں، منجملہ ان کے نبوت یا قرآن مجید ہے کہ پیغمبرؐ اس کی تبلیغ کے ذمہ دار تھے، اور نعمت کو بیان کرنے سے مراد یہی ہے۔

یہ احتمال بھی ہے کہ یہ تمام مادی و مننوی نعمتوں کو شامل ہو۔

لہذا ایک حدیث میں ائمہ جنسوادق علیہ السلام سے آیا ہے کہ آپؐ نے فرمایا: کہ آیت کا معنی اس طرح ہے:

حدث بما اعطاك الله، وفضلک، ورزقک، واحسن الیک وهداک :

"جو کچھ خدا نے تجھے بخشا ہے، برتری دی ہے، معذی عطا کی ہے، اور تیرے ساتھ

نیکی اور احسان کیا ہے اور تجھے ہدایت کی ہے، ان سب کو بیان کر۔"

اور بالآخر ایک اور حدیث میں پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ایک دستور کلی کے عنوان سے آیا ہے :

”من اعطی خیراً فله من علیہ ، سہی بفیض اللہ معادیاً لنصر اللہ“

”جس شخص کو کوئی خیر و نعمت دی جائے ، لیکن اس کی شغفیت میں اس کے آثار نظر نہ آئیں“

ترجمہ : خدا کا دشمن اور اس کی نعمتوں کا مخالف شمار کرنا چاہیئے نہ

ہم اس گفتگو کو امیر المؤمنینؑ کی ایک دوسری حدیث کے ساتھ ختم کرتے ہیں ، آپؑ نے فرمایا :

”ان اللہ جمیل یحب الجمال ، ویحب ان یرى اثر النعمۃ علی عبدہ“

”خدا جمیل ہے اور وہ جمال و زیبائی کو دوست رکھتا ہے ، اور اسی طرح سے وہ اس بات کو دوست رکھتا ہے کہ اپنے بندے پر اپنی نعمت کے آثار دیکھے“

چند نکات

۱۔ مصائب و آلام کے درمیان سے مبعوث ہونے والا پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر خدا کی نعمتوں کی تشریح و تفصیل کو بیان کرتی ہیں ، ضمنی طور پر اس نکتہ کو بھی بیان کرتی ہیں کہ آپؐ پیغمبر کے آثار سے ہی قیام پاتے تھے ، مادی لحاظ سے سخت و شدید حالات میں زندگی بسر کر رہے تھے ، مصائب و آلام میں گھرے ہوئے تھے اور انہیں مصائب میں مبعوث ہوئے تھے اور ایسا ہی ہونا چاہیئے۔

ایک فدائی اور انسانی رہبر کو زندگی کی تمنیوں کو چھوڑنا ، پریشانیوں کو ذاتی طور پر پس کرنا ، اور اپنے سارے وجود کے ساتھ تمیز کا احساس کرنا چاہیئے تاکہ معاشرے کے محروم طبقات کی صبح طور سے قدر کر سکے ، اور ایسے لوگوں کے حالات سے جو مصائب و آلام میں مبتلا ہیں باخبر ہو سکے۔

پھر یہیں میں ہی باپ کی شفقت سے محروم ہو جائے ، تاکہ اپنے یتیم بچوں کی مصیبت سے باخبر رہے ، دن اس کے بھوک میں گزریں ، اور راتوں کو بھوکا سوئے تاکہ بھوکوں کے درد اور تکلیف کو اپنے سارے وجود کے ساتھ محسوس کرے۔

یہی وجہ ہے کہ جب آپؐ کسی یتیم کو دیکھتے تھے تو آپؐ کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو جاتے تھے۔ اُسے اپنی گردن میں بٹلاتے تھے اس پر نوازش و شفقت کرتے تھے ، اور اپنی جان شری کی طرح اپنی آغوش میں لے لیتے تھے۔

اور پھر اس نے معاشرے کے تمدن میں فقر کو اچھی طرح سے درک کیا ہو ، تاکہ جو لوگ علم و دانش کے حصول کے لیے اس کی خدمت میں آئیں ان کا احترام کرے ، اور کھلی آغوش کے ساتھ ان کی پذیرائی کرے۔

نہ صرف پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بلکہ شاید تمام کے تمام انبیاءؑ مصائب اور محرومیوں کے پروردہ تھے ، اور نہ صرف انبیاءؑ بلکہ تمام سچے اور موفق رہبر ایسے ہی ہوئے ہیں اور انہیں ایسا ہی ہونا چاہیئے۔

۱۔ ”تفسیر قرطبی“ جلد ۱۰ ص ۷۱۹ ، اسی معنی کے قریب قریب کافی جلد ۶۔ کتاب الزم والجمع حدیث ۲ میں بھی آیا ہے۔

۲۔ فروغ کافی جلد ۶ ص ۲۳۸ حدیث

جس شخص نے ناز و نعمت کے درمیان پردیش پائی ہو، شان و شوکت والے عملوں میں زندگی بسر کی ہو، اُس نے جب بھی کوئی خواہش کی ہو وہ پوری ہو گئی ہو، وہ محروم لوگوں کے درد و تکلیف کو کس طرح سے درک کر سکتا ہے، اور فقر و مساکین کے کاشانوں اور یتیموں کے گھروں کا منظر اُس کی نظروں میں کیسے عجم ہو سکتا ہے اور وہ ان کی کمک اور مدد کے لیے بے تابی کے ساتھ کیسے آگے بڑھ سکتا ہے؟

ایک حدیث میں امام صادق علیہ السلام سے آیا ہے :

”ما بعث الله نبيا قط حتى يستريحه الفناء يعلمه بذالك رحمة الناس“

”خدا نے ہرگز کسی پیغمبر کو مبعوث نہیں کیا جب تک اس سے بھیڑ بکریوں کی چوپائی

کا کام نہیں کرایا، تاکہ وہ اس طریقہ سے انسانوں کی نگہبانی کا طریقہ سیکھ سکیں :۔

یعنی ایک تورج و تکلیف برداشت کیا، دوسرے کم شہو افراد کے مقابلہ میں مبر و تحمل کا تجربہ کیا اور وہ صحرا اور فطرت و لائقہ کی آغوش میں توحید و عرفان کے عظیم سبق حاصل کیے۔

ایک اور حدیث میں آیا ہے کہ ”موسیٰ بن عمران“ نے اپنے خدا سے سوال کیا کہ میں کس بنا پر اس مقام تک پہنچا، فطرت قدرت ہوا، کیا تجھے وہ دن یاد ہے جب کو سفند کا ایک بچہ تیرے گھر سے ہٹا گیا تھا، تو اُس کے پیچھے گیا اور اس کو پکڑ لیا، اور اس سے کہا، اے حیوان! تو نے اپنے آپ کو کہیں تھکا لیا؟ پھر تو اُس کو دوش پر اٹھا کر گوسفندوں کے گھر میں واپس لے آیا، میں نے اسی بنا پر تجھے مخلوق کا سرپرست بنا دیا ہے۔ (ایک جانور کے مقابلہ میں تیرا یہ عجیب و غریب تحمل و حوصلہ، تیری عظیم روحی قدرت کی دلیل ہے۔ لہذا تو اس عظیم مقام کے لائق ہے)۔

۲۔ یتیموں پر نوازش و شفقت

چھوٹے چھوٹے یتیم بچوں کا وجود، جو بچپن میں اپنے باپ کی شفقت سے محروم ہو چکے ہیں، ہر معاشرے میں اجتناب ناچھوڑیے۔ ان چھوٹے چھوٹے بچوں کی کئی جہات سے حمایت ہونی چاہیے۔

شفقت و مہربانی کے لحاظ سے بہت سی عموماں ہوتی ہیں۔ اگر ان کے وجود کا خلا اس لحاظ سے پر نہ ہو تو فیہریم غیر مسلم اور بہت سے مواقع پر ملک دل، مجرم اور خطرناک بچے پر ہان پڑھتے ہیں۔ علاوہ ازیں عواطف انسانی کا تقاضا یہ ہے کہ تمام لوگ ان کی طرف معاشرے کے تمام بچوں کی طرح توجہ اور حمایت کریں۔ اور ان تمام باتوں سے قطع نظر لوگ اپنے بچوں کے مستقبل کے بارے میں جو ممکن ہے انہیں حالات سے دوچار ہو جائیں، مطمئن ہوں۔

بہت سے موارد میں یتیم بچے ایسے مال کے مالک ہوتے ہیں جسے وقت و امانت کے ساتھ ان کے مستقبل کے لیے محفوظ رکھنا چاہیے۔ اور بہت سے موارد میں ان کے ہاں مالی امکانات و وسائل کا فقدان ہوتا ہے۔ لہذا انہیں اس لحاظ سے بھی مدد و توجہ ہرگز ناچھوڑیے اور دوسرے لوگوں کو، مہربان ماں باپ کی طرح، ان کی رُوح سے یتیمی کے رنج اور تکلیف کو دُور کرنا چاہیے اور تنہائی کے گرد و خرابیوں کے

پھر سے ہٹا دینا چاہیے۔

اسی لیے قرآن مجید کی آیات، اور بہت سی اسلامی روایات میں اس سکہ پر تنبیہ ہوا ہے جس میں اخلاقی پہلو بھی ہے اور معاشرتی اور انسانی پہلو بھی۔

یہ حدیث پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے معروف ہے کہ آپؐ نے فرمایا:

”ان الیتیم اذا بکی اهتز لبعکاشه عرش الرحمن!“

”جب یتیم روتا ہے تو خدائے رحمان کا عرش لرز اٹھتا ہے۔“

”خدا اپنے فرشتوں سے فرماتا ہے: اے میرے فرشتو! اس یتیم کو جس کا باپ مٹی میں نہ پوش ہو گیا ہے، کس نے ڈلادیا! فرشتے کہتے ہیں: ”خدا یا تو زیادہ بہتر طور سے جانتا ہے۔“ خدا فرماتا ہے: اے میرے فرشتو! نہیں تمہیں گواہ بنا کرکتا ہوں کہ جو شخص اس کو رونے سے خاموش کرے گا، اور اس کے دل کو خوش کرے گا، میں قیامت کے دن اسے خوش کروں گا۔“

اس سے بالاتر ایک اور حدیث میں پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے آیا ہے:

”اذا بکی الیتیم وقعت دموعہ فی کف الرحمن“

”جب یتیم روتا ہے تو اس کے آنسو خدائے رحمن کے ماتھے میں پڑتے ہیں۔“

ایک اور حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے یہ بھی آیا ہے کہ آپؐ نے فرمایا:

”انا وکافل الیتیم کما تین فی الجنة اذا اتق الله عز وجل و اشار

بالسبابة والوسطی“

”میں اور یتیم کا سر پرست ان دو کی طرح جنت میں ہوں گے، بشرطیکہ وہ خوف خدا

اور تقویٰ رکھتا ہو۔ پھر آپؐ نے آگشت شہادت اور دو میان اٹھلی کی طرف اشارہ کیا۔“

اس موضوع کی اہمیت اس قدر زیادہ ہے کہ امیر المومنین علی علیہ السلام نے اپنے مشہور وصیت نامہ میں یتیموں کی طرف توجہ

اور دھیان دینے کو نماز و قرآن کی طرف توجہ کرنے کے ساتھ قرار دیا ہے، فرماتے ہیں:

”اللہ اللہ فی الایتام فلا تغبوا افواہہم ولا یضیعوا بحضر حکم“

”خدا کو یاد رکھو، خدا کو یاد رکھو! یتیموں کو کبھی سیر اور کبھی بھوکا نہ رکھو، اور تمہارے سامنے وہ ضائع نہ ہوں گے۔“

ل ”مجمع البیان“ جلد ۱۰ ص ۵۰۶۔

ک ”تفسیر نورانی“ جلد ۳۱ ص ۲۱۹۔

ط ”نور المقلین“ جلد ۵ ص ۵۹۷ حدیث ۲۳۔

ح ”نہج البلاغہ خط نمبر ۴۷ مجموعہ خطوط۔“

ایک حدیث میں پیغمبرؐ کے ایک صحابی سے آیا ہے، وہ کہتا ہے کہ ہم رسول خدا کی خدمت میں بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک بچہ آپ کی خدمت میں آیا اور عرض کیا: "میں ایک یتیم بچہ ہوں، میری ایک یتیم بہن ہے، اور ایک بیوہ ماں ہے، جو کچھ خدا نے آپ کو کھانے کے لیے دیا ہے اس میں سے ہمیں بھی کھلائیے تاکہ خدا کے پاس جو کچھ ہے اس میں سے وہ آپ کو اس قدر دے کہ آپ راضی اور خوش ہو جائیں!"

پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

"بیٹا تم نے کتنی اچھی بات کہی ہے! پھر آپ نے حضرت بلالؓ کی طرف رخ کر کے فرمایا: جاؤ اور جو کچھ ہمارے پاس ہے وہ لے آؤ۔ بلال اکیس خرے کے دانے لے آئے پیغمبرؐ نے فرمایا: سات دانے تیرے لیے، سات دانے تیری بہن کے لیے اور سات دانے تیری ماں کے لیے۔"

"معاذ بن جبلؓ" اٹھے اور یتیم کے سر پر ہاتھ پھیر کر کہا: خدا تیری یتیمی کی تلافی کرے اور تجھے اپنے باپ کا اچھا جانیں بنائے (یتیم بچہ مہاجرین کی اولاد میں سے تھا)۔

پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے "معاذ" کی طرف رخ کر کے فرمایا:

"تیرے اس کام کا کیا سبب تھا؟" اس نے عرض کیا: محبت اور رحمت تھی۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

"جو شخص تم میں سے کسی یتیم کی سرپرستی اپنے ذمہ لے، اور اس کا حق ادا کرے اور یتیم کے سر پر ہاتھ پھیرے تو خدا ہر سال کی تعداد میں اس کے لیے ایک نیکی تحریر کرے گا اور ہر سال کی تعداد میں اس کی برائیاں کوٹ کر دے گا، اور ہر سال کے بدلے اس کو ایک درجہ عطا کرے گا۔"

البتہ ایسے وسیع معاشروں میں جیسا کہ آج کے معاشرے میں، مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ اس سلسلے میں انفرادی کاموں پر قناعت نہ کریں، بلکہ انہیں چاہیے کہ اپنی توانائیاں کو یکجا طور پر استعمال کرتے ہوئے یتیموں کو اقتصادی، علمی اور تربیتی پروگراموں کے ذریعے کا لہ بنائیں اور انہیں اسلامی معاشرے کے لائق افراد بنائیں۔ اور یہ اہم کام عمومی تعاون کا محتاج ہے۔

۳۔ نعمتوں کو بیان کرنا

وہ حکم جو اس سلسلہ میں اوپر والی آیات میں بیان ہوا ہے، اگر وہ خدا کے شکر و سپاس کے عنوان سے ہو، اور خود کو بڑا کر کے دکھانے اور فخر کے عنوان سے ہو، تو وہ نہ صرف انسان کو پروردگار کے مقامِ عبودیت میں شکامل و ارتقا بخشتا ہے اور اجتماعی مثبت اثرات رکھتا ہے، بلکہ خود انسان کی نوح و جان میں بھی آرام بخش اثر چھوڑتا ہے۔

خدا کی نعمتوں کے ذکر کرنے سے انسان اپنے پاس کسی چیز کے کم ہونے کا احساس ہی نہیں کرتا، بیماری کا شکار نہ کرنے سے دوسرے اعضاء کی سلامتی پر شکر گزار ہوتا ہے، کسی چیز کے کھوئے جانے پر جزع و فزع نہ کرنے سے وہ اپنے باقی امکانات و وسائل کو بیان کرتا ہے۔

اس قسم کے افراد زندگی کی سختیوں اور طوفانوں میں یاس و ناامیدی میں گرفتار نہیں ہوتے اور نہ ہی مضطرب و پریشان ہوتے ہیں۔ ان کی ندرت سکون و آرام میں، اور دل مطمئن ہوتا ہے۔ اور مشکلات سے مقابلہ کرنے میں ان میں زیادہ توانائی ہوتی ہے۔ خداوند! تیری نعمتیں اس سے کہیں زیادہ ہیں کہ انہیں بیان کیا جاسکے، ان کو ہم سے سلب نہ کرنا، اور اپنے فضل و کرم سے ان میں اضافہ فرماتا۔

پروردگارا! ہم اس دنیا میں تیرے احسان میں غرق ہیں اور یہ توقع رکھتے ہیں کہ اُس جہان میں بھی اسی طرح ہوں۔ بارالہا! ہمیں توفیق مرحمت فرما کہ ہم ہمیشہ محروم لوگوں کے پشتیبان اور یتیموں کے حقوق کے محافظ ہوں۔

آمین یا رب العالمین
سورہ "والضحیٰ" کا اختتام

Presented by: <https://jafrilibrary.com/>

اختتام ترجمہ

تم بحسن بر مکن خیر

۱۳ رمضان ۱۴۰۸ھ بروز ہفتہ

گیارہ بج کر اکتالیس منٹ صبح

سُورَةُ الْمُلْشَرِّحِ

Presented by: <https://jafrilibrary.com/>

❖ یہ سورہ مکہ میں نازل ہوا

❖ اس میں ۸ آیات ہیں

سورہ الم نشرح کے مضامین اور اس کی فضیلت

مشہور یہ ہے کہ یہ سورہ، سورہ واضعی کے بعد نازل ہوا ہے اور اس کے مضامین بھی اسی مطلب کی تائید کرتے ہیں، کیونکہ اس سورہ میں بھی پھر سے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نہا کی نعمتوں کے ایک حصہ کو شاکر کیا گیا ہے۔ حقیقت میں یہی قسم کی عظیم نعمتیں سورہ واضعی میں آئی تھیں، اور یہیں ہی عظیم نعمتیں سورہ الم نشرح میں آئی ہیں۔ گزشتہ نعمتوں میں تو بعض مادی اور بعض معنوی تھیں، لیکن اس سورہ کی تمام نعمتیں معنوی پہلو رکھتی ہیں اور یہ سورہ خصوصیت کے ساتھ تین محروم کے گرد گردش کرتا ہے :

ایک تو انہی تینوں نعمتوں کا بیان ہے، دوسرا پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو استقبال میں ان کی دعوت کی مشکلات کے برطرف ہونے کے لحاظ سے بشارت ہے، اور تیسرا خداوند یگانہ کی طرف توجہ اور اس کی عبادت و بندگی کی طرف تھریں و ترغیب۔

اسی بنا پر روایات اہل بیت میں — جیسا کہ ہم نے پہلے ہی اشارہ کیا ہے — یہ دونوں ایک ہی سورہ شمار ہوتی ہیں۔ اسی لیے قرأت نماز میں اس بنا پر کہ ایک مکمل سورت پڑھی جائے، دونوں کو اکٹھا پڑھتے ہیں۔

اہل سنت میں بھی بعض حضرات اسی نظریہ کے طرف دار ہیں جیسا کہ فخر رازی نے طحاوی اور ابن جریر بن عبد البر سے نقل کیا ہے کہ وہ بھی یہی کہا کرتے تھے کہ یہ دونوں سورتیں ایک ہی سورت ہیں اور وہ ایک رکت میں دونوں کو تلاوت کیا کرتے تھے، البتہ وہ ان دونوں کے درمیان بسم اللہ کو حذف کر دیتے تھے۔ (لیکن ہمارے فقہاء کے مطابق بسم اللہ دونوں میں ہونا چاہیے، اور یہ جو مرحوم طبرسی نے مجمع البیان میں نقل کیا ہے کہ ہمارے فقہاء بسم اللہ کو حذف کرتے ہیں درست نظر نہیں آتا)۔

تعب کی بات یہ ہے کہ فخر رازی ان لوگوں کا نقل نقل کرنے کے بعد جو ان دونوں کو ایک سورہ کہتے ہیں، کہتا ہے کہ یہ بات ٹھیک نہیں ہے کیونکہ ان دونوں کے مضامین ایک دوسرے سے مختلف ہیں۔ سورہ واضعی اس وقت نازل ہوا جب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کفار کی اذیت رسائی سے پریشان تھے اور سختی اور غم و اندوہ میں بسر کر رہے تھے، حالانکہ دوسری سورت اس وقت نازل ہوئی جب کہ پیغمبر

خوش حال و شادمان تھے، تو یہ دونوں چیزیں ایک دوسرے کے ساتھ کیسے جمع ہو سکتی ہیں؟
لیکن یہ استدلال عجیب ہے کیونکہ دونوں سورتیں پیغمبر کی گزشتہ زندگی کی بات کر رہی ہیں، اور یہ اس وقت کی بات ہے جب کہ آپ
بہت سی مشکلات کو پیچھے چھوڑ چکے تھے، اور آپ کا پاک دل امید و دوسو میں غرق تھا۔ یہ دونوں سورتیں خدا کی نعمتوں کی بات کر رہی ہیں، اور
سختی اور مشکلات سے پر ماضی کی یاد دلا رہی ہیں، تاکہ پیغمبر کے دل کی تسلی اور زیادہ سے زیادہ کامل امید کا باعث ہو۔
بہر حال ان دونوں سورتوں کے مضامین کا قریبی تعلق ایسی چیز نہیں ہے جو شبک اور تردید کے قابل ہو، اسی معنی کی تفسیر سورہ فیل اور
سورہ قریش میں بھی آئے گی۔ انشاء اللہ۔

اس بارے میں کہ یہ سورہ (الم نشرح) مکہ میں نازل ہوا ہے یا مدینہ میں، اوپر والے بیان سے واضح ہو جاتا ہے کہ یہ مکہ میں
نازل ہوا ہے، لیکن آیہ و رفعنا لک ذکرک: ”ہم نے تیرے ذکر کو بلند کیا“ کی طرف توجہ کرتے ہوئے بعض کا نظریہ یہ ہے کہ
یہ مدینہ میں نازل ہوا ہے، اس وقت جب کہ اسلام اور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شہرت چاروں طرف پھیل گئی تھی۔ لیکن انصاف
یہ ہے کہ یہ دلیل اطمینان بخشن نہیں ہے کیونکہ پیغمبر کی شہرت، ان تمام مشکلات کے باوجود، جو آپ کو مکہ میں درپیش تھیں، ہر طرف پھیل
چکی تھی، اور تمام مصلوں میں آپ کے قیام، رسالت اور دعوت کے بارے میں چرچے ہو رہے تھے اور حج کے سالانہ اجتماع کے
ذریعے یہ شہرت حجاز کے دوسرے علاقوں خصوصاً مدینہ میں پہنچ چکی تھی۔

اس سورہ کی تلاوت کی فضیلت کے سلسلے میں ایک حدیث میں پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے منقول ہوا ہے کہ آپ نے فرمایا:

”من قرأها أعطی من الاجر کمن لقی محمداً ص مفتیاً فخرج عنہ“

”جو شخص اس سورہ کو پڑھے اس کو اس شخص کا اجر ملے گا، جس نے محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)

کو ملگین دیکھا اور آپ کے قلب مبارک سے غم و اندوہ کو دور کیا ہو۔“

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

- ۱۔ اَلْوَشْرِحُ لَكَ صَدْرَكَ ۝
- ۲۔ وَوَضَعْنَا عَنكَ وَدْرَكَ ۝
- ۳۔ الَّذِي اَلْقَضَ ظَهْرَكَ ۝
- ۴۔ وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ ۝
- ۵۔ فَاِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا ۝
- ۶۔ اِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا ۝
- ۷۔ فَاِذَا فَرَغْتَ فَانصَبْ ۝
- ۸۔ وَاِلَىٰ رَبِّكَ فَارْغَبْ ۝

ترجمہ

- شروع اللہ کے نام سے جو رحمان و رحیم ہے
- ۱۔ کیا ہم نے تیرے سینہ کو کشادہ نہیں کیا؟
 - ۲۔ اور تجھ سے بھاری بوجھ برطرف نہیں کیا؟
 - ۳۔ وہی بوجھ جو تیری پشت کو ٹھکانے دے رہا تھا۔

- ۲۔ اور تیرے ذکر کو ہم نے بلند کیا۔
- ۵۔ اس بنا پر یقینی طور پر سختی کے ساتھ آسانی ہے۔
- ۶۔ اور یقیناً سختی کے ساتھ آسانی ہے۔
- ۷۔ پس جب تو ایک اہم کام سے فارغ ہو جائے تو دوسری ہم کو شروع کر دے۔
- ۸۔ اور اپنے پروردگار کی طرف توجہ اور رغبت کر۔

تفسیر ہم نے تجھے انواع و اقسام کی نعمتیں عطا کی ہیں

آیات کالب والہم پروردگار کے مد سے زیادہ لطف و رحمت، اور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تسلی و دلہاری کے پہلو رکھتا ہے۔

پہلی آیت میں خدا کی اہم ترین نعمت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرماتا ہے: "کیا ہم نے تیرے سینہ کو کشادہ نہیں کیا؟ (الشرح لك صدرک)۔"

"شرح" کے مادہ سے، مفردات میں راجح کے قول کے مطابق اصل میں گوشت کے ٹکڑوں کو کشادہ کرنے اور زیادہ نازک اور پتلے ذوق بنانے کے معنی میں ہے۔ اس کے بعد مزید کتاب ہے کہ شرح صدر سے مراد نور الہی اور خدا داد سکون آرام کے ذریعے اس کو وسیع کرنا ہے، اور اس کے بعد کتاب ہے: گفتگو اور کلام کی مشکلات کی شرح کرنا، اس کو پھیلانے اور اس کے معنی معانی کی وضاحت کرنے کے معنی میں ہے۔ بہر حال اس میں شک نہیں ہے کہ یہاں شرح صدر سے مراد اس کا کثافتی معنی ہے اور وہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روح و فکر کو وسعت دینا ہے اور یہ وسعت ممکن ہے کہ ایک وسیع مفہوم رکھتی ہو جو وحی و رسالت کے طریق سے پیغمبر کے وسعت علم کو بھی شامل رکھتا ہو اور دشمنوں اور مخالفین کی ہٹ دھرمیوں اور کارشکنیوں کے مقابلہ میں آپ کے تحمل و استقامت میں وسعت و کشادگی کو بھی اپنے اندر لیے ہوئے ہو۔

اسی لیے جب موسیٰ علیہ السلام بن عمران، فرعون جیسے سرکش کی دعوت پر مامور ہوئے، اذہب لئی فرعون انہ طئیٰ فرعون کے پاس جاؤ وہ سرکش ہو گیا ہے، تو بلا فاصلہ عرض کرتے ہیں: رب اشح لی صدري و لتسلی امری۔ پروردگار میرے سینہ کو کشادہ کر دے اور میرے کام کو آسان کر دے: (ظہر - ۲۵ - ۲۶)

دوسرے مقام پر پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے خطاب ہے فاصبر لحکم ربک ولا تکن کصاحب الموت

اب جب کہ یہ حال ہے تو اپنے پروردگار کے حکم کا منتظر رہ، اور استعانت اور صبر و شکیبائی اختیار کر اور یونس کی طرح نہ ہو (جو ضروری و لازمی صبر و شکیبائی کو ترک کرنے کی بنا پر ان تمام مشکلات اور تکلیفوں میں گرفتار ہوا)۔ (رقم - ۴۸)

شرح صدر حقیقت میں ضیق صدر کا نقطہ مقابل ہے جیسا کہ سورہ حجر کی آیہ ۹۷ میں آیا ہے۔ ولقد علموا انک یضیق صدرک بما یقولون : ”ہم جانتے ہیں کہ تیرا سینہ ان کی (مفرضات) باتوں سے تنگ ہو جاتا ہے۔“ اصولی طور پر کوئی عظیم رہبر شرح صدر کے بغیر مشکلات کا مقابلہ نہیں کر سکتا، اور وہ شخص جس کی رسالت سب سے زیادہ عظیم ہے۔ (جیسا کہ پیغمبر اکرم صلی علیہ وآلہ وسلم کی تھی) تو اس کا شرح صدر سب سے زیادہ ہونا چاہیئے۔ ابتلاؤں کے طوفان اس کی روح کے سمندر کے سکون آرام کو دہم و برہم نہ کریں، اور مشکلات سے اس کے گھٹنے نہ جھک جائیں، دشمنوں کی کار شکنیاں اسے مایوس نہ کریں، پیچیدہ مسائل کے سوالات اسے ہر طرف سے مجبور کر کے لا جواب نہ کر دیں، اور یہ خدا کا رسول اللہ کے لیے ایک عظیم ترین ہدیہ تھا۔ اسی لیے ایک حدیث میں آیا ہے کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا :

”میں نے اپنے پروردگار سے ایک درخواست کی، حالانکہ میں چاہتا تھا کہ یہ درخواست نہ کرتا۔ میں نے عرض کیا مجھ سے پہلے پیغمبروں میں سے بعض کو ہر اکے چلنے پر اختیار دیا، بعض مردوں کو زندہ کرتے تھے۔ خدا نے مجھ سے فرمایا، کیا تو یتیم نہیں تھا تو میں نے تجھے پناہ دی؟ میں نے عرض کیا، ہاں! فرمایا، کیا تو گمشدہ نہیں تھا، میں نے تجھے ہدایت کی؟ میں نے عرض کیا، ہاں! اسے پروردگار! فرمایا، کیا میں نے تیرے سینہ کو کشادہ اور تیری پشت کے بوجھ کو ہلکا نہیں کیا؟ میں نے عرض کیا، ہاں! اسے پروردگار! لہ

یہ چیز اس بات کی نشان دہی کرتی ہے کہ ”شرح صدر“ کی نعمت انبیاء کے معجزات سے مافوق تھی، اور تھا اگر کوئی شخص پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حالات کا ہر ایک بینی کے ساتھ مطالعہ کرے اور آپ کے شرح صدر کا اندازہ آپ کی زندگی کے فہر کے سخت اور پیچیدہ حوادث سے لگائے، تو وہ یقین کر لے گا کہ یہ چیز عام طریقہ سے ممکن نہیں ہے، بلکہ یہ ایک تائید الہی اور توفیق ربانی ہے۔

اس مقام پر بعض نے یہ کہا ہے کہ اس شرح صدر سے مراد وہی حادثہ ہے جو پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بچپن یا جوانی میں پیش آیا تھا کہ آسمان سے فرشتے اترے، آپ کا سینہ شکافتہ کیا، آپ کے دل کو باہر نکال کر اسے پاک صاف کیا، اور اس کو علم و دانش اور رافت و رحمت سے بھر دیا۔

یہ بات ظاہر ہے کہ اس حدیث سے مراد یہ جسمانی دل نہیں ہے، بلکہ یہ روحانی اور پیغمبر کے عزم و ارادہ کی تقویت احوال کی ہر قسم کے اخلاقی نقائص اور دوسرے شیطانی سے پاک سازی کے لحاظ سے، خدائی امدادوں کی طرف، ایک کنایہ اور اشارہ ہے۔ لیکن ہر حال ہمارے پاس اس بات کی کوئی دلیل نہیں ہے کہ زیر بحث آیت خاص طور پر اسی واقعہ کی طرف اشارہ ہے، بلکہ

اس کا ایک وسیع منہم ہے کہ یہ داستان بھی اس کا ایک مصداق شمار ہو سکتی ہے۔

اسی شرح صدر کی بنا پر پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے رسالت کی مشکلات کو اعلیٰ ترین صورت میں برداشت کیا اور اس طریق میں اپنی ذمہ داریاں کما بھی طرح سے نبھایا۔

اس کے بعد پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر اپنی عظیم نعمتوں میں سے ایک نعمت کو بیان کرتے ہوئے مزید کہتا ہے: ”کیا ہم نے تیرے سنگین بوجھ کو اٹھا نہیں لیا؟“ (ووضعتنا عنک وزرک)۔

”وہی بوجھ جو تیری پشت پر سخت گرائی کر رہا تھا“ (الذی انقض خطک)۔

”وزر“ لغت میں بوجھ کے معنی میں ہے۔ ”وزر“ کا لفظ بھی اسی معنی سے مشتق ہوا ہے جو نگرہ حکومت کے سنگین بوجھ اپنے کندھے پر اٹھاتا ہے۔ اور گناہوں کو بھی اسی بنا پر ”وزر“ کہتے ہیں، کیونکہ وہ گناہ کے دوش پر ایک سنگین بوجھ ہوتا ہے۔ ”انقض“ ”انقض“ کے مادہ سے، رستی کی گرہ کو کھولنے کے معنی میں ہے، یا کسی عمارت کے ایک دوسرے میں جھکے ہوئے حصوں کو الگ کرنے کے معنی میں ہے، اور ”انقضاء“ اس آواز کو کہا جاتا ہے جو کسی عمارت کے ٹکڑوں کو ایک دوسرے سے جدا کرتے وقت کان میں پڑتی ہے۔ یا کمر کے مڑوں کی اس آواز کو کہتے ہیں جو سنگین بوجھ کے زیر بار آنے کے وقت آتی ہے۔ یہ لفظ عہد ویمان اور معاہدوں کو توڑنے کے موقع پر بھی استعمال ہوتا ہے، اور کہا جاتا ہے کہ فلاں شخص نے قرض عہد کیا۔

اس طرح اُدھر والی آیت یہ کہتی ہے کہ: ”خدا نے وہ سنگین اور کمر کو توڑنے والا بوجھ تجھ سے اٹھالیا“۔

یہ کون سا بوجھ تھا جو خدا نے پیغمبر کی پشت سے اٹھالیا؟ آیات کے خزان اس بات کی ابھی طرح نشان دہی کرتے ہیں کہ اس مراد وہی رسالت و مہمت اور توحید دینا پرستی کی طرف دعوت کی مشکلات، اور اس آلودہ ماحول سے فلو کے آئندہ کو ختم کرنا ہے، نہ صرف پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بلکہ سارے کے سارے انبیاء کا دعوت کے آغاز میں اس قسم کے عظیم مشکلات سے سامنا کرنا، اور وہ صرف خدائی امدادوں سے ہی ان پر کامیاب ہوتے تھے، البتہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ماحول اور زمانہ کے حالات کئی بہتات سے زیادہ سخت اور زیادہ سنگین تھے۔

بعض نے ”وزر“ کی تفسیر آغاز نزول میں وحی کے بار سنگین کے معنی میں بھی کی ہے۔

بعض نے مشرکین کی مصلحت و گراہی اور عناد اور ہٹ دھرمی کے ساتھ بھی۔

اور بعض نے ان کی حد سے زیادہ اذیت و آزار سے۔

اور بعض نے اس غم و اندوہ سے جو آپ کے چچا حضرت ابوطالب اور آپ کی زوجہ حضرت خدیجہ کی وفات سے پیدا

ہوا تھا۔

اور بعض نے گناہ سے عصمت و پاکیزگی کے مسئلہ سے تفسیر کی ہے۔

لیکن ظاہراً وہی پہلی تفسیر زیادہ مناسب ہے اور یہ سب اس کے شاخ و برگ ہیں۔

اور تیسری نعمت کے بارے میں فرماتا ہے: ”ہم نے تیرے ذکر کو بلند کیا“ (ورفعنا لک ذکرک)۔

”رفع“ ”تبریع“ وضع کے بعد اس بات کا ظہور کرتے ہوئے کہ ایک دوسرے کی ضد ہیں یہاں ایک خاص لطف دیتی ہے۔

تیرا نام اسلام اور قرآن کے نام کے ساتھ ہر جگہ پہنچا۔ اور اس سے بہتر یہ ہے کہ تیرا نام ہر صبح شام اذان کے گھڑتوں پر اور اذان کے وقت اللہ کے نام کے ساتھ لیا جاتا ہے۔ اور تیری رسالت کی شہادت خدا کی توحید و یگانگت کی شہادت کے ساتھ اسلام کا نشان اور اس پاک دین کے قبول ہونے کی دلیل ہے۔

اس سے بڑھ کر فخر کی بات اور رفعت مقام کا اس سے بالاتر تصور اور کیا ہوگا؟
ایک حدیث میں پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اس آیت کی تفسیر میں آیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:
”جبریل نے مجھ سے کہا ہے کہ خداوند تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: جس وقت میرا نام لیا جائے تو اس وقت تیرا نام بھی میرے ہی ساتھ لیا جاتا ہے۔“ (اور تیرے مقام کی عظمت کھلیے یہی کافی ہے)

”لک“ (تیرے لیے) کی تفسیر اس بات کی تاکید کے لیے ہے کہ ہم نے تیرے نام اور شہرت کو ان تمام کارکنوں اور دشمنوں کے باوجود بلند کیا۔

یہاں ایک سوال سامنے آتا ہے کہ یہ سورہ مکہ میں نازل ہوا ہے، جب کہ اسلام کا پھیلنا اور پیغمبر کے کانٹے سے رسالت کے بوجھ کا ہلکا ہونا اور اطراف عالم میں آپ کے نام کا بلند ہونا مدینہ میں ہوا ہے۔

اس سوال کے جواب میں بعض نے تو یہ کہا ہے کہ اس سے مراد یہ ہے کہ اس کی بشارت پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پہلے سے دے دی گئی تھی، اور اسی چیز نے آپ کے دل سے کم و آندھ کا بوجھ ہٹا دیا تھا۔
اور کبھی یہ کہا ہے کہ یہاں فعل ماضی ”مستقبل“ کا معنی دیتا ہے، اور یہ آئندہ کے لیے ایک خوشخبری ہے۔

لیکن حق بات یہ ہے کہ ان امور میں سے بعض، مکہ میں ہی، خصوصاً پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تیرہ سالہ فوج کے آخری حصہ میں ہی جب کہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مکہ میں لوگوں کو دعوت دینے میں مشغول تھے، پورے ہو چکے تھے بہت سے گھٹاؤں کے دلوں میں ایمان و اسلام نفوذ کر چکا تھا اور مشکلات نسبتاً کم ہو چکی تھیں، اور پیغمبر اکرم کا نام اور کام ہر جگہ پہنچ چکا تھا، اور آئندہ کی عظیم کامیابیوں کی تمہید فراہم ہو چکی تھی۔

قابل توجہ بات یہ ہے کہ ”حسان بن ثابت“ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مشہور شاعر، آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدح میں اس آیت کے مضمون کی طرف بڑے خوبصورت انداز میں اشارہ کرتے ہوئے کہتا ہے:

”وَضُمَّ إِلَهِ اسْمُ النَّبِيِّ إِلَى اسْمِهِ

إِذَا قُلَّ فِي الْخُمْسِ الْمُؤَدَّنِ اشْهَدُ

وَشَقَّ لَهُ مِنْ اسْمِهِ لِيَجْلَهُ

فَذُو الْعَرْشِ مَحْمُودٌ وَهَذَا مُحَمَّدٌ

”خدا نے پیغمبر کا نام اپنے نام کے ساتھ ضم کر دیا ہے“

جب کہ مؤذن پانچ مرتبہ اشہد۔۔۔۔۔ کہتا ہے۔

اس نے اپنے نام سے اس کے نام کو مشتق کیا ہے تاکہ اس کا احترام بقرار رکھے۔
لہذا صاحب عرش خدا تو "محمود" ہے اور وہ "محمد" ہے۔
"سیرت فہم ہیچکس از انبیا زلفت
آنجا کر تو بہ بال کراست پریدہ امی"
"ہر یک بقدر غمخیز بجائی رسیدہ اند

آنجا کر جائے نیست بجائی رسیدہ امی"
انبیا میں کسی کا بھی طائر فکر و فہم وہاں تک نہیں پہنچا

جہاں آپ کراست و بزرگی کے پر و بال سے پہنچے ہیں
ان میں سے ہر ایک اپنی قدر و منزلت کے ایک مقام تک پہنچا ہے
جہاں کسی کے لیے کوئی مقام نہیں ہے آپ اس مقام پر پہنچے ہیں

بعد والی آیت میں اپنے پیغمبر کو اہم ترین بشارت دیتا ہے اور آپ کے قلب پاک میں امید کے انوار کی روشنی پیدا کرتا ہے اور فرماتا ہے: "یقیناً سختی کے ساتھ آسانی ہے" (خان مع العسلیو)۔

اس کے بعد پھر تاکید کرتا ہے، یقیناً سختی کے ساتھ آسانی ہے: (ان مع العسلیو)۔

غم نہ کھاؤ یہ مشکلات اور سختیاں ایسی شکل میں ہوتی ہیں کہ دشمنوں کی کارکنیاں ہمیشہ کے لیے جاری نہیں رہیں گی اور مادی محرومیاں، اقتصادی مشکلات اور مسلمانوں کا فقر و فاقہ اس صورت میں باقی نہیں رہے گا۔
جو شخص مشکلات کو برداشت کرتا ہے، اور طوفان کے مقابلہ میں ڈٹ جاتا ہے وہ ایک دن اس کا میٹھا پھل بھی کھاتا ہے۔
جس دن دشمنوں کی چیخ و پکار بند ہو جائے گی، اور ان کی کارکنیاں ختم ہو جائیں گی، ترقی و محاصل کے راستے صاف ہو جائیں گے اور راہ حق کو ملے کرنا آسان ہو جائے گا۔

اگرچہ بعض منتسبین نے ان آیات کو ظہور اسلام کے آغاز میں مسلمانوں کے عمومی فقر و فاقہ کی طرف اشارہ شمار کیا ہے لیکن آیات کے مفہوم کی وسعت تمام مشکلات کو شامل ہے۔ یہ دونوں آیات اس طرح سے پیش کی گئی ہیں کہ نہ تو پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ اختصاص رکھتی ہیں اور نہ ہی آپ کے زمانہ سے، بلکہ یہ ایک قاعدہ کلی کی ضرورت میں اور سابقہ مباحث کی ایک علت کے طور پر پیش کی گئی ہیں اور یہ تمام مخلص مومن اور سنی و کوشش کرنے والے انسانوں کو نید اور غرض خیزی دیتی ہیں کہ ہمیشہ سختیوں کے ساتھ آسانیاں ہوتی ہیں، یہاں تک کہ "بعد" کی تعبیر نہیں کرتا بلکہ "مع" (ساتھ) کی تعبیر کرتا ہے، جو ہمارے ہونے کی علامت ہے۔

ہاں! اسی طرح ہے، ہر مشکل کے ساتھ آسانی ملی ہوئی ہے اور ہر سختی کے ساتھ سہولت ہے، یہ دونوں ہمیشہ ایک دوسرے کے ساتھ رہے ہیں اور رہیں گے۔

یہ ایسی نوبت اور وعدہ الہی ہے، جو دل کو نور و صفا بخشتا ہے، اور کامیابیوں کا امیدوار بناتا ہے، اور یاس و ناامیدی کے گرد و غبار کو انسان کے صفحہ روح سے صاف کر دیتا ہے۔
ماشیہ اگے صوبہ و صوبہ دہاں۔

ایک حدیث میں آیا ہے کہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا :
 "واعلموا ان مع العسر یسرًا ، وان مع العسر یسرًا ، وان الفرج مع الکرب :
 "جان لو کہ سختیوں کے ساتھ آسانی ہے ، اور صبر کے ساتھ کامیابی ہے ، اور غم و اندوہ کے ساتھ
 کشائش و خوش حالی ہے۔"

ایک حدیث میں امیر المؤمنین علی علیہ السلام سے آیا ہے :
 "ایک عورت نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اپنے شوہر کی شکایت کی کہ وہ مجھے
 کوئی خرچہ نہیں دیتا ، جب کہ اس کا شوہر واقعتاً تنگ دست تھا۔ حضرت علی علیہ السلام نے
 اس کے شوہر کو تہن میں ڈالنے کی بجائے اس کے جواب میں فرمایا : ان مع العسر یسرًا
 (اور اُسے صبر کی تلقین کی)۔"

ہاں !

صبر و ظفر ہر دو دوستان قدیمند
 بر اثر صبر نوبت ظفر آید

"صبر اور کامیابی دونوں قدیمی دوست ہیں
 صبر کے بعد ہی کامیابی کی نوبت آتی ہے"

اس کے بعد اس سُوہ کی آخری آیت میں فرماتا ہے : "پس جب تم کسی اہم کام سے فارغ ہو جاؤ تو دوسرے کام میں لگنا۔"
 (فاذا فرغت فاعصب)۔

ہرگز بھی بیکار نہ رہو ، تلاش و کوشش کو نہ چھوڑو ، ہمیشہ جدوجہد میں مشغول رہو ، اور ہر اہم کام کو ختم کرنے کے ساتھ ہی دوسرے
 اہم کام کو شروع کر دیا کرو۔

اور ان تمام حالات میں خدا پر ہر دم رکھو " اور اپنے پردہ نگار کی طرف توجہ رکھو " (والی رب تک فاعصب)۔
 اس کی رضا و خوشنودی طلب کر اور اس کے قرب و جوار کی طرف جلدی کر۔

جو کچھ بیان کیا گیا ہے۔ اس کے مطابق آیت ایک وسیع مفہوم رکھتی ہے۔ جو ہر ہم سے فارغ ہونے اور دوسری اہم کوشش کرنے
 کو شامل ہے ، اور تمام کوششوں کا رخ پردہ نگار کی طرف کرنے کا حکم دیتی ہے ، لیکن بہت سے مفسرین نے اس آیت کے لیے غلط فہمیاں
 ذکر کیے ہیں ، جن میں سے ہر ایک کو اس کے ایک مصداق کے عنوان سے قبول کیا جاسکتا ہے۔

۱۔ جو کچھ ہم نے بیان کیا ہے اس سے واضح ہو گیا کہ العسر " میں افس و غم جس کے لیے ہے ، اور عسر کے لیے نہیں ہے اور "یسر"
 کا لفظ اگرچہ گمراہ کی طرف میں ذکر ہوا ہے لیکن وہ بھی جس کے معنی دیتا ہے ، اور ایسے مقام پر کہ جہاں حکمت کے بیان کے لیے ہوتا ہے۔

۲۔ تفسیر قرآنیہ ص ۶۰۴ حدیث ۱۱ ، ۱۳

۳۔ تفسیر قرآنیہ ص ۶۰۴ حدیث ۱۱ ، ۱۳

بعض نے یہ کہا ہے کہ اس سے مراد یہ ہے کہ جب تو واجب نماز سے فارغ ہو جائے تو دُعا میں مشغول ہو جا، اور دُعا سے درخواست کر کہ وہ تیری حاجت کو پُر کر دے۔

یا یہ کہا ہے کہ جب تو فرض سے فارغ ہو جائے تو نافلہ شب کے لیے کھڑا ہو جا۔

یا یہ کہا ہے کہ جب تو دنیا کے کاموں سے فارغ ہو جائے تو آخرت کے امور، عبادت اور اپنے پروردگار کی نماز میں مشغول ہو جا۔

یا یہ کہا ہے کہ جب تو واجبات سے فارغ ہو جائے، تو ان مستحبات کی طرف توجہ کر جن کا خدا نے حکم دیا جائے۔

یا یہ کہا ہے کہ جب تو دشمن سے جہاد کرنے سے فارغ ہو جائے تو جہاد نفس کے لیے کھڑا ہو جا۔

یا یہ کہا ہے کہ جب تو اداسے رسالت سے فارغ ہو جائے تو شفاعت کی درخواست کرنے کے لیے کھڑا ہو جا۔

متعدد روایات میں جنہیں اہل سنت کے مشہور عالم حافظ "حکم حسانی" نے "شواہد التنزیل" میں نقل کیا ہے، اہم خصوصاً حدیث علیہم سے اس طرح آیا ہے کہ آپ نے فرمایا:

یعنی: "جب تو فارغ ہو جائے تو علی کی ولایت کے لیے نصب کر دے؛"

قرطبی نے بھی اپنی تفسیر میں بعض سے یہ نقل کیا ہے کہ آیت کا معنی یہ ہے کہ جب تو فارغ ہو جائے تو اس امام کو جو تیرا جانشین ہے نصب کر دے، (اگرچہ مفسر مذکور نے خود اس معنی کو قبول نہیں کیا)۔

اس بات کی طرف توجہ کرتے ہوئے کہ آیہ شریفہ میں فراخت کا موضوع معین نہیں ہوا ہے، اور "فانصب" نصب کے مادہ سے (نصب کے وزن پر) تعب اور زحمت کے معنی میں ہے، یہ آیت ایک ہمہ گیر اصل کلی کو بیان کرتی ہے، اور اس کا مقصد یہ ہے کہ پیغمبر کو کسی اہم کے ختم ہونے کے بعد آرام سے بیٹھ جانے سے روکے اور انہیں ایک نمونہ اور مثال کے طور پر زندگی میں ہمیشہ مسلسل طور پر سعی و کوشش میں مصروف رہنے کی تلقین کرے۔

اس معنی کی طرف توجہ کرتے ہوئے واضح ہو جاتا ہے کہ اُد پر حالی تمام تفاسیر صحیح ہیں، لیکن ان میں سے ہر ایک اس وسیع اُد عام معنی کے ایک مصداق کے عنوان سے ہے۔

اور کیا ہی اصلاحی اور مؤثر پروگرام ہے، جس میں کامیابی اور تکامل و ارتقاء کی رمز چھپی ہوئی ہے۔ اصولی طور پر بیکار رہنا اور مکمل طور پر فارغ ہو کر بیٹھ رہنا تھکاوٹ، غشی کے کم ہونے اور سستی و فرسودگی کا سبب ہوتا ہے، اور بہت سے مواقع میں فساد و تباہی اور انواع و اقسام کے گناہوں کا باعث بنتا ہے۔

قابل توجہ بات یہ ہے کہ اعداد و شمار اس بات کی نشان دہی کرتے ہیں کہ تعلیمی اداروں کی تعطیلات کے زمانے میں بعض اوقات فتنہ و فساد کی تعداد سات گنا تک پہنچ جاتی ہے۔

بہر حال یہ سُورہ مجموعی طور پر پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر خدا کی خاص عنایت اور مصائب و آلام میں تسلی اور رسالت کے

کام کی مشکلات اور تشیب و فزاز کا مقابلہ کرنے کے لیے آپ کی تائید و نصرت کا وعدہ ہے اور اس کے ساتھ ہی یہ تمام انسانوں اور اہل حق پر چلنے والوں کے لیے ایک اسید بنش، اصلاحی اور حیات آفرین مجسمہ ہے۔

چند نکات

جیسا کہ ہم نے اوپر اشارہ کیا ہے، متعدد روایات میں آیا ہے کہ (ایک اہم مصداق کے بیان کے عنوان سے): "فاذا فرغت فانصب" کی آیت سے مراد کار رسالت کی انجام دہی کے بعد امیر المؤمنین علی علیہ السلام کو خلافت کے لیے نصب کرنا ہے۔ "آلوسی" "روح المعانی" میں بعض امامیہ (شیعہ) کی گفتگو کو نقل کرنے کے بعد لکھتا ہے، انہوں نے "فانصب" کو "من" کی زبرد کے ساتھ پڑھا ہے۔ بالفرض اگر ایسا ہو بھی تو وہ اس بات کی دلیل نہیں بناتا کہ اس سے علی ابن ابی طالب کو نصب کرنا مراد ہو۔ اس کے بعد وہ زعفرانی کی کثافت سے نقل کرتا ہے کہ اگر شیعوں کے لیے اس قسم کی تفسیر ممکن ہو تو "ناصبی" (دشمنان علی) بھی اس کی نصب کے دستور کے عنوان سے (بعض علی بن ابی طالب کے معنی میں) تفسیر کر سکتے ہیں۔

کیونکہ "انصب" (من کی زبرد کے ساتھ) خود کو شقت میں ڈالنے اور جدوجہد کرنے کے معنی میں آیا ہے، جب کہ انصب (من کی زبرد کے ساتھ) نصب کرنے، اُدھر لے جانے اور قائم کرنے کا حکم دینے کے معنی میں ہے۔

ان مفسرین نے یہ خیال کر لیا ہے کہ شیعہ مسلا ولایت پر استدلال کرنے کے لیے آیت کی قرأت کو تبدیل کر دیتے ہیں۔ حالانکہ اس قسم کی تبدیلی کی ہرگز کوئی ضرورت نہیں ہے۔ بلکہ مذکورہ تفسیر کے لیے وہی مشہور اور جانی پہچانی قرأت ہی کافی ہے کیونکہ وہ یہ کہ رابطہ کے رسالت کے اہم امر سے فارغ ہو جانے کے بعد دوسرے اہم امر کے لیے جیسا کہ ولایت ہے، سنی و کوشش کر اور یہ ایک اعتبار سے مکمل طور پر قابل قبول ہے۔ اور ہم جانتے ہیں کہ پیغمبر مشہور حدیث غدیر اور دوسری بہت سی احادیث کے مطابق، جو تمام علماء اسلام کی کتابوں میں آئی ہیں، ہمیشہ مسلسل طور پر کوشش کرتے رہتے تھے، لیکن کتنی قابل فاسوس اور دکھ دینے والی بات ہے کہ زعفرانی جیسا عالم جو علی علیہ السلام کو پیغمبر کا چوتھا جانشین اور اسلام کا عظیم پیشوا سمجھتا ہے، یہ کہنے کے لیے تیار ہو گیا کہ ناصبی بھی یہ حق رکھتے ہیں کہ آیت کو علی بن ابی طالب کے بعض کے ساتھ تفسیر کریں، یہ کتنی رکیک اور پٹھنے والی تعبیر ہے؟ وہ بھی ایسے مفسر ہے؟

واقعا تعصب بھی کیسے کیسے مغل کھلاتا ہے؟

۲۔ مشہور مستزلی عالم ابن ابی السمری نے "نہج البلاغہ" کی شرح میں "زبیر بن بکار سے جو اس کے قول کے مطابق نہ شیعہ تھا اور نہ ہی معاویہ سے دشمنی رکھتا تھا، بلکہ علی سے جدا ہو کر گوشہ گیر ہو گیا تھا، اور آپ کے مخالفین سے جالطا تھا، روایت کی ہے کہ وہ مغیرہ بن شعبہ کے بیٹے سے نقل کرتا ہے کہ میرا باپ "مغیرہ" معاویہ کی عقل اور سمجھ کے بارے میں بہت باتیں کیا کرتا تھا اور اس کے طرز فکر پر حیران ہوا کرتا تھا، لیکن ایک رات وہ اس کے پاس سے بہت ہی غلین اور پریشانی کی حالت میں آیا، میں سمجھ گیا کہ کوئی اہم سلسلہ شروع ہو گیا ہے، میں نے اس سے سوال کیا تو اس نے معاویہ کو سخت برا بھلا کہنا شروع کر دیا جب میں نے اس کا سبب پوچھا تو اس نے کہا

آج رات جب میں اور وہ خلوت میں تھے تو میں نے اس سے کہا، تو جس مقام اور مرتبہ کا خواہش مند تھا وہ تو نے حاصل کر لیا ہے اب تو عدل وانصاف اور نیکی کرنے میں کوشش کر، کیونکہ تیری عمر بھی اب بہت زیادہ ہو گئی ہے لہذا بنی ہاشم کے بارے میں بھی نیکی کر کیونکہ اب تجھے ان سے کوئی خطرہ باقی نہیں رہا۔ اور یہ بات تیرے لیے نیک نامی کا سبب بن جائے گی۔

تو اس نے جواب میں کہا، بیہوش اب میرے لیے کون سی نیک نامی باقی رہ جائے گی، خلیفہ اول و دوم نے کتنے کام کیے تو ان کا کون سا نام باقی رہ گیا، لیکن تم "ابن ابی کبشہ" (محمّد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو دیکھو کہ لوگ اس کا نام ہر روز پانچ مرتبہ پکارتے ہیں پر "اشھد ان محمداً رسول اللہ" کی صورت میں لیتے ہیں، اے بیچارے! اب اس کے بعد کون سا کام باقی رہ گیا ہے اور ہمارا کون سا نام باقی رہ جائے گا، نہیں خدا کی قسم نہیں، سوائے اس صورت کے کہ یہ حالت بدل جائے اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نام دفن ہو جائے۔

لیکن ورفعتنا ذکرك کے مقتضی کے مطابق خدا نے چاہا کہ یہ مبارک نام ساری دنیائے تاریخ اور تمام عالم بشریت میں بلند اور مشہور رہے، چاہے دوسرے لوگ پسند کریں یا پسند نہ کریں؟ خوش ہوں یا ناخوش؟ اگر ہم ان تعبیرات کو کھول کر دیکھیں تو ان کا کیا معنی ہوگا؟ لاحول ولا قوۃ الا باللہ!

خداوند! ہمارے دل کو حجب ذات سے خالی کر دے اور اپنے عشق و محبت سے پُر کر دے۔

پروردگار! تو نے خود وعدہ دیا ہے کہ ہر مشکل کے ساتھ راحت اور آسودگی ہے اس زمانہ کے مسلمانوں کو ان عظیم اور سخت مشکلات سے جو دشمنوں کی طرف سے انہیں پہنچ رہی ہیں، آسودہ کر دے۔

بار الہا! تیری نعمتیں اور مواہب ہم پر بہت زیادہ ہیں۔ ہمیں ان کی شکر گزاری کی توفیق مرحمت فرما۔

آمین یا رب العالمین

مُسَوِّد "المولشخ" کا اختتام

افتتاح ترجمہ تم مقدر برکات حقیر
پسے چھ بجے شام چودہ رمضان المبارک ۱۴۳۸ھ
احقر صفدر حسین نجفی



سُورَةُ التِّينِ

Presented by: <https://jafrilibrary.com/>

❖ یہ سورہ مکہ میں نازل ہوا

❖ اس میں ۸ آیات ہیں

سُورۃُ التِّینِ کے مطالب اور فضیلت

یہ سُورہ حقیقت میں انسان کی خلقتِ زیبا، اور اس کے نکال و ارتقا اور انحطاط و پستی کے گرد گھومتا ہے اور یہ طلبِ سُورہ کے شروع میں پُر معنی قسموں کے ساتھ شروع ہوا ہے، اور انسان کی کمالات اور کامیابی کے عوامل کو شمار کرنے کے بعد آخر میں مسئلہ معاد اور خدا کی حاکمیتِ مطلقہ کی تاکید پر ختم ہوتا ہے۔

ایک حدیث میں پیغمبرِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے آیا ہے :

”من قرأها اعطاه الله خصلتين : العافية والیقین ما دام فی دار الدنیا
فاذا مات اعطاه الله من الاجر بعدد من قرأ هذه السورة صیام یومٍ
” جو شخص اس سُورہ کو پڑھے گا جب تک وہ دنیا میں رہے گا خدا اس کو دو نعمتیں عطا
کرے گا : سلامتی اور یقین اور جب دنیا سے رخصت ہو جائے گا ، تو ان تمام لوگوں
کی تعداد کے برابر جنہوں نے اس سُورہ کو پڑھا ہے ، اُن سب کے ایک دن کے روزہ کا
ثواب اجر کے طور پر اُسے عطا کرے گا۔“

یہ سُورہ مکہ میں نازل ہوئی ہے اور آیہ ”وَهَذَا الْبَلَدِ الْأَمِينِ“ جس میں اسمِ اشارہ قریب کے ساتھ مکہ کے شہر کی قسم کھائی
گئی ہے اس کی دلیل ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

- ۱۔ وَالَّتَيْنِ وَالزَّيْتُونِ ۝
- ۲۔ وَطُورِ سَيْنِينَ ۝
- ۳۔ وَمِذَا الْبَلَدِ الْاَمِیْنِ ۝
- ۴۔ لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْ اَحْسَنِ تَقْوِیْمٍ ۝
- ۵۔ ثُمَّ رَدَدْنٰهُ اَسْفَلَ سَفَلِیْنِ ۝
- ۶۔ اِلَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَلَهُمْ اَجْرٌ
- غَیْرُ مَمْنُوْنٍ ۝
- ۷۔ فَمَایْكَدُبْكَ بَعْدَ الْاَدِیْنِ ۝
- ۸۔ اَلِیْسَ اللّٰهُ بِاَحْكَمِ الْحٰكِمِیْنَ ۝

ترجمہ

شروع اللہ کے نام سے جو رحمان و رحیم ہے

- ۱۔ انجیر اور زیتون کی قسم (یا سرزمین شام اور بیت المقدس کی قسم)۔
- ۲۔ اور طور سینین کی قسم۔

- ۳۔ اور اس امن والے شہر (مکہ) کی قسم۔
- ۴۔ کہ ہم نے انسان کو بہترین صورت اور بہترین نظام میں پیدا کیا ہے۔
- ۵۔ پھر ہم نے اُسے پست ترین مرحلہ کی طرف لوٹا دیا۔
- ۶۔ سوائے اُن لوگوں کے جو ایمان لے آئے اور عمل صالح بجالائے، تو ان کے لیے ایسا اجر و ثواب ہے جو کبھی منقطع نہ ہوگا۔
- ۷۔ پس ان تمام چیزوں کے باوجود تیرے روز جزا کے تکذیب کرنے کا کیا سبب ہے؟
- ۸۔ کیا خدا بہترین حکم کرنے والا نہیں ہے؟

تفسیر

Presented by: <https://jafrilibrary.com/>

ہم نے انسان کو بہترین صورت میں پیدا کیا ہے۔

اس سورہ کے آغاز میں بھی چار پرہنی قسمیں بیان کی گئی ہیں جو بہت ہی اہم معنی کے بیان کا مقدمہ ہیں۔
 فرماتا ہے: ”انجیر اور زیتون کی قسم“ (والثین والزیتون)۔
 ”اور طور سینین کی قسم“ (و طور سینین)۔
 اور اس امن و امان والے شہر کی قسم (ولهذا البلد الامین)۔
 ”تین“ لغت میں انجیر کے معنی میں ہے اور ”زیتون“ وہی معروف زیتون ہے جس سے ایک مفید روغنی مادہ حاصل کیا جاتا ہے۔
 اس بارے میں کہ کیا اس سے انہیں دو مشہور پھلوں کی قسم مراد ہے یا کسی اور چیز کی، مفسرین میں اختلاف پایا جاتا ہے۔
 اگرچہ بعض اس سے انہیں دو مشہور پھلوں کی طرف اشارہ سمجھتے ہیں، جو حد سے زیادہ غذائی اور دوائی خواص کے حامل ہیں، لیکن
 بعض کا نظریہ یہ ہے کہ اس سے مراد وہ دو پہاڑ ہیں جن پر شہر دمشق اور بیت المقدس واقع ہیں۔ کیونکہ یہ دونوں مقامات بہت سے انبیاء
 اور خدا کے بزرگ پیغمبروں کے قیام کی سرزمین ہیں، اور یہ دونوں قسمیں تیسری اور چوتھی قسموں کے ساتھ، جو مقدس سرزمینوں کی قسمیں ہیں،
 بعض نے ”سینین“ کو ”سینہ“ کی جگہ سمجھا ہے جو درخت کے معنی میں ہے، اور اس بات کی طرف توجہ کرتے ہوئے کہ ”طور“ پہاڑ کے معنی
 میں ہے، تو اس کا معنی درختوں سے پُر پہاڑ ہوگا، بعض نے یہ بھی کہا ہے کہ ”سینین“ ایک زمین کا نام ہے کہ جس پر وہ پہاڑ واقع ہے، بعض
 نے یہ کہا ہے کہ ”سینین“ پُر بکرت اور خوبصورت کے معنی میں ہے، اور یہ اہل بشر کی زبان کا لفظ ہے۔ (روح المعانی جلد ۲۰ ص ۱۷۲)

ہم آہنگ ہیں۔

اور بعض نے یہ بھی کہا ہے کہ ان دونوں پہاڑوں کو تین اور زیتون اس لیے کہا گیا ہے کیونکہ ان میں سے ایک پر انجیر کے درخت اُگتے ہیں اور دوسرے پر زیتون کے درخت۔

اور بعض نے مہین کو آدم علیہ السلام کے زمانہ کی طرف اشارہ سمجھا ہے، کیونکہ وہ لباس جو آدم علیہ السلام اور حوا نے جنت میں پہنا تھا وہ انجیر کے درختوں کے پتوں کا تھا، اور زیتون کو نوح کے زمانہ کی طرف اشارہ سمجھا ہے، کیونکہ طوفان کے آخری سطوح میں نوح نے ایک کبوتر اس مقصد سے چھوڑا تھا، تاکہ پانی کے نیچے سے خشکی کے ظاہر ہونے کو معلوم کرے وہ (کبوتر زیتون کی ایک شاخ لے کر واپس آیا تو نوح سمجھ گئے کہ طوفان ختم کیا ہے، اور خشکی پانی کے نیچے سے ظاہر ہو گئی ہے۔) اس لیے زیتون صلح و امنیت کی رمز ہے۔

بعض "مہین" کو اس مسجد نوح کی طرف بھی اشارہ سمجھتے ہیں جو کہ جودی پر تعمیر کی گئی تھی۔ اور زیتون کو بیت المقدس کی طرف اشارہ سمجھتے ہیں۔

ابتدائی نظر میں تو آیت کا ظاہر وہی دو مشہور پہل ہیں، لیکن بعد والی قسوں کی طرف توجہ کرتے ہوئے دو پہاڑ یا مورد احترام دو مقدس مراکز ہی مناسب معلوم ہوتے ہیں۔

اسی لیے ایک حدیث میں پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے آیا ہے کہ خدا نے شہروں میں سے چار شہروں کو منتخب کیا ہے اور ان کے بارے میں فرمایا ہے: **والتین والزیتون وطور سینین وھذا البلد الامین** :

"تین" مہینہ ہے، اور "زیتون" بیت المقدس، "طور سینین" کوفہ ہے اور

"ھذا البلد الامین" مکہ ۔ ط

"طور سینین" سے مراد ظاہر وہی "طور سینا" ہے جسے مفسرین نے اسی مشہور کوفہ "طور" کی طرف اشارہ سمجھا ہے جو صحرائے سینا میں ہے، اور وہاں زیتون کے پُر بار درخت موجود ہیں۔

"سینا" کو برکتوں والا یا درختوں سے پُر یا خوبصورت پہاڑ سمجھتے ہیں اور یہ وہی پہاڑ ہے جہاں موسیٰ علیہ السلام مناجات کے وقت گئے تھے۔

بعض نے اسے کوفہ کے نزدیک سرزمین نجف کا ایک پہاڑ بھی سمجھا ہے۔

اور بعض نے تصریح کی ہے کہ "سینین" اور "سینا" ایک ہی چیز ہے، اور اس کا معنی پُر برکت ہے۔

باقی رہا "ھذا البلد الامین" تو یہ یقیناً سرزمین مکہ کی طرف اشارہ ہے، وہ سرزمین جو زمانہ جاہلیت میں بھی منظرِ امن اور حرمِ خدا سمجھی جاتی تھی، اور کوئی شخص وہاں دوسرے پر تعرض کا حق نہیں رکھتا تھا، یہاں تک کہ مجرم اور قاتل بھی جب اس سرزمین میں

۱۔ تفسیر تراجم جلد ۵ ص ۶۶۔ حدیث ۴۔ یہ ٹیک ہے کہ اس زمانہ میں کوفہ ایک بڑا شہر نہیں تھا، لیکن اس سرزمین سے حدیثیہ فزت کے گزرنے کی وجہ سے یعنی طہ پر بہت سی آبادیاں اس زمانہ میں بھی موجود تھیں۔ (تاریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلام سے پہلے بھی وہاں پر ایک شہر آباد تھا)۔ (دائرة المعارف مصاحب جلد ۲ مادہ کوفہ)۔

پہنچ جاتے جتنے تو وہ بھی امن میں ہوتے تھے۔

یہ سرزمین اسلام میں صد سے زیادہ اہمیت رکھتی ہے، اور انسان تو رہے ایک طرف اس کے باور، درخت اور پندرہ بھی خصوصیت کے ساتھ امن سے رہنے چاہئیں۔

یہ نکتہ بھی قابل غور ہے کہ قرآن مجید میں لفظ "زمین" صرف اسی جگہ استعمال ہوا ہے۔ جب کہ لفظ زمین قرآن مجید میں چھ مرتبہ صراحت کے ساتھ آیا ہے، اور ایک دفعہ اشارہ کی صورت میں جہاں فرماتا ہے: **وَشَجَرَةٍ تَخْرُجُ مِنْ طُورِ سَيْنَاءَ** بالذہن وصیغہ للأكلیل، اور وہ درخت جو طور سینا میں اگتا ہے، اس سے کھانے والوں کے لیے روغن اور سالن فراہم ہوتا ہے۔ (مؤمن - ۲۰)

اب اگر ان دونوں قسموں (زمین و زمین) کو ان کے ابتدائی معنی پر محمول کریں، یعنی معروف انجیر و زمیں پر، تو پھر بھی یہ ایک پُر معنی قسم ہے، کیونکہ:

"انجیر" بہت زیادہ غذائی قدر و قیمت کا حامل ہے، اور ہر سن و سال کے لیے ایک مقوی اور غذا سے بھرپور ذائقہ ہے، جس میں چمکا، گٹھلی اور کوئی زائد چیز نہیں ہوتی۔ غذا کے ماہرین کہتے ہیں کہ:

انجیر کو بچوں کے لیے طبعی شکر کے طور پر استعمال کرنا جاسکتا ہے اور ورزش یا محنت مشقت کرنے والے اور بڑھاپے اور کمزوری میں مبتلا لوگ اپنی غذا کے لیے انجیر سے فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔

کہتے ہیں کہ "افلاطون" انجیر کو اس قدر دوست رکھتا تھا کہ بعض نے اس کا نام ہی فلسفیل کا دوست رکھ دیا ہے اور سقراط اس پھل کو فائدہ مند اجزاء کو جذب کرنے والا اور نقصان دہ مادوں کو دفع کرنے والا سمجھتا تھا۔

"جالینوس" نے انجیر سے پهلوانوں کے لیے ایک خاص قسم کی غذا تیار کی تھی، روم اور قدیم یونان کے پهلوانوں کو بھی انجیر دیے جاتے تھے۔

غذا شناس ماہرین کہتے ہیں کہ انجیر میں مختلف قسم کے بہت سے دوائی اور شکر موجود ہے۔ اور بہت سی بیماریاں اس سے ایک دوا کے طور پر فائدہ حاصل کیا جاسکتا ہے۔ خاص طور پر جب انجیر اور شہد کو مادی طور سے مخلوط کر دیں تو زخم مسدود کے لیے بہت ہی مفید ہے۔ خشک انجیر کا کھانا دماغ کو تقویت دیتا ہے، خلاصہ یہ ہے کہ انجیر میں صدیوں سے علاج کے دوا کی بنا پر جو قوائے بدن اور خن میں احتمال کا سبب بنتے ہیں انجیر ہر سن و سال اور ہر قسم کے حالات میں غذا کے طور پر بہترین پھل ہے۔

ایک حدیث میں امام علی بن موسیٰ رضا علیہ السلام سے آیا ہے:

"التین یذهب بالبخر ویشد الفم والعظم، وینبت الشعر ویذهب

بالداء ولا یحتاج معه لی دواء وقال علیہ السلام: التین اشبه شیء

لفظ "امین" ممکن ہے کہ یہاں "فعل" بمعنی "فاعل" ہو اور اس کا معنی "قوا الامانة" ہو اور یا "فعل" بمعنی "مفعول" ہو، یعنی وہ سرزمین جس میں لوگ امن میں ہیں۔

بنبات الجنة :

" انجیر منہ کی بدلو کو دود کرنا ہے، سوزھوں اور ہڈیوں کو مضبوط بنانا ہے، بالوں کو اگالنا ہے۔
درد اور تکلیف کو برطرف کرنا ہے۔ اور اس کے ہوتے ہوئے کسی دوا کی ضرورت نہیں ہے۔
اور آپ نے یہ بھی فرمایا کہ انجیر جنت کے پھلوں سے زیادہ مناسبت رکھتا ہے۔ " ۱

باقی رہا "زیتون" تو اس کے بارے میں غذا شناس اور بڑے بڑے ماہرین جنہوں نے سالہا سال تک پھلوں کے مختلف خواص کا مطالعہ کرنے میں اپنی عمریں صرف کی تقی، "زیتون اور اس کے تیل کی حد سے زیادہ اہمیت کے قائل ہیں، اور وہ یہ نظریہ رکھتے ہیں کہ جو لوگ ہمیشہ صبح و سالم رہنا چاہیں انہیں اس حیاتی اکسیر سے فائدہ اٹھانا چاہیئے۔

روغن زیتون انسان کے جگر کا پکا اور مخلص دوست ہے۔ اور گردوں کی بیماریوں، صفراوی پتھریوں اور دردِ گردہ اور دردِ جگر کو دور کرنے اور خشکی کو رفع کرنے کے لیے بہت ہی مؤثر ہے۔

اسی بنا پر زیتون کے درخت کو قرآن مجید میں شجرہ مبارکہ کہا گیا ہے۔

روغن زیتون ہی انواع و اقسام کے دھان سے سرشار ہے اور اس میں فاسفورس، سلفر، کیشیم، فیوم، پوٹاشیم اور منگنیز بھی پائی جاتی ہے۔

وہ مرہم جو روغن زیتون اور لہسن کے ساتھ بنائی جاتی ہے گھٹیا کے دردوں کے لیے مفید بتائی جاتی ہے، پتھر کی پتھری روغن زیتون کے کھانے سے ختم ہو جاتی ہے۔

ایک روایت میں امیر المومنین علی علیہ السلام سے آیا ہے :

" ما افقر بیت یأتدسون بالخل والزیت و ذالک ادام الانبیاء "

" وہ گھر جس میں سرکہ اور زیتون سالن کے طور پر استعمال ہوتا ہے، وہ کبھی کھانے سے

خالی نہ ہوگا اور یہ پیغمبروں کی غذا ہے۔ "

اور ایک حدیث میں امام علی بن موسیٰ رضا علیہ السلام سے آیا ہے :

" نعم الطعام الزيت : یطیب النکحة ، ویذهب بالبلغم ، ویصفی

اللون ، ویلشد المصعب ویذهب الوصب ، ویطفی الغضب : "

" روغن زیتون ایک اچھی غذا ہے، منہ کو خوشبودار کرتا ہے، بلغم کو دور کرتا ہے، چہرے

۱۔ کافی "جلد ۱" ص ۳۵۸ - مرقم ملازم مجلسی نے بحوالہ دار جلد ۶۶ ص ۱۸۷ میں انجیر کے خواص کے بارے میں متعدد روایات نقل کی ہیں۔

۲۔ "اولین دانش گاہ و آخرین پیغمبر" جلد ۹ ص ۹۰ سے آگے۔

۳۔ "اولین دانش گاہ و آخرین پیغمبر" جلد ۹ ص ۱۳۰ کے بعد۔

۴۔ "بحوالہ دار" جلد ۶۶ ص ۱۸۰ حدیث ۶

کے رجب کو صاف کرتا ہے۔ اور تروتازہ بنا آتا ہے، اعصاب کو تقویت دیتا ہے، بیماری، درد اور ضعف کو دور کرتا ہے، اور غصہ کی آگ کو بجھاتا ہے؛ ما

ہم اس بحث کو پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ایک حدیث کے ساتھ ختم کرتے ہیں، آپ نے فرمایا:

”کلوا الزيت وادھنوا به خانه من مشجرة مباركة“

”دوغی زیتون کھاؤ اور بلی پر اس کی مالش کرو کیونکہ یہ ایک مبارک درخت سے ہے۔“

ان پانچوں پر معنی قسموں کو ذکر کرنے کے بعد جواب قسم پیش کرتے ہوئے اس طرح فرماتا ہے، ”یقیناً ہم نے انسان کو بہترین صورت اور نظام میں پیدا کیا ہے۔“

(لقد خلقنا الانسان في احسن تقويم)۔

”تقویم“ کا معنی کسی چیز کو مناسب صورت، مستقل نظام اور شائستہ کیفیت میں لانا ہے۔ اور اس کے مفہوم کی وسعت اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ خدا نے انسان کو ہر لحاظ سے موزوں اور شائستہ پیدا کیا ہے، جسم کے لحاظ سے بھی، اور روحانی و عقلی لحاظ سے بھی، کیونکہ اس کے وجود میں ہر قسم کی استغلا رکھی گئی ہے اور اسے ایک بہت ہی عظیم قوس صعودی کو طے کرنے کے لیے تیار کیا گیا ہے، اور اس کے باوجود کہ انسان ایک ”جرم صغیر“ ہے، ”عالم کبیر“ کو اس میں جگہ دی گئی ہے، اور اسے اس قدر استعدادیں اور شانیں بخشی ہیں کہ وہ ولقد کرمنا بنی آدم“ ہم نے بنی آدم کو کرامت و عظمت بخشی ہے۔ (سورہ اسراء: ۷۰) کی خلقت کے لائق ہو گیا ہے۔ وہی انسان جس کی خلقت کی تمجیل فرماتا ہے: فبما رحمة الله احسن الخالقین ”پس وہ خدا بہت ہی بزرگ و برتر اور برتر و بالا ہے جو بہترین خلق کرنے والا ہے“

لیکن یہی انسان ان تمام امتیازات و اعزازات کے ہوتے ہوئے اگر حق کے راستے سے منحرف ہو جائے تو اس طرح ستور کا تاج کر ”اسفل السافلین“ میں جا پہنچتا ہے، اس لیے بعد والی آیت میں فرماتا ہے: ”پھر ہم اُسے پست ترین مراحل میں لوٹا دیتے ہیں۔“ (شور و دناہ اسفل سافلین)۔

کہتے ہیں کہ ہمیشہ بلند پہاڑوں کے ساتھ بہت ہی گہری گھاٹیاں ہوتی ہیں اور انسان کی اس محال و ارتقا کی قوس صعودی کے ساتھ ہی ایک وحشت ناک قوس نزول بھی نظر آتی ہے۔ ایسا کہیں نہ ہو کیونکہ وہ ایک ایسا موجود ہے جو ہر قسم کی استعدادیں رکھتا ہے۔ اگر وہ ان سے صلاح و درستی کے لیے فائدہ اُٹائے تو افتخار کی بلند ترین چوٹی پر پہنچ جاتا ہے اور اگر ان تمام استعدادوں کو فساد اور خرابی کی راہ پر ڈال دے تو اس سے عظیم ترین منہ پیدا کر دیتا ہے، اور طبعی طور پر وہ ”اسفل السافلین“ کی طرف کھینچا چلا جاتا ہے۔ لیکن بعد والی آیت میں مزید کہتا ہے: ”مگر وہ لوگ جو ایمان لائے ہیں اور انہوں نے اعمال صالح انجام دیے ہیں وہ اس سے مستثنیٰ ہیں، کیونکہ ان کے لیے ایسا اجر و ثواب ہے جو ختم ہونے والا نہیں ہے۔“ (الا الذین امنوا و عملوا الصالحات فلصلح اجر غیر معنون)۔

”ممنون“ ”من“ کے مادہ سے یہاں ختم ہونے یا کم ہونے کے معنی میں ہے۔ اسی بنا پر ”غیر ممنون“ داعی اور ہر قسم کے نقص سے خالی اجر و ثواب کے معنی میں ہے۔ اور بعض نے یہ کہا ہے کہ منت و احسان سے خالی مراد ہے، لیکن پہلا معنی زیادہ مناسب نظر آتا ہے۔

بعض نے شعور و دناہ اسفل سا فلین کے جملہ کی بڑھا چسپ کے دور کے ضعف و ناتوانی اور حد سے زیادہ ہوش کی کمی کے معنی میں تفسیر کی ہے، لیکن اس صورت میں یہ بعد والی آیت کے استثناء کے ساتھ سازگار نہیں ہے۔ اس بنا پر قبل و بعد کی آیات کے مجموعہ کی طرف توجہ کرتے ہوئے وہی پہلی تفسیر ہی درست نظر آتی ہے۔

بعد والی آیت میں اس ناٹھکے اور معاد کے دلائل اور نشانیں سے بے اعتناء انسان کو مخاطب کرتے ہوئے فرماتا ہے: کیا سبب ہے کہ تو ان تمام دلائل کے باوجود روزِ جزا کی تکذیب کرتا ہے؟! (فما یكذبك بعد بالذین)۔

ایک طرف تو خود تیرے وجود کی ساخت اور دوسری طرف اس وسیع و عریض عالم کی عمارت اس بات کی نشان دہی کرتے ہیں کہ دنیا کی چند روزہ زندگی تیری خلقت اور اس عظیم ہمارے خلقت کا اصل ہوت نہیں ہو سکتی۔

یہ سب کچھ وسیع تر اور کامل تر جان کے لیے ایک مقدمہ ہے اور قرآن کی تفسیر میں ”نشأۃ اولیٰ“ خود ”نشأۃ افریٰ کی خبر دیتی ہے۔ تو پھر انسان متذکر نہیں ہوتا۔ ولتذعلمت والنشأۃ الاولیٰ فلولاً تذکرون۔ (واقفہ ۶۲) یٰ

عالمِ نباتات ہمیشہ اور ہر سال نئے سرے سے موت و حیات کے منظر کو انسان کی آنکھ کے سامنے مجسم کرتا ہے اور جنینی دور کی پہلے در پہلے غلطیوں ہر ایک معاد اور ایک نئی زندگی شمار ہوتی ہے۔ ان تمام چیزوں کے باوجود یہ انسان روزِ جزا کا کس طرح اٹھا کر رہتا ہے۔

جو کچھ ہم نے بیان کیا ہے اس سے واضح ہو جاتا ہے کہ اس آیت میں مخاطب نوری انسان ہے، اور یہ احتمال کہ یہاں پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات مخاطب ہے اور مراد یہ ہے کہ معاد کے دلائل کے باوجود کون شخص یا کون سی چیز تیری تکذیب کر سکتی ہے، بعید نظر آتا ہے۔

اور یہ بھی واضح ہو گیا کہ ”دین“ سے مراد یہاں آئین و شریعت نہیں ہے، بلکہ وہی جزا اور روزِ جزا ہے۔ اس کے بعد والی آیت بھی اسی معنی کی گواہ ہے۔

جیسا کہ فرماتا ہے: ”کیا خدا بہترین حکم کرنے والا اور فیصلہ کرنے والا نہیں ہے؟“ (الذین اللہ باحکم الحاکمین)۔ اور اگر ہم دین کو کل شریعت اور آئین کے معنی میں لیں تو پھر آیت کا مضمون و معنی اس طرح ہو گا: ”کیا خدا کے احکام و فرامین سب سے زیادہ حکیمانہ اور قابلِ یقین نہیں ہیں؟“ یا یہ کہ انسان کے لیے خدا کی خلقت ہر لحاظ سے حکمت، علم اور تدبیر کے ساتھ آمیزتہ ہے۔

لیکن جیسا کہ ہم نے بیان کیا ہے پہلا معنی زیادہ مناسب نظر آتا ہے۔
 ایک حدیث میں آیا ہے کہ جب پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سورہ "والتین" کی تلاوت فرماتے تھے تو جیسے ہی
 آیت "ایس اللہ باحکم الحاکمین" پر پہنچتے تھے تو فرماتے تھے:
 "بلی وانا علی ذالک من الشاہدین؟"

"ہاں خدا! احکم الحاکمین ہے، اور میں اس بات کا گواہ ہوں! لہ
 خداوند! ہم بھی گواہی دیتے ہیں کہ تو احکم الحاکمین ہے۔
 پروردگار! تو نے ہماری خلقت کو بہترین صورت میں قرار دیا ہے۔ ہمیں توفیق عطا فرما کہ ہمارا عمل اور ہمارے اخلاق
 بھی بہترین صورت میں ہوں۔
 بارالہ! ایمان و عمل صالح کی راہ کو طے کرنا تیرے لطف و کرم کے بغیر ممکن نہیں ہے۔ ہم پر اس لہ میں اپنا
 لطف و کرم فرما۔"

آمین یا سرِّ العالمین

سورہ التین کا اختتام

اختتام ترجمہ

۱۶ رمضان المبارک ۱۴۰۵ھ

قم مقدس بر مکان حقیر

بروز منگل بوقت بارہ بج کر اکتالیس منٹ

اسقر، صفدر حسین نجفی



سُورَةُ الْعَلَقِ

یہ سورہ مکہ میں نازل ہوا۔

اس میں ۱۹ آیات ہیں۔

سورہ اعلق کے مطالب اور فضیلت

مفسرین کے درمیان مشہور ہے کہ یہ سورہ وہ پہلا سورہ ہے جو پیغمبرؐ کی اسلام پر نازل ہوا اور اس کے مطالب بھی اسی بات کی تائید کرتے ہیں اور یہ بات جو بعض نے کہی ہے کہ پہلا سورہ 'سورہ حمد' یا سورہ 'مہذب' ہے، یہ بات قطعی مشہور نہیں ہے۔
یہ سورہ پہلے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو قرابت و ملازمت کا حکم دینا چاہئے اور اس کے بعد اس با عظمت انسان کی ایک بے قدردان قیمت قلم و قلم سے خلقت کی بات کرتا ہے۔

اور بعد کے مرحلہ میں پردہ و گار کے لطف و کرم کے سامنے ہیں انسان کے متحمل و ارتقا اور اس کی علم و دانش اور قلم سے آشنائی کے بارے میں بحث ہوتی ہے۔

اور اس کے بعد کے مرحلہ میں ان ناشکرے انسانوں کے بارے میں 'جران تمام خدائی نعمتوں اور الطاف الہی کے باوجود سرکشی کی راہ اختیار کرتے ہیں' گفتگو کرتا ہے۔

اور آخر میں ان لوگوں کی دردناک سزا کی طرف اشارہ کرتا ہے جو لوگوں کو ہدایت اور نیک اعمال سے روکتے ہیں۔
اور سورہ کو سورہ 'ابراہیم' پر درود گزار میں تقرب حاصل کرنے کے حکم پر ختم کرتا ہے۔

اس سورہ کی قرأت کی فضیلت کے بارے میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے نقل ہوا ہے کہ آپؑ نے فرمایا:
"مَنْ قَرَأَ فِي يَوْمِهِ اَوَّلِيَّتَهُ اَقْرَأَ بِاَسْمِ دِكْ قَوْمَاتٍ فِي يَوْمِهِ اَوَّلِيَّتَهُ مَاتَ شَهِيدًا وَلَعَنَهُ اللّٰهُ شَهِيدًا"۔ و احياء كمن ضرب بسيفه في سبيل الله مع رسول الله؟

جو شخص دن میں یا رات کو سورہ اقرأ باسم ربك پڑھے گا اور وہ اس رات یا دن کو مر جائے گا
تو وہ دنیا سے شہید بن جائے گا اور خدا اُسے شہید بہت کرمے گا اور شہیدوں کی صف
میں اُسے جگہ دے گا۔ اور وہ قیامت میں اس شخص کی مانند ہوگا جس نے راہ خدا میں

پیغمبر اکرم ﷺ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی معیت میں شمشیر سے جہاد کیا ہو۔
 یہ سورہ اُن مختلف تعبیروں کی مناسبت سے جو اس سورہ کے آغاز میں آئی ہیں سورہ "علق" یا سورہ "اقرأ"
 یا سورہ "قلو" کے نام سے موسوم ہوا ہے۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

- ۱۔ اِقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِي خَلَقَ ۝
- ۲۔ خَلَقَ الْإِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ۝
- ۳۔ اِقْرَأْ وَرَبُّكَ الْأَكْرَمُ ۝
- ۴۔ الَّذِي عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ۝
- ۵۔ عَلَّمَ الْإِنْسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ ۝

ترجمہ

شروع اللہ کے نام سے جو رحمان و رحیم ہے

- ۱۔ پڑھ اپنے پروردگار کے نام سے جس نے جہان کو پیدا کیا۔
- ۲۔ وہی جس نے انسان کو جسے ہوئے خون سے پیدا کیا۔
- ۳۔ پڑھ کہ تیرا پروردگار سب سے زیادہ کرم و باعزت ہے۔
- ۴۔ وہی جس نے قلم کے ذریعے تعلیم دی۔
- ۵۔ اور انسان کو وہ سب کچھ سکھا دیا جو وہ نہیں جانتا تھا۔

شان نزول

جیسا کہ ہم نے سورہ کے مطالب کی تشریح میں بھی اشارہ کیا ہے کہ اکثر مفسرین کے نظریہ کے مطابق یہ پہلا سورہ ہے جو پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نازل ہوا ہے، بلکہ بعض کے قول کے مطابق قرآن پر والی پانچ آیات سب ہی مفسرین کے نزدیک قطعی وحی میں ہی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نازل ہوئی تھیں اور ان کا مضمون بھی اس معنی کی تائید کرتا ہے۔

روایات میں آیا ہے کہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حرا پر گئے ہوئے تھے کہ جبریل آئے اور کہا: اے محمدؐ پڑھ! پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا میں پڑھا ہوا نہیں ہوں۔

جبریل نے انہیں آغوش میں لے کر دایا اور پھر دوبارہ کہا: پڑھ! پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پھر اسی جواب کو دیا۔ اس کے بعد جبریل نے پھر وہی کام کیا اور وہی جواب سنا، اور تیسری بار کہا: اقرا باسم ربك الذي خلق۔۔۔ پانچوں آیات کے آخر تک۔

جبریل یہ بات کہہ کر پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نظروں سے غائب ہو گئے۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جو وحی کی پہلی شائع کو حاصل کرنے کے بعد بہت تھکے ہوئے تھے خدیجہ کے پاس آئے اور فرمایا: ”زمعلونی و دشونی“ مجھے اٹھا دو اور کوئی چیز میرے اوپر ڈال دو تاکہ میں آرام کر سکوں۔

”طیوسی“ بھی معنی بیان میں یہ نقل کرتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خدیجہ سے فرمایا: ”جب نہیں تنہا ہوتا ہوں تو ایک آواز سن کر پریشان ہو جاتا ہوں۔“

حضرت خدیجہ نے عرض کیا: خدا آپ کے بارے میں خیر اور بھلائی کے سوا کچھ نہیں کہے گا کیونکہ خدا کی قسم آپ امانت کو ادا کرتے ہیں اور صلہ رحم بجالاتے ہیں، اور جرات کرتے ہیں اس میں سچ بولتے ہیں۔

”خدیجہ“ کہتی ہیں: اس واقعہ کے بعد ہم مدقہ بن نوفل کے پاس گئے (نوفل خدیجہ کا چچا زاد بھائی اور عرب کے علمائے مشہور تھے)۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جب کچھ دیکھا قاصدہ ”مدقہ“ سے بیان کیا۔ ”مدقہ“ نے کہا: جس وقت وہ پکارنے والا آپ کے پاس آئے تو خود سے سنو کہ وہ کیا کہتا ہے؟ اس کے بعد مجھ سے بیان کرنا۔

پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی خلوت گاہ میں سا کہ وہ کہہ رہا ہے:

لے محمدؐ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کہو: **بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ** الحمد لله رب العالمين
الرحمن الرحيم مالك يوم الدين اياك نعبد و اياك نستعين اهدنا الصراط المستقيم
صراط الذين انعمت عليهم غير المغضوب عليهم ولا الضالين۔

۱۔ ”الفتح الرازی“ جلد ۱ ص ۹۶، (فقہی سیاق میں) کے ساتھ، اسی مطلب کو بہت سے مفسرین عام دلائل سے بہت سے شائع و پرکھ

اور پھیل گئے لہذا نقل کیا ہے، جن میں سے بعض بالکل قابل قبول نہیں ہے۔

اور کو لا الہ الا اللہ، اس کے بعد آپ ورقہ کے پاس آئے اور اس ماجرے کو بیان کیا۔

”ورقہ نہ کہا: آپ کو بشارت ہو، پھر بھی آپ کو بشارت ہو۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ وہی ہیں جن کی عیسیٰ بن مریمؑ نے بشارت دی ہے، آپ موسیٰ علیہ السلام کی طرح صاحب شریعت ہیں اور پیغمبرِ برسل (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ہیں۔ آج کے بعد بہت جلد جہاد کے لیے مامور ہوں گے اور اگر میں اس دن تک زندہ رہا تو آپ کے ساتھ ہو کر جہاد کروں گا؛ جب ”ورقہ“ دنیا سے رخصت ہو گیا تو رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

”میں نے اس دعائی شخص کو ہشت (ہفت) جنت میں دیکھا ہے کہ وہ جسم پریشی لباس پہنے ہوئے تھا، کیونکہ وہ مجھ پر ایمان لایا تھا اور میری تصدیق کی تھی۔“

یقینی طور پر مختصرین کے بعض کلمات یا تاریخ کی کتابوں میں پیغمبرِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی کی اس فصل کے بارے میں ایسے ناممکن مطالب نظر آتے ہیں جو سلسلہ طور پر جعلی، وضعی، گھڑی ہوئی روایات اور اسرائیلیات سے ہیں، مثلاً یہ کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے علیؑ کے پہلے واقعہ کے بعد بہت ہی ناراحت ہوئے اور فرم گئے کہ کہیں یہ شیطانی القات نہ ہوں یا آپ نے کئی مرتبہ اس بات کا پختہ ارادہ کر لیا کہ خود کو پہاڑ سے گرا دیں، اور اسی قسم کے فضول ادب ہے جو نہ تو نبوت کے بلند مقام کے ساتھ سازگار ہیں اور نہ ہی پیغمبرؐ کی اس عقل اور خد سے زیادہ دانش مندی، مدبریت، صبر و تحمل و حکیمانی، نفس پر تسلط اور اس اعتماد کو ظاہر کرتی ہیں جو تاریخ میں ثبت ہے۔

ایسا دکھائی دیتا ہے کہ اس قسم کی ضعیف و کمزور روایات دشمنان اسلام کی سافٹ و ہارڈ ورک ہیں جن کا مقصد یہ تھا کہ اسلام کو بھی محدود اعتراض قرار دے دیں اور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی فائز گرامی کو بھی جو کچھ بیان کیا گیا ہے اس کی طرف توجہ کرتے ہوئے آیات کی تفسیر پیش کرتے ہیں۔

تفسیر

اپنے پروردگار کے نام سے پڑھو

پہلی آیت میں پیغمبرِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مخاطب کرتے ہوئے کتاب ہے: ”اپنے اس پروردگار کے نام سے پڑھو جس نے سارے جہان کو خلق کیا ہے؟“ (اقراء باسم ربك الذي خلق)۔

بعض نے یہ کہا ہے کہ آدمی والے جملہ میں فعل محذوف ہے اور اصل میں اس طرح تھا اقراء القرآن باسم ربك اپنے

۱۔ ”تفسیر مجمع البیان“ جلد ۱۰ ص ۵۱۴

۲۔ ”ماہب“ ”مفردات“ کتاب ہے ”قرأت“ حمد و کلمات کو ایک دوسرے میں ملانے اور ضم کرنے کے معنی میں ہے، اسی لیے ایک حمد کو قرأت نہیں کہتے۔

پروردگار کے نام سے قرآن مجید پڑھ، اور اسی بنا پر بعض علما نے اس آیت کو اس پر دلیل بنایا ہے کہ بسم اللہ قرآن کی سورتوں کا جُز ہے اور بعض نے "با" کو لائف سمجھا ہے اور یہ کہا ہے کہ اپنے پروردگار کے نام کو پڑھ ہے، لیکن یہ تفسیر بعید نظر آتی ہے، کیونکہ مناسب یہ ہے کہ کہا جائے اپنے پروردگار کے نام کو یاد کر۔

قابل توجہ بات یہ ہے کہ یہاں سب سے پہلے پروردگار کی "ربوبیت" کے مسئلہ پر تکیہ ہوا ہے۔ اور ہم جانتے ہیں کہ "رب" مالک مصلح کے معنی میں ہے، یعنی وہ ہستی جو کسی چیز کی مالک بھی ہے اور اس کی اصلاح و تربیت بھی کرتی ہو۔ اس کے بعد پروردگار کی ربوبیت کو ثابت کرنے کے لیے عالم ہستی کی خلقت و آفرینش پر تکیہ ہوا ہے، کیونکہ اس کی ربوبیت کی بہترین دلیل اس کی خالقیت ہے، اور عالم کی تدبیر وہی کر سکتا ہے جس نے اس کو خلق کیا ہے۔

یہ حقیقت میں عرب کے مشرکوں کا جواب ہے جو خدا کی خالقیت کو تو قبول کرتے تھے لیکن ربوبیت اور تدبیر کے ضمن میں بوجہ کے قائل تھے۔ اس کے علاوہ نظام ہستی میں خدا کی ربوبیت اور اس کی تدبیر اس کی ذات مقدس کو ثابت کرنے کی بہترین دلیل ہے۔ اس کے بعد تمام مخلوقات میں سے عالم خلقت کے اہم ترین موجود اور آفرینش کے گل سرسبد یعنی انسان پر تکیہ کرتا ہے اور اس کی آفرینش کو ذکر کرتے ہوئے فرماتا ہے: "وہی خدا جس نے انسان کو جسے ہوئے خون سے پیدا کیا۔ (خلق الانسان من علق)۔" "من علق" اصل میں کسی چیز کے چپک جانے کے معنی میں ہے۔ اسی لیے جسے ہوئے خون کو اور اسی طرح "جو بک" کو جو خون چوسنے کے لیے بدن سے چپک جاتی ہے علق کہتے ہیں اور چونکہ نطفہ عالم جنین کا پہلا دور گزارنے کے بعد جسے ہوئے اور چپکے ہوئے خون کے ٹکڑے کی صورت اختیار کر لیتا ہے، جو ظاہر میں بہت ہی کم قدر و قیمت رکھتا ہے لہذا اس آیت میں انسان کی خلقت کا مبداء اسی ناچیز موجود کو شمار کرتا ہے تاکہ پروردگار کی عظیم قدرت منافی واضح ہو جائے جس نے اس قسم کی بے قدر و قیمت موجود سے ایسی قابل قدر اور قیمتی مخلوق پیدا کر دی ہے۔

بعض نے یہ بھی کہا ہے کہ علق سے مراد یہاں آدم علیہ السلام کی مٹی ہے جو چپکنے کی حالت بھی رکھتی تھی، اور یہ بات واضح ہے کہ وہ خدا جو اس عجیب مخلوق کو اس "چپکی ہوئی مٹی" کے ایک ٹکڑے سے وجود میں لایا ہے وہی ہر قسم کی حمد و ستائش کے لائق ہے۔

کبھی "علق" کو "صاحب ملاقات" وجود کے معنی میں لیا ہے، جو انسان کی اجتماعی روح اور ان کے ایک دوسرے کے ساتھ تعلق کی طرف ایک اشارہ ہے، اور یہ حقیقت میں محال بشر اور تمدنوں کی پیش رفت کا پایہ اصلی ہے۔ بعض "علق" کو نر کے نطفہ (سپرم) کی طرف بھی اشارہ سمجھتے ہیں جو "جو بک" کے ساتھ بہت زیادہ مناسبت رکھتا ہے یہ خورد بینی موجود نطفہ کے پانی میں تیرتا ہے، رحم میں عورت کے نطفہ کی طرف بڑھتا ہے، اس کے ساتھ چپک جاتا ہے اور ان دونوں کی ترکیب سے انسان کا کامل و مکمل نطفہ وجود میں آتا ہے۔

یہ ٹھیک ہے کہ اس زمانہ میں یہ مسائل تحقیق و دریافت نہیں ہوئے تھے، لیکن قرآن مجید نے صحیحہ الفاظ کے طریق سے اس سے پردہ اٹھایا ہے۔ ان چاروں تفاسیر میں سے پہلی تفسیر زیادہ واضح معلوم ہوتی ہے، اگرچہ چاروں تفسیروں کے درمیان جمع کرنے میں اس صورت میں "با" ملا بہت کے لیے ہے۔

بھی کوئی مانع نہیں ہے۔

ہم نے جو کچھ بیان کیا ہے اس سے واضح ہو جاتا ہے کہ "انسان" ایک تفسیر کے مطابق حضرت آدم علیہ السلام کے معنی میں ہے اور دوسری تین تفسیر کے مطابق مطلق انسان کے معنی میں ہے۔

دوبارہ تاکید کے لیے مزید لکھا ہے: "پڑھ کہ تیرا پروردگار ہر کریم سے زیادہ کریم اور ہر بزرگوار اور باعزت سے بڑھ کر بزرگوار اور باعزت ہے: (اقراء وربك الاكرم)۔"

بعض کا نظریہ یہ ہے کہ دوسرا "اقراء" اسی "اقراء" کی ایک تاکید ہے جو اس سے پہلی آیات میں ہے۔ اور بعض نے یہ کہا ہے کہ یہ اس سے مختلف ہے۔ پہلے جملہ میں پیغمبر کا اپنے لیے پڑھنا مراد ہے، اور دوسرے جملہ میں لوگوں کے لیے پڑھنا۔ لیکن تاکید زیادہ مناسب نظر آتی ہے کیونکہ اس فرق پر کوئی دلیل موجود نہیں ہے۔

بہر حال اس آیت کی تعبیر حقیقت میں پیغمبر کی اس گفتگو کا جواب ہے جو جبریل کے جواب میں آپ نے کہی تھی کہ میں پڑھا ہوا نہیں ہوں۔ یعنی پروردگار کی برکت سے جو حد سے زیادہ کریم و بزرگوار ہے تو قرأت و تلاوت کی طاقت و توانائی رکھتا ہے۔

اس کے بعد اس خدا کی توصیف کرتے ہوئے جو سب کریوں سے بڑھ کر کریم و بزرگوار ہے، فرمایا ہے:

"وہی ہستی جس نے قلم کے ذریعے تعلیم دی: (الذی علم بالقلم)۔"

"اور انسان کو وہ سب کچھ سکھا دیا جو وہ نہیں جانتا تھا: (علّم الانسان ما لم يعلم)۔"

یہ آیات بھی درحقیقت پیغمبر کی اسی گفتگو کا جواب ہیں جس میں آپ نے فرمایا تھا کہ:

"میں قرأت کرنے والا نہیں ہوں: یعنی وہی خدا جس نے انسان کو قلم کے ذریعے تعلیم دی ہے اور جو کچھ انسان

نہیں جانتا تھا اُسے سکھایا ہے، وہ اس بندے کو بھی جس نے کسی سے سبق نہیں پڑھا ہے قرأت و تلاوت سکھانے کی قدرت رکھتا ہے۔"

"الذی علم بالقلم" کے جملہ کے دو معنی نکلتے ہیں، ایک یہ کہ: خدا نے انسان کو لکھنا اور کتابت کرنا سکھایا، اور

اس عظیم کام کی قدرت و توانائی، جو تاریخ بشر کا مبداء اور تمام علوم و فنون اور تمدنوں کا سرچشمہ ہے، اس میں ایسا وہی۔

دوسرا یہ کہ اس سے مراد یہ ہے کہ انسان کو اس طریق سے اور اس وسیلے سے علوم و فنون سکھائے۔

خلاصہ یہ ہے کہ ایک تفسیر کے مطابق تو لکھنے کی تعلیم مراد ہے، اور دوسری تفسیر کے مطابق وہ علوم مراد ہیں جو کتابت کے ذریعہ

انسان تک پہنچے ہیں۔

بہر حال یہ ایک ایسی پُر معنی تعبیر ہے، جو نزول وحی کے ان حساس لمحات میں ان عظیم اور پُر معنی آیات میں منعکس ہو گئی ہے۔

چند نکات

۱۔ وحی کا آغاز ایک حرکت علمی کے آغاز کے ساتھ ہوا

یہ آیات ، جیسا کہ ہم نے بیان کیا ہے ، اکثر مغربی یا تمام کے تمام مغربی۔ سر نظر کے مطابق وہ سب سے پہلی آیات ہیں جو پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قلب پاک پر نازل ہوئی تھیں اور وحی کی پہلی شاعری کی روشنی سے تاریخ بشریت میں ایک نئی فصل کا آغاز ہوا ، اور نوع انسانی ایک عظیم ترین لطافت الہی کی مشمول ہوئی ، اور عطا کا وہ اکمل ترین دین جو سارے دنیوں کا نقطہ اختتام تھا ، نازل ہوا ، اور تمام احکام اور اسلامی تعلیمات کے نزل کے بعد الیوم اکملت لکم دینکم و اتممت علیکم نعمتی و رضیت لکم الاسلام دیناً (مائتہ - ۳) کے مطابق دین الہی کی تکمیل ہوئی اور اس کی نعمت حد کمال کو پہنچ گئی اور اسلام خدا کا پسندیدہ دین قرار پایا۔

یہاں ایک بہت ہی عمدہ موضوع ہے ، یاد رہے کہ باوجود اس بات کے کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم "امی قہ" آپ نے کسی سے درس نہیں لیا تھا ، اور مجاز کے ماحول کو سراسر جہالت و ناخوانی کے ماحول نے گھیر رکھا تھا ، وحی کی پہلی آیات میں "علم" اور "قلم" کے سند پر گفتگو ہوئی ، جو ان آیات میں علت و آفرینش جیسی عقیم بات کے نوزاد بعد بلا فاصلہ ذکر ہوا ہے ۔ حقیقت میں یہ آیات پہلے انسانی جسم کی ایک بے قدر و قیمت اور قہر سے "علقہ" جیسے موجود سے تکامل و ارتقاء کی خبر دیتی ہیں ، اور دوسری طرف سے روح کے تکامل کی ، تعلیم و تعلم کے ذریعہ ، خصوصاً قلم کے ذریعے بات کرتی ہیں ۔ جس دن یہ آیات نازل ہو رہی تھیں اس دن نہ صرف مجاز کے ماحول میں ، جہالت کا ماحول تھا ، کوئی شخص قلم کی قدر و منزلت کا قائل نہ تھا بلکہ اس زمانہ کی تمدن دنیا میں بھی قلم کی کم ہی قدر کی جاتی تھی۔

لیکن آج کے زمانہ میں ہم جانتے ہیں کہ وہ تمام تمدن ، علوم و فنون اور ترقیاں جو ہر میدان میں نوع بشر کو نصیب ہوئی ہیں ، قلم کے عور کے گرد ہی گردش کرتی ہیں ۔ اور حقیقت یہ ہے کہ "علاء علماء" (علماء کے قلم کی سیاہی) ، "دما شہداء" (شہداء کے خون) ، "سبقت لے چکی ہے" کیونکہ شہید کے خون کی بنیاد اور اس کی پشتپان علماء کے قلموں کی سیاہی ہی ہے ، اور اصلی طور پر انسانی معاشروں کی سرزشت پہلے درجہ میں قلم کی ترک نہ ہی تھی گئی ہے۔

انسانی معاشروں کی اصلاحی باتیں ترس و متہد قلموں سے لکھی جاتی ہیں ، اور معاشروں کے فساد اور تباہیوں کی باتیں بھی رسوم اور فاسد قلموں سے ہی تحریر میں آتی ہیں۔

یہ بات بلاوجہ نہیں ہے کہ قرآن مجید نے قلم کی اور جو کچھ قلم سے لکھتے ہیں ، اس کی قسم کھائی ہے۔ یعنی "آلہ" کی قسم بھی کھا چکا اور جو کچھ اس سے حاصل ہوتا ہے اس کی قسم بھی ، جیسا کہ فرماتا ہے : "ن وَالْقَلَمِ وَمَا يَسْطُرُونَ" (قلم - ۱) ہم جانتے ہیں کہ بشر کی زندگی کے اعداد و در اعداد میں تقسیم کرتے ہیں۔

۲۔ قبل از تاریخ کا دور

تاریخ کا دور وہ ہے جس میں قلم، پڑھنے اور لکھنے کا ناز شروع ہوا، اور انسان اس قابل ہو گیا کہ قلم کے ذریعے اپنی زندگی کی کئی چیز لکھ سکے، اور آنے والے لوگوں کے لیے بطور یادگار چھوڑ جائے۔ اس طرح، بیخ بشر قلم اور خط کی تاریخ کے برابر ہے۔ ہم نے انسانی کی زندگی میں قلم کے اثرات کے بارے میں تفسیر نمونہ کی جلد ۱۴ میں سورہ قلم سے آغاز میں ایک 'فصل اور مبسوط تشریح پیش کی ہے۔

اسی بنا پر ابتدا سے ہی اسلام کی بنیاد علم و قلم پر رکھی گئی ہے، اور یہ بات بلاوجہ نہیں ہے کہ اس قسم کی پس ماندہ قوم علوم و فنون میں اس قدر ترقی کر گئی کہ، دوست و دشمن کے اعتراف کے مطابق، انہوں نے ساری دنیا میں علم و دانش کو پھیلایا اور یورپ کے مورخین کے اعتراف کے مطابق یہ مسلمانوں کا نور علم و دانش ہی تھا جو قرون وسطیٰ میں تاریک یورپ کے صحر پر چمکا اور انہیں تمدن عصر میں داخل کر گیا۔

اور اس سلسلہ میں خود انہیں کی طرف سے بہت سی کتابیں "تاریخ تمدن اسلام" یا "میراث اسلام" کے عنوان سے لکھی گئی ہیں۔

کس قدر نامناسب بات ہے کہ اس قسم کی منت اور ایسا دین علم و دانش کے میدان میں پیچھے رہ جانے اور دوسروں کا محتاج ہو جانے، یہاں تک کہ ان سے وابستہ ہو جائے۔

Presented by: <https://jafrilibrary.com>

۲۔ ہر حال میں ذکر خدا

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعوت کا آغاز خدا کے نام کے ذکر سے شروع ہوا "اقولاً باسحور ربک" اور قابلِ غور بات یہ ہے کہ آپ کی ہر روز زندگی ذکر خدا اور یاد خدا سے ہی ہمکنار تھی۔

آپ کا ہر سانس ذکر خدا کے ساتھ وابستہ تھا۔ کھڑے ہوتے، بیٹھتے، سوتے، چلتے، سوار ہوتے، پیادہ چلتے یا ترقہ کرتے سب یاد خدا کے ساتھ اور "اللہ" کے نام کے ساتھ تھا۔ جب آپ نمینہ سے بیدار ہوتے تھے تو فرماتے تھے،

"الحمد لله الذي احيانا بعد ما اماتنا واليه النشور"

"حمد کے لائق وہی ہے جس نے ہمیں موت کے بعد زندگی بخشی اور اسی کی جانب ہم سب نے لوٹ کر جانا ہے"

"ابن عباس کہتے ہیں کہ ایک رات میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پہاں سویا ہوا تھا۔ جب آپ بیدار ہوئے تو آپ نے آسمان کی طرف سر کر بلند کیا اور سجدہ آل عمران کی آخری دس آیات کی تلاوت فرمائی۔ ان فی خلق السماوات والارض واختلاف الليل والنهار - - -

پھر عرض کیا،

اللهم لك الحمد انت نور السموات والارض ومن فيهن - ... اللهم
لك اسلمت وبك امنت وعليك توكلت واليك انبت
" خدایا سب تعریفیں تیرے ہی لیے ہیں، تو ہی آسمانوں اور زمین اور جو کچھ ان میں ہے،
سب کا نور ہے۔۔۔۔۔ خدایا میں تیرے سامنے سب تسلیم خم کر چکا ہوں، تجھ پر ایمان
لا چکا ہوں، تجھ پر توکل کر چکا ہوں اور تیری طرف ٹوٹ چکا ہوں۔
جس وقت آپ گھر سے نکلتے تو فرماتے :

" بسم الله، توكلت على الله، اللهم اني اعوذ بك ان اضل، او ازل،
او اظلم، او اظلم، او اجمل، او يجهل عليّ۔"
" اللہ کے نام سے، میں اللہ پر توکل کرتا ہوں، خدایا میں تجھ سے پناہ مانگتا ہوں کہ میں گمراہ
ہو جاؤں، یا کسی کی گمراہی کا سبب بنوں، یا میں پھسل جاؤں، یا کسی پر ظلم کروں یا ظلم کیا
جاؤں، یا جہالت سے کام لوں، یا مجھ سے جہالت کا بڑا ٹوکیا جائے۔"
جب آپ مسجد میں داخل ہوتے تو فرماتے :

" اعوذ بالله العظيم، وبوجهه الكريم، وسلطانه القديم من الشيطان
الرجيم۔"

" میں عظیم خدا سے اور اس کی کریم ذات سے اور اس کی قدیم سلطنت کے ذریعہ زندہ
درگاہ شیطان سے پناہ مانگتا ہوں۔"
اور جس وقت آپ نیا لباس زیب تن کرتے تو فرماتے :

" اللهم لك الحمد انت كسوتنيه اسلك خيره وخير ما صنع له و
اعوذ بك من شره وشر ما صنع له :

" خدایا سب تعریفیں تیرے ہی لیے ہیں۔ تو نے ہی یہ لباس مجھے پہنایا ہے۔ میں
تجھ سے اس کی خیر چاہتا ہوں اور جس خیر کے لیے یہ بنا ہے اور تجھ سے اس کے شر سے
پناہ مانگتا ہوں اور جس شر کے لیے یہ بنا ہے۔"

اور جب گھر کی طرف لوٹتے تو فرماتے :

" الحمد لله الذي كفاني واولاني والحمد لله الذي اطعني واسقاني۔"

" حمد ہے اس اللہ کی جس نے میری کمالت کی اور مجھے پناہ دی اور حمد ہے اس اللہ کی جس نے مجھے کھلایا اور پلایا۔
اور اسی طرح آپ کی تمام زندگی یا خدا، نام خدا اور الطاف خدا کے تقاضوں سے گزری ہوئی اور ملی ہوئی تھی۔"

- ۶۔ کَلَّا إِنَّ الْإِنْسَانَ لِرَبِّهِ لَكَنَّا ۖ
 ۷۔ اَنْ رَّاهُ اسْتَفْنٰ ۖ
 ۸۔ اِنَّ اِلٰى رَبِّكَ الرَّجْعٰ ۖ
 ۹۔ اَرَاَيْتَ الَّذِیْ یَنْهٰی ۖ
 ۱۰۔ عَبْدًا اِذَا صَلٰ ۖ
 ۱۱۔ اَرَاَيْتَ اِنْ كَانَ عَلٰی الْهُدٰی ۖ
 ۱۲۔ اَوْ اَمَرَ بِالتَّقْوٰی ۖ
 ۱۳۔ اَرَاَيْتَ اِنْ كَذَّبَ وَتَوَلٰ ۖ
 ۱۴۔ اَلَمْ یَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ یَرٰ ۖ

ترجمہ

- ۶۔ ایسا نہیں ہے کہ انسان حق شناس ہو، یقیناً وہ سرکش کرتا ہے۔
 ۷۔ اس وجہ سے کہ وہ خود کو بے نیاز سمجھتا ہے۔
 ۸۔ یقینی طور پر سب کی بازگشت تیرے پروردگار کی طرف ہے۔

- ۹۔ مجھے بتا کیا وہ شخص جو نہیں کرتا ہے۔
- ۱۰۔ بندہ کو جب وہ نماز پڑھتا ہے (کیا وہ مستحق عذاب الہی نہیں؟)
- ۱۱۔ مجھے بتا اگر یہ بندہ طریق ہدایت پر ہو۔
- ۱۲۔ یا لوگوں کو تقویٰ کا حکم دے (کیا اُسے نہیں کرنا مناسب ہے؟)
- ۱۳۔ مجھے بتا اگر (یہ سرکش) حق کی تکذیب کرے اور اس کی طرف سے پشت پھیر لے
! تو اس کی کیسی دردناک سزا ہوگی؟
- ۱۴۔ کیا وہ نہیں جانتا کہ خدا اس کے تمام اعمال کو دیکھتا ہے؟

تفسیر

Presented by: <https://jafrilibrary.com/>

کیا تجھے معلوم نہیں کہ خدا تیرے تمام اعمال کو دیکھتا ہے؟

گزشتہ آیات کے بعد جن میں انسان کے لیے پروردگار کی مادی و معنوی نعمتوں کی طرف اشارہ ہوا تھا، اور ایسی وسیع نعمتوں کا لازمہ یہ ہے کہ انسان شکر ادا کرے اور خدا کے سامنے سب تسلیم خم کر دے۔ لہذا زیر بحث آیات میں فرماتا ہے: "ایسا نہیں ہے کہ غلامی نعمتیں ہمیشہ ہی انسان میں شکر گزاری کی روح بیدار کرتی ہیں، بلکہ وہ یقینی طور پر طغیان و سرکشی کرتا ہے۔" (کلاً ان الانسان لیطغیٰ)

اور اس کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ وہ اپنے آپ کو بے نیاز سمجھنے لگ جاتا ہے: "ان راہ استغنیٰ"۔
یہ عام لوگوں کی فطرت ہے، ان لوگوں کی فطرت اور عادت جنہوں نے عقل و وحی کے کتب میں پرورش نہ پائی ہو چنانچہ جب وہ اپنے آپ کو بے نیاز سمجھنے لگ جاتے ہیں تو سرکشی و طغیان شروع کر دیتے ہیں۔
نہ تو وہ خدا کا بندہ مانتے ہیں نہ اس کے احکام کو قبول کرتے ہیں، نہ وجہان کی پکار پر کان دھرتے ہیں اور نہ ہی حق و جبر کو ہم نے اور بیای کیا ہے۔ کلاً اس چیز کو روکنے کے لیے ہے جو گزشتہ آیات کے معنوں کا لازمہ ہے، اور بعض نے اسے حقائق کے معنی میں ہی لیا ہے جو ہمیکہ کے لیے ہے۔

لہذا "ان راہ استغنیٰ" کا جملہ منقول لاجلہ ہے اور تقدیر میں لان... ہے، اور روایت یہاں طم کے معنی میں ہے، لہذا اس کے منقول ہونے کے یہ احتمال بھی ہے کہ روایت جس کے معنی میں ہو اور "استغنیٰ" بجز "عال" کے ہو۔

عالت کا خیال کرتے ہیں۔

انسان اور کوئی بھی دوسری مخلوق ہرگز بے نیاز اور مستغنی نہیں ہو سکتی۔ بلکہ تمام ممکن موجودات ہمیشہ خدا کے لطف اور نعمتوں کے محتاج اور نیازمند رہتے ہیں۔ اور اگر ایک لمحہ کے لیے بھی اس کا فیض و کرم منقطع ہو جائے تو خشک اسی لمحہ سب کے سب نابود و فنا ہو جائیں۔ البتہ انسان بعض اوقات غلطی سے اپنے آپ کو بے نیاز سمجھنے لگ جاتا ہے، اور آیت کی تفسیر لطیف بھی اسی معنی کی طرف اشارہ ہے، جو یہ کہتی ہے کہ: "وہ خود کو بے نیاز سمجھنے لگ جاتا ہے"۔ یہ نہیں کہتی کہ وہ بے نیاز ہو جاتا ہے۔ بعض کا نظریہ یہ ہے کہ زبر بحث آیت میں "انسان" سے مراد خصوصیت کے ساتھ "ابوہل" ہے۔ جو پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعوت کے آغاز ہی سے مخالفت کے لیے کھڑا ہو گیا تھا۔ لیکن مسئلہ طور پر یہاں "انسان" ایک منہوم کلی رکھنا ہے، اور "ابوہل" جیسے افراد اس کے مصادیق ہیں۔

ہر حال ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آیت کا ہدف اور مقصد یہ ہے کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ توقع نہیں رکھنی چاہیے کہ لوگ فردا ہی ان کی دعوت کو قبول کر لیں گے۔ بلکہ انہیں چاہیے کہ وہ خود کو سرکش مسکین کے لشکار اور مخالفت کے لیے آمادہ و تیار رکھیں اور یہ جان لیں کہ ایک نشیب و فراز سے بھرا راستہ ان کے سامنے ہے۔

اس کے بعد ان مسکین سرکشوں کو تہد یہ کرتے ہوئے فرماتا ہے: "یقیناً سب کی بازگشت تیرے پردہ گاہ کی طرف ہے"۔ ان الی ربک الرجعی۔

Presented by: <https://jafrilibrary.com/>

اور وہی سرکشوں کو ان کے کینہ گردار تک پہنچاتا ہے۔

اصولی طور پر جس طرح کہ ہر چیز کی بازگشت اس کی طرف ہے اور سب مرجائیں گے، اور آسمان و زمین کی میراث اس کی پاک ذات کے لیے رہ جائے گی: واللہ میراث السماوات والأرض (تبارک ۱۸۰)۔ ابتداء میں ہی تمام چیزیں اسی کی طرف سے تھیں، اور اس بات کی گنجائش نہیں ہے کہ انسان خود کو بے نیاز سمجھنے لگ جائے، اور مغرور ہو کر سرکش بن جائے۔

اس کے بعد مغرور سرکشوں کے کاموں کے ایک حصہ، یعنی راہ حق پر چلنے اور ہدایت و تقویٰ کی سطح پر کھڑے ہونے سے روکنے کے بیان کرتے ہوئے مزید فرماتا ہے: "بجائے بتا دیا وہ شخص جو منع کرتا ہے"۔ (اوریت الذی یمنع)۔

"بندہ کو جب کہ وہ نماز پڑھتا ہے"۔ (عبدا اذا صلی)

کیا ایسا آدمی عذاب الہی کا مستحق نہیں ہے؟

احادیث میں آیا ہے کہ "ابوہل" نے اپنے اطراف میں سے سوال کیا! کیا محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمہارے سامنے بھی (موجود ہے) مٹی پر چہرے کو رکھتا ہے؟ انہوں نے کہا: ہاں! اس نے کہا: قسم ہے اس کی جس کی ہم قسم کھاتے ہیں، اگر میں اُسے اس حالت میں دیکھوں گا تو اپنے پاؤں سے اس کی گردن کو کھیل کر رکھ دوں گا۔ انہوں نے اس سے کہا: وہ دیکھو! وہ اس جگہ نماز پڑھنے میں مشغول ہے۔ ابوہل چلا تاکہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی گردن کو اپنے پاؤں کے نیچے کھیلے۔ لیکن جب وہ قریب پہنچا تو پیچھے ہٹ گیا اور ایسا معلوم دیتا تھا جیسے کہ وہ کسی چیز کو اپنے ہاتھ سے ہٹا رہا ہے۔ ان لوگوں نے اس سے کہا: ہم تیری یہ کیا حالت دیکھ رہے ہیں؟ اس نے کہا: میں نے اپنا ہاتھ اپنے اور اس کے درمیان لگ کر ایک خندق دیکھی ہے، اور ایک دھشت ناک شتر لہو کو پر دہل شاہدہ

کہیے ہیں !

اس موقع پر پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا : قسم ہے اس کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے ، اگر وہ میرے قریب آجائے تو خدا کے فرشتے اس کے بدن کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیتے اور اس کے ایک ایک عضو کو اچک کر لے جاتے !
اس موقع پر اوپر والی آیات نازل ہوئیں ،

ان روایات کے مطابق اوپر والی آیات آغازِ بعثت میں نازل نہیں ہوئیں ، بلکہ اس وقت نازل ہوئیں جب اسلام کی دعوت بر ملا ہو چکی تھی۔ اسی لیے ایک گروہ کا نظریہ یہ ہے کہ اس حدیث کی صرف پہلی پانچ آیات ہی آغازِ بعثت میں نازل ہوئی تھیں ، اور باقی کافی مدت کے بعد نازل ہوئیں۔

لیکن ہر حال یہ شانِ نزول آیت کے مضمون کی وسعت سے مانع نہیں ہے۔
بعد والی آیت میں اور زیادہ تاکید کے لیے مزید کتاب ہے : ”مجھے بتا اگر یہ نماز گزار بندہ طریقِ ہدایت پر ہو“ (روایت ان کان علی الصدی)۔

”یا لوگوں کو تقویٰ کا حکم دے“ (او امر بالتقویٰ)۔ کیا اس کو منع کرنا مناسب ہے ، اور کیا اس قسم کے شخص کی سزا جہنم کی آگ کے علاوہ کچھ اور ہو سکتی ہے ؟

”مجھے بتا اگر یہ سرکش آدمی جہاد حق کے راہِ دافذ کو نماز اور تقویٰ سے روکتا ہے اگر حق کی تکذیب کرے ، اور اس سے روگردانی کرے ، تو اس کی کیسی دردناک سزا عطا ہوگی“ ؟ (روایت ان کذب و قتل)۔

”کیا وہ نہیں جانتا کہ خدا اس کے تمام اعمال کو دیکھتا ہے ، اور ان سب کو حساب و کتاب اور جزا و سزا کے لیے ثبت و ضبط کر رہا ہے“ (الو یعلم بان اللہ یلی)۔

اوپر والی آیات میں تفسیرِ شرطیہ کی تعبیر اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اس مفسرِ سرکش کو کم از کم یہ احتمال تو دینا چاہیئے کہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم طریقِ ہدایت پر ہیں ، اور ان کی دعوت تقویٰ کی طرف دعوت ہے ، یہی احتمال اس کی سرکشی کو روکنے کے لیے کافی ہے اس بنا پر ان آیات کا مضمون ، پیغمبر کی تقویٰ کی طرف دعوت ، اور ہدایت میں تردید نہیں ہوگا ، بلکہ یہ اوپر والے باریک نگاہ کی طرف اشارہ ہے۔

بعض مفسرین نے ”کان“ و ”امر“ کی ضمیر کو اسی نہی کرنے والے شخص کی طرف لٹایا ہے ، جیسا کہ ”ابو جہل“ تھا۔ اس بنا پر آیات کا مضمون اس طرح ہو جائے گا ، اگر وہ ہدایت کو قبول کر لے اور نماز سے منع کرنے کی بجائے تقویٰ کی دعوت کرے تو اس کی حالت کے لیے یہ کتنا مفید ہوگا ؟

لیکن پہلی تفسیر زیادہ مناسب نظر آتی ہے۔

تفسیر مجمع البیان جلد ۱۰ ص ۵۱۵

بہت سے مفسرین کے قول کے مطابق اوپر والی آیات میں ”رأیت“ کے جملے ”اعترفی“ کے معنی میں ہیں ، جس کا ہم ”مجھے بتا“ کے ساتھ ترجمہ کرتے ہیں لہذا آیات میں جو شرطیں آئی ہیں ان کے جواب منفرد ہیں اور تفسیر میں اس طرح ہے کہ یوں حالہ و عجزانہ و عذابہ : ”ایسے انسان کی سزا تو صرف وہی ہے کہ وہ گواہ ہوگا“

ایک نکتہ

عالم ہستی محضر خدا میں ہے

اس واقعیت کی طرف توجہ کہ انسان جو کام بھی انجام دیتا ہے وہ خدا کے سامنے ہے، اور اصولاً "تمام عالم ہستی محضر خدا میں ہے" اور انسان کے اعمال میں سے کوئی بھی چیز، یہاں تک کہ اس کی نیات بھی خدا سے پنہاں نہیں ہیں، انسان کی زندگی کے پروگرام پر زیادہ اثر انداز ہو سکتی ہے، اور اس کو غلط کاریوں سے روک سکتی ہے۔ لیکن شرط یہ ہے کہ وہ واقعی اس مطلب پر ایمان رکھتا ہو اور اس نے ایک قلبی یقین کی صورت اختیار کر لی ہو۔

ایک حدیث میں آیا ہے،

"اعبد الله كأنك تراه فان لم تکن تراه فانه يراك"

"خدا کی اس طرح عبادت کر گویا کہ تو اُسے دیکھ رہا ہے، اور اگر تو اُسے نہیں دیکھ سکتا

تو وہ تجھے ابھی طرح سے دیکھ رہا ہے"

کہتے ہیں کہ ایک بیدار دل نے گناہ کے بعد توبہ کر لی تھی، لیکن ہمیشہ روتا رہتا تھا۔ لوگوں نے اس سے کہا کہ تو اتنا کیوں روتا ہے؟ کیا تو نہیں جانتا کہ خداوند تعالیٰ بخشنے والا ہے؟ اس نے کہا، ہاں! ممکن ہے کہ وہ معاف کر دے، لیکن یہ خیالت و شرمساری کہ اس نے مجھے گناہ کرتے ہوئے دیکھ لیا ہے، اس کو اپنے سے کیسے دُور کر دوں؟!

گیرم کہ تو از ستر گنہ در گزری

زان شرم کہ دیدی کہ چہ کردم چکنم؟

میں نے مانا کہ تو میرے گناہ کو ضرور معاف کر دے گا۔

لیکن اس شرم کا کیا کر دوں کہ تو نے یہ دیکھ لیا ہے کہ میں نے کیا کیا ہے؟

- ۱۵۔ کَلَّا لَئِنْ لَّمْ يَنْتَهِ ۚ لَنَسْفَعًا بِالنَّاصِيَةِ ۝
 ۱۶۔ نَاصِيَةٍ كَاذِبَةٍ خَاطِئَةٍ ۝
 ۱۷۔ فَلْيَدْعُ نَادِيَهُ ۝
 ۱۸۔ سَدْعُ الزَّبَانِيَةِ ۝
 ۱۹۔ كَلَّا ۚ لَا تَطِئُهُ وَاسْجُدْ وَاقْتَرِبْ ۝

Presented by: <https://jafrilibrary.com/>

ترجمہ

- ۱۵۔ جیسا کہ وہ خیال کرتا ہے ایسا نہیں ہے، اگر وہ اپنے کام سے دستبردار نہ ہوگا تو ہم اس کی ناصیہ (اس کے سر کے اگلے حصہ کے بال) پکڑ کر (عذاب کی طرف کھینچ لے جائیں گے)۔
 ۱۶۔ وہی دروغ گو اور خطا کار ناصیہ (پیشانی)
 ۱۷۔ پھر وہ جسے چاہے پکارتا رہے (کہ وہ اس کی مدد کرے)
 ۱۸۔ ہم بھی عنقریب دوزخ کے مامورین کو پکارتیں گے۔
 ۱۹۔ جیسا کہ وہ سمجھتا ہے، ایسا نہیں ہے، ہرگز اس کی اطاعت نہ کر، اور سجدہ کر، اور خدا کا تقرب حاصل کر۔

تفسیر

سجدہ کر اور تقرب حاصل کر !

اس بحث کے بعد، جو گزشتہ آیات میں کافر سرکشوں، اور پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور نماز گزاروں کے لیے ان کی رحمت کے بارے میں آئی تھی، ان آیات میں ان پر سخت دھمکیوں کی بارش کرتے ہوئے فرماتا ہے، "جیسا کہ وہ خیال کرتا ہے ایسا نہیں ہے" (وہ یہ گمان کرتا ہے کہ وہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی گردن پر ان کے سجدہ کے وقت پاؤں رکھ سکتا ہے، اور انہیں اس عبادت خدا سے روک سکتا ہے؟) (کَلَّا)۔

"اگر وہ اپنے اس غرور اور جہالت سے دستبردار نہ ہوگا تو ہم اس کے سر کے اگلے حصہ کے بالوں کو پکڑ کر اُسے عذاب کی طرف کھینچ لے جائیں گے" (لَنَلْبِسَنَّهُ لُفْفَةً بَالِغَةً)۔

"وہی دروغ گو اور خطا کار کے سر کا اگلا حصہ (پیشانی) (ناصیۃ کا ذیۃ خاطیۃ)۔

"لُفْفَةً" "سفع" (بروزن عفو) کے مادہ سے بعض مترسین کے قول کے مطابق مختلف معنی رکھتا ہے: پکڑنا، اور سختی کے ساتھ کھینچنا، منہ پر طمانچہ مارنا، منہ کو کالا کرنا۔ ان تین معنیوں کو بھی، جو دیکھ کر لوگ پر رکھتے وقت دیکھ کے پایے کے طور پر استعمال ہوتے ہیں، سفع کہا جاتا ہے کیونکہ وہ سیاہ اور ڈھوئیل سے آلودہ ہوتے ہیں۔ اور آخری بات نشان زدہ کرنے اور ذلیل کرنے کے لیے آتا ہے۔

اور یہاں سب سے زیادہ مناسب وہی پہلا معنی ہے۔ اگرچہ زیر بحث آیت میں دوسرے معانی کا احتمال بھی ہے۔ بہر حال کیا اس سے مراد یہ ہے کہ یہ باجرا قیامت میں واقع ہوگا کہ ابوجہل جیسے افراد کے سر کے اگلے حصہ کے بالوں کو پکڑیں گے اور جہنم کی طرف کھینچ کر جائیں گے، یا دنیا میں پورا ہو جائے گا، یا دونوں باتیں ہوں گی؟ یہ بات بعید نہیں ہے کہ دونوں ہی مراد ہوں، اور اس کا گواہ ذیل کی روایت ہے۔

ایک روایت میں آیا ہے :

"جس وقت سورۃ الرحمن نازل ہوا تو پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے اصحاب سے فرمایا :

"تم میں سے کون ہے؟ جو اس سورہ کو رؤسائے قریش کے سامنے جا کر پڑھے۔"

حاضرین کچھ دیر کے لیے خاموش رہے چونکہ وہ سرداران قریش کی ایذا رسانی سے ڈرتے تھے۔

"عبداللہ بن مسعود" کھڑے ہو گئے اور کہا : اے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ! میں یہ کام کروں گا۔۔۔۔۔ ابن مسعود

چوڑے سے پیشہ کے تھے اور جہانی لحاظ سے کمزور بھی تھے، کھڑے ہو کر سرداران قریش کے پاس پہنچ گئے۔ انہیں دیکھا کہ وہ کعبہ کے گرد اکٹھے بیٹھے ہیں، لہذا (ابن مسعود نے) سورہ الرحمن کی تلاوت شروع کر دی۔

”الوجہل“ نے کھڑے ہو کر ابن مسعودؓ کے منہ پر ایسا تھپڑ مارا کہ ان کا کان پھٹ گیا اور غول جاری ہو گیا۔ ابن مسعودؓ روتے ہوئے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے، جب پیغمبرؐ کی نگاہ ان پر پڑی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دکھ ہوا۔ آپؐ نے سر نیچے کر لیا اور گہرے غم و اندوہ میں ڈوب گئے۔ اچانک جبریل نازل ہوئے جب کہ وہ خندان اور مسرور تھے، آپؐ نے فرمایا: اے جبریل تم کس لیے ہنس رہے ہو جب کہ ابن مسعودؓ رو رہا ہے؟ (جبریل نے) عرض کیا: ”عزیز آپؐ کو اس کی وجہ معلوم ہو جائے گی۔“ یہ باہر گزر گیا۔ جب مسلمان جبکہ بدر کے دن کاسیاب و کامران ہوئے تو ابن مسعودؓ مشرکین کے مقتولین کے درمیان گردش کر رہے تھے ان کی نظر الوجہل پر پڑی کہ وہ آخری سانس لے رہا تھا، ابن مسعودؓ اس کے سینہ پر سوار ہو گئے، جب اس کی نگاہ ان پر پڑی تو کہا: اے حقیر چرواہے، تو کتنے بلند مقام پر چڑھ کر بیٹھ گیا۔ ابن مسعودؓ نے کہا: ”الاسلام یعلو ولا یصلیٰ علیہ“۔ ”اسلام برتری حاصل کرے گا اور کسی چیز کو اسلام پر برتری نہیں ہوگی۔“ الوجہل نے ان سے کہا اپنے دوست محمدؐ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کہہ دے: نہ تو زندگی میں کوئی شخص میری نظرمیں اس سے زیادہ مبغوض تھا اور نہ ہی موت کی حالت میں۔

جب یہ بات پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کانوں تک پہنچی تو آپؐ نے فرمایا: ”میرے زمانے کا فرعون موٹائی کے زمانے کے فرعون سے بڑھ کر ہے کیونکہ اس نے تو اپنی عمر کے آخری لمحات میں یہ کہا تھا: میں ایمان لے آیا ہوں، لیکن اس کی سرکشی اور بھی بڑھ گئی۔“

اس کے بعد الوجہل نے ابن مسعودؓ کی طرف رخ کر کے کہا: ”میرا سر اس تلوار سے قطع کر جو زیادہ تیز ہے۔ جب ابن مسعودؓ نے اس کا سر قلم کیا تو وہ اس کو اٹھا کر پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں نہ لاسکے۔ (لہذا اس کے سر کے بالوں کو پکڑ کر زمین پر کھینچے ہوئے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں لے کر پہنچے اور آیت کا مضمون اس دنیا میں پورا ہو گیا)۔“ ”ناصیہ“ سر کے اگلے حصہ کے بالوں کو کہتے ہیں۔ اور ان بالوں کو پکڑنا ایسی جگہ بولا جاتا ہے جب کسی شخص کو کسی کام کیلئے ذلت و خواری کے ساتھ لے جائیں، کیونکہ جب کسی کے سر کے اگلے حصہ کے بالوں کو پکڑتے ہیں تو اس سے ہر قسم کی حرکت کی قدرت سلب ہو جاتی ہے اور اس کے لیے سر تسلیم خم کرنے کے علاوہ اور کوئی چارہ نہیں رہتا۔ البتہ لفظ ”ناصیہ“ افراد و اشخاص کے لیے بھی اور نفیس اشیاء کے بارے میں بھی استعمال کیا جاتا ہے جیسا کہ ہم فارسی (اور اردو) زبان میں ”جمیعت کی پیشانی“ یا ”عمارت کی پیشانی“ سے تعبیر کرتے ہیں۔ ”ناصیہ کا ذبہ خاطئہ“ کی تعبیر ایسے شخص کی طرف اشارہ ہے، جو یہ ناصیہ رکھتا ہے، جو جھوٹا بھی تھا اور خطا کا بھی، جیسا کہ الوجہل تھا۔

ایک روایت میں ابن عباسؓ سے آیا ہے کہ ایک دن الوجہل رسول خدا صلی اللہ علیہ

وآکہ وسلم کے پاس آیا جب کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مقام ابراہیم کے پاس نماز میں مشغول تھے، اس نے پکار کر کہا کیا میں نے تجھے اس کام سے منع نہیں کیا تھا؟ حضرت نے اس کو بھڑک کر دھککا دیا۔
ابو جہل نے کہا، اے محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ! تم مجھے بھڑکتے ہو اور مجھے دھکارتے ہو؛ کیا تمہیں معلوم نہیں ہے کہ اس سرزمین میں میری قوم اور قبیلہ سب سے زیادہ ہے؟
اس موقع پر بعد والی آیت نازل ہوئی: "یہ جاہل و مغرور اپنی ساری قوم و قبیلہ کو پکارے اور انہیں مدد کے لیے بلائے" (فلیسع نادیدہ)۔

"ہم بھی مامورین دوزخ کو پکار لیں گے" (سندع الزبانیۃ)۔

تا کہ اُسے معلوم ہو جائے کہ اس بے خبر غافل سے کوئی کام بھی نہیں ہو سکتا۔ اور وہ مامورین عذاب کے جھل میں پرکاش کی طرح ایک خوفناک طوفان کے درمیان میں ہے۔

"نادی" "ندا" (پکارنا) کے مادے سے مجلس عمومی کے معنی میں ہے، اور بعض اوقات مرکز تفریح کو بھی نادی کہا جاتا ہے، چونکہ وہاں لوگ ایک دوسرے کو پکارتے اور نذا دیتے ہیں۔

بعض نے یہ کہا ہے کہ یہ "ندا" سے لیا گیا ہے جو بخشش کے معنی میں ہے۔ کیونکہ وہاں ایک دوسرے کی پذیرائی کرتے ہیں۔
"دارالندوة" بھی جو قریش کی مشہور مجلس شہادت کہی جاتی تھی اسی معنی سے لی گئی ہے۔

لیکن یہاں "نادی" سے مراد وہ جماعت ہے جو اس مجلس میں جمع ہوتی تھی۔ یا دوسرے لفظوں میں اس سے وہ قوم و قبیلہ اور دوست مراد ہیں جن کی قوت پر ابو جہل جیسے لوگ اپنے کاموں میں بھروسہ کرتے تھے۔

"زبانیۃ" جمع "زبانیہ" (زبان کی زیر کے ساتھ) اصل میں انتظامی مامورین کے معنی میں ہے جو "زبان" (بروزن متین) کے مادے سے دفع کرنے، ضرب لگانے اور دُور کرنے کے معنی میں ہے، اور یہاں فرشتگان عذاب اور دوزخ کے مامورین کے معنی میں ہے۔

اس سورہ کی آخری آیت میں جو آیہ سجدہ ہے، فرماتا ہے: "اس طرح نہیں ہے جیسا کہ وہ خیال کرتا ہے اور تیرے سجدہ کے ترک کرنے پر اصرار کرتا ہے" "کَلَّا"

"ہرگز اس کی اطاعت نہ کر، اپنے پروردگار کی بارگاہ میں سجدہ کر اور اس کا تقرب حاصل کر" (لا تطعه واسجد واقترب)۔
دنیا زمانے کے ابو جہل اس سے کہیں زیادہ حقیر و ناہیز ہیں کہ تجھے سجدہ کرنے سے روک سکیں، یا تیرے دین و آئین کی ترقی میں روڑے اٹھا سکیں اور اس میں کوئی رکاوٹ ڈال سکیں۔ تو پروردگار پر توکل کرتے ہوئے اس کی عبادت و بندگی اور سجدہ کے ساتھ اس راستہ میں قدم بڑھاتے جا، اور ہر روز اپنے خدا سے نزدیک سے نزدیک تر ہوتا چلا جا۔

ضمنی طور پر اس آیت سے اچھی طرح معلوم ہو جاتا ہے کہ سجدہ انسان کے لیے بارگاہ خدا کے قرب اور نزدیکی کا باعث ہے۔ اور اسی لیے ایک حدیث میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے آیا ہے کہ آپ نے فرمایا:

”اقرب ما یكون البعد من الله اذ كان ساجداً“

”بندے کی خدا سے سب سے زیادہ قُرب کی حالت اس وقت ہوتی ہے جب وہ سجدہ میں ہوتا ہے۔“

البتہ ہمیں معلوم ہے کہ اہل بیتِ عصمت کی روایات کے مطابق قرآن مجید میں چار سجدے واجب ہیں ”الحسجدہ“ و ”لحم سجدہ“ و ”النجس“ اور یہاں ”سُورۃ علق“ میں اور قرآن کے باقی سجدے مستحب ہیں۔

ایک نکتہ

سرکشی اور بے نیازی کا احساس

دُنیا کے اکثر مفاسد اور خلیاں مرفز احوال اور مشکبہ طبقوں سے قوت حاصل کرتی ہیں، اور انبیاء کے مقابلہ میں مخالفت کرنے والوں کی صفت اقل میں یہی لوگ ہوتے تھے، وہی لوگ جنہیں قرآن کہی ”ملا“ (۱۱ اعراف - ۶۰) سے تعبیر کرتا ہے، اور کہی ”مترفین“ (۳۴ - ۳۵) سے، اور کہی ”مستکبرین“ (نور - ۶۷) کے ساتھ جن میں سے پہلا لفظ تو ان اشرف کی جمیعت کی طرف اشارہ ہے جن کا ظاہر گھوں کو بھلا لگتا ہے لیکن ان کا باطن خالی ہوتا ہے، اور دوسرا لفظ ان لوگوں کی طرف اشارہ ہے جو ناز و نعمت میں زندگی بسر کرتے ہیں اور مست و مغرور ہو جاتے ہیں اور انہیں دوسروں کے دکھ درد کی کوئی خبر نہیں دیتی، اور تیسرا لفظ ایسے لوگوں کی طرف اشارہ ہے جو کبر و غرور کی سواری پر سوار ہو کر خدا اور خلقِ خدا سے دُور ہو جاتے ہیں۔

اور ان سب کا سرچشمہ بے نیازی اور غنا کا احساس ہے، اور یہ کم ظرف لوگوں کی خصوصیات میں سے ہے کہ جب وہ کوئی نعمت مال یا کوئی مرتبہ و مقام حاصل کر لیتے ہیں تو وہ ایسے مست ہو جاتے ہیں اور بے نیازی کا احساس کرنے لگ جاتے ہیں کہ جس سے خدا کو بھی بھول جاتے ہیں۔

حالانکہ ہم جانتے ہیں کہ ہوا کے ایک ذرہ سے جھونکے سے دفترِ پیامِ درہم و بہم ہو جاتا ہے اور انسان کا سلا مال و دولت ایک راحت سے بھی کم وقت میں نابود ہو سکتا ہے، یا سیلاب و زلزلہ اور بجلی کی لگنے سے سب کچھ برباد کر کے رکھ دیتی ہے اور انسان کی ساق بھی پانی کے ایک گھونٹ کے گلے میں پھنس جانے سے، ایسی خطرے میں پڑ جاتی ہے کہ موت آنکھوں کے سامنے نظر آنے لگتی ہے۔ یہ کیسی غفلت ہے جو کچھ لوگوں کو دھن گیر ہو جاتی ہے اور وہ اپنے آپ کو بے نیاز خیال کرنے لگ جاتے ہیں اور غرور کی سرکش سواری پر سوار ہو کر معاشرے کے میدان کو اپنی بولا لٹکا بنا لیتے ہیں۔

اس جہل و نادانی، اور اس بے خبری اور خیرہ سری سے خدا کی پناہ۔

ایسی حالت سے بچنے کے لیے اتنا ہی کافی ہے کہ انسان تھوڑا سا اپنے بے حساب ضعف و کمزوری اور پردرد و گار کی عظیم قدرت پر غور کرے، اور تھوڑا سا گزرے ہوئے لوگوں کی تاریخ کی ورق گردانی کر لے، اور ان اقوام کی سرگزشت کو جو اس سے زیادہ قوی اور طاقت ور تھے، دیکھ لے تاکہ غرور کی سواری سے نیچے آتے۔

خداوند! ہمیں کبر و غرور سے، جو تجھ سے دُوری کا اصل سبب ہے، محفوظ رکھ۔
 پروردگارا! ہمیں دنیا و آخرت میں ایک لمحہ کے لیے بھی ہمارے اپنے سپرد نہ کرنا۔
 بار الہا! ہمیں ایسی قدرت عطا فرما کہ ہم ان مغرور مستحکین کی ناک کو، جو تیرے سامنے سدا رہ بنے ہوئے ہیں،
 رگڑ کر رکھ دیں اور ان کے تمام منصوبوں کو مٹا دیں۔

آمین یا رب العالمین

سورۃ علق کا اختتام



سُورَةُ الْقَدْرِ

❖ یہ سورہ مکہ میں نازل ہوا

Presented by: <https://jafrilibrary.com/>

❖ اس میں ۵ آیات ہیں۔

سُورَةُ "قَدْر" کے مطالب اور اس کی فضیلت

Presented by: <https://jafrilibrary.com/>

اس سُورہ کا مضمون ، جیسا کہ اس کے نام سے بھی ظاہر ہے ، شبِ قدر میں قرآن کا نزول ہے۔ اس کے بعد شبِ قدر کی اہمیت اور اس کے برکات و آثار کا بیان ہے ۔

اس بارے میں کہ یہ سُورہ "مکہ" میں نازل ہوا ہے یا "مدینہ" میں ، مفسرین کے درمیان مشہور اس کا "مکی" ہونا ہے لیکن بعض نے احتمال دیا ہے کہ یہ مدینہ میں نازل ہوا ہے کیونکہ ایک روایت میں آیا ہے کہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خواب میں دیکھا کہ "بنی اُمیہ" آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے منبر پر چڑھ گئے ہیں۔ یہ چیز آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر گراں گزری اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رنجیدہ ہوئے تو سُورہ قدر نازل ہوئی اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تسلی دی ، (لہذا بعض علماء "لیلۃ القدس خیر من الف شخص" کو بنی اُمیہ کی حکومت کی طرف ناظر سمجھتے ہیں جو تقریباً ایک ہزار ماہ رہی) اور ہم جانتے ہیں کہ مسجد اور منبر مدینہ میں بنائے گئے تھے ۔

اس سُورہ کی فضیلت میں یہی کافی ہے کہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے منقول ہے کہ آپ نے فرمایا :

"من قرأها أعطی من الاجر کم من صام رمضان وحیا لیلۃ القدر"

"جو شخص اس کی تلاوت کرے گا تو وہ اس شخص کی طرح ہوگا جس نے ماہِ رمضان کے

روزے رکھے اور شبِ قدر کو احیا کیا ہو" ۔

۱۔ "نور العالی" جلد ۳۰ ص ۱۸۸ د "در المنثور" جلد ۶ ص ۳۷۱

۲۔ "مجمع البیان" جلد ۱۰ ص ۵۱۶

ایک اور حدیث میں امام محمد باقر علیہ السلام سے آیا ہے :

”من قرأ انا انزلناه بجھڑکان کشاھر سیفہ فی سبیل اللہ
ومن قرأھا سترًا کان کا المتشخط بدمہ فی سبیل اللہ۔“
” جو شخص سورہ انا انزلناه کو بلند آواز سے پڑھے وہ اس شخص کی مانند ہے جس نے
راہِ خدا میں تلوار کھینچی اور جہاد کیا ، اور جو شخص اسے آہستہ اور پناہ طور سے پڑھے
وہ اس شخص کے مانند ہے جو راہِ خدا میں اپنے خون میں کت پرت ہو۔“

واضح ہے کہ یہ سب فضیلت اس شخص کے لیے نہیں ہے جو اسے پڑھے تو سہی لیکن اس کی حقیقت کو نہ سمجھے بلکہ
یہ اس شخص کے لیے ہے جو اسے پڑھنے کے ساتھ ساتھ سمجھتا بھی ہو ، اور اس کے مضمون پر عمل کرتا ہو ، قرآن کو عظیم سمجھتا ہو
اور اس کی آیات کو اپنی زندگی میں عملی شکل دیتا ہو۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

- ۱۔ اِنَّا اَنْزَلْنَاهُ فِي لَيْلَةِ الْقَدْرِ ۝
- ۲۔ وَمَا اَدْرَاكَ مَا لَيْلَةُ الْقَدْرِ ۝
- ۳۔ لَيْلَةُ الْقَدْرِ خَيْرٌ مِّنْ اَلْفِ شَهْرٍ ۝
- ۴۔ تَنْزِيلُ الْمَلٰٓئِكَةِ وَالرُّوْحُ فِيْهَا يٰٓاٰذِنُ رَبِّهِمْ ۝
- ۵۔ كُلٌّ اَمْرٌ ۝
- ۵۔ سَلَامٌ هِيَ حَتّٰى مَطْلَعِ الْفَجْرِ ۝

Presented by: <https://jafrilibrary.com/>

ترجمہ شروع اللہ کے نام سے جو رحمان و رحیم ہے

- ۱۔ ہم نے اس قرآن کو شب قدر میں نازل کیا ہے۔
- ۲۔ اور تو کیا جانے کہ شب قدر کیا ہے؟
- ۳۔ شب قدر ہزار مہینہ سے بہتر ہے۔
- ۴۔ فرشتے اور روح اس رات میں اپنے پروردگار کے افن سے ہر کام (کی تقدیر) کے لیے اترتے ہیں۔
- ۵۔ یہ ایک ایسی رات ہے جو طلوع صبح تک سلامتی (اور برکت و رحمت) سے پُر ہے۔

تفسیر

شب قدر نزول قرآن کی رات

قرآن کی آیات سے (بھی طرح معلوم ہوتا ہے کہ قرآن مجید ماہ مبارک رمضان میں نازل ہوا ہے، شہر رمضان الذی انزل فیہ القرآن“ (بقرہ - ۱۸۵) اور اس تعبیر کا ظاہر یہ ہے کہ سارا قرآن اسی ماہ میں نازل ہوا ہے۔

اور سورہ قدر کی پہلی آیت میں مزید فرماتا ہے: ہم نے اسے شب قدر میں نازل کیا ہے: (انا انزلناہ فی لیلة القدر)۔ اگرچہ اس آیت میں صراحت کے ساتھ قرآن کا نام ذکر نہیں ہوا، لیکن یہ بات مسلم ہے کہ ”انا انزلناہ“ کی ضمیر قرآن کی طرف لوثی ہو ہے اور اس کا ظاہری ابہام اس کی عظمت اور اہمیت کے بیان کے لیے ہے۔

”انا انزلناہ“ (ہم نے اسے نازل کیا ہے) کی تعبیر بھی اس عظیم آسمانی کتاب کی عظمت کی طرف ایک اور اشارہ ہے جس کے نزول کی خدائے اپنی طرف نسبت دی ہے۔ مخصوصاً صیغہ منکرم الغیر کے ساتھ جو جمع کا مہنوم رکھتا ہے، اور یہ عظمت کی دلیل ہے۔ اس کا شب قدر میں نزول، وہی شب جس میں انسانوں کی سرلشٹ اور تقدرات کی تعین ہوتی ہے۔ یہ اس عظیم آسمانی کتاب کے سر نوشت ساز ہونے کی ایک اور دلیل ہے۔

اس آیت کو سورہ بقرہ کی آیت کے ساتھ ملانے سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ شب قدر ماہ مبارک رمضان میں ہے، لیکن وہ کون سی رات قرآن سے اس بارے میں کچھ معلوم نہیں ہوتا۔ لیکن روایات میں اس سلسلہ میں بہت زیادہ بحث آئی ہے۔ ہم انشاء اللہ اس سورہ کے آخر میں اس سلسلہ میں بھی اور دوسرے مسائل کے بارے میں بھی گفتگو کریں گے۔

یہاں ایک سوال سامنے آتا ہے اور وہ یہ ہے کہ تاریخی لحاظ سے بھی اور قرآن کے مضمون کے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی سے ارتباط کے لحاظ سے بھی یہ مسلم ہے کہ یہ آسمانی کتاب تدبیری طور پر اور ۲۳ سال کے عرصہ میں نازل ہوئی ہے۔ یہ بات اویہ والی آیات سے جو یہ کہتی ہیں کہ ماہ رمضان میں اور شب قدر میں نازل ہوئی، کس طرح سازگار ہوگی؟

اس سوال کا جواب - جیسا کہ بہت سے محققین نے کہا ہے - یہ ہے کہ قرآن کے دو نزول ہیں۔

۱۔ نزول دفعی جو ایک ہی رات میں سارے کا سارا پیغمبر اکرم کے باک قلب پر یا بیت المعمور پر یا لوح محفوظ سے نچلے آسمان پر نازل ہوا۔

۲۔ نزول تدریجی: جو تین سال کے عرصہ میں نبوت کے دوران انجام پایا۔ (ہم سورہ دخان کی آیہ ۳ و ۴ جلد ۱۲ تفسیر نمبر ص ۲۶ سے آگے اس مطلب کی تشریح کر چکے ہیں)۔

بعض نے یہ بھی کہا ہے کہ آغاز نزول قرآن شب قدر میں ہوا تھا، ذکر سارا قرآن، لیکن یہ چیز آیت کے ظاہر کے خلاف ہے، جو کہتی ہے کہ ہم نے قرآن کو شب قدر میں نازل کیا ہے۔

قابل توجہ بات یہ ہے کہ قرآن کے نازل ہونے کے سلسلے میں بعض آیات میں ”انزال“ اور بعض میں ”تنزیل“ کی تعبیر ہوتی ہے۔ اور لغت کے کچھ منتقوں سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ”تنزیل“ کا لفظ عام طور پر وہاں بولا جاتا ہے جہاں کوئی چیز تدریجاً نازل ہو لیکن ”انزال“ زیادہ

وسیع مفہوم رکھتا ہے جو نزول دفعی کو بھی شامل ہوتا ہے۔ تعبیر کا یہ فرق جو قرآن کی آیات میں آیا ہے ممکن ہے کہ اوپر والے دو نزول کی طرف اشارہ ہو۔
بہرہ والی آیت میں شب قدر کی عظمت کے بیان کے لیے فرماتا ہے: "تو کیا جانے کہ شب قدر کیا ہے؟" (وما ادراك ما ليلة القدس)۔

اور بلا فاصلہ کہتا ہے: "شب قدر ایک ایسی رات ہے جو ہزار مہینے سے بہتر ہے۔" (ليلة القدر خير من الف شهر)۔

یہ تعبیر اس بات کی نشان دہی کرتی ہے کہ اس رات کی عظمت اس قدر ہے کہ پیغمبر اکرمؐ فوراً مجسم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک بھی اپنے اس وسیع و عریض علم کے باوجود آیات کے نزول سے پہلے واقف نہیں تھے۔

ہم جانتے ہیں کہ ہزار ماہ اتنی (۸۰) سال سے زیادہ ہے۔ واقعاً کتنی با عظمت رات ہے جو ایک پُر برکت طولانی عمر کے برابر قدر و قیمت رکھتی ہے۔

بعض تفاسیر میں آیا ہے کہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

"بنی اسرائیل میں سے ایک شخص نے لباس جنگ زیب تن کر رکھا تھا، اور ہزار ماہ تک

اُسے نہ آتا رہا، وہ ہمیشہ یہاں ہی بیٹھ رہا تھا کہ پیغمبر اکرم صلی اللہ

علیہ وآلہ وسلم کے اصحاب و انصار نے تعجب کیا، اور آرزو کی کہ کاش اس قسم کی فضیلت

انتظار انہیں بھی میسر آئے تو اوپر والی آیات نازل ہوئیں۔ اور بیان کیا کہ شب قدر ہزار ماہ

سے افضل ہے۔"

ایک اور حدیث میں آیا ہے کہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بنی اسرائیل کے ہمارا افراد کا ذکر کیا جنہوں نے اتنی سال بغیر مصیبت کیے خدا کی عبادت کی تھی۔ اصحاب نے آرزو کی کہ کاش وہ بھی اس قسم کی توفیق حاصل کرتے تو اس سلسلہ میں اوپر والی آیات نازل ہوئی۔ اس بارے میں کہ یہاں ہزار کا عدد "تعداد" کے لیے ہے یا "تکثیر" کے لیے بعض نے کہا ہے: یہ تکثیر کے لیے ہے اور شب قدر کی قدر و منزلت کئی ہزار ماہ سے بھی زیادہ ہے، لیکن وہ روایات جو ہم نے اوپر نقل کی ہیں وہ اس بات کی نشان دہی کرتی ہیں کہ عدد مذکور تعداد ہی کے لیے ہے۔ اور اصولی طور پر بھی عدد ہمیشہ تعداد کے لیے ہوتا ہے مگر یہ کہ تکثیر پر کوئی واضح قرینہ موجود ہو۔

اس کے بعد اس عظیم رات کی مزید تعریف و توصیف کرتے ہوئے اضافہ کرتا ہے: "اس رات میں فرشتے اور نزول اپنے پروردگار کے اذن سے ہر کام کی تقدیر کے لیے نازل ہوتے ہیں۔" (تنزل الملائكة والروح فيها باذن ربهم من كل امر)۔

اس بات کی طرف توجہ کرتے ہوئے کہ "تنزل" فعل مضارع ہے اور استمرار پر دلالت کرتا ہے (جو اصل میں "تتنزل" تھا) واضح ہو جاتا ہے کہ شب قدر پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور نزول قرآن کے زمانہ کے ساتھ مخصوص نہیں تھی، بلکہ یہ ایک استمرار ہے، اور ایسی راتیں

لی مفہوت راجع مادہ نزل۔

جو ہمیشہ آتی ترقی ہے اور ہر سال آتی ہے۔

اس بارے میں کہ رُوح سے کیا مراد ہے بعض نے تو یہ کہا ہے کہ اس سے مراد "جبریل امین" ہے، جسے "رُوح الامین" بھی کہا جاتا ہے، اور بعض نے "رُوح" کی سورہ شوریٰ کی آیہ ۵۲ "وَكَذٰلِكَ اَوْحٰیۤ اِلَیْكَ رُوحَنَا" "جیسا کہ ہم نے گزشتہ انبیاء پر وحی کی تھی، اسی طرح سے تجھ پر بھی اپنے فرماں سے وحی کی ہے" کے قرینہ سے "وحی" کے معنی میں تفسیر کی ہے۔

اس بنا پر آیت کا منہم اس طرح ہوگا "فرشتے وحی الہی کے ساتھ، مقدرات کی تعیین کے سلسلہ میں، اس رات میں نازل ہوتے ہیں" یہاں ایک تیسری تفسیر بھی ہے جو سب سے زیادہ قریب نظر آتی ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ "رُوح ایک بہت بڑی مخلوق ہے جو فرشتوں سے مافوق ہے، جیسا کہ ایک حدیث میں امام غزالی علیہ السلام سے نقل ہوا ہے کہ ایک شخص نے آپ سے سوال کیا، کیا رُوح وہی جبریل ہے؟" امام علیہ السلام نے جواب میں فرمایا:

"جبرئیل من الملائکۃ، والروح اعظم من الملائکۃ ان اللہ عزوجل یقول: تنزل الملائکۃ والروح"

"جبریل تو ملائکہ میں سے ہے، اور رُوح ملائکہ سے زیادہ عظیم ہے، کیا خداوند تعالیٰ یہ نہیں فرماتا: ملائکہ اور رُوح نازل ہوتے ہیں؟" ط

یعنی مقابلہ کے قرینہ سے یہ دونوں آپس میں متضاد ہیں۔ لہذا "روح" کے لیے یہاں "دوسری تفسیر بھی ذکر ہوئی" میں کیونکہ ان کے لیے کوئی دلیل نہیں تھی، لہذا ان سے صرف نظر کی گئی ہے۔

"من کل امر" سے مراد یہ ہے کہ فرشتے سرزشتوں کی تقدیر و تعیین کے لیے، اور ہر خیر و برکت لانے کے لیے اس رات میں نازل ہوتے ہیں، اور ان کے نزول کا مقصد ان امور کی انجام دہی ہے۔

یا یہ مراد ہے کہ وہ ہر امر خیر اور ہر سرزشت اور تقدیر کو اپنے ساتھ لاتے ہیں۔ ط

بعض نے یہ بھی کہا ہے کہ اس سے مراد یہ ہے کہ وہ خدا کے امر و فرمان سے نازل ہوتے ہیں لیکن مناسب وہی پہلا معنی ہی ہے۔ "دیکھو" کی تفسیر کو، جس میں ربوبیت اور تدبیر جہاں کے مسئلہ پر بات ہوئی ہے، ان فرشتوں کے کام کے ساتھ قریبی مناسبت ہے کہ وہ امور کی تدبیر و تقدیر کے لیے نازل ہوتے ہیں، اور ان کا کام بھی پردہ گار کی ربوبیت کا ایک گوشہ ہے اور آخری آیت میں فرماتا ہے: "یہ ایک ایسی رات ہے، جو طلوع صبح تک سلامتی اور خیر و برکت و رحمت سے پُر رہتی ہے۔"

(سلام ہی حتی مطلع الفجر)۔

قرآن بھی اسی میں نازل ہوا، اس کا احیا اور شب بیداری بھی ہزار ماہ کے برابر ہے، خدا کی فیرت و برکات بھی اسی شب میں نازل آتین اس کی رحمت خاص بھی بندوں کے شامل حال ہوتی ہے، اور فرشتے اور رُوح بھی اسی رات میں نازل ہوتے ہیں۔

۱۔ "تفسیر برہان جلد ۲ ص ۸۱"

۲۔ پہلی تفسیر کے مطابق "من" "لام" کے معنی میں ہے اور "من کل امر" کا مطلب "لاجل کل امر" ہے اور "دوسری تفسیر

کے مطابق "من" "باء مصاحبت" کے معنی میں ہے۔

اسی بنا پر یہ ایک ایسی رات ہے جو آغاز سے اختتام تک سراسر سلامتی ہی سلامتی ہے۔ یہاں تک کہ بعض روایات کے مطابق تو اس رات میں شیطان کو زنجیر میں بکڑ دیا جاتا ہے۔ لہذا اس لحاظ سے بھی یہ ایک ایسی رات ہے جو سالم اور سلامتی سے توأم ہے۔ اس بنا پر ”سلام“ کا اطلاق جو سلامت کے معنی میں ہے (سالم کے اطلاق کے بجائے) حقیقت میں ایک قسم کی تاکید ہے، جیسا کہ بعض اوقات ہم کہہ دیتے ہیں کہ فلاں آدمی عین عدالت ہے۔

بعض نے یہ بھی کہا ہے کہ اس رات پر ”سلام“ کا اطلاق اس بنا پر ہے کہ فرشتے مسلسل ایک دوسرے پر یا مومنین پر سلام کرتے ہیں یا پیغمبرؐ کے حضور میں اور آپ کے معصوم جانثین کے حضور میں جا کر سلام عرض کرتے ہیں۔ ان تفسیروں کے درمیان جمع بھی ممکن ہے۔

بہر حال یہ ایک ایسی رات ہے جو ساری کی ساری نور و رحمت، خیر و برکت، سلامت و سعادت، اور ہر لحاظ سے بے نظیر ہے۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ کلام محمد باقر علیہ السلام سے پوچھا گیا، کیا آپ جلتے ہیں کہ شب قدر کون سی رات ہے؟ تو آپؐ نے فرمایا:

”کیف لا نعرف والملائكة تطوف بنا فیها“

”ہم کیسے نہ جانیں گے جب کہ فرشتے اس رات ہمارے گرد طواف کرتے ہیں۔“

حضرت ابراہیمؑ کے واقعہ میں آیا ہے کہ خدا کے کچھ فرشتے آپ کے پاس آئے، اور انہیں پیشے کے تلوار کی بشارت دی اور ان پر سلام کیا، (صود - ۶۹) [Presented by: https://jafrilibrary.com/](https://jafrilibrary.com/)

کہتے ہیں کہ ابراہیم علیہ السلام کو جو لذت ان فرشتوں کے سلام میں آئی، ساری دنیا کی لذتیں بھی اس کے برابر نہیں تھیں۔ اب غور کرنا چاہیے کہ جب شب قدر میں فرشتے گروہ درگروہ نازل ہو رہے ہوں، اور مومنین کو سلام کر رہے ہوں، تو اس میں کتنی لذت، لطف اور برکت ہوگی؟!

جب ابراہیمؑ کو آتش نرود میں ڈال گیا، تو فرشتوں نے اگر آپ کو سلام کیا اور آگ ان پر گلاوار بن گئی، تو کیا شب قدر میں مومنین پر فرشتوں کے سلام کی برکت سے آتش دوزخ ”برد“ و ”سلام“ نہیں ہوگی؟۔

ہاں! یہ اُمت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حکمت کی نشانی ہے کہ وہاں تو غلیل پر نازل ہوتے ہیں اور یہاں اسلام کی اُمت پر۔

چند نکات

۱۔ شب قدر میں کون سے امور متعذر ہوتے ہیں؟

اس سوال کے جواب میں کہ اس رات کو، شب قدر، کا نام کہیں دیا گیا ہے، بہت کچھ کہا گیا ہے، مگر یہ کہ:

۱۔ ”تفسیر برہان“ جلد ۴ ص ۴۸۸ حدیث ۲۹

۲۔ ”تفسیر فرہادی“ جلد ۲۲ ص ۳۶

۱۔ شب قدر کو شب قدر کا نام اس لیے دیا گیا ہے کہ بندوں کے تمام سال کے سارے مقدرات اسی رات میں تعین ہوتے ہیں، اس معنی کی گواہ سورہ دخان ہے جس میں آیا ہے کہ: اَنَا أَنْزَلْنَاهُ فِي لَيْلَةِ الْمُبَارَكَةِ اَنَا كُنَّا مُنذِرِينَ فَيُفَارِقُ كُلٌّ أُمْرًا حَكِيمًا: ”ہم نے اس کتاب میں کو ایک پر برکت رات میں نازل کیا ہے، اور ہم ہمیشہ ہی ہدایت کرتے رہے ہیں، اس رات میں ہر امر خداوند عالم کی حکمت کے مطابق تنظیم و تعین ہوتا ہے۔“ (دخان - ۴۱۳)

یہ بیان متعدد روایات کے ساتھ ہم آہنگ ہے جو کہتی ہیں کہ اس رات میں انسان کے ایک سال کے مقدرات کی تعیین ہوتی ہے اور رزق، عمریں اور دوسرے امور اسی مبارک رات میں تقسیم اور بیان کیے جاتے ہیں۔

البتہ یہ چیز انسان کے ارادہ اور مسئلہ اختیار کے ساتھ کسی قسم کا تضاد نہیں رکھتی کیونکہ فرشتوں کے ذریعے تقدیر الٰہی لوگوں کی شائستگی اور لیاقتوں، اور ان کے ایمان و تقویٰ اور نیت اعمال کی پاکیزگی کے مطابق ہوتی ہے۔

یعنی ہر شخص کے لیے وہی کچھ مقدر کرتے ہیں جو اس کے لائق ہے، یا دوسرے لفظوں میں، اس کے مقدمات خود اسی کی طرف سے فراہم ہوتے ہیں اور یہ امر نہ صرف یہ کہ اختیار کے ساتھ کوئی منافات نہیں رکھتا، بلکہ یہ اس پر ایک تاکید ہے۔

۲۔ بعض نے یہ بھی کہا ہے کہ اس رات کا اس وجہ سے شب قدر نام رکھا گیا ہے کہ وہ ایک عظیم قدر و شرافت کی حامل ہے جس کی نظیر سورہ کج کی آیہ ۷۴ میں آئی ہے (ما قُدرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهِ) انہوں نے حقیقت میں خدا کی قدر و عظمت کو ہی نہیں پہچانا

۳۔ بعض نے یہ بھی کہا ہے کہ اس کی وجہ یہ ہے کہ قرآن اپنی پہلی قدر و منزلت کے ساتھ قدر و منزلت والے رسول پر ارادہ صاحب قدر و منزلت فرشتے کے ذریعے اس میں نازل ہوا ہے۔

۴۔ یا یہ مطلب ہے کہ یہ ایک ایسی رات ہے جس میں قرآن کا نازل ہونا مقدر ہوا ہے۔

۵۔ یا یہ ہے کہ جو شخص اس رات کو بیدار رہے تو وہ صاحب قدر و مقام و منزلت ہو جاتا ہے۔

۶۔ یا یہ بات ہے کہ اس رات میں اس قدر فرشتے نازل ہوتے ہیں کہ ان کے لیے عرصہ زمین تنگ ہو جاتا ہے، کیونکہ تقدیر تنگ ہونے کے معنی میں بھی آیا ہے۔ ومن قدر علیہ رزقہ (طلاق - ۷)

ان تمام تفاسیر کا ”لیلۃ القدر“ کے وسیع مفہوم میں جمع ہونا پورے طرز پر ممکن ہے اگرچہ پہلی تفسیر زیادہ مناسب اور زیادہ مشہور ہے

۲۔ شب قدر کون سی رات ہے؟

اس بارے میں کہ ”لیلۃ القدر“ ماہ رمضان میں ہوتی ہے، کوئی شک و شبہ نہیں ہے کیونکہ قرآن کی تمام آیات اسی معنی کا اظہار کرتی ہیں، ایک طرف تو وہ کہتی ہیں کہ قرآن ماہ رمضان میں نازل ہوا ہے (بقو - ۷۵) اور دوسری طرف یہ کہتی ہیں کہ شب قدر میں نازل ہوا ہے۔ (آیات زیر بحث)۔

لیکن اس بارے میں کہ ماہ رمضان کی راتوں میں سے کون سی رات ہے، بہت اختلاف ہے، اور اس سلسلہ میں بہت سی تفاسیر بیان کی گئی ہیں۔ منجملہ: پہلی رات، سترہویں رات، اکیسویں رات، اکیسویں رات، تیسویں رات، ستائیسویں رات اور اسیسویں رات۔ لیکن روایات میں مشہور و معروف یہ ہے کہ ماہ رمضان کی آخری دس راتوں میں سے اکیسویں یا تیسویں رات ہے اسی لیے ایک روایت

میں آیا ہے کہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ماہ مبارک کی آخری دس راتوں میں تمام راتوں کا اسچا فرماتے اور عبادت میں مشغول رہتے تھے۔
 ایک روایت میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے آیا ہے کہ شب قدر اکیسویں یا تیسویں رات ہے، یہاں تک کہ جب رومی نے لکھا کہ
 کہ ان دونوں راتوں میں سے کون سی رات ہے اور یہ کہا کہ اگر میں ان دونوں راتوں میں عبادت نہ کر سکوں تو پھر کون سی رات کا انتخاب کروں؟
 تو جی امام نے تعین نہ فرمائی اور مزید کہا۔

”ما اليسر ليستين فيما تطلب“

”اس چیز کے لیے جسے تو چاہتا ہے دو راتیں کس قدر آسان ہیں؟“

لیکن متعدد روایات میں جو اہل بیت کے طریقہ سے پہنچی ہیں، زیادہ تر تیسویں رات پر تکیہ ہوا ہے۔ جب کہ اہل سنت کی
 زیادہ تر روایات ستائیسویں رات کے گرد گردش کرتی ہیں۔

ایک روایت میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے یہ بھی نقل ہوا ہے کہ آپؑ نے فرمایا:

”التقدير في ليلة القدر تسعة عشر، والابرار في ليلة احدى

وعشرين، والامضاء في ليلة ثلاث وعشرين“

”تقدیر مقدرات تو انیسویں کی شب کو ہوتی ہے، اور ان کا حکم اکیسویں رات کو، اور ان

کی تصدیق اور منظوری تیسویں رات کو ہوتی ہے۔“

اور اس طرح سے روایات کے درمیان جمع ہو جاتی ہے۔

لیکن بہر حال، اس وجہ کی بنا پر جس کی طرف بعد میں اشارہ ہوگا، شب قدر کو اہام کے ایک ہالے نے گھیر رکھا ہے۔

۳۔ شب قدر مخفی کیوں رکھی گئی؟

ہمت سے علما کا نظریہ یہ ہے کہ سال بھر کی راتوں یا ماہ مبارک رمضان کی راتوں میں شب قدر کا مخفی ہونا اس بنا پر ہے کہ
 لوگ ان سب راتوں کو اہمیت دیں۔ جیسا کہ خدا نے اپنی رضا و خوشنودی کو مختلف قسم کی عبادتوں میں پنہاں کر رکھا ہے تاکہ لوگ سب عبادتوں
 اور اطاعتوں کی طرف رُخ کریں۔ اور اپنے غضب کو معاصی کے درمیان پنہاں کر رکھا ہے، تاکہ لوگ سب گناہوں سے پرہیز کریں، اپنے
 دلائقوں کو لوگوں سے مخفی نہ رکھا ہے تاکہ سب کا احترام کریں اور دُعاؤں کی قبولیت کو مختلف دُعاؤں میں پنہاں کر رکھا ہے تاکہ دُعاؤں کی طرف رُخ کریں۔
 اہم اعظم کو اپنے آسمان میں مخفی نہ رکھا ہے تاکہ تمام آسمان کو بزرگ و عظیم سمجھیں۔ اور موت کے وقت کو مخفی نہ رکھا ہے تاکہ ہر حالت میں تیار رہیں
 اور یہ فلسفہ مناسب نظر آتا ہے۔

۴۔ کیا گزشتہ امتوں میں بھی شب قدر تھی؟

اس سورہ کی آیات کے ظاہر سے اس بات کی نشان دہی ہوتی ہے کہ شب قدر منزل قرآن اور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے کے

۱۔ ”نور المشتلین“ جلد ۵ ص ۶۲۵ حدیث ۵۸

۲۔ ”نور المشتلین“ جلد ۵ ص ۶۲۶ حدیث ۶۲

ساتھ مخصوص نہیں تھی۔ بلکہ دنیا کے اختتام تک اس کا ہر سال تکرار ہوتا رہے گا۔

فعل مضارع (تنزل) کی تعبیر جو استمرار پر دلالت کرتی ہے، اور اسی طرح جملہ اسمیہ سلام ہی حقیقی مطلع الفجر کی تعبیر بھی، جو دوام کی نشانی ہے، اسی معنی کی گواہ ہے۔

اس کے علاوہ بہت سی روایات بھی، جو شاید حدیث قرار میں ہیں، اس معنی کی تائید کرتی ہیں۔

لیکن یہ بات کہ کیا یہ گزشتہ امتوں میں بھی تھی یا نہیں؟ متعدد روایات کی تصریح یہ ہے کہ یہ اس امت پر مواہب الہیہ میں سے ہے، جیسا کہ ایک حدیث میں پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے آیا ہے کہ آپؐ نے فرمایا:

”ان الله وهب لامتي ليلة القدس ليعطها من كان قبلها“
 ”خدا نے میری امت کو شب قدر عطا کی ہے، گزشتہ امتوں میں سے کسی کو بھی یہ نعمت نہیں ملی تھی۔“

اوپر والی آیات کی تفسیر میں بھی بعض وارد شدہ روایات اس مطلب پر دلالت کرتی ہیں۔

۵۔ شب قدر ہزار ماہ سے کیسے پرتر ہے؟

ظاہر ہے کہ اس شب کا ہزار ماہ سے بہتر ہونا اس رات کو بیدار رہنے اور اس کی عبادت کی قدر و قیمت کی وجہ سے ہے، اور لیلۃ القدس کی فضیلت اور اس میں عبادت کی فضیلت کی روایات، جو شیعہ اور اہل سنت کی کتابوں میں فراوان ہیں، اس مطلب کی مکمل طور سے تائید کرتی ہیں۔

اس کے علاوہ اس رات میں قرآن کا نزول اور اس میں برکات اور رحمت الہی کا نزول بھی اس بات کا سبب ہے کہ یہ ہزار ماہ سے برتر و بالاتر ہو۔

ایک حدیث میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے آیا ہے کہ آپؑ نے ”علی بن ابی حمزہ ثمالی“ سے فرمایا:

شب قدر کی فضیلت کو اکیسویں اور تیسریں رات میں تلاش کرو، اور ان دونوں راتوں میں سے ہر ایک میں ایک سو رکعت

نماز بجالاؤ۔ اور اگر تم سے ہو سکے تو ان دونوں راتوں کا طواف صبح تک احیا کرو، اور اس رات کو غسل کرو۔

”الحمزہ“ کہتا ہے: میں نے عرض کیا، ”اگر میں کھڑے ہو کر یہ سب نمازیں نہ پڑھ سکوں۔“

آپؑ نے فرمایا، پھر بیٹھ کر پڑھ لو۔ میں نے عرض کیا، اگر اس طرح بھی نہ پڑھ سکوں۔ آپؑ نے فرمایا: پھر بستر میں (لیٹ کر) پڑھو۔

اور رات کے پہلے حصہ میں تھوڑا سا سولینے میں بھی کوئی اہر مانع نہیں ہے، اور اس کے بعد عبادت میں مشغول ہو جاؤ۔ ماہ رمضان میں آئی شان کے دورانے کھل جاتے ہیں اور شیاطین طوق و زنجیر میں جکڑے ہوتے ہوتے ہیں اور مومنین کے اعمال مقبول ہوتے ہیں اور رمضان آتنا اچھا آئینہ

۶۔ قرآن شب قدر میں کیوں نازل ہوا؟

کیونکہ شب قدر میں ایک سال کے لیے انسانوں کی سرفروشت ان کی قابلیتوں اور صلاحیتوں کے مطابق مقدر کی جاتی ہے۔ لہذا ضروری ہے کہ انسان اس رات بیدار رہے۔ اور توبہ اور اپنے آپ کو بہتر بنانے کی کوشش کرے اور خدا کی بارگاہ میں حاضر ہو کر خود میں اس کی رحمت کے لیے زیادہ سے زیادہ اور بہتر سے بہتر لیاقت پیدا کرے۔

ہاں! جن لمحات میں ہماری سرفروشت کی تعیین ہوتی ہے، ان میں انسان کو سویا ہوا نہیں ہونا چاہیئے، اور نہ ہی ہر چیز سے غافل ہونا چاہیئے کیونکہ اس صورت میں ایک غم ناک سرفروشت ہو جائے گی۔

قرآن مجید ایک سرفروشت سا کتاب ہے، اور اس میں انسانوں کی سعادت و خوش بختی اور ہدایت کی باتوں کی وضاحت کی گئی ہے، لہذا ضروری ہے کہ سرفروشتوں کی تعیین کا پروگرام شب قدر میں نازل ہو۔ قرآن اور شب قدر کے درمیان کتنا خوبصورت رابطہ ہے، اور ان دونوں کا ایک دوسرے سے تعلق اور رشتہ کس قدر پُر معنی ہے؟

۷۔ کیا مختلف علاقوں میں ایک ہی شب قدر ہوتی ہے؟

ہم جانتے ہیں کہ تمام شہروں میں قری مہینوں کا آغاز یکساں نہیں ہوتا اور یہ ممکن ہے کہ ایک علاقہ میں تو آج اول ماہ ہو، اور دوسرے علاقہ میں دوسری تاریخ ہو۔ اس بنا پر شب قدر سال میں ایک معین رات نہیں ہو سکتی، کیونکہ مثال کے طور پر مکہ کی تیسویں رات، ایران و عراق میں پانچویں کی رات ہو سکتی ہے، اس طرح سے اصولی طور پر ہر ایک کی علیحدہ شب قدر ہوگی۔ کیا یہ بات اس چیز سے، جو آیات و روایات سے معلوم ہوتی ہے، کہ شب قدر ایک معین رات ہے، سازگار ہے؟

اس سوال کا جواب ایک نکتہ کی طرف توجہ کرنے سے واضح ہو جاتا ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ رات وہی کرۂ زمین کے آدھے سایہ کو ہی کہتے ہیں، جو کرۂ زمین کے دوسرے حصہ پر پڑتا ہے اور ہم جانتے ہیں کہ یہ سایہ گردش زمین کے ساتھ حرکت میں ہے، اور اس کا ایک مکمل دورہ چوبیس گھنٹوں میں انجام پاتا ہے، اس بنا پر ممکن ہے کہ شب قدر رات کا زمین کے گرد ایک مکمل دورہ ہو۔ یعنی تاریکی کی چوبیس گھنٹہ کی مدت جو زمین کے تمام نقاط کو اپنے سامنے کے نیچے لے لے، وہ شب قدر ہے، جس کا آغاز ایک نقطہ سے ہوتا ہے، اور دوسرے نقطہ میں اختتام پذیر ہوتا ہے۔ (غور کیجئے)۔

فلوذا! ہمیں اس قسم کی بیلاری و آگاہی حطا فرما کہ لیلۃ القدر کی فضیلت سے پُر اُٹھنا فائدہ اُٹھائیں۔
پروردگارا! ہماری چشم امید تیرے لطف و کرم پر لگی ہوئی ہے، ہمارے مقدرات کو اس کے موافق معین فرما۔
بارا اٰلہائیں اس مہینہ کے مکررین میں سے قرار نہ دے کہ جس سے بالاتر کوئی عرومیت نہیں ہے۔

ترتیب زیارت اللہ علیہ السلام
سورہ قدر کا اختتام
آخر ماہ مبارک رمضان ۱۴۲۷ھ

اختتام ترجمہ

بلوڑ جمعہ ایک بج کر پانچ منٹ
(عجیب تعلق ہے)
برسکان حیرت قسم مقدس ایلان

سُورَةُ الْبَيِّنَةِ

❖ یہ سورہ مکہ میں نازل ہوا
❖ اس میں ۸ آیات ہیں ۔

سُورۂ بَیِّنَہ کے مطالب اور اس کی فضیلت

مشہور یہ ہے کہ یہ سُورہ مدینہ میں نازل ہوئی ہے اور اس کے مطالب بھی اسی معنی کی گواہی دیتے ہیں، کیونکہ اس میں بار بار اہل کتاب کے بارے میں بحث ہوئی ہے۔ اور ہم جانتے ہیں کہ اہل کتاب سے مسلمانوں کا زیادہ تر سروکار مدینہ میں ہی ہوا۔ اس سے قطع نظر نماز اور زکوٰۃ دونوں کے بارے میں گفتگو ہوئی ہے، یہ ٹھیک ہے کہ زکوٰۃ کا شرعی حکم تو مکہ میں ہی ہو گیا تھا، لیکن اس کو قانونی صورت اور وسعت مدینہ میں دی گئی۔

بہر حال یہ سُورہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رسالت کے ہمہ گیر ہونے، اور اس کے روشن و واضح دلائل اور نشانیوں سے آئینہ ہونے کی طرف اشارہ کرتی ہے۔ ایسی رسالت جس کے لیے پہلے سے انتظار کیا جا رہا تھا۔ لیکن جب ان کے پاس یہ رسالت پہنچی تو ایک گروہ نے اس بنا پر کہ ان کے مادی منافع خطرے میں پڑ رہے تھے اس کی طرف سے پشت پھیر لی۔ ضمنی طور پر یہ اس حقیقت کو بھی اپنے اندر لیے ہوئے ہے کہ انبیاء کی دعوت کا اصول، مثالی ایمان و توحید و نماز و روزہ، ایک ایسا اصول ہے جو ثابت اور جاودانی ہے اور یہ تمام آسمانی ادیان میں موجود رہا ہے۔

اس سُورہ کے ایک دوسرے حصہ میں اہل کتاب اور مشرکین کے اسلام کے مقابلہ میں اعتراضات کو شخص کرتا ہے کہ وہ گروہ جو ایمان لے آیا ہے اور اعمال صالح انجام دیتا ہے وہ تو بہترین مخلوق ہے۔ اور وہ گروہ جس نے کفر، شرک اور گناہ کی راہ اختیار کر لی ہے، وہ بدترین مخلوق شمار ہوتی ہے۔

اس سُورہ کے مختلف نام ہیں، جو اس کے الفاظ کی مناسبت سے انتخاب ہوئے ہیں، لیکن ان میں سب سے زیادہ مشہور سُورہ "بَیِّنَہ" و "لِوَيْكُنْ" و "قِيَمَہ" ہیں۔

ایک حدیث میں پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اس سُورہ کی تلاوت کی فضیلت میں اس طرح نقل ہوا ہے:-

”اگو لوگوں کو معلوم ہوتا کہ اس سورہ میں کون کون سی برکتیں ہیں تو وہ اپنے گھر والوں اور مال و منال کو چھوڑ کر اس کی طرف بڑھتے۔“
 قبیلہ ”خزاعہ“ کے ایک شخص نے عرض کیا : اے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ! اس کی تلاوت کا اجر و ثواب کیا ہے ؟

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا :
 ”کوئی منافق اور وہ لوگ جن کے دل میں شک و شبہ ہے، اس کی تلاوت نہیں کریں گے۔
 خدا کی قسم مقرب فرشتے اس دن سے جب سے سارے آسمان اور زمین پیدا ہوئے ہیں اسے پڑھتے ہیں، اور اس کی تلاوت میں ایک لہجہ کے لیے بھی سستی نہیں کرتے جو شخص اسے رات کے وقت پڑھے گا، خدا ایسے فرشتوں کو مامور کرے گا، جو اس کے دین دنیا کی حفاظت کریں گے، اور اس کے لیے بخشش اور رحمت طلب کریں گے، اور اگر دن کے وقت پڑھے گا تو ان چیزوں کی مقدار میں جنہیں دن روشن کرتا ہے، اور رات انہیں تاریک بنا دیتی ہے، اُسے ثواب دیں گے۔“

Presented by: <https://jafrilibrary.com/>

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

- ۱۔ لَعْنَةُ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ
وَالْمُشْرِكِينَ مُنْفَكِينَ حَتَّى تَأْتِيَهُمُ الْبَيِّنَةُ ۝
- ۲۔ رَسُولٌ مِنَ اللَّهِ يَتْلُو صُحُفًا مُطَهَّرَةً ۝
- ۳۔ فِيهَا كُتُبٌ قَيِّمَةٌ ۝
- ۴۔ وَمَا تَفَرَّقَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ إِلَّا مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَتْهُمْ
الْبَيِّنَةُ ۝
- ۵۔ وَمَا أُمِرُوا إِلَّا لِيَعْبُدُوا اللَّهَ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ ۝
خُنْفَاءَ وَيُقِيمُوا الصَّلَاةَ وَيُؤْتُوا الزَّكَاةَ وَذَلِكَ
دِينُ الْقَيِّمَةِ ۝

ترجمہ

شروع اللہ کے نام سے جو رحمان و رحیم ہے

- ۱۔ اہل کتاب اور مشرکین میں سے کفار (کہتے تھے) جب تک ان کے لیے واضح دلیل نہ آجائے
وہ اپنے دین سے دستبردار نہیں ہوں گے۔

- ۲۔ خدا کی طرف سے ایسا رسول جو پاکیزہ صحیفوں کی تلاوت کرے۔
- ۳۔ اور اُن میں صحیح اور قابلِ قدر تحریریں ہوں۔
- ۴۔ لیکن اہل کتاب نے (خدا کے دین میں) اختلاف نہیں کیا مگر اُن کے پاس واضح دلیل پہنچ جانے کے بعد۔
- ۵۔ حالانکہ انہیں کوئی حکم اس کے ہوا نہیں دیا گیا تھا کہ وہ کمالِ اخلاص کے ساتھ خدا کی عبادت کریں، شرک سے توحید کی طرف لوٹیں، نماز کو قائم کریں اور زکوٰۃ ادا کریں، اور یہی مستقیم اور صحیح دین ہے۔

تفسیر

Presented by: <https://jafrilibrary.com/>

یہ جاودانی دین ہے

سورہ کے شروع میں ظہورِ اسلام سے پہلے اہل کتاب (یہود و نصاریٰ) اور مشرکین عرب کی حالت کو پیش کرتے ہوئے فرماتا ہے: ”وہ اس بات کا دعویٰ کیا کرتے تھے کہ جب تک کوئی واضح دلیل اور سکرہ پیغمبران کے پاس نہ آجائے، وہ اپنے دین سے دستبردار نہیں ہوں گے۔“ (لَوْ يَكُنُ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ وَالشُّرَكِيِّينَ مُنْكَفِرِينَ حَتَّى تَأْتِيَهُمُ الْبَيِّنَةُ) ”ایسا پیغمبر جو خدا کی طرف سے ہوا اور پاک و پاکیزہ صحیفوں کو ہمارے سامنے تلاوت کرے۔“ (رَسُولٌ مِنَ اللَّهِ يَتْلُو صُحُفًا مُطَهَّرَةً)۔

ایسے صحیفے جن میں موزوں، ثابت اور قابلِ قدر تحریریں ہوں۔“ (فِيهَا كُتِبَ قِيمَةٌ)۔

ہاں! وہ پیغمبرِ اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ظہور سے پہلے اسی قسم کے دعوے کیا کرتے تھے۔ لیکن آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ظہور اور آپ کی کتاب آسمانی کے نزول کے بعد میدانِ بل گیا اور وہ خدا کے دین میں اختلاف کرنے لگ گئے۔ ”اور اہل کتاب نے اختلاف نہیں کیا، مگر واضح دلیل اور سچا اور آشکار پیغمبران کے پاس آ جانے کے بعد“ (وَمَا تَقْصِرُ الَّذِينَ أَوْتُوا الْكِتَابَ إِلَّا مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَتْهُمْ الْبَيِّنَةُ)۔

اس طرح سے اور پر دلی آیات اہل کتاب اور مشرکین کے دعووں کو بیان کر رہی ہیں کہ ابتداء میں تو انہیں یہ اصرار تھا کہ اگر کوئی پیغمبر واضح دلائل کے ساتھ ہمیں دعوت دینے کے لیے آئے گا تو ہم قبول کر لیں گے۔

لیکن اس کے جانے کے بعد وہ اپنے اس قل سے پھر گئے اور اس کے مقابلہ میں جنگ و جدال کے لیے کھڑے ہو گئے، سو ان کے گروہ کے جنہوں نے ایمان کی راہ اختیار کر لی۔

اس بنا پر اوپر والی آیت اسی چیز کے مشابہ ہے جو سورہ بقرہ کی آیہ ۸۹ : **وَلَمَّا جَاءَهُمْ كِتَابٌ مِنْ عِنْدِ اللَّهِ مُصَدِّقٌ لِمَا مَعَهُمْ وَكَانُوا مِنْ قَبْلُ يَسْتَفْتِحُونَ عَلَى الَّذِينَ كَفَرُوا فَلَمَّا جَاءَهُمْ مَا عَرَفُوا كَفَرُوا بِهِ فَلَعْنَةُ اللَّهِ عَلَى الْكَافِرِينَ** : میں آئی ہے۔ یعنی جب خدا کی طرف سے ان کے پاس کتاب آئی جو ان نشانوں کے موافق تھی جو ان کے پاس تھیں اور اس سے پہلے وہ خود کو فخر کی خوش خبری دیا کرتے تھے۔ لیکن جب یہ کتاب اور وہ پیغمبر جسے انہوں نے پہلے سے پہچانا ہوا تھا، ان کے پاس آیا تو وہ کافر ہو گئے، پس کافروں پر خدا کی لعنت ہو۔

ہم جانتے ہیں کہ اہل کتاب اس قسم کے ظہور کا انتظار کر رہے تھے، اور اصلی طور پر، مشرکین عرب بھی، جو اہل کتاب کو اپنے سے زیادہ عالم اور زیادہ آگاہ سمجھتے تھے، اس پر گورام میں ان کے ساتھ ہم آواز تھے۔ لیکن جب ان کی آنکھیں پوری ہو گئیں تو انہوں نے اپنے راستہ کو بدل لیا اور مخالفین کی صفوں میں جا ملے۔

مفسرین کی ایک جماعت کا ان آیات کی تفسیر کے بارے میں ایک دوسرا نظریہ ہے، اور وہ یہ ہے کہ اس سے مراد یہ ہے کہ واقعا وہ اپنے ادعا کے مطابق اپنے دین سے دستبردار نہیں ہوئے، اور اُسے نہیں چھوڑا جب تک کہ واضح دلیل ان کے پاس نہ آگئی۔

لیکن اس بات کا مفہوم یہ ہو گا کہ اس قسم کی واضح دلیل آ جانے کے بعد وہ ایمان لے آئیں گے۔ حالانکہ بعد والی آیات اس بات کی نشان دہی کرتی ہیں کہ یہ مطلب اس طرح نہیں تھا۔ مگر اس صورت میں کہ یہ کہا جائے کہ اس سے مراد ان میں سے ایک گروہ کا ایمان لانا ہے، چاہے وہ بالکل قلیل تعداد میں ہی ہوں، اور اصطلاح کے مطابق یہ ”موجبہ جزئیہ“ کی قبیل سے ہے۔

لیکن ہر حال یہ تفسیر بعید نظر آتی ہے، اور شاید اسی بنا پر ”فخر رازی“ اپنی تفسیر میں پہلی آیت کو قرآنی آیات میں سب سے زیادہ پیچیدہ آیت شمار کرتا ہے، جو (اس کی نظر میں) بعد والی آیات سے تضاد رکھتی ہے۔ اس کے بعد وہ اس مشکل کو حل کرنے کے لیے چند طریقے بیان کرتا ہے جن میں سے بہترین وہی ہے جو ہم نے اوپر نقل کیا ہے۔

یہاں ایک تیسری تفسیر بھی ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ اس سے مراد یہ ہے کہ خدا مشرکین اور اہل کتاب کو ان کی حالت پر نہیں چھوڑے گا، جب تک کہ ان پر اتمام حجت نہ کر دے اور کوئی دلیل ”بیستہ“ نہ بھیجے، اور انہیں راستہ نہ بتا دے۔ اسی لیے پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ان کی ہدایت کے لیے بھیجا ہے۔

حقیقت میں یہ آیت قاصر و کلف کی طرف اشارہ ہے جو علم کلام میں بیان کیا جاتا ہے کہ خدا اتمام حجت کے لیے ہر قوم و ملت کے لیے واضح دلائل بھیجے گا۔

ہر حال ”بیستہ“ سے مراد یہاں واضح و روشن دلیل ہے جس کا مصداق دوسری آیت کے مطابق ”رسول اللہ“ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات ہے جب کہ آپ کی زبان پر قرآن مجید تھا۔

۱۔ اس بات پر توجہ کرنا چاہیے کہ ”منفکین“ جو ”منفک“ کی جمع ہے، ممکن ہے کہ اسم فاعل ہو، یا اسم مفعول ہو، پہلی اور دوسری تفسیر کی بنا پر اسم فاعل کے معنی دیتا ہے اور تیسری تفسیر کی بنا پر اسم مفعول کا (غور کیجئے)

”قصہ“ ضحیفہ کی جمع ہے، جو ایسے ادراک کے معنی میں ہے جن پر کوئی چیز ٹکتے ہیں، اور یہاں اس سے مراد ان ادراک کے مطالب ہیں، کیونکہ ہم جانتے ہیں کہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہرگز کوئی چیز ادراک سے نہیں پڑتے تھے۔

اور ”مطہرہ“ سے مراد، اس کا ہر قسم کے شرک، کلاب، دوزخ اور باطل سے پاک ہونا ہے اور شیاطین جن و انس کے اس میں دخل دینے سے پاک ہے۔

جیسا کہ سورہ فتح مجیدہ کی آیہ ۲۲ میں آیا ہے: ”لَا يَأْتِيهِ الْبَاطِلُ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهِ“ اس کے پاس کسی قسم کا باطل نہ اس کے سامنے سے آتا ہے اور نہ ہی اس کے پیچھے سے۔

”فیما کتب قیمۃ“ کا جملہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ ان صحف آسمانی میں ایسے مطالب لکھے ہوئے ہیں جن میں کسی قسم کا انحراف اور کمی نہیں ہے۔ اس بنا پر تو ”کتاب“ ”مکتوبات کے معنی میں ہے، یا یہ ان احکام و مقررات کے معنی میں ہے جو خدا کی طرف سے مقرر کیے گئے ہیں کیونکہ کتابت تعین حکم کے معنی میں بھی آئی ہے جیسا کہ فرماتا ہے، ”کتاب علیکم الصیام کما کتب علی الذین من قبلكم“۔ ”روزہ تمہارے اوپر اسی طرح سے مقرر کیا گیا ہے جیسا کہ تم سے پہلے لوگوں پر مقرر کیا گیا تھا“۔ اور اس طرح ”قیمۃ“ صاف و مستقیم، یا محکم و پائیدار، یا قدر و قیمت والا کے معنی میں ہے، یا یہ سب مفہام اس میں جمع ہیں۔ یہ احتمال بھی دیا گیا ہے کہ چونکہ قرآن میں تمام گزشتہ کتب کے مضامین و مطالب بہت سے اضافات کے ساتھ ہیں، لہذا یہ کہا گیا ہے کہ اس میں گزشتہ کتب قیمر ہیں۔

قابل توجہ بات یہ ہے کہ پہلی آیت میں اہل کتاب کا ”مشرکین“ سے پہلے ذکر کیا گیا ہے۔ اور چوتھی آیت میں صرف اہل کتاب کا بیان ہے اور مشرکین کے سلسلہ میں کوئی بات نہیں کی گئی، حالانکہ آیت دہن کی طرف ناظر ہے۔

یہ تعبیرات ظاہر اس وجہ سے ہیں کہ ان پر گواہوں میں اہل کتاب اصل اور بنیادی حیثیت رکھتے تھے اور مشرکین ان کے تابع تھے۔ یا اس بنا پر ہے کہ اہل کتاب زیادہ لائقِ منزلت تھے کیونکہ ان میں بہت سے علماء اہل فاضل مندرجہ تھے اور وہ اس لحاظ سے مشرکین کی نسبت بلند سطح پر تھے۔ اس بنا پر ان کی مخالفت زیادہ قبیح اور زیادہ ناپسندیدہ تھی، لہذا وہ زیادہ سرزنش کے لائق تھے۔

اس کے بعد ”اہل کتاب“ کو اور ان کے تابع ”مشرکین“ کو طاعت کرتے ہوئے فرماتا ہے، ”انہو نے اس جدید دین میں اختلاف کیوں کیا کہ بعض تو ایمان لے آئے اور بعض کافر ہو گئے حالانکہ اس دین میں انہیں اس کے سوا کوئی اور حکم نہیں دیا گیا ہے کہ خدا کی عبادت کریں، اور اس کی عبادت کو اس کے غیر کی عبادت سے خاص رکھیں، اور ہر قسم کے شرک سے باز رکھیں اور توحید کی طرف مائل رہیں، نماز کو قائم کریں اور زکوٰۃ ادا کریں۔ وما امروا الا ليعبدوا الله منخلصين له الدين حنفاء ويقيموا الصلوة وليؤتوا الزكاة“۔

”وما امروا“ کا جملہ ممکن ہے کہ ”جملہ حایہ“ ہو یا ”استینافیہ“ ہو اور ”ليعبدوا“ میں ”لام“ ”لام فرض“ ہو، اور یہاں اس سے مراد وہ مقصد اور تہجد ہو جو بندوں کی طرف لوثا ہے، ذکر وہ دہن و تہجد جو خدا کی طرف لٹے، جیسا کہ بعض مفسرین نے خیال کیا ہے۔ اور اسی وجہ سے انہوں نے لام فرض کا انکار کیا ہے۔ اصولی طور پر خدا کے نام افعال کی کوئی کوئی عرض اور ملت ہوتی ہے، لیکن وہ اغراض ایسے ہوتے ہیں جو بندوں کی طرف لٹتے ہیں اور بعض نے بیان ”لام“ کو ان کے معنی میں سمجھا ہے جیسا کہ ”یوبی اللہ لیسین لکھو“ (نساء: ۲۶) میں ہے۔

اس کے بعد فرماتا ہے :

”اور یہ ایک مستقیم و پائیدار دین ہے“ (وَذَا لِكَ دین القیمة).

اس بابے میں کہ یہاں ”وما امروا“ سے کیا مراد ہے؟ ایک جماعت نے یہ کہا ہے کہ اس سے مراد یہ ہے کہ اہل کتاب کے اپنے دین میں مسلک توحید اور نماز و زکوٰۃ موجود تھا، اور یہ ایسے مسائل ہیں جو ثابت ہیں، لیکن وہ ان احکام کے بھی وفادار نہیں رہتے۔ دوسرا معنی یہ ہے کہ دین اسلام میں سوائے خالص توحید اور نماز و زکوٰۃ وغیرہ کے اور کوئی حکم نہیں آیا۔ اور یہ ایسے احمد ہیں جنہیں وہ سب جانتے تھے۔ تو یہ وہ ان کو قبل کرنے سے روگردانی کیوں کرتے ہیں؟ اور ان کو ماننے سے انکار کر رہے ہیں۔ دوسرا معنی زیادہ نزدیک دکھائی دیتا ہے، کیونکہ گزشتہ آیت کے بعد، جو دین جدید کے قبول کرنے میں ان کے اختلاف کرنے کی بات کر رہی تھی، مناسب یہی ہے کہ ”امروا“ جدید دین کی طرف ناظر ہو۔

اس سے قطع نظر پہلا معنی صرف اہل کتاب کے بارے میں صادق آتا ہے، اور مشرکین پر صادق نہیں آتا، جب کہ دوسرا معنی سب کو شامل ہے۔

بعض مفسرین کے نظریے کے مطابق ”دین“ سے مراد جسے خدا کے لیے خالص کرنا چاہیے وہی ”عبادت“ ہے، اور ”الایعبدوا اللہ“ کا جملہ بھی، جو اس سے پہلے ذکر ہوا ہے، اسی معنی کی تائید کرتا ہے۔

لیکن یہ احتمال بھی ہے کہ اس سے دین و مشیت کا مجموعہ مراد ہو، یعنی وہ اس بات پر مامور ہوئے تھے کہ خدا کی پرستش کریں اور ہر جہت سے اپنے دین و آئین کو خالص رکھیں۔ یہ معنی ”دین“ کے وسیع مفہوم کے ساتھ زیادہ سازگار ہے۔ اور بعد والا جملہ ”وَذَا لِكَ دین القیمة“ جو دین کو وسیع معنی میں پیش کرتا ہے اسی معنی کی تائید کرتا ہے۔

”حنفا“ ”حنیف“ کی جیسے ہے، جو ”حنف“ (بروزن کنف) کے مادہ سے ہے، اور مفروات“ میں ”راغب“ کے قول کے مطابق، مگر ابھی سے راہ مستقیم کی طرف مائل ہونے کے معنی میں ہے اور عرب ان تمام گروں کو جو ”حج“ بجا لاتے تھے یا ”حنفہ“ کیا کرتے تھے، ”حنیف“ کہا کرتے تھے (اور احنف) اس شخص کو کہا جاتا ہے جس کا پاؤں ٹیڑھا ہو۔

مجموعی طور سے لغت کی مختلف کتابوں سے اس طرح معلوم ہوتا ہے کہ یہ لفظ اصل میں انحراف اور ٹیڑھے پن کے معنی میں تھا، البتہ قرآن، اور اسلامی روایات میں شرک سے توحید و ہدایت کی طرف انحراف کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔

اس تعبیر کا انتخاب ممکن ہے اصل میں اس بنا پر ہو کہ بت پرست معاشرے ہر اس شخص کو جو ان کے دین کو چھوڑ کر توحید کی طرف قدم بڑھاتا تھا، اُسے ”حنیف“ (منحرف) شمار کرتے تھے، اور پھر آہستہ آہستہ یہ تعبیر راہ توحید کو طے کرنے والوں کے لیے ایک رائج تعبیر کے عنوان سے پہچانی گئی، اور حقیقت میں اس کا مفہوم ”ضلالت“ سے ہدایت کی طرف انحراف تھا۔ اور اس کا لازماً، وہی توحید خالص اور اعتدال کامل اور ہر قسم کے افراط و تفریط سے اجتناب ہے، لیکن اس بات کو نہیں بھولنا چاہیے کہ یہ سب اس نقطہ کے ثانوی معنوی ہیں۔

”وَذَا لِكَ دین القیمة“ کا جملہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ یہ اصول یعنی توحید خالص اور نماز (خالق کی طرف توجہ) اور زکوٰۃ (مخلوق کی طرف توجہ) تمام ادیان کے ثابت اور پائیدار اصول ہیں، بلکہ کہا جاسکتا ہے کہ یہ انسان کی فطرت میں داخل ہیں۔

کیونکہ ایک طرف تو انسان کی سرنوشت مسئلہ توحید پر ہے اور دوسری طرف سے اس کی فطرت منعم کا حکم ادا کرنے اور اس کی معرفت و شناخت کی دعوت دیتی ہے، اور تیسری طرف سے روح اجتماعی اور انسانی کی مدنیّت اُسے محروم افراد کی مدد کے لیے پکارتی ہے۔

اس بنا پر ان احکام و مستورات کی بڑ بنیاد کلی طور پر فطرت کی جملہ گہرائیوں میں موجود ہے۔ اسی لیے یہ تمام گزشتہ انبیاء اور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیمات میں پائی جاتی ہے۔

گزشتہ صفحہ کا ماحشیہ

۱۔ اس بات پر توجہ رکھنا چاہیے کہ "درین القیمۃ" اضافت کی صورت میں ہے، وصف کی صورت میں نہیں ہے۔ اور اس کا مفہوم یہ ہے کہ یہ ایک ایسا مین ہے جو گزشتہ (مستقیم اور قابل قدر) کتب قیمہ میں آیا ہے، یا یہ ایک ایسا مین ہے جس میں اسلام کے ستیم اور قابل قدر احکام بیان ہوئے ہیں۔ اس بنا پر قیمہ کا عنوان ہونا اس وجہ سے ہے کہ وہ "کتب" یا ملت و شریعت کا وصف ہے (غور کیجئے)

۶۔ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ وَالْمُشْرِكِيْنَ
فِيْ نَارٍ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۚ اُولٰٓئِكَ هُمْ
سَرُّ الْبَرِيَّةِ ۝

۷۔ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اُولٰٓئِكَ هُمْ
خَيْرُ الْبَرِيَّةِ ۝

۸۔ جَزَاؤُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ جَنَّتٌ عَدْنٌ تَجْرِيْ
مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهَارُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا اَبَدًا ۚ رَّضِيَ اللّٰهُ
عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ ۚ ذٰلِكَ لِمَنْ خَشِيَ رَبَّهٗ ۝

ترجمہ

۶۔ اہل کتاب اور مشرک کفار دوزخ میں جائیں گے اور ہمیشہ اسی میں رہیں گے، وہ بدترین مخلوق ہیں۔

۷۔ یقینی طور سے وہ لوگ جو ایمان لائے ہیں اور انہوں نے اعمال صالح انجام دیے ہیں، وہ (خدا کی) بہترین مخلوق ہیں۔

۸۔ ان کی جزا ان کے پروردگار کے یہاں بہشت جاودانی کے باغات ہیں، جس کے درختوں کے نیچے نہریں جاری ہیں۔ وہ ہمیشہ ہمیشہ اسی میں رہیں گے، خدا بھی ان سے راضی ہے اور

وہ بھی خدا سے راضی ہیں، اور یہ (بلند مقام) اس شخص کے لیے ہے، جو اپنے پروردگار سے ڈرے۔

تفسیر

بہترین اور بدترین مخلوق

گزشتہ آیات میں آیا تھا کہ کفار اہل کتاب اور مشرکین اس انتظار میں تھے کہ خدا کی طرف سے کوئی واضح و روشن دلیل ان کے پاس آئے، لیکن واضح و روشن دلیل "بینہ" مکہ آجانے کے بعد وہ متعزق اور پکالندہ ہو گئے اور ہر ایک نے ایک ایک راہ اختیار کر لی زیر بحث آیات میں اس دعوت الہی کے مقابلہ میں "کفر کرنے والے" اور "ایمان لانے والے" دونوں گروہوں اور ان میں سے ہر ایک کے انجام کی طرف اشارہ کرتا ہے۔

پہلے فرماتا ہے: "اہل کتاب اور مشرکین میں سے جو لوگ اس جدید دین سے کافر ہوئے ہیں وہ دوزخ کی آگ میں ہوں گے اور ہمیشہ ہمیشہ اسی میں رہیں گے۔ وہ بدترین مخلوق ہیں۔ (ان الذین کفروا من اهل الكتاب والمشركين في نار جهنم خللدين فيها اولئك هم شر البرية)۔"

"کفر" کی تعبیر دین اسلام کے مقابلہ میں ان کے کفر کی طرف اشارہ ہے، فوراً ان کا پہلے کا کفر و شرک کوئی نئی بات نہیں ہے۔ "اولئك هم شر البرية" (وہ بدترین مخلوق ہیں) کی تعبیر ایک لڑخیز تعبیر ہے، جو اس بات کی نشان دہی کرتی ہے کہ تمام چلنے پھرنے والی مخلوق، اور نہ چلنے پھرنے والی مخلوق میں سے، ان لوگوں سے بڑھ کر مڑود اور دھنکارا ہوئی مخلوق اور کوئی نہیں ہے جنہوں نے حق کے واضح ہوتے ہوئے اور اتمام حجت کے بعد سیدھی راہ کو چھوڑ دیا اور ضلالت و گمراہی کی راہ اختیار کر لی۔ اور یہ بات حقیقت میں اسی چیز کے مشابہ ہے جو سورہ الفال کی آیہ ۲۲ میں بیان ہوئی ہے: "ان شر الدواب عند الله الصم البکور الذین لا یعقلون" خدا کا بدترین جاندار وہ لوگ ہیں جو نہ سمجھنے والے کان رکھتے ہیں، نہ گویا زبان اور نہ ہی بیچارہ فکر و اندیشہ۔ یا جو کچھ سورہ اعراف کی آیہ ۱۷۹ میں بیان ہوا ہے: "جہاں دوزخیوں کے گروہ کو ان ہی اوصاف کے ساتھ ذکر کرنے کے بعد فرماتا ہے: اولئك کا الانعام بل هم اضل اولئك هم الغافلون: وہ چھپاؤں کی طرح ہیں۔ بلکہ ان سے بھی زیادہ گمراہ اور وہ غافل ہیں۔"

زیر بحث آیت کا مطلب ان سے بھی کچھ آگے ہے کیونکہ یہ ان کا بدترین مخلوق ہونے کے ساتھ ان کا تعارف کراتی ہے اور حقیقت میں ان کے جہنم کی آگ میں ہمیشہ ہمیشہ رہنے کی ایک دلیل کے طور پر ہے۔

وہ بدترین مخلوق کیوں نہ ہوں گے جب کہ سعادت کے تمام دروازے ان کے سامنے کھلے ہوئے تھے۔ لیکن وہ کبر و غرور اور عناد و نہٹ دھڑکی کی وجہ سے جان بوجھ کر مخالفت کے لیے کھڑے ہو گئے۔

اس آیت میں بھی "اہل کتاب" کو مشرکین پر مقدم رکھنے کی وجہ بھی ممکن ہے یہ ہو کہ وہ کتاب آسمانی کے حامل اور دانشمند تھے۔ اور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نشانیاں ان کی کتابوں میں صراحت کے ساتھ آئی تھیں۔ اس بنا پر ان کا مخالفت کرنا زیادہ قبیح و بدتر تھا۔ بعد ازاں آیت میں دوسرے گروہ کی طرف جو ان کے مخالف نقطہ مقابل اور قس معوی ہیں واقع ہوئے ہیں اشارہ کرتے ہوئے فرماتا ہے: "وہ لوگ جو ایمان لائے ہیں اور انہوں نے اعمال صالحہ انجام دیے ہیں وہ خدا کی بہترین مخلوق ہیں" (ان الذین آمنوا وعملوا الصالحات اولئک ہوا خیر البریۃ)۔ اس کے بعد ان کی جزا اور پاداش کو چند مختصر سے جملوں میں اس طرح بیان کرتا ہے: "ان کی جزا ان کے پروردگار کے پاس بہشت کے جادوئی باغات میں، جن کے درختوں کے نیچے نہری جاری ہیں، اور وہ ہمیشہ ہمیشہ اسی میں رہیں گے" (جزاؤہم عند ربہم وجنات عدن تجري من تحتہا الانہار خالدین فیہا ابداً)۔

"خدا بھی ان سے خوش اور راضی ہے، اور وہ بھی خدا سے خوش اور راضی ہیں" (رضی اللہ عنہم ورضوا عنہ)۔

"یہ بلند و والا مقام اور اہم و بے نظیر جزائیں اس شخص کے لیے ہیں جو اپنے پروردگار سے ڈرے" (ذالک لمن

خشى ربہ)۔

قابل توجہ بات یہ ہے کہ مومنین کے بارے میں اعمال صالحہ کی گفتگو بھی درمیان میں آئی ہے، جو حقیقت میں ایمان کے درخت کا پھل ہے۔ اور یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ ایمان کا دعویٰ کرنا اکیلا کافی نہیں ہے، بلکہ انسان کے اعمال بھی اس کے ایمان پر گواہ ہونے چاہئیں، لیکن کفر اکیلا ہی، چاہے اس کے ساتھ غیر صالح اعمال نہ بھی ہوں، سقوط و بدبختی کا سبب ہے۔ اس سے قطع نظر کفر و کفران پر انواع و اقسام کے گناہوں، جرائم اور غلط اعمال کا مبداء بھی ہوتا ہے۔

اولئک ہوا خیر البریۃ کی تفسیر اچھی طرح سے اس بات کی نشان دہی کرتی ہے کہ مومن اور اعمال صالحہ بجالانے والے انسان فرشتوں تک سے بھی برتر و بالاتر ہیں، کیونکہ آیت مطلق ہے، اور اس میں کسی قسم کا استثناء نہیں ہے۔ قرآن کی دوسری آیات میں بھی مٹنی کی گواہ ہیں مثلاً: فرشتوں کے آدم علیہ السلام کو سجدہ کرنے کی آیات اور آیہ ولتدکرتما بخ آدم (اسراء: ۷۰) بہر حال اس آیت میں پہلے تو ان کے مادی و جسمانی صلہ، جو جنت کے پُر نعمت باغات ہیں، کا ذکر کرتا ہے، اور اس کے بعد ان کی معنوی و روحانی جزا کو بیان کرتا ہے کہ خدا بھی ان سے راضی ہے اور وہ بھی خدا سے راضی اور خوش ہیں۔

وہ خدا سے راضی اور خوش ہیں کیونکہ جو کچھ چاہتے تھے وہ اس نے انہیں دیا ہے، اور خدا ان سے راضی اور خوش ہے کیونکہ وہ جو کچھ چاہتا تھا وہ انہوں نے انجام دے دیا، اور اگر ان سے کوئی لغزش ہو بھی گئی ہو تو اس نے اپنے لطف و کرم سے اس سے برف نظری، اس سے بڑھ کر اور کون سی لذت ہو سکتی ہے کہ اسے اس بات کا احساس ہو جائے کہ اس کے کامل کو مہر دے قبول کر لیا ہے اور اس کا محبوب اس سے راضی اور خوش ہے۔ اور اُسے اس کی عطا حاصل ہو گئی ہے۔

دارند ہر کس از تو مرادے و مطلبے

مقصود ما ز دنیا و عقبی لغائی تو است

"ہر شخص تجھ سے کوئی نہ کوئی خواہش اور مطلب رکھتا ہے

لیکن ہمارا مقصد دنیا و آخرت میں تیری عطا ہے"

ہاں! انسان کے جسم کی جنت تو اُس جہان کے جاودانی باغات ہیں، لیکن اس کی روح کی بہشت خدا کی رضا اور لٹائے محبوبہ ہے۔
 "ذالک لمن خشى ربه" کا جملہ اس بات کی نشان دہی کرتا ہے کہ ان تمام برکات کا سرچشمہ خدا کا خوف، خشیت اور ڈر ہے، کیونکہ یہی خوف ہی ہر قسم کی اطاعت، تنہی اور اعمال صالح کی طرف حرکت کرنے کا سبب بنتا ہے۔
 بعض مفسرین نے اس آیت کو سورہ فاطر کی آیہ ۲۸ انما یخشى الله من عباده العلماء "صرف علما ہی خدا سے ڈرتے ہیں" کے ساتھ ملا کر یہ نتیجہ نکالا ہے کہ بہشت پر حقیقتاً علما اور آگاہ و دانش مند لوگ کا مستحق حق ہے۔
 البتہ اس بات کی طرف توجہ کرتے ہوئے کہ خشیت اور خوف خدا کے کئی درجے اور مرتبے ہوتے ہیں اور علم و دانش و آگاہی میں بھی کئی درجے اور مرتبے ہوتے ہیں اس بات کا مضمون واضح اور روشن ہو جاتا ہے۔
 ضمنی طور پر بعض کا نظریہ یہ ہے کہ "مقام خشیت" "مقام خوف" سے بالاتر ہوتا ہے، کیونکہ خوف تو ہر قسم کے ڈر پر بولا جاتا ہے، لیکن خشیت اس خوف کو کہتے ہیں جو تعظیم و احترام کے ساتھ ہو۔

چند نکات

۱۔ علیؑ اور ان کے شیعہ خیر البریہ میں

بکثرت روایات میں جو اہل سنت کے طریقوں سے ان کی مشہور کتابوں میں اور اسی طرح شیعوں کی مشہور کتابوں میں نقل ہوئی ہیں آیت "اولئک هم خیر البریہ" (وہ خدا کی بہترین مخلوق ہیں) کی علی علیہ السلام اور ان کے پیروکاروں کے ساتھ تفسیر ہوئی ہے۔
 "حاکم حکانی" نیشاپوری نے، جو پانچویں صدی ہجری کے مشہور علماء اہل سنت میں سے ہیں، ان روایات کو اپنی مشہور کتاب "شواہد التنزیل" میں مختلف اسناد کے ساتھ نقل کیا ہے، اور ان کی تعداد بیس روایات سے زیادہ ہے جن میں سے ہم چند روایات کو نمونہ کے طور پر آپ کے سامنے پیش کرتے ہیں۔

۱۔ "ابن العباس" کہتے ہیں جس وقت آیت "الذین آمنوا وعملوا الصالحات اولئک هم خیر البریہ" نازل ہوئی تو پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے علی علیہ السلام سے فرمایا،

"هو انت وشيعتك تأتي انت وشيعتك يوم القيامة راخصين مرضين
 ویأتی عدوک غضباناً مقمحين؟"

"اس آیت سے مراد تو اور تیرے شیعہ ہیں جو روز قیامت عرصہ عشر میں اس حال میں وارد ہوں گے کہ تم بھی خدا سے راضی ہو گے اور خدا بھی تم سے راضی ہوگا، اور تیرا دشمن غصہ کی حالت میں عرصہ عشر میں وارد ہوگا اور زبردستی اس کو جہنم میں دھکیل دیا جائے گا۔" (حدیث کے بعض نسخوں میں تمہیں آیا ہے، جس کا معنی طرق و زنجیر کے ذریعہ سرک اونچا رکھا ہے)۔

۲۔ ایک دوسری حدیث میں "ابو بکرؓ سے آیا ہے کہ جس وقت پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس آیت کی تلاوت کی تو فرمایا:

"ہم انت وشیتک یا علی ومیعاد ما بینہ و بینک الحوض"

"اے علی! وہ تیرا اور تیرے شیعہ میں، اور تیری اور میری وعدہ گاہ عرض کوڑھے:۔"

۳۔ ایک اور حدیث میں "جابر بن عبد اللہ انصاریؓ سے آیا ہے کہ ہم خانہ خدا کے پاس پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت

میں بیٹھے ہوئے تھے کہ علیؓ ہماری طرف آئے۔ جس وقت پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نگاہ ان پر پڑی تو فرمایا:

"قد اتاکم اخی"

"میرا بھائی تمہاری طرف آ رہا ہے۔"

پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خانہ خدا کی طرف رخ کیا اور فرمایا:

"فقال ورب هذه البنية ان هذا وشیتہ ہم الفائزون لیوم

القیامۃ"

"اس کتبہ کے خدا کی قسم یہ شخص اور اس کے شیعہ قیامت کے دن رست گار اور کامیاب

ہوں گے۔"

اس کے بعد ہماری طرف رخ کیا اور فرمایا:

Presented by: <https://jafrilibrary.com>

"اما واللہ انہ اولکم ایما نا باللہ، واقومکم بامر اللہ، ووافاکم

بعمد اللہ، واقضاکم بحکم اللہ، واقمکم بالسویۃ، و

اعدلکم فی الرعیۃ، واعظکم عند اللہ مزیۃ"

قال "جابر": فانزل اللہ: "ان الذین امنوا و عملوا الصالحات اولئک

ہم خیر البریۃ" فكان علی اذا اقبل قال اصحاب محمد (صلی اللہ علیہ

وآلہ وسلم) قد اتاکم خیر البریۃ بعد رسول اللہ:

"خدا کی قسم یہ تم سب میں سے پہلے خدا پر ایمان لایا ہے اور اس نے خدا کے حکم سے تم

سب میں سے پہلے قیام کیا ہے، خدا کے حکم کو تم سب سے زیادہ وفا کرنے والا ہے،

اور وہ تم سب سے زیادہ اللہ کے حکم کے مطابق فیصلے کرنے والا ہے اور وہ (بیت المال)

کی تقسیم میں سب سے زیادہ مساوت کرنے والا ہے، اور رعیت میں سب سے زیادہ صل

کنے والا ہے، اور اس کا مقام و مرتبہ خدا کے نزدیک تم سب سے زیادہ ہے۔"

جابر کہتے ہیں کہ اس موقع پر خدا نے آیہ ان الذین امنوا و عملوا الصالحات اولئک ہم خیر البریۃ

نازل فرمائی۔ اس کے بعد جب جی کہی علی علیہ السلام آئے تو اصحاب محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)

انہیں آتا ہوا دیکھ کر کہتے :

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد خدا کی مخلوق میں جو سب سے زیادہ بہتر ہے وہ
آ رہا ہے۔ لہ

اس آیت کا فائدہ کعبہ کے پاس نزول اس سورہ کدنی ہونے کے ساتھ منافات نہیں رکھتا، کیونکہ ممکن ہے کہ یہ نزول مجدد کے
قبیل سے ہو، یا تطبیق کے عنوان سے ہو، علاوہ ازیں بعید نہیں ہے کہ ان آیات کا نزول ان سفر میں ہو جو جن میں پیغمبر صلی اللہ علیہ
وآلہ وسلم مدینہ سے مکہ کی طرف آئے تھے۔ خصوصاً جب کہ اس روایت کا راوی "جابر بن عبد اللہ الصمدی" ہے جو مدینہ میں آپ کے ساتھ
ملحق ہوئے تھے، اور اس قسم کی آیات پر مدنی ہونے کا اطلاق بعید نہیں ہے۔
ان احادیث میں سے بعض کو "ابن حجر" نے کتاب "صواعق مرقہ" میں نقل کیا ہے۔ اور بعض کو شبلی نے "ذوالابصار"
میں ذکر کیا ہے۔ لہ

"جلال الدین سیوطی" نے "در المنثور" میں بھی آخری روایت کا عمدہ حتمہ "ابن سکر" سے جابر بن عبد اللہ سے نقل کیا ہے۔ لہ
۴۔ "در المنثور" میں آیا ہے کہ جس وقت آیہ "ان الذین امنوا و عملوا الصالحات اولئک ہم خیر البریۃ"
نازل ہوئی، تو پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے علی علیہ السلام سے فرمایا :

"هو انت و شیعتک یوم القیامۃ لا ھین فی سرھین"
"وہ تو اور تمہارے شیعہ ہیں، قیامت کے دن تم خدا سے راضی ہو گے اور خدا تم سے
راضی ہو گا۔ لہ

۵۔ مذکورہ مؤلف نے ایک دوسری حدیث میں "ابن مردویہ" کے واسطے سے علی علیہ السلام سے نقل کیا ہے کہ پیغمبر اکرم صلی اللہ
علیہ وآلہ وسلم نے مجھ سے فرمایا :

"السمتع قول اللہ : ان الذین امنوا و عملوا الصالحات اولئک ہم
خیر البریۃ ؛ انت و شیعتک و موعدی و موعدکم و الحوض ، اذا جئت
الامور للحساب تدعون غل محجلین :
"کیا تم نے خدا کا یہ ارشاد نہیں سنا کہ فرماتا ہے : جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے
اعمال صالح انجام دیے وہ بہترین مخلوق ہیں ؛ یہ تم اور تمہارے شیعہ ہیں۔ اور میری اور تمہاری
دردہ گاہ حوض کوثر کا کنارہ ہے۔ جب میں امتوں کے حساب کے لیے آؤں گا تو تمہیں

لہ دہی مدک ص ۳۶۲ حدیث ۱۱۳۹

لہ "صواعق مرقہ" ص ۹۶ "ذوالابصار" ص ۱۰۱

لہ "در المنثور" جلد ۶ ص ۳۴۹

لہ "در المنثور" جلد ۶ ص ۳۴۹

”غرا بھلین“ (سفید پیشانیوں والے) کہہ کر پکارا جائے گا۔

اہل سنت کے اور بھی بہت سے دوسرے علمائے اسی مضمون کو اپنی اپنی کتابوں میں نقل کیا ہے، منجملہ ”خطیب غرازنی نے ”مناقب“ میں، البونیم اصفہانی نے ”کفایت الخصام“ میں، علامہ طبرسی نے اپنی مشہور تفسیر ”میں“ ابن مبارک نے ”فصول المصنوعہ“ میں، علامہ شوکانی نے ”فتح القدیر“ میں، شیخ سلیمان قندوزی نے ”ینابیع المودة“ اور ”آلوسی“ نے ”روح المعانی“ میں زیر بحث آیات کے ذیل میں، اور بہت سے دوسرے علمائے۔

خلاصہ یہ ہے کہ اوپر والی حدیث بہت ہی مشہور و معروف احادیث میں سے ہے جسے اکثر دانش مندوں اور علماء اسلام قبول کیا ہے۔ اور یہ علی علیہ السلام اور ان کے شیعوں کی ایک بہت بڑی فضیلت ہے۔
ضمنی طور پر ان روایات سے یہ حقیقت ابھی طرح آشکار ہو جاتی ہے کہ لفظ ”شعیبہ“ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ سے ہی آنحضرت کے ذریعہ مسلمانوں کے درمیان نشر ہوا، اور یہ امیر المومنین علی علیہ السلام کے خاص پیروکاروں کی طرف اشارہ ہے لہذا وہ لوگ جو یہ گمان کرتے ہیں کہ ”شعیبہ“ کی تفسیر صدیوں بعد وجود میں آئی ہے، بہت بڑی غلط فہمی میں مبتلا ہیں۔

۲۔ عبادت میں خلوص نیت لازم ہے

اصول فقہ کے بعض علمائے آریہ ”وما عملوا الا لایحبوا اللہ“ خلاصین لہ الدین“ سے عبادت میں قصد قربت کے لازم ہونے پر استدلال کیا ہے اور یہ کہ ادا میں اہل ان کا قصدی ہونا ہے نہ کہ قسوی ہونا۔ اور یہ اس سے وابستہ ہے کہ یہاں ”دین“ کا معنی عبادت ہو، تاکہ یہ عبادت میں خلوص کے لازم ہونے کی دلیل بنے، اور ”امر“ کو ہم اس آیت میں مطلق قرار دیں، تاکہ اس کا مفہوم تمام ادا میں قصد قربت کا لازم ہونا ہے۔ (سوائے ان موارد کے جو دلیل کی وجہ سے خارج ہوں) حالانکہ آیت کا مفہوم، ظاہر کے اقتداء سے، ان میں سے کوئی بھی نہیں ہے، بلکہ اس سے مقصود شرک کے مقابل میں توحید کا اثبات ہے۔ یعنی انہیں توحید کے سوا اور کسی چیز کی عبادت نہیں دی گئی ہے اور اس حال میں اس کا احکام فرعی کے ساتھ کوئی ربط نہیں ہے۔

۳۔ انسان کی عجیب قوس صعودی و نزولی

اس سورہ کی آیات سے اچھی طرح معلوم ہوتا ہے کہ عالم میں کسی بھی مخلوق کے قوس صعودی و نزولی کا فاصلہ انسان کے قوس صعودی و نزولی کے برابر نہیں ہے۔ اگر انسان ایمان لے آئے اور اعمال صالح بجالائے (اس بات پر توجہ رہے کہ ”عملوا الصالحات“ تمام اعمال صالح کو شامل ہے، نہ کہ بعض کو) تو وہ خدا کی مخلوق میں سب سے زیادہ افضل اور برتر ہو جاتا ہے، لیکن اگر وہ کفر و ضلالت اور ہٹ دھرمی اور عناد کا راستہ اختیار کر لے۔ تو اتنا گر جاتا ہے کہ خدا کی مخلوق میں سب سے زیادہ بدترین جاتا ہے!

انسان کے ”قوس صعودی“ و ”نزولی“ کا یہ عظیم فاصلہ اگرچہ ایک حساس اور خطرناک مسئلہ ہے لیکن یہ نوع بشر کے مقام کی عظمت اور اس کے تحال و انقلاب کی قابلیت پر دلالت کرتا ہے، اور یہ ایک طبیعی و فطری چیز ہے کہ اس قسم کی حد سے زیادہ قابلیت و استعداد کے ہوتے ہوئے، تنزل و سقوط کا امکان بھی حد سے زیادہ ہو۔

خداوند! ہم خدیو البریہ کے بلند مقام تک پہنچنے کے لیے تیرے لطف و کرم سے مدد طلب کرتے ہیں۔

پروردگارا! ہمیں اس عظیم اور بزرگ ہستی کے شیعوں اور پیروکاروں میں سے قرار دے جو اس کے لیے سب سے زیادہ لائق اور شائستہ ہے۔

بارالہ! ہمیں اس قسم کا خلوص مرحمت فرما کہ ہم تیرے سوا کسی کی پرستش نہ کریں اور تیرے غیر سے محبت نہ کریں۔

آمین یا رب العالمین

اختتام سورہ یسینہ

اختتام ترجمہ

بروز اتوار ۲۱ رمضان ۱۴۰۸ھ پورے گیارہ بجے

برمکلی حنفیہ قم القدس



سُورَةُ الزَّلْزَالِ

❖ یہ سُورہ مدینہ میں نازل ہوا

Presented by: <https://jafrilibrary.com/>

❖ اس میں ۸ آیات ہیں

سورہ "زلزلہ" کے مطالب اور فضیلت

اس بارے میں کہ یہ سورہ کثر میں نازل ہو چکی یا مدینہ میں، مفسرین کے درمیان اختلاف ہے۔ بہت سے ائمہ مدنی سمجھتے ہیں جب کہ بعض کا نظریہ یہ ہے کہ یہ کثر میں نازل ہوا ہے۔ اس کی آیات کا الہام دلجو ہے "صاۃ" اور "قیامت کی شرائط" کے بارے میں مشکوٰۃ کرتی ہیں، سچی سورتوں سے زیادہ مشابہت رکھتا ہے، لیکن ایک حدیث میں آیا ہے کہ جس وقت یہ سورہ نازل ہوا تو "ابوسعید خدری" نے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے آیہ فمن یعمل مثقال ذرۃ۔۔۔ کے بارے میں سوال کیا، اور ہم جانتے ہیں کہ "ابوسعید" مدینہ میں مسلمانوں کے ملحق ہوئے تھے۔ لیکن اس سورہ کا مکی یا مدنی ہونا اس کے مضامین اور تفسیر پر اثر انداز نہیں ہوتا۔ بہر حال یہ سورہ خصوصیت کے ساتھ تین محفل کے گرد گردش کرتا ہے۔

پہلے "الشراط الساعۃ" اور قیامت کے وقوع کی نشانیوں سے بحث کرتا ہے۔

اور اس کے بعد انسان کے تمام اعمال کے بارے میں زمین کی گواہی کی گفتگو ہے۔

اور تیسرے حصہ میں لوگوں کی دو گروہوں "نیکوکار" و "بیکار" میں تقسیم، اور ہر شخص کے اپنے اعمال کا نتیجہ پانسنے کی بات ہے۔

اس سورہ کی فضیلت میں اسلامی تعلیمات میں اہم تعبیریں آئی ہیں۔ بحمد ایک حدیث میں پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے آیا ہے:

"من قرأها فکان صافراً البقرة واعطی من الاجر کم من قرأ ربع القرآن :

• جو شخص اس کی تلاوت کرے گویا اس نے سورہ بقرہ کی قرأت کی اور

اس کا اجر و ثواب اس شخص کے برابر ہے جس نے قرآن کے چوتھے حصہ کی

قرأت کی جوہر

اور ایک حدیث میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے آیا ہے کہ آپؑ نے فرمایا :
 "سورة " اذا زلزلت الارض " کی تلاوت کرنے سے ہرگز خسرت نہ ہونا ، کیونکہ جو شخص
 اس کو نافذ نمازوں میں پڑھے گا وہ ہرگز بھی زلزلہ میں گرفتار نہ ہوگا اور نہ ہی اس کی وجہ
 سے مرے گا۔ اور مرتے دم تک صاعقہ اور آفات دنیا میں سے کسی آفت میں گرفتار
 نہ ہوگا۔"

Presented by: <https://jafrilibrary.com/>

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

- ۱۔ اِذَا زُلْزِلَتِ الْاَرْضُ زُلْزَالَهَا ۝
- ۲۔ وَاَخْرَجَتِ الْاَرْضُ اَثْقَالَهَا ۝
- ۳۔ وَقَالَ الْاِنْسَانُ مَا لَهَا ۝
- ۴۔ لَيَوْمٍ ذِٰلِكَ تُخْبَرُهَا ۝
- ۵۔ يَاێنَّ رَبِّكَ اَوْحٰی لَهَا ۝
- ۶۔ لَيَوْمٍ ذِٰلِكَ يُّصْدَرُ النَّاسُ اَشْتَاتًا ۝ لَيُرَوۡا۟ اَعْمَالَهُمْ ۝
- ۷۔ فَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهُ ۝
- ۸۔ وَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَّرَهُ ۝

ترجمہ شروع اللہ کے نام سے جو رحمان و رحیم ہے

- ۱۔ جس وقت زمین شدت کے ساتھ لرزنے لگے گی۔
- ۲۔ اور زمین اپنے سنگین بوجھ کو باہر نکال کر رکھ دے گی۔
- ۳۔ اور انسان کہے گا کہ زمین کو کیا ہو گیا ہے۔ (کہ اس طرح لرز رہی ہے)
- ۴۔ اس دن زمین اپنی تمام تجربوں کو بیان کر دے گی۔

- ۵۔ کیونکہ تیرے پروردگار نے اُسے وحی کی ہے۔
- ۶۔ اس دن لوگ مختلف گروہوں کی صورت میں قبروں سے نکلیں گے، تاکہ ان کے اعمال انہیں دکھائے جائیں۔
- ۷۔ پس جس شخص نے ایک ذرہ کے وزن کے برابر بھی اچھا کام انجام دیا ہوگا وہ اُسے دیکھے گا۔
- ۸۔ اور جس نے ایک ذرہ کے وزن کے برابر بُرا کام کیا ہوگا وہ اُسے دیکھے گا۔

تفسیر

جس دن انسان اپنے تمام اعمال دیکھے گا

جس طرح سورہ کے مطالب کے بیان میں اشارہ ہوا ہے یہ سورہ اس جہان کے انتقام اور قیامت کے شروع کے بعض ہولناک اور وحشت ناک حوادث کے بیان کے ساتھ شروع ہوا ہے۔

پہلے ارشاد ہوتا ہے: "جس وقت زمین شدت کے ساتھ ہلنے لگے گی" (اذا زلزلت الارض زلزالها) اور اس طرح زیرِ دُرب ہوگی کہ وہ سارے سنگین بوجھ، جو اس کے اندر ہیں، باہر نکال کر رکھ دے گی: (واخرجت الارض اثقالها)۔

"زلزالها" (اس کا زلزلہ) کی تعبیر یا تو اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اس دن سارا کرۂ زمین لرزے لگے گا۔ (عام زلزلوں کے برخلاف جو سب کے سب کسی خاص موضع یا علاقہ میں ہوتے ہیں)۔ اور زلزلہ منہود یعنی زلزلہ قیامت کی طرف اشارہ ہے۔ اس بارے میں کہ "القتال" (سنگین بوجھ) سے کیا مراد ہے، مفسرین نے متعدد تفاسیر بیان کی ہیں، بعض نے تو یہ کہا ہے کہ اس سے مراد وہ انسان ہیں جو قیامت کے زلزلہ سے قبروں کے اندر سے باہر اُچھل پڑیں گے، جیسا کہ سورہ انشقاق کی آیہ ۴ میں آیا ہے: "اذا ہیئل ضلّیہ" اور اس بارے میں کہ جڑیئے خشک کیلئے کسی احتمال دینے لگے ہیں، بعض اس کی جزا "یومئذ یحدث الخبارها" کو سمجھتے ہیں، بعض "یومئذ یصدر الناس اشتاتاً" کہ، اور بعض نے جزا کو معذرت جانا ہے۔ اس طرح کہ لوگ یہ سوال کہتے تھے کہ متی الساعة قیامت کب واقع ہوگی تو جواب میں فرمایا: جب وہ عظیم زلزلہ آئے گا، یعنی اس وقت قیامت واقع ہوگی۔

پہلی صورت میں اشتات عمومی معنی رکھتی ہے اور دوسری صورت میں حمد کے معنی دیتی ہے۔

ث۔ "زلزال" "زا" کی زیر کے ساتھ مصدری معنی دیتا ہے اور زلزال (زا کی زیر کے ساتھ) اسم مصدر کے معنی دیتا ہے اور یہ منبع عام طرہاً افعال میں آتی ہے جو مضامین کی صورت میں استعمال ہوتے ہیں مثلاً "صلصال" اور "وسواس"۔

”والقت ما فیہا وتخلت“

اور بعض نے یہ کہا ہے کہ وہ اپنے اندرونی فرائض کو باہر پھینک دے گی۔ اور بے خبر دنیا پرستوں کے لیے حسرت کا سبب بنے گی۔

یہ احتمال بھی ہے کہ اس سے مراد زمین کے اندر بھنے والے بھاری مواد کو باہر پھینکا ہے جن کی کچھ مقدار عام طور پر آتش فشاں اور زلزلوں کے وقت باہر نکلتی ہے۔

عالم کے اختتام پر جو کچھ زمین کے اندر ہے وہ اس زلزلہ عظیم کے بعد باہر آجائے گا۔

پہلی تفسیر زیادہ مناسب نظر آتی ہے، اگرچہ ان تفسیر کے درمیان جمع بھی بعید نہیں ہے۔

بہر حال اس دن انسان اس اُن دیکھے منظر کو دیکھ کر سنت متحش ہوگا، اور کہے گا: ”یہ کیا ہو گیا ہے کہ زمین اس طرح لرز رہی ہے“

اور جو کچھ اس کے اندر تھا اُسے باہر پھینک دیا ہے۔ (وقال الانسان مالها)۔

اگرچہ بعض نے یہاں انسان کی کافرانوں کے ساتھ تفسیر کی ہے، جو مسئلہ معاد و قیامت میں شک کرتے تھے، لیکن ظاہر یہ ہے

کہ انسان یہاں ایک وسیع معنی رکھتا ہے جو سب کو شامل ہے، کیونکہ زمین کے اوضاع و احوال سے تعجب اُس دن کفار کے ساتھ مخصوص نہیں ہوگا۔

کیا یہ تعجب، اور اس سے پیدا ہونے والا سوال ”نفخہ اولیٰ“ سے مربوط ہے یا ”نفخہ دوم“ ہے؟

ظاہر یہ ہے کہ یہ وہی پہلا نفخہ ہے جو اس عالم کے اختتام کا نفخہ ہے۔ کیونکہ یہ زلزلہ عظیم اختتام جہاں پر آئے گا۔

یہ احتمال بھی دیا گیا ہے کہ اس سے مراد نفخہ قیامت اور مومنوں کے زندہ ہونے اور ان کے زمین سے باہر پھینک دیئے کا نفخہ

کیونکہ بعد اُلیٰ آیات بھی سب کی سب نفخہ دوم کے ساتھ مربوط ہیں۔

لیکن چونکہ قرآن کی آیات میں ان دونوں نفخوں کے حوادث بارہا اکٹھے ذکر ہوئے ہیں، لہذا اختتام جہاں پر وحشت تا کہ زلزلہ کے

بیان کی طرف توجہ کرتے ہوئے پہلی تفسیر زیادہ مناسب نظر آتی ہے، اور اس صحت میں زمین کے ”اُتقال“ سے مراد معدنیات، خزانے

اور اس کے اندر موجود چھپے ہوئے مواد ہیں۔

اور اس سے زیادہ اہم بات یہ ہے کہ ”زمین اس دن اپنی ساری خبریں بیان کرے گی“ (یومئذ تھتد اخبارها)۔

جو غریباں اور بُرائیاں، اور غیر و شر کے اعمال نوئے زمین پر واقع ہوئے ہیں، وہ ان سب کو ظاہر کر دے گی۔ اور اس دن انسان کے

اعمال کے گواہوں میں سے اہم ترین گواہ ہی زمین ہوگی جس پر ہم اپنے اعمال انجام دیتے ہیں۔ اور جو بھاری شاہد و ناظر ہے۔

ایک حدیث میں پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے آیا ہے کہ آپؐ نے فرمایا:

”اُتدرون ما اخبارها“؟

”کیا تم جانتے ہو کہ زمین کے اخبار سے یہاں کیا مراد ہے؟“

لہ ”اُتقال“ جمع ہے ”ثقل“ (بروزن فکر) کی جو ”بار“ کے معنی میں ہے، اور بعض نے اُسے ”ثقل“ (بمعدن حمل) کی جمع سمجھا ہے جو رساں غنائیاد رساں

مسافر کے معنی میں ہے، لیکن پہلا معنی زیادہ مناسب ہے۔

”قالوا: اللہ ورسولہ اعلو“ :

”انہوں نے کہا : خدا اور اس کا رسول بہتر جانتے ہیں :
آپ نے فرمایا :

”اخبارہا ان تشهد علی کل عبد وامة بما عملوا علی ظہرہا،

تقول عمل کنا وکذا، یوم کذا، فہذا اخبارہا“ :

”زمین کے خبر دینے سے مڑاویہ ہے کہ زمین ہر مرد اور ہر عورت کے اعمال کی، جو انہوں
نے زمین پر انجام دیے ہیں، خبر دے گی، وہ کہے گی کہ فلاں شخص نے فلاں دن
فلاں کام کیا ہے، یہ ہے زمین کا خبر دینا : ۱

ایک اور حدیث میں پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے آیا ہے :

”حافظوا علی الوضوء وخیر اعمالکم الصلوۃ فتحفظوا من

الارض فلتھا انکم، ولین فیھا الحد یعمل خیرا او شرًا الا وہی

منخبرۃ بہ“ :

”وضوؤ اور اپنے اعمال میں سے بہترین عمل، نماز کی حفاظت کرو، اور زمین کی طرف دیکھتے

رہو، کیونکہ وہ تمہاری مال ہے۔ کوئی بھی انسان کوئی اچھا یا بُرا کام انجام نہیں دیتا مگر یہ کہ

زمین اس کی خبر دیتی ہے : ۲

ابوسعید خدری سے نقل ہوا ہے کہ وہ یہ کہا کرتے تھے : جب کبھی تم بیابان میں ہو، تو بلند آواز کے ساتھ اذان دو، کیونکہ

میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے :

”لایسمع جن ولا انس ولا حجر الا یشہد لہ“

”کوئی جن و انس، اور پتھر کا کوئی ٹکڑا اُسے نہیں سنتا، مگر یہ کہ (قیامت میں) اس کے لیے

گواہی دے گا : ۳

کیا واقعہ خدا کے حکم سے زمین کی زبان کھل جائے گی اور وہ بات کرے گی؟ یا اس سے مراد زمین پر انسان کے اعمال

کے آثار کا ظاہر ہونا ہے، کیونکہ ہم جانتے ہیں کہ انسان جو عمل بھی انجام دیتا ہے، وہ خواہ مخواہ اس کے اطراف میں کچھ آثار چھوڑتا ہے۔

چاہے وہ آج ہمارے لیے محسوس نہ ہوں۔ ٹھیک ایک دوست یا دشمن کی انگلیوں کے انہیں آثار کے مانند، جو دروازے کے قبضہ پر رہ

۱۔ ”تواضع السیاحین“ جلد ۵ ص ۲۴۹

۲۔ ”معجم البیان“ جلد ۱ ص ۵۲۶

۳۔ وہی مددک

جاتے ہیں، اور اس دن یہ سب کے سب آثار ظاہر ہو جائیں گے، اور زمین کا بات کرنا اس عظیم ظہور کے علاوہ اور کچھ نہیں ہے۔ جیسا کہ ہم کسی خواب آلود شخص سے کہتے ہیں، کہ تیری آنکھیں بتلا رہی ہیں کہ تو کل بات مسویا نہیں ہے۔ یعنی بے خرابی کے آثار اس میں نمایاں ہیں۔ بہر حال یہ کوئی غیر مانوس بات نہیں ہے، کیونکہ موجودہ زمانے میں انسان کے علم و دانش کی پیش رفت کی وجہ سے ایسے آلات و وسائل اختراع ہو چکے ہیں جو ہر جگہ اور ہر لمحہ انسان کی آواز کو گرفت میں لے سکتے ہیں، یا انسان اور اس کے اعمال و افعال کی تصویریں کھینچ سکتے ہیں، اور ایک مسلم سند کے عنوان سے اسے عدالت میں پیش کر سکتے ہیں، اس طرح کہ انکار کی کوئی گنجائش ہی باقی نہ رہے۔ اگر لوگ گزشتہ زمانہ میں زمین کی گواہی سے تعجب کرتے تھے، تو موجودہ زمانہ میں ایک پتلی سی ریل (فیتہ) یا (ریکارڈ) ضبط کرنے کی مشین جو ایک بٹن کی ضرورت میں لباس ہے، ٹکی ہوئی ہوتی ہے، بہت سے مسائل کو بیان کر سکتی ہے۔ قابل توجہ بات یہ ہے کہ ایک حدیث میں علی علیہ السلام سے آیا ہے کہ آپؐ نے فرمایا:

”صلوا المساجد فی بقاع مختلفۃ، فان کل بقعۃ تشہد للمصلی علیہا یوم القیامۃ“

”مساجد کے مختلف حصوں میں نماز پڑھا کرو، کیونکہ زمین کا ہر ٹکڑا، اس شخص کے لیے جو اس پر نماز پڑھتا ہے، گواہی دے گا۔“

ایک اور دوسری حدیث میں آیا ہے کہ امیر المؤمنین علی علیہ السلام جب بیت المال تقسیم فرماتے تھے، اور وہ خالی ہو جاتا تھا تو وہاں دو رکعت نماز بجالاتے اور فرماتے:

”اشہدی انی ملأتک بحق و فرغتک بحق“

(قیامت کے دن) ”گواہی دینا کہ میں نے تجھے حق کے ساتھ پُر کیا تھا اور حق کے ساتھ ہی خالی کیا ہے۔“

بعد والی آیت میں مزید فرماتا ہے: یہ اس خبر (نبأ) پر ہے کہ تیرے پروردگار نے زمین کو وحی کی ہے: (بان رہلک اوّلیٰ لھا) اور زمین اس فرمان کے اجراء میں کتابی نہیں کرے گی، ”اولیٰ“ کی تعبیر یہاں اس بنا پر ہے کہ اس قسم کی اسرار آمیز گفتگو کرنا زمین کی طبیعت کے خلاف ہے۔ اور یہ چیز ایک وحی الہی کے طریقے کے سوا ممکن نہیں ہے۔

بعض نے یہ کہا ہے کہ اس سے مراد یہ ہے کہ وہ زمین کو وحی کے لیے لگا کر جو کچھ اس کے اندر ہے وہ باہر پیش کر دے۔ لیکن پہلی تفسیر زیادہ صحیح اور مناسب نظر آتی ہے۔

اس کے بعد فرماتا ہے: ”اس دن لوگ مختلف گروہوں کی ضرورت میں قبروں سے نکل کر عرصہ عشر میں وارد ہوں گے، تاکہ ان کے اعمال

۱۔ ”مثالی الاخبار“ جلد ۵ ص ۴۹، چاپ جدید

۲۔ ”مثالی الاخبار“ جلد ۵ ص ۴۹، چاپ جدید

۳۔ ”بان“ میں ”بلد“ سمیت کے لیے ہے اور لھا میں ”لام“۔ ”الی“ کے معنی ہیں ہے جیسا کہ سورہ ”غل“ کی آیہ ۶۸ میں آیا ہے۔
”واولٰی رہلک الی النحل“۔

انہیں دکھائے جائیں۔ (یومئذ یصد الناس اشتاتاً لبروا اعمالہم)۔

”اشتات“ ”شت“ (بروزن شط) کی جمع ہے، جو پرگندہ اور متفرق کے معنی میں ہے، یہ اختلاف و پرگندگی ممکن ہے اس بنا پر ہو کہ ہر مذہب والے الگ الگ عرصہ عشر میں وارد ہوں گے، یا زمین کے علاقوں میں سے ہر علاقے کے لوگ جدا جدا وارد ہوں گے، یا یہ ہے کہ ایک گروہ تو بمشاش بشاش، شاد و خندل، حسین و خوبصورت چہروں کے ساتھ آئے گا اور ایک گروہ تیوری پر چلے تیرہ و تاریک چہروں کے ساتھ عشر میں وارد ہوگا۔

یا ہر امت اپنے امام، رہبر اور پیشوا کے ساتھ ہوگی جیسا کہ سورہ اسراء کی آیہ ۷۱ میں آیا ہے: ”یوم ندعوا ککل اناس بامامہم“: ”اس دن ہم ہر گروہ کو اس کے امام و پیشوا کے ساتھ بلائیں گے۔ یا یہ ہے کہ مؤمنین، مومنین کے ساتھ، اور کفار کفار کے ساتھ مشور ہوں گے۔ ان تمام تفاسیر کے درمیان جمع بھی پورے طور پر ممکن ہے کیونکہ آیت کا مفہوم وسیع ہے۔

”یصدر“ ”صدر“ (بروزن صبر) کے مادہ سے آؤنوں کے پانی والی جگہ سے نکلنے کے معنی میں ہے، جو انبہ کی صورت میں بہان میں آئے ہوئے باہر آتے ہیں۔ ”ورود“ کے برعکس جو پانی کی جگہ میں داخل ہونے کے معنی میں ہے۔ اور یہاں مختلف قوموں کے قبور سے نکلنے اور حساب دینے کے لیے عشر میں آنے سے کنا یہ ہے۔

یہ احتمال بھی دیا گیا ہے کہ اس سے مراد عشر سے نکل کر جنت یا جہنم میں اپنی جگہ کی طرف چلنے ہے۔

”لیروا اعمالہم“ (تا کہ ان کے اعمال انہیں دکھائے جائیں) کے جملہ سے مراد اعمال کی جزا کا مشاہدہ ہے۔

یا نامہ اعمال کا مشاہدہ مراد ہے جس میں ہر نیک و بد عمل ثبت ہے۔

یا مشاہدہ باطنی مراد ہے جس کا معنی ان کے اعمال کی کیفیت کی معرفت و شناخت ہے۔

یا ”تجسس اعمال“ کی صورت میں خود اعمال کا مشاہدہ مراد ہے۔

آخری تفسیر ظاہر آیہ کے ساتھ سب سے زیادہ موافق ہے، اور یہ آیت مسئلہ جسم اعمال پر روشن ترین آیات میں سے شمار ہوتی ہے کہ اس دن انسان کے اعمال مناسب صورتوں میں جسم ہو کر اس کے سامنے حاضر ہوں گے، اور ان کی ہم نشینی خوشی کا موجب یا رنج و بلا کا باعث ہوگی۔

اس کے بعد ان دونوں گروہوں مومن و کافر، نیکو کار و بدکار کے انجام کار کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرماتا ہے: ”پس جس شخص نے ذرہ برابر بھی نیکی کی ہوگی وہ اُسے دیکھے گا“ (ومن یعمل مثقال ذرۃ خیراً یرہ)۔

اور جس شخص نے ذرہ برابر برا کام کیا ہوگا وہ اُسے دیکھے گا“ (ومن یعمل مثقال ذرۃ شراً یرہ)۔

یہاں بھی مختلف تفسیریں ذکر ہوئی ہیں، کہ کیا اعمال کی جزا کو دیکھے گا، یا نامہ اعمال کا مشاہدہ کرے گا، یا خود عمل کو۔

ان آیات کا ظاہر بھی، قیامت کے دن ”تجسس اعمال“ اور خود عمل کے مشاہدہ کے مسئلہ پر نئے سرے سے ایک تاکید ہے، چاہے وہ عمل نیک ہو یا برا، یہاں تک کہ اگر ایک سوئی کے برابر بھی نیک یا برا کام ہوگا تو وہ بھی اپنے کرنے والے کے سامنے مجسم ہو جائے گا اور

اور وہ اس کا مشاہدہ کرے گا۔

”مثقال“ لغت میں بوجھ اور گھینے کے معنی میں بھی آیا ہے، اور اس ترازو کے معنی میں بھی جس سے چیزوں کو تولّا جاتا ہے اور یہ یہ پہلے معنی میں ہی ہے۔

”ذرة“ کے لیے بھی لغت اور مفسرین کے کلمات میں مختلف تفسیریں ذکر ہوئی ہیں، کبھی تو چھوٹی چیز نیٹی کے معنی میں، اور کبھی اس گرد و غبار کے معنی میں جو زمین پر ہلکا ہوا تھوڑا سا ٹھکانے کے بعد اس سے چپک جاتا ہے اور کبھی غبار کے ان چھوٹے چھوٹے ذرات کے معنی میں تفسیر ہوئی ہے جو فضا میں حلق ہوتے ہیں اور جب سورج کی شعاعیں کسی سوراخ سے تارکک کرے میں پڑتی ہیں تو وہ ظاہر ہو جاتے ہیں۔

ہم جانتے ہیں کہ موجودہ زمانہ میں ”ذره“ کا ”ایٹم“ پر بھی اطلاق کرتے ہیں۔ اور ایٹم کو ”الذریۃ الذریۃ“ کہتے ہیں۔ ”ایٹم“ اس قدر چھوٹا ہوتا ہے کہ نہ تو وہ عام آنکھ سے دیکھا جاسکتا ہے اور نہ ہی دقیق ترین خوردبین کے ذریعے قابل مشاہدہ ہے اور صرف اس کے آثار کا ہی مشاہدہ کرتے ہیں، اور اس کا حجم اور وزن علمی حساب کتاب کے ذریعے ہی ناپا تولّا جاتا ہے، اور وہ اس قدر چھوٹا ہوتا ہے کہ سونے کی ایک ٹوک پر لاکھوں کی تعداد میں سما جاتے ہیں۔

ذره کا مفہوم پہلے جو بھی ہو یہاں مراد سب سے چھوٹا وزن ہے۔

بہر حال یہ آیت ان آیات میں سے ہے جو آدمی کی پشت میں لڑنے پر آمادگی میں ہیں اور اس بات کی نشان دہی کرتی ہیں کہ اس دن حساب کتاب مد سے زیادہ دقیق اور حساس ہوگا۔ اور قیامت میں ناپ تول کا ترازو اس قدر ظریف ہوگا، کہ وہ انسان کے چھوٹے سے چھوٹے اعمال کا وزن اور اس کا حساب کر لے گا۔

چند نکات

۱: قیامت کے حساب کتاب میں وقت اور سخت گیری

نہ صرف اس سورہ کی آخری آیات سے، بلکہ قرآن کی مختلف آیات سے ابھی طرح معلوم ہوتا ہے کہ قیامت میں اعمال کی حساب سی میں مد سے زیادہ وقت اور مشاغل فانیات ہوں گی۔ سورۃ لقمان کی آیہ ۱۶ میں آیا ہے، ”یا بنی انہا ان تک مشال حبة من خردل فتکفن فی صخرۃ او فی السملوات او فی الارض یا ت ہا اللہ ان اللہ لطیف خبیر“ ”اے بیٹے! اگر ایک دانے کے دانے کے برابر بھی (نیک یا بد عمل ہوگا) اور وہ پتھر کے اند یا آسمان یا زمین کے کسی گوشہ میں چھپا ہوا ہوگا، تو خدا (قیامت میں) حاضر رہی کے لیے اُسے لے آئے گا۔ بے شک خدا لطیف و خبیر ہے۔

”خردل“ رانی کا دانہ، جو بہت ہی چھوٹا ہوتا ہے، اور وہ چھوٹے ہونے میں ضرب المثل ہے۔

یہ تعبیریں اس بات کی نشان دہی کرتی ہیں کہ اس حساب کتاب میں چھوٹے سے چھوٹے کاموں کا بھی عاسبہ ہوگا۔ ضمنی طور پر یہ آیات اس بات کی تنبیہ کرتی ہیں کہ نہ تو چھوٹے گناہوں کو کم اہمیت شمار کریں، اور نہ ہی چھوٹے نیک کاموں کو۔ وہ چیز جس کا

خدا حساب لے گا، چاہے وہ کچھ بھی ہو کم اہمیت نہیں ہے۔

اسی لیے بعض مفسرین نے یہ کہا ہے کہ یہ آیات اس وقت نازل ہوئیں جب پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعض صحابہ قحطی کے مال کے خرچ کرنے کے سلسلہ میں بے اعتنائے تھے۔ وہ یہ کہتے تھے کہ اجر و ثواب تو ان چیزوں پر دیا جاتا ہے جنہیں ہم دوش رکھتے ہیں، اور چھوٹی چھوٹی چیزیں ایسی نہیں ہوتیں جن سے ہمیں کچھ لگاؤ اور محبت ہو، اور اسی طرح سے وہ چھوٹے چھوٹے گناہوں کے سلسلہ میں بھی بے اعتنائے تھے، لہذا یہ آیات نازل ہوئیں، اور انہیں چھوٹی اور کم خیرات کرنے کی بھی ترغیب دی، اور چھوٹے چھوٹے گناہ کرنے سے ڈرایا۔

۲۔ ایک سوال کا جواب

یہاں ایک سوال سامنے آتا ہے، اور وہ یہ ہے کہ ان آیات کے مطابق انسان قیامت میں اپنے سب اعمال، چاہے وہ اچھے ہوں یا بُرے، چھوٹے ہوں یا بڑے، دیکھے گا۔ یہ معنی آیات "اجاب" و "تخیر" اور آیات "عفو" و "توبہ" کے ساتھ کیے سازگار ہو سکتا ہے۔ کیونکہ آیات "اجاب" تو یہ کہتی ہیں کہ بعض عمل مثلاً "کفر" انسان کی تمام نیکیوں کو ختم کر دیتا ہے۔ لکن اشرفیت لیحبطن عملک (زمرہ- ۶۵) اور آیات "تخیر" کے مطابق بعض اوقات نیکیاں بڑائیوں کو ختم کر دیتی ہیں ان الحسنات ینذہبن السیئات (ہود- ۱۱) اور عفو و توبہ کی آیات یہ کہتی ہیں کہ عفو الہی کے ساتھ میں توبہ کرنے سے گناہ مٹا ہو جاتے ہیں، یہ سارے منہوم تمام نیک و بد اعمال کا مشاہدہ کرنے کے سلسلہ کے ساتھ کیے مطابقت کرتے ہیں؟

اس سوال کے جواب میں ایک نکتہ کی طرف توجہ کرنا چاہیے اور وہ یہ ہے کہ: وہ دو اصول جو اوپر والی آیات میں بیان ہوئے ہیں اور جو یہ کہتے ہیں کہ انسان اچھے اور بُرے کام کا ایک ایک ذرہ تک دیکھے گا، ایک قانون کلی کی صورت میں ہے، اور ہم جانتے ہیں کہ ہر قانون میں کچھ مستثنیات ہو سکتے ہیں، لہذا آیات عفو و توبہ، اور اجاب و تخیر حقیقت میں اس قانون کلی میں استثنائات کی حیثیت رکھتے ہیں۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ "اجاب" و "تخیر" کے سلسلہ میں درحقیقت موازنہ اور ایک جہز و انگارہ دینا ہوتا ہے، اور یہ ٹھیک مطالبات اور قرضوں کے مانند ہے، جن میں ایک دوسرے سے منہا ہو جاتے ہیں، جس وقت انسان اس موازنہ کا نتیجہ دیکھتا ہے تو حقیقت میں اُس نے اپنے تمام اچھے اور بُرے اعمال کو دیکھ لیا ہے۔ یہی بات "عفو" و "توبہ" میں بھی جانتی ہے، کیونکہ غفویات و شائستگی کے بغیر صورت پذیر نہیں ہوتا، اور توبہ خود ایک نیک عمل ہے۔

بعض نے یہاں ایک اور جواب دیا ہے، جو صحیح نظر نہیں آتا، اور وہ یہ ہے کہ کافر اپنے اچھے اعمال کا نتیجہ اسی دنیا میں دیکھ لیں گے، جیسا کہ مومن اپنے بُرے اعمال کی سزا اسی جہان میں پالیتے ہیں۔ لیکن ظاہر یہ ہے کہ زیر بحث آیات قیامت کے ساتھ مربوط ہیں نہ کہ دنیا کے ساتھ، علاوہ ازیں یہ کوئی کلیہ نہیں ہے کہ ہر مومن و کافر اپنے اعمال کا نتیجہ دنیا میں دیکھے۔

۳۔ قرآن کی سب سے زیادہ جامع آیات

"عبداللہ بن مسعودؓ سے نقل ہوا ہے کہ قرآن مجید کی سب سے زیادہ حکم آیات "فمن یعمل مثقال ذرۃ خیراً یأیرہ و من

یعمل مثقال ذرۃ شترایره " ہی ہیں۔ اور وہ انہیں "جامعہ" سے تعبیر کیا کرتے تھے، اور یہی بات یہ ہے کہ ان کے مطالب پر گرا ایمان اس بات کے لیے کافی ہے کہ انسان کو راہ حق پر چلائے اور ہر قسم کے فساد و شر سے روکے۔ اسی لیے ایک حدیث میں آیا ہے کہ ایک شخص نے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں اگر عرض کی، علفی ما حلت اللہ جو کچھ خدا نے آپ کو تعلیم دی ہے اس میں سے مجھے بھی تعلیم دیجئے۔

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُسے اپنے اصحاب میں سے ایک کے سپرد کر دیا تاکہ وہ اُسے قرآن کی تعلیم دے۔ اور اس نے اُسے سورہ "اذا زلزلت الارض" کی آفریک تعلیم دی۔ وہ شخص اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا اور کہا: میرے لیے تو یہی کافی ہے۔ (اور ایک اور دوسری روایات میں آیا ہے کہ اس نے یہ کہا: "تکفیننی هذه الآية": "یہی ایک آیت میرے لیے کافی ہے؟") پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اسے اس کے حال پر چھوڑ دو کہ وہ ایک موفقیہ ہو گیا ہے۔ (اور ایک روایت کے مطابق آپ نے فرمایا: رجع فقیہا: وہ فقیہ ہو کر لوٹا ہے) اس کی وجہ بھی واضح ہے، کیونکہ جو شخص یہ جانتا ہو کہ ہمارے اعمال، چاہے ایک ذرہ کے برابر ہوں، یا رانی کے ایک دانہ کے برابر، ان کا حساب لیا جائے گا، تو وہ آج ہی سے اپنے حساب کتاب میں مشغول ہو جائے گا اور اس کا اس کی تربیت پر سب سے زیادہ اثر ہوگا۔

اس کے باوجود ابوسعید خدری سے آیا ہے کہ جس وقت آیہ فمن يعمل... نازل ہوئی تو میں نے عرض کیا: اے رسول خدا کیا میں اپنے تمام اعمال کو دیکھوں گا؟ آپ نے فرمایا: ہاں! میں نے کہا: ان بڑے بڑے کاموں کو فرمایا: ہاں! میں نے کہا: چھوٹے چھوٹے کام بھی؛ فرمایا: ہاں! میں نے کہا: دل سے کچھ پیر میری عوا میں بیٹھے۔ فرمایا: اے ابوسعید! تجھے بشارت ہو، کیونکہ نیکیاں دس گنا شمار ہوں گی جو سات سو تک ہو سکتی ہیں اور خدا جس شخص کے لیے چاہے گا اس سے بھی کئی گنا کر دے گا۔ لیکن برگناہ کے لیے صرف ایک ہی گناہ کی سزا ملے گی، یا خدا معاف کر دے گا اور جان لے کہ کوئی شخص اپنے عمل کی وجہ سے نجات نہیں پائے گا مگر یہ کہ خدا کا کرم اس کے شامل حال ہو جائے نہ عرض کیا: اے رسول خدا! کیا آپ بھی؛ فرمایا: ہاں! میں بھی مگر یہ کہ خدا مجھے اپنی رحمت کا مشمول قرار دے۔

خداوند! جب تیرا پیغمبر اس عظمت و بزرگی کے باوجود موصوف حیرت بخش اور غفور پر دل بستہ ہے تو ہمارے یہی حال تو واضح ہے۔ پروردگار! اگر ہمارے اعمال ہماری نجات کا معیار ہوں تو دوائے ہے ہماری حالت پر اور اگر تیرا کرم ہمارا بار و دھار ہو تو پھر غرور شامال ما۔ بار الہا! جس دن ہمارے سارے چھوٹے بڑے گناہ ہمارے سامنے مجسم ہو جائیں گے، اس دن کے لیے ہم صرف تیرے ہی نطف و کرم پر نظر رکھتے ہوئے ہیں۔

اختتام قوجہ

تیسویں شب ماہ مبارک رمضان ۱۴۰۸ھ

وقت ۱۲ بجکر ۲۱ منٹ شب

برخان حقیر قم مقدس جمہوری اسلامی ایران

آمین یا رسول اللہ
سورہ "زلزلہ" کا اختتام

۱۔ تفسیر روح البیان، جلد ۱۰ ص ۴۹۵۔ یہی مضمون "نور المشتعلین" جلد ۵ ص ۶۰ میں بھی لکھا ہے۔

۲۔ "در المنثور" جلد ۶ ص ۳۸۱

سُورَةُ الْعَدِیَّتِ

یہ سورہ مکہ میں نازل ہوا۔

اس میں ۱۱ آیات ہیں۔

سُورہ "والعادیات" کے مطالب اور اس کی فضیلت

اس بارے میں کہ یہ سُورہ "مکہ" میں نازل ہوا ہے یا "مدینہ" میں مفسرین کے درمیان شدید اختلاف ہے۔ بہت سوں نے تو اسے مکہ شام کیا ہے جب کہ ایک جماعت اسے مدنی سمجھتی ہے۔
 آیات کے مطلع کا مختصر اور چھوٹا ہونا اور قسموں پر مبنی، اور اسی طرح مسئلہ معاد کے بارے میں بیان ایسے قرآن میں جو اس کے "مکّی" ہونے کی تائید کرتے ہیں۔

لیکن دوسری طرف سے اس سُورہ کی قسموں کا مضمون، جو جہاد کے مسائل سے زیادہ مناسبت رکھتا ہے، جیسا کہ انشاء اللہ تفصیل کے ساتھ بیان ہوگا، اسی طرح وہ روایات جو یہ کہتی ہیں کہ یہ سُورہ جنگ "ذات السلاسل" کے بعد نازل ہوا ہے۔
 (یہ وہ جنگ ہے جو ہجرت کے آٹھویں سال واقع ہوئی تھی، اور اس میں کفار کے بہت سے گروہ قیدی بنائے گئے تھے، اور انہیں حکم رسیدوں سے باندھا گیا تھا، لہذا اس کا نام "ذات السلاسل" ہو گیا، جس کی تفصیل انشاء اللہ آیات کی تفصیل میں آئے گی۔
 یہ اس سُورہ کے مدنی ہونے پر گواہ ہے، یہاں تک کہ اگر ہم اس سورہ کے آغاز کی قسموں کو حاجیوں کے منی و مشعر کی طرف جانے پر ناظر سمجھیں، تب بھی یہ مدینہ ہی کے ساتھ مناسبت رکھتا ہے۔

یہ ٹھیک ہے کہ مراسم حج اپنی اکثر فروعیات کے ساتھ زماذ جاہلیت کے عرلول میں بھی — نسبتِ ابراہیمی کی اقتدا کرنے کی وجہ سے — رواج رکھتے تھے لیکن وہ غرافات کے ساتھ ایسے آلودہ ہو چکے تھے کہ یہ بات بعید نظر آتی ہے کہ قرآن نے ان کی قسم کھائی ہو۔

ان تمام جہات کی طرف توجہ کرتے ہوئے ہم اس کے "مدنی" ہونے کو ترجیح دیتے ہیں۔
 ہم نے جو کچھ بیان کیا ہے اس سے سُورہ کے مطالب بھی واضح ہو گئے ہیں کہ آغاز میں کچھ بیدار کرنے والی قسموں کا ذکر کرتا ہے

اور اس کے بعد نوع انسانی کی چند روایں مثلاً کفر، بخل اور دنیا پرستی کو درمیان میں لے آتا ہے، اور انجام کار مسئلہ معاد پر ایک مختصر اور گویا اشارہ اور بندوبست پر خدا کے علمی احاطہ پر سورہ کو ختم کرتا ہے۔

اس سورہ کی تلاوت کی فضیلت کے بارے میں پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے آیا ہے:

”من قرأھا اعطی من الاجر عشر حسنات، بعد من بات بالمزلة، وشهد جمعاً“

”جو شخص اس کی تلاوت کرے گا تو ان تمام حاجیوں کی تعداد سے (جو عید قربان کی رات) ”مزلوفہ“ میں توقف کرتے ہیں، اور وہاں حاضر رہتے ہیں، دس گنا زیادہ نیکیاں اُسے دی جائیں گی۔“

ایک اور حدیث میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے آیا ہے:

”من قرأ والعاذیات وادمن قرائتها بشاء اللہ مع امیر المؤمنین (سلام اللہ علیہ) یوم القیامة خاصہ، وکان فی حجرہ ورفقائہ:

”جو شخص سورہ والعاذیات کو پڑھے گا، اور اس کی تلاوت کرے گا، تو خدا اُسے

قیامت کے دن خصوصیت کے ساتھ امیر المؤمنین (سلام اللہ علیہ) کے ہمراہ بعوث

کرے گا، اور وہ آپ کی جماعت میں اور آپ کے دوستوں کے درمیان ہوگا۔“

بعض روایات سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ سورہ والعاذیات نصف قرآن کے برابر ہے۔

یہ بات کچھ بغیر ظاہر و واضح ہے کہ یہ تمام فضیلتیں ان لوگوں کے لیے ہیں جو اس کو اپنی زندگی کا لائحہ عمل بنالیں گے، اور اس کے تمام مطالب و مضامین پر ایمان رکھیں گے اور اس پر عمل کریں گے۔

۱۔ ”جمع“ و ”بشمع الحرام“ کے ناموں میں سے ایک نام ہے اس بنا پر کہ لوگ وہاں جمع ہوتے ہیں، یا وہاں نماز مغربہ مثلاً

فصلہ کے بغیر پڑھی جاتی ہے۔

۲۔ ”مجمع البیان“ جلد ۱۰ ص ۵۲۷

۳۔ ”مجمع البیان“ جلد ۱۰ ص ۵۲۷

۴۔ ”در المنثور“ جلد ۶ ص ۲۸۲

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

- ۱- وَالْعَدِيدِ ضُبْحًا ۝
- ۲- فَالْمُورِيَّتِ قَدْحًا ۝
- ۳- فَالْمُغِيرَتِ صُبْحًا ۝
- ۴- فَاثَرْنَ بِهِ نَقْعًا ۝
- ۵- فَوَسَطْنَ بِهِ جَمْعًا ۝
- ۶- إِنَّ الْإِنْسَانَ لِرَبِّهِ لَكَنُودٌ ۝
- ۷- وَإِنَّهُ عَلَىٰ ذَٰلِكَ لَشَهِيدٌ ۝
- ۸- وَإِنَّهُ لِحُبِّ الْخَيْرِ لَشَدِيدٌ ۝
- ۹- أَفَلَا يَعْلَمُ إِذَا بُعْثِرَ مَا فِي الْقُبُورِ ۝
- ۱۰- وَحُصِّلَ مَا فِي الصُّدُورِ ۝
- ۱۱- إِنَّ رَبَّهُم بِمَا يَكُونُ لِيَوْمِذٍ لَّخَبِيرٌ ۝

ترجمہ

- شروع اللہ کے نام سے جو رحمان و رحیم ہے
- ۱۔ ان فراٹے بھرتے ہوئے سرپٹ دوڑنے والے گھوڑوں کی قسم (جو میدانِ جہاد کی طرف پیش رفت کرتے ہیں)۔
 - ۲۔ اور ان کی قسم جو (اپنے سہل سے پتھروں پر ٹاپ مارتے ہوئے) چنگاریاں نکالتے ہیں۔
 - ۳۔ اور صبح ہوتے ہی دشمن پر یلغار کر دیتے ہیں۔
 - ۴۔ اور اس سے ہر طرف گرد و غبار ہی گرد و غبار کر دیتے ہیں۔
 - ۵۔ اور یکایک دشمن کے دل بادل میں گھس جاتے ہیں۔
 - ۶۔ بے شک انسان اپنے پروردگار کی نعمتوں کے سامنے ناشکرا اور بخیل ہے۔
 - ۷۔ اور وہ خود بھی اس معنی پر گواہ ہے۔
 - ۸۔ وہ مال کے ساتھ شدید لگاؤ اور محبت رکھتا ہے۔
 - ۹۔ کیا وہ نہیں جانتا کہ اُس دن جو بھی قبروں میں ہیں وہ سب زندہ ہو جائیں گے۔
 - ۱۰۔ اور جو کچھ سینوں کے اندر (چھپایا ہوا) ہے، وہ آشکار اور ظاہر ہو جائے گا۔
 - ۱۱۔ اس دن ان کا پروردگار ان سے مکمل طور پر باخبر ہے۔

شانِ نزول

ایک حدیث میں آیا ہے کہ یہ سورہ جنگ " ذات السلاسل " کے بعد نازل ہوا، اور اس کا واقعہ اس طرح ہے۔
ہجرت کے آٹھویں سال پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خیبر ملی کہ بارہ ہزار سوار سرزمین " یالین " میں جمع ہیں، اور انہوں نے ایک دوسرے کے ساتھ یہ عہد کیا ہے کہ جب تک پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور علی علیہ السلام کو قتل نہ کریں اور مسلمانوں کی حاجت

کو منتشر نہ کر دیں آرام سے نہیں بیٹھیں گے۔

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے اصحاب کی ایک بہت بڑی جماعت کو بعض صحابہ کی سرکردگی میں ان کی جانب روانہ کیا، لیکن وہ کافی گفتگو کے بعد بغیر کسی نتیجہ کے واپس لوٹ آئے۔

آخر کار پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے علی علیہ السلام کو مہاجرین و انصار کے ایک گروہ کثیر کے ساتھ ان سے جنگ کرنے کے لیے بھیجا۔ وہ بڑی تیزی کے ساتھ دشمن کے علاقہ کی طرف روانہ ہوئے اور رات بھر میں سارا سفر طے کر کے مجھوم دشمن کو اپنے محاصرے میں لے لیا۔ پہلے تو ان کے سامنے اسلام کو پیش کیا۔ جب انہوں نے قبول نہ کیا تو ابھی فضا تاریک ہی تھی کہ ان پر حملہ کر دیا اور انہیں درہم برہم کر کے رکھ دیا، ان میں سے کچھ لوگوں کو قتل کیا، ان کی عورتوں اور بچوں کو اسیر کر لیا اور بکثرت مال غنیمت کے طور پر حاصل کیا۔ سورہ "والعادیات" نازل ہوئی حالانکہ ابھی سرایان اسلام مدینہ کی طرف لوٹ کر نہیں آئے تھے۔ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس دن نماز صبح کے لیے آئے تو اس سورہ کی نماز میں تلاوت کی۔ نماز کے بعد صحابہ نے عرض کیا، یہ تو ایسا سورہ ہے جسے ہم نے آج تک سنا نہیں ہے۔

فرمایا: ہاں! علیؑ دشمنوں پر فتح یاب ہوئے ہیں اور جبریلؑ نے گزشتہ رات یہ سورہ لاکر مجھے بشارت دی ہے۔

کچھ دن کے بعد علیؑ غنائم اور قیدیوں کے ساتھ مدینہ میں وارد ہوئے۔

بعض کا نظریہ یہ ہے کہ یہ واقعہ اس سورہ کے واضح مصداقین میں سے ایک ہے۔ یہ اس کا شان نزول نہیں ہے۔

تفسیر بیدار مجاہدین کی قسم

ہم بیان کر چکے ہیں کہ یہ سورہ بیدار کرنے والی قسموں سے شروع ہوا ہے۔ پہلے فرماتا ہے: "ان فرسٹے بھرتے ہوئے سر پرٹ دوڑنے والے گھوڑوں کی قسم" (جو میدان جہاد کی طرف پیش رفت کرتے ہیں)۔ "والعادیات ضبیحا" یا حاجیوں کے ان اوتاروں کی قسم جو اپنے ہونٹے ہوئے سر زمین عرفات سے مشرق احوام اور مشرق سے مکی کی طرف چلتے ہیں۔ "عادیات" عادیۃ کی جمع ہے، جو "عدو" (بروزن صبر) کے مادہ سے ہے، اصل میں گزرنے اور بڑھا ہونے کے معنی میں ہے، چاہے دل سے ہو، جسے عداوت کہتے ہیں، یا خارجی حرکت اور چلنے سے ہو جسے "عدو" (دوڑنا) کہتے ہیں اور کبھی یہ معاملات میں ہوتی ہے جسے "عدوان" کہتے ہیں اور یہاں وہی سرعت اور تیزی کے ساتھ دوڑنا ملا ہے۔ "ضبیح" (بروزن مرح) تیزی اور سرعت کے ساتھ دوڑنے والے کے سانس کی آواز کے معنی میں ہے جو اس کے دوڑنے

۱۔ بحار الانوار جلد ۲۱ ص ۳۶ سے آگے، مجمع البیان جلد ۱۰ ص ۵۲۸ اور بعض دوسری کتب تاریخ۔

۲۔ قاعدہ کی رو سے "والعادیات عدو" کنا چاہیے، لیکن چونکہ عدو (دوڑنے) کا لازمی سانس نکالنا ہے، لہذا اس کے بجائے "ضبیح" کہا گیا ہے۔

بعض نے یہ کہا ہے کہ آیت میں ایک محذوف ہے اور تقریر میں اس طرح ہے۔ والعادیات یضبحن ضبیحا۔

کے وقت کانوں میں آتی ہے۔

جیسا کہ ہم نے اوپر اشارہ کیا ہے۔ اس آیت کی تفسیر میں دو نظریے موجود ہیں۔

پہلا نظریہ یہ ہے کہ اس سے مراد ان گھوڑوں کی قسم ہے جو سرعت اور تیزی کے ساتھ میدانِ ہما کی طرف آگے بڑھتے ہیں اور چونکہ ہما ایک مقدس امر ہے اس لیے جانور بھی اس مقدس راستے میں اس طرح کی قدر و قیمت پیدا کر لیتے ہیں کہ وہ اس قابل ہو جاتے ہیں کہ ان کی قسم کھائی جائے۔

دوسری تفسیر ان اونٹوں کی قسم ہے جو جیسے عظیم فریضہ میں موقوف اور امانت مقدس میں سرعت اور تیزی کے ساتھ چلتے ہیں، اس بنا پر وہ ایک تقدس کے حامل بن جاتے ہیں اور قسم کے لائق ہیں۔

ایک حدیث میں آیا ہے کہ "ابن عباسؓ سے روایت ہے، کہ انہوں نے فرمایا :

"میں خانہ کعبہ کے پاس حجر اسماعیل میں تھا کہ ایک شخص آیا اور اس نے آیہ والعلیات ضحیٰ کے بارے میں مجھ سے سوال کیا۔ میں نے کہا : "اس سے مراد وہ گھوڑے ہیں جو راہِ ہما میں حملہ کرتے ہیں اور رات کو اپنے آرام کرنے کی جگہ پر لوٹ آتے ہیں، اور وہ غریب لڑنے والے جہاد میں ہیں جو آگ روشن کرتے ہیں اور اپنے لیے کھانا پکاتے ہیں۔"

وہ شخص میرے پاس سے چلا گیا اور علی علیہ السلام کے پاس پہنچا، آپ اس وقت چاہہاں حرم کے پاس بیٹھے ہوئے تھے۔ اس نے آپ سے بھی اس آیت کے بارے میں سوال کیا۔

آپ نے فرمایا : کیا تم نے مجھ سے پہلے بھی کسی شخص سے اس آیت کے بارے میں سوال کیا ہے؟ اس نے عرض کیا : ہاں ! میں نے ابن عباس سے پوچھا ہے اور انہوں نے کہا ہے کہ اس سے مراد وہ گھوڑے ہیں جو راہِ ہما میں حملہ کرتے ہیں؟ آپ نے فرمایا : جلد اور اُسے میرے پاس بلا لاؤ۔

جب میں حضرتؓ کی خدمت میں آیا تو آپ نے فرمایا :

جو بات تم نہیں جانتے اس کے بارے میں لوگوں کو فتوے کیوں دیتے ہو۔ اسلام میں سب سے پہلا خروہ جنگِ بدر تھا، اور ہمارے پاس دو گھوڑوں کے سوا کچھ بھی نہیں تھا۔ ایک گھوڑا "زیر" کے پاس اور دوسرا گھوڑا "مقاد" کے پاس تو "عادیات" سے مراد گھوڑے کیسے ہو سکتے ہیں؟ ایسا نہیں ہے۔ اس سے مراد اونٹ ہیں جو عرفات سے مشرق کی طرف اور مشعرے منیٰ کی طرف جاتے ہیں۔ ابن عباسؓ کہتے ہیں : جب میں نے یہ سنا تو میں نے اپنا نظریہ بل لیا اور میری زمین علی علیہ السلام کے نظریہ کو قبول کر لیا۔ ۱

یہ احتمال بھی ہے کہ "عادیات" ایک وسیع معنی رکھتا ہے۔ لہذا یہ جاہل کے گھوڑوں کو بھی شامل ہے اور عاجیل کے اونٹوں کو بھی، اور اوپر والی روایت سے مراد یہ ہو کہ اس کے معنی گھوڑوں میں محدود نہیں کرنا چاہیے کیونکہ یہ معنی تمام مقامات پر صادق نہیں آتا۔ اس کا سب سے

زیادہ واضح مصداق حاجیوں کے اونٹ ہیں۔

یہ تفسیر کسی جہات سے زیادہ مناسب نظر آتی ہے۔

اس کے بعد مزید فرمایا ہے: "تسم ہے ان کی جو آگ کی چنگاریاں نکالتے ہیں۔" (فالموردات قدحاً۔)

حاجیوں کے وہ گھوڑے جو میدان جنگ کی طرف انتہی تیزی کے ساتھ جلتے ہیں کہ ان کے سہل کے پتھروں پر ٹکرانے سے چنگاریاں نکلتی ہیں، یا وہ اونٹ جو سرعت کے ساتھ مواقع جج میں دوڑتے ہیں اور ان کے پاؤں کے نیچے سے ٹکریاں اور ریت اڑتی ہے اور ان کے دوسرے سگرنیل کے ساتھ ٹکرانے کی وجہ سے چنگاریاں نکلتی ہیں۔

یا وہ قبیلے اور گروہ جو مواقع جج میں کھانا پکانے کے لیے آگ جلاتے ہیں، یا ان لوگوں سے کنایہ ہے جو جنگ اور جہاد کی آگ بھڑکاتے ہیں، یا ان زبانوں کی طرف اشارہ ہے جو لپٹے چھنے والے بیلوں سے دشمن کے دل میں آگ لگا دیتے ہیں، یا بعض منتسبین کے قل کے مطابق اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو لوگوں کی عبادت کو انجام دینے کے لیے کوشش کرتے ہیں اور اپنا مقصود حاصل کر لیتے ہیں جیسے کہ آگ جہنم کے پتھر سے باہر آتی ہے۔ لیکن یہ سارے احتمالات بعید نظر آتے ہیں اور آیت کا ظاہر وہی پہلی دو تفسیریں ہیں۔

"موردات" "ایراد" کے مادہ سے "موردۃ" کی جمع ہے جو آگ بھڑکانے کے معنی میں ہے اور "قدح" چنگاری نکالنے کے لیے پتھر یا ٹکڑی یا لوبہ یا چھتاق کو ایک دوسرے پر مارنے کے معنی میں ہے۔

اس کے بعد تیسری قسم میں فرمایا ہے: "اور صبح ہوتے ہی دشمن پر حملہ کرنے والوں کی قسم" (فالمغیرات صبحاً)۔

عربوں کی عادت۔ جیسا کہ طبری نے محج البیان میں لکھا ہے۔ یہ معنی کہ وہ رات کے وقت دشمن کے علاقے کے قریب جا کر گھات میں بیٹھ جاتے تھے تاکہ صبح سویرے ان پر حملہ کر دیں۔

ان آیات کی شانِ نعل (یا اس کے ایک واضح مصداق) میں یہ آیا ہے کہ لشکر اسلام علی علیہ السلام کی کمان میں رات کی تاریکی سے فائدہ اٹھاتے ہوئے میدان جنگ کی طرف بڑھتا پایا گیا اور دشمن کے قبیلے کے قریب پہنچ کر گھات لگا کر بیٹھ گیا اور صبح سویرے بجلی کی سی تیزی کے ساتھ ان پر حملہ کر دیا اور دشمن کے ردِ عمل دکھانے سے پہلے پہلے ان کی طاقت کو دم دم برجم کر دیا۔

اور اگر ہم ان قسموں کو حاجیوں کے اونٹوں کی طرف اشارہ سمجھیں تو پھر اس آیت سے مراد اونٹوں کے قافلے کا حمید کی صبح مشعرے معنی کی طرف دوڑتے ہوئے آنا ہے۔

"مغیرات" اغارة کے مادہ سے "مغیرۃ" کی جمع ہے، جو ہجوم کرنے اور دشمن پر حملہ کرنے کے معنی میں ہے۔ چکر لڑنے والے اوقات یہ ہجوم اور حملہ مال لوٹنے کی غرض سے ہوتا ہے لہذا یہ لفظ بعض اوقات فارسی میں عام معنی یعنی غارت کرنے اور دوسروں کا مال چھیننے کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔

بعض نے یہ کہا ہے کہ اس لفظ کے مادہ میں گھوڑے کے ساتھ ہجوم اور حملہ کرنا چڑھا ہوا ہے، لیکن اس کے سوا استعمال الہی طرح اس بات کی نشان دہی کرتے ہیں کہ اگر ابتداء میں یہ قید موجود تھی بھی تو بعد کا اب ختم ہو گئی ہے۔

اور یہ جو بعض نے احتمال دیا ہے کہ یہاں "مغیرات" سے مراد وہ ہجوم کرنے والے طوائف و قبائل ہیں جو میدان جنگ کی طرف، یا جملت اور تیزی کے ساتھ معنی کی طرف چلتے ہیں، بعید نظر آتا ہے کیونکہ آیت "والعادیات ضبْحاً" یعنی طرد پر گھوڑوں یا اونٹوں کی

توصیف ہے ذکر ان کے سواروں کی، اور یہ آیت بھی اسی مطلب کو جاری رکھے ہوئے ہے۔

اس کے بعد ان مجاہدین اور ان کی سواروں کی ایک اور خصوصیت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے مزید فرماتا ہے: "دشمن پر اس قدر تیزی کے ساتھ دوڑ کر جاتے ہیں کہ جن کی دیر سے ہر طرف گرد و غبار ہی گرد و غبار کر دیتے ہیں۔" (خاتون بہ فقہاً) ۱۲

یہ کہ حاجیل کے اونٹوں کے شعر سے مٹی کی طرف ہجوم کے زیر اثر ہر طرف سے گرد و غبار اٹھتا ہے۔

"اثرن" اشارہ کے مادہ سے "غبار" یا "دھوئیں" کو ہانگنا کرنے کے معنی میں ہے۔ اور بعض اوقات ہجان میں لانے کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے، اسی طرح فضا میں آواز کی لہروں کے پھیلنے کے معنی میں آیا ہے۔

"نقع" (بروزن نفع) غبار کے معنی میں ہے اور اس مادہ کی اصل پانی کے نیچے چلا جانا، یا کسی کے پانی کے نیچے چلے جانے کے معنی میں ہے اور چونکہ غبار میں دُوب جانا بھی اس سے مشابہت رکھتا ہے لہذا اس لفظ کا اس پر اطلاق ہوا ہے نفع یعنی ناسک اور کھڑے ہونے والی کلمہ بآنا ان کی خصوصیات میں سے آخری خصوصیت کے بارے میں فرماتا ہے: "وہ اسی صبح دشمن کے درمیان پہنچ گئے۔" (فوسطن بہ جمعاً) ۱۳

انہوں نے غفلت کی حالت میں دشمن پر ایسی برق رفتاری کے ساتھ حملہ کیا کہ چند ہی لمحوں کے اندر صفوں کو دو دم برجم کر کے رکھ دیا، ان کے قلب لشکر پر حملہ کر کے ان کی جمیعت کو بتر بتر کر دیا اور یہ اسی سرعت عمل، بیاداری، آمادگی، شہامت اور شجاعت کا نتیجہ ہے یا یہ حاجیل کے "شعر" سے قلبی معنی میں دشمن کی طرف اشارہ ہے۔

بعض نے یہ بھی کہا ہے کہ اس سے مراد دشمن کو محاصرے میں لے لینا ہے۔ لیکن یہ تفسیر اسی صورت میں صحیح ہوگی جب "فوسطن" کا جملہ "سین" کی تشدید کے ساتھ پڑھا جائے۔ جب کہ مشہور قزاق اس طرح نہیں ہے۔ اس بنا پر صحیح وہی پہلا معنی ہے مجموعی طور پر اس سارے مضمون کو یکجا کر کے یہ مطلب نکلتا ہے کہ ان مذکورہ گھوڑوں کی قسم جو پہلے تو بڑنی سرعت کے ساتھ فرسٹے بھرتے سانس نکالتے میدان جہاد کی طرف پیش رفت کرتے ہیں، پھر ان کی سرعت میں ایسی تیزی آتی ہے کہ پتھروں پر ان کے سوں کی ٹاپوں سے چنگاریاں نکلتی ہیں، جو رات کی تاریکی کو چیر کر رکھ دیتی ہیں اور اس کے بعد جب وہ دشمن کے علاقے میں پہنچ جاتے ہیں تو ابھی وہ غفلت میں ہی ہوتے ہیں کہ فضا کے صاف اور روشن ہوتے ہی ان پر حملہ کر دیتے ہیں، ایسا حملہ، جس سے فضا میں گرد و غبار اٹھاتا ہے اور انجام کار وہ دشمن کی جمیعت کے قلب میں وارد ہو کر ان کی صفوں کو دو دم برجم کر دیتے ہیں۔

ان طاقتور اور پُر قدرت گھوڑوں کی قسم

ان شجاع اور بہادر سواروں کی قسم

مجاہدین کے گھوڑوں کے فرسٹے بھرنے کی قسم

۱۲ "بہ" کی ضمیر "ہرد" (دوڑنے) کی طرف لٹکتی ہے جس کا "والسادیات ضیحاً" کے جملہ سے استفادہ ہوتا ہے۔ اس بنا پر "بہ" بیان

"سبیت" کے معنی میں ہے، یعنی اس دوڑنے کے سبب سے گرد و غبار فضا کو پُر کر دیتا ہے۔ بعض نے یہ احتمال بھی دیا ہے کہ یہ اس زمانہ یا مکھ

کی طرف لٹکتی ہے جس میں یہ تہمت و اتارا انجام پائی ہے۔ اس بنا پر "بہ" ظرفیت کے معنی میں ہے، لیکن صحیح وہی پہلا معنی ہے۔

۱۳ "بہ" کی ضمیر کے مرجع اور "بہ" کے معنی کے سلسلہ میں یہاں وہی بحث ہے جو پہلی آیت میں تھی۔

ان پتنگاریں کی قسم جو ان کے سہل سے نکلتی ہیں۔
 غفلت کی حالت میں ان کے حملے کی قسم
 گرد و غبار کے ان قدات کی قسم جو فضا میں پھیل جاتے ہیں۔
 اور انجام کار ان کے دشمن کی صفوں کے قلب میں وارد ہو کر انہیں درہم برہم کر کے
 فتح یاب ہونے کی قسم۔

اگرچہ وہ تمام باتیں جو بیان کی گئی ہیں وہ ان قسموں کے معنی میں نہیں آتی ہیں، لیکن کلام کی ضمنی دلالت میں یہ سب جمع ہیں۔
 اور یہیں سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ جہاد اس قدر عظمت رکھتا ہے کہ مجاہدین کے گھوڑوں کا فراٹے بھڑنا اور سانس لینا تک
 بھی لائق قسم ہے۔ اسی طرح پتھروں پر ان کی ٹاپوں سے نکلنے والی پتنگاریاں اور اسی طرح وہ گرد و غبار جو وہ فضا میں اڑاتے ہیں، ہاں ہاں!
 میدان جہاد کا گرد و غبار بھی قابل قدر اور با عظمت ہے۔

بعض نے کہا ہے کہ ان قسموں سے مراد احتمالاً وہ نفوس ہیں جو اپنے کمالات کو دوسروں کی طرف منتقل کر سکیں اور اپنے افکار سے
 علم و دانش کی پتنگاریاں نکالیں اور ہر آدمی ہوس پر حملہ آور ہوں اور اپنے اندر دوسروں میں خدا کا شوق پیدا کریں۔ اور انجام کار سائنین ملیں گے
 قلب میں مقام حاصل کریں گے۔

لیکن یہ بات واضح ہے کہ ان باتوں کو زور دانی آیات کی تفسیر کے عنوان سے قبول نہیں کیا جاسکتا۔ بلکہ یہ وہ تشبیہات ہیں جو آیت کی
 تفسیر سے مناسبت کی وجہ سے ذہن میں آتی ہیں۔

ابن حنیم قسموں کے بعد جواب قسم، یعنی وہ چیز جس کے لیے قسمیں کھائی گئی ہیں پیش کرتے ہوئے فرماتا ہے :
 ”بے شک انسان اپنے پروردگار کی نعمتوں کے بارے میں ناشکرا اور بغیل ہے۔ (ان الانسان لربہ کفور)۔
 وہی غیر تربیت یافتہ انسان وہی انسان جس کے دل پر محارف الہی اور انبیاء کی تعلیمات کے انوار نہیں چمکے۔ اور وہی انسان
 جس نے خود کو خواہشات نفسانی اور سرکش شہوتوں کا تابع بنا لیا ہے، یقیناً وہ ”نا شکرا“ اور ”بغیل“ ہے۔

”کنود“ اس زمین کو کہتے ہیں جس میں کوئی چیز نہیں اُگتی۔ ناشکرے اور بغیل انسان پر بھی اس کا اطلاق ہوتا ہے۔
 مفسرین نے کنود کے لیے بہت سے معنی بیان کیے ہیں۔ ”البراق شرح لازمی“ نے تقریباً پندرہ معانی اس سلسلہ میں نقل کیے ہیں، لیکن
 ان میں سے اکثر اسی اصل معنی کے شاخ و برگ ہیں جو ادب پر بیان ہوا ہے۔ مزید معانی یہ ہیں :

- ۱۔ کنود اس شخص کو کہتے ہیں جو اپنی مصیبتوں کو تو بڑھا چڑھا کر بیان کرے لیکن نعمتوں کو بھول جائے۔
- ۲۔ کنود اس شخص کو کہتے ہیں جو خدا کی نعمتوں کو اکیلا ہی کھاتا ہے اور دوسروں کو روکتا ہے۔ جیسا کہ ایک حدیث میں پیغمبر اکرم
 صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے آیا ہے :

”اتعدون من الکنود“

”کیا تم جانتے ہو کہ کنود کسے کہتے ہیں؟“

لوگوں نے عرض کیا اللہ اس کا رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی زیادہ بہتر جانتے ہیں، تو آپ نے فرمایا:

”الكنود الذی یاكل وحده، و يمنع رفته و یضرب عبده“

۲۔ ”کنود اس شخص کو کہتے ہیں جو اکیلے ہی اکیلے کھاتا ہے اور دوسروں سے عطا و بخشش کو روکتا ہے۔

اور اپنے ماتحت غلاموں کو مارتا ہے۔“

۳۔ کنود وہ شخص ہے جو مشکلات و مصائب میں اپنے دوستوں کے ساتھ ہمدردی نہیں کرتا۔

۴۔ کنود وہ ہے جس کی نیکیاں بہت ہی کم ہوں۔

۵۔ کنود وہ شخص ہے کہ جب اسے کوئی نعمت ملتی ہے تو وہ اسے دوسروں کو نہیں دیتا اور اگر کسی مشکل میں گرفتار ہو جائے

تو بے صبری دکھاتا اور بہت گڑبگڑاتا ہے۔

۶۔ کنود جو اللہ کی نعمتوں کو مصیبت میں صرف کرتا ہے۔

۷۔ کنود وہ شخص ہے جو خدا کی نعمتوں کا انکار کرتا ہے۔

لیکن جیسا کہ ہم نے بیان کیا ہے، یہ سب معانی اسی نا شکری اور بخل کی شاخ و برگ اور مصادیق ہیں۔

ایسے موارد میں ”انسان“ کی تعبیر، بیکار، ہوا پرست، سرکش اور باطنی انسان کے معنی میں ہے، اور بعض نے اس کی کافر انسان سے تفسیر کی ہے۔ ورنہ یقیناً ہر انسان ایسا نہیں ہے کیونکہ بہت سے انسان ایسے ہیں کہ جن کی ندرج میں شکرگزاری اور عطا و بخشش گندمی ہوئی ہے، اور وہ نا شکری اور بخل سے بیزار ہیں۔ اسی طرح وہ انسان جنہوں نے اللہ پر ایمان کے سائے میں خود خواہی اور خود پرستی کو چھوڑ دیا ہے، اور پھر دنگار کے اسماء و صفات کی معرفت اور اخلاق الہی کی فضا میں آسمان پر بلند پروازی کر رہے ہیں۔

اس کے بعد مزید کہتا ہے: ”اور وہ خود بھی اسی معنی پر گواہ ہے۔ (وانہ علی ذالک لعمید)۔

کیونکہ انسان اپنے نفس کے بارے میں اچھی طرح آگاہ ہے اور اگر وہ اپنی اندرونی صفات کو ہر شخص سے چھپا سکتا ہو تو خدا اور اپنے وجہان سے مخفی نہیں رکھ سکتا، چاہے وہ اس حقیقت کا اعتراف کرے یا نہ کرے۔

بعض نے یہ بھی کہا ہے کہ ”انہ“ کی ضمیر ”خدا“ کی طرف لوٹتی ہے، یعنی خدا انسان میں کنود کی صفت کے وجود کا گواہ ہے۔

لیکن قبل و بعد کی آیات کی طرف توجہ کرتے ہوئے، جن میں اس سے مشابہ ضمیر کی انسان کی طرف لوٹتی ہیں، یہ احتمال بہت ہی بعید نظر آتا ہے، اگرچہ بہت سے مفسرین نے اس تفسیر کو ترجیح دی ہے۔

یہ احتمال بھی دیا گیا ہے کہ اس سے مراد انسان کی اپنے گناہوں اور عیوب پر قیامت میں گواہی دینا ہے، جیسا کہ قرآن کی بہت سی آیات سے معلوم ہوتا ہے۔

اس تفسیر کے لیے بھی یہاں کوئی دلیل نہیں ہے کیونکہ آیت ایک وسیع مفہوم رکھتی ہے جو اس دنیا میں بھی اس کے کفران اور بخل پر گواہی کو شامل ہے۔

یہ شیک ہے کہ بعض اوقات انسان اپنی شناخت سے عاجز ہو جاتا ہے، اور اصطلاح کے مطابق اپنے وجہان کو دھوکا دیتا ہے اور

شیطان آرائش و زیبائش اُس کی مذموم صفات کو اس کی نظر میں خوبصورت بنا کر جلوہ گر کر دیتی ہیں۔ لیکن خصوصیت کے ساتھ کفران و بُخل کے بارے میں مطلب اس قدر واضح ہے کہ اس کی پردہ پوشی نہیں کی جاسکتی اور اپنے وجدان کو دھوکا نہیں دیا جاسکتا۔

بعد والی آیت میں مزید کہتا ہے: ”وہ مادی چیزوں اور مال سے شدید لگاؤ اور محبت رکھتا ہے: (وانہ لحب الخیر لشہید) اور مال و دولت کے ساتھ اس کا یہی شہرہ اور کثرت سے لگاؤ اس کے بُخل، ناشکری اور کفران کا سبب بن جاتا ہے۔

البتہ ”خیر“ ایک وسیع معنی رکھتا ہے، جو ہر قسم کی نیکی کو شامل ہے۔ اور یقینی طور پر بہت سی نیکیوں اور اچھی چیزوں مثلاً علم و دانش، تقویٰ اور بہشت و سعادت سے لگاؤ اور محبت کوئی ایسا مذموم مطلب نہیں ہے کہ قرآن اور پر والی تعبیر کے ساتھ اس کی مذمت کئے اسی لیے مفسرین نے اس کی یہاں ”مال“ کے معنی سے تفسیر کی ہے، جس پر قرینہ مقام اور گردشہ آیت بھی گواہ ہے، اور قرآن کی بعض دوسری آیات بھی (اس کی گواہی دیتی ہیں) مثلاً: سورہ بقرہ کی آیہ ۱۸۰، جن میں فرماتا ہے: ”کتب علیک اذا حضر احدکم الموت ان ترک خیرا الوصیۃ للوالدین والاقربیین“ تم پر فرض ہے کہ اگر تم میں سے کوئی کچھ مال چھوڑ جائے تو وہ باپ ماں اور نزدیکوں کے لیے وصیت کرے۔

مسئلہ طور پر ”مال“ پر ”خیر“ کا اطلاق اس بنا پر ہے کہ مال اپنی ذات کی حد تک ایک اچھی چیز ہے۔ اور وہ انواع و اقسام کی نیکیوں کا ذریعہ بن سکتا ہے۔ لیکن ناشکرا اور بُخل انسان اس کو اس کے اصلی ہدف سے روک کر خود پسندی اور خود غرضی کی راہ میں استعمال کرتا ہے۔ اس کے بعد ایک استقامت انگاری کی صورت میں روئندہ کیے کے ساتھ تمام ہے فرماتا ہے: ”کیا یہ ناشکرا، بُخل اور دنیا پرست انہی پر نہیں ہوتا کہ جب وہ سب کے سب جو قبروں میں ہیں وہ زندہ ہو جائیں گے؟ (افلا یعلموا اذا بعثنا ما فی القبور)۔

اور جب وہ تمام چیزیں جو سینوں میں ہیں جیسے کفر و ایمان، اخلاص و دیا، تکبر و غرور، تواضع و انکسار اور اچھی اور بُری چیزیں، سب آشکار ہو جائیں گی۔ (وحصل ما فی الصدور)۔

”اس دن ان کا پردہ گاران سے اور ان کے اعمال اذیتوں سے آگاہ ہے۔ اور اس کے مطابق ہی انہیں جزا و سزا دے گا۔

زان مریضہ صلیو مئذ الخیر)۔

”بعث“ ”بعثۃ“ (بروزن منعبتہ) کے مادہ سے اصل میں زیر و زبر کرنے، باہر نکالنے اور استخراج کرنے کے معنی میں ہے۔ اور چونکہ مومن کو زندہ کرنے کے وقت قبریں زیر و زبر ہوں گی، اور جو کچھ ان میں جمعہ ظاہر ہو جائے گا، لہذا اور پر والی آیات میں یہ تعبیر قیامت کے بارے میں استعمال ہوئی ہے۔

”ما فی القبور“ کی تعبیر (اس بات کی طرف توجہ کرتے ہوئے کہ ”ما“ عام طور پر غیر ذوی العقول کے لیے آتا ہے) یا تو اس بنا پر ہے کہ اس میں یہ بات مد نظر ہے کہ مرنے والے ابھی سٹی ہیں، یا یہ اُس ابہام کی بنا پر ہے جو اس پر حاکم ہے کہ معلوم نہیں کون سے اشخاص ہیں؟

”قبور“ (قبروں) کی تعبیر اس سے کوئی منافات نہیں رکھتی کہ لوگوں کا ایک گروہ اصولاً قبر نہیں رکھتا مثلاً وہ لوگ جو دنیا میں دوبارہ پائیں:

ل ”لحب الخیر“ کی ”لام“ ممکن ہے ”لام تعدیہ“ ہو یا لام علت پہلے احتمال کی بنا پر اس کی تفسیر یہ ہے جو اوپر بیان ہو چکی ہے اور دوسرے احتمال کی بنا پر آیت کا مضمون اس طرح ہے انسان مال کی محبت کی وجہ سے بُخل ہے، لیکن مسئلہ یہ کہ پھر تفسیر زیادہ مناسب ہے۔

یا ان کی قبر ایک مدت کے بعد ختم ہو جاتی ہے اور ان کی مٹی بکھر جاتی ہے کیونکہ ان لوگوں کی اکثریت بد نظر ہے جو قبر رکھتے ہیں۔ علاوہ ازیں ممکن ہے کہ قبر یہاں ایک وسیع معنی رکھتی ہو، یعنی وہ جگہ جہاں لوگوں کی مٹی موجود ہو اگرچہ وہ عام قبر کا صورت میں نہ ہو۔

”حاصل“ تحصیل کے مادہ سے اصل میں ”پھلکے“ سے ”مغز“ کو باہر نکالنے کے معنی میں ہے۔ اسی طرح معلون کو صاف کرنے اور سونے وغیرہ کو کان کے پتھر سے نکالنے پر بلایا جاتا ہے۔ اس کے بعد یہ ایک وسیع معنی یعنی مطلق استخراج کرنے اور الگ کرنے کے معنی میں استعمال ہونے لگا، اور زیر بحث آیت میں اس غیر و شر اور نیکی و برائی کو جدا کرنا مراد ہو جو دونوں میں چھپی ہوئی ہے چاہے وہ ایمان و کفر ہو، یا صفات حسنہ و ذلیلہ، یا اچھی اور بُری نیتیں، وہ سب کی سب اس دن ایک دوسرے سے جدا اور ظاہر و آشکار ہو جائیں گی۔ اور ہر شخص کو ان کے مطابق جزا و سزا ملے گی۔

جیسا کہ سورہ طارق کی آیہ ۹ میں آیا ہے: ”یوم تبلی السرائی“ اس دن سارے اندرونی بھید ظاہر و آشکار ہو جائیں گے۔ ”یوم مٹھ“ کی تعبیر اور اس معنی پر لکھیے کہ خدا ”اس دن“ ان کے اعمال اور ان کے دلوں میں چھپے ہوئے بھیدوں سے آگاہ ہوگا حالانکہ ہم جانتے ہیں کہ خدا ہمیشہ ان مسائل سے آگاہ ہے، اس بنا پر ہے کہ وہ دن روزِ جزا ہے، اور وہ انہیں ان کے اعمال و عقائد کی جزا دے گا۔

بعض منتظرین کے قتل کے مطابق اس تعبیر کی مثال اس طرح ہے کہ کوئی شخص دوسرے سے تہدید کے طور پر کہے ”سأعرفك لحرق“ ”میں عنقریب تجھے تیرے عمل کا تعارف کراؤں گا۔“ حالانکہ آج ہی اس قسم کا تعارف موجود ہے، یہاں ملا ہے کہ اس کا نتیجہ اور بدلہ تجھے دوں گا۔ ہاں! خدا ہمیشہ اور ہر حالت میں اندر اور باہر کے اسرار سے مکمل طور پر آگاہ ہے، لیکن اس آگاہی کا اثر قیامت میں اجر و ثواب اور جزا و سزا کے وقت زیادہ ظاہر اور زیادہ آشکار ہو جائے گا۔ اور یہ تمام انسان کے لیے ایک تنبیہ ہے کہ اگر واقعات اس پر ایمان رکھیں تو یہ چیز ان کے اور گناہوں کے درمیان ایک طاقتور سد بن جائے گی، چاہے وہ گناہ آشکار ہوں یا پنهان، اندرونی گناہ ہوں یا بیرونی، اور اس عقائد کا تربیت پر کیا اثر پڑتا ہے کسی سے پوشیدہ نہیں ہے۔

چند نکات

اس سورہ کی قسموں اور اس کے ہدف کے درمیان رابطہ

اس سورہ کے سلسلہ میں جو سوالات سامنے آتے ہیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ مجاہدین کے گھوڑوں کی قسم اور ”ان الانسان لربہ لکفور“ کے جملہ کے درمیان کیا ربط ہے؟ کیونکہ قرآن کی آیات کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ہمیشہ قسموں اور قسم بہ (جس کچھ لیے قسم کھائی گئی ہے) کے درمیان ایک قسم کا ربط موجود ہوتا ہے، اور اصلی طور پر قرآن کی فصاحت و بلاغت بھی اس قسم کے مطلب کا انعکاس کرتی ہے۔ زیر بحث آیات میں ممکن ہے اس طرح کا ربط ہو کہ قرآن یہ کہتا ہے کہ ایسے ایثار کرنے والے انسان بھی موجود ہیں جو جہاد کے راستہ میں بے پروا ہو کر پیش رفت کرتے ہیں اور کسی قسم کی فداکاری میں کوتاہی نہیں کرتے، اور اپنی جان و مال خدا کی راہ میں دے دیتے ہیں۔ لیکن بعض لوگ اتنے بخل اور ناشکرے کیوں بن جاتے ہیں کہ تو وہ حق تعالیٰ کی نعمتوں کے مقابلہ میں خدا کی حمد و ثنا کرتے ہیں اور نہ ہی اس کی راہ

میں ایسا کرتے ہیں؟

یہ ٹھیک ہے کہ قسم تو گھڑوں ہی کی کھائی گئی ہے لیکن ہم جانتے ہیں کہ ان کی اہمیت اس لحاظ سے ہے کہ وہ مجاہدین کے لیے ایک آلہ ہیں، اور حقیقت میں مجاہدین کے جہاد کی قسم کھائی گئی ہے۔ (اور اسی طرح اگر یہ عاجیوں اور غارہ خدا کے زائرین کے اڈنوں کی قسم ہو)۔ بعض نے یہ بھی کہا ہے کہ یہ ربط اس طرح سے حاصل ہوتا ہے کہ یہ جانور حق تعالیٰ کی راہ میں شہادت کے ساتھ جاتے ہیں۔ پس اسے انسان تو کہیں اس کے سامنے سب تسلیم فرم نہیں کرتا جب کہ تو اشرف المخلوقات ہے اور اس کے زیادہ لائق ہے؛ لیکن پہلی مناسبت زیادہ واضح ہے۔

۲۔ کیا انسان طبعاً ناشکرا اور بخیل ہے؟

ممکن ہے کہ لوگ ان الانسان لربہ لکنود کے جملے سے یہ مفہوم لیں کہ "کنود" کی حالت میں ہونا اپنی ناشکری اور بخیل کرنا سب انسانوں کی طبیعت کا جزء ہے۔ پھر یہ سوال سامنے آتا ہے کہ یہ امر بیدار و جان اور فطری شعور کے ساتھ، جو انسان کو شکر منعم اور ایثار و قربان کی دعوت دیتا ہے، کیسے سازگار ہو سکتا ہے؟

اس قسم کا سوال، قرآن مجید کی بہت سی آیات میں، جو انسان کی کمزوریوں کے واضح نقاط کو بیان کرتی ہیں، سامنے آتا ہے۔

ایک جگہ انسان کو "ظلم و جہول" شائبہ کیا گیا ہے۔ (احزاب - ۷۲)

دوسری جگہ "خلوع" (مطمرف) (سورج - ۱۹)

ایک دوسری جگہ "یٹوس کفور" (مایوس و ناشکرا) (صد - ۹)

ایک اور مقام پر طامعی اور سرکش (ملق - ۶) کے ساتھ متعارف ہوا ہے۔

کیا واقفا ضعف و کمزوری کے یہ نقاط انسان کی طبیعت میں پوشیدہ ہیں، حالانکہ قرآن مرحمت کے ساتھ کتابچہ کہ خدا نے آدم کو کرم بنایا ہے اور سب مخلوق پر اُسے برتری دی ہے: ولقد کوننا بنی آدم و جعلناھم فی البر والبحر ورزقناھم من الطیبات وفضلناھم علی کثیر من خلقنا تفضیلاً (اسراء - ۷۰)

اس سوال کا جواب ایک نکتہ کی طرف توجہ کرنے سے واضح ہو جاتا ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ انسان دو بُعد و جہات وجودی رکھتا ہے، اور اسی بنا پر وہ اپنے "قوس صعودی" میں "اعلیٰ علین" تک پہنچ جاتا ہے اور اپنے "قوس نزولی" میں اسفل سافلین میں جا گرتا ہے۔ اگر وہ مریبان الہی سے تربیت پائے، حقل کے پیام سے ہدایت حاصل کرے اور اپنی اصلاح کرے تو وہ "فضلناھم علی کثیر من خلقنا تفضیلاً" کا مصداق ہو جاتا ہے۔

اور اگر ایمان و تقویٰ سے منہ موڑ لے، اور اولیائے خدا کی رہنمائی سے باہر نکل جائے، تو پھر وہ "ظلم و جہول" "یٹوس کفور" اور "خلوع" و "کنود" کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے۔

اس طرح ان آیات کے درمیان کسی قسم کا تضاد موجود نہیں ہے، البتہ ان میں سے ہر ایک کا انسان کے ایک بُعد اور جہت کے ساتھ تعلق ہے۔

ہاں ! انسان کی فطرت کے اندر تمام نیکیوں، اچھائیوں اور افتخارات و فضائل کی اصل اور جڑ پوشیدہ ہے اور اسی طرح انسان ان فضائل کے نقطہ مقابل کے لیے بھی آمادگی رکھتا ہے۔ اسی لیے عالم آفرینش کی کسی بھی مخلوق کے قوس صعودی و نزولی کے دو بیان اس قدر فاصلہ اور فوری نہیں ہے، (غور کیجئے)

۳۔ جہاد کی عظمت

قرآن مجید میں جہاد اور راہِ خدا کے مجاہدین کی عظمت کے بارے میں بہت ہی زیادہ گفتگو ہوئی ہے۔ یکس شایہ یہ سلسلہ کسی جگہ بھی اس عظمت کے ساتھ بیان نہیں ہوا کہ ان کے گھوڑوں کے پٹھانٹنے، ان کے سہل سے نکلنے والی چنگاریاں اور ان کے تیز ہڈے سے اُٹھنے والا گرد و غبار تک بھی اس قدر با عظمت سمجھا جائے، کہ اس کی قسم کھائی جائے۔ خصوصاً ان کے سرعتِ عمل پر، جو جنگوں میں کامیابی کا اہم ترین عامل ہے، تکیہ ہوا ہے، اور عظمت کی حالت میں جالیٹنے پر بھی جو جنگ میں موفقی ہونے کا ایک اور عامل ہے، تکیہ ہوا ہے۔

اور یہ سب جہاد کے پروگرام کے سلسلہ میں ایک تربیت اور تعلیم ہے۔ قابلِ توجہ بات یہ ہے کہ اس سورہ کے شانِ نزول میں بھی آیا ہے کہ علی علیہ السلام نے یہ حکم دیا تھا کہ رات کی تاریکی میں اپنی ساریاں کو تیار کر لیں، انہیں ضروری خوراک دیں، اُن پر زین لیں اور سیکل طور پر (الہیٹ) تباہی کی ضرورت میں آجائیں، جب رات کی تاریکی کا پردہ ہٹا تو آپ نے فوراً اپنے ساتھیوں کے ساتھ نماز صبح ادا کی، اور بلا فاصلہ دشمن پر حملہ کر دیا، اور دشمن اس وقت بیمار ہوا جب مجاہدین اسلام کے گھوڑے ان کے سرول پر پہنچ گئے۔

عظمت کی حالت میں اس سرِ برج حملہ سے تلف ہونے والوں کی تعداد بھی بہت کم رہی، اور جنگ کا خاتمہ بھی مختصر سے وقت میں ہو گیا، اور قابلِ توجہ بات یہ ہے کہ یہ سب باتیں اس سورہ کی آیات میں بہت ہی عمدہ طریقے سے بیان ہوئی ہیں۔ یہ بات صاف طور پر ظاہر ہے کہ نہ تو گھوڑوں میں کوئی خصوصیت ہے اور نہ ہی بیابان کے پتھروں پر سہل کے ٹکانے سے پیدا ہونے والی چنگاریاں کوئی خصوصیت رکھتی ہیں، اور نہ ہی ان کے پاؤں سے اُٹھنے والا گرد و غبار، جو چیز خصوصیت رکھتی ہے وہ سلسلہ جہاد ہے اور اس کے بعد اس کے آلات ہیں جو موجود زمانہ کے تمام جنگی وسائل کو شامل ہیں جیسا کہ سورہ انفال کی آیت ۹ میں "رباط الخیل" (قوی اور طاقتور گھوڑوں) کے بیان میں "قوة" اور "طاقت" کے بارے میں کلی طور پر گفتگو ہوئی ہے۔

خداوند ! ہمیں اپنی رضا اور خوشنودی کی راہ میں جہاد کرنے اور قربانی دینے کی توفیق مرحمت فرما۔
پردہ و گارا ! نفس سرکش ناشکری اور کفران کی طرف مائل رہتا ہے، ہمیں اس کے خطرات سے محفوظ فرما۔
بارِ الہا ! تو ہر شخص کے اندر بیرونی اسرار سے آگاہ ہے اور ہمارے اعمال سے باخبر ہے۔ اپنے لطف و کرم اور عنایت و بخشش سے ہمارے ساتھ سلوک کر۔

آمین یا رب العالمین

اختتام سورہ والعدایات

اختتام ترجمہ شب ۲۵ رمضان المبارک یکم ذی الحجہ ۱۴۱۱ھ

برکات حیرت مقدس جمہوری اسلام آباد



سُورَةُ الْقَارِعَةِ

❖ یہ سورہ مکہ میں نازل ہوا۔

❖ اس میں ۱۱ آیات ہیں

سُورَةُ قَارِعَةٍ کے مطالب اور اس کی فضیلت

اس سورہ میں کلی طور پر معاد اور اس کے مقدمات کے بارے میں گفتگو ہے۔ اس میں مجھے والی تعبیریں ہیں، بلا دینے والے بیان میں اور صریح دواضع انکار اور تنبیہ ہے۔ اور آخر میں انسان کی دو گروہوں میں تقسیم کا بیان ہے۔

ایک گروہ تو وہ ہے جن کے اعمال عمل النہی کی میزان میں فتنی ہوں گے، اور ان کی جزا حق تعالیٰ کے جوار رحمت میں سراسر رضایت بخش زندگی ہے۔ اور دوسرا گروہ وہ ہے جن کے اعمال بلکہ اور کم فتنی ہوں گے، ان کی سزا شدت جہنم کی جلالت سے طاری آگ ہے۔

اس سورہ کا نام یعنی "قارعة" اس کی پہلی آیت سے لیا گیا ہے۔

اس کی فضیلت کے سلسلہ میں بس اتنا ہی کافی ہے کہ ایک حدیث میں امام محمد باقر علیہ السلام سے آیا ہے:

"من قرأ القارعة آمنه الله من فتنة الدجال ان يؤمن به، ومن قبح جهنم يوم القيامة ان شاء الله؛

"جو شخص سورہ "قارہ" کو پڑھے گا تو خداوند تعالیٰ اسے دجال کے فتنہ اور اس پر ایمان لانے سے محفوظ رکھے گا، اور اسے قیامت کے دن انشاء اللہ پیپ سے دور رکھے گا۔"

سُورَةُ الْقَارِعَةِ

- ١- الْقَارِعَةُ ۝
- ٢- مَا الْقَارِعَةُ ۝
- ٣- وَمَا أَدْرَاكَ مَا الْقَارِعَةُ ۝
- ٤- يَوْمَ يَكُونُ النَّاسُ كَالْفَرَاشِ الْمَبْثُوثِ ۝
- ٥- وَتَكُونُ الْجِبَالُ كَالْعِهْنِ الْمَنْفُوشِ ۝
- ٦- فَأَمَّا مَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِينُهُ ۝
- ٧- فَهُوَ فِي عِيشَةٍ رَاضِيَةٍ ۝
- ٨- وَأَمَّا مَنْ خَفَّتْ مَوَازِينُهُ ۝
- ٩- فَأُمُّهُ سَاوِيَةٌ ۝
- ١٠- وَمَا أَدْرَاكَ مَا هِيَ ۝
- ١١- نَارُ حَامِيَةٍ ۝

ترجمہ

- شروع اللہ کے نام سے جو رحمان و رحیم ہے
- ۱۔ وہ چھینے والا حادثہ ۔
 - ۲۔ اور وہ کیسا چھینے والا حادثہ ہے ؟
 - ۳۔ اور تو کیا جانے کہ وہ چھینے والا حادثہ کیسا ہے ؟
 - ۴۔ وہ دن جس میں لوگ پر لگندہ پروانوں کی طرح ہر طرف دوڑ رہے ہوں گے ۔
 - ۵۔ اور پہاڑ دھنکی ہوئی رنگین اُلوں کی طرح ہو جائیں گے ۔
 - ۶۔ (اس دن) جس کے اعمال کا ترازو وزنی ہوگا ۔
 - ۷۔ وہ ایک پسندیدہ زندگی میں ہوگا ۔
 - ۸۔ لیکن جس کا ترازوئے اعمال ہلکا ہوگا ۔
 - ۹۔ اُس کی پناہ گاہ ہاویہ (جہنم) ہوگی ۔
 - ۱۰۔ اور تو کیا جانے کہ ہاویہ کیا ہے ؟
 - ۱۱۔ ایک جلا ڈالنے والی آگ ہے ۔

تفسیر

چھینے والا حادثہ

ان آیات میں، جو قیامت کا تعارف کراتی ہیں، پہلے ارشاد ہوتا ہے : ” وہ چھینے والا حادثہ “ (القارعة)۔
 ” اور وہ کیسا چھینے والا حادثہ ہے ؟ “ (ما القارعة)۔
 ” اور تو کیا جانے کہ وہ چھینے والا حادثہ کیسا ہے ؟ “ (وما ادراك ما القارعة)۔

”قارعة“ ”قرع“ (بروزن فرغ) کے مادہ سے، کسی چیز کو کسی دوسری چیز پر اس طرح رگڑنے کے معنی میں ہے کہ اس سے سخت آواز پیدا ہو، تازیانہ اور تھوڑے کو بھی اسی مناسبت سے ”مقرعة“ کہتے ہیں، بلکہ ہر اہم اور سخت حادثہ کو ”قارعة“ کہا جاتا ہے۔ یہاں تانیث کا تاء ممکن ہے تاکید کی طرف اشارہ ہو۔

ان تفسیروں سے جو دوسری اور تیسری آیات میں آئی ہیں، جن میں پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک سے یہ قول ہے کہ تو کیا جانے یہ سخت اور سرکوبی کرنے والا حادثہ کیا ہے؛ واضح ہو جاتا ہے کہ یہ چبھنے والا حادثہ اس قدر عظیم ہے کہ اس کے ابعاد اور مختلف جہات ہر شخص کے ذہن میں نہیں آسکتے۔

ہر حال بہت سے مفسرین نے کہا ہے کہ ”قارعة“ قیامت کے ناموں میں سے ایک نام ہے، لیکن انہوں نے ٹھیک طور سے یہ واضح نہیں کیا کہ کیا یہ تفسیر قیامت کے مقدمات کی طرف اشارہ ہے جس میں عالم دنیا دھم دھم ہو جائے گا، آفتاب جلتا، تاریک ہو جائیں گے، سمندر دل میں آگ لگ جائے گی۔ اگر اس طرح ہو تو پھر اس حادثہ کے لیے ”قارعة“ کے نام کے انتخاب کی وجہ واضح ہے۔

دوم اس سے دوسرا مرحلہ مراد ہو، یعنی مڑوں کے زندہ ہونے اور عالم ہستی میں ایک نئی طرح ڈالنے کا مرحلہ، اور ٹکرانے اور چبھنے کی تعبیر اس بنا پر ہے کہ اس دن وحشت و خوف اور ڈر دلوں سے ٹکرائیں گے اور ان کی سرکوبی کریں گے۔
 وہ آیات جو اس کے بعد آئی ہیں ان میں سے بعض ترجمان کے مطابق دربارہ ہونے کے حادثہ سے مناسبت رکھتی ہیں اور مڑوں کے زندہ ہونے کے ساتھ، لیکن مجموعی طور سے پہلا احتمال زیادہ مناسب نظر آتا ہے، اگرچہ ان آیات میں دونوں حادثے یکے بعد دیگرے ذکر ہوئے ہیں (قرآن کی اور بہت سی دوسری آیات کے مانند جو قیامت کی خبر دیتی ہیں)۔

اس کے بعد اس عجیب و غریب دن کے تعارف میں کہتا ہے، ”وہی دن جس میں لوگ پرانندہ، حیران و پریشان، پر دلوں کی طرح ہر طرف جائیں گے“ (یوم یكون الناس كالغرائس المبتوثات)۔

”غرائس“ ”غرائسہ“ کی جمع ہے، بہت سے اسے ”پروانہ“ کے معنی میں سمجھتے ہیں، بعض نے اس کی ”مڑی دل کے معنی میں تفسیر کی ہے، اور ظاہر ہے معنی مڑی قمر کی آیت سے لیا ہے جو لوگوں کو اس دن پرانندہ مڑی دل سے تشبیہ دیتی ہے، (کأنهم جراد منتشر) درنہ اس کے لغوی معنی ”پروانہ“ ہی ہیں۔

بہر حال ”پروانہ“ کے ساتھ تشبیہ اس لیے ہے کہ پروانے اپنے آپ کو دیوانہ وار آگ پر پھینک دیتے ہیں۔ بلکہ لوگ بھی اپنے آپ کو جہنم کی آگ میں ڈالیں گے۔
 یہ احتمال بھی ہے کہ پروانہ کے ساتھ تشبیہ ایک خاص قسم کی حیرت و سرگردانی کی طرف اشارہ ہے، جو اس دن تمام انسانوں پر غالب ہوگی۔

اور اگر ”غرائس“ مڑی دل کے معنی میں ہو تو پھر مذکورہ تشبیہ اس لیے ہے کہ کتے ہیں بہت سے پرندے اڑتے وقت ایک معین راستہ میں اکٹھے پرواز کرتے ہیں، سوائے مڑی دل کے، جو گروہ کی صورت میں اڑتے ہوئے بھی کوئی شخص راستہ نہیں دیکھتے، بلکہ ان میں سے ہر ایک کسی دوسری ہی طرف اڑ رہا ہوتا ہے۔

پھر یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہ حیرت و پرانگی و سرگروانی اور وحشت و اضطراب جہان کے خاتمہ کے ہولناک حوادث کی وجہ سے ہوگا، یا قیامت اور حشر و نشر کے آغاز کی وجہ سے۔

اس سوال کا جواب ہمارے اسی بیان سے جو ہم نے اوپر بیان کیا ہے واضح ہو جاتا ہے۔

اس کے بعد اس دن کی ایک اور خصوصیت کو بیان کرتے ہوئے مزید کہتا ہے: "اور پہاڑ دھنکی ہوئی رنگین اٹن کساند ہو جائیں گے"۔ (وتكون الجبال كالعهن المنفوش)۔

"عهن" (بروزن ذہن) رنگی ہوئی اٹن کے معنی میں ہے۔

اور "منفوش" "نقش" (بروزن نقش) کے مادہ سے اٹن کو پھیلانے کے معنی میں ہے جو عام طور پر دھکنے کے مخصوص آلات کے ذریعے اٹن کو دھکنے سے انجام پاتی ہے۔

ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ قرآن کی مختلف آیات کے مطابق قیامت میں پہاڑ پھلے تو پھلے لگیں گے، پھر ایک دوسرے کے ساتھ ٹکرا کر ریزہ ریزہ ہو جائیں گے اور انجام کار غبار کی صورت میں فضا میں اڑنے لگیں گے۔ ذریعہ بھٹ آیت میں ان کو رنگین اور دھنکی ہوئی اٹن سے تشبیہ دی گئی ہے عالی اٹن جو تیز آدھی کے ساتھ چلے اور اس کا صرف رنگ ہی رنگ نمایاں ہو اور پہاڑوں کے ریزہ ریزہ ہو کر بچھرنے کا آخری مرحلہ ہوگا۔

مکن ہے یہ تیسرے پہاڑوں کے مختلف رنگوں کی طرف اشارہ ہو کہ ہر ایک زمین کے پہاڑوں میں سے ہر ایک ایک خاص رنگ رکھتا ہے۔

ہر حال یہ جملہ اس بات کی گواہی دیتا ہے کہ اوپر والی آیات قیامت کے پہلے مرحلوں، یعنی اس جہان کی دہلیز اور اختتام کے مرحلہ کی ہی بات کرتی ہیں۔

اس کے بعد حشر و نشر، مردوں کے زلف ہونے اور ان کی دگر دہوں میں تقسیم کو بیان کرتے ہوئے فرماتا ہے: "پس جس شخص کا ترازوئے عمل وزن ہوگا۔۔۔" (فاما من ثقلت موازينه)۔

"وہ ایک عمدہ اور پسندیدہ زندگی میں ہوگا" (فصوف عيشة راضية)۔

"لیکن جس شخص کا ترازوئے اعمال ہلکا ہوگا۔۔۔" (واما من خفت موازينه)۔

"تو اس کی پناہ گاہ جہنم ہے" (فامه هاوية)۔

اور تو کیا جانے ہاویہ (دوزخ) کیا ہے؟ (وما ادراك ماهيه)۔

"ایک جلائے والی آگ ہے" (نار حامية)۔

"موازنین" میزان کی جمع ہے جو تو لے کے ایک آلہ کے معنی میں ہے۔ یہ لفظ پہلے تو مادی وزن میں استعمال ہوتا رہا ہے اس کے بعد معنوی موازن اور مقایس کے لیے بھی استعمال ہونے لگا۔

بعض کا نظریہ یہ ہے کہ اس دن انسان کے اعمال جسمانی اور قابل وزن موجودات کی صورت اختیار کر لیں گے اور واقعی طور پر انہیں اعمال کے

۱ "ماہیہ" اصل میں "ماہی" تھا، پھر "ہاء سکت" کا اس سے الحاق ہوا۔

تولنے والے ترازوؤں کے ساتھ تولیں گے۔

یہ احتمال بھی دیا گیا ہے کہ خود نامہ اعمال کا وزن کیا جائے گا۔ اگر اس میں کچھ اعمال صالح لکھے ہوئے ہیں تو وہ سنگین اور بھاری ہوگا ورنہ وہ ہلکا یا بے وزن ہوگا۔

لیکن ظاہر ان ترجیحات کی ضرورت نہیں ہے۔ میزان یقینی طور پر ظاہری ترازو کے معنی میں نہیں ہے، جس میں مخصوص قسم کے پڑے ہوتے ہیں، بلکہ اس کا ہر قسم کے تولنے کے وسیلہ اور ذریعہ پر اطلاق ہوتا ہے۔ جیسا کہ ایک حدیث میں آیا ہے۔

"ان امیر المؤمنین والائمة من ذریتہ (ع) هم الموازين۔"

"امیر المؤمنین اور وہ انہر جو آپ کی ذریت میں ہیں وہی تولنے کے ترازو ہیں۔"

ایک حدیث میں نام مخصوص علیہ السلام سے آیا ہے کہ جب لوگوں نے آپ سے میزان کے معنی کے بارے میں سوال کیا تو آپ نے جواب میں فرمایا:

"المیزان العدل۔"

"تولنے کی ترازو وہی عدل ہے۔"

اس طرح اولیاء اللہ یا قاضی عدل الہی ہی وہ ترازو ہیں جن کے سامنے انسان اور ان کے اعمال کو پیش کیا جاتا ہے اور جس قدر وہ ان کے ساتھ مشابہت اور مطابقت رکھتے ہیں وہی ان کا وزن ہے۔
یہ بات واضح ہے کہ میزان کے "ہلکا" اور "بھاری" ہونے سے مراد خود تولنے کے ترازوؤں کی سنگینی و سبکی نہیں ہے، بلکہ ان چیزوں کا وزن ہے جن کو ان سے تولتے ہیں۔

فہنی طور پر "موازن" کی تفسیر جمع کی ضرورت میں اس بنا پر آئی ہے کہ اولیائے حق اور قاضی ہائے حق میں سے ہر ایک علیہ علیہ تولنے کی ایک میزان ہے۔ اس سے قطع نظر انسان کی صفات اور اعمال کا تنوع اس بات کا قضا کرتا ہے کہ ہر ایک کو ایک ترازو سے تولنا جائے، اور تولنے کے نمونے اور ترازو مختلف ہوں۔

"راغب" "مفردات" میں کہتا ہے: "قرآن مجید میں میزان کسی توغزو کی ضرورت میں آیا ہے اور کسی جمع کی صورت میں، پہلی ضرورت میں اس کے خلیہ آیا ہے جو حساب کرتا ہے یعنی خدا کے یکتا، اور دوسری صورت میں ان کے لیے ہے جن کا حساب ہوگا۔"

بعض مفسرین نے یہ بھی کہا ہے کہ موازن "موزن" کی جمع ہے، یعنی وہ عمل جس کا وزن کرتے ہیں۔ اس بنا پر موازن کا ہلکا یا بھاری ہونا خود اعمال کے ہلکا اور بھاری ہونے کے معنی میں ہے، نہ کہ ترازوؤں کے ہلکا اور بھاری ہونے کے معنی میں۔

البتہ دونوں کا تیسرا ایک ہے، لیکن دو مختلف راستوں سے۔

اس سلسلہ میں ہم نے سورہ اعراف کی آیہ ۸ کے ذیل میں (جلد ۴ ص ۴۲) پر، اور اسی طرح سورہ کہف کی آیہ ۱۰۵ کے

۱۵ "بھارا لاؤ" جلد ۴ ص ۲۵۱

۱۵ اس معنی کے "غشری" نے کلمات میں اور "فروازی" نے "تفسیر کبیر" میں اور "الانتقادی" نے اپنی تفسیر میں موازن کے معنی میں

دو احتمالات ہیں۔ ایک احتمال کے عنوان سے ذکر کیا ہے۔

فیل میں (جلد ۷ ص ۷۶) پر اور سورہ مومن کی آیہ ۱۰۲ کے فیل میں (جلد ۸ ص ۸) پر زیادہ تفصیل سے بیان کیا ہے۔
 "عیشتہ راضیہ" خوش و خرم زندگی کی تعبیر بہت ہی عمدہ اور ایک بلیغ تعبیر ہے، جو قیامت میں اہل بہشت کی نعمت اور سراسر سکون و آرام کی زندگی کے لیے بیان ہوئی ہے۔ یہ زندگی اتنی پسندیدہ اور رضایت بخش ہے گویا کہ وہ خود راضی ہیں، یعنی بجائے اس کے کہ "مرضیہ" کہا جائے، زیادہ سے زیادہ تاکید کے لیے "اسم مفعول" کی بجائے "اسم فاعل" استعمال ہوا ہے۔
 اور یہ عظیم امتیاز آخرت کی زندگی کے ساتھ ہی مخصوص ہے، کیونکہ دنیا کی زندگی چاہے جتنی بھی مرفہ، امن و امان اور رضایت و خوشنودی کے ساتھ ہو، پھر بھی ناخوشی اور ناپسندیدگی کے عوامل سے خالی نہیں ہوتی۔ یہ صرف آخرت ہی کی زندگی ہے جو سراسر رضایت و خوشنودی آرام و سکون اور امنیت و دل چسپی کا سبب ہے۔

فامہ حاویۃ کے جملہ میں "ام" کی تعبیر اس بنا پر ہے کہ "ام" ماں کے معنی میں ہے، اور ہم جانتے ہیں کہ ماں اولاد کے لیے ایک ایسی پناہ گاہ ہے جس کی طوٹ شکلات میں پناہ لیتے ہیں اور اس کے پاس رہتے ہیں، اور یہاں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ یہ بچے دن والے گنہگار، دوزخ کے علاوہ اور کوئی جگہ پناہ لینے کے لیے نہ پائیں گے۔ اس شخص کے حال پر واسطے ہے جس کی پناہ گاہ دوزخ ہوگی۔

بعض نے یہ بھی کیا ہے کہ یہاں "ام" کا معنی "مغز" (دماغ) ہے کیونکہ عرب سر کے مغز کو "ام الرأس" کہتے ہیں تو اس بنا پر آیت کا معنی یہ ہوگا کہ انہیں سر کے بل جہنم میں بھیجیں گے، لیکن یہ احتمال بعید نظر آتا ہے کیونکہ اس صورت میں حدودی آیت "وما ادراک ماہیہ" (تو کیا جانے کہ وہ کیا ہے) کا مفہوم درست نہیں رہے گا۔

"ہاویۃ" "ہوی" کے مادہ سے گرنے اور سقوط کرنے کے معنی میں ہے، اور وہ "دفع" کے ناموں میں سے ایک نام ہے کیونکہ گنہگار اس میں گرے گا اور یہ جہنم کی آگ کے حق اور گمراہی کی طرف بھی اشارہ ہے۔

اور اگر ہم "ام" کو یہاں "مغز" کے معنی میں لیں، تو "ہاویۃ" کا معنی گرنے والی ہوگا، لیکن پہلی تفسیر زیادہ صحیح اور زیادہ مناسب نظر آتی ہے۔

"حامیۃ" "حی" (مہض نفی) کے مادہ سے شدت حرارت کے معنی میں ہے، اور "حامیۃ" یہاں جہنم کی آگ کی حد سے زیادہ حرارت اور جلانے کی طرف اشارہ ہے۔

بہر حال یہ جملہ جو یہ کہتا ہے تو کیا جانے کہ "ہاویۃ" کیا ہے "ہاویۃ" جلانے والی آگ ہے، اس معنی پر ایک تائید ہے کہ قیامت کا عذاب اور جہنم کی آگ تمام انسانوں کے تصور سے بالاتر ہے۔

ایک نکتہ میزان اعمال کی سنگینی کے اسباب

اس میں شک نہیں کہ تمام نیک اور صالح اعمال کی قدر و قیمت یکساں نہیں ہے اور یہ آپس میں بہت زیادہ فرق رکھتے ہیں، بعض نے "راضیہ" کو "ذات رضا" کے معنی میں بھی سمجھا ہے، یا تصور میں کچھ فرض کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اس سے ملا اس زندگی والوں کی رضایت ہے، لیکن ان تین تفاسیر میں سے وہی تفسیر اذہر بیان ہوئی جو سب سے زیادہ مناسب ہے۔

اور اسی وجہ سے مختلف اسلامی روایات میں کچھ اعمال خیر پر بہت زیادہ زور دیا گیا ہے اور ان کو ہی قیامت میں میزان عمل کے بجاری ہونے کے اسباب شمار کیا گیا ہے۔

”بخاری ایک حدیث میں شریف اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے آیا ہے کہ آپ نے لا الہ الا اللہ کی تفسیر میں فرمایا :
”یعنی بوجدانیتہ لا یقبل الاعمال الا بها، وھو کلمۃ التتوی یشتمل
اللہ بها الموازن یوم القیامۃ :“

”لا الہ الا اللہ“ خدا کی وحدانیت کی طرف اشارہ ہے۔ اور کوئی عمل اس کے بغیر قبول نہیں ہوگا۔ یہ وہ کلمہ توتوی ہے جو عمل کو اپنے فائدے ترازو کو قیامت میں سنگین اور
فرتی بنائے گا۔“

ایک اور حدیث میں امیر المؤمنین حضرت علی علیہ السلام سے خدا کی وحدانیت اور پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت کی شہادت کے بارے میں آیا ہے :

”خف میزان ترفعان منه و قتل میزان توضعان فیہ“
”تو اپنے کا وہ ترازو جس سے شہادتیں کو اٹھایا جائے وہ ہلکا ہو جائے گا، اور وہ ترازو
جس میں شہادتیں کو رکھ دیا جائے وہ سنگین اور فرتی ہو جائے گا۔“

اور ایک اور دوسری حدیث میں امام محمد باقر علیہ السلام اور امام جعفر صادق علیہ السلام سے آیا ہے :
”ما فی المیزان شیء الا قتل من الصلوۃ علی محتد و آل محتد“
”میزان عمل میں کوئی چیز محترم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم و آل محترم پر حدود پہنچنے سے زیادہ سنگین نہیں ہے۔“
اور روایت کے ذیل میں آیا ہے کہ قیامت میں کچھ لوگ میزان عمل کے نیچے کھڑے ہوں گے جن کے اعمال کا
پلڑا ہلکا ہوگا، پھر محترم و آل محترم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر حدود کو اس میں رکھ دیں گے تو وہ سنگین اور
وزنی ہو جائے گا۔“

قابل توجہ بات یہ ہے کہ ایک حدیث میں امام محمد باقر علیہ السلام سے آیا ہے :
”من کان ظاہرہ ارجح من باطنہ خف میزانہ“
”جس شخص کا ظاہر اس کے باطن سے بہتر ہوگا قیامت میں اس کا میزان عمل ہلکا
رہے گا۔“

ہم اس بحث کو سلمان فارسی کی ایک گفتگو پر ختم کرتے ہیں جو حقیقت میں وحی اور سنت کا خلاصہ ہے۔ اس حدیث میں آیا ہے

”کسی شخص نے تمہیر کے طور پر سلمان فارسی سے کہا:

”تو کون ہے اور تیری حیثیت کیا ہے؟ تیری کچھ بھی قدر و قیمت نہیں ہے سلمان“
نے جواب میں کہا:

”اما اولی و اولک فظنفة قدرة واما اخرى و اخرک فحیفة
منتینة فاذا کان یوم القیامة ، ونصبت الموازن فمن ثقلت
مولزینہ فهو للکریم ومن خفت موازنہ فهو للشیو“:

”لیکن! میرے اور تیرے وجود کا آغاز تو ایک گنبدِ عظیم سے ہوا ہے اور میرے اور
تیرے وجود کا اختتام ایک پہلودار مردود ہے، اور جب قیامت کا دن ہوگا اور اعمال کے
تولنے کے لیے ترازو نصب کیے جائیں گے تو جس شخص کے عمل کا ترازو سنگین اور بھاری ہوگا
وہ شریف و بزرگوار ہے، اور جس کے عمل کا ترازو بک اور ہلکا ہوگا وہ پست و ذلیل اور
کینہ ہوگا۔“

خداوندا! ہمارے عمل کے ترازو کو ”آل محمد و آل محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم“ کی محبت کے ذریعے سنگین اور وزنی کر دے۔
پھر دعا کرو! ”عیشة راضیة“ کا حصول تیرے لطف و کرم کے بغیر آسان نہیں ہے۔ پس تو خود ہی اس راہ میں ہماری مدد فرما!
بار الہا! تیری دوزخ کی آگ بہت ہی سخت جلائے والی ہے اور ہم میں اس کو برداشت کرنے کی طاقت نہیں ہے۔ اسے
اپنے رحم و کرم کے پانی سے ہمارے لیے خاموش کر دے۔

آمین یا رب العالمین
سورہ قارعة کا اختتام



سُورَةُ التَّكْوِيْنِ

❖ یہ سورہ تکوین میں نازل ہوا۔

Presented by: <https://jafrilibrary.com/>

❖ اس میں ۸ آیات ہیں۔

سُورَةُ تَكَاثُرُ کے مطالب اور اس کی فضیلت

بہت سے مختصرین کا نظریہ یہ ہے کہ یہ سُورہ مکر میں نازل ہوئی ہے۔ اس بنا پر اس میں تافخر کے بارے میں جو گفتگو آئی ہے وہ اصلی طور پر قبائل قریش کے ساتھ مربوط ہے جو جوہم اور کدنا پر ایک دوسرے پر فخر و مباہات کیا کرتے تھے۔ لیکن جیسا کہ مروج طبری نے مجمع البیان میں لکھا ہے۔ بعض کا نظریہ یہ ہے کہ یہ مکر میں نازل ہوا ہے اور اس میں تافخر کے بارے میں جو کچھ بیان ہوا ہے وہ یہودیوں یا انصار کے دو قبیلوں کے بارے میں ہے، لیکن اس سُورہ کا منجی سورۃ قل سے زیادہ مشابہت رکھنے کی وجہ سے منجی ہونا زیادہ صحیح نظر آتا ہے۔

اس سُورہ کے مطالب میں جو عمومی طرز سے پہلے قرآنی لوگوں کی جوہم مطالب کی بنیاد پر ایک دوسرے پر فخر و مباہات کرتے تھے، سرزنش اور ملامت اس کے بعد قیامت و معاد اور جہنم کی آگ کے مسئلہ پر تنبیہ ہے اور آخر میں نعمتوں کے بارے میں سوال اور باز پرس کے سطر میں تنبیہ کی گئی ہے۔ اس سُورہ کا نام اس کی پہلی آیت سے لیا گیا ہے۔

اس کی تلاوت کی فضیلت کے بارے میں ایک حدیث میں پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے آیا ہے:

”وَمَنْ قَرَأَهَا لَرِجَاسٍ سَبَّهَ اللَّهُ بِالتَّعْيِمْ الَّذِي أَلْفَعُو عَلَيْهِ فِي دَارِ الدُّنْيَا وَ
أَعْطَى مِنَ الْأَجْرِ كَمَا قَرَأَ الْفَاتِيحَةَ“

”جو شخص اس کو پڑھے گا تو خدا اس سے ان نعمتوں کا حساب نہیں لے گا جو اس نے اُسے دارِ دنیا میں دی ہیں اور اسے اس قدر اجر و ثواب عطا کرے گا گویا کہ اس نے قرآن کی ہر آیت کی تلاوت کی ہے۔“

اور ایک حدیث میں امام جرمزادقؑ سے آیا ہے کہ اس سورہ کا واجب اور حسبِ نماز میں پڑھنا شہداء کی شہادت کا ثواب رکھتا ہے۔

واضح ہو کہ یہ سب ثواب ان لوگوں کے لیے ہیں جو اسے پڑھیں اور اسے اپنی زندگی کا ہر گرام بنائیں اور دل جان سے اپنے آپ کو اس کے ساتھ ہم آہنگ کریں۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

- ۱۔ اَلْهٰكُمُ التَّكَاثُرُ ۝
- ۲۔ حَتّٰی زُرْتُمُ الْمَقَابِرَ ۝
- ۳۔ كَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۝
- ۴۔ ثُمَّ كَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۝
- ۵۔ كَلَّا لَوْ تَعْلَمُوْنَ عَلَٰمَ الْيَقِيْنَ ۝
- ۶۔ لَتَرَوُنَّ الْجَحِيْمَ ۝
- ۷۔ ثُمَّ لَتَرَوُنَّ صَاعِقَیْنَ الْيَقِيْنَ ۝
- ۸۔ ثُمَّ لَتَسْأَلَنَّ يَوْمَئِذٍ عَنِ النَّعِيْمِ ۝

ترجمہ

شروع اللہ کے نام سے جو رحمان و رحیم ہے

- ۱۔ تفاخر و تکاثر نے تمہیں اپنے حال میں مشغول رکھا۔ (اور اس نے تمہیں خدا سے غافل کر دیا)۔
- ۲۔ یہاں تک کہ تم قبروں کی زیارت کے لیے گئے۔ (اور تم نے اپنے مُردوں کی قبریں شمار کیں)۔
- ۳۔ ایسا نہیں ہے جیسا کہ تم نے خیال کر لیا ہے، تم جلدی ہی (اصل حقیقت کو) جان لو گے۔

- ۴۔ ہرگز ایسا نہیں ہے جیسا کہ تمہارا خیال ہے، یہ جلدی ہی تمہیں معلوم ہو جائے گا۔
- ۵۔ اس طرح نہیں ہے جس طرح تم خیال کرتے ہو، اگر تم آخرت کا علم یقین رکھتے ہو تو اسے (قرآن موعودات اور فرد مباحث کے پیچھے نہ لگتے)۔
- ۶۔ تم یقیناً جہنم کو دیکھو گے۔
- ۷۔ پھر اس میں وارد ہو کر اس کو عین یقین کے ساتھ مشاہدہ کرو گے۔
- ۸۔ پھر اس دن تم سب سے ان نعمتوں کے بارے میں جو تمہیں دی گئی تھیں سوال کیا جائے گا۔

شان نزول

جیسا کہ ہم نے اشارہ کیا ہے کہ مفسرین کا نظریہ ہے کہ سورہ انقیال کے بارے میں نازل ہوا ہے جو ایک دوسرے پر فرد مباحث کیا کرتے تھے اور اپنی جمیعت، افراد کی کثرت یا مال و دولت کی زیادتی کے باعث ایک دوسرے پر فخر کرتے تھے، یہاں تک کہ اپنے قبیلہ کے افراد کی تعداد کو بڑھانے کے لیے قبرستان میں جاتے تھے اور ہر قبیلہ کی قبریں شمار کرتے تھے۔

البشہ بعض مفسرین تو اس کو مکہ میں قریش کے دو قبیلوں کے بارے میں سمجھتے ہیں، اور بعض مدینہ میں انصار و پیغمبر کے بارے میں اور بعض یہودیوں کے دوسرے لوگوں پر فخر کرنے کے بارے میں۔ اگرچہ اس کا مکمل ہونا صحیح نظر آتا ہے لیکن یہ امر یقینی ہے کہ شان نزول چاہے جو کچھ بھی ہو آیت کے منہم کو ہرگز محدود نہیں کرتی۔

تفسیر

تکثر و تفاخر کی مصیبت

ان آیات میں پہلے ملامت بھرے لہجہ میں فرماتا ہے: "تفاخر اور ایک دوسرے پر کثرت رکھنے کے خیال نے تمہیں خدا اور قیامت سے غافل کر کے اپنی طرف مشغول کر دیا ہے۔" (الاعمال تکثر)۔

یہاں تک کہ تم قبروں کی زیارت اور دیار کے لیے بھی گئے اور تم نے اپنے مردوں کی قبروں کو شمار کیا (حقیقی زرقوا المقابر)۔

آیت کی تفسیر میں یہ احتمال بھی دیا گیا ہے کہ "تکاثّر" اور "تفاخر" نے انہیں اس طرح سے اپنی طرف مشغول کر لیا ہے کہ وہ قبروں میں وارد ہونے کے لمحہ تک جاری و ساری ہے۔

لیکن پہلا معنی "زرتقو المقابر" کی تعبیر اور اسی طرح شانِ نفل اور نبج البلاغہ کے خطبہ کے ساتھ، جس کی طرف انشاء اللہ بعد میں اشارہ ہو گا، زیادہ سازگار ہے۔

"الهاکمو" "لھو" کے مادہ سے، پھوٹے پھوٹے کاموں میں مشغول ہو جانا، اور اہم مقاصد اور کاموں سے غافل رہنے کے معنی میں ہے۔ "راغب" "مفردات" میں لکھا ہے "لھو" اس چیز کو کہتے ہیں جو انسان کو اپنی طرف مشغول رکھتے ہوئے اس کے اہداف و مقاصد سے اسے باز رکھتی ہے۔

"تکاثّر" "کثرت" کے مادہ سے، تفاخر اور مباهات اور ایک دوسرے پر اپنی بڑائی جھلکانے کے معنی میں ہے۔ "زرتقو" "زیارۃ" اور "زور" (بروزن قول) کے مادہ سے اصل میں سینہ کے اوپر والے حصّہ کے معنی میں ہے۔ اس کے بعد ملاقات کرنے اور زور بردہ ہونے کے معنی میں استعمال ہونے لگا۔ اور "زود" (بروزن قر) سینہ کے اوپر والے حصّہ کے ٹیڑھا ہو جانے کے معنی میں ہے۔ اور چونکہ جھوٹ ایک قسم کا حق سے انحراف ہے اس لیے اس پر "زور" (بروزن نور) کا اطلاق ہوتا ہے۔

"مقابر" مقبرہ کی جگہ ہے جو زیارت کی جگہ کے معنی میں ہے اور یہاں قبروں کی زیارت کرنا یا تو (بعض تفاسیر کے مطابق) موت سے کنایہ ہے یا شمار کرنے اور نفرد مباهات کرنے کے نیلے قبروں کے پاس جانے کے معنی میں ہے (جو اس کی مشہور تفسیر کے مطابق ہے)۔

اور جیسا کہ ہم نے بیان کیا ہے دوسرا معنی زیادہ صحیح نظر آتا ہے اور اس کے شواہد میں سے ایک امیر المؤمنین علی علیہ السلام کا وہ کلام ہے جو اس سلسلہ میں نبج البلاغہ میں آیا ہے، جو آپ نے "الهاکمو التکاثر حقّ زرتقو المقابر" کے بعد فرمایا ہے :

"یا لہ مراّمًا ما البعدہ ؛ وزورًا ما اغفلہ ؛ وخطرًا ما افطعہ ؛ لغد استخلوا منه صوای مذکور و تناوشوہو من مکان بعید اجماعاً ابائہو فیخروہ ؛ ام بعمید الہکی یتکاثرہون ؛ یرتبعون منہ حجاباً نخوت، وحرکات سکنت، ولان یکنونوا عبّر الحق من ان یکنونوا مفتخرًا !"

"تعب ہے وہ مقصد سے کتنے زیادہ دُور ہیں اور کیسے غافل زیارت کر لے ولے ہیں ؟ اور کیسا مہیوم اور رُسوا کرنے والا

۱۔ غلامی کے دوزخ کے استعمالات میں "تکاثّر" دولت جمع کرنے کے معنی میں استعمال ہوتا ہے، حالانکہ یہ معنی لغت کی اصل کے اعتبار سے نہیں ہے۔ لیکن بعض روایات میں جن کی طرف ہم بعد میں اشارہ کریں گے، اس قسم کا استعمال ہوا ہے۔

افتخار ہے؛ ایسے افراد کی بوسیدہ ہڈیوں کی یاد میں بڑے بڑے ہیں جو سالہا سال سے مٹی ہو چکے ہیں اور وہ یاد بھی کیسی؟ اتنے دور دراز کے فاصلہ پر ایسے لوگوں کی یاد میں پڑے ہیں جو ان کی حالت کو کوئی فائدہ نہیں پہنچائی۔ کیا وہ اپنے آباؤ اجداد کی نابودی کی جگہ پر فخر کرتے ہیں یا اپنے مردوں اور معدومین کی تعداد کو شمار کر کے خود کو بہت زیادہ سمجھتے ہیں۔ وہ ایسے جسموں کی بازگشت کے خواہاں ہیں جن کا تار و پود بکھر چکا ہے، اور جن کی حرکتیں ختم ہو چکی ہیں، یہ بوسیدہ جسم اگر عبرت کا باعث ہوں تو وہ اس سے زیادہ سزاوار ہیں کہ موجب افتخار ہوں۔

یہ خطبہ جس کے صرف ایک حصہ کی طرف ہم نے اشارہ کیا ہے اس قدر ہلا دینے والا گویا و صریح ہے کہ "ابن ابی الحدید معتزلی" کہتا ہے کہ: "میں اس ذات کی قسم کھاتا ہوں جس کی تمام امتیں قسم کھاتی ہیں کہ میں نے پچھلے پچاس سال سے لے کر آج تک اس خطبہ کو ایک ہزار بار پڑھا ہے، اور ہر بار میرے دل میں ایک نیا لرزہ و خوف اور ایک نئی پند و نصیحت پیدا ہوتی ہے، اور اس نے میری روح کے اندر ایک شدید اثر چھوڑا ہے اور میرے اعضا و جوارح لرزے لگے، اور کبھی ایسا نہیں ہوا کہ میں اس میں غور و فکر کروں احساس حال میں اپنے خاندان، عزیزوں اور دوستوں کی موت کو یاد نہ کروں، اور ٹھیک میرے سامنے یہ بات مجسم ہو جاتی تھی کہ میں وہی ہوں جس کی امام نے فصاحت کی ہے۔" اس سلسلے میں کتنے ہی دانشور، خطباء، سخن وران اور فصیح افراد نے گفتگو کی ہے، اور میں نے انہیں کان لگا کر سنا ہے اور ان کی باتوں میں غور و فکر کیا ہے۔ کسی ایک میں بھی میں نے کلام امامؑ والی تاثیر نہیں پائی۔ یہ تاثیر جو ان کا کلام میرے دل میں چھوڑتا ہے، یا تو اس کا سچا وہ ایمان ہے جو اس کا کہنے والا رکھتا ہے، یا اس کے یقین و اخلاص والی نیت اس بات کا سبب بن گئی ہے کہ وہ اس طرح ادراخ میں غور کرے اور دلوں میں جاگزیں ہو جائے۔ "ابن ابی الحدید" اپنی گفتگو کے ایک اور حصہ میں کہتا ہے:

"یٰٰنَبْنٰی لَوِ اجتمع فصحاء العرب قاطبة فی مجلس وتلی علیہم ان یشجدوا لہ!"

"یہ خطبہ اس لائق ہے کہ، اگر فصلائے عرب سب کے سب کسی مجلس میں جمع ہوں اور یہ خطبہ ان کے سامنے پڑھا جائے، تو وہ اس کے سامنے سجدہ کریں:

اور اسی مقام پر امیر المؤمنین علی علیہ السلام کی فصاحت کے بارے میں معاویہ کی گفتگو کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ وہ یہ کہتا ہے:

"واللہ ما سنن الفصاحة لقریش غیرہ؛"

"خدا کی قسم قریش کے لیے علیؑ کے سوا کسی نے فصاحت و بلاغت کی بنیاد نہیں رکھی۔"

بعد والی آیت میں ان لوگوں کو اس بات کے ساتھ سختی سے تہذیب کرتے ہوئے فرماتا ہے: ”ایسا نہیں ہے جیسا کہ تم گمان کرتے ہو، اور تم اس کے ذریعے ایک دوسرے پر فرد مباحثات کرتے ہو۔ تم عنقریب اپنے اس سوہم قنار کا نتیجہ دیکھ لو گے۔“ (کلاسوف تعلمون)۔

پھر دوبارہ مزید تاکید کے لیے کہتا ہے: ”پھر بھی اس طرح نہیں ہے جس طرح تم خیال کرتے ہو۔ عنقریب تم جان لو گے۔“ (شو کلاسوف تعلمون)۔

مفسرین کی ایک جماعت نے ان دونوں آیتوں کو ایک ہی مطلب کی تکرار اور تاکید سمجھا ہے اور یہ دونوں ہی سراسر طوطا آن عذلیں کی خبر دیتی ہیں، جو ان متناظر سمجھیں گے انتظار میں ہے۔

جب کہ بعض دوسروں نے پہلی آیت کو عذاب قبر اور عذاب برزخ کی طرف اشارہ سمجھا ہے، جس سے انسان موت کے بعد زور برد ہوگا اور دوسری کو عذاب قیامت کی طرف۔

ایک حدیث میں امیر المومنین علی علیہ السلام سے آیا ہے کہ آپؑ نے فرمایا:

”مازلنا فاشک في عذاب التبرحیٰ نزلت الهاکم التکاثر الی قولہ کلاسوف تعلمون، یرید فی القبر، شو کلاسوف تعلمون

بعد البعث۔“ [Presented by: https://jafrilibrary.com](https://jafrilibrary.com)

”ہم میں سے ایک گروہ ہمیشہ عذاب قبر کے بارے میں شک کیا کرتا تھا یہاں تک کہ سورہ ”الہاکم التکاثر“ نازل ہوئی، یہاں تک کہ فرمایا ہے: ”کلاسوف تعلمون“ اس سے مراد عذاب قبر ہے۔ اس کے بعد فرمایا ہے: ”شو کلاسوف تعلمون“ اس سے مراد قیامت کا عذاب ہے۔“

تفسیر کبیرہ فرمازی میں یہ مطلب علی علیہ السلام کے ایک صحابی ”زبد بن حبیش“ سے نقل ہوا ہے۔ جو کہتا ہے کہ: ”ہم عذاب قبر کے بارے میں شک کیا کرتے تھے، یہاں تک کہ ہم نے علی علیہ السلام سے سنا کہ آپؑ فرماتے ہیں:“

”یہ آیت عذاب قبر پر دلیل ہے۔“

اس کے بعد مزید کہتا ہے: ”ایسا نہیں ہے جیسا کہ تم ایک دوسرے پر فکر کرنے والے خیال کرتے ہو۔ اگر تمہارا آخرت پر ایمان ہوتا اور علم الیقین کے ساتھ اُسے جان لیتے، تو ہرگز ایسا کام نہ کرتے اور ان باطل مسائل پر فرد مباحثات کرنے سے باز آتے۔“ (کلاسوف تعلمون علم الیقین)۔

۱۔ ”مجمع السبائح“ جلد ۱۰ ص ۳۲

۲۔ ”تفسیر فرمازی“ جلد ۲۲ ص ۷۸

۳۔ بعض کا نظریہ یہ ہے کہ ایسے موقع پر لفظ ”کلاسوف“ تاکید کیلئے ہوتا ہے اور ”حقاً“ کے معنی ہیں ہوتا ہے، یہ بات طبرسی نے مجمع البیان میں نقل کی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ ”العرب تو کذب کلاسوف حقاً“ عرب لفظ کا اور معنی سے تاکید کرتے ہیں۔

پھر دوبارہ تاکید اور مزید ڈرانے کے لیے اضافہ کرتا ہے : تم یقینی طور پر جہنم کو دیکھو گے : (لترون الجحیم)۔
 " پھر اس میں داخل ہو کر عین یقین کے ساتھ اس کا مشاہدہ کرو گے : (شعرونا عین الیقین)۔
 " پھر اس دن تم سے ان نعمتوں کے بارے میں جو تمہیں دی گئی تھیں سوال کیا جائے گا : (شعرونا عن النعم)۔
 اس دن تمہیں اس بات کی وضاحت کرنی پڑے گی کہ تم نے ان علاوہ نعمتوں کو کس طریقہ سے صرف کیا ہے ؟ اور ان سے تم نے خدا کی اطاعت کے لیے مدد لی ہے یا اس کی معصیت کے لیے ، یا ان نعمتوں کو ضائع کر کے ہرگز ان کا حق ادا نہیں کیا ہے ؟

چند نکات

۱۔ تغافر کا سرچشمہ

اُپر والی آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ تغافر اور ایک دوسرے پر فخر و مباحات کرنے کے عوامل اصل میں ایک دوسری چیز اور سزا کے بارے میں جہالت و نادانی اور معاذ کے بارے میں ایمان کا نہ ہونا ہے۔

اس کے علاوہ انسان کا اپنی پیدائش کے آغاز سے لے کر انجام تک اپنی کمزوریوں اور مصیبتوں سے بے خبر رہنا بھی کبر و غرور اور تغافر کے عوامل میں سے ایک عامل ہے۔ اسی بنا پر قرآن مجید اس تغافر و تکاثر کو توڑنے کے لیے گزشتہ اقوام کی سرگزشت کو محنت آیات میں بیان کرتا ہے کہ یہ قومیں اتنے امکانات اور فراوان قدرت رکھنے کے باوجود اتنے سادہ اور عام قسم کے وسائل کے ذریعے کس طرح سے نابود ہو گئیں۔

ہواؤں کے چلنے سے آسمانی بجلی (صاعقہ) کے گرنے سے ، زمین کے ایک زلزلہ سے ، حد سے زیادہ بارش کے برسنے سے ، خلاصہ یہ ہے کہ بانی ، ہوا اور مٹی سے اور بعض اوقات "سجیل" (کنکریوں) اور چھوٹے چھوٹے پرندوں کے ذریعے نابود ہو گئے۔

ان حالات میں یہ سب تغافر و غرور کس لیے ہے ؟

اس بات کے لیے دوسرا عامل وہی ضعف و حقارت کا احساس ہے جو ناکامیوں اور شکستوں سے پیدا ہوتا ہے کہ کچھ افراد اپنی شکستوں کی پردہ پوشی کے لیے تغافر و مباحات کی پناہ لیتے ہیں۔ اسی لیے ایک حدیث میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے آیا ہے :
 "ما من رجل تحکب او تجتبر الا لذلّة وجدھا فی نفسہ"

• کوئی شخص تجکبر اور فخر و مباحات نہیں کرتا مگر اس ذلت کی وجہ سے جسے وہ اپنے

نفس کے اندر پاتا ہے۔

لہذا جب وہ یہ احساس کرتا ہے کہ وہ حد کمال کو پہنچ گیا ہے ، تو پھر وہ تغافر کی کوئی ضرورت نہیں سمجھتا۔

ایک اور حدیث میں امام محمد باقر علیہ السلام سے آیا ہے :

”ثلاثة من عمل الجاهلية، الفخر بالانساب، والعطن في الاحساب والاستقاء بالانواء“

”تین چیزیں ایسی ہیں جو نہایت جاہلیت کے عمل میں سے ہیں، نسب پر فخر کرنا، لوگوں کی شخصیت اور خاندانی شرافت میں طعن کرنا اور ستاروں کے ذریعے بارش طلب کرنا۔“

ایک اور حدیث میں امیر المومنین علی علیہ السلام سے آیا ہے :

”اهلك الناس اثنان : خوف الفقر، وطلب الفخر“

”دو چیزوں نے لوگوں کو ہلاک کیا : فقر و فاقہ کا خوف (جو انسان کو ہر طریقہ اور ہر

ذریعہ سے مال جمع کرنے پر ابھارتا ہے) اور ایک دوسرے پر فخر کرنا۔“

اور حقیقتاً حرص، نفل، دنیا پرستی اور تباہ کرنے والی رقابت اور بہت سے اجتماعی مفاسد کے اہم ترین عوامل میں سے ایک یہی فقر و فاقہ کا بلا وجہ خوف اور افراد و قبائل اور امتوں کے درمیان ایک دوسرے پر فخر و مباہلات کرنا اور برتری کا اظہار کرنا ہے۔ اسی لیے ایک حدیث میں پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے آیا ہے کہ آپ نے فرمایا :

”ما اخشى عليكم الفقر ولكن اخشى عليكم التكاثر“

”میں تم پر فقر و فاقہ سے نہیں ڈرتا، لیکن میں تمہارے تکاثر و تفاخر سے ڈرتا ہوں۔“

”تکاثر“ جیسا کہ ہم نے پہلے بھی اشارہ کیا ہے اصل میں تفاخر کے معنی میں ہے، لیکن بعض اوقات یہ زیادہ طلب

اور مال جمع کرنے کے معنی میں بھی آیا ہے چنانچہ ایک حدیث میں پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے آیا ہے :

”التكاثر، (في) الاموال جمعها من غير حقها، ومنعها من حقها، وشدها

في الاوعية“

”تکاثر، غیر شرعی طریقہ سے مال جمع کرنا، اور اس کا حق ادا نہ کرنا اور اُسے صندوقوں

اور خزانوں میں جمع کرنا ہے۔“

ہم اس وسیع بحث کو پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ایک بڑی معنی حدیث پر ختم کرتے ہیں، جو آپ نے اہلکم التکاثر

کی تفسیر میں بیان فرمائی ہے :

”يقول ابن آدم مالي مالي، ومالك من مالك الاما اكلت فافيت او

۱۔ ”بجاء الاوزار“ جلد ۳، ص ۲۹۱

۲۔ ”بجاء الاوزار“ جلد ۳، ص ۲۹۰ حدیث ۱۲

۳۔ ”الدر المنثور“ جلد ۶، ص ۲۸۷

۴۔ ”نور المشتعلین“ جلد ۵، ص ۲۶۲ حدیث ۸

لبت قابلیت او تصدقت فیامضیت ۔

”انسان کتاب ہے : میرا مال ، میرا مال ، حالانکہ تیرا مال تو صرف وہ غذا ہے جو تو کھاتا ہے لباس جو تو پہنتا ہے اور وہ صدقات ہیں جو تو راہِ خدا میں دیتا ہے ۔“

اور یہ ایک بہت ہی عمدہ نمونہ ہے کہ اس فراوان مال میں سے ہر شخص کا حصہ ، جسے وہ جمع کرتا ہے ، اور اس کے حلال و حرام ہونے کے بارے میں کبھی تھوڑی سی دیر کے لیے بھی غور و فکر نہیں کرتا ، اس تھوڑے سے کھانے پینے ، پہننے اور راہِ خدا میں خرچ کرنے کے سوا اور کچھ نہیں ہے ، اور ہم جانتے ہیں کہ وہ جو کچھ اپنی ذات پر خرچ کرتا ہے وہ بہت ہی کم ، حقیر اور نہ ہونے کے برابر ہے۔ اور کیا ہی اچھا ہو کہ وہ راہِ خدا میں خرچ کرنے میں اپنا حصہ زیادہ کرے ۔

۲۔ یقین اور اس کے مراحل

”یقین“ ۔ شک کا نقطہ مقابل ہے ، جیسا کہ علم ، جہالت کا نقطہ مقابل ہے ، اور کسی چیز کے واضح اور ثابت ہونے کے معنی میں آیا ہے۔ اور اختیار و روایات سے جو کچھ معلوم ہوتا ہے اس کے مطابق ایمان کے اعلیٰ مرحلہ کو یقین کہا جاتا ہے۔ اہم صحابہ و ائمہ علیہ السلام نے فرمایا :

”ایمان اسلام سے ایک درجہ بالاتر ہے ، اور تقویٰ ایمان سے ایک درجہ بالاتر ہے اور یقین تقویٰ سے ایک درجہ بالاتر ہے۔ اس کے بعد آپؐ نے فرمایا :

”ولم یقسم بین الناس شیء اقل من الیقین“

”لوگوں میں یقین سے کمتر کوئی چیز تقسیم نہیں ہوئی ہے“

راوی نے سوال کیا : یقین کیا ہے ؟ امامؑ نے فرمایا :

”التوکل علی اللہ ، والتسليم لله ، والرضا بقضاء اللہ ، والتوکل علی اللہ“

”یقین کی حقیقت اللہ پر توکل کرنا ، اللہ کی پاک ذات کے سامنے سر تسلیم خم کرنا ،

تقصائے الہی پر راضی رہنا اور اپنے تمام کاموں کو خدا کے سپرد کر دینا ہے ۔“

مقامِ تقویٰ و ایمان و اسلام سے مقامِ یقین کی بڑی ایک ایسی چیز ہے جس پر دوسری روایات میں بھی تاکید ہوئی ہے کہ ایک دوسری حدیث میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے آیا ہے :

”من صحۃ یقین المؤمن المسلم ان لا یرضی الناس بسخط اللہ ، ولا

یلومہ علی ما لہ حیث یراہ اللہ ۔ ان اللہ بعدلہ وقسطہ جعل الروح

۱۔ ”صحیح مسلم“ (مطابق نقل مجمع البیان جلد ۱۰ ص ۵۳۴)

۲۔ ”بجاء الاثر“ جلد ۱ ص ۱۳۸ حدیث ۴

۳۔ ”بجاء الاثر“ جلد ۱ ص ۱۳۵ - ۱۳۶

والراحة في اليقين والرضا وجعل الهدى والحزن في الثب والسخط ،
 "مرد مسلمان کے یقین کے صحیح ہونے کی نشانیوں میں سے یہ ہے کہ وہ خدا کو نالایق
 کہے کہ لوگوں کو راضی نہ کرے۔ اور جو کچھ خدا نے اُسے نہیں دیا اس پر لوگوں کو
 ملامت نہ کرے۔ (انہیں اپنی محرومیوں کا ذمہ دار نہ ٹھہرائے) خدا نے اپنے عدل و
 انصاف کی بنا پر راحت و آرام، یقین و رضا میں رکھا ہے، اور غم و اندوہ کو شک
 اور ناراضی میں قرار دیا ہے!"

ان تعبیرات اور دوسری تعبیروں سے اچھی طرح معلوم ہو جاتا ہے کہ جب انسان یقین کے مقام تک پہنچ جاتا ہے تو
 ایک خاص قسم کا سکون و آرام اس کے سارے دل و جان میں سرایت کر جاتا ہے۔
 لیکن اس کے باوجود یقین کے لیے کئی مراتب ہیں جن کی طرف اوپر والی آیات اور سورۃ واقعہ کی آیہ (ان هذا الصو
 حق اليقين) میں اشارہ ہوا ہے، اور وہ تین مرحلہ ہیں ۱۔
 ۱۔ علو اليقين : یہ ہے کہ انسان مختلف دلائل سے کسی چیز پر ایمان لائے، اس شخص کے مانند جو دھوئیں
 کو دیکھ کر آگ کے ہونے پر ایمان لے آتا ہے۔

۲۔ عین اليقين : اس مقام پر حاصل ہوتا ہے جب انسان مشاہدہ کے مرحلہ تک پہنچ جاتا ہے، اور اپنی آنکھ
 سے مثلاً کسی آگ کو دیکھ لے۔

۳۔ حق اليقين : اور وہ اس شخص کے مانند ہے جو آگ میں داخل ہو جائے، اور اس کی سوزش اور حرارت
 کو لس کرے، اور یہ یقین کا بالاترین مرحلہ ہے۔

محقق طوسی اپنی ایک گفتگو میں کہتے ہیں: "یقین" وہی پختہ، اور ثابت اعتقاد ہے، جس کا زوال ممکن نہیں ہے
 اور حقیقت میں وہ دو علموں سے مرکب ہے۔ ایک معلوم کے متعلق علم، اور دوسرا یہ علم کہ اس علم کے خلاف محال ہے
 اور اس کے کئی مراتب ہیں۔ "علو اليقين" و "عین اليقين" و "حق اليقين" ۱۔
 حقیقت میں پہلا مرحلہ عمومی پہلو رکھتا ہے اور دوسرا مرحلہ پرہیزگاروں کے لیے ہے۔ اور تیسرا مرحلہ خواص اور مقربین کے
 ساتھ مخصوص ہے۔

اسی سے ایک حدیث میں آیا ہے کہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں صحابہ نے عرض کیا: ہم نے سنا ہے
 کہ عیسیٰ علیہ السلام کے بعض اصحاب پانی پر چلتے تھے! آپ نے فرمایا:
 "لو كان يقينه اشد من ذالك لمشي على الهواء"
 "اگر اس کا یقین اس سے زیادہ پختہ اور محکم ہوتا تو وہ ہوا پر چلتا!"

مروم " علامہ طباطبائی " اس حدیث کو ذکر کرنے کے بعد مزید کہتے ہیں : تمام چیزیں خداوند سبحان پر یقین اور عالم ملکوت کے اسباب کی تاثیر کے استقلال کو محو کرنے کے محو کے گرد گھومتی ہیں، اس بنا پر انسان کا قدرت مطلقہ الہیہ پر اعتقاد ایمان جتنا زیادہ ہوگا، اشیاء عالم انسی نسبت سے اس کے سامنے مطیع و منقاد ہو جائیں گی۔
اور عالم آفرینش میں یقین اور خالق العادت تصرف کے رابطہ کی یہی راز ہے۔

۳۔ سب لوگ دوزخ کا مشاہدہ کریں گے

" لترون الجحیم " کے جملہ کی دو تفسیریں ہیں۔ پہلی یہ کہ اس سے مراد آخرت میں دوزخ کا مشاہدہ کرنا ہے جو کفار کے ساتھ مخصوص ہے۔ اور یا یہ تمام جن وانس کے لیے عام ہے، کیونکہ قرآن کی بعض آیت کے مطابق سب کو ہی جہنم کے پاس سے گزرنا پڑے گا۔
دوسری تفسیر یہ ہے کہ اس سے مراد اسی عالم دنیا میں شہود قلبی ہے، اور اس صورت میں یہ جملہ تفسیر شرطیہ کا جواب ہے فرماتا ہے: " اگر تم " علم الیقین " رکھتے ہو تو " جہنم " کو اسی عالم میں دل کی آنکھ سے مشاہدہ کر لیتے " کیونکہ ہم جانتے ہیں کہ جہنم دوزخ اب بھی خلق شدہ موجود ہیں، اور وجود خارجی رکھتی ہیں۔
لیکن جیسا کہ ہم پہلے ہی اشارہ کر چکے ہیں کہ پہلی تفسیر بعد اولی آیات کے ساتھ، جو مدد قیامت کی بات کر رہی ہیں، زیادہ مناسب ہے۔ اس بنا پر یہ ایک قطعی اور غیر مشروط قضیہ ہے۔

۴۔ قیامت میں کون سی نعمتوں کے بارے میں سوال ہوگا ؟

اس سورہ کی آخری آیت میں آیا ہے کہ یقینی طور پر تم سب سے قیامت کے دن نعمتوں کے بارے میں باز پرس ہوگی۔ بعض نے تو یہ کہا ہے کہ اس نعمت سے مراد " سلامتی " اور " فراغت خاطر " ہے، اور بعض اسے " تندرستی " اور " امن و امان " سمجھتے ہیں، اور بعض نے تمام ہی نعمتوں کو اس آیت کا مشمول سمجھا ہے۔

ایک حدیث میں امیر المؤمنین علی علیہ السلام سے آیا ہے :

" النعمیم الموطب ، والمساء البسارہ :

" نعیم سے مراد تازہ مچھریں اور ٹھنڈا پانی ہے۔ "

جب کہ ایک اور حدیث میں آیا ہے کہ " ابو حنیفہ " نے " امام جعفر صادق علیہ السلام " سے اس آیت کی تفسیر کے بارے میں سوال کیا تو امام علیہ السلام نے اس کے سوال کو اسی کی طرف پلٹا کر فرمایا : تیرے نظریہ کے مطابق نعیم سے کیا مراد ہے ؟
اس نے عرض کیا : غذا ہے اور کھانا اور ٹھنڈا پانی ہے۔ آپ نے فرمایا : اگر خدا قیامت کے دن تجھے اپنی بارگاہ میں اس لیے کھڑا کرے کہ وہ ہر اس نعمت کا جو تو نے کھایا ہے، اور ہر اس گھونٹ کا جو تو نے پیسا ہے، تجھ سے سوال کرے، پھر تو تجھے

دہاں بہت زیادہ دیر تک ٹھہرنا پڑے گا! اس نے عرض کیا: پھر نفیم کیا ہے؟

آپ نے فرمایا: ہم اہل بیت ہیں کہ خدا نے ہمارے وجود کے ذریعے اپنے بندوں کو نعمت عطا کی ہے اور ان کے درمیان اختلاف کے بعد اُلفت بخشی ہے، ان کے دلوں کو ہماری وجہ سے آپس میں جوڑ دیا ہے اور انہیں ایک دوسرے کا بھائی بنایا جب کہ وہ ایک دوسرے کے دشمن تھے۔ اور ہمارے ہی ذریعے سے انہیں اسلام کی طرف ہدایت کی ہے۔۔۔ ہاں! نفیم پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ان کے اہل بیت ہی ہیں۔

ان روایات کی تفسیر جو ظاہرِ نعمت ہیں، جو تمام مواہبِ الہی کو، چاہے وہ معنوی ہوں جیسے دین، ایمان، اسلام و قرآن اور ولایت یا انواع و اقسام کی انفرادی و اجتماعی نعمتیں ہوں، ان سب کو شامل ہے۔

البتہ جو نعمتیں زیادہ اہمیت رکھتی ہیں مثلاً نعمت ایمان و ولایت تو ان کے بارے میں زیادہ سوال ہو گا کہ ان کا حق ادا ہوا ہے یا نہیں؟ اور ظاہرِ وہ روایات جو اس آیت کے مادی نعمتوں کے شمول کی نفی کرتی ہیں وہ اس معنی میں ہیں کہ تمہیں اہم تر مصادیق کو چھوڑ کر بہت ہی چھوٹے مصادیق کی طرف نہیں جانا چاہیے۔ اور حقیقت میں یہ لوگوں کو خدائی نعمتیں اور مواہب کے مراتب کے سلسلے میں ایک تنبیہ ہے کہ ان کے لیے ان سے بہت ہی سخت قسم کی باز پرس ہوگی۔

اور یہ کیسے ممکن ہے کہ ان نعمتوں کے بارے میں سوال نہ ہو حالانکہ یہ بہت ہی بڑے سرمائے ہیں جو فروعِ بشر کے اختیار میں دیے گئے ہیں۔ اور انہیں ان میں سے ہر ایک کی بڑی بلدی کے ساتھ قدر دعا کی کرنی چاہیے اور ان کا شکر بجالانا چاہیے۔ اور انہیں ان کے صحیح موارد میں صرف کرنا چاہیے۔

خداوند! تو اپنی بے انتہا نعمتوں کو، خصوصاً ایمان و ولایت کی نعمت کو ہمیشہ ہمیشہ ہم پر جاری رکھ۔
پروردگارا! ہمیں ان تمام نعمتوں کے حق کی ادائیگی کی توفیق مرحمت فرما۔
بارِ الہا! ہم پر ان عظیم نعمتوں میں اضافہ کرتا رہ، اور انہیں ہرگز ہم سے سلب نہ کرنا۔

آمین یا ربِّ العالمین
سورہ تکوین کا اختتام

اختتامِ ترجمہ
"منٹ کم ایک بجے شب"

۲۶، رمضان ۱۴۰۸ھ

برسکان حقیر محمد سراج



سُورَةُ الْعَصْرِ

❖ یہ سورہ مکہ میں نازل ہوا۔

Presented by: <https://jafrilibrary.com/>

❖ اس میں ۳ آیات ہیں۔

سُورَةُ وَالْعَصْرِ کے مطالب اور اس کی فضیلت

مشہور یہ ہے کہ یہ سورہ مکہ میں نازل ہوا ہے اگرچہ بعض نے مکی ہونے کا احتمال بھی ظاہر کیا ہے لیکن سورہ کی آیات کے چھوٹے چھوٹے مقاطع اور اس کا لب و لہجہ اس کے مکی ہونے کا شاہد ہے۔

بہر حال اس سورہ کی جامعیت اس حد تک ہے کہ بعض تفسیرین کے قول کے مطابق قرآن کے تمام علوم و مقاصد کا خلاصہ اس سورہ میں موجود ہے۔ دوسرے نقطوں میں اس سورہ نے مختصر ہونے کے باوجود انسان کی سعادت و خوش بختی کا ایک مکمل اور جامع پروگرام پیش کیا ہے۔ سب سے پہلے ”عصر“ کی معنی نیز قسم سے شروع ہوتا ہے، جس کی تفسیر عنقریب پیش کی جائے گی۔ اس کے بعد تمام انسانوں کے خیال کا راز و خمارے میں ہونے کی گفتگو ہے جو تدریجی زندگی کی فطرت میں پوشیدہ ہے۔ اس کے بعد صرف ایک گروہ کو اس اصل کلی سے جدا کرتا ہے، جو ذیل کی چار خصوصیات والے پروگرام کے حامل ہیں :

۱۔ ایمان ۔ ۲۔ عمل صالح ۔ ۳۔ ایک دوسرے کو حق کی وصیت کرنے والے ۔
۴۔ ایک دوسرے کو ممبر کی وصیت کرنے والے اور حقیقتاً یہ چار اصول اسلام کے اعتقادی و عملی اور اخلاقی و اجتماعی پروگراموں کو اپنے اندر لیے ہوئے ہیں ۔ اس سورہ کی فضیلت کے بارے میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے ایک حدیث میں آیا ہے :

”مَنْ قَرَأَ وَالْعَصْرَ فِي نَوَافِلِهِ بِمِثْلِ مِائَةِ يَوْمٍ الْقِيَامَةِ مَشْرِقًا وَغَرَبًا صَاحِبُ حَاسِنَةٍ قَبِيحَةٍ عَيْنِهِ حَقٌّ يَدْخُلُ الْجَنَّةَ“

”جو شخص سورہ وَالْعَصْرَ کو نوافل نمازوں میں پڑھے گا، خدا اُسے قیامت کے دن اس حالت میں اُٹائے گا کہ اس کا چہرہ نورانی، لب خنداں اور اس کی آنکھ خدا کی نعمتوں سے روشن اور ٹھنڈی ہوگی یہاں تک کہ وہ جنت میں داخل ہوگا۔“

اور یہ تو آپ کو معلوم ہی ہوگا کہ یہ سب اعزاز و افتخار اور سرور و شادمانی اس شخص کے لیے ہے جو اپنی زندگی میں ان چار اصولوں پر عمل کرے گا۔ یہ ذکر فرماتے ہیں :

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

- ۱۔ وَالْعَصْرِ ۝
- ۲۔ إِنَّ الْإِنْسَانَ لَفَوْحُ خُسْرٍ ۝
- ۳۔ إِلَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ وَتَوَّصُوا بِالحَقِّ وَتَوَّصُوا بِالصَّبْرِ ۝

ترجمہ

Presented by: <https://jafrilibrary.com/>

شروع اللہ کے نام سے جو رحمان و رحیم ہے

- ۱۔ قسم ہے عصر کی ۔
- ۲۔ کہ سب انسان خسارے میں ہیں ۔
- ۳۔ سوائے ان کے جو ایمان لائے اور انہوں نے اعمال صالح انجام دیے ہیں، ایک دوسرے کو حق کی وصیت و نصیحت کی اور ایک دوسرے کو صبر و استقامت کی وصیت کی ۔

تفسیر

نجات کی صرف ایک راہ

اس سورہ کی ابتدا میں ہم ایک نئی قسم سے روبرو ہو رہے ہیں، فرماتا ہے: "عصر کی قسم" (والعصر)۔

”عصر“ کا لفظ اصل میں پھوٹنے کے معنی میں ہے، اس کے بعد اس کا وقت عصر پر اطلاق ہونے لگا کیونکہ اس میں درندہ کے پدگراہوں اور کاموں کو پلیٹ کر منتشر کر دیا جاتا ہے۔

اس کے بعد یہ لفظ سطلق ”زمانہ“ اور تاریخ بشر کے دور یا زمانے کے ایک حصہ، جیسے ظہر اسلام اور پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قیام کے زمانے، اور اسی قسم کے دوسرے زمانوں کے معنی میں استعمال ہوا ہے، اسی لیے اس قسم کی تفسیر میں مفسرین نے بہت زیادہ احتمال دیے ہیں۔

۱۔ بعض تو اسے اسی وقت ”عصر“ کی طرف اشارہ سمجھتے ہیں، اس قرینہ سے کہ قرآن کی بعض دوسری آیات میں دن کے آغاز کی قسم کھائی گئی ہے مثلاً، ”والضحیٰ“ (سودہ صغی آیہ ۱) یا ”والصبح اذا اسفر“ (مذہر ۳۲) یہ قسم اس اہمیت کی بنا پر ہے جو دن کے اس موقع کو حاصل ہے کیونکہ یہ وقت انسان کی حیات اور نظام زندگی کے خاتمے کا وقت ہوتا ہے، دن کے کام اپنے انجام کو پہنچتے ہیں، پزند و چزند اپنے اپنے آشیانوں اور ٹھکانوں کو لوٹتے ہیں، سورج اُفق مغرب میں اپنا سر چھپا لیتا ہے اور فضا بتدریج تاریک ہوتی چلی جاتی ہے۔

یہ اختتام اور تغیر انسان کو خدا کی لازوال قدرت کی طرف جو اس نظام پر حاکم ہے۔ متوجہ کرتا ہے اور حقیقت میں یہ توحید کی نشانیوں میں سے ایک نشانی اور پردہ گار کی آیتوں میں سے ایک آیت ہے جو قسم کے لائق ہے۔

۲۔ بعض دوسروں نے اسے تمام زمانے اور تاریخ بشریت کی طرف اشارہ سمجھا ہے، جو در سائے عبرت، ہلا دینے والے حوادث اور بیدار کرنے والے واقعات سے بھرپور ہے، اور اسی بنا پر ایسی عظمت رکھتا ہے کہ خدا کی قسم کے لائق ہے۔

۳۔ اور بعض نے زمانے کے ایک خاص حصہ کو، جیسے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قیام کا زمانہ یا مہدی علیہ السلام کے قیام کا زمانہ، جو تاریخ بشر میں خصوصیت اور خصوص عظمت کا حامل ہے، نرڈا لیا ہے اور قسم کو اسی کے بارے میں سمجھتے ہیں۔

۴۔ بعض نے اس لفظ کے لغوی ریشہ اور جڑ بنیاد کی طرف بھی خصوصی توجہ دی ہے۔ اور اس قسم کو ان مشکلات اور دشواریوں کے بارے میں سمجھتے ہیں جو انسان کی طویل زندگی میں رونما ہوتے ہیں، انہیں خواب غفلت سے بیدار کرتے ہیں، انہیں خدا کے عظیم کی یاد دلاتے ہیں اور رُوح استقامت کی پرورش کرتے ہیں۔

۵۔ بعض اسے کامل انسان کی طرف اشارہ سمجھتے ہیں جو عالم ہستی اور جہان غفلت کا پھڑ ہیں۔

۶۔ اور آفرین بعض اسے نماز عصر کے بارے میں سمجھتے ہیں، اس خصوصی اہمیت کی بنا پر جو اسے باقی نمازوں میں حاصل ہے کیونکہ وہ ”صلوة وسطیٰ“ جس کے لیے قرآن میں خاص قسم کی تاکید کی گئی ہے، نماز عصر کو سمجھتے ہیں۔

اگرچہ اوپر والی تفاسیر آپس میں ایک دوسرے سے کوئی تضاد نہیں رکھتیں، اور ممکن ہے کہ وہ سب ہی آیت کے معنی میں جمع ہوں، اور ان تمام اہم امور کی قسم کھائی گئی ہو، لیکن ان سب میں سے، سب سے زیادہ مناسب، عصر کو زمانہ اور تاریخ بشر کے لئے ایک حدیث میں لفظ ”عصر“ کے آگے کر والی انسان لفظ ”عصر“ کی تفسیر میں فرمایا: العصر عصر خروج الفاشع عصر سے مراد حضرت

معنی میں لینا ہی نظر آتا ہے۔

کیونکہ ہم نے بار بار کہا ہے کہ قرآن کی قسمیں ہمیشہ اس مطلب کے ساتھ مناسبت رکھتی ہیں جس کے لیے قسم کھائی گئی ہے۔ اور سترہ طور سے انسانوں کی زندگی میں نیاں و خسارہ ان کی عمر کے زمانے کے گزرنے کا نتیجہ ہے، یا پیغمبر خاتم کے قیام کا زمانہ، کیونکہ اس سورہ میں بیان کیے گئے چار اصولوں کا پروگرام اسی زمانہ میں نازل ہوا ہے۔

جو کچھ بیان کیا گیا ہے اس سے آیات قرآنی کی عظمت اور اس کے مفہیم کی وسعت اچھی طرح سے واضح ہو گئی ہے کہ ان میں سے ایک ہی لفظ کس حد تک پر معنی اور عمیق و گونا گوں تفسیر کسے لائق ہے۔

بعد والی آیت میں اس چیز کی طرف اشارہ ہے جس کے لیے یہ اہم قسم کھائی گئی ہے، فرماتا ہے: "یقینی طور پر تمام انسان خسرے میں ہیں" (ان الانسان لغی خسر)۔

وہ اپنے وجودی سرمائے کو، خواہ چاہیں یا نہ چاہیں، کھو بیٹھتے ہیں، عمر کی گھڑیاں، دن، چھینے اور سال تیزی کے ساتھ گزرتے چلے جاتے ہیں، معنوی اور مادی قوتیں تحلیل ہو جاتی ہیں اور طاقت و قدرت گھٹتی چلی جاتی ہیں۔

اے انسان! اس شخص کے مانند ہے جس کے پاس عظیم سرمایہ ہو اور اس کی مرضی اور خواہش کے بغیر اس سرمایہ کا ایک حصہ ہر روز اُس سے لے لیتے ہوں۔ یہ دنیا کی زندگی کا مزاج ہے، ہمیشہ کہہ رہے ہوتے چلے جانے والا مزاج۔

ایک دل میں حرکت کرنے کی ایک معین استعداد ہوتی ہے، اور جب وہ استعداد اور طاقت ختم ہو جاتی ہے تو دل خود بخود رُک جاتا ہے، حالانکہ اس میں کوئی عیب، بیماری یا علت نہیں ہوتی، اور یہ اس صورت میں ہوتا ہے جب کہ وہ کسی بیماری کی وجہ سے پہلے ہی فیل نہ ہو جائے۔ انسانی وجود کے باقی کارخانوں، اور اس کی مختلف استعدادوں کے سرمایوں کا بھی یہی حال ہے۔

"خسر" (بروزن عسی) اور خسران، جیسا کہ "راغب" مفردات میں کہتا ہے: سرمایہ کے کم ہونے کے معنی میں ہے۔ کبھی تو اس کی انسان کی طرف نسبت دی جاتی ہے اور یہ کہتے ہیں کہ فلاں آدمی کو نقصان ہو گیا، اور بعض اوقات خود عمل کی طرف نسبت دی جاتی ہے اور یہ کہتے ہیں کہ اس کی تجارت میں نقصان ہو گیا۔ یہ لفظ عام طور پر خارجی سرمایوں مثلاً مال و مقام کے لیے استعمال ہوتا ہے، اور بعض اوقات اندرونی سرمایوں، مثلاً صحت و سلامتی، عقل و ایمان اور ثواب کے لیے استعمال ہوتا ہے، اور یہ وہی چیز ہے جسے خداوند عالم نے "خسران مبین" (واضح خسارہ) کے عنوان سے ذکر کیا ہے، جیسا کہ فرماتا ہے: ان الخاسرین للذین خسروا انفسهم واهلہم یوم القیامۃ الا ذلک ہوالخسران المبین "واقعی زیاں کار لوگ تو وہ ہیں جو قیامت میں اپنے وجود اور اپنے گھر والوں کے وجود کا سرمایہ ہاتھ سے دے بیٹھیں گے۔ جان لو کہ خسران مبین (واضح خسارہ) یہی ہے۔ (نور - ۱۵)۔

فقرانہی اس آیت کی تفسیر میں ایک بات نقل کرتا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ گزشتہ بزرگوں میں سے ایک کہتے ہیں کہ اس سورہ کا معنی میں نے ایک برف فروش شخص سے سیکھا ہے جو پکار پکار کر کہہ رہا تھا: ارحموا من یدوب رأس مالہ ارحموا من یدوب رأس مالہ! اس شخص پر رحم کرو جس کا سرمایہ پگھلا جا رہا ہے، اس شخص پر رحم کرو جس کی پونجی پھل رہی ہے میں نے اپنے آپ سے کہا یہ ہے معنی ان الانسان لغی خسر کا: اس پر زمانہ گزرتا چلا جاتا ہے اور اس کی عمر ختم ہو جاتی ہے اور

لہ "مفردات راغب" جلد "خسر"

وہ کوئی ثواب حاصل نہیں کرتا۔ اور وہ اس حال میں خسارے میں ہے۔^۱
 بہر حال اسلام کی جہاں بینی کے لحاظ سے دنیا ایک بازار تجارت ہے، جیسا کہ ایک حدیث میں امام ہادی علی بن محمد اسقی علیہ السلام سے آیا ہے:

”الدنيا سوق ربح فيها قوم وخسر اخرون“

”دنیا ایک بازار ہے جس میں ایک گروہ نے نفع کمایا اور دوسری جماعت خسارے میں رہی۔“
 زیر بحث آیت کہتی ہے کہ اس عظیم بازار میں بھی لوگ خسارے میں رہتے ہیں، سوائے ایک گروہ کے جس کا پروگرام بعد والی آیت میں بیان ہوا ہے۔

ہاں! اس عظیم خسارے اور قمری و جبری نقصان سے بچنے کا صرف ایک ہی راستہ ہے، صرف ایک ہی راہ جس کی طرف اس سورہ کی آخری آیت میں اشارہ ہوا ہے، فرماتا ہے: ”سوائے ان لوگوں کے جو ایمان لائے ہیں اور انہوں نے اعمال صالح انجام دیے ہیں“ اور ایک دوسرے کو حق کی وحدیت اور صبر و استقامت کی نصیحت کرتے ہیں۔ (الا الذين آمنوا وعملوا الصالحات وتواصوا بالحق وتواصوا بالصبر)۔

دوسرے لفظوں میں جو چیز اس عظیم نقصان کو روک سکتی ہے اور اسے عظیم نفع میں تبدیل کر سکتی ہے، یہ ہے کہ اس سرفٹے کو ہاتھ سے دینے کے مقابلہ میں زیادہ گران ہوا اور زیادہ قیمتی سرمایہ حاصل کرے، جس سے نہ صرف اس سرمایہ کی خالی جگہ پُر ہوگی بلکہ اس سے سینکڑوں اور ہزار گنا زیادہ اور بہتر ہو جائے گی۔

ہر وہ سانس جو انسان لیتا ہے، اس سے موت کے زیادہ قریب ہو جاتا ہے، جیسا کہ امیر المومنین علی علیہ السلام اپنی اس لفظی عبارت میں فرماتے ہیں:

”نفس المرء خطاه الى اجله“

”انسان کا سانس موت کی طرف اس کا ایک قدم ہے۔“

اس بنا پر انسان کے دل کی ہر حرکت اسے اختتام عمر سے ایک قدم اور زیادہ نزدیک کر دیتی ہے۔ اس طرح سے اس قطعی نقصان کے مقابلہ میں کوئی ایسا کام کرنا چاہیے جس سے خالی جگہ پُر ہو جائے۔

ایک گروہ عمر اور زندگی کا نفیس سرمایہ ہاتھ سے دے دیتا ہے اور اس کے مقابلہ میں تھوڑا یا زیادہ مال، معمولی گھریا غرضورت محل فراہم کر لیتا ہے۔

ایک گروہ اس تمام سرمایے کو، مقام و منصب تک پہنچنے کے لیے ضائع کر دیتا ہے۔

اور کچھ لوگ اسے عیش و نوش اور جلدی گزر جانے والی لذتوں میں صرف کر دیتے ہیں۔

۱۔ ”تفسیر فراہزی“ جلد ۳۲ ص ۸۵

۲۔ ”تجہ العقول“ ص ۳۶۱ (کلمات امام ہادی علیہ السلام)

۳۔ ”نہج البلاغہ“ کلمات قصار جلد ۴۲

مسکے طور سے ان میں سے کوئی کسی چیز بھی اس عظیم سرمایہ کی قیمت نہیں ہو سکتی۔ اس کی قیمت صرف اور صرف خدا کی رضا اور اس کا مقام قرب ہے۔

یا جیسا کہ امیر المؤمنین علی علیہ السلام نے فرمایا ہے :

”انه ليس لانفسكم ثمن الا الجنة فلا تبعموها الا بها“

”تمہارے وجود کی قیمت جنت کے علاوہ اور کچھ نہیں ہے، کہیں انسان ہو کہ تم اس کو

اس سے کمتر کسی چیز کے بدلے میں بیچ دو۔“

یا جیسا کہ ماہِ رجب کی دعا میں امامِ مہرِ صادق علیہ السلام سے آیا ہے :

”خاب الواقدون على غيرك وخسر المتعوضون الا لك“

”جو تیرے غیر کے پاس جائیں گے وہ مالِ بس ہو جائیں گے اور تیرے سوا رسول کی طرف

رجوع کرنے والے خسارے میں رہیں گے۔“

اور قیامت کے ناموں میں سے ایک نام ”يوم التغابن“ بلا وجہ نہیں ہے، جیسا کہ سورہ تغابن کی آیہ ۹ میں آیا ہے :

ذلك يوم التغابن ”اس دن پتہ چل جائے گا کہ گھاسے میں کون لوگ ہیں۔“

حسنِ مطلب اور لطفِ مسک یہ ہے کہ ایک طرف تو انسانی وجود کے سرمایوں کا خریدارِ عظیم ہے : ”ان الله اشترى

من المؤمنين“ (توبہ - ۱۱۱)

”دوسری طرف وہ قہوڑے سے سرمایوں کو بھی خرید لیتا ہے : فمن يعمل مثقال ذرة خيرا يره“ (زلزلہ)

اور تیسری طرف اس کے مقابلہ میں وہ بہت زیادہ قیمت لگاتا ہے۔ کبھی دس گنا کبھی سات سو گنا اور کبھی اس سے بھی زیادہ

”في كل منسلة تافق حبة واللّه يضاعف لمن يشاء“ (بقرة - ۲۶۱) اور جیسا کہ دعا میں وارد ہوا ہے، یا من يقبل

اليسير ويعفو عن الكثير : ”اے وہ خدا جو قہوڑے سے حسات اور نیکیوں کو بھی قبول کر لیتا ہے اور بہت زیادہ

گناہوں کو بخش دیتا ہے۔“

اور چوتھی طرف سے، باوجود اس کے کہ یہ تمام سرمائے خود اسی نے انسان کو دیے ہیں، وہ اس قدر بزرگوار ہے کہ پلٹ کر

انہیں کو زیادہ گلاں قیمت پر خرید لیتا ہے۔

ایک نکتہ

خوش بختی کا چار نکاتی پروگرام

قابلِ تجربات یہ ہے کہ قرآن نے اس عظیم خسارے کے لیے ایک جامع پروگرام پیش کیا ہے، جس میں چار اصولیں پرکھیں ہوا

پہلی اصل : اس پروگرام میں مسک ”ایمان“ ہے جو انسان کی تمام کارکردگیوں کی بنیاد ہے، کیونکہ انسان کی عملی جدوجہد اس کی

فکری و اعتقادی بنیادوں سے سرچشمہ حاصل کرتی ہے۔ وہ حیوانات کے افعال کی طرح نہیں ہوتیں جن کی حرکات فطری و طبعی اسباب کی بنا پر ہوتی ہیں۔

دوسرے فظوں میں انسان کے اعمال اس کے عقائد و افکار کی ایک مجسم صورت ہوتے ہیں، اور اسی بنا پر خدا کے تمام انبیاء ہر چیز سے پہلے انہوں کی اعتقادی بنیادوں کی اصلاح کیا کرتے تھے۔ اور وہ خصوصیت کے ساتھ شرک سے۔ جو انواع و اقسام کے رذائل، بدعتیں اور پگاندگیوں کا سرچشمہ ہے۔ مبارزہ کرتے تھے۔

قابل توجہ بات یہ ہے کہ "ایمان" یہاں مطلق طور پر ذکر ہوا ہے تاکہ ایمان کے تمام کے تمام پہلوؤں کو شامل کیا جائے، یعنی خدا اور اس کی صفات پر ایمان سے لے کر قیامت و حساب و کتاب، جزا و سزا، کتب آسمانی، خدا کے انبیاء اور ان کے ادویہ کے ایمان تک۔

دوسری اصل: میں ایمان کے بار آور پھر درخت کے پھل اور تیرہ کو پیش کرتے ہوئے "اعمال صالحہ" کی بات کرتا ہے۔ کیسی وسیع اور مطالب سے پر تعبیر ہے، ہاں! "صالحات" وہی سارے کے سارے شائستہ اعمال، نہ صرف عبادات، نہ صرف اتفاق فی سبیل اللہ، نہ صرف راہ خدا میں جہلو، نہ صرف علم و دانش کا حصول، بلکہ ہر وہ شائستہ کام جو تمام میدانوں میں نفوس کے تکامل و ارتقا، اخلاق کی پیدش، قرب الی اللہ اور انسانی معاشرے کی پیش رفت کا وسیلہ ہو۔

یہ تعبیر چھوٹے سے چھوٹے کاموں سے لے کر۔ جیسے گول کے راستے سے ایک رکاوٹ ڈالنے والے پتھر کو ہٹانا۔ کوٹل انسانوں کو گمراہی و ضلالت سے نجات دلانے اور دین حق و عدالت کی سارے جہان میں نشر و اشاعت کرنے تک شامل ہے۔ اور اگر ایک حدیث میں "اعمال صالحہ" کی جامع صاف علیہ السلام سے "موسسات اور دینی جماعتوں سے مسادات کرنے" سے تفسیر ہوئی ہے، تو وہ واضح و روشن مصداق کے قبیل سے ہے۔

ممکن ہے کہ بعض اوقات اعمال صالحہ بعض غیر مومن انسانوں سے بھی سرزد ہوں، لیکن مسکے طور پر وہ مضبوط و پائیدار اور دھت رکھنے والے نہیں ہوتے، کیونکہ وہ خدائی حقیقت اور گہرے اسباب سے سرچشمہ حاصل نہیں کرتے۔ لہذا ان میں جامعیت نہیں ہوتی۔ قرآن نے یہاں "صالحات" کو خصوصیت کے ساتھ جمع کی صورت میں بیان کیا ہے، ایسی جمع جو "الف و لام" کے ساتھ جمع اور عموم کے معنی رکھتی ہے۔ اور یہ اس حقیقت کو بیان کر رہی ہے کہ ایمان کے بعد اس طبعی و فطری خسارے سے روکنے والا راستہ تمام اعمال صالحہ کو انجام دیتا ہے۔ نہ صرف ایک یا چند اعمال صالحہ پر قناعت کرنا، اور واقعاً اگر ایمان حقیقی اور گہرے طور پر انسان کے دل میں جاگزیں ہو جائے تو وہ ایسے ہی آثار ظاہر کیا کرتا ہے۔

ایمان کوئی ایسا فکر اور اعتقاد نہیں ہوتا جو نوح کے گوشوں میں تو موجود ہو لیکن اس میں کسی قسم کی تاثیر موجود نہ ہو۔ ایمان تو انسان کے سارے وجود کو اپنے رنگ میں رنگ دیتا ہے۔

ایمان اس پر نور چراغ کے مانند ہے جو کسی کمرے کے اندر روشن ہے، جو نہ صرف اس کمرے کی فضا کو روشن کرتا ہے بلکہ اس کی روشنی اس کمرے کے تمام دیوچوں سے باہر نکلتی ہے اور جو شخص اس کے باہر سے گزرے وہ اچھی طرح سے سمجھ لیتا ہے کہ اس میں ایک پر نور چراغ روشن ہے۔

اسی طرح سے جب ایمان کا چراغ انسان کے دل کی سرائے میں روشن ہوتا ہے تو اس کا نور انسان کی زبان، آنکھ، کان اور ہاتھ پاؤں سے منعکس ہوتا ہے، ان میں سے ہر ایک کی حرکت بتاتی ہیں کہ دل میں ایک نور موجود ہے جس کی شاعیں باہر نکل رہی ہیں۔ اسی بنا پر قرآن کی آیات میں عام طور پر "عمل صالح" ایمان کے ساتھ "لازم و ملزم" کے عنوان سے آیا ہے۔

سورۃ نمل کی آیت ۹۷ میں آیا ہے: "من عمل صالحًا من ذکر او انثیٰ و هو مؤمن فلنحییٰہ حیوۃ طیبۃ" جو بھی عمل صالح انجام دے، مرد ہو یا عورت، لیکن ہو وہ صاحب ایمان تو ہم اُسے پاکیزہ حیات کے ساتھ زندہ کریں گے۔ اور سورۃ المؤمن کی آیت ۹۹ میں آیا ہے، اس عالم سے تبدیلی کے بعد بدکاروں کو اس بات پر افسوس ہو گا کہ انہوں نے اعمال صالح کیوں انجام نہیں دیے۔ لہذا بہت ہی زیادہ امداد کے ساتھ عمل صالح کو انجام دینے کے لیے بازگشت کا تقاضا کریں گے۔ "ربنا ینزل علیٰ عمل صالحنا فیاتو" اور سورۃ المؤمن کی آیت ۵۱ میں آیا ہے کہ خدا اپنے رسول کو یہ حکم دیتا ہے کہ "پاک و پاکیزہ چیزیں کھاؤ اور عمل صالح بجالاؤ۔" یا ایہا المرسل کملوا من الطیبات و اعملوا صالحًا

اور چونکہ ایمان و عمل صالح سوائے اس صورت کے ہرگز جاری نہیں رہتے کہ ایک طرف تو معاشرے میں حق کی طرف دعوت اور اس کی معرفت کے لیے کام کیا جائے اور دوسری طرف سے اس دعوت کی انجام دہی کی راہ میں صبر و استقامت کی دعوت ہو، اس لیے ان دو اصولوں کے بعد دوسرے دو اصولوں کی طرف اشارہ فرماتا ہے، جو حقیقت میں دو بنیادی اصولوں "ایمان" اور "عمل صالح" کے اجراء کے ضامن ہیں۔
 "تیسری اصل میں" قواعدی بہ حق" کے مسئلہ یعنی حق کی طرف سب کو عمومی دعوت دینے کی طرف اشارہ کرتا ہے تاکہ سب لوگ حق کو باطل سے اچھی طرح پہچان لیں اور ہرگز اسے فراموش نہ کریں اور زندگی کی راہ میں اُس سے معرفت نہ ہوں۔
 "تواصوا" قواعدی کے مادہ سے، جیسا کہ "راغب" نے "معروفات" میں بیان کیا ہے، اس معنی میں ہے کہ بعض افراد دوسرے بعض افراد کو نصیحت کریں۔

اور "حق" واقفیت یا واقعیت سے مطابقت کے معنی میں ہے۔ کتاب "وجہ قرآن" میں قرآن مجید میں اس لفظ کے بارہ معانی اور موارد استعمال ذکر ہوئے ہیں، مثلاً خدا، قرآن، اسلام، توحید، عدل، آشکار ہونا، اور واجب ہونا وغیرہ، لیکن وہ سب ہی اسی ریشہ اور جڑ کی طرف لوٹتے ہیں جو ہم نے اوپر بیان کی ہے۔
 ہر حال "تواصوا بالحق" کا جملہ بہت ہی وسیع معنی رکھتا ہے، جو امر بہ معروف اور نہی از منکر کو بھی شامل ہے، اور جاہل کو تعلیم دینے اور اس کو ہدایت کرنے، غافل کو تنبیہ کرنے، شوق دلانے اور ایمان و عمل صالح کی تبلیغ کرنے کو بھی۔
 یہ بات ظاہر و واضح ہے کہ جو لوگ ایک دوسرے کو حق کی نصیحت کرتے ہیں انہیں خود بھی حق کا طرف دار اور اس کا عامل ہونا چاہیئے۔

چوتھی اصل میں "صبر" و استقامت اور اس کی نصیحت و وصیت کرنے کا مسئلہ پیش ہوا ہے، کیونکہ معرفت اور آگاہی کے بعد ہر شخص عمل کی راہ میں ہر قدم پر موانع سے زبرد ہوتا ہے۔ اگر استقامت اور صبر نہ ہو تو وہ ہرگز احقاق حق نہیں کر سکتا اور کوئی عمل صالح انجام نہیں دے سکتا، یا اپنے ایمان کی حفاظت نہیں کر سکتا۔

ہاں! احقاقِ حق، اور اجراءِ حق اور معاشرے میں حق کی ادائیگی، ایک عمومی فعالیت اور نچختہ و عظیم استقامت یعنی سوانح کے مقابلہ میں ڈٹ جاتے کے سوا ممکن نہیں ہے۔

”صبر“ بھی یہاں ایک وسیع معنی رکھتا ہے جو اطاعت پر صبر کرنے کو بھی شامل ہے، گناہ پر ابھارنے والی چیزوں پر صبر کرنے، اور مصائب اور ناگوار حالات پر صبر کرنے اور توانائیں، سرمایوں اور ثمرات کو کھو بیٹھنے کے مقابلہ میں صبر کرنے کو بھی۔ ان چار اصولوں کے بارے میں جو کچھ اوپر بیان کیا گیا ہے اور جو حقیقت میں انسانوں کی زندگی اور سعادت کا جامع ترین پروگرام ہے۔ اس کی طرف توجہ کرنے سے واضح ہو جاتا ہے کہ روایات میں یہ کیوں آیا ہے کہ ”جب اصحاب پیغمبرؐ ایک دوسرے کے پاس جاتے تھے، تو ایک دوسرے سے جدا ہونے سے پہلے سورہ ”والعصر“ کی تلاوت کیا کرتے تھے، اور اس چھوٹی سی سورت کے عظیم مطالب کو بیان کیا کرتے تھے اور پھر ایک دوسرے کو خدا حافظ کہتے ہوئے اپنے اپنے کاموں میں لگ جاتے تھے۔ اور حقیقتاً اگر مسلمان آج بھی اپنی انفرادی و اجتماعی زندگی میں ان چار اصولوں پر عمل پیرا ہو جائیں تو ان کی مشکلات اور بے سرملینیا حل ہو جائیں، پس ماندگی کی تلافی ہو جائے، کمزوریاں اور ناکامیاں کامیابیوں سے بدل جائیں، اور دنیا جہان کے شریلوں کے شران سے منقطع ہو جائیں۔

خداوند! ہمیں صبر و استقامت اور حق و صبر کی ایک دوسرے کو وصیت و نصیحت کرنے کی توفیق مرحمت فرما۔ پروردگار! ہم سب خسارے میں ہیں اور اس خسارے کی تلافی تیرے لطف و کرم کے بغیر ممکن نہیں ہے۔ بارِ الہا! ہم ان چاروں احکام پر، جو تُو نے اس سورہ میں دیے ہیں، عمل کرنا چاہتے ہیں۔ تو ہمیں اس کی توفیق عطا فرما۔

آمین یا ارحم الراحمین
سورہ والعصر کا اختتام

ترجمہ کا اختتام
بہارِ نور ۲۸، رمضان المبارک ۱۴۲۸ھ
بوقت ۹ بجے صبح
برسکان حقیر مہتمم القدس ایوان



سُورَةُ هُمَزَةٍ

یہ سورہ مکہ میں نازل ہوئی۔

اس میں ۹ آیات ہیں۔

سُورۂ ہمزۃ کے مطالب اور فضیلت

یہ سورہ جو کئی سورتوں میں سے ہے ایسے لوگوں کے بارے میں گفتگو کر رہا ہے جو مال جمع کرنے میں لگے رہتے ہیں اور ان کے نزدیک انسانی وجود کی تمام اقدار کا خلاصہ یہی ہے پھر وہ ان لوگوں کو جن کے ہاتھ اس سے خالی ہوتے ہیں حسرت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں اور ان کا مذاق اڑاتے ہیں۔

یہ مغرور دولت جمع کرنے والے اور خود پسند جیلہ گر، بادۂ کبر و نخوت سے ایسے ست ہو جاتے ہیں کہ دوسروں کی حقیر عیب جوئی، استہزاء اور عیبت کرنے سے لذت اٹھاتے ہیں اور اس سے تفریح کرتے ہیں۔ اور سورہ کے آخر میں ان کی دوزخ سرنوشت کی بات کرتا ہے کہ وہ کیسی حسرت آمیز صورت میں دوزخ میں پھینکے جائیں گے اور جہنم کی بھڑکتی ہوئی آگ ہر چیز سے پہلے ان کے دل پر مسلط ہو جائے گی، اور ان کی روح دجان کو، جو اس سارے کبر و نخوت اور ان سب شرارتوں کا مرکز تھا، آگ میں ڈال دیا جائے گا، بھڑکتی ہوئی دھامی اور طولانی آگ۔

اس سورہ کی تلاوت کی فضیلت یہی ایک حدیث میں پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے آیا ہے:

”مَنْ قَرَأَ سُورَةَ الْهَمْزَةِ اعْطِيَ مِنَ الْاَجْرِ عَشْرُ حَسَنَاتٍ بِعَدَدِ مَنْ اسْتَفْزَأَ بِمَحْتَدٍ (ص) وَاَصْحَابِهِ“

”جو شخص اس سورہ کی تلاوت کرے گا اُسے ان لوگوں کی تعداد سے، جنہوں نے تمھارے اور ان کے اصحاب کا مذاق اڑایا تھا، دس گنا حسنت دیے جائیں گے۔“

ایک اور حدیث میں امام جنوداقؒ سے آیا ہے: ”جو شخص اس کو واجب نماز میں پڑھے گا، تو اس سے فخر و فاقہ دور ہو جائے گا، اور روزی اس کا رخ کرے گی اور قبیح اور بُری موت اس سے دور ہو جائے گی۔“

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

- ۱۔ وِیْلٌ لِّكُلِّ مُزَازَةٍ لِّزَرَةٍ ۝
- ۲۔ الَّذِیْ جَمَعَ مَا لَا وَعَدَدَهُ ۝
- ۳۔ یَحَبُّ اَنْ مَّالَهُ اَخْلَدَهُ ۝
- ۴۔ كَلَّا یُبْذَنَ فِی الْحُطَمَةِ ۝
- ۵۔ وَمَا اَدْرَاكَ مَا الْحُطَمَةُ ۝
- ۶۔ نَارُ اللّٰهِ الْمَوْقَدَةُ ۝
- ۷۔ الَّتِیْ تَطْلُعُ عَلٰی الْاَفِیْدَةِ ۝
- ۸۔ اِنِّهَا عَلَیْهِمْ مُّوَصَّعَةٌ ۝
- ۹۔ فِی عَمَدٍ مُمَدَّدَةٍ ۝

ترجمہ

- شروع اللہ کے نام سے جو رحمان و رحیم ہے
- ۱۔ ہر عیب جو اور تسخیر کرنے والے کے لیے دئے ہے۔

- ۲۔ وہی جو مال کو جمع کر کے گنتا رہا، (جائز و ناجائز کا حساب کیے بغیر)
- ۳۔ وہ یہ گمان کرتا ہے کہ اس کے اموال اُس کے دوام کا سبب بن جائیں گے۔
- ۴۔ جیسا کہ وہ خیال کرتا ہے ایسا نہیں ہے، عنقریب اُسے حطلہ (ریزہ ریزہ کرنے والی آگ) میں پھینک دیا جائے گا۔
- ۵۔ اور تو کیا جانے کہ حطلہ کیا ہے؟
- ۶۔ خدا کی بھڑکتی ہوئی آگ۔
- ۷۔ ایسی آگ جو دلوں سے نکلتی ہے۔
- ۸۔ یہ آگ ان کے اوپر در بستر ضرورت میں ہے۔
- ۹۔ کشیدہ اور طولانی ستونوں میں۔

Presented by: https://jafrilibrary.com

شانِ نزول

مفسرین کی ایک جماعت نے یہ کہا ہے کہ اس سورہ کی آیات "ولید بن مغیرہ" کے بارے میں نازل ہوئی ہیں، جو صحابی کرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پس پشت تو آپ کی غیبت کیا کرتا تھا اور آپ کے سامنے طعن و تشنیع اور استہزاء کیا کرتا تھا۔ اور بعض دوسرے مفسرین نے اسے رسولائے بشرک اور اسلام کے جانے پہچانے دوسرے کینہ دار لوگوں مثلاً، افسس بن شریق، و - امیہ بن غلف، و - عاص بن داؤد کے بارے میں سمجھا ہے۔

لیکن اگر ہم ان شانِ نزول کو قبول بھی کر لیں تو بھی آیات کے مضموم کی عمومیت ختم نہیں ہوتی، بلکہ وہ ان تمام لوگوں کو شامل ہے جو ان صفات کے حامل ہیں۔

تفسیر

عیب جوئی اور غیبت کرنے والوں کے لیے دائر ہے۔

یہ سورہ ایک چبھنے والی تنبیہ کے ساتھ شروع ہوتا ہے، فرماتا ہے: ہر عیب جو اور مسخر اڑانے والے کے لیے مانے ہے

(ویل لکل همزة لمزة)۔

وہ لوگ جو زبان کے ڈنک، مادہ اور پاؤں کی حرکات اور چشم و ابرو کے اشاروں سے، پیٹھ پیچھے اور زور برو دوسروں کا ملاقا اڑاتے ہیں، یا ان کی عیب جوئی اور غیبت کرتے ہیں، یا انہیں طعن و تشنیع اور تنہمت کے تیروں کا ہدف بناتے ہیں۔
"همزة" و "لمزة" دونوں مبالغہ کے صیغے ہیں۔

پہلا "همزة" کے مادہ سے اصل میں "توڑنے" کے معنی میں ہے۔ اور چونکہ عیب جو اور غیبت کرنے والے دوسروں کی شخصیت کو توڑتے ہیں اس لیے ان پر "همزة" کا اطلاق ہوتا ہے۔

اور "لمزة" "لمز" (بروزن مز) کے مادہ سے اصل میں غیبت کرنے اور عیب جوئی کرنے کے معنی میں ہے۔ اس بارے میں کہ کیا یہ دونوں لفظ ایک ہی معنی میں ہیں اور غیبت کرنے والوں اور عیب جوئی کرنے والوں کی طرف اشارہ کرتے ہیں، یا ان دونوں کے درمیان کوئی فرق ہے؟ مختصر یہ ہے کہ بہت سے احتمال دیے ہیں، بعض نے انہیں ایک ہی معنی میں لیا ہے اور اس بنا پر ان دونوں کا اکٹھا ذکر تاکید کے لیے ہے۔
لیکن بعض نے یہ کہا ہے کہ "همزة" غیبت کرنے والے کے معنی میں ہے اور "لمزة" عیب جوئی کرنے والے کے معنی میں۔

اور بعض دوسروں نے "همزة" ان اشخاص کے معنی میں سمجھا ہے جو مادہ اور سر کے اشارہ سے عیب جوئی کرتے ہیں اور "لمزة" ان اشخاص کے معنی میں جو زبان سے یہ کام انجام دیتے ہیں۔
اور بعض نے "پہلے" کو زور برو عیب جوئی کرنے اور "دوسرے" کو پیٹھ پیچھے عیب جوئی کرنے کی طرف اشارہ سمجھا ہے اور بعض نے پہلے کو آشکارا عیب جوئی اور دوسرے کو پنهان اور آنکھ اور ابرو کے اشارہ سے عیب جوئی کے معنی میں سمجھا ہے۔

اور بعض اوقات یہ کہا گیا ہے کہ یہ دونوں ہی اس شخص کے معنی میں ہیں جو لوگوں کو بُرے اور چبھنے والے القاب سے یاد کرتا ہے۔

اور آخر میں "ابن عباس" کی ایک روایت میں آیا ہے کہ وہ ان دونوں کی تفسیر میں اس طرح کہا کرتے تھے:

"هو المشاؤون بالنميمة، المفرقون بين الاحبة، الساعثون للناس بالغيبة"

"یہ وہ لوگ ہیں جو چنچل خرمی کرتے ہیں اور دوستوں کے درمیان جدائی ڈالتے ہیں اور لوگوں میں عیب نکالتے ہیں۔"
گویا ابن عباس نے اس بات کا اس حدیث سے جو پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نقل ہوئی ہے استفادہ کیا ہے،

مبالغہ کا صیغہ مشہور ہے اور ان کے علاوہ دوسرے اوزان پر بھی آتا ہے، مثلاً ان کے ایک ہی ذہن ہے، جس کی عربی زبان میں نظائر بھی موجود ہیں مثلاً: "عنك" جو بہت زیادہ بننے والے کے معنی میں ہے۔

جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے :

”الا انبئکم بشراکم؟ قالوا : بلی یا رسول اللہ (ص) قال :

المشاؤون بالنمیمۃ ، المفرقون بین الخبۃ ، الباغون للبدایۃ المعایب ” :

”کیا میں تمہیں شریک ترین افراد کی خبر نہ دوں؟ انہوں نے کہا : ”ہاں ! اے رسول خدا (ص)“

فرمایا : وہ لوگ جو بہت زیادہ چغل خودی کرتے ہیں دوستوں کے درمیان جھگڑا ڈالتے ہیں

اور پاکیزہ دلوں کو گناہ افراد کے موب کی جگہ میں رہتے ہیں بے

لیکن یہ باب لغت کے کلمات کے مجموعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ دونوں الفاظ ایک ہی معنی میں ہیں اور ایک دوسرے معنی دیتے ہیں جو ہر قسم کی عیب جوئی ، غیبت ، طعن و تشنیع اور عظام و اشارات اور زبان کے ذریعے ٹھٹھ کرنے اور مذاق اڑانے اور چغل خودی اور بگڑائی کو شامل ہے۔

بہر حال اس گروہ کے بارے میں ”ویل“ کی تعبیر ایک تہذیب شدہ ہے۔ اور اصولی طور پر آیات قرآنی نے اس قسم کے افراد کے لیے سخت تنبیہ اور اعراض کیا ہے اور ان کے لیے ایسی تعبیریں استعمال کی ہیں کہ ان جیسی کسی بھی گناہ کے لیے نظر نہیں آتیں مثلاً جب کہ دل منافقین کو مومنین کا مذاق اڑانے کی بنا پر خطاب الیم کی تہذیب کرتا ہے تو فرماتا ہے : استغفر لہم ولا تستغفر لہم ان تستغفر لہم سبعین مرة قلن ینصر اللہ لہم سورۃ تو ان کے لیے استغفار اور پناہ ہے نہ کہ اگر تو ان کے لیے ستر مرتبہ بھی استغفار کرے گا تو بھی خدا انہیں نہیں بخشے گا۔ (توبہ - ۸۰)

اسی معنی کے مشابہ ، ان منافقین کے بارے میں ، جو پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا استہزاء کرتے اور مذاق اڑاتے تھے ، سورہ منافقین کی آیہ ۵ میں آیا ہے۔

اصولی طور پر اسلام کی نظر میں اشخاص کی عزت اور حیثیت بہت ہی محترم ہے۔ اور ہر وہ کام جو لوگوں کی تحقیر و تذلیل کا سبب بہت بڑا گناہ ہے۔ ایک حدیث میں پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے آیا ہے :

”اذل الناس من اهان الناس“ :

”لوگوں میں سب سے زیادہ ذلیل شخص وہ ہے جو لوگوں کی توہین و تذلیل کرے۔“

ہم نے اس سلسلہ میں سورہ ہجرات کی آیہ ۱۲، ۱۱ کے ذیل میں (جلد ۱۲ ص ۲۵۸-۲۵۹) زیادہ تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے اس کے بعد اس قبیح عمل (عیب جوئی و استہزاء) کے سرچشمہ کو (جو عام طور پر مال و دولت سے پیدا ہونے والے کبر و غرور کے سبب سے ہوتا ہے) پیش کرتے ہوئے مزید کہتا ہے : ”وہی شخص جو مال کو جمع کر کے گنتا رہا ، (حلال و حرام کا خیال رکھے بغیر) (الذی جمع مالا وعدتہ)۔

اُسے مال و دولت کے ساتھ اتنی محنت ہے ، کہ وہ ہمیشہ انہیں گنتا رہتا ہے اور وہم و دیندگی چمک اور دوسری قسم کے

سکون سے لذت حاصل کرتا ہے، اور خوش ہوتا ہے۔ ہر درہم و دینار اس کے لیے ایک بُت ہے، وہ نہ صرف اپنی شخصیت بلکہ تمام شخصیتوں کو انہیں میں منحصر سمجھتا ہے اور یہ ایک طبعی و فطری امر ہے کہ اس قسم کا گمراہ اور دیوانہ و احمق آدمی فقیر و نادار و مومنین کا ہمیشہ مذاق اڑاتا کرتا ہے۔

”عندہ“ اصل میں ”عبد“ کے مادہ سے اُسے شمار کرنے اور گننے کے معنی میں ہے۔ بعض نے یہ احتمال بھی دیا ہے کہ یہ ”عبدہ“ (بروزن غدہ) کے مادہ سے ہے جو ان احوال کو آمادہ کرنے اور مشکلات اور بُرے دن کے لیے ذخیرہ کرنے کے معنی میں ہے۔

اور بعض نے اس کی تفسیر روک رکھنے اور بچانے کے ساتھ بھی کی ہے۔

لیکن پہلا معنی سب سے زیادہ مناسب ہے۔

بہر حال یہ آیت ان مال جمع کرنے والوں کے بارے میں ہے جو مال کو ایک وسیلہ کے طور پر نہیں بلکہ ایک ہدف اور مقصد کے طور پر دیکھتے ہیں اور اس کے جمع کرنے میں کسی قسم کی قید و شرط کے قائل نہیں ہیں۔ وہ اسے حلال و حرام اور دوسروں کے حقوق پر تہاد کر کے، شرفائز طریقہ سے، یا پست و رذیلانہ طریقہ سے، جمع کرتے ہیں۔ اور صرف اسی کو عظمت و شخصیت کی نشانی سمجھتے ہیں۔

وہ مال و دولت کو زندگی کی ضروریات کے پُر کر کے لیے نہیں چاہتے، اور یہی وجہ ہے کہ ان کے مال و دولت میں جتنا اضافہ ہوتا جاتا ہے ان کی حرص اور طمع بڑھتی جلی جاتی ہے۔ روزِ قتل محدود میں اور جائز طریقہ سے حاصل شدہ مال و دولت نہ صرف مذموم نہیں ہے بلکہ بعض اوقات قرآن مجید نے اسے ”فضل اللہ“ کے عنوان سے تعبیر کیا ہے، جہاں فرمایا ہے:

وَابْتَغُوا مِنْ فَضْلِ اللَّهِ (جمہ - ۱۰) اور دوسری جگہ اُسے خیر سے تعبیر کرتا ہے: كُتِبَ عَلَيْكُمْ إِذَا حَضَرَ أَحَدَكُمُ الْمَوْتُ إِنْ تَرَكَ خَيْرًا الْوَصِيَّةُ: تم پر واجب ہے کہ جب تم میں سے کسی کی موت کا وقت آپہنچے تو اگر اس نے کچھ خیر چھوڑی ہے تو اس کے لیے وصیت کرے۔

ایسا مال یقینی طور پر نہ تو فطیان و سرکشی کا باعث ہوتا ہے، نہ ہی تغافل کا سبب بنتا ہے اور نہ ہی وہ دوسروں کے استہزاء کا موجب ہوتا ہے، لیکن وہ مال جو مہبود بنا لیا گیا ہے اور وہی اصلی ہدف و مقصد بن چکا ہے، اور وہ اپنے مالکوں کو ”قائدین“ کی طرح فطیان و سرکشی کی دعوت دیتا ہے، وہ تنگ و عار ہے، ذلت ہے اور مصیبت و کبت ہے اور خدا سے دوری اور ہمیشہ ہمیشہ کے لیے جہنم کی آگ میں رہنے کا باعث ہے۔

عام طور پر اس مال کو زیادہ مقدار میں جمع کرنا بہت زیادہ آلودگیوں کے سوا ممکن نہیں ہے۔

اس لیے ایک حدیث میں امام علیؑ بن موسیٰ رضا علیہ السلام سے آیا ہے: آپؑ نے فرمایا:

”لا یجتمع المال الا بخمس خصال: بخل شدید، وامل طویل، وحرص غالب،

وقطیعة رحم، وایثار الدنیا علی الآخرة“:

پانچ خصلتوں کے بغیر مال کسی کے پاس جمع نہیں ہو سکتا۔ (۱) بخل شدید (۲) طویل آرزوئیں

۱۔ حرص غالب ۲۔ قطع رحمی ۳۔ اور دنیا کو آخرت پر مقدم رکھنا۔
جو لوگ سخی جوتے ہیں اور لمبی لمبی آرزوں میں گرفتار نہیں ہوتے، حلال و حرام کا خیال رکھتے ہیں، اپنے اقربا کی مدد کرتے ہیں، عام طور پر ایسوں کے پاس مال جمع نہیں ہوتا، چاہے ان کی آمدنی زیادہ ہی کیوں نہ ہو۔
بعد والی آیت میں مزید کہتا ہے: ”دولت جمع کرنے والا مال پرست انسان یہ گمان کرتا ہے کہ اس کے اموال اس کی ہمیشگی کا سبب ہیں (یجب ان ماله اخلاہ)۔“

قابل توجہ بات یہ ہے کہ ”اخلاہ“ یہاں ”فعل ماضی“ کی صورت میں آیا ہے، یعنی وہ یہ گمان کرتا ہے، کہ اس کے اموال نے اسے ایک باددائی اور دائمی موجود بنا دیا ہے، نہ تو موت اس کے پاس پہنچ سکتی ہے، اور نہ ہی بیماریاں اور دنیا کے حوادث اس کے لیے کوئی مشکل پیدا کر سکتے ہیں، کیونکہ اس کی نظر میں مشکل کشا صرف مال و دولت ہے، اور یہ مشکل کشا اس کے پاس حاضر ہے۔ یہ تصور کتنا غلط اور خام خیالی ہے؟ اس قدر مال و دولت جو قادیوں کے قبضہ و اختیار میں تھا، کہ اس کے خزانوں کی پیادیاں کئی فاقہ زد مرد بڑی مشکل سے اٹھا سکتے تھے، لیکن عذاب الہی کے حملہ کے وقت وہ اس کی موت کو ایک گھڑی کے لیے مؤخر نہ کر سکے اور خزانے اُسے اور اس کے خزانوں کو ایک ہی لمحہ میں مختصر سے زلزلہ کے ساتھ زمین میں دھنسا دیا، ”فخسفنا بہ وبدارہ الارض (قسم - ۸۱)“

وہ اموال جن کا کامل فائدہ ہرگز کے پاس تھا، لیکن بھلائی کے واسطے صرف ”کو ترکھا“ من جنات و عیون و ذروع و مقام صمیم و نعمۃ کانوا فیہا فاکمین“: ”وہ کتنے زیادہ باغات اور شے کمیتیاں اور عمدہ و قیمتی مملکت، اور مہری فراط نعتیں جن میں وہ ناز و نعمت کے ساتھ زندگی بسر کر رہے تھے“ اپنے پیچھے چھوڑ گئے: (دُخان - ۲۵ تا ۲۷) لیکن یہ سب کے سب آسانی کے ساتھ ایک ہی ساعت میں دوسروں کے ہاتھ میں پہنچ گئے، ”کذالک و اور شانا قومًا اخرین، (دُخان - ۲۸)“

اور اسی لیے کیونکہ قیامت میں پردے ہٹ جائیں گے، اور انہیں اپنی عظیم غلطی کا علم ہو جائے گا، تو وہ پکاراٹھیں: ”ما اغنیٰ عنی مالیہ ہلک عنی سلطانیہ“: ”میرے مال و دولت نے مجھے ہرگز بے نیاز نہیں کیا، اور میری قدر و طاقت و اقتدار بھی میرے پاس نہ رہے۔ (حلقہ - ۲۸ - ۲۹)“

اصولی طور پر انسان فنا و نیستی سے مستتر ہے۔ اور وہ ہمیشگی اور دوام کا طرف دار ہے، اور یہی اندرونی لگاؤ ہماری مملکت کے مباحث میں مدد کرتا ہے کہ ہم یہ جان لیں کہ انسان ہمیشگی اور دوام کے لیے پیدا ہوا ہے، ورنہ بادواں ہونے کے ساتھ لگاؤ کی فطری خواہش اس میں نہ ہوتی۔

لیکن یہ مفروضہ و خود غرض اور دنیا پرست انسان اپنی ہمیشگی کو ایسے امور میں سمجھنے لگتا ہے جو شیک اس کی فنا و نیستی کا

۱۔ ”فرشتہ سلیم“ جلد ۵ ص ۶۶۸ حدیث ۷

۲۔ ”مالہ“ ممکن ہے کہ ”مال“ ضمیر فاعلیہ کی طرف مضاف ہو، یا ”مالہ“ موصولہ اور اس کے ملے سے مرکب ہو، ”اخلاہ“ کا جملہ جو فعل ماضی ہے

مفارغ کے معنی میں ہے۔ یا غلو کے معنی وجبات و اسباب کے معنی میں ہے۔

سبب ہیں، مثلاً وہ مال و مقام کو، جو عام طور پر اس کی بقا کے دشمن ہیں، دوام کا ذریعہ شمار کرنے لگتا ہے۔
اس بیان سے واضح ہو گیا کہ مال کے ذریعے دوام اور میثقی کا تصور، مال کے جمع کرنے کی ایک دلیل ہے۔ اور ان
دل کے اندھوں کی نظر میں مال کا جمع ہو جاتا بھی دوسروں پر استعلا اور تسخر کرنے کا ایک حامل شمار ہوتا ہے۔
قرآن اس گمراہ کے جواب میں فرماتا ہے: ایسا نہیں ہے جیسا کہ وہ گمان کرتا ہے، (حکلاً)۔
بلکہ وہ محتریب استثنائی وقت و غرضی کے ساتھ پاش پاش کرنے والی آگ میں پھینک دیے جائیں گے۔ (لینبذن فی الحطمة)۔
اس کے بعد حکم کی اس طرح تفسیر کرتا ہے: "اور تو کیا جانے کہ حکم کیا ہے" (وما ادبرک ما الحطمة)۔
"وہ خدا کی بھڑکائی ہوئی آگ ہے" (نار اللہ الموقدة)۔

"وہ آگ جو دلوں سے نکلے گی اور اس کے ابتدائی شعلے دلوں میں ظاہر ہوں گے"۔ (التي تطلع علی الافئدة)
"لینبذن" "نبذ" (بر وزن سبز) کے مادہ سے "مفروت" میں "راغب" کے قول کے مطابق، اصل میں کسی چیز کو اس
کی حقارت اور بے قدری کی وجہ سے دور پھینکنے کے معنی میں ہے۔

یعنی خدا ان مفور، خود خواہ، اپنے آپ کو بڑا سمجھنے والوں کو اس دن ذلیل اور بے قدر و قیمت موجودات کی صورت میں جہنم
کی آگ میں پھینکے گا، تاکہ وہ اپنے کبر و غرور کا نتیجہ دیکھ لیں۔

"حطمة"۔ "حلم" کے مادہ سے مخالف کا صنف ہے جو کسی چیز کو ہم پرہم کرنے کے معنی میں ہے، اور یہ اس بات کی
شان دہی کرتی ہے کہ جہنم کی بھڑکتی ہوئی آگ بڑی سختی کے ساتھ ان کے اعضاء و جوارح کو توڑ کر رکھ دے گی، لیکن بعض روایات
سے معلوم ہوتا ہے کہ "حطمة" ساری جہنم کا نام نہیں ہے، بلکہ اس کے مد سے زیادہ گرم اور بھڑکتے ہوئے حصہ کا نام ہے۔
اس معنی کو سمجھنا کہ آگ جلانے کی بجائے اعضاء کو توڑ دے گی، شاید گزشتہ زمانوں میں تو مشکل ہو، لیکن موجودہ زمانہ میں ہم
کے پھٹنے کی لہروں کی تاثیر کی شدت کا سلسلہ ہم سب پر واضح ہو چکا ہے کہ یہ کیسے ممکن ہے کہ ایک خوفناک بم کے پھٹنے
سے پیدا ہونے والی لہریں، نہ صرف انسانوں کو بلکہ لہجے کے حکم گاڑوؤں اور عمارتوں کے بڑے بڑے ستونوں کو بھی توڑ دیں
یہ کتنی عجیب بات نہیں ہے۔

"نار اللہ" (خدا کی آگ) کی تعبیر اس کی عظمت کی دلیل ہے اور "موقدة" کی تعبیر اس کے ہمیشہ کے لیے روشن
ہونے کی دلیل ہے۔

تعبیر کی بات یہ ہے کہ یہ آگ دنیا کی آگ کے برخلاف، جو پہلے چمڑے کو جلاتی ہے، اور اس کے بعد ہل کے
اندر نفوذ کرتی ہے، سب سے پہلے دلوں میں شعلہ در ہوگی اور اند کو جلائے گی۔ پہلے دل کو جلائے گی پھر دماغ اور ہڈیوں کو
اور اس کے بعد باہر کی طرف سرایت کرے گی۔

یہ کس قسم کی آگ ہے جس کا پہلا شعلہ انسان کے دل میں ظاہر ہوگا؟ یہ کیسی آگ ہے جو باطن کو ظاہر سے پہلے جلائے گی؟
قیامت کی ہر چیز عجیب و غریب ہے اور اس کا اس جہان کی باتوں کے ساتھ ہمت زیادہ فرق ہے، یہاں تک کہ اس کی جلانے

والی آگ کی گرفت میں بھی ایک الگ خاصیت ہے۔

ایسا کیوں نہ ہو؟ جب کہ ان کے دل ہی تو کفر اور کبر و نخوت کا مرکز تھے، اور وہ حُبِ دنیا اور مال و دولت کی محبت کا موربہ بنے ہوئے تھے۔

خدا کے قہر و غضب کی آگ ہر چیز سے پہلے ان کے دلوں پر کہیں مسلا نہ ہو، جب کہ انہوں نے اس دنیا میں مومنین کے دل کو قسز، عیب جہنی، فحیبت اور حقیر و تذلیل کے ساتھ جلایا تھا۔ لہذا حالتِ الہی کا تقاضا یہی ہے کہ وہ اپنے اعمال جیسا ہی کبیر کردار دیکھیں۔

اس سورہ کی آخری آیت میں فرماتا ہے: "یہ جلائے والی آگ ان پر دھارہ بند ضرورت میں ہوگی۔" (انھا علیہم موصدة)۔ "ایصا" کے مادہ سے، دھارہ بند کرنے اور اس کو حکم کرنے کے معنی میں ہے، اسی لیے ان کو ان کے جو پرائیڈ کے اندر اموال جمع کرنے کے لیے بنائے ہیں۔ "وصید" کہتے تھے۔

حقیقت میں جیسا کہ وہ اپنے اموال کو مضبوط صندوقوں اور درخت غروں میں محفوظ کر کے رکھا کرتے تھے، خدا ہی انہیں مخرج کے درخت عذاب میں جس سے غلامی اور نجات پانے کی کوئی راہ نہ ہوگی، قید کرے گا۔ اور آخر میں فرماتا ہے:

"انہیں کھینچے ہوئے اور طولانی ستونوں میں رکھا جائے گا۔" (فی عہد ممددة)۔

"عمد" "عمود" جیسا کہ کڑی اور کھمبے کے قطعات (ستون) ہوتے ہیں اور "ممددة" کھینچے ہوئے اور طولانی

کے معنی میں ہے۔

مفسرین کی ایک جماعت نے اس تعبیر کو لوبہ کی بڑی بڑی میزوں کی طرف اشارہ سمجھا ہے، جن کے ساتھ جہنم کے دروازے حکم طور پر جڑے ہوئے ہوں گے، اس طرح کہ ان سے نکلنے کی بائبل کوئی راہ نہ ہوگی۔ اس بنا پر یہ گزشتہ آیت پر ایک تاکید ہے جو یہ کہتی ہے کہ جہنم کے دروازوں کو ان پر بند کر دیں گے، اور وہ ہر طرف سے محصور ہو کر رہ جائیں گے۔

بعض نے اسے عذاب و مجازات کے وسائل کی ایک قسم کی طرف بھی اشارہ سمجھا ہے، اس چیز کے مانند جو ہماسٹل "ہتھکڑی اور بیڑی" کے ساتھ مصروف ہے، اور وہ کڑی یا لوبہ کا ایک ذوقی ٹھکانا ہوتا ہے جس میں پاؤں کے ناپ کے برابر دو سوراخ ہوتے ہیں، اس میں پاؤں کو رکھ دیتے ہیں اور اس کے اوپر کے سوراخ سے پکڑ کر اس میں تالہ لگا دیتے ہیں۔ اس طرح اس آدمی میں چلنے کی طاقت نہیں رہتی تھی، اور یہ ان شخصوں کی سزا ہوگی جو وہ بے گناہ لوگوں کو دیا کرتے تھے۔

بعض نے ایک تیسری تفسیر بھی آخری اکشافات کی مدد سے اس کے لیے بیان کی ہے۔ اور یہ ہے کہ جہنم کے جلائے والے شعلے کشیدہ اور طولانی ستونوں کی طرح ان پر مسلط ہو جائیں گے۔ وہ کہتے ہیں کہ آخری اکشافات میں یہ ثابت ہوا ہے کہ کہیں (مومنین) کی مخصوص شاخیں، دوسری شاخوں کے برخلاف جو خود بخود ضرورت میں پہیلی ہیں، وہ استوائی ضرورت میں شیک ستون کی طرح منتشر ہوتی ہیں، اور تعجب کی بات یہ ہے کہ یہ شاخیں انسان کے سامنے وجود میں نمودار کر جاتی ہیں، یہاں تک کہ اس کے دل پر بھی مسلط ہو جاتی ہیں اور اسی بنا پر داخلی اعضا کا ایک سرے لینے کے لیے اس سے استفادہ کرتے ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ جہنم کی جبروتی ہوتی آگ سے

ایسی شاعریں اُنہیں کی جو اُدھر والی شاعریوں سے ملتی جلتی ہوں گی۔
لیکن ان تفسیر میں سب سے زیادہ مناسب وہی پہلی تفسیر ہے۔ (البتہ ان تفسیر میں بعض کی بنا پر
”فی عدم ممدودہ“ کا جملہ دوزخ کی حالت کو بیان کرتا ہے اور دوسری بعض کی بنا پر دوزخیوں کی حالت کی

چند نکات

۱۔ کبر و غرور بڑے بڑے گناہوں کا سرچشمہ ہے

”اپنے آپ کو بڑا خیال کرنا ایسی عظیم بلا ہے جو بہت سے گناہوں کی اصل اور بنیاد قرار پاتی ہے۔ خدا سے غفلت،
نعمتوں کا کفران، عیاشی اور ہوس بازی میں غرق ہونا، دوسروں کی تحقیر و تذلیل، مومنین کا مذاق اڑانا، اسی صفتِ رؤفہ کے منحوس اور
بُڑے اثرات ہیں۔ کم ظرف لوگ جب کسی مقام و منصب یا کسی اچھی منزل پر پہنچ جاتے ہیں تو وہ ایسے کبر و غرور میں گرفتار ہو
جاتے ہیں کہ کسی دوسرے کے لیے کسی قدر وقیمت کے قائل ہی نہیں ہوتے۔ اور یہی چیز ان کے معاشرے سے بُرا ہونے
اور معاشرے کے ان سے الگ ہونے کا سبب بن جاتی ہے۔

وہ اپنے ہی تصورات و خیالات کی دنیا میں ڈوبے رہتے ہیں اور خود کو باتھوں سے علیحدہ کرتے اور غلوں خیال کرنے لگتے ہیں
یہاں تک کہ اپنے آپ کو مقربانِ خدا میں بھی شمار کرنے لگتے ہیں، اور اسی وجہ سے دوسروں کی عزت و اہم و بکدان کی جان تک
بھی ان کی نظر میں بے قدر و قیمت ہو جاتی ہے، اور وہ ”عز“ و ”لمز“ یا دوسروں کی حیب جوئی اور مذمت میں مشغول ہو جاتے
ہیں اور یوں اپنے خیال میں وہ اپنی عظمت میں اضافہ کرتے ہیں۔

قابلِ توجہ بات یہ ہے کہ بعض روایات میں اس قسم کے افراد کو ”عزرب“ (بچھو) سے تشبیہ دی گئی ہے، اور اگرچہ بچھو
کا ڈھک مانا کسی کینہ کی وجہ سے نہیں ہوتا، لیکن ان کا ڈھک ماننا کینہ پھڑکی کی وجہ سے ہوتا ہے۔

ایک حدیث میں آیا ہے کہ پیغمبرِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:
”میں نے شبِ معراج دوزخیوں کے ایک گروہ کو دیکھا کہ ان کے پہلوؤں سے گوشت
اُگ کر کے انہیں کھلاتے تھے۔ میں نے جبریل سے پوچھا کہ یہ لوگ کون ہیں؟ تو
انہوں نے کہا:

”هؤلاء هم المازون من امتك، المازون“:

”یہ آپ کی امت میں سے حیب جوئی کرنے والے اور استہزاء کرنے والے ہیں۔

جیسا کہ ہم نے اوپر اشارہ کیا ہے، ہم نے سورہ ہجرت کی آیات کے ذیل میں اس سلسلہ میں تفصیلی بحث کی ہے۔

۲۔ مال جمع کرنے کی حرص

مال و دولت کے بارے میں افراط و تفریط کے لحاظ سے مختلف نظریے پائے جاتے ہیں۔ بعض لوگ تو اس کو اپنی اہمیت دیتے ہیں کہ اُسے تمام مشکلات کا حل سمجھتے ہیں۔ یہاں تک کہ اس نظریے کے طرفداروں نے اپنے اِشعار میں اس سلسلہ میں خوب دباؤ سخن دی ہے، منجملہ ایک شاعر عرب کہتا ہے :

”فصلحة سبحان و خط ابن مقلدة

وحكمة لقمان وزمد بن ادھم

إذا اجتمعت في المرء والمرء مفلس

فليس له قدر بمقدار درهم

”(عرب کے معروف فصیح) ”سبحان کی فصاحت“ اور (معروف خطاط) ”ابن مقلدہ“ کا خط اور ”لقمان“ کی حکمت اور ”ابراہیم بن ادھم“ کا زہد اگر کسی انسان میں جمع ہو جائے تو اس کی قدر و قیمت ایک درہم کے برابر بھی نہیں ہوگی!“

لہذا اس میں تعجب کی کوئی بات نہیں ہے اگر وہ ہمیشہ مال جمع کرنے میں مشغول رہے اور ایک آن کے لیے بھی راحت و آرام سے نہ بیٹھے اور اس کے لیے کسی بھی قید و شرط کا قائل نہ ہو اور حلال و حرام ان کی نظر میں یکساں ہو جائے۔ اس گروہ کے نقطہ مقابل میں وہ گروہ ہے جو مال و دولت کے لیے کم سے کم قدر و قیمت کا بھی قائل نہیں ہے۔ وہ فقر و فاقہ کی تعریف کرتا ہے اور اس کی عظمت و بلندی کا قائل ہے، یہاں تک کہ وہ مال کو تقویٰ اور قرب خدا میں مزاحم سمجھتے ہیں۔ لیکن ان دونوں نظریات کے مقابل میں (جو افراط و تفریط رکھتے ہیں) قرآن مجید اور اسلامی روایات سے جو کچھ معلوم ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ مال ابھی چیز ہے، لیکن چند شرائط کے ساتھ :

پہلی شرط یہ ہے کہ وہ ذریعہ اور وسیلہ ہو نہ کہ ہدف اور مقصد۔

دوسری شرط یہ ہے کہ وہ انسان کو اپنا ”امیر“ نہ بنائے بلکہ انسان اس کا ”امیر“ ہو۔

تیسری شرط یہ ہے کہ اُسے مشروع اور حلال طریقہ سے حاصل کیا جائے اور وہ رضائے خدا کے لیے صرف ہو۔

اس قسم کے مال سے محبت نہ صرف یہ کہ وہ دنیا پرستی نہیں ہے، بلکہ آخرت سے محبت کی ایک دلیل ہے۔ اسی لیے

ایک حدیث میں امام احمد رضا دق علیہ السلام سے آیا ہے :

”جن وقت آپ نے ذهب و فضہ (سونا اور چاندی) پر لعنت کی، تو آپ کے

ایک صحابی نے تعجب کیا، اور اس بارے میں سوال کیا تو امامؑ نے فرمایا :

”لیس حیث تذهب الیہ انما الذهب الذی ذهب بالمدین والفضة التي

افاضت الکفر“ :

” (ذہب) سونے سے مراد وہ چیز ہے جو دین کو ختم کر دے اور فتنہ (پانڈی) سے

مراد وہ چیز ہے جو کفر و بے ایمانی کا سرچشمہ بنے۔ ۱

ایک اور حدیث میں حضرت امیر المومنین علیہ السلام سے آیا ہے :

” السكر أربع سكرات سكر الشراب وسكر المال، وسكر النوم، وسكر الملك۔“

” نشہ اور مستی چار قسم کی ہوتی ہے :

۱۔ شراب کی مستی۔ ۲۔ مال کی مستی۔ ۳۔ نیند کی مستی۔ ۴۔ اقتدار کی مستی۔ ۲

ایک اور حدیث میں امام جنود حق علیہ السلام سے آیا ہے کہ ایک شخص آپ کی خدمت میں آیا اور عرض کیا، میرے ماں باپ

آپ پر قربان، مجھے کچھ وعظ و نصیحت فرمائیے، تو آپ نے فرمایا :

” ان كان الحسنات حقاً فالجمع لماذا ؟ وان كان الخلف من

الله عز وجل حقاً فالبخل لماذا ؟“

” اگر حسنات حق ہیں اور ایمان پر ایمان رکھتے ہیں تو پھر مال کا جمع کرنا کس لیے ؟ (کیوں

اُسے راہ خدا میں خرچ نہ کریں) اور اگر بخل دینا اور تلافی کرنا اللہ کی طرف سے حق ہے،

تو پھر بخل کس لیے ؟ ۳

بہت سے لوگ ایسے ہیں جو آخر عمر تک مال جمع کرنے میں لگے رہتے ہیں اور انجام کار دوسروں کے لیے چھوڑ جاتے ہیں۔

ان کا حساب تو انہیں دینا پڑے گا اور اس سے فائدہ دوسرے لوگ اٹھائیں گے۔ اسی لیے ایک حدیث میں آیا ہے کہ لوگوں نے

امیر المومنین علی سے سوال کیا، من اعظم الناس حسرة ؟ : لوگوں میں سب سے زیادہ حسرت و ندامت کس کو ہوگی ؟

آپ نے فرمایا :

” من رأى ماله في ميّات غيرة وادخله الله به النار وادخل وارثه

به الجنة۔“

” وہ شخص جو اپنے اموال کو دوسروں کے اعمال تو لٹنے کی ترازو میں دیکھے، خدا اُسے تو

اس کے اموال کی وجہ سے دوزخ میں داخل کرے، اور اس کے وارث کو اس کی وجہ سے

جنت میں داخل کرے۔ ۴

۱۔ ”بخارالانوار“ جلد ۳، ص ۱۴۱ حدیث ۱۷

۲۔ ”بخارالانوار“ جلد ۳، ص ۱۴۲

۳۔ ”تجوید صدوق“ مطابق نقل ”تراشفتلین“ جلد ۵، ص ۶۶۸ حدیث ۸

۴۔ ”بخارالانوار“ جلد ۳، ص ۱۴۲

کی روشنی ہو، تم میرے دل کا میوہ ہو۔ اگر انسان تمہیں دوست بنالیں تو پھر میرے
 لیے یہ بات کوئی اہمیت نہیں رکھتی کہ وہ بُت پرستی نہ کریں۔ بس میرے لیے یہی
 بات کافی ہے کہ وہ تم سے محبت کرنے لگیں، (کیونکہ تم سب بتوں سے بڑھ کر
 بُت ہو)۔

خداوند! ہمیں مال و غضب، دنیا و شہوات کی مستی سے محفوظ فرما۔
 ہمیں شیطان کے تسلط اور درہم و دینار کی بندگی سے رہائی عطا فرما۔
 بار الہا! جہنم کی آگ سخت توڑنے والی ہے اور تیرے لطف و کرم کے بغیر اس سے نجات ممکن نہیں ہے۔
 ہمیں اپنے لطف کا مشمول قرار دے۔

آمین یا رب العالمین
 سُورَةُ هُزْزَةِ كَاخْتَام

Presented by: <https://jafrilibrary.com/>



سُورَةُ الْفِيلِ

Presented by: <https://jafrilibrary.com/>

❖ یہ سورہ مکہ میں نازل ہوا
❖ اس میں ۵ آیات ہیں۔

سُورَةُ فِيلٍ کے مطالب اور اس کی فضیلت

یہ سُورہ — جیسا کہ اس کے نام سے واضح ہے — ایک مشہور تاریخی داستان کی طرف اشارہ کرتا ہے، جو پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت کے سال واقع ہوئی تھی اور محاذِ عامہ کعبہ کو کفار کے اس عظیم لشکر کے شر سے محفوظ رکھا تھا، جو سرزمینِ مین سے ہاتھیوں پر سوار ہو کر آیا تھا۔

یہ سُورہ اس عجیب داستان کی یاد دلاتا ہے جو مکہ کے بہت سے لوگوں کو یاد تھی، کیونکہ وہ ماضی قریب میں ہی واقع ہوئی تھی۔

اس داستان کی یاد آدمی مغرور اور ہٹ دھرم کفار کے لیے ایک تنبیہ ہے کہ وہ یہ جان لیں کہ وہ خدا کی قدرت کے مقابلہ میں کچھ بھی قدرت نہیں رکھتے۔ وہ خدا جس نے ہاتھیوں کے اس عظیم لشکر کو ان پھوٹے پھوٹے پرندوں اور ان نیم بند کنکریوں (حجارة من مسجیل) سے ریزہ ریزہ کر دیا۔ وہ ان ہٹ دھرم مسکبین کو سزا دینے کی قدرت بھی رکھتا ہے۔

نہ تو ان کی قدرت ہی "ابرہہ" کی قدرت سے زیادہ تھی اور نہ ہی ان کے لشکر اور افراد کی تعداد کہیں اس حد تک پہنچی تھی۔ یعنی تم لوگ جنہوں نے اس واقعہ کو اپنی آنکھ سے دیکھا ہے، غرور و تکبر کی سواری سے نیچے کیوں نہیں اترتے؟ اس سُورہ کی تلاوت کی فضیلت میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے آیا ہے:

"جو شخص سُورہ فیل کو نماز واجب میں پڑھے گا قیامت میں ہر پہاڑ اور ہموار زمین اور ہر ڈھیلہ اس کی گواہی دے گا کہ وہ نماز گزاروں میں سے ہے اور ایک منادی ندا دے گا کہ تم نے میرے بندے کے بارے میں سچ کہا ہے۔ میں تمہاری گواہی کو اس کے نفع یا نقصان میں قبول کرتا ہوں۔ میرے بندے کو حساب کے بغیر جنت میں داخل کر دو، کیونکہ

وہ ایسا شخص ہے جسے میں دوست رکھتا ہوں اور اس کے عمل کو بھی دوست رکھتا ہوں۔
 یہ بات واضح اور ظاہر ہے کہ یہ سب فضیلت و ثواب اور عظیم جزا اس شخص کے لیے ہے جو ان آیات کو
 پڑھ کر خود و مجتہد کی سواری سے نیچے اتر آئے اور رضائے الہی کی راہ میں قدم رکھ دے۔

Presented by: <https://jafrilibrary.com/>

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

- ۱۔ اَلْمُتْرَكِّفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِاَصْحَابِ الْفِيلِ ۝
- ۲۔ اَلْمُجْبَلِ كَيْدُ مَنْ فِيْ تَضْلِيلٍ ۝
- ۳۔ وَاَرْسَلَ عَلَيْهِمْ طَيْرًا اَبَابِيلَ ۝
- ۴۔ تَرْمِيْهِمْ بِحِجَارَةٍ مِّنْ سِجِّيلٍ ۝
- ۵۔ فَجَعَلَهُمْ كَعَصِفٍ مَّا كُوِلَ ۝

ترجمہ

- شروع اللہ کے نام سے جو رحمان و رحیم ہے
- ۱۔ کیا تو نے دیکھا نہیں کہ تیرے پروردگار نے اصحابِ فیل (ابرہہ کے لشکر کو جو کعبہ کو نابود کرنے کے ارادے سے آیا تھا) کے ساتھ کیا کیا۔
 - ۲۔ کیا ان کے منصوبہ کو خاک میں نہیں ملا دیا؟
 - ۳۔ اور ان کے اوپر گردہ در گردہ پرندے بھیجے۔
 - ۴۔ جو اُن کے اوپر چھوٹی چھوٹی کنکریاں برسا رہے تھے۔
 - ۵۔ اور اس طرح انہیں کھائے ہوئے بھوسہ کی مانند بنا دیا۔

شان نزول

ایک حدیث میں امام علی بن الحسین علیہ السلام سے آیا ہے کہ :
 " ابو طالب ہمیشہ اپنی تلوار کے ذریعے پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دفاع کیا کرتے تھے۔ یہاں تک کہ آپ فرماتے ہیں : (ایک دن) ابو طالب نے کہا :
 اے بیٹے ! کیا آپ سب لوگوں کے لیے مبعوث ہوئے ہیں یا صرف اپنی قوم کے لیے بھیجے گئے ہیں ؟

پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا : " نہیں ! میں تمام انسانوں کے لیے مبعوث ہوا ہوں ، وہ گورہا ہو یا کالا ، عربی یا عجمی ۔ اسی ذات کی قوم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے ، میں تمام انسانوں کو چاہے وہ گورے ہوں یا کالے اس دین کی طرف دعوت دیتا ہوں ۔ اور ان تمام لوگوں کو جو پہاڑوں کی چوٹی پر بستے ہیں یا دریاؤں میں رہتے ہیں اس دین کی طرف بلاتا ہوں ، اور میں فلاں دروم کی تمام زبانوں کو دعوت دیتا ہوں ۔

جب یہ گفتگو قریش کے کانوں تک پہنچی تو انہوں نے تعجب کیا اور کہا ، کیا آپ اپنے بیٹے کی باتوں کو نہیں سنتے کہ وہ کیا کہتا ہے ۔ خدا کی قسم اگر فلاں دروم کے لوگ یہ بات سن لیں گے تو ہمیں ہماری سرزمین سے باہر نکال کھڑا کریں گے اور خازن کعبہ کے پتھروں کو کھڑے کھڑے کر کے الگ الگ کر دیں گے ۔ اس موقع پر خدا نے آیہ شریفہ وقالوا ان تتبع الهدی معش تختطف من ارضنا اولو نمکن لهم حرماً امثا یجئ الیہ ثمرات کل شیء " انہوں نے کہا ، اگر ہم تیرے ساتھ مل کر ہدایت کو قبول کر لیں تو ہمیں ہماری سرزمین سے باہر نکال دیں گے ، کیا ہم نے انہیں ، امن کے اس حرم میں ، جس کی طرف ہر طرح کے پھل لاتے ہیں ، جگہ نہیں دی ؟ " (تھم - ۵) نازل ہوئی ۔

اور ان کے اس قول کے بارے میں کہ وہ خازن کعبہ کو کھڑے کھڑے کر دیں گے سورہ فیل نازل کی ۔ (اور انہیں گوش گزار کیا کہ کوئی شخص بھی اس قسم کے کام کی قدرت نہیں رکھتا) ۔

اصحاب فیل کی داستان

مفسرین اور مؤرخین نے اس داستان کو مختلف صورتوں میں نقل کیا ہے ۔ اور اس کے وقوع کے سال میں بھی اختلاف ہے لیکن اصل داستان ایسی مشہور ہے کہ یہ اخبار متواتر میں شمار ہوتی ہے ۔ اور ہم اسے مشہور روایات کے مطلقاً " سیرۃ ابن ہشام " و " بلوغ العرب " و " بحار الانوار " و " مجمع البیان " سے خلاصہ کر کے نقل کرتے ہیں ۔

یمن کے بادشاہ " ذونواس " نے حوران کے عیسائیوں کو جو اس سرزمین کے نزدیک بستے تھے اس لیے بہت تنگ کر رکھا تھا کہ وہ اپنا دین مسیحیت چھوڑ دیں ۔ قرآن نے اس واقعہ کو سورہ " بروج " میں اصحاب الاخدود کے عنوان سے بیان کیا ہے ۔

اور ہم نے اسے اسی سٹودہ کی تفسیر میں تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے۔

اس عظیم جرم کے بعد "دوس" نامی ایک شخص ان میں سے اپنی جان بچا کر بھل گیا اور وہ قیصر روم کے پاس، جو دین مسیحیت پر تھا، جا پہنچا، اور اس کے سامنے یہ سارا ماجرا بیان کیا۔

چونکہ "روم" اور "مین" کے درمیان فاصلہ زیادہ تھا لہذا اس نے حبشہ کے بادشاہ "نہاشی" کو خط لکھا کہ وہ "ذو نواس" سے نصارا لے کر بحران کا انتہام لے، اور اس خط کو اسی شخص کے ہاتھ "نہاشی" کے پاس روانہ کیا۔

"نہاشی" نے ایک بہت بڑا لشکر جو ستر ہزار افراد سے زیادہ پر مشتمل تھا "اریاط" نامی شخص کی کمان میں مین کی طرف روانہ کیا۔ "ابرہہ" بھی اس لشکر کے افسروں میں سے ایک تھا۔

"ذو نواس" کو شکست ہوئی، اور "اریاط" مین کا حکمران ہو گیا۔ کچھ مدت کے بعد "ابرہہ" نے اریاط کے خلاف بغاوت کر دی، اور اس کا خاتمہ کرنے کے بعد اس کی جگہ پر بیٹھ گیا۔

اس واقعہ کی نہاشی کو خبر پہنچی تو اس نے "ابرہہ" کی سرکوبی کرنے کا مصمم ارادہ کر لیا۔ ابرہہ نے اپنی نجات کے لیے اپنے سر کے بال منڈوا کر مین کی کچھ مٹی کے ساتھ مکمل تسلیم کی نشانی کے طور پر نہاشی کے پاس بھیج دیے، اور وفاداری کا اعلان کیا۔ نہاشی نے جب یہ دیکھا تو ابرہہ کو معاف کر دیا، اور اُسے اس کے منصب پر برقرار رکھا۔

اس موقع پر "ابرہہ" نے اپنے خُبن خدمت کو ثبات کرنے کے لیے ایک اسم اور بہت سی خوبصورت گرجا تعمیر کرائے جس کی اس زمانہ میں گزہ زمین پر کوئی مثل و نظیر نہ تھی۔ اور اس کے بعد جزیرہ عرب کے لوگوں کو خانہ کعبہ کی بجائے اس گرجے کی طرف دعوت دینے کا مصمم ارادہ کر لیا، اور یہ پختہ ارادہ کر لیا کہ اس جگہ کو عرب کے حج کا مرکز بنا کر مکہ کی اہم مرکزیت کو وہاں منتقل کر دے۔

اس مقصد کے لیے اس نے ہر طرف عرب کے قبائل اور سرزمین حجاز میں بہت سے مبلغ بھیجے۔ عربوں نے جو مکہ اور کعبہ کے ساتھ شدید لگاؤ رکھتے تھے اور اُسے ابراہیمؑ خلیل کے آثار میں سے جانتے تھے، اس سے خلوص محسوس کیا۔ بعض روایات کے مطابق ایک گروہ نے وہاں جا کر مخفی طور پر اس گرجے کو آگ لگا دی، اور دوسری روایت کے مطابق بعض نے اُسے مخفی طور پر گندہ اور ملوث کر دیا۔ اور اس طرح سے انہوں نے اس عظیم دعوت کے مقابلہ میں شدید ردِ عمل کا مظاہرہ کیا، اور "ابرہہ" کے عبادت خانے کو بے اعتبار اور حقیر بنا دیا۔

ظاہر ہے اس پر "ابرہہ" کو بہت غصہ آیا اور اس نے خانہ کعبہ کو ٹھکی طور پر دہلیان کرنے کا پختہ ارادہ کر لیا۔ اُس کا خیال تھا اس طرح وہ انتہام بھی لے لے گا اور عربوں کو نئے معبد کی طرف متوجہ بھی کر دے گا۔ چنانچہ وہ ایک بہت بڑے لشکر کے ساتھ جن میں سے کچھ لوگ ہاتھیں پر سوار تھے، مکہ کی طرف روانہ ہوا۔

جب وہ مکہ کے قریب پہنچا تو اُس نے کچھ لوگوں کو مکہ والوں کے آؤنٹ اور دوسرے سوال لوٹنے کے لیے بھیجا۔ ان میں سے دو سو آؤنٹ "عبدالطلب" کے بھی ٹوٹ لیے گئے۔

"ابرہہ" نے کسی آدمی کو مکہ کے اندر بھیجا اور اس سے کہا کہ وہیں مکہ کو تلاش کر کے اس سے کہنا کہ "ابرہہ"

میں کا بادشاہ کہتا ہے کہ : میں جنگ کرنے کے لیے نہیں آیا۔ میں تو صرف اس لیے آیا ہوں کہ اس خانہ کعبہ کو دیوانی کر دوں۔ اگر تم جنگ نہ کرو تو مجھے تمہارا خون بہانے کی ضرورت نہیں ہے۔

”ابرہہ“ کا قاصد مکہ میں داخل ہوا اور رئیس و شریف مکہ کے بارے میں دریافت کیا۔ سب نے ”عبدالطلب“ کی طرف راہنمائی کی۔ اس نے ”عبدالطلب“ کے سامنے اجرا بیان کیا۔ ”عبدالطلب“ نے بھی یہی جواب دیا کہ ہم میں تم سے جنگ کرنے کی طاقت نہیں ہے، رہا خانہ کعبہ تو خدا خود اس کی حفاظت کرے گا۔

”ابرہہ“ کے قاصد نے عبدالطلب سے کہا کہ تمہیں میرے ساتھ اس کے پاس چلنا پڑے گا۔ جب عبدالطلب اس کے دربار میں داخل ہوئے تو وہ آپ کے بلند قد، حسین چہرے اور حد سے زیادہ رعب اور دبدبہ کو دیکھ کر سخت متاثر ہوا، یہاں تک کہ ”ابرہہ“ ان کے احترام میں اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا اور زمین پر بیٹھ گیا اور ”عبدالطلب“ کو اپنے پہلو میں بٹھالیا، کیونکہ وہ نہیں چاہتا تھا کہ انہیں اپنے ساتھ تخت پر بٹھائے۔ اس کے بعد اس نے اپنے مترجم سے کہا کہ ان سے پوچھ کر ان کی کیا حاجت ہے ؟

آپ نے مترجم سے کہا : میری حاجت یہ ہے کہ میرے دو سو اونٹ تیرے لشکری لوٹ کر لے گئے ہیں، تو انہیں حکم دے کہ وہ میرا مال واپس کر دیں۔

”ابرہہ“ کو ان کے اس مطالبہ پر سخت تعجب ہوا اور اس نے اپنے مترجم سے کہا : ان سے کہو : جب میں نے تمہیں دیکھا تھا، تو میرے دل میں تمہاری بہت زیادہ عظمت پیدا ہوئی تھی، لیکن جب نے یہ بات کہی تو میری نظر میں تمہاری توقیر گھٹ گئی۔ تم اپنے دو سو اونٹوں کے بارے میں تو بات کرتے ہو لیکن ”کعبہ“ کے بارے میں جو تمہارا اور تمہارے آباء و اجداد کا دین ہے، اور میں اُسے دیوان کرنے کے لیے آیا ہوں، بالکل کوئی بات نہیں کرتے۔

”عبدالطلب“ نے کہا :

”اناربا الابل ، وان للبيت ربا سيمنعہ“

”میں اونٹوں کا مالک ہوں، اور اس گھر کا بھی ایک مالک ہے، وہ اس کی حفاظت خود کرے گا۔“

(اس بات نے ابرہہ کو ہلا کر رکھ دیا اور وہ سوچ میں پڑ گیا)۔

”عبدالطلب“ مکہ کی طرف آئے، اور لوگوں کو اطلاع دی کہ وہ پہاڑوں میں پناہ گزین ہو جائیں۔ اور آپ خود ایک گروہ کے ساتھ خانہ کعبہ کے پاس آئے تاکہ دُعا کریں اور مدد طلب کریں۔ آپ نے خانہ کعبہ کے دروازے کی زنجیر میں ہاتھ ڈال کر اپنے یہ مشہور اشعار پڑھے :

لاهُوَ ان السمر يمنع مرحله فامنع رحالك

لا يغفلن صليهم ومخالصهم ابدا محالك

جروا جميع بلادهم والفيل کی يسوعيا لك

لاهم ان المردع يمنع رحله فامنع عيالک

وانصر على آل الصليب وعابديه اليوم االك

"خدا یا ہر شخص اپنے گھر کی مخالفت کرتا ہے تو اپنے گھر کی حفاظت فرما۔"

ایسا کبھی نہ ہو کہ کسی دن ان کی صلیب اور ان کی قدرت تیری قدرتوں پر غلبہ حاصل کرے۔"

آدر اپنے شہروں کی تمام توانائیاں اور باقی ساتھ لے کر آئے ہیں تاکہ تیرے حرم کے ساکنوں کو قیدی بنالیں۔"

خدا یا ہر شخص اپنے گھر والوں کا دفاع کرتا ہے تو بھی اپنے حرم امن کے رہنے والوں کا دفاع کر۔"

آدر آج اس حرم کے رہنے والوں کی آل صلیب اور اس کی عبادت کرنے والوں کے برخلاف مدد فرما۔"

اس کے بعد عبدالمطلب اطراف مکہ کے ایک قہ کی طرف آئے ، قریش کی ایک جماعت کے ساتھ وہاں پناہ لی اور اپنے ایک بیٹے کو حکم دیا کہ وہ کوہ البقیع کے اوپر جا کر دیکھے کہ کیا ہو رہا ہے۔

آپ کا بیٹا بڑی تیزی کے ساتھ آپ کے پاس آیا اور کہا : بابا جان ! سمندر (دریا کے بحر) کی طرف سے ایک سیاہ بادل آتا ہوا نظر آ رہا ہے۔ عبدالمطلب خوش ہو گئے اور پکار کر کہا :

"یا معشر قریش ! ادخلوا منازلکم فمقد اناکم واللہ بلانصر من عنده"

"اے جمیعت قریش اپنے گھروں کی طرف پلٹ جاؤ کیونکہ خدا کی نصرت تمہاری مدد کے لیے

آ رہی ہے۔ یہ تو اس طرف کی بات تھی۔"

دوسری طرف سے ابرہہ اپنے مشہور باغی پر سوار جس کا نام "ممود" تھا ، اپنے کثیر لشکر کے ساتھ کعبہ کو تباہ کرنے کے لیے اطراف کے پہاڑوں سے مکہ کی طرف اُترا ، لیکن وہ اپنے باغی پر جتنا دباؤ ڈالتا تھا وہ آگے نہ بڑھتا تھا ، لیکن جب وہ اس کا رخ میں کی طرف کرتا تھا تو وہ فوراً چل پڑتا تھا۔ ابرہہ اس واقعہ سے سخت متعجب ہوا اور حیرت میں ڈوب گیا۔

اسی اثنا میں سمندر کی طرف سے غل کے غل اور جھنڈ کے جھنڈ چھوٹے چھوٹے پرندوں کے آن پہنچے ، جن میں سے ہر ایک کے پاس تین تین کنکریاں تھیں ، ایک ایک چوہچ میں اور دو دو پنچوں میں ، جو تقریباً چنے کے دانے کے برابر تھیں۔ انہوں نے یہ کنکریاں ابرہہ کے لشکر پر برساتی شروع کر دیں۔ یہ کنکریاں جس کسی کو لگتی وہ ہلاک ہو جاتا۔ اور بعض نے یہ کہا ہے کہ یہ کنکریاں ان کے بدن پر جہاں بھی لگتی سوراخ کر دیتی تھیں ، اور دوسری طرف نکل جاتی تھیں۔

اس وقت ابرہہ کے لشکر پر ایک عجیب و غریب وحشت طاری ہو گئی۔ جو زہرہ پچھے وہ بھاگ بھاگے ہوئے ، اور واپسی کیلئے

لبہ مرصین و مغترین نے اوپر دالے اشارہ کر مختلف طور پر نکل کیا ہے کہ اوپر نکل کیا گیا ہے وہ مختلف نقوش کا کرب خلاص ہے۔

مین کی راہ پر چلتے تھے، لیکن سلسل غریب کے ہتھ کی طرح سڑک کے بچوں کی طرح جاتے تھے۔ ایک پتھر خود "ابرہہ" کے آکر لگا اوروں دھڑی ہو گیا۔ اس کو صنم لایین کے پائے تخت کی طرف واپس لے گئے اور وہ وہاں جا کر ہلاک ہو گیا۔

بعض نے کہا ہے کہ بچپن کی بیماری پہلی مرتبہ عرب میں اسی سال پھیلی تھی۔ ہاتھوں کی تعداد جو ابرہہ اپنے ساتھ لے گیا تھا، بعض نے وہی "عمود" ہاتھی، بعض نے آٹھ، بعض نے دس اور بعض نے بارہ لکھی ہے۔

مشہور قول کے مطابق پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت اسی سال ہوئی اور عالم آپ کے نور وجود سے منور ہو گیا۔ لہذا بہت سے لوگوں کا عقیدہ یہ ہے کہ ان دونوں واقعات کے درمیان ایک رابطہ موجود تھا۔ بہر حال اس عظیم حادثہ کی اس قدر اہمیت تھی کہ اس سال کا نام عام الغیل (ہاتھی کا سال) رکھا گیا اور یہ عروں کی تاریخ کا مبداء قرار پایا۔

تفسیر

Presented by: <https://jafrilibrary.com>

"ابرہہ" سے کہہ دو کہ آنے میں جلدی نہ کرے

اس سورہ کی پہلی آیت میں پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مخاطب کرتے ہوئے فرماتا ہے: "کیا تُو نے نہیں دیکھا کہ تیرے پروردگار نے اصحابِ فیل کے ساتھ کیا کیا؟" (الحوتر کیف فعل ربک باصحاب الفیل)۔ وہ اپنی پوری قدرت و طاقت اور لشکر کے ساتھ آنے تھے تاکہ خانہ خدا کو ویران و تباہ کر دیں اور خدا نے ایک ایسے لشکر کے ساتھ، جو بظاہر بہت ہی چھوٹا اور بے حیثیت تھا، انہیں دھم دھم کر دیا۔ ہاتھوں کو چھوٹے سے پرندوں کے ساتھ، اور اس زمانہ کے ترقی یافتہ اسلحہ کو "سجیل" پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بیکار کر دیا تاکہ اس مفرد و سرکش انسان کی کمزوری و ناتوانی کو قدرت الہی کے مقابلہ میں ظاہر و آشکار کرے۔

الحوتر (کیا تُو نے نہیں دیکھا؟) کی تعبیر، حالانکہ یہ حادثہ ایسے زمانہ میں رونما ہوا تھا کہ پیغمبر نے ابھی دنیا میں آنکھ نہیں کھولی تھی، یا یہ آپ کی پیدائش سے قریب تر تھا، اسی وجہ سے مذکورہ حادثہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ کے بہت ہی نزدیک تھا، اس کے علاوہ یہ اتنا مشہور و معروف اور متواتر تھا کہ گویا پیغمبر نے اپنی چشم مبارک سے اس کا مشاہدہ کیا ہوا تھا، اور پیغمبر کے معاصرین میں سے ایک گروہ نے یقینی طور پر اسے اپنی آنکھ سے دیکھا تھا۔

"اصحاب الغیل" کی تعبیر انہیں چند ہاتھوں کی وجہ سے ہے جنہیں وہ اپنے ساتھ مین سے لائے تھے تاکہ مخالفین کو

۱۔ "سیرۃ ابن ہشام" جلد ۱ ص ۳۸ تا ۶۲۔ "بلوغ اللہ" جلد ۱ ص ۲۵۰ تا ۲۶۳۔ "بحار الانوار" جلد ۱۵ ص ۱۲۰ سے آگے

۲۔ "مجمع السبیلین" جلد ۱ ص ۵۴۲

مترجم کریں، اور اونٹ اور گھوڑے انہیں دیکھ کر پلک جانیں اور میدان جنگ میں نہ ٹھہر سکیں۔
اس کے بعد مزید کہتا ہے: "کیا خدا نے ان کے منصوبہ کو خاک میں نہیں ملا دیا" (الو يجعل کیدہم فی تضلیل)
ان کا ارادہ یہ تھا کہ خانہ کعبہ کو تباہ کر ڈالیں تاکہ مین کے گرجے کو مرکزیت حاصل ہو اور تمام قبائل عرب اس کی طرف
متوجہ ہو جائیں۔ لیکن وہ نہ صرف یہ کہ اپنے مقصد میں کامیاب نہ ہوئے بلکہ اس ماجرے نے جس کی شہرت تمام
جزیرہ نمائے عرب میں پھیل گئی تھی۔ کہ اور خانہ کعبہ کی عظمت کو اور چار چاند لگا دیے اور اس کے مشائق دلوں کو پہلے سے بھی
زیادہ اس کی طرف متوجہ کر دیا اور شہر کو اور بھی زیادہ پُر امن بنا دیا۔

"تضلیل" سے مراد، جو وہی گمراہ کرنا ہے یہ ہے، کہ وہ ہرگز اپنے مقصد میں کامیاب نہ ہوئے۔
اس کے بعد اس ماجرے کی تفصیل بیان کرتے ہوئے فرماتا ہے: "خدا نے گروہ درگروہ پرندے ان کے سروں پر
بیج دیے۔" (وارسل علیہم طیرا ابابیل)
"ابابیل" لوگوں کی زبانوں پر جو کچھ مشہور ہے اس کے برخلاف یہ اس پرندے کا نام نہیں تھا، بلکہ یہ وصفی معنی رکھتا ہے۔
بعض نے اسے (مترقز گروہوں) کے معنی میں سمجھا ہے، اس معنی میں کہ مذکورہ پرندے گروہ درگروہ ہر طرف ہاتھیوں کے لشکر کی
طرف آئے تھے۔

یہ لفظ جمع کے معنی دیتا ہے، جس کا مفرد بعض نے "ابابلہ" یعنی پرندوں یا گھوڑوں یا اونٹوں کا گروہ سمجھا ہے اور بعض
یہ کہتے ہیں کہ یہ ایک ایسی جمع ہے جس کی جنس کا مفرد نہیں ہے۔
ہر حال "طیر" یہاں جمع کا معنی دیتا ہے، اور یہ دونوں الفاظ "طیر" و "ابابیل" مجموعی طور پر گروہ درگروہ
پرندوں کے معنی میں ہے (ایسا نہیں ہے کہ ابابیل ان پرندوں کا نام ہو)۔

اس بارے میں کہ یہ پرندہ کون سا پرندہ تھا جیسا کہ ہم نے داستانوں کی تفصیل میں بیان کیا ہے۔ مشہور یہ ہے کہ وہ
پرندے کڑے یا پیل کی طرح کے پرندے تھے جو بحر احمر کی راہ سے اُٹھے تھے اور ہاتھیوں کے لشکر کی طرف آئے تھے۔
بعد والی آیت میں مزید فرماتا ہے: "ان پرندوں نے اس لشکر کو سبیل (پتھریلی سٹی) کے چھوٹے چھوٹے کنکروں سے
نشانہ بنایا تھا" (تومیسو بحجارة من مسجیل)۔

اور جیسا کہ اس ماجرے کی تفصیل میں ہم نے تواتر، تفسیر اور روایات سے نقل کیا ہے، ان چھوٹے چھوٹے پرندوں
میں سے ہر ایک نے چنے کے دانے کے برابر یا اس سے بھی چھوٹی چھوٹی کنکریاں اٹھائی ہوئی تھیں، ایک ایک کنکری چرچ میں
اور دو دو اپنے بچوں میں۔ اور یہ چھوٹی چھوٹی کنکریاں جس پر بھی پڑتی تھیں، اسی کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیتی تھیں۔
جیسا کہ بعد والی آیت میں فرماتا ہے: "انہیں کھائے ہوئے بھوسے کی مانند بنا دیا" (فجعلہم کصف مآحول)۔

۱۔ "فیل" اگرچہ یہاں مفرد ہے، لیکن جنس و جمع کا معنی رکھتا ہے۔
۲۔ "مسجیل" قدسی کا لفظ ہے جو "سنگ" (پتھر) اور "گل" (مٹی) سے لیا گیا ہے، اسی بنا پر وہ ایک ایسی چیز ہوتی ہے جو
نہ پتھر کی طرح سخت ہو اور نہ مٹی کی طرح نرم۔

”عصف“ (بروزن حذف) اُن پتوں کو کہتے ہیں جو زراعت کی شاخ پر ہوتے ہیں اور پھر خشک ہو کر ٹوٹے ٹکڑے ہو جاتے ہیں۔ دوسرے لفظوں میں یہ ”گھاس“ کے معنی میں ہے۔ اور بعض نے اس کی گندم کے اس پھلکے کے معنی میں تفسیر کی ہے، جب کہ وہ خوشہ میں ہوتا ہے۔

”مأکول“ کی تفسیر اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ یہ گھاس جانوروں کے دانوں کے ٹھیکے آکر دوبارہ پس جاتا ہے اور مکمل طور پر ریزہ ریزہ ہو جاتا ہے۔ پھر جانور کے منہ نے بھی اسے تیسری مرتبہ ریزہ ریزہ کیا ہے اور یہ چیز اس بات کی نشانی کرتی ہے کہ یہ سنگ ریزے جس کسی کو بھی جا کر گتے تھے، اس کو مکمل طور پر ریزہ ریزہ کر دیتے تھے۔

یہ تفسیر ان کے شدت کے ساتھ پارہ پارہ ہونے کی دلیل قرار پانے کے علاوہ اس سرکش و مغرور اور ظاہراً طاقت ور گردہ اور جمعیت کے بے قدر و قیمت ہونے اور اس کے منفع و ناکوائی کی طرف بھی اشارہ ہے۔

چند نکات

۱۔ ایک بے نظیر معجزہ (اس گھر کا ایک مالک ہے)

قابل توجہ بات یہ ہے کہ قرآن مجید نے اس مختصر و طولانی داستان کو چند مختصر اور چمکنے والے انتہائی فصیح و بلیغ جملوں میں بیان کر دیا ہے۔ اور حقیقتاً ایسے نکات بیان کیے ہیں جو قرآنی اہواف، یعنی مغرور سرکشوں کو بیدار کرنے اور خدا کی عظیم قدرت کے مقابلہ میں انسان کی کمزوری دکھانے میں مدد دیتے ہیں۔

یہ اجرا اس بات کی نشان دہی کرتا ہے کہ سحرات و خوارقِ عادت، بعض لوگوں کے خیال کے برخلاف لازمی نہیں ہے کہ پیغمبر یا امام ہی کے ہاتھ پر ظاہر ہوں۔ بلکہ جن حالات میں خدا چاہے اور ضروری سمجھے انجام پاتے ہیں۔ مقدمہ یہ ہوتا ہے کہ لوگ خدا کی عظمت اور اس کے دین کی حقانیت سے آشنا ہو جائیں۔

یہ عجیب و غریب اہواز میں عذاب دوسری سرکش اقوام کے ساتھ ایک واضح فرق رکھتا ہے کیونکہ طوفانِ نوح کا عذاب، اور قومِ لوط کا زلزلہ اور سنگِ باری، قومِ عاد کی تیز آمدنی اور قومِ ثمود کا صاعقہ طبعی حوادث کا ایک سلسلہ تھے، کہ جن کا صرف ان خاص حالات میں وقوعِ معجزہ تھا۔

لیکن لشکرِ ابرہہ کی نابودی کی داستان ان سنگریزوں کے ذریعے جو چھوٹے چھوٹے بندگان کی چونچ اور پنوں سے گرتے تھے۔ کوئی ایسی چیز نہیں تھی جو طبعی حادثہ سے مشابہ ہو۔

ان چھوٹے چھوٹے بندگان کا اٹھنا، اسی خاص لشکر کی طرف آنا، اپنے ساتھ کنکریوں کا لانا، خاص طور سے انہیں کو نشانہ بنانا اور ان چھوٹی چھوٹی کنکریوں سے ایک عظیم لشکر کے افراد کے اجسام کا ریزہ ریزہ ہو جانا، یہ سب کے سب خارقِ عادت امور ہیں، لیکن ہم جانتے ہیں کہ یہ سب کچھ خدا کی قدرت کے سامنے بہت ہی معمولی چیز ہے۔

وہی خدا جس نے انہیں سنگ ریزوں کے اندر ایٹم کی قدرت پیدا کی ہے، کہ اگر وہ آزاد ہو جائے تو ایک عظیم تباہی پھیلا دے۔

اس کے لیے یہ بات آسان ہے کہ ان کے اندر ایسی خاصیت پیدا کر دے کہ ابرہہ کے لشکر کے جسموں کو "عصف مأكول" (کھائے ہوئے بھوسے کی مانند) بنا دے۔

ہمیں بعض مصری مفتخرین کی طرح اس حادثہ کی توجیہ کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے کہ ہم یہ کہیں کہ ان لشکروں میں دبا یا چپک کے جراثیم تھے۔

اور اگر بعض روایات میں یہ آیا ہے کہ صدر مذہ لوگوں کے بدنوں سے چپک میں مبتلا افراد کی طرح خون اور پیپ آتی تھی، تو یہ اس بات کی دلیل نہیں ہے کہ وہ حقیقی طور پر چپک میں مبتلا تھے۔

اسی طرح سے ہمیں اس بات کی بھی ضرورت نہیں ہے کہ ہم یہ کہیں کہ یہ سنگ ریزے سے پہلے ہوئے ایٹم تھے جن کے درمیان کی فضا ختم ہو گئی تھی۔ اور وہ حد سے زیادہ سخت تھے، اس طرح سے کہ وہ جہاں بھی گرتے تھے سوراخ کر دیتے تھے۔

یہ سب کی سب ایسی توجیہات ہیں جو اس حادثہ کو طبعی بنانے کے لیے ذکر ہوئی ہیں اور ہم اس کی ضرورت نہیں سمجھتے۔ ہم تو اتنا ہی جانتے ہیں کہ ان سنگ ریزوں میں ایسی عجیب و غریب خاصیت تھی جو جسموں کو ریزہ ریزہ کر دیتی تھی۔ اس سے زیادہ اور کوئی اطلاع ہمارے پاس نہیں ہے۔ بہر حال خدا کی قدرت کے مقابلہ میں کوئی کام بھی مشکل نہیں ہوتا۔

۲۔ معمولی وسیلہ سے سخت ترین سزا

Presented by: <https://jafrilibrary.com/>

قابل توجہ بات یہ ہے کہ خدا نے اس ماجرے میں معجزین اور سرکشوں کے مقابلہ میں اپنی قدرت اعلیٰ ترین صورت میں دکھا دی ہے۔ شاید دنیا میں ابرہہ کے لشکر کے عذاب سے بڑھ کر زیادہ سخت اور کوئی عذاب نہ ہو اور ان مغرور لوگوں کو اس طرح سے تباہ و برباد کر دیا جائے کہ ریزہ ریزہ اور کھائے ہوئے بھوسے (عصف مأكول) کی طرح ہو جائیں۔

اسی بڑی قدرت و شوکت رکھنے والی جمیعت کی نابودی کے لیے نرم قسم کے سنگ ریزوں اور کرد اور چھوٹے چھوٹے پتھروں سے کام لیا جائے۔ وہی بات کہ یہ دنیا جہان کے تمام معجزین اور سرکشوں کے لیے ایک تنبیہ ہے، تاکہ وہ جان لیں کہ وہ خدا کی قدرت کے مقابلہ میں کس قدر ناتوان ہیں۔

مطلب یہ ہے کہ بعض اوقات ایسا ہوتا ہے کہ خدا اس قسم کے عظیم کام بہت ہی چھوٹے سے موجودات کے سپرد کر دیتا ہے۔ مثلاً ایسے جراثیم کو، جو ہرگز آنکھ سے دیکھے نہیں جاسکتے، مامور کر دیتا ہے کہ وہ ایک مختصر سی مدت میں سرعت کے ساتھ اپنی پیدائش بڑھا کر طاقتور قوموں کو ایک خطرناک سرایت کرنے والی بیماری، مثلاً "دبہ" و "طاعون" میں مبتلا کر دے۔ اور ایک مختصر سی مدت میں خزاں کے پتوں کی طرح زمین پر ڈھیر کر دے۔

مین کا عظیم بند (سد ناب) جیسا کہ ہم نے سورۃ سبا کی تفسیر میں بیان کیا ہے۔ زہرہ آبادی اور ایک عظیم طاقتور تمدن کی پیدائش کا ذریعہ بنی۔ اور اس کے بعد اس قوم کی سرکشی بڑھ گئی، لیکن اس قوم کی نابودی کا فرمان جیسا کہ بعض روایات میں آیا ہے،

لہ "تفسیر عبیدہ" جز ۱، ص ۱۵۸ ملاحظہ ہو۔

اگر بعض تاریخ میں یہ آیا ہے کہ عرب کے شہروں میں چپک کا مرض پہلی مرتبہ اسی سال دیکھنے میں آیا ہے تو یہ بات اس معنی پر دلیل نہیں بنتی۔

ایک یا چند صحرائی پتھر ہوں گے سپرد ہوا تاکہ وہ اس عظیم بندے کے اندر گھس جائیں اور اس میں ایک سوراخ کر دیں۔ اس سوراخ میں پانی داخل ہونے کی وجہ سے یہ سوراخ بڑھے گا اور پھر پانی بڑھتا بڑھتا چلا گیا اور آخر کار وہ عظیم بند ٹوٹ گیا اور وہ پانی جو اس بند کے قعر سے مار رہا تھا، اس نے ان سب آبادیوں، گھروں اور مملوں کو دیران اور تباہ و برباد کر دیا۔ اور وہ بڑی جمعیت یا تو تابوہ ہو گئی یا دوسرے علاقوں میں پراگندہ اور منتشر ہو گئی۔ یہ ہے خداوند بزرگ و برتر کی قدرت نہائی۔

۳۔ داستان "فیل" کے اہداف

آگے آنے والی سورت (سورۃ لایلاف) سے اچھی طرح معلوم ہو جاتا ہے کہ سورۃ فیل کا ایک ہدف قریش پر خدا کی عظیم نعمتوں کی یاد آوری ہے تاکہ انہیں یہ بتا دے کہ اگر پروردگار کا لطف نہ ہوتا تو نہ تو اس مقدس مرکز یعنی مکہ و کعبہ کے آثار ہوتے اور نہ ہی قریش ہوتے مطلب یہ ہے کہ وہ اسی طرح کبر و غرور کی سواری سے نیچے اتر آئیں اور پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رحمت کے سامنے سر تسلیم خم کر دیں۔

دوسری طرف یہ ماجرا، جو پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے میلاد کے قریب قریب ساتھ واقع ہوا تھا، حقیقت میں اس عظیم تصور کا پیش خیر تھا اور اس قیام کی عظمت کا پیام لانے والا تھا۔ اور یہ وہی چیز ہے جسے مفسرین نے "ارہاص" سے تعبیر کیا ہے۔ اس واقعہ کا تیسرا مقصد یہ ہے کہ یہ ساری دنیا جہان کے سرکشوں کے لیے ایک تنبیہ ہے، چاہے وہ قریش ہوں یا ان کے علاوہ کوئی اور ہوں کہ وہ جہاں ہیں کہ وہ ہرگز پروردگار کی قدرت کے مقابلہ میں نہیں ٹھہر سکتے۔ لہذا بہتر یہی ہے کہ وہ خیال خام کو اپنے سر سے نکال دیں، اس کا حکم مانیں اور حق و عدالت کے سامنے سر تسلیم خم کر دیں۔

چوتھا مقصد اس عظیم گھر کی اہمیت کو ظاہر کرنا ہے کہ جب "کعبہ" کے دشمنوں نے اس کو نابود کرنے کا منصوبہ بنایا، اور وہ اس ابراہیمی سرزمین کی مرکزیت کو دوسری جگہ منتقل کرنا چاہتے تھے، تو خدا نے ان کی اس طرح سے گمشدگی کی کہ ساری دنیا کے لیے باعث عبرت بن گئی اور اس مقدس مرکز کی اہمیت کو مزید بڑھا دیا۔

اور پانچواں مقصد یہ ہے کہ وہ خدا جس نے اس سرزمین مقدس کی امنیت کے بارے میں ابراہیم خلیل کی دعا کو قبول کیا تھا، اور اس کی ضمانت دی تھی، اس نے اس ماجرے میں اس بات کی نشان دہی کر دی ہے کہ اس کی مشیت یہی ہے کہ یہ توحید و عبادت کا مرکز ہمیشہ ہمیشہ کے لیے مرکز امن رہے۔

۴۔ ایک مسلم تاریخی روئیداد

قابل توجہ بات یہ ہے کہ "اصحاب فیل" کا ماجرا عربوں کے درمیان ایسا مسلم تھا کہ یہ ان کے لیے تاریخ کا آغاز قرار پایا اور جیسا کہ ہم نے بیان کیا ہے، قرآن مجید نے ایک نہایت ہی عمدہ تعبیر "الحوق" (کیا تو نے نہیں دیکھا) کے ساتھ اس کا

لہ "ارہاص" ان عہد کے معنی میں ہے جو پیغمبر کے قیام سے قبل واقع ہوا اور اس کی دعوت کے لیے زمین ہمارا کونے والے ہوں۔ یہ لفظ اہل میں بنیاد گزاری اور پہلا سنگ بنیاد رکھنے کے معنی میں ہے جسے دیکھ کر ان کے بھونے اور اٹھانے کے معنی میں بھی آیا ہے۔

ذکر کیا ہے وہ بھی پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خطاب کرتے ہوئے جو نہ تو اس زمانہ میں موجود تھے اور نہ ہی اُسے دیکھتا تھا۔ جو اس ماجرے کے مسلم ہونے کی ایک اور نشانی ہے۔

ان سب باتوں سے قطع نظر جب پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مشرکین کلمہ کے سامنے ان آیات کی تلاوت کی تو کسی نے اس کا انکار نہ کیا۔ اگر یہ مطلب مشکوک ہوتا تو کم از کم کوئی تو اعتراض کرتا اور ان کا اعتراض ان کے باقی اعتراضوں کی طرح ہی تاریخ میں ثبت ہو جاتا، خصوصاً جب کہ قرآن نے جملہ "الھوتہ" کے ساتھ اس مطلب کو ادا کیا تھا۔

خداوند! ہمیں توفیق مرحمت فرما کہ ہم اس توحید کے عظیم مرکز کی پاسداری کریں۔
پروردگارا! ان لوگوں کے ہاتھ، جو اس مقدس مرکز کی ظاہری مخالفت پر قناعت کرنا چاہتے ہیں، لیکن اس کی حقیقت کے پیغام کو نظر انداز کرتے ہیں، اس مرکز سے کاٹ دے۔

بار الہا! تمام اشتیاق رکھنے والوں کو مکمل آگاہی و عرفان کے ساتھ اس کی زیارت نصیب فرما۔

آمین یا ارحم الراحمین

اختتام سورۃ فیل

اختتام ترجمہ

۲ شوال ۱۴۰۸ھ صبح سات بج کر دس منٹ

برسکان حقیر قم مقدس ایران

سُورَةُ قُرَيْشٍ

یہ سورہ مکہ میں نازل ہوا۔

❖ اس میں ۴ آیات ہیں۔

سورۃ قریش کے مطالب اور اس کی فضیلت

یہ سورۃ حقیقت میں سورۃ فیل کی تکمیل کرنے والی بھی جاتی ہے اور اس کی آیات اس مطلب پر واضح دلیل ہیں۔
اس سورۃ کا مضمون قریش پر خدا کی نعمت اور ان کے باپے میں اس کے الطاف اور محبتوں کا بیان ہے، تاکہ ان میں شکر گزاری کا احساس پیدا ہو اور یہ اس عظیم مگر کے پروردگار کی عبادت کے لیے جس سے ان کا سارا شرف اور افتخار ہے — تیار ہو جائیں۔
جیسا کہ ہم نے سورۃ "والضحیٰ" کے آغاز میں بیان کیا تھا کہ یہ سورۃ اور سورۃ النحل شرح حقیقت میں ایک شمار ہوتی ہے۔
اسی طرح سورۃ "فیل" اور سورۃ "قریش" بھی ایک ہی شمار ہوتی ہیں۔ کیونکہ اگر ہم ٹھیک طرح سے ان دونوں کے مطالب پر غور کریں تو معلوم ہو جائے گا کہ ان دونوں کے مطالب ایک دوسرے کے ساتھ جلتے جلتے ہیں کہ وہ دونوں کے ایک ہی ہونے کی دلیل بن سکتے ہیں۔

اسی بنا پر نماز کی ہر رکعت میں ایک مکمل سورۃ پڑھنے کے لیے اگر کوئی شخص اوپر والی سورۃوں کا انتخاب کرے تو ضروری ہے کہ وہ دونوں کو اکٹھا پڑھے۔

اس سلسلے میں مزید وضاحت کے لیے فقہی کتابوں (کتاب صلوٰۃ بحث قرأت) کی طرف رجوع کیا جائے۔
اس سورۃ کی تلاوت کی فضیلت میں یہی بات کافی ہے کہ ایک حدیث میں پیغمبر اکرمؐ سے نقل ہوا ہے کہ آپؐ نے فرمایا:

"من قرأها صلی من الجبر عشر حسنات بعد من طاف بالکعبۃ، واعتکف بها؛"

"جو شخص اس کو پڑھے تو اسی سانگوں کی تعداد سے دس گنا نیکی دی جائے گی، جنہوں نے خانہ کعبہ

کا طواف کیا ہے، یا وہاں احتکاف کیا ہے۔"

مسئلہ درپاس قسم کی فضیلت اس شخص کے لیے ہے جو اس خدا کی بارگاہ میں جو کعبہ کا پروردگار سے متعلقہ حکم کے اس کی عبادت کرے، اس مگر کے

احترام کو نظر رکھے، اس کا پیام دل کے کان سے سنے اور اس کی پابندی کرے۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

- ۱۔ لایْلِفِ قُرَیْشٍ ۝
- ۲۔ اَلْفِہُمْ رُحْلَۃَ الشِّتَآءِ وَالصَّیْفِ ۝
- ۳۔ فَلِیَعْبُدُوْا رَبَّ هٰذَا الْبَیْتِ ۝
- ۴۔ الَّذِیْۤ اٰطَعَمَهُۥمُوْ مِنْ جُوْعٍ ۚ وَآَنٰہُمْ مِّنْ خَوْفٍ ۝

ترجمہ

- شروع اللہ کے نام سے جو رحمان و رحیم ہے
- ۱۔ (اصحابِ فیل کا عذاب) اس بنا پر تھا کہ قریش (اس سرزمینِ مقدس سے) اُلفت رکھیں۔ (اور پیغمبر کے ظہور کے مقدمات فراہم ہوں)۔
 - ۲۔ انہیں سردیوں اور گرمیوں کے سفروں سے اُلفت ہے۔
 - ۳۔ پس (اس عظیم نعمت کے شکرانے کے طور پر) اس گھر کے پروردگار کی عبادت کریں۔
 - ۴۔ وہی جس نے انہیں بھوک سے نجات دی اور بدامنی سے نجات بخشی۔

تفسیر

اس گھر کے پروردگار کی عبادت کرنی چاہیے۔

چونکہ گزشتہ سورتہ (سورۃ فیل) میں اصحاب فیل اور ابرہہ کے لشکر کی نابودی کی تفصیل بیان ہوئی تھی، جو خانہ کعبہ کو نابود کرنے اور اس ضائی مرکز مقدس کو دیکھان کرنے کے ارادہ سے آیا تھا، لہذا اس سورتہ کی پہلی آیت میں، جو حقیقت میں سورۃ فیل کا ایک (تکمیلی بیان) ہے، فرمایا ہے: ”ہم نے باقیوں کے لشکر کو نابود کر کے انہیں کھائے ہوئے بھوسہ کے مانند ریزہ ریزہ کر دیا،“ تاکہ قریش اس مقدس سرزمین سے اُلفت پیدا کریں اور پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ظہور کے مقدمات فراہم ہوں۔ (لایلاف قریش)۔
 ”ایلاف“ مصدر ہے، اور اُلفت بخشنے کے معنی میں ہے اور ”اُلفت“ انس و محبت اور گھل مل جانے کے ساتھ اجتماع کے معنی میں ہے، اور یہ جو بعض نے ”ایلاف“ کی مخالفت اور عہد و پیمان کے ساتھ تفسیر کی ہے، تو وہ نہ تو اس لفظ کے ساتھ مناسب ہے جو باب افعال کا مصدر ہے، اور نہ ہی اس سورہ کی آیات کے مضمون سے۔

بہر حال اس سے مراد قریش اور سرزمین مکہ اور خانہ کعبہ کے درمیان اُلفت پیدا کرنا ہے کیونکہ قریش اور تمام اہل مکہ اس سرزمین کی مرکزیت اور امنیت کی بنا پر ہی وہاں رہائش پذیر تھے۔ حجاز کے بہت سے لوگ ہر سال وہاں آتے تھے اور مراسم حج بجالاتے تھے۔ اقتصادی اور ادبی مبادلات رکھتے تھے اور اس سرزمین کی مختلف برکات سے استفادہ کرتے تھے۔
 یہ سب کچھ اس کی مخصوص سلامتی کی وجہ سے تھا۔ اگر ابرہہ یا کسی اور کی لشکر کشی سے اس کی سلامتی اور امنیت مخدوش ہو جاتی، یا خانہ کعبہ دیکھان ہو جاتا، تو پھر کسی کو اس سرزمین سے اُلفت و محبت نہ رہتی۔

”قریش“ کا لفظ، جیسا کہ بہت سے مفسرین اور ارباب لُغت نے کہا ہے، اصل میں سمندر کے عظیم جانوروں کی ایک نوع کے معنی میں ہے، جو ہر جانور کو آسانی کے ساتھ کھا لیتی ہے۔ یہ عبارت ”ابن عباس“ سے مشہور ہے کہ جب ان سے سوال ہوا کہ قریش کو ”قریش“ کیوں کہتے ہیں؟ تو انہوں نے یہ جواب دیا:

”لِدَابَةِ تَكُونُ فِي الْبَحْرِ مِنْ اعْظَمِ دَوَابِهِ يَقَالُ لَهَا الْقُرَيْشُ، لَا تَمُرُ
 بِشَيْءٍ مِنَ النَّثِّ وَالسَّمِينِ إِلَّا أَكَلَتْهُ“ ۱

”یہ اس وجہ سے ہے کہ یہ سمندر کے ایک بہت بڑے جانور کا نام ہے، وہ
 جس ڈبیلے یا موٹے جانور کے پاس سے گزرتا ہے اُسے کھا جاتا ہے۔“

اس کے بعد وہ اپنی بات کے ثبوت میں اشعار عرب سے شہادت پیش کرتے ہیں۔

۱۔ ”لایلاف“ میں ”لام“ بَلَّت کے معنی میں ہے اور ”جاء و جاور“ ”جعل“ سے مشتق ہے، جو گزشتہ سورہ کی آیت

”فَجَعَلَهُمْ كَعَصْفٍ مَأْكُولٍ“ میں، یا کسی اور دوسرے فعل کے جو اس سورہ میں تھا۔ بعض نے اس جاور و جاور کو خلیع بدوا کے جملہ سے مشتق سمجھا ہے، جو بدوئی آیات میں آیا ہے لیکن یہ احتمال آیات کے منہم کے ساتھ چھان سازگار نہیں ہے اور پہلا معنی بہتر ہے۔

اس بنا پر اس قبیلہ کے لیے اس نام کا انتخاب، اس قبیلہ کی قدرت و وقت اور اس قدرت سے غلط فائدہ اٹھانے کی وجہ سے ہوا۔

لیکن بعض نے اسے "قرش" (برفون قرش) کے مادہ سے اکتساب کے معنی میں لیا ہے، کیونکہ عام طور پر یہ قبیلہ تجارت اور کسب میں مشغول رہتا تھا۔

بعض اس مادہ کو خبرگیری اور دیکھ بھال کرنے کے معنی میں جانتے ہیں اور چونکہ قریش حاجیوں کے حالات کی خبرگیری کرتے تھے اور بعض اوقات ان کی مدد کرتے تھے، اس لیے یہ لفظ ان کے لیے منتخب ہوا۔

"قریش" لغت میں اجتماع کے معنی میں بھی آیا ہے کیونکہ یہ قبیلہ ایک خاص قسم کی تنظیم اور اجتماع رکھتا تھا، اس لیے یہ نام ان کے لیے انتخاب ہوا۔

لیکن ہر حال موجودہ زمانہ میں قریش کسی اچھے مفہوم میں استعمال نہیں ہوتا، اور باوجود اس کے کہ وہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا قبیلہ تھا، اسلام کا سنت ترین وطن شمار ہوتا تھا جو کسی قسم کی عداوت اور دشمنی سے نہیں چوکتا تھا۔ یہاں تک کہ جب ان کی قدرت و طاقت اسلام کی کامیابی کی وجہ سے دم توڑ گئی تو پھر بھی انہوں نے مخفی سازشوں کو جاری رکھا اور پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی رحلت کے بعد بھی انہوں نے ایسے دردناک حوادث پیدا کیے جنہیں تاریخ اسلام کبھی فراموش نہیں کرے گی ہم جانتے ہیں کہ بنی امیہ، اور بنی عباس جو طاعونی حکومت کا اعلیٰ ترین نمونہ تھے، قریش میں سے ہی اٹھے تھے۔

قرآن بھی اس بات کی نشان دہی کرتے ہیں کہ وہ عربوں کے زمانہ جاہلیت میں بھی لوگوں کے استعمار و استعمار کی کوشش میں لگے رہتے تھے اور اسی وجہ سے جب آزادی بخش اسلام نے طلوع کیا اور ان کے ناجائز منافع خطرے میں پڑ گئے تو وہ پوری طاقت کے ساتھ مبارزہ کے لیے کھڑے ہو گئے۔ لیکن اسلام کی عظیم قدرت نے انہیں دردم برم کر دیا۔

بعد والی آیت میں مزید کہتا ہے: "ہدف اور مقصد یہ تھا کہ خدا قریش کو سر دیوں اور گریوں کے سفروں میں اُلفت بخشنے: (ایلافھم رحلۃ الشتاء والصیف)۔"

ممکن ہے کہ اس سرزمین مقدس سے قریش کو اُلفت بخشنا مراد ہو، تاکہ وہ گرمیوں اور سردیوں کے طویل سفروں میں اس مقدس مرکز سے اپنا تعلق اور لگاؤ دل سے نہ بھلائیں اور اس کی سلامتی کی وجہ سے اس کی طرف لوٹ آئیں۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ سرزمین میں اور شام کی زندگی کی آسائشوں سے متاثر ہو کر مکہ کو خالی چھوڑ دیں۔

یا اس سے ان دو عظیم سفروں میں قریش اور دوسرے لوگوں کے درمیان اُلفت پیدا کرنا مراد ہے، کیونکہ ابھرہ کی داستان کے

لہ "ایلافھم" اس "ایلاف" کا بدل ہے جو گزشتہ آیت میں آیا ہے، اور "ہم" کی ضمیر بلا مفعول ہے۔ اور "رحلۃ الشتاء" "دور سفر" اور بعض کے نظریہ کے مطابق عربیت کے معنی میں ہے۔ اور ممکن ہے کہ وہ "منصوب بنزع خافض" ہو، اور تقدیر میں اس طرح ہو "ایلافھم من رحلۃ الشتاء والصیف" (دور سفر اور تیسرا معنی زیادہ مناسب نظر آتا ہے)۔

عہ "رحلۃ" اصل "رحل" (برفون رحل) سے، اس پردہ کے معنی میں ہے جو سوار ہونے کے لیے ڈالتے ہیں۔ اسی مناسبت سے، خود اونٹ پر یا ان مسافروں پر جو اونٹ یا دوسرے ذرائع سے ہلتے ہیں، پر بھی اس کا اطلاق ہوتا ہے۔

بعد لوگ انہیں دوسری نظر سے دیکھتے تھے اور قریش کے قافلہ کے احترام و اہمیت کے قائل تھے۔
قریش کو اس طویل سفر میں بھی امن کی ضرورت تھی اور سرزمین مکہ کے لیے بھی، اور خدا نے ابرہہ کے لشکر کی شکست کے
نتیجہ میں یہ دونوں سلامتیاں انہیں بخش دی تھیں۔

ہمیں معلوم ہے کہ ”مکہ“ کی زمین میں نہ تو کوئی باغ تھا اور نہ ہی کھیتی باڑی ہوتی تھی۔ جانوروں کی دیکھ بھال بھی ان کی محدود تھی ان
کی درآمد زیادہ تر انہیں تجارتی قافلوں کے ذریعے پوری ہوتی تھی۔ وہ سردی کے موسم میں جنوب یعنی سرزمین یمن کی طرف۔ جس کا
موسم نسبتاً گرم ہوتا تھا۔ رُخ کرتے تھے اور گرمی کے موسم میں شمال اور سرزمین شام کی طرف۔ جس کی ہوا اور موسم خوشگوار ہوتا تھا۔ او
اتفاق کی بات یہ ہے کہ سرزمین یمن بھی اور سرزمین شام بھی، اس زمانہ میں اہم تجارتی مراکز تھے۔ اور مکہ اور مدینہ ان دونوں کے درمیان
علقہ اتصالی شمار ہوتے تھے۔

البتہ قریش ان غلط کاریوں کی وجہ سے، جو وہ انجام دیتے تھے، خدا کے ان الطاف و محبت کے مستحق تو نہ تھے۔ لیکن چونکہ
یہ مقتدر ہو چکا تھا کہ اس قبیلہ اور اس سرزمین مقدس سے اسلام اور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا طلوع ہو، لہذا خدا نے ان پر
یہ لطف فرمایا۔

بعد والی آیت میں یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ قریش کو ان سب فضائل نعمتوں کی وجہ سے جو انہیں کعبہ کی برکت سے حاصل ہوئی تھیں
”اس گھر کے پروردگار کی عبادت کرنا چاہیے۔“ (خليفة سوارث هذا البيت)۔
”وہی خدا جس نے انہیں بھوک سے نجات بخشی اور کھانا دیا، اور بے امنی سے رهایی بخشی اور امن دیا۔ (الذی
اطعمهم من جوع وامنهم من خوف)۔“

ایک طرف تو انہیں تجارت میں فروغ عطا کیا اور انہیں فائدہ پہنچایا اور دوسری طرف بد امنی کو ان سے دُور کر دیا اور دفع
ضرر کیا۔ اور یہ سب کچھ ابرہہ کے لشکر کی شکست سے فراہم ہوا۔ اور حقیقت میں یہ کعبہ کے بانی ابراہیم علیہ السلام کی دُعا کی قبولیت
تھی۔ لیکن انہوں نے اس نعمت کی قدر نہ کی۔ اس مقدس گھر کو ایک بُت خانہ میں تبدیل کر دیا، بُتوں کی عبادت کو اس گھر کے خدا
کی عبادت پر ترجیح دی اور انجام کار ان تمام ناشکریوں کا انجام بد دیکھا۔

خداوند! ہمیں عبادت و بندگی اور نعمتوں کا شکر ادا کرنے اور اس عظیم گھر کی حفاظت، پاسداری اور احترام کرنے کی توفیق مرحمت فرما۔
پروردگارا! اس عظیم اسلامی مرکز کو روز بروز زیادہ سے زیادہ پُر شکوہ اور دُنیا جہان کے مسلمانوں کے لیے علقہ اقبال، قرار دے۔
بار الہا! سارے خوفناک دشمنوں اور ان لوگوں کے جو اس عظیم مرکز سے غلط فائدہ اٹھاتے ہیں، ہاتھ کاٹ دے۔

آمین یا رب العالمین
سُورۃ قریش کا اختتام

اختتام ترجمہ
۲، شوال ۱۴۸۸ھ
تمت بحمد اللہ

بعض مفسرین نے اس آیت کو دو آیات سمجھا ہے، اور اس سُورہ کی آیات کو پانچ آیات شمار کیا ہے، لیکن مشہور و معروف یہ ہے کہ یہ ایک
آیت ہے، اور سُورہ کی چار ہی آیات ہیں۔

سُورَةُ الْمَاعُونِ

❖ یہ سورہ مکہ میں نازل ہوا۔

❖ اس میں ۷ آیات ہیں۔

سُورَةُ مَاعُونِ کے مطالب اور اس کی فضیلت

یہ سُورہ بہت سے مشرین کے نظریہ کے مطابق کئی سورتوں میں سے ہے۔ اس کی آیات کالب ولیم، جو مختصر اور پچھنے والے مقاطع میں قیامت اور اس کے معکروں کے اعمال کے بارے میں گفتگو کرتی ہیں، اس مطلب کی ناطق گواہ ہیں۔
مجموعی طور پر اس سُورہ میں معکروں کی قیامت کی صفات و اعمال کو بچا کچ مرحلوں میں بیان کیا گیا ہے، کہ وہ اس عظیم دن کی تکذیب کی وجہ سے راہ خدا میں "افغان" کوسنے اور "تیسرے" اور "سکینوں کی مدد کرنے سے کس طرح روگردانی کرتے ہیں اور وہ "نماز" کے بارے میں کیسے غافل اور بیکار ہیں اور "حاجت مندوں کی مدد کرنے سے کس طرح روگردانی کرتے ہیں؟

اس سُورہ کی شانِ نفل کے بارے میں بعض نے تو یہ کہا ہے کہ یہ الإسفیان کے بارے میں نازل ہوا ہے جو روزانہ دو بڑے بڑے اوشط نحر کیا کرتا تھا اور وہ خود اور اس کے یار دوست انہیں کھاتے تھے۔ لیکن ایک دلی ایکسٹیم آیا اور اس نے ان سے کچھ مانگا تو اس نے اپنے حصا سے اُسے مارا، اور اُسے دُور کر دیا۔

بعض دوسرے مشرین نے یہ کہا ہے کہ یہ "ولید بن مغیرہ" یا "عاص بن مائل" کی شان میں نازل ہوئی ہے۔

اس سُورہ کی تلاوت کی فضیلت کے بارے میں ایک حدیث میں امام تھراقرطیہ السلام سے آیا ہے :

”من قرأ أُرِيتَ الَّذِي يَكْذِبُ بِالذِّينِ فِيهِ الْغُصَّةُ وَنَوَافِلُهُ قَبْلَ اللَّهِ صَلَاتِهِ

وَصِيَامِهِ، وَلَعَلَّ يَحَاسِبُهُ بِمَا كَانَ مِنْهُ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا“

”جو شخص اس سُورہ کو اپنی فریضہ اور نوافل نمازوں میں پڑھے گا تو خدا اس کے نماز و روزہ کو قبول

کرے گا اور ان کا سول کے مقابلہ میں جو اس سے دنیا کی زندگی میں سرزد ہوئے ہیں اس

کا کوئی حساب نہیں لے گا“

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

- ۱۔ اَرَعَيْتَ الَّذِي يُكَذِّبُ بِالْءِیْنِ ۝
- ۲۔ فَاَذَكَ الَّذِي يَدْعُ الْیَتِیْمَ ۝
- ۳۔ وَلَا یَحْضُ عَلٰی طَعَامِ الْیَسْكِیْنِ ۝
- ۴۔ فَوَيْلٌ لِّلْمُصَلِّیْنَ ۝
- ۵۔ الَّذِیْنَ هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهُوْنَ ۝
- ۶۔ الَّذِیْنَ هُمْ رُكُوعًا ۝
- ۷۔ وَیَنْعُوْنَ الْمَاعُوْنَ ۝

ترجمہ

شروع اللہ کے نام سے جو رحمان و رحیم ہے

- ۱۔ کیا تو نے اس شخص کو دیکھا ہے، جو ہمیشہ ہی روزِ جزا کا انکار کرتا رہتا ہے؟
- ۲۔ وہی تو ہے، جو یتیم کو سختی کے ساتھ دھکتے دیتا ہے۔
- ۳۔ اور دوسروں کو مسکین کو کھانا کھلانے کا شوق نہیں دلاتا۔
- ۴۔ پس ان نماز گزاروں پر وائے ہے، جو
- ۵۔ اپنی نمازوں کو بھول جاتے ہیں۔

- ۶۔ وہی جو ریا کاری کرتے ہیں۔
۷۔ اور دوسروں کو ضروریات زندگی سے باز رکھتے ہیں۔

تفسیر

معاذ کے انکار کے اثرات بد

اس سورہ میں پہلے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مخاطب کرتے ہوئے منکرین کے اعمال میں روزِ جزا کے انکار کے اثرات بد کو بیان کرتا ہے۔

”کیا تُو نے اس شخص کو دیکھا ہے جو ہمیشہ روزِ جزا کا انکار کرتا ہے“ (اورت الذی یکذب بالذین)۔

اس کے بعد ان کے جواب کا انتظار کیے بغیر مزید فرماتا ہے، ”وہی تو ہے جو یتیم کو سختی کے ساتھ دھکے دیتا ہے“ (فذلک الذی یدع الیتیم)۔

”اور دوسروں کو مسکینوں و ناداروں کا کھانا کھلانے کے لیے شوق نہیں دلاتا“ (ولا یحض علی طعام المسکین)۔

”دین“ سے مراد یہاں ”جزا“ یا ”روزِ جزا“ ہے۔ اور روزِ جزا اور اس کی عظیم دادگاہ کے انکار سے انسان کے عمل میں ایک وسیع ردِ عمل پیدا ہوتا ہے۔ جس کے پانچ حصوں کی طرف اس سورہ میں اشارہ ہوا ہے، منجملہ یتیموں کو سختی کے ساتھ دھتکارنا اور دوسرے لوگوں کو مسکینوں کو کھانا کھلانے کا شوق نہ دلانا۔ یعنی نہ تو خود ہی اتفاق کرنا اور نہ ہی دوسروں کو اس کام کی دعوت دینا۔

بعض نے یہ احتمال بھی دیا ہے کہ یہاں ”دین“ سے مراد قرآن یا تمام آئین و دینِ اسلام ہے۔ لیکن پہلا معنی زیادہ مناسب نظر آتا ہے، اور اس کی تفسیر سورہ انفطار کی آیت ۹ کَلَّا بَلْ تُكَذِّبُونَ بِالذِّینِ اور سورہ ”تین“ کی آیت ۷ فَمَا یُكَذِّبُکُمْ بعد بالذین میں بھی آئی ہے، جہاں ان سورتوں کی دوسری آیات کے قرینہ سے دین سے مراد روزِ جزا ہے۔

”یدع“ ”دع“ (برفردن صر) کے مادہ سے، سختی کے ساتھ دُور کرنے اور غصہ کے ساتھ دھتکارنے کے معنی میں ہے اور ”یحض“ ”حض“ کے مادہ سے کسی چیز کے لیے دوسروں کو قریب و ترغیب دینے کے معنی میں ہے ”راغب“ مفردات میں کہتا ہے، ”حض“ چلنے اور سیر کرنے کے لیے شوق دلانا ہے، لیکن ”حض“ اس طرح نہیں بل

چونکہ ”یحض“ اور ”یدع“ فعل مضارع کی صورت میں آئے ہیں، لہذا یہ اس بات کی نشان دہی کرتے ہیں کہ یتیم اور

مسکینوں کے بارے میں ان کا یہ کام دائمی طور پر تھا۔

یہ نکتہ بھی یہاں پر قابل توجہ ہے کہ یتیموں کے بارے میں انسانی شفقت اور مہربانی کرنے کا مسئلہ کھانا کھلانے اور سیر کرنے کی نسبت زیادہ عمدہ ہے۔ کیونکہ یتیم کو سب سے زیادہ رنج اور دکھ شفقت و مہربانی کے مرکز اور فزائے مدد کے ہاتھ سے چلے جانے کی وجہ سے ہوتا ہے، اور جسمانی فزا کا مرحلہ بعد میں آتا ہے۔

پھر ان آیات میں ہمارے سامنے مسکینوں کو کھانا کھلانے کا مسئلہ آتا ہے، جو اہم ترین کارہائے خیر میں سے ہے۔ یہاں تک کہ فرماتا ہے کہ اگر کوئی شخص خود کسی مسکین کو کھانا کھلانے کی قدرت نہیں رکھتا، تو دوسروں کو اس بات کی ترغیب دے اور شوق دلائے۔

”فَذَالِك“ کی تفسیر (اس بات کی طرف توجہ کرتے ہوئے کہ یہاں ”فا“ ببیت کا معنی دیتا ہے) اس نکتہ کی طرف اشارہ ہے کہ معاد پر ایمان کا نہ ہونا ان غلط کاریوں کا سبب بنتا ہے، اور واقعی ایسا ہی ہر صدمہ شخص جو دل کی گہرائیوں کے ساتھ اس عظیم دن اور اس دادگاہ صل، اور اس حساب و کتاب اور جزا و سزا پر یقین رکھتا ہو، اس کے تمام اعمال میں اس کے مثبت آثار ظاہر ہوں گے، لیکن جو اس پر ایمان نہیں رکھتے تو گناہ کرنے اور انواع و اقسام کے جرائم کرنے پر ان کی جرات کرنے میں اس کے اثرات کامل طور پر نمایاں ہوتے ہیں۔

اس گروہ کی تیسری صفت کے بارے میں فرماتا ہے: ”یَسْأَلُ فِي نَازٍ“ (سوالیہ المصلین)۔

”وہی نازی جو اپنی ناز کو بھل جاتے ہیں“ (الذین هم عن صلاتهم ساهون)۔

وہ اس کے لیے نہ تو کسی قدر و قیمت کے قائل ہیں اور نہ ہی اس کے اوقات کو کوئی اہمیت دیتے ہیں، اور نہ ہی اس کے احکام و شرائط اور آداب کی رعایت کرتے ہیں۔

”ساهون“ ”سہو“ کے مادہ سے اصل میں اس خطا کے معنی ہیں کہ جو غفلت کی بنا پر سرزد ہوا ہے۔ اس کے مقدمات کے فراہم کرنے میں متصر ہوا نہ ہو البتہ پہلی صورت میں معذور نہیں ہے، اور دوسری صورت میں معذور ہے۔ لیکن یہاں وہ سہو ملا ہے جو تفسیر کے ساتھ قراں ہو۔

اس بات پر توجہ رکھنی چاہیے کہ یہ نہیں فرماتا کہ: ”وہ اپنی نماز میں سہو کرتے ہیں“۔ چونکہ نماز میں سہو تو ہر حال ہر شخص سے ہو جاتا ہے، بلکہ فرماتا ہے: ”وہ اصل نماز سے ہی سہو کرتے ہیں“ اور کل کی کل نماز کو ہی بھل جاتے ہیں۔

یہ بات واضح ہے کہ اگر اس مطلب کا ایک یا چند مرتبہ اتفاق ہو تو ممکن ہے کہ وہ کوتاہی کی وجہ سے ہو۔ لیکن جو شخص نماز کو ہمیشہ کے لیے ہی بھلائے بھولے ہو، اور اسے بالکل ہی بھلا چکا ہو، تو اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ اس کے لیے کسی اہمیت کا قائل نہیں ہے، یا اصل اس پر ایمان نہیں رکھتا، اور اگر وہ کبھی کبھار نماز پڑھ لیتا ہے تو لوگوں کی زبان و لہجہ کی باتوں سے ڈر کر پڑھتا ہے۔

اس بارے میں کہ یہاں ”ساهون“ سے ملا کیا ہے، جو کچھ ہم نے اوپر بیان کیا ہے اس کے علاوہ دوسری تفسیر بھی بیان کی گئی ہیں۔ منجملہ ان کے یہ ہے کہ اس سے مراد وقت فضیلت سے تاخیر کرنا ہے۔

یا اس سے مراد ان منافقین کی طرف اشارہ کرنا ہے جو نہ نماز کے ثواب کا اعتقاد رکھتے ہیں، اور نہ ہی اس کے ترک کے عذاب کا۔
یا اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو لوگ نماز میں ریاکاری کرتے ہیں۔ (جب کہ یہ معنی بعد والی آیت میں آ رہا ہے)۔

البتہ ان ماعون کے درمیان جمع بھی ممکن ہے اگرچہ پہلی تفسیر زیادہ مناسب نظر آتی ہے۔
بہر حال جب نماز کو بھل جانے والے دلیل اور ہلاکت کے مستحق ہیں، تو پھر ان لوگوں کا کیا حال ہوگا جو ٹکی طور پر نماز کو پھوڑے ہوئے ہیں اور تارک الصلوٰۃ ہیں۔

چوتھے مرحلہ میں ان کے ایک اور بدترین عمل کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرماتا ہے، "وہ ایسے لوگ ہیں جو ہمیشہ ریاکاری کرتے ہیں"۔ (الذین ھو یراءون)۔

اور آخری مرحلہ میں مزید فرماتا ہے، "وہ دوسروں کو ضروریات زندگی سے منع کرتے ہیں"۔ (و یمنعون الماعون)۔
مسئلہ طور پر اس نظام پر اندر ریاکاری کے سرچشمے بعد قیامت پر ایمان کا نہ ہونا، اور غلطی جہاں کی طرف توجہ نہ کرنا ہے، وہ
یہ کہے ممکن ہے کہ انسان خدائی جہاں کو تو چھوڑ دے، اور مخلوق کو خوش کرنے کی طرف توجہ رکھے۔

"ماعون" "معن" (بر وزن شائع) کے مادہ سے، کم اور توڑی کسی چیز کے معنی میں ہے۔ اور بہت سے مفسرین کا نظریہ
یہ ہے کہ یہاں اس سے مراد جہاں اور معمولی قسم کی چیزیں ہیں، جو لوگ خصوصاً ہمسائے ایک دوسرے سے عاریتاً لے لیتے ہیں،
مثلاً کچھ نمک، پانی، آگ (ماچس) برتن وغیرہ۔

واضح رہے کہ جو شخص اس قسم کی چیزیں بھی دوسروں کو نہیں دیتا، وہ انتہائی پست اور بے ایمان آدمی ہوتا ہے۔ ایسے
افراد اس قدر بخیل ہوتے ہیں کہ اس قسم کی معمولی چیزوں کے دینے سے بھی گریز کرتے ہیں۔ حالانکہ یہی معمولی چیزیں بعض اوقات بڑی
بڑی احتیاجات کو پورا کرتی ہیں اور ان کے روک لینے سے لوگوں کی زندگی میں بڑی مشکلات پیدا ہو جاتی ہیں۔

ایک گروہ نے یہ بھی کہا ہے کہ "ماعون" سے مراد زکوٰۃ ہے۔ کیونکہ زکوٰۃ اصل مال سے عام طور پر بہت ہی کم ہوتی ہے۔
کبھی سوئیں سے دس، کبھی سوئیں سے پانچ اور کبھی سوئیں سے اڑھائی۔

یقیناً زکوٰۃ کا نہ دینا، بھی بدترین کاموں میں سے ایک ہے، کیونکہ زکوٰۃ معاشرے کی بہت سی اقتصادی مشکلات کو حل کرتی ہے۔
ایک روایت میں امام خضاردق علیہ السلام سے آیا ہے کہ آپ نے ماعون کی تفسیر میں فرمایا:

"ھو القرض یقرضہ، والمتاع یعیہ، والمعروف یصنعہ"

"ماعون وہ قرض ہے جو انسان دوسرے کو دیتا ہے۔ اور وہ وسائل زندگی ہیں جو وہ

اُدھار کے طور پر دوسروں کو دیتا ہے۔ اور وہ ادا دیں اور کاروائے خیر میں جنہیں انسان انجام
دیتا ہے۔"

ایک اور روایت میں انہیں حضرت سے یہی معنی نقل ہوا ہے، اور اس کے ذیل میں آیا ہے کہ لادینے کا: ہمارے ہمسائے
ایسے ہیں کہ جب ہم کچھ وسائل زندگی ان کو دیتے ہیں تو وہ انہیں توڑ دیتے ہیں اور خراب کر دیتے ہیں، تو کیا انہیں نہ دینا بھی گناہ ہے؟

تو آپ نے فرمایا اس صورت میں کوئی مانع نہیں ہے۔

”ماعون“ کے معنی کے بارے میں دوسرے احتمالات بھی دیے گئے ہیں، یہاں تک کہ تفسیر قرطبی میں بارہ سے زیادہ قول اس سلسلے میں نقل ہوئے ہیں جن میں سے بہت سوں کو ایک دوسرے میں ملایا جاسکتا ہے، البتہ زیادہ اہم وہی ہیں جو ہم نے اُدھر نقل کیے ہیں۔

ان دونوں کاموں کو ایک دوسرے کے بعد ذکر کرنا (یا کاری و منع ماعون) گویا اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ جو بات خدا کے لیے ہے اُسے وہ مخلوق کی نیت سے بجالاتے ہیں، اور جو مخلوق کے لیے ہے وہ ان کے لیے نہیں کرتے۔ اور اس طرح سے وہ کوئی بھی حق اس کے حق دار تک نہیں پہنچاتے۔

ہم اس مشکوٰۃ کو پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ایک حدیث کے ساتھ ختم کرتے ہیں، آپؐ نے فرمایا:

”من منع الماعون جارہ منعه اللہ خیرہ یوم القیامۃ، و وکلہ الی

نفسہ، ومن وکلہ النفسہ فما اسوء حالہ !“

”جو شخص ماعون اور معمولی چیزوں کو اپنے ہمسایہ سے روکتا ہے، خدا اُسے قیامت کے

دن اپنی خیر سے روک دے گا، اور جسے خدا اس کی اپنی حالت پر چھوڑ دے اس کا

بہت ہی بُرا حال ہو گا۔“

Presented by: <https://jafrilibrary.com>

چند نکات

۱۔ سورۃ ماعون کے مباحث کی جمع بندی

اس مختصر سے سُورہ میں مصائبِ رذیلہ کا ایک ایسا مجموعہ آیا ہے کہ وہ جس شخص میں بھی ہو اس کی جگہ ایمانی، پستی اور حقارت کی ایک نشانی ہے۔ اور قابلِ توجہ بات یہ ہے کہ ان سب کو گنجدیبِ دین یعنی جزا یا روزِ جزا کی فرع قرار دیا ہے۔ یتیموں کو حقیر ماننا، بھوکوں کو کھانا نہ کھلانا، نماز سے غفلت برتنا، بیاکاری کرنا اور لوگوں سے موافقت نہ کرنا یہاں تک کہ زندگی کے معمولی وسائل دینے میں۔ یہ ہے ان (مصائبِ رذیلہ) کا مجموعہ۔

اور اس طرح سے ان غمیل، خود خواہ اور بیاکار افراد کو ظاہر کرتا ہے، جن کا نہ تو ”مخلوقِ خدا“ ہی کے ساتھ کوئی تعلق اور نہ ہی ”خالق“ کے ساتھ کوئی رابطہ۔ ایسے افراد جن کے وجود میں نورِ ایمان اور احساسِ مسئولیت نہیں ہوتا، نہ تو وہ خدائی امر و نواہ میں غور و فکر کرتے ہیں اور نہ ہی اس کے عذاب سے ڈرتے ہیں۔

۲۔ تظاہر و ریا ایک بہت بڑی اجتماعی مصیبت ہے

ہر عمل کی قدر و قیمت اس کے سبب کے ساتھ وابستہ ہوتی ہے، یا دوسرے لفظوں میں اسلام کی نگاہ میں ہر عمل کی بنیاد اس کی "نیت" پر ہوتی ہے، وہ بھی "خالص نیت"۔ اسلام ہر چیز سے پہلے نیت کے بارے میں تحقیق کرتا ہے، لہذا ایک معذور حدیث میں پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے آیا ہے:

"انما الاعمال بالنیات ولكل امرء ما نوى".

"ہر عمل نیت کے ساتھ وابستہ ہے اور ہر شخص کا عمل میں حصہ، اس کی اس نیت کے مطابق ہوگا، جو وہ عمل میں رکھتا تھا"

اور اسی حدیث کے ذیل میں آیا ہے:

"جو شخص خدا کے لیے جہاد کرے اس کا اجر خدائے بزرگ و بڑتر پر ہے۔ اور

جو شخص مال دنیا کے لیے جنگ کرے، یہاں تک کہ ایک عقال (وہ چھوٹی سی رستی

جس سے اونٹ کے پاؤں کو ماندھتے ہیں) لینے کے لیے کہے اس کا حصہ اس دینی چیز

یہ سب اس بنا پر ہے کہ "نیت سے ہی عمل وجود میں آتا ہے۔ وہ شخص جو خدا کے لیے کوئی کام انجام دیتا ہے، تو وہ اس کی بنیاد کو محکم کرتا ہے، اور اس کی تمام کوشش یہ ہوتی ہے کہ لوگ اس سے زیادہ سے زیادہ فائدہ اٹھائیں۔ لیکن جو شخص تظاہر اور ریا کاری کے لیے کسی عمل کو انجام دیتا ہے وہ صرف اس کے ظاہر اور زندق و برق پر نظر رکھتا ہے، اور وہ اس کی گہرائی و بنیاد اور حاجت مندوں کے استفادے کو کوئی اہمیت نہیں دیتا۔

وہ معاشرہ جو ریا کاری کا عادی ہو جاتا ہے وہ نہ صرف خدا، اخلاق حسنہ اور ملکات فاضلہ سے دُور کر دیا جاتا ہے، بلکہ اس کے تمام اجتماعی پروگرام مفہوم و مطلب سے خالی ہو جاتے ہیں، اور وہ ٹھٹی بھر بے معنی ظواہر کا خلاصہ رہ جاتے ہیں، اور ایسے انسان اور اس قسم کے معاشرے کی سرزشت کتنی دردناک ہے!؟

"ریا" کی مذمت میں بہت زیادہ روایات آئی ہیں یہاں تک کہ اس کو بشرک کی ایک نوع کہا گیا ہے، اور ہم یہاں تین بلا دینے والی روایات پر قناعت کرتے ہیں۔

۱۔ ایک حدیث میں پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے آیا ہے:

"سیأتی علی الناس زمان یحب فیہ سرائرہم۔ وتحسن فیہ علانیہم۔

طمعاً فی الدنیا لا یزیدون بہ ماعند ربہم، یكون دینہم ریناء لا

یخالطہم خوف، یمسوا اللہ بعقاب فیدعونہ دعاء الغریق فلا ینقیب لہم؛

لہ مسائل اشیعہ جلد اول ص ۳۵ (الاباب مقدمۃ العبادات باب ۵ حدیث ۱۰)۔

”لوگوں پر ایک ایسا زمانہ آنے والا ہے جب ان کے باطن قہج، گندے اور اکودہ ہو جائیں گے، اور ان کے ظاہر زیبا اور خوبصورت ہوں گے۔ دنیا میں طمع کی خاطر وہ اس سے اپنے پروردگار کی جزاؤں کے طلب گار نہیں ہوں گے۔ ان کا دین ریا ہو جائے گا، خوف خدا ان کے دل میں باقی نہ رہے گا، خدا ان سب کو ایک سخت عذاب میں گرفتار کرے گا، اور وہ جتنا بھی ایک ڈوبنے والے کی طرح خدا کو پکاریں گے، ہرگز ان کی دعا قبول نہ ہوگی۔“

۲۔ ایک دوسری حدیث میں امام جنود حق علیہ السلام سے آیا ہے کہ آپ نے اپنے ایک ساتھی ”زید“ سے فرمایا:

”من عمل للناس کان ثوابه علی الناس زلزلہ! کل رباً وشرکاً!
جو شخص لوگوں کے لیے عمل کرے گا اس کا اجر و ثواب لوگوں پر ہی ہوگا۔ زلزلہ! ہر دیا ہر شرک ہے۔“

۳۔ ایک اور حدیث میں پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے آیا ہے:

”ان السرائل یدعی یدعی یوم القیامۃ بلریمة اسماء،

یا کافر! یا فاجر! یا غادر! یا خاسر! عجب اعمال، و بطل اجرت

فلا خلاص لک الیوم، فالتس اجرت ممن کنت تعمل لہ!

”ریا کار شخص کو قیامت کے دن چار ناموں سے پکارا جائے گا:

اے کافر! اے فاجر! اے حیلہ گر! اے خاسر و نیاں کار! تیرا عمل ناجوہ ہو

گیا ہے، تیرا اجر و ثواب باطل ہو چکا ہے۔ آج تیرے لیے نجات کی کوئی راہ نہیں ہے۔

لہذا تو اپنا اجر و ثواب اس سے طلب کر جس کے لیے تو عمل کرتا تھا۔

خداوند! غلوں نیت سخت مشکل کام ہے، تو خدا اس راہ میں ہماری مدد فرما۔

پروردگار! ہمیں ایسا ایمان مرحمت فرما کہ ہم تیرے ثواب و عقاب کے علاوہ اور کچھ نہ سوچیں، اور مخلوق کی رضا و خوشنودی

اور خشم و غضب تیری راہ میں ہمارے لیے یکساں ہو۔

بار الہا! اس راہ میں جو خطا اور غلطی اب تک ہم نے کی ہے وہ ہمیں بخش دے۔

آمین یا مرتب العالمین
اختتام سورۃ ماعون

سُورَةُ الْكَوْثِرِ

یہ سورہ مکہ میں نازل ہوا۔

اس میں ۳ آیات ہیں۔

سُورۂ کوثر کے مطالب اور اس کی فضیلت

مشہور یہ ہے کہ یہ سُورہ ”مکہ“ میں نازل ہوا ہے۔ لیکن بعض نے اس کے منیٰ ہونے کا احتمال بھی دیا ہے۔ یہ احتمال بھی دیا گیا ہے کہ یہ سُورہ دو بار نازل ہوا۔ ایک دفعہ مکہ میں اور دوسری دفعہ مدینہ میں، لیکن جو روایات اس کے شان نزول میں وارد ہوئی ہیں وہ اس کے سچے ہونے کے مشہور قول کی تائید کرتی ہیں۔

اس سُورہ کے شان نزول میں آیا ہے کہ: ”عاص بن وائل“ نے جو مشرکین کے سرداروں میں سے تھا، پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مسجد احرام سے نکلنے وقت ملاقات کی اور کچھ دیر تک آپ سے باتیں کرتا رہا۔ قریش کے سرداروں کا ایک گروہ مسجد میں بیٹھا ہوا تھا۔ انہوں نے دُور سے اس منظر کا مشاہدہ کیا۔ جس وقت ”عاص بن وائل“ مسجد میں داخل ہوا تو انہوں نے اس سے کہا کہ تو کس سے باتیں کر رہا تھا؟ اس نے کہا: اس ”ابتر“ شخص سے۔

اس نے اس قبیلہ کا اس لیے انتخاب کیا کہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فرزند ”عبداللہ“ دُنیا سے رخصت ہو چکے تھے اور عرب ایسے آدمی کو جس کے کوئی بیٹا نہ ہو ”ابتر“ کہا کرتے تھے۔ یعنی (بلا عقب۔ مقطوع النسل) لہذا قریش نے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فرزند کی وفات کے بعد اس لقب کو آنحضرتؐ کے لیے انتخاب کر رکھا تھا، جس پر یہ سُورت نازل ہوئی، اور پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بہت سی نعمتیں اور کوشکی بشارت دی اور ان کے دشمنوں کو ابتر کیا۔

اس کی وضاحت اس طرح ہے کہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بانوئے اسلام جناب خدیجہؓ سے جا پڑے تھے، ایک قاسم اور دوسرے طاہر جنہیں عبداللہ بھی کہتے تھے۔ دونوں ہی مکہ میں دُنیا سے چل بیٹے اور پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کوئی بیٹا نہ رہا۔ اس بات نے قریش کے بدخواہوں کی زبان کھول دی، اور وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ”ابتر“ کہنے لگے۔

وہ اپنی روایت کے مطابق بیٹے کو حد سے زیادہ اہمیت دیتے تھے، اسے باپ کے پردگاموں کو جاری رکھنے والا شمار کرتے تھے اس سانچے کے باعث ان کا خیال یہ تھا کہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رحلت کے بعد بیٹا نہ ہونے کی وجہ سے آپ کے پردگام منقطع ہو کر رہ جائیں گے چنانچہ وہ اس بات پر بہت خوش تھے۔

قرآن مجید نازل ہوا اور اس سورہ میں انجائز امتیز طریقہ سے انہیں جواب دیا اور یہ خبر دی کہ آنحضرتؐ کے دشمن ہی ابتر رہیں گے اور اسلام و قرآن کا پردگام کبھی منقطع نہیں ہو گا۔ اس سورہ میں جو بشارات دی گئی ہے وہ ایک طرف تو دشمنان اسلام کی اُسیدوں پر ایک ضرب تھی اور دوسری طرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے تسلی خاطر تھی جن کا قلب پاک اور نازک دل اس قبیح لقب اور دشمنوں کی سازش کو سن کر ٹھکین اور کمزور ہوا تھا۔

اس سورہ کی تلاوت کی تفسیر میں پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے آیا ہے :

”من قرأها سقاہ اللہ من انصار الجنتۃ ، واعطی من الاجر بعدد کل
قربان قربہ العباد فی یوم عید و یقربون من اهل الکتاب والشکین“
”جو شخص اس کی تلاوت کرے خدا اُسے جنت کھنڈوں سے سیراب کرے گا اور
ہر قربانی کی تعداد میں جو خدا کے بندے عید (قربان) کے دن کرتے ہیں، اور اسی طرح
سے وہ قربانیاں جو اہل کتاب اور مشرکین دیتے ہیں ان سب کی تعداد کے برابر اس کو
اجر دے گا۔“

اس سورہ کا نام (کوش) اس کی پہلی آیت سے لیا گیا ہے۔

۱۔ ”گزشتہ صفحہ کا حاشیہ) پیغمبر اکرمؐ کے اور بیٹا جس کا نام ”ابراہیم“ تھا ”ماریہ قطبیہ“ سے مدینہ میں ہجرت کے آٹھویں سال پیدا ہوا، لیکن
الفاظ وہ بھی دو سال کا ہونے سے پہلے وفات پا گیا۔ ان کی وفات نے پیغمبر اکرمؐ کے دل کو بہت آزرہ کیا تھا۔
(حاشیہ صفحہ ۵۱۱)
۲۔ ”مجمع السہیلان“ جلد ۱، ۵۴۸۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

- ۱۔ اَنَا أَعْطَيْتُكَ الْكَوْثَرَ ۝
- ۲۔ فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ ۝
- ۳۔ إِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْأَبْتَرُ ۝

ترجمہ

شروع اللہ کے نام سے جو رحمان و رحیم ہے

Presented by: <https://jafrilibrary.com/>

- ۱۔ ہم نے تجھے کوثر (بہت زیادہ خیر و برکت) عطا کی۔
- ۲۔ اب جب کہ یہ بات ہے تو اپنے پروردگار کے لیے نماز پڑھ اور قربانی دے۔
- ۳۔ یقیناً تیرا دشمن ہی اُبتَر (اور بلا عقب و مقلوع النسل) ہے۔

تفسیر

ہم نے تجھے فراواں خیر و برکت دی

اس تمام سورے میں دعائے شفق پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف ہے (جیسا کہ سورۃ الضحیٰ اور سورۃ الم نشرح میں ہے) اور تینوں سورتوں کے اہم اہداف و مقاصد میں سے ایک آنحضرتؐ کے دل کو دردناک انبوہ حوادث میں تسلی دینا اور دشمنوں کے بار بار نکلنے ہوئے زہلوں کے زخموں کے مقابلہ میں تشفی بخشنا ہے۔
پہلے فرماتا ہے: "ہم نے تجھے کوثر عطا کیا" (اَنَا أَعْطَيْتُكَ الْكَوْثَرَ)۔

"کوثر" وصف ہے جو "کثرت" سے لیا گیا ہے، اور فراواں خیر و برکت کے معنی میں ہے۔ اور "سفی" افراد کو بھی "کوثر" کہا جاتا ہے۔

اس بارے میں کہ یہاں کوثر سے کیا مراد ہے۔ ایک روایت میں آیا ہے کہ جس وقت یہ سورہ نازل ہوا، پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم منبر پر تشریف لے گئے، اور اس سورہ کی تلاوت فرمائی۔ اصحاب نے عرض کیا یہ کیا چیز ہے جو خدا نے آپ کو عطا فرمائی ہے؟ آپ نے فرمایا کہ یہ جنت میں ایک نر ہے، جو دودھ سے زیادہ سفید اور قدح (بلور) سے زیادہ صاف ہے۔ اس کے اطراف میں دُر و یاقوت کے قبے ہیں۔

ایک اور حدیث میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے آیا ہے کہ آپ نے فرمایا:

”کوثر جنت میں ایک نر ہے جو خدا نے اپنے پیغمبر کو ان کے فرزند (عبداللہ جو آپ کی زندگی میں فوت ہو گئے تھے) کے بدلے میں عطا کی ہے۔

بعض نے یہ بھی کہا ہے کہ اس سے مراد وہی ”جن کوثر“ ہے جو پیغمبر سے تعلق رکھتا ہے، اور جس سے مومنین جنت میں داخل ہونے کے وقت سیراب ہوں گے۔

بعض نے اس کی نبوت سے تفسیر کی ہے، بعض دوسروں نے قرآن سے، بعض نے اصحاب و انصار کی کثرت سے اور بعض نے کثرتِ اولاد اور ذریت سے، جو سب آپ کی دُختر نیک اختر فاطمہ زہرا علیہا السلام سے وجود میں آئی اور اس قدر بڑھ گئی ہے کہ حساب و شمار سے باہر ہو گئی ہے۔ اور دامنِ قیامت تک پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وجود کی یادگاہ ہے۔ بعض نے اس کی ”شفاعت“ سے بھی تفسیر کی ہے۔ اور اس سلسلہ میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے ایک حدیث بھی نقل کی ہے۔

یہاں تک کہ فخر رازی نے ”کوثر“ کی تفسیر میں: ”پندرہ قول“ نقل کیے ہیں۔ لیکن ظاہر یہ ہے کہ ان میں سے زیادہ تر اس وسیع معنی کے واضح مصداق کا بیان ہے، کیونکہ جیسا کہ ہم نے کہا ہے۔ ”کوثر“ ”خیر کثیر اور فراوان نعمت“ کے معنی میں ہے اور ہم جانتے ہیں کہ خداوند تعالیٰ نے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بہت ہی زیادہ نعمتیں عطا فرمائی ہیں۔ اور جو کچھ اوپر بیان کیا گیا ہے ان میں سے ہر ایک اس کے مصداق میں سے ایک واضح مصداق ہے۔ اور ان کے علاوہ اور بھی بہت سے مصداق ہیں، جنہیں آیت کی مصداق تفسیر کے عنوان سے بیان کیا جاسکتا ہے۔

بہر حال تمام میدانوں میں پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات پر تمام نعمتیں۔ یہاں تک کہ دشمنوں کے ساتھ جنگوں میں آپ کی کامیابیوں میں، یہاں تک کہ آپ کی اُمت کے علماء، جو ہر عصر اور ہر زمانہ میں قرآن و اسلام کی شعلہ فروزانہ کی پاسداری کرتے ہیں، اور اُسے دنیا کے ہر گوشہ میں لے جاتے ہیں۔ سب اس خیر کثیر میں شامل ہیں۔

اس بات کو نہیں بھولنا چاہیے کہ خدا اپنے پیغمبر سے یہ بات اس وقت کہہ رہا ہے کہ ابھی تک اس خیر کثیر کے آثار ظاہر نہیں ہوئے تھے۔ یہ ایک ایسی خبر اور پیش گوئی تھی جو مستقبل قریب اور مستقبل بعید کے لیے کی جا رہی تھی۔ یہ ایک اعجازِ آیز اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعوت کی حقانیت کو بیان کرنے والی خبر ہے۔

اس عظیم نعمت اور خیر فراوان کے لیے بہت ہی زیادہ شکر ادا کرنے کی ضرورت ہے، اگرچہ مخلوق کا شکر ادا کرنا خالق کی نعمت

کے حق کو برسرِ ادا نہیں کرتا، بلکہ شکر گزاری کی توفیق اس کی طرف سے خود ایک اور نعمت ہے، لہذا فرماتا ہے: ”اب جب کہ ایسا ہے تو صرف اپنے پروردگار کے لیے نماز پڑھ اور قربانی دے“ (فصل لریک وانحر)۔

ہاں! نعمت کا بخشنے والا ہی ہے۔ اسی بنا پر نماز، عبادت اور قربانی جو ایک قسم کی عبادت ہے، اس کے علاوہ کسی اور کے لیے کوئی معنی نہیں رکھتی۔ خصوصاً ”نب“ کے مفہوم کی طرف توجہ کرتے ہوئے، جو نعمتوں کے دوام اور پروردگار کی تعزیر و ربوبیت کو بیان کرتا ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ ”عبادت“ خواہ نماز کی صورت میں ہو، یا قربانی کرنے کی صورت میں، وہ رب اور دلی نعمت کے ساتھ ہی مخصوص ہے۔ اور وہ خدا کی ذات پاک سے وابستہ ہے۔

یہ بات مشرکین کے اعمال کے مقابلہ میں ہے جو اپنی نعمتوں کو تو خدا ہی کی طرف سے سمجھتے تھے۔ لیکن سجدہ اور قربانی ان کے لیے کرتے تھے۔ بہر حال ”لریک“ کی تعبیر عبادات میں قصد قربت کے لازم ہونے کے سلسلہ پر ایک واضح دلیل ہے۔

بہت سے مفسرین کا نظریہ یہ ہے کہ نماز سے مراد عید قربان کے دن کی نماز ہے۔ اور قربانی کرنا بھی اسی دن ہے۔ لیکن ظاہر آیت کا مفہوم عام اور وسیع ہے۔ اگرچہ عید کے دن کی نماز اور قربانی بھی اس کا ایک واضح مصداق ہے۔

”وانحر“ ”نحر“ کے مادہ سے، اونٹ کو حلال کرنے کے ساتھ مخصوص ہے۔ یہ بات شاید اس بنا پر ہے کہ قربانیوں میں سے اونٹ کی قربانی سب سے زیادہ اہمیت رکھتی تھی اور پہلے پہل مسلمان اس سے زیادہ نگاہ رکھتے تھے اور اونٹ کی قربانی دینا ایثار و قربانی کے بغیر ممکن نہیں تھا۔

اوپر والی آیت کے لیے یہاں دو اور تفسیریں بھی بیان کی گئی ہیں۔

۱۔ ”وانحر“ کے جملہ سے مراد نماز کے وقت زود بیدار ہونا ہے، چونکہ ”نحر“ کا مادہ گلے والی جگہ کے معنی میں ہے اس کے بعد عربوں نے اسے ہر چیز کے آنے سے سامنے ہونے کے معنی میں استعمال کیا ہے، لہذا وہ کہتے ہیں: ”منازلنا تنحصر“ یعنی ہمارے گھر ایک دوسرے کے آنے سے سامنے ہیں۔

۲۔ اس سے مراد عجیر کے وقت ہاتھوں کو بلند کرنا اور گلے اور چہرے کے سامنے لانا ہے۔ ایک حدیث میں آیا ہے: ”جس وقت یہ سورہ نازل ہوا، تو پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جبریل سے سوال کیا: ”یٰ جبریل! جس کے لیے میرے پروردگار نے مجھے مامور کیا ہے، کیا ہے؟“

”جبریل“ نے عرض کیا:

”یہ بخیرہ نہیں ہے، بلکہ خدا نے آپ کو یہ حکم دیا ہے کہ آپ جس وقت نماز میں

داخل ہوں تو عجیر کے وقت اپنے ہاتھوں کو بلند کریں، اور اسی طرح جب رکوع کریں، یا

رکوع سے سر اٹھائیں، یا سجدہ کریں، اس وقت بھی، کیونکہ ہماری اور سات آسمانوں کے

”بخیرہ“ مینہ کے آخری دن کے معنی میں ہے، چونکہ اس دن انسان نئے چاند کے استقبال کے لیے جاتا ہے اور بعض نے اسے مینہ کے

آخری شب و روز کے معنی میں لیا ہے، تو اس بنا پر روایت کا معنی اس طرح چکا، یہ اگلے مینہ کا استقبال جس کا خدا نے مجھے حکم دیا ہے کیا ہے؟

لہذا جبریل نے کہا ”یہ بخیرہ“ نہیں ہے۔

فرشتوں کی نماز اسی طرح کی ہے۔ اور ہر چیز کی ایک زینت ہوتی ہے، اور نماز کی زینت ہر تعبیر کے وقت ہاتھوں کو بلند کرنا ہے۔

ایک حدیث میں امام جنود علیہ السلام سے آیا ہے کہ آپ نے اس آیت کی تفسیر میں اپنے دست مبارک سے اشارہ کرتے ہوئے فرمایا:

”اس سے مراد یہ ہے کہ نماز کے آغاز میں ہاتھوں کو اس طرح بلند کرو کہ ان کی ہتھیلیاں رُوبرُقبَل ہوں۔“

لیکن پہلی تفسیر سب سے زیادہ مناسب ہے، کیونکہ اس سے مراد بیت پرستوں کے اعمال کی نفی ہے جو غیر خدا کے لیے عبادت و قربانی کرتے تھے۔ لیکن اس کے باوجود ان تمام روایات اور مطالب کے درمیان جمع کرنا، جو اس سلسلہ میں ہم تک پہنچی ہیں کوئی مانع نہیں ہے۔ خاص طور سے تعبیرات کے وقت ہاتھ بلند کرنے کے سلسلہ میں قرشید اور اہل سنت کی کتابوں میں متعدد روایات نقل ہوئی ہیں۔ اس طرح سے یہ آیت ایک جامع مفہوم رکھتی ہے جو ان کو بھی شامل ہے۔

اور اس سورہ کی آخری آیت میں، اس نسبت کی طرف توجہ دیتے ہوئے، جو شرک کے سرخنے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف دیتے تھے، فرمایا ہے: ”تو ابتر اور بلا عقب و مقطوع النسل نہیں ہے۔ بلکہ تیرا دشمن ابتر، بلا عقب اور مقطوع النسل رہے گا: (ان شائنك هو الابتر)۔“

”شانی“ ”شائن“ (بروزن ضربان) کے مادہ سے عداوت و دشمنی، کینہ و رزوی اور بدظنی کرنے کے معنی میں ہے اور ”شانی“ اس شخص کو کہتے ہیں جو اس صفت کا حامل ہو۔

قابل توجہ بات یہ ہے کہ ”ابتر“ اصل میں ”ڈم کٹے جانور“ کے معنی میں ہے، اور دشمنان اسلام کی طرف سے اس تعبیر کا انتخاب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہنگامت اور توہین کرنے کے لیے تھا۔ اور ”شانی“ کی تعبیر اسی واقعیت کو بیان کرتی ہے کہ وہ اپنی دشمنی میں کم سے کم آداب کی رعایت تک بھی نہیں کرتے تھے۔ یعنی ان کی عداوت و دشمنی قساوت و رذالت سے آئینہ تھی۔ حقیقت میں قرآن یہ کہتا ہے کہ یہ لقب خود تمہارا ہے نہ کہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا۔

دوسری طرف — جیسا کہ سورہ کی شان نزول میں بیان کیا گیا ہے — قریش پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اسلام کی سبب کے اُنٹ جانے کے انتظار میں تھے۔ کیونکہ وہ یہ کہتے تھے کہ آپ کے پیچھے کوئی اولاد نہیں ہے۔ قرآن کہتا ہے کہ تو بلا عقب اور بے اولاد نہیں ہے بلکہ تیرے دشمن ہی بلا عقب اور بے اولاد ہیں۔

چند نکات

۱۔ حضرت فاطمہؑ اور ”کوثر“

ہم بیان کر چکے ہیں کہ ”کوثر“ ایک عظیم جامع اور وسیع معنی رکھتا ہے۔ اور وہ ”خیر شیر و فراواں ہے“ اور اس کے

بہت زیادہ مصداق ہیں۔ لیکن بہت سے بزرگ شیعہ علما نے اس کے واضح ترین مصداق میں سے ایک مصداق "فاطمہ زہرا" (سلام اللہ علیہا) کے وجود مبارک کو سمجھا ہے۔ چونکہ آیت کی شان نزول سے ظاہر ہے کہ دشمن پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اہتر اور بلا عقب ہونے سے حرم کرتے تھے۔ قرآن ان کی بات کی نفی کے ضمن میں کہتا ہے: "ہم نے تجھے کوڑ عطا کیا ہے" اس تعبیر کا مطلب یہی بنتا ہے کہ یہ "خیر کثیر" فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا ہی ہیں کیونکہ پیغمبر کی نسل اور ذریت اسی ذخیر گرامی کے ذریعے سارے عالم میں منتشر ہوئی، جو نہ صرف پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جسمانی اولاد تھی بلکہ انہوں نے آپ کے دین اور اسلام کی تمام اقدار کی حفاظت کی اور اُسے آنے والوں تک پہنچایا۔ نہ صرف اہل بیت کے آخر معصومین، جن کی اپنی ایک مخصوص حیثیت تھی، بلکہ ہزارہا فرزندانِ فاطمہ عالم میں پھیل گئے، جن میں بڑے بڑے علماء، مؤلفین، فقہا، محدثین، مفسرین والا مقام، اور عظیم حکمران ہو گزرے ہیں جنہوں نے ایثار و قربانی اور فداکاری کے ساتھ دین اسلام کی حفاظت کی کوشش کی۔ یہاں پر "فرزانی" کی ایک عمدہ بحث ہمارے سامنے آئی ہے جو اُس نے کوڑ کی مختلف تفسیروں کے ضمن میں بیان کی ہے۔ تیسرا قول یہ ہے کہ یہ سورہ ان لوگوں کے رد کے عنوان سے نازل ہوا ہے جو پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اولاد کے نہ ہونے پر طعن و طنز، اور تنقید و اعتراض کرتے تھے۔ اس بنا پر سورہ کا معنی یہ ہو گا کہ خدا آپ کو ایسی نسل دے گا جو زمانہ دراز تک باقی رہے گی۔ خود تو کہہ کر لوگوں نے اہل بیت کے کتنے افراد کو شہید کیا۔ لیکن اس کے باوجود دنیا ان سے بھری پڑی ہے۔ جب کہ بنی امیہ میں سے (جو اسلام کے دشمن تھے) کوئی قابل ذکر شخص دنیا میں باقی نہیں رہا۔ پھر آنکھ کھل کر دیکھو اور غور کر کہ فاطمہ کی اولاد کے درمیان باقرہ و صادق و رضا و نفس و کبیرہ لٹ جیسے کتنے عظیم اور بزرگ علماء ہوئے ہیں۔

۲۔ اس سورہ کا اعجاز

در حقیقت اس سورہ میں تین پیشین گوئیاں بیان کی گئی ہیں۔ ایک طرف تو پیغمبر کو خیر کثیر عطا کرنے کی خوش خبری دی جاتی ہے۔ (اگرچہ "اعطینا" فعل ماضی کی صورت میں ہے لیکن ممکن ہے کہ یہ مضارع سلم کی قسم سے ہو، جو ماضی کی صورت میں بیان ہوا ہے)۔ اور یہ خیر کثیر ان تمام فتوحات، کامیابیوں اور توفیقات کو شامل ہے جو پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بعد میں نصیب ہوئی ہیں۔ اگرچہ وہ مکر میں اس سورہ کے نزول کے وقت پیش بینی کے قابل نہیں تھیں۔ دوسری طرف یہ سورہ اس بات کی خبر دے رہا ہے کہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بے اولاد، بلا عقب اور مظلوم النسل نہیں ہوں گے۔ بلکہ آپ کی نسل اور اولاد بڑی کثرت سے عالم میں موجود رہے گی۔

تیسری جانب یہ سورہ اس بات کی خبر دیتا ہے کہ آپ کے دشمن اہتر، بلا عقب اور مظلوم النسل ہو جائیں گے۔ یہ پیش گوئی بھی پوری ہو گئی ہے اور آپ کے دشمن اس طرح تتر بتر اور تباہ و برباد ہوئے کہ آج ان کا نام و نشان تک باقی نہیں ہے۔ حالانکہ "بنی امیہ" اور "بنی عباس" جیسے قبائل جو پیغمبر اور ان کی اولاد کے مقابل میں کھڑے ہوئے ایک وقت اتنی حیثیت اور کثرت

۱۔ "نفس و کبیرہ" امام حسن مجتبیٰ کے فرزند "محمد بن جعفر" کا لقب ہے، جو منصور دھاتی کے ہاتھوں ۱۴۵ ہجری میں شہید ہوئے۔

رکھتے تھے کہ ان کی اولاد شمار میں نہ آتی تھی، لیکن آج اگر اُن میں سے کوئی باقی رہ گیا ہو تو وہ بالکل پہچانا نہیں جاتا۔

۳۔ خُدا کے لیے جمع کی ضمیر کس لیے ہے؟

قابلِ توجہ بات یہ ہے کہ یہاں بھی اور قرآن مجید کی اور بہت سی دوسری آیات میں بھی صیغہ ”متکلم مع الغیہ“ (جمع حکم) کے ساتھ اپنا ذکر کرتا ہے۔ فرماتا ہے: ”ہم“ نے تجھے کوثر عطا کیا۔

یہ تعبیر اور اس قسم کی تعبیریں عظمت و قدرت کو بیان کرنے کے لیے ہوتی ہیں کیونکہ بزرگ اور بڑی ہستیاں جب اپنے بارے میں بات کرتی ہیں، تو وہ صرف اپنے بارے میں ہی نہیں، بلکہ اپنے مامورین کا زندہ دل کے بارے میں بھی خبر دیتی ہیں اور یہ قدرت و عظمت اور ان کے ادا کر کے مقابلہ میں فرمانبرداری کرنے والوں سے کنایہ ہے۔

زیر بحث آیت میں لفظ ”ان“ بھی اس معنی پر ایک دوسری تاکید ہے۔ اور ”اتیناک“ کے بجائے ”اعطیناک“ کی تعبیر اس بات کی دلیل ہے کہ خدا نے پیغمبر کو کوثر بخش دیا ہے اور عطا کر دیا ہے۔ اور یہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے ایک بہت بڑی بشارت ہے تاکہ دشمنوں کی بیوہ باتوں سے آپ کا قلب مبارک آزرده نہ ہو۔ اور آپ کے اپنی عزم میں سستی اور کمزوری پیدا نہ ہونے پائے۔ اور دشمن یہ جان لیں کہ آپ کی نگاہ وہ خدا ہے، جو تمام خیرات کا منبع ہے اور اس نے خیر کثیر آپ کو بخش دی ہے۔

Presented by: <https://jafrilibrary.com/>

خداوند! ہمیں اس خیر کثیر کی برکات سے جو تُو نے اپنے پیغمبر کو مرحمت فرمائی ہے، بے نصیب نہ کرنا۔
پروردگارا! تُو جانتا ہے کہ ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کی ذریت طاہرہ کو خلوص دل کے ساتھ دوست رکھتے ہیں، لہذا ہمیں انہیں کے ساتھ محشور کرنا۔

بارِ الہا! آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے دین و آئین کی بہت بڑی عظمت ہے، اس عظمت و عزت و شوکت میں مددِ برزخ اضافہ فرما۔

آمین یا رب العالمین
اختتام سورۃ کوثر

سُورَةُ الْكَافُرُونَ

Presented by: <https://jafrilibrary.com/>

❖ یہ سورہ مکہ میں نازل ہوا

❖ اس میں ۶ آیات ہیں

سُورَةُ كَافُرُونَ کے مطالب اور اس کی فضیلت

یہ سورہ مکہ میں نازل ہوا۔ اس کا لب و لہجہ اور اس کے مطالب اس بات کے واضح گواہ ہیں۔ اسی طرح وہ شایع نزول جس کی طرف بعد میں اشارہ ہوگا۔ اس دعا پر دوسری دلیل ہے۔ یہ جو بیش گئے اس کے مدنی ہونے کا احتمال دیا ہے بہت بعید نظر آتا ہے۔

سُورہ کا لب و لہجہ بتاتا ہے کہ یہ سورہ ایسے زمانہ میں نازل ہوا جب مسلمان اقلیت میں تھے اور کفار اکثریت میں۔ پیغمبر پر ان کی طرف سے سخت دباؤ تھا اور انہیں اصرار تھا کہ کسی طرح سازش کر کے آپ کو شرک کی طرف کھینچ لیں۔ پیغمبر نے ان کی اس پیش کش کو حقارت کے ساتھ ٹھکرا دیا اور انہیں نقلی طور پر مایوس کر دیا اور ان کے ساتھ اُلجھے بھی نہیں۔ یہ بات تمام مسلمانوں کے لیے ایک نمونہ ہے کہ وہ اسلام اور دین کی اساس کے بارے میں دشمنی کے ساتھ کسی حالت میں بھی مصالحت نہ کریں اور جب بھی ان کی طرف سے اس قسم کی خواہش کی جائے تو انہیں کامل طور سے مایوس کر دیں۔ اس سورہ میں اس معنی پر خصوصیت کے ساتھ دو مرتبہ تاکید ہوئی ہے کہ "میں تمہارے معبودوں کی پرستش نہیں کروں گا" اور یہ تاکید انہیں مایوس کرنے کے لیے ہے۔ اسی طرح اس بات کی بھی دوبار تاکید ہوئی ہے کہ "تم بھی ہرگز میرے معبود خدائے یگانہ کی عبادت نہیں کرو گے"۔ یہ ان کی ہمت دھری کی ایک دلیل ہے اور اس کا انجام یہ ہے کہ "میں ہوں اور میرا دین تو حید، اور تم ہو اور تمہارا شرک آلود دین"۔

اس سورہ کی فضیلت کے بارے میں بہت زیادہ روایات نقل ہوئی ہیں جو اس کے مطالب کی حد سے زیادہ اہمیت کی ترجمان ہیں۔

ایک حدیث میں پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے منقول ہے کہ آپ نے فرمایا :

”من قرأ قل یا ایہا الکافرون فکان قرأ ربع القرآن وتباعدت عنه
مردۃ الشیاطین، وبرا من الشرک، ویعافی من الفزع الاکبر“
”جو شخص سورہ ”قل یا ایہا الکافرون“ کو پڑھے گا تو ایسا ہے جیسے اس
نے پورے قرآن پڑھا ہو، سرکش شیاطین اس سے دُور رہیں گے، وہ شرک سے
پاک ہو جائے گا اور ”روز قیامت“ کی گھبراہٹ سے امان میں ہوگا۔“

”ربع القرآن“ (پورے قرآن) کی تعبیر شاید اس بنا پر ہے کہ قرآن کا تقریباً چوتھا حصہ شرک و بُت پرستی سے مبارزہ میں ہے
اور اس کا نیچر اور خلاصہ اس سورہ میں آیا ہے۔ اور سرکش شیاطین کا دُور ہونا اس بنا پر ہے کہ اس سورہ میں مشرکین کی پیشکش کو
ٹھکرا دیا گیا ہے اور ہم جانتے ہیں کہ شرک شیطان کا اہم ترین آلہ ہے۔
قیامت میں نجات بھی پہلے درجہ میں توحید اور نفی شرک کی مرہون منت ہے، وہی مطلب جس کے محور پر یہ سورہ
گردش کرتا ہے۔

ایک اور حدیث میں پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے آیا ہے کہ ایک شخص آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت
میں آیا اور اس نے عرض کیا: اے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں اس لیے آیا ہوں کہ آپ مجھے کسی ایسی چیز کی تعلیم
دیجئے جسے میں سوتے وقت پڑھا کروں، آپ نے فرمایا:

Presented by: https://jafrilibrary.com

”اذا اخذت مضجعک فاقرأ قل یا ایہا الکافرون ثم نعوذ علی خاتمتها
فانھا برکۃ من الشرک“

”جب تو اپنے بستر پر جائے تو سورہ قل یا ایہا الکافرون کو پڑھ۔ اس کے بعد سو جا
کیونکہ یہ شرک سے بیزاری ہے۔“

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ایک روایت میں یہ بھی آیا ہے کہ آپ نے ”جہیز بن مطعم“ سے فرمایا:
”کیا تو اس بات کو دوست رکھتا ہے کہ جب تو سفر پر جائے تو زاولہ اور توشک کے
محافط سے اپنے ساتھیوں میں سب سے بہتر ہو؟“ اس نے عرض کی:

ہاں! میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

”ان پانچ سورتیں کو پڑھا کر: ”قل یا ایہا الکافرون“ و ”اذا جلاھو للہ والفتح“ و ”قل ھو اللہ احد“

و ”قل اعوذ برب الفلق“ و ”قل اعوذ برب الناس“ اور اپنی قرأت کی ابتدا ”بسم اللہ الرحمن الرحیم“ سے کیا کرو۔

اور ایک حدیث میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے آیا ہے کہ آپ نے فرمایا: ”میرے والد کہا کرتے تھے کہ ”قل یا ایہا الکافرون“

”پورے قرآن سے اور جب آپ اس کی قرأت سے فارغ ہوتے تو فرماتے: اعبدا اللہ وحدہ، اعبدا اللہ وحدہ“ ”میں صرف خدائے واحد کی عبادت کرتا ہوں۔“

”میں صرف خدائے واحد کی عبادت کرتا ہوں۔“

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

- ۱۔ قُلْ يٰۤاَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ ۝
- ۲۔ لَاۤ اَعْبُدُ مَا تَعْبُدُوْنَ ۝
- ۳۔ وَلَا اَنْتُمْ عٰبِدُوْنَ مَاۤ اَعْبُدُ ۝
- ۴۔ وَلَا اَنَا عٰبِدُ مَا عٰبَدْتُمْ ۝
- ۵۔ وَلَا اَنْتُمْ عٰبِدُوْنَ مَاۤ اَعْبُدُ ۝
- ۶۔ لَكُمْ دِيْنُكُمْ وَلِيَ دِيْنِ ۝

Presented by: <https://jafrilibrary.com/>

ترجمہ

- شروع اللہ کے نام سے جو رحمان و رحیم ہے
- ۱۔ کہہ دو! اے کافرو!
 - ۲۔ جن کی تم پرستش کرتے ہو میں ان کی عبادت نہیں کرتا۔
 - ۳۔ اور نہ تم اس کی عبادت کرو گے جس کی میں پرستش کرتا ہوں۔
 - ۴۔ اور نہ ہی میں ان کی پرستش کروں گا جن کی تم پرستش کرتے ہو۔
 - ۵۔ اور نہ تم اس کی پرستش کرو گے جس کی میں عبادت کرتا ہوں۔

۶۔ (اب جب کہ معاملہ اس طرح ہے تو) تمہارا دین تمہارے لیے اور میرا دین میرے لیے۔

شان نزول

ہدایات میں آیا ہے کہ یہ سورہ مشرکین کے سرخون کے ایک گروہ کے ہاں سے میں نازل ہوا ہے۔ مثلاً "ولید بن مغیرہ" "عاص بن وائل" "حارث بن قیس" اور "امیہ بن خلف" وغیرہ انہوں نے یہ کہا تھا کہ اسے محمدؐ! آدم ہمارے دین کی پیروی کرو، ہم بھی تمہارے دین کی پیروی کر لیتے ہیں اور ہم تمہیں اپنے تمام امتیازات میں شریک کر لیں گے۔ ایک سال تو تم ہمارے خداؤں کی عبادت کیا کرو اور دوسرے سال ہم تمہارے خدا کی عبادت کیا کریں گے۔ اگر تمہارا دین بہتر ہے تو ہم اس میں شریک ہو گئے ہیں اور اپنا حصہ اس میں سے لے لیا ہے۔ اور اگر ہمارا دین بہتر ہوا تو تم ہمارے دین میں شریک ہو گئے اور تم نے اس میں سے اپنا حصہ لے لیا۔

پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

"میں اس سے خدا کی پناہ مانگتا ہوں کہ کسی چیز کو اس کا شریک قرار دے!"
انہوں نے کہا: کم از کم ہمارے خداؤں کو چھو ہی تو اور ان سے تیز کر حاصل کرو تو ہم تمہاری بات مان لیں گے اور تمہارے خدا کی پرستش کرنے لگیں گے۔
پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

"میں تو اپنے پروردگار کے حکم کا منتظر ہوں۔ تو اس موقع پر سورہ "قل یا ایہا الکافرون" نازل ہوا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مسجد الحرام میں آئے جب کہ قریش کے مشرکوں کی ایک جماعت دہلیں جمع تھی تو آپؐ نے ان کے سروں کے اوپر کھڑے یہ سورہ آخر تک ان کے سامنے پڑھا۔ جب انہوں نے اس سورہ کے پیام کو سنا تو مکمل طور پر مایوس ہو گئے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپؐ کے صحابہ کو آثار پہنچانے لگے۔"

تفسیر

بُت پرستوں کے ساتھ ہرگز مصالحت نہیں ہو سکتی

اس سورہ کی آیات پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مخاطب کرتے ہوئے کہتی ہیں: "کہہ دو اسے کافرو!"

۱۔ اس شان نزول کو عبادت میں مشرکوں سے اختلاف کے ساتھ بہت سے مفسرین نے نقل کیا ہے، منجملہ "طبری" نے "تجلی البیان" میں "قرطبی" نے اپنی تفسیر میں "ابو اسحق رازی" نے اپنی تفسیر میں "ابو سعید" نے "در المنثور" میں۔

(قل یا ایہا الکافرون۔)

”تم جن کی پرستش کرتے ہو میں ان کی پرستش نہیں کرتا۔“ (لا اعبد ما تعبدون۔)

”اور نہ ہی تم اس کی پرستش کرو گے جس کی میں پرستش کرتا ہوں۔“ (ولا انتو عابدون ما اعبد۔)

اس طرح لہٰذا مکمل علیحدگی کو شخص کرتا ہے۔ اور صراحت کے ساتھ کہتا ہے: ”میں ہرگز بھی بت پرستی نہیں کروں گا۔“

اور تم بھی اپنی اس ہٹ دھرمی اور اپنے بڑوں کی اندھی تقلید کے باعث جس پر تمہیں اصرار ہے، اور بت پرستوں کی طرف سے جو بکثرت ناجائز منافع تمہیں حاصل ہوتے ہیں اس وجہ سے ہرگز ہشک سے خالص خدا پرستی کی طرف نہیں آ سکتے۔

بت پرستوں کو توحید و بت پرستی میں کسی قسم کی مصالحت سے مکمل طور پر بالیس کرنے کے لیے دوبارہ مزین فرماتا ہے: اور نہ ہی میں ہرگز ان کی پرستش کروں گا جن کی تم پرستش کرتے ہو۔ (ولا انا عابد ما عبدتو۔)

”اور نہ ہی تم اس کی پرستش کرو گے جس کی میں عبادت کرتا ہوں۔“ (ولا انتو عابدون ما اعبد۔)

اس بنا پر بت پرستی کے سلسلہ پر بے جا مصالحت کے لیے اصرار نہ کرو، کیونکہ یہ بات غیر ممکن ہے۔

”اب جب کہ معاملہ اس طرح ہے تو تمہارا دین تمہارے لیے اور میرا دین میرے لیے۔“ (اکو دینک و لی دین۔)

”بہت سے مشرکین نے یہ تصریح کی ہے کہ یہاں ”کافرون“ سے مراد مکہ کے بت پرستوں کے سرخون کا ایک خاص گروہ ہے، اس بنا پر ”الکافرون“ پر ”الف و لام“ اصطلاح کے مطابق ”کلمہ“ کا ہے ”جمع“ کا نہیں ہے۔

مکن ہے کہ اس مطلب پر ان کی دلیل۔ اس چیز کے علاوہ جو شان نزول میں بیان کی جا چکی ہے۔ یہ ہو کہ مکہ کے بت پرستوں میں سے بہت سے آخر کار ایمان لے آئے تھے۔ اس بنا پر اگر وہ یہ کہتا ہے کہ: ”نہ تم میرے معبود کی عبادت کرو گے اور نہ ہی میں تمہارے معبود کی، تو یقینی طور پر یہ شرک و کفر کے سرخون کے اس گروہ کے بابے میں ہے جو آخری عمر تک ہرگز ایمان نہیں لایا، ورنہ فتح مکہ کے موقع پر بہت سے مشرکین فوج در فوج اسلام میں داخل ہو گئے تھے۔

یہاں چند سوالات سامنے آتے ہیں جن کا جواب دینا ضروری ہے۔

۱۔ یہ سورہ ”قل“ (کہہ دے) کے ساتھ شروع کیوں ہوا؟

کیا یہ بہتر نہیں تھا کہ ”قل“ اس کے آغاز میں لائے بغیر ”یا ایہا الکافرون“ کہا جاتا؟ دوسرے لفظوں میں پیغمبر کو خدا کے حکم کا اجرا کرنا چاہیے تھا اور انہیں ”یا ایہا الکافرون“ کہنا چاہیے تھا، نہ کہ جملہ ”قل“ کا جی بکرا کر ان اس سوال کا جواب سورہ کے مضمون کی طرف توجہ کرنے سے واضح ہوتا ہے۔ کیونکہ مشرکین عرب نے پیغمبر کو بتوں کے سلسلے میں مصالحت کرنے کی دعوت دی تھی، لہٰذا آپ کے لیے اپنی طرف سے اس مطلب کی نفی کرنا ضروری تھا اور یہ کہنا چاہیے تھا کہ میں ہرگز تمہاری بات نہیں مانوں گا اور اپنی عبادت کو ہشک سے آلودہ نہیں کروں گا۔ اگر اس سورہ کے آغاز میں لفظ ”قل“ نہ ہوتا تو یہ بات خدا کی بات ہوتی اور اس صورت میں ”لا اعبد ما تعبدون“ (تم جن کی عبادت کرتے ہو میں ان کی عبادت نہیں کروں گا) کا جملہ اور اسی قسم کے دوسرے جملوں کا کوئی مضمون نہ ہوتا۔

اس کے علاوہ چونکہ جبریل کے پیام میں لفظ ”قل“ خدا کی طرف سے تھا، لہٰذا پیغمبر کی ذمہ داری یہ ہے کہ قرآن کی احکامات

کی حفاظت کے لیے اسے بیہوش بیان کریں اور خود یہی چیز اس بات کی نشان دہی کرتی ہے کہ "جبریل" اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وحی الہی کے نقل کرنے میں معمولی سی بھی تبدیلی نہیں کی اور انہوں نے عملی طور پر یہ ثابت کر دیا کہ وہ ایسے مامور ہیں جو فقط فرمان الہی پر ہی کان دھرتے ہیں جیسا کہ سورۃ یونس کی آیہ ۱۵ میں آیا ہے: "قل ما یقولون لی ان ابدلہ من تلقائی نفسی ان اتبع الا ما یوحی الی" کہ دیجئے مجھے اس بات کا کوئی حق نہیں ہے کہ میں قرآن کو اپنی طرف سے بدل دوں میں تو صرف اس بات کی پیروی کرتا ہوں جس کی مجھ پر وحی ہوتی ہے۔

۲۔ کیا بُت پرست خدا کے منکر تھے؟

ہم جانتے ہیں کہ بُت پرستوں کو ہرگز خدا کا انکار نہیں تھا۔ اور قرآن کی صریح آیات کے مطابق جب اُن سے آسمان وزمین کے خالق کے بارے میں پوچھا جاتا تھا تو وہ یہ جواب دیتے تھے کہ وہ خدا ہے: "ولئن سألتمو من خلق العتملوات والامرض ليقولن اللہ (لقمان - ۲۵)"

تو پھر وہ اس سورہ میں یہ کیسے کہتا ہے: "ن تو میں تمہارے مہبود کی پرستش کروں گا اور نہ ہی تم میرے مہبود کی پرستش کرو گے" اس سوال کا جواب بھی اس چیز کی طرف توجہ کرتے ہوئے واضح ہو جاتا ہے کہ بحث مسئلہ خلقت کے بارے میں نہیں ہے بلکہ مسئلہ عبادت کے بارے میں ہے۔ بُت پرست، خالق ہمال خدا ہی کو بوجھتے تھے۔ لیکن ان کا عقیدہ یہ تھا کہ عبادت بتوں ہی کی کرنا چاہیے تاکہ وہ بارگاہِ خدا میں واسطہ بنیں، یا یہ کہ ہم اصلاً اس لائق نہیں ہیں کہ خدا کی پرستش کریں، لہذا ہمیں جمانی بتوں کی عبادت کرنا چاہیے۔ اس موقع پر قرآن اُن کے ادا نام اور خیالات پر سُرخ لکیر کھینچتے ہوئے رد کرتا ہے اور یہ کہتا ہے کہ عبادت تو صرف خدا ہی کی ہونا چاہیے، نہ بتوں کی ہونا چاہیے اور نہ ہی دونوں کی۔

۳۔ یہ تکرار کس لیے ہے؟

اس بارے میں کہ پیغمبر کی طرف سے بتوں کی عبادت کی نفی کی تکرار اور مشرکین کی طرف سے خدا کی عبادت کی نفی کی تکرار کس بنا پر ہے، بہت زیادہ اختلاف ہے۔

ایک جماعت کا عقیدہ تو یہ ہے کہ یہ تکرار تاکید اور مشرکین کو مکمل طور پر مایوس کرنے، ان کے راستے کو اسلام کے راستے سے جدا کرنے اور یہ ثابت کرنے کے لیے ہے کہ توحید و شریک کے درمیان مصالحت کا امکان نہیں ہے۔ دوسرے نقطوں میں، چونکہ وہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو شریک کی طرف دعوت دینے میں اصرار کے ساتھ تکرار کرتے تھے، لہذا قرآن بھی ان کے رد کرنے میں تکرار کرتا ہے۔

ایک حدیث میں آیا ہے کہ (ابو جعفر صادق علیہ السلام کے زمانے کے ایک زمینق) ابو شاکر دیصانی نے امام جعفر صادق علیہ السلام کے ایک صحابی "ابو جعفر اہول" (محمد بن علی نعمانی کوئی معروف بہ مومن طاق) سے ان آیات کے تکرار کی دلیل کے بارے میں سوال کیا اور یہ کہا کہ کیا کسی عقل مند آدمی سے یہ بات ممکن ہے کہ اس کے کلام میں اس قسم کی تکرار ہو؟

ابوجعفر اہل کے پاس چونکہ اس کا کوئی جواب نہیں تھا لہذا وہ امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں مدینہ پہنچے اور اس سلسلہ میں سوال کیا تو امام نے فرمایا :

”ان آیات کے نزول اور ان میں تکرار کا سبب یہ تھا کہ قریش نے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے یہ تجویز پیش کی تھی کہ ایک سال آپ ہمارے خداؤں کی پوجہ کریں اور دوسرے سال ہم آپ کے خدا کی عبادت کریں گے اور اسی طرح بعد والے سال میں آپ ہمارے خداؤں کی عبادت کریں اور اس کے اگلے سال ہم آپ کے خدا کی عبادت کریں گے، تو اوپر والی آیات نازل ہوئیں اور ان تمام تجاویز کی نفی کی۔“

جب ابوجعفر اہل نے ابو شاکر کو یہ جواب دیا تو اس نے کہا :

”هَذَا مَا حَمَلَهُ الْاِبِلُ مِنَ الْحِجَازِ“

”یہ وہ بار ہے جسے اونٹ حجاز سے اٹھا کر لائے ہیں۔“

(یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ یہ تیسرا جواب نہیں ہے بلکہ امام جعفر صادق علیہ السلام کا قول ہے)۔

بعض دوسروں نے یہ کہا ہے کہ یہ تکرار اس بنا پر ہے کہ ایک جملہ تو مال کے بیان کے لیے ہے اور دوسرا مستقبل کے بیان کے لیے، یعنی میں ہرگز بھی نہ تو مال میں تمہارے مہبودوں کی پرستش کروں گا اور نہ ہی کبھی آئندہ تمہارے مہبودوں کی عبادت کروں گا۔

لیکن ظاہر اس تفسیر پر کوئی شاہد موجود نہیں ہے۔

ایک تیسری تفسیر بھی اس تکرار کے لیے بیان کی گئی ہے کہ پہلا جملہ تو مہبودوں کے اختلاف کو اور دوسرا عبادت کے اختلاف کو بیان کرتا ہے۔ یعنی نہ تو میں ہرگز تمہارے مہبودوں کی عبادت کروں گا اور نہ ہی میری عبادت تمہاری عبادت کی طرح ہے، کیونکہ میری عبادت مخلصانہ اور ہر قسم کے بشرک سے خالی ہے۔

علاوہ ازیں تمہاری باتوں کی عبادت کرنا بڑوں کی اندھی تقلید کی بنا پر ہے۔ لیکن میرا اللہ کی عبادت کرنا تحقیق و حکمرانی کے طور پر ہے۔

لیکن ظاہر یہ ہے کہ یہ تکرار تاکید کے لیے ہے، جیسا کہ ہم نے اوپر وضاحت کی ہے۔ وہ امام جعفر صادق علیہ السلام کی حدیث میں بھی اس کی طرف اشارہ ہوا ہے۔

یہاں ایک چوتھی تفسیر بھی بیان کی گئی ہے اور وہ یہ ہے کہ : ”دوسری آیت میں تو یہ فرماتا ہے کہ جن کی تم اب

۱۔ تفسیر علی بن ابراہیم جلد ۲ ص ۴۴۵

۲۔ اس تفسیر کی بنا پر ”ما“ دوسری اور تیسری آیت میں ”ما موصولہ“ ہے، اور چوتھی اور پانچویں آیت میں ”مصدویہ“ اس وجہ کہ ابوالفتح رازی نے ایک تفسیر کے عنوان سے جلد ۱۲ ص ۱۹۲ پر نقل کیا ہے اور مرحوم طبرسی نے بھی زیر بحث آیات کے ذیل میں اس کی طرف اشارہ کیا ہے۔

عبادت کر رہے ہو میں ان کی عبادت نہیں کروں گا۔ اور جو حق آیت میں فرماتا ہے کہ "میں نے گزشتہ زمانہ میں بھی کبھی تمہارے معبودوں کی عبادت نہیں کی جسے چہ جائیکہ اب کروں"

یہ فرق اس بات کی طرف توجہ کرتے ہوئے کہ دوسری آیت میں "تعبدون" فعل مضارع کی صورت میں ہے، اور چوتھی آیت میں "عبدتھو" فعل ماضی کی صورت میں ہے، بعید نظر نہیں آتا۔

اگرچہ یہ تفسیر صرف دوسری اور چوتھی آیت کے متوالہ کو توکل کرتی ہے، لیکن تیسری اور پانچویں آیت اسی طرح اپنی پوری قوت کے ساتھ باقی رہتی ہے۔

۴۔ کیا "لکم دینکم" ... کی آیت کا مفہوم بُت پرستی کا جواز ہے؟

کبھی یہ خیال کیا گیا ہے کہ اس سورہ کی آخری آیت جو یہ کہتی ہے کہ: "تمہارا دین تمہارے لیے اور میرا دین میرے لیے" تو اس کا مفہوم وہی "صلح کل" ہی ہے اور یہ انہیں اس بات کی اجازت دیتی ہے کہ وہ اپنے دین پر برقرار رہیں کیونکہ یہ دینِ سلام کو قبول کرنے پر اصرار نہیں کرتی۔

لیکن یہ خیال انتہائی کمزور اور بے بنیاد ہے کیونکہ آیات کالاب و لہم اچھی طرح سے اس بات کی نشان دہی کرتا ہے کہ یہ تعبیر ایک قسم کی تحقیر و تہدید ہے، یعنی تمہارا دین خود تمہیں ہی مبارک ہو اور تم جلدی ہی اس کے بُرے انجام کو دیکھ لو گے! جیسا کہ سورہ قصص کی آیہ ۵۵ میں آیا ہے: "و اذا سمعوا اللغو اعرضوا عنه و قالوا لنا اعمالنا و اكموا اعمالكم سلام علیکم لا تبتغی الجاہلین"۔ مومنین جب کوئی لغو اور بیوقوفہ بات سنتے ہیں تو اس سے ڈوگروائی کر لیتے ہیں اور کہتے ہیں ہمارے اعمال ہمارے لیے اور تمہارے اعمال تمہارے لیے۔ تم پر سلام (دوام اور بخائی کا سلام) ہم جاہلوں کے طلب گار نہیں ہیں!

قرآن مجید کی سینکڑوں آیتیں اس مفہوم کی گواہ ہیں جو بشرک کی ہر صورت میں سرکشی کرتی ہیں، اسے ہر کام سے زیادہ قابلِ نفرت سمجھتی ہیں اور اُسے نہ بخشا جانے والا گناہ خیال کرتی ہیں۔

علمائے اس سوال کے دوسرے جواب بھی دیے ہیں مثلاً یہ کہ آیت میں کچھ محذوف ہے اور تقدیر میں اس طرح ہے: "لکم جزاء دینکم و لی جزاء دینکم" یعنی تمہارے دین کی جزا تمہارے لیے اور میرے دین کی جزا میرے لیے۔ دوسرے یہ کہ یہاں "دین" جزا کے معنی میں ہے۔ اور آیت میں کوئی بھی چیز محذوف نہیں ہے اور اس کا مفہوم یہ ہے کہ تم اپنی جزا لو گے اور میں اپنی جزا لوں گا۔

۱۔ اس بنا پر عابد کو بھی جو ہم فاعل ہے اس آیت میں ماضی کا معنی دینا چاہیے۔

۲۔ ماضی طرز پر اس بات پر بھی توجہ کرنا چاہیے کہ ماضی طرز پر غرضی استعمال کے لیے آتا ہے لیکن بہت سے مقامات پر دیکھا گیا ہے کہ یہ فاعلی استعمال بھی استعمال ہوتا ہے، قرآن کی آیات بھی اس مطلب کی شاہد ہیں۔

۳۔ ماضی طرز پر دیکھا جائے کہ ماضی طرز میں دین سکسہ ہے اور اس کا سکسہ یا محذوف پر دلالت کرتا ہے، اور اصل میں یہ ولی دینی تھا۔

لیکن پہلی تفسیر اور پہلا جواب زیادہ مناسب نظر آتا ہے۔

۵۔ آپ نے ایک لمحہ کھیلے بھی شرک سے مصالحت نہیں کی۔

اس سورہ میں جو کچھ آیا ہے وہ حقیقت میں اس واقعیت کو بیان کرتا ہے کہ توحید و شرک دو متضاد پروگرام اور مکمل طور پر دو الگ الگ راستے ہیں اور ان میں ایک دوسرے کے ساتھ کسی قسم کی مشابہت نہیں ہے۔ توحید انسانی کو خدا سے مربوط کرتی ہے۔ جب کہ شرک اس کو خدا سے بیگانہ کر دیتا ہے۔

توحید تمام مرحلوں اور میدانوں میں وحدت و یگانگی کی رمز ہے جب کہ شرک زندگی کے تمام شئون میں تفرق اور پراگندگی کا سبب ہے۔ توحید انسان کو عالم مادہ اور جہانی طبیعت سے بلندی کی طرف لے جاتی ہے اور مادہ، طبیعت میں خدا کے لامتناہی وجود کے ساتھ اس کا شریعہ جوڑ دیتی ہے، جبکہ شرک انسان کو طبیعت کے کنوئیں میں سونکھ کر دیتا ہے اور اس کا شریعہ محدود، کمزور اور فانی موجودت کے ساتھ جوڑ دیتا ہے۔ اسی بنا پر پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور تمام انبیاء عظام نے نہ صرف شرک کے ساتھ مصالحت نہیں کی، بلکہ ان کا پہلا اور اہم ترین پروگرام شرک کے ساتھ مبارزہ کرنا تھا۔

آج بھی راہ حق کے تمام چلنے والوں اور اس دین کے علماء و مبلغین کو یہی راستہ اور طریقہ اختیار کرنا چاہیئے اور ہر جگہ اور ہر مقام پر ہر قسم کے شرک اور مشرکین سے ساز باز اور مصالحت سے اپنی برات اور بیزاری کا اعلان کرنا چاہیئے۔ یہی اسلام کی اصل راہ ہے۔

خداوند! ہمیں شرک اور شرک آلودہ افکار و اعمال سے دور رکھ۔
پوروں گارا! ہمارے زمانہ کے مشرکین کے دوسرے بھی خطرناک ہے، ہمیں ان کے طام فریب میں گرفتار ہونے سے محفوظ رکھ۔

بار الہا! ہمیں ایسی شجاعت اور صراحت و قاطعیت مرحمت فرما کہ ہم بھی پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرح ہر قسم کے کفر و شرک کی مصالحت کی پیش کش کو رد کریں۔

آئیں بایں العالمین

سورۃ کافرون کا اختتام

اختتام ترجمہ

بزرگ قدرت تقویٰ آٹھ بجے صبح

۵، ۱۴۰۸ھ

برسکان خود قم مقدس ایران



سُورَةُ نَصْرِ

Presented by: <https://jafrilibrary.com/>

❖ یہ سُورہ مدینہ میں نازل ہوا۔

❖ اس میں ۲ آیات ہیں۔

سُورۃ النصر کے مطالب اور اس کی فضیلت

یہ سُورہ مدینہ میں ہجرت کے بعد نازل ہوا ہے اور اس میں ایک بہت بڑی کامیابی اور فتح عظیم کی بشارت ہے کہ اس کے بعد لوگ گروہ درگروہ خدا کے دین میں داخل ہوں گے، لہذا اس عظیم نعت کا شکر ادا کرنے کے لیے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تسبیح، حمد الہی اور استغفار کرنے کی دعوت دی گئی ہے۔ اگرچہ اسلام میں بہت سی فتوحات ہوئی ہیں لیکن اوپر والی بات کے پورا ہونے کے طور پر ”فتح مکہ“ کے سوا اور کوئی فتح نہیں تھی۔

خصوصاً جب کہ بعض روایات کے مطابق عربوں کا نظریہ یہ تھا کہ اگر پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مکہ کو فتح کر لیا اور وہ اس پر تسلط ہو گئے، تو یہ ان کے حقانیت کی دلیل ہوگی، کیونکہ اگر وہ حق پر نہ ہوتے تو خدا انہیں اس قسم کی اجازت نہیں دے گا، جیسا کہ اس نے ”بہرہ کے عظیم لشکر کو اس قسم کی اجازت نہیں دی تھی۔ اسی بنا پر مشرکین عرب فتح مکہ کے بعد گروہ درگروہ اسلام میں داخل ہو گئے۔

بعض نے یہ کہا ہے کہ یہ سُورہ ”صلح حدیبیہ“ کے بعد اور فتح مکہ سے دو سال پہلے، ہجرت کے چھٹے سال نازل ہوا۔ لیکن یہ بات، جس کے بارے میں بعض نے احتمال دیا ہے کہ یہ فتح مکہ کے بعد ہجرت کے دسویں سال حجۃ الوداع میں نازل ہوا، بہت ہی بعید ہے کیونکہ اس سُورہ کی تعبیریں اس معنی کے ساتھ سازگار نہیں ہیں، کیونکہ یہ مستقبل سے مربوط ایک حادثہ کی خبر دیتا ہے نہ کہ گزشتہ کی۔

اس سُورہ کا ایک نام سُورہ ”تودیل“ ہے۔ (تودیل یعنی خدا حافظ) کیونکہ اس میں ضمنی طور پر پیغمبر کی رحلت کی خبر ہے ایک حدیث میں آیا ہے کہ جس وقت یہ سورہ نازل ہوا اور پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کی اپنے اصحاب کے

سامنے تلاوت کی تو سب کے سب بہت خوش اور مسرور ہوئے، لیکن پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چچا عباسؓ اس کو ٹک روک دئے گئے۔ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

اے چچا! آپ کیوں روک رہے ہیں؟

عرض کیا، میرا گمان یہ ہے کہ اس سورہ میں آپؐ کی رحلت کی خبر دی گئی ہے۔ تو رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

”یہی بات ہے جو آپؐ کہہ رہے ہیں“۔

اس بارے میں کہ یہ مطلب اس سورہ کے کس جملہ سے معلوم ہوتا ہے، مفسرین کے درمیان اختلاف ہے کیونکہ آیات کے ظاہر میں تو فتح اور کامیابی کی بشارت کے سوا اور کوئی چیز نہیں ہے۔ ظاہراً اس مفہوم کا اس بات سے استفادہ کیا گیا ہے کہ یہ سورہ اس بات کی دلیل ہے کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رسالت آفریت کو پہنچ رہی ہے۔ آپ کا دین مکمل طور پر ثابت اور مستقر ہو چکا ہے اور یہ معلوم ہے کہ ایسی حالت میں سراسے فانی سے جہان باقی کی طرف رحلت کی توقع پورے طور پر قابل پیش بینی ہے۔

اس سورہ کی تلاوت کی فضیلت کے بارے میں ایک حدیث میں پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے آیا ہے:

”من قرأھا فکانما شہد مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فتح مکہ“

جو شخص اس کی تلاوت کرے گا وہ اس شخص کے مانند ہے جو فتح مکہ میں پیغمبر

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہمراہ تھا۔

ایک اور حدیث میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے آیا ہے:

”جو شخص سورۃ“ اذا جاء نصر اللہ والفتح“ کو نافذ یا واجب نماز میں پڑھے گا

خدا اس کو اس کے تمام دشمنوں پر فتح یاب کرے گا اور وہ قیامت میں اس حالت میں

دار عشر ہوگا کہ اس کے ہاتھ میں ایک عہد نامہ ہوگا، جو بات کرے گا، خدا نے

اُسے اس کی قبر کے اندر سے باہر بھیجا ہے، اور وہ جہنم کی آگ سے امان نامہ ہے۔

کے بغیر واضح ہے کہ یہ سب اعزاز و افتخار اور فضیلت اس شخص کے لیے ہے جو اس سورہ کو پڑھنے سے رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیروی کرے اور ان کے راستے اور طریقہ پر چلے اور آپ کے دین و آئین اور سنت پر عمل کرے،

نہ کہ صرف تعلقہ لسانی پر قناعت کرے۔

۱۔ ”جمع البیان“ جلد ۱۰ ص ۵۵۴۔ یہ مضمون متعدد روایات میں مختلف الفاظ کے ساتھ ذکر ہوا ہے۔ (المیزان جلد ۲۰ ص ۵۳۲)۔

۲۔ ”جمع البیان“ جلد ۱۰ ص ۵۵۳

۳۔ ”جمع البیان“ جلد ۱۰ ص ۵۵۳

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

- ۱۔ اِذَا جَاءَ نَصْرُ اللَّهِ وَالْفَتْحُ ۝
- ۲۔ وَرَأَيْتَ النَّاسَ يَدْخُلُونَ فِي دِينِ اللَّهِ أَفْوَاجًا ۝
- ۳۔ فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَاسْتَغْفِرْهُ ۚ إِنَّهُ كَانَ تَوَّابًا ۝

ترجمہ

شروع اللہ کے نام سے جو رحمان و رحیم ہے

Presented by: <https://jafrilibrary.com/>

- ۱۔ جب خدا کی مدد اور کامیابی آن پہنچے
- ۲۔ اور تو دیکھے گا کہ لوگ گروہ درگروہ خدا کے دین میں داخل ہو رہے ہیں
- ۳۔ پس تم اپنے پروردگار کی تسبیح اور حمد بجا لاؤ اور اس سے استغفار کرو کہ وہ بڑا ہی توبہ قبول کرنے والا ہے۔

تفسیر

جب اصلی کامیابی آن پہنچے

اس سورہ کی پہلی آیت جس میں فرماتا ہے : " جس وقت خدا کی مدد اور کامیابی آن پہنچے " (اِذَا جَاءَ نَصْرُ اللَّهِ وَالْفَتْحُ) اور تو دیکھے گا کہ لوگ گروہ درگروہ خدا کے دین میں داخل ہو رہے ہیں۔ (وَرَأَيْتَ النَّاسَ يَدْخُلُونَ فِي دِينِ اللَّهِ أَفْوَاجًا)۔

تو اس عظیم نعمت اور اس کامیابی اور نصرت الہی کے شکرانے کے طور پر اپنے پروردگار کی تسبیح اور حمد بجا لاؤ اور اس سے

بخشش طلب کرو کہ وہ بڑا ہی توبہ قبول کرنے والا ہے۔ (فستیح بحمد ربک واستغفرہ انتہ کان تواباً)۔
ان تین مختصر اور پُر معنی آیات میں بہت سے ایسے نکات ہیں جن میں غور کرنے سے اس سورہ کے اصلی ہدف کو سمجھنے میں مدد ملتی ہے۔

۱۔ پہلی آیت میں "نصرت" کی اضافت "خدا" کی طرف ہوئی ہے (نصر اللہ) صرف یہی ایک جگہ نہیں ہے کہ جہاں یہ اضافت نظر آرہی ہے، بلکہ قرآن کی بہت سی آیات میں یہ معنی منکس ہے۔ منجملہ ان کے سورہ بقرہ کی آیہ ۲۱۴ میں آیا ہے۔ (الا ان نصر اللہ قریب) "جان لو کہ خدا کی مدد قریب ہے" اور سورہ آل عمران کی آیہ ۱۲۶ اور انفال کی آیہ ۱۰ میں آیا ہے۔ (وما النصر الا من عند اللہ) "نصرت تو صرف خدا ہی کی طرف سے ہوئی ہے۔

یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ نصرت و کامیابی ہر حال میں خدا کے ارادہ سے ہی ہوتی ہے۔
یہ ٹھیک ہے کہ دشمن پر غلبہ حاصل کرنے کے لیے توانائیوں کو جمع کرنا اور قدرت و طاقت مہیا کرنا ضروری ہے، لیکن ایک متحدہ آدمی نصرت کو خدا ہی کی طرف سے سمجھتا ہے اور اسی بنا پر کامیابی کی صورت میں مغرور نہیں ہوتا بلکہ اس پر خدا کا شکر ادا کرتا ہے۔

۲۔ اس سورہ میں پہلے نصرت الہی، پھر فتح و کامیابی اور اس کے بعد اسلام کے نفوذ و وسعت اور لوگوں کے خدا کے دین میں گروہ درگروہ داخل ہونے کی بات کی گئی ہے۔ یہ تینوں ایک دوسرے کی علت و معلول ہیں۔ جب تک خدا کی نصرت اور مدد نہ ہو، فتح و کامیابی حاصل نہیں ہوتی اور جب تک فتح و کامیابی حاصل نہ ہو اور راستہ کی رکاوٹیں دور نہ ہوں، لوگ گروہ درگروہ مسلمان نہیں ہوتے۔ البتہ ان تین مرحلوں کے بعد جن میں سے ہر ایک بہت بڑی نعمت ہے، پورا حلقہ شکر اور حمد و ثناء الہی کا آتا ہے۔

اور دوسری طرف سے خدائی نصرت اور کامیابی اس لیے ہے کہ اصل ہدف یعنی لوگوں کا خدا کے دین میں داخل ہونا اور عمومی ہدایت صورت پذیر ہو۔

۳۔ "فتح" یہاں مطلق صورت میں بیان ہوا ہے اور ان قرآن کی بنا پر جن کی طرف ہم نے پہلے اشارہ کیا ہے، اس سے مراد فتح مکہ ہے، جس کا ایسا ہی رد عمل ہوا تھا۔ اور واقعاً فتح مکہ نے تاریخ اسلام میں ایک نئی فصل کا اضافہ کیا، کیونکہ اس سے مشرک کا اصلی مرکز تباہ و برباد ہو گیا، بُت توڑ دیے گئے اور بُت پرستوں کی اُمید ملیسی اور نا اُمیدی میں تبدیل ہو گئی اور لوگوں کے لیے اسلام پر ایمان کے راستے میں جو رکاوٹیں تھیں وہ ہٹ گئیں اسی بنا پر فتح مکہ کو جزیرۃ العرب میں اور اس کے بعد ساری دنیا میں اسلام کے ثبات و استقرار کا مرحلہ سمجھا جاتا ہے۔ اور اسی لیے مشرکین کی جانب سے فتح مکہ کے بعد (سوائے ایک موقع کے جس کی جلدی ہی سرکوبی ہو گئی) کسی قسم کا مقابلہ نظر نہیں آیا اور لوگ تمام علاقوں سے اسلام قبول کرنے کے لیے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں آتے تھے۔

۴۔ تیسری آیت کے ذیل میں پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو (اور طبعاً سب مومنین کو) ہمیں اہم حکم دیتا ہے جو حقیقت میں

اس عظیم کامیابی کا شکرانہ اور اس نصرت الہی کے مقابلہ میں ایک مناسب عکس العمل ہے۔ اور وہ تسبیح، حمد اور استغفار کا حکم ہے۔
 "تسبیح" کا معنی خدا کو ہر قسم کے عیب و نقص سے منزہ سمجھنا ہے۔ "حمد" صفات کمالیہ کے ساتھ اس کی توصیف و تعریف کرنا ہے، اور "استغفار" بندوں کی کوتاہیوں اور تقصیروں کو ظاہر کرنا ہے۔
 یہ عظیم کامیابی اس بات کا سبب بنی ہے کہ بشر کو آلودہ افکار میں کمی ہو، خدا کا کمال و جمال زیادہ سے زیادہ ظاہر ہو اور راستہ سے ہٹنے والے لوگ حق کی طرف لوٹ آئیں۔

یہ فتح عظیم سبب بنی ہے کہ لوگ یہ گمان نہ کریں کہ خدا اپنے اولیاء اور دوستوں کو تنہا چھوڑ دیتا ہے۔ (اس نقص سے پاکیزگی) اور وہ یہ بھی جان لیں کہ خدا اپنے وعدوں کے انجام دینے پر توانا ہے۔ (اس کمال سے موصوف ہونا) اور بندے بھی اس کی عظمت کے مقابلہ میں اپنے نقص کا اعتراف کریں۔

اس کے علاوہ ممکن ہے کہ انسان میں کامیابی کے وقت غیر مطلوب رد عمل پیدا ہو جائے اور وہ "غور و فکر اور غور کو برتر سمجھنے" میں مبتلا ہو جائے۔ یا دشمن سے "انتقام لینے اور ذاتی حساب چکانے" کی طرف ہاتھ بڑھائے۔ یہ تینوں احکام اسے اس بات کی تعلیم دیتے ہیں کہ وہ کامیابی کے حساس لمحات میں خدا کی صفات جلال و جمال کی یاد میں رہے، سب چیزوں کو اس کی طرف سے سمجھے اور استغفار میں مشغول ہو جائے تاکہ غور و غفلت بھی اس سے نائل ہو اور وہ جذبہ انتقام سے بھی دور رہے۔
 ۵۔ مسلمہ طور پر پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمام انبیاء کی طرح "موسوم" تھے پس یہ استغفار کا حکم کس لیے ہے؟

اس سوال کے جواب میں ہمیں یہ کہنا پڑے گا کہ یہ تو ساری امت کے لیے ایک نمونہ و اسوہ اور دستور العمل ہے۔
 اولاً : اس طولانی مبارزہ کے طویل زمانہ میں جو بہت زیادہ سالوں تک جاری رہا (تقریباً بیس سال) اور مسلمانوں بہت سخت اور دردناک دن گزارے، بعض اوقات تو حادثات ایسے پیچیدہ ہو جاتے تھے کہ جانیں بسوں تک پہنچ جاتی تھیں اور بعض لوگوں کے افکار میں فدائی وعدوں کے بارے میں بُرے گمان پیدا ہو جاتے تھے، جیسا کہ قرآن مجید "احزاب" کے بارے میں فرماتا ہے : **وَبَلَغَتِ الْقُلُوبُ الْحَنَاجِرَ وَتَظُنُّونَ بِاللَّهِ الظَّنُونَا** : "اور دل گلے تک آگئے اور تم اللہ کے بارے میں (نامناسب) گمان کرنے لگے۔ (احزاب - ۱۰)

اب جب کہ کامیابی حاصل ہو گئی ہے تو وہ اس بات کو سمجھ گئے ہیں کہ وہ سب بگمанияں اور بے تابیاں غلط تھیں لہذا انہیں استغفار کرنا چاہیے۔

ثانیاً : انسان چاہے جتنی بھی خدا کی حمد و ثنا کرے، پھر بھی وہ اس کے شکر کا حق ادا نہیں کر سکتا، لہذا اسے حمد و ثنا کے آخر میں اپنی تقصیر و کوتاہی کی بنا پر "خدا کی بارگاہ میں" استغفار کرنا چاہیے۔

ثالثاً : عام طور پر کامیابیوں کے بعد شیطانی دوسرے شروع ہو جاتے ہیں اور ایک طرف "غور" اور دوسری طرف "تندروی" اور انتقام جی "کی حالت پیدا ہو جاتی ہے۔ لہذا اس موقع پر خدا کو یاد رکھنا چاہیے اور مسلسل استغفار کرتے رہنا چاہیے، تاکہ ان میں سے کوئی سی حالت بھی پیدا نہ ہو۔ یا اگر پیدا ہو بھی تو ہر طرف ہو جائے۔

رابعاً : جیسا کہ ہم نے سورہ کے آغاز میں بیان کیا ہے اس کامیابی کا اعلان تقریباً پیغمبر کی ماموریت کے اتمام

اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عمر کے پُورا ہونے اور لعائے محبوب کے لیے جانے کے اعلان کے معنی میں ہے۔ اور یہ حالت "تبیح و" حمد و" استغفار سے مناسبت رکھتی ہے۔ اسی لیے روایات میں آیا ہے کہ اس سورہ کے نازل ہونے کے بعد پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس جملہ کا بہت زیادہ تکرار فرماتے تھے :

"سبحانک اللہم و بحمدک اللہم اغفر لی انک انت التواب الرحیم :
خداوند! تُو پاک و منزہ ہے، اور میں تیری حمد و ثنا کرتا ہوں۔ خداوند! مجھے بخش دے کہ تُو بہت ہی توبہ کو قبول کرنے والا اور مہربان ہے!"

۶۔ "انہ کان تواباً" کا جملہ مسئلہ استغفار کی علت کا بیان ہے۔ یعنی استغفار و توبہ کر کیونکہ خدا بہت ہی توبہ کو قبول کرنے والا ہے۔

ضمنی طور پر شاید اس کا یہ مطلب بھی ہے کہ جب خدا تمہاری توبہ کو قبول کر لیتا ہے تو تم بھی کامیابی کے بعد جہاں تک ہو سکے کوتاہی کرنے والوں کی توبہ کو قبول کر لو۔ اور جب تک ان سے مخالفت کا ارادہ یا سازش کے آثار ظاہر نہ ہوں انہیں اپنے سے دُور نہ کرو۔ لہذا۔ جیسا کہ ہم نے دیکھ لیا ہے۔ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس فتح مکہ کے ماجرے میں شکست خوردہ کینہ و دشمنی کے مقابلہ میں اسلامی رافت و رحمت کا اعلیٰ ترین نمونہ پیش کیا ہے۔

یہ صرف پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی کی سیرت نہیں ہے کہ آپ پر دشمنی اور اصلی فتح حاصل کرنے کے موقع پر تبیح و حمد و استغفار میں مصروف ہو گئے، بلکہ سارے ہی انبیاء کی تاریخ میں یہ مطلب اچھی طرح نمایاں ہے۔

مثلاً حضرت "یوسف" علیہ السلام جب مصر کے تختِ حکومت پر بیٹھے اور ایک طویل بدلتی کے بعد ان کے ماں باپ اور بھائی ان سے آگے تشریف لائے : رب قد اتیتنی من الملک و علمتی من تأویل الاحادیث فاطر السماوات والارض انت ولی فی الدنیا والاخرۃ توفی مسلماً والحقنی بالصالحین : پروردگارا! تُو نے حکومت کا ایک بہت بڑا حصہ مجھے دیا ہے اور تُو نے مجھے خواہوں کی تعبیر کا علم عطا کیا ہے، تُو ہی آسمان و زمین کو پیدا کرنے والا ہے اور تُو ہی دنیا و آخرت میں میرا سرپرست ہے۔ مجھے مسلمان کی حیثیت سے موت دینا اور صالحین کے ساتھ ملحق کرنا" (یوسف - ۱۰۱)

پیغمبر خدا حضرت سلیمان علیہ السلام نے جب مکہ سب کے تحت کو اپنے سامنے حاضر دیکھا تو کہا :

"هَذَا مِنْ فَضْلِ رَبِّي لِيَبْلُوَنِي ؕ أَشْكُرَ امَّا أَكْفُرُ :

"یہ میرے پروردگار کے فضل سے ہے تاکہ وہ مجھے آزمائے کہ آیا میں اس کا

شکر ادا کرتا ہوں یا کفرانِ نعمت کرتا ہوں : (نمل - ۲۰)

ایک نکتہ

فتح مکہ اسلام کی عظیم ترین فتح : فتح مکہ نے۔ جیسا کہ ہم نے اشارہ کیا ہے۔ تاریخ اسلام میں ایک نئی

فصل کا اضافہ کیا ہے اور تقریباً بیس سال کے بعد دشمن کی مقاومتوں کو ہمیشہ کے لیے ختم کر دیا۔ حقیقت میں فتح مکہ سے جزیرۃ العرب سے بشرک و بت پرستی کی بساط لپیٹ دی گئی اور اسلام دنیا کے دوسرے ممالک کی طرف حرکت کھیلے آمادہ ہوا۔ اس واقعہ کا خلاصہ یہ ہے کہ مدینہ کے عہد و پیمان اور صلح کے بعد کفار نے مدینہ کی اور اس صلح نامہ کو نظر انداز کر دیا۔ اور پیغمبر کے بعض حلیفوں کے ساتھ زیادتی کی، آپ کے حلیفوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے شکایت کی تو رسول اللہ نے اپنے حلیفوں کی مدد کرنے کا ارادہ کر لیا۔

اور دوسری طرف مکہ میں بت پرستی، شرک اور فحاشی کا جو مرکز قائم تھا اس کے ختم ہونے کے تمام حالات فراہم ہو گئے تھے اور یہ ایک ایسا کام تھا جسے ہر حالت میں انجام دینا ضروری تھا۔ اس لیے پیغمبر خدا کے حکم سے مکہ کی طرف جانے کے لیے آمادہ ہو گئے۔

فتح مکہ تین مراحل میں انجام پائی :-

پہلا مرحلہ مقدّمی تھا، یعنی خودی قولاً اور توانائیں کو فراہم کرنا، زمانہ کے موافق حالات کا انتخاب اور دشمن کی جسمانی و روحانی قوت و توانائی کی مقدار و کیفیت کی حیثیت کے بارے میں کافی اطلاعات حاصل کرنا تھا۔ دوسرا مرحلہ، فتح کے مرحلہ کو بہت ہی ماہرانہ اور ضالعات و ذلعات یعنی نقصان کے بغیر انجام دینا تھا۔

اور آخری مرحلہ، جو اصلی مرحلہ تھا، اس کے آثار و نتائج کا مرحلہ تھا۔

۱۔ یہ مرحلہ انتہائی وقت، بایک بینی اور لطافت کے ساتھ انجام پایا، خصوصاً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مکہ و مدینہ کی شاہراہ کو اس طرح سے حرق کر لیا تھا کہ اس عظیم آلودگی کی خبر کسی طرح سے بھی اہل مکہ کو نہ پہنچ سکی۔ اس لیے انہوں نے کسی قسم کی تیاری نہ کی، وہ مکمل طور پر غفلت میں پڑے رہے اور اسی وجہ سے اس مقدس سرزمین میں اس عظیم حملے اور بہت بڑی فتح میں تقریباً کوئی خون نہیں بہا۔

یہاں تک کہ وہ خط بھی، جو ایک ضعیف الایمان مسلمان "حاطب بن ابی بلتعہ" نے قریش کو لکھا تھا اور قبیلہ "مزینہ" کی ایک عورت "کفود" یا "سارہ" نامی کے ہاتھ مکہ کی طرف روانہ کیا تھا، اعجاز آمیز طریقہ سے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے آشکار ہو گیا۔ علی علیہ السلام کچھ دوسرے لوگوں کے ساتھ بڑی تیزی سے اس کے پیچھے روانہ ہوئے، انہوں نے اس عورت کو مکہ و مدینہ کی ایک درمیانی منزل میں جانیا اور اس سے وہ خط لے کر خود اُسے بھی مدینہ واپس لے آئے جس کی داستانِ نوحہ ممتنعہ کی پہلی آیت کے ذیل میں تفصیل کے ساتھ بیان ہو چکی ہے۔ بہر حال پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مدینہ میں اپنا ایک قائم مقام مقرر کر کے ہجرت کے آٹھویں سال ماہ رمضان کی دس تاریخ کو مکہ کی طرف چل پڑے، اور دس دن کے بعد مکہ پہنچ گئے۔

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے راستے کے وسط میں اپنے چچا عباسؓ کو دیکھا کہ وہ مکہ سے ہجرت کر کے آپ کی طرف آرہے ہیں۔ حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے فرمایا کہ اپنا سامان مدینہ بھیج دیجیے اور خود ہمارے

ساتھ چلیں ، اور آپ آخری مہاجر ہیں ۔

۲۔ آخر کار مسلمان مکہ کے قریب پہنچ گئے اور شہر کے باہر اطراف کے بیابانوں میں اس مقام پر جسے "مراظظہرون" کہا جاتا تھا اور جو مکہ سے چند کلومیٹر سے زیادہ فاصلہ پر نہ تھا ، پلاؤ ڈال دیا۔ اور رات کے وقت کھانا پکانے لگے (یا شاید اپنی وسیع پیمانہ پر موجودگی کو ثابت کرنے کے لیے) وہاں آگ روشن کر دی۔ اہل مکہ کا ایک گروہ اس منظر کو دیکھ کر حیرت میں ڈوب گئے۔

ابھی تک پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور لشکر اسلام کے اس طرف آنے کی خبریں قریش سے پہنچاں تھیں۔ اس رات اہل مکہ کا سرخروہ البرسفیان اور مشرکین کے بعض دوسرے سرخروے خبریں معلوم کرنے کے لیے مکہ سے باہر نکلے۔ اس موقع پر پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چچا عباس نے سوچا کہ اگر رسول اللہ قہر آلود طریقہ پر مکہ میں وارد ہوئے تو قریش میں سے کوئی بھی زندہ نہیں بچے گا۔ انہوں نے پیغمبر اکرم سے اجازت لی اور آپ کی سواری پر سوار ہو کر مکہ کہیں جاتا ہوں ، شاید کوئی بل جائے تو اس سے کہوں کہ اہل مکہ کو اس ماجرے سے آگاہ کر دے تاکہ وہ آکر امان حاصل کر لیں۔

عباس وہاں روانہ ہو کر بہت قریب پہنچ گئے۔ اتفاقاً اس موقع پر انہوں نے "البرسفیان" کی آواز سنی جو اپنے ایک دوست "بدیل" سے کہہ رہا تھا کہ ہم نے کہیں بھی اس سے زیادہ آگ نہیں دیکھی۔ "بدیل" نے کہا ، میرا خیال ہے کہ یہ آگ قبیلہ "قزاعہ" نے جلائی ہوئی ہے۔ البرسفیان نے کہا : قیامت خاں اس سے کہیں زیادہ ذلیل و خوار ہیں کہ وہ اتنی آگ روشن کریں۔ اس موقع پر "عباس" نے "البرسفیان" کو پکارا۔ البرسفیان نے بھی عباس کو پہچان لیا اور کہا سچ سچ بتاؤ کیا بات ہے؟ عباس نے جواب دیا : یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں جو دس ہزار مہاجرین اسلام کے ساتھ ہماری طرف آ رہے ہیں۔ البرسفیان سخت پریشان ہوا اور کہا : آپ مجھے کیا حکم دیتے ہیں۔

عباس نے کہا : میرے ساتھ آؤ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے امان لے لو ورنہ قتل کر دیے جاؤ گے۔ اس طرح سے عباس نے "البرسفیان" کو اپنے ہمراہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سواری پر ہی سوار کر لیا اور تیزی کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں پہنچ آئے۔ وہ جس گروہ اور جس آگ کے قریب سے گزرتے وہ یہی کہتے کہ یہ تو پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چچا ہیں جو آنحضرت کی سواری پر سوار ہیں ، کوئی غیر آدمی نہیں ہے۔ یہاں تک کہ وہ اس مقام پر آئے جہاں عمر ابن خطاب تھے۔ جب عمر بن خطاب کی نگاہ البرسفیان پر پڑی تو کہا ، خدا کا شکر ہے کہ اس نے مجھے تجھ (البرسفیان) پر مسلط کیا ہے ، اب تیرے لیے کوئی امان نہیں ہے اور فوراً ہی پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں آکر آپ سے البرسفیان کی گردن اڑانے کی اجازت مانگی۔

لیکن اتنے میں عباس بھی پہنچ گئے اور کہا ، کہ اے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں نے اسے پناہ دے دی ہے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا : میں بھی سرورست اُسے امان دیتا ہوں۔ کل آپ اسے میرے پاس لے آئیں اگلے دن جب عباس اُسے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں لائے تو رسول اللہ نے اس سے فرمایا :
"اے البرسفیان ! دل سے ہوجھ پر ، کیا وہ وقت ابھی نہیں آیا کہ تو خولے یگانہ پر

ایمان لے آئے۔

اُس نے عرض کیا، اے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں، میں گواہی دیتا ہوں کہ خدا یگانہ ہے اور اس کا کوئی شریک نہیں ہے، اگر بتوں سے کچھ ہو سکتا تو میں یہ دن نہ دیکھتا۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: کیا وہ موقع نہیں آیا کہ تُو جان لے کہ میں اللہ کا رسول ہوں؟

اُس نے عرض کیا، میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں ابھی اس بارے میں میرے دل میں کچھ شک و شبہ موجود ہے۔ لیکن آفرکار ابوسفیان اور اس کے ساتھیوں میں سے دو آدمی مسلمان ہو گئے۔

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عباسؓ کو فرمایا،

”ابوسفیان کو اس درہ میں جو مکہ کی عزم گاہ ہے، لے جاؤ تاکہ خدا کا لشکر وہاں سے گزرے اور یہ دیکھ لے۔“

عباسؓ نے عرض کیا: ”ابوسفیان ایک جاہ طلب آدمی ہے، اس کو کوئی امتیازی حیثیت دے دیجئے۔ پیغمبر نے فرمایا:

”جو شخص ابوسفیان کے گھر میں داخل ہو جائے وہ امان میں ہے، جو شخص

مسجد الحرام میں پناہ لے لے وہ امان میں ہے، جو شخص اپنے گھر کے اندر ہے

اور دروازہ بند کر لے وہ بھی امان میں ہے۔“

بہر حال جب ابوسفیان نے اس لشکرِ عظیم کو دیکھا تو اسے یقین ہو گیا کہ مقابلہ کرنے کی کوئی راہ باقی نہیں رہی اور اس نے عباسؓ کی طرف رُخ کر کے کہا: آپ کے بھتیجے کی سلطنت بہت بڑی ہو گئی ہے۔ عباسؓ نے کہا: دائے ہو تجھ پر یہ سلطنت نہیں نبوت ہے۔

اس کے بعد عباسؓ نے اس سے کہا کہ اب تو تیزی کے ساتھ نکلے والوں کے پاس جا کر انہیں لشکرِ اسلام کا مقابلہ کرنے سے ڈرا۔

ابوسفیان نے مسجد الحرام میں جا کر پناہ کر لیا:

”اے جمعیت قریش! تمہارے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک بہت بڑے لشکر کے ساتھ

تمہاری طرف آیا ہے، تم میں اس کا مقابلہ کرنے کی طاقت نہیں ہے۔ اس کے بعد

اس نے کہا: جو شخص میرے گھر میں داخل ہو جائے وہ امان میں ہے، جو شخص

مسجد الحرام میں چلا جائے وہ بھی امان میں ہے اور جو شخص اپنے گھر میں بستے ہوئے

گھر کا دروازہ بند کرے وہ بھی امان میں ہے۔“

اس کے بعد اس نے بیچ کر کہا: اے جمعیت قریش! اسلام قبول کر لو تاکہ سالم رہو اور بیچ جاؤ، اس کی بیوی ہندہ نے اس کی داڑھی پکڑ لی اور بیچ کر کہا: اس بڑے احق کو قتل کر دو۔

ابوسفیان نے کہا: میری داڑھی چھوڑ دے خدا کی قسم اگر تُو اسلام نہ لائی تو تُو بھی قتل ہو جائے گی، جا کر گھر میں بیٹھ جا۔

اس کے بعد پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لشکر اسلام کے ساتھ روانہ ہوئے اور "ذوی طوی" کے مقام تک پہنچ گئے، وہی بلند مقام جہاں سے مکہ کے مکانات صاف نظر آتے ہیں، پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو وہ دن یاد آگیا۔ جب آپ مجبور ہو کر معنی طور پر مکہ سے باہر نکلے تھے، لیکن آج دیکھ رہے ہیں کہ اس عظمت کے ساتھ داخل ہو رہے ہیں، تو آپ نے اپنی پیشانی مبارک اونٹ کے کباوے کے اوپر رکھ دی اور سجدہ شکر بجالانے۔

اس کے بعد پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم "جھون" میں (مکہ کے بلند مقامات میں سے وہ جگہ جہاں غدیر کی قبر ہے) اترے۔ غسل کر کے اسکو اور لباس جنگ پہن کر اپنی سواری پر سوار ہوئے، سورۃ فتح کی قرات کرتے ہوئے مسجد الحرام میں داخل ہوئے اور آوازِ تحمیر بلند کی۔ لشکر اسلام نے بھی نعرۂ تحمیر بلند کیا تو اس سے سارے دشت کو وہ گونج اٹھے۔ اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے اونٹ سے نیچے اترے اور بتوں کو توڑنے کے لیے خانہ کعبہ کے قریب آئے۔ آپ ایکے بعد دیگرے بتوں کو سترگوں کرتے جاتے تھے اور فرماتے جاتے تھے :

"جاء الحق وزمق الباطل ان الباطل كان زهوقا"

"حق آگیا اور باطل ہٹ گیا، اور باطل ہے ہی مٹنے والا۔"

کچھ بڑے بڑے بت کعبہ کے اوپر نصب تھے، جن تک پیغمبر کا ہاتھ نہیں پہنچتا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے امیر المؤمنین علی علیہ السلام کو حکم دیا کہ آپ کے دو دل مبارک پر پاؤں رکھ کر اوپر چڑھ جائیں اور جن کو زمین پر گر کر توڑنا ہے علیؑ نے آپ کے حکم کی اطاعت کی۔

اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خانہ کعبہ کی کلید لے کر دروازہ کھولا اور انبیاء کی ان تصویروں کو جو خانہ کعبہ کے اندر درو دیار پر بنی ہوئی تھیں، محو کر دیا۔

۳۔ اس سر پہ اند شاندار کامیابی کے بعد پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خانہ کعبہ کے دروازے کے حلقہ میں ہاتھ ڈالا اور وہاں پر موجود اہل مکہ کی طرف رخ کر کے فرمایا :

"اب بخلد تم کیا کہتے ہو ؟ اور تمہارا کیا خیال ہے کہ میں تمہارے بارے میں کیا حکم دوں گا ؛ انہوں نے عرض کیا : ہم آپ سے نیکی اور بھلائی کے سوا اور کوئی توقع نہیں رکھتے ! آپ ہمارے بزرگوار بھائی اور ہمارے بزرگوار بھائی کے فرزند ہیں تو آپ برسرِ اقتدار آگئے ہیں ؛ ہمیں بخش دیجئے۔ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آنکھوں میں آنسو ڈھبائے گئے اور مکہ کے لوگ بھی بلند آواز کے ساتھ رونے لگے۔

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا :

"میں تمہارے بارے میں وہی بات کہتا ہوں جو میرے بھائی یوسفؑ نے کہی تھی کہ آج تمہارے اوپر کسی قسم کی کوئی سرفرازی اور طاقت نہیں ہے، خدا تمہیں بخش دے گا، وہ ارحم الراحمین ہے۔"

اور اس طرح سے آپؐ نے ان سب کو معاف کر دیا اور فرمایا :

”تم سب آزاد ہو، جہاں چاہو جا سکتے ہو۔“

ضمنی طور پر پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ حکم دیا تھا کہ آپؐ کے لشکر کی کسی سے نہ الجھیں اور بالکل کوئی خون نہ بہایا جائے۔ ایک روایت کے مطابق صرف چھ افراد کو مستثنیٰ کیا گیا تھا جو بہت ہی بد زبان اور خطرناک لوگ تھے۔ یہاں تک کہ جب آپؐ نے یہ سنا کہ لشکر اسلام کے علمدار ”سعد بن عبادہ“ نے انتقام کا نعرہ بلند کیا ہے اور وہ یہ کہہ رہا ہے کہ : **اليوم يوم الملحمة** ”آج انتقام کا دن ہے“ تو پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے علی علیہ السلام سے فرمایا : **جلدي سے جا کر اس سے علم لے لو اور اُس سے علم لے کر یہ نعرہ نکاڑ کر :**

اليوم يوم المرحمة ”آج غفور و بخشن اور رحمت کا دن ہے۔“

اور اس طرح کہ کسی غوریزی کے بغیر فتح ہو گیا، غفور و رحمت اسلامی کی اس کشش نے، جس کی انہیں بالکل توقع نہیں تھی، دلوں پر ایسا اثر کیا کہ لوگ گروہ درگروہ آکر مسلمان ہو گئے، اس عظیم فتح کی صدا تمام جزائر عربستان میں جا پہنچی، اسلام کی شہرت ہر جگہ پھیل گئی اور مسلمانوں اور اسلام کی ہر جہت سے دھاک بیٹھ گئی۔ بعض تاریخوں میں آیا ہے کہ جب پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خانہ کعبہ کے دروازے کے پاس کھڑے ہوئے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا :

Presented by: <https://jafrilibrary.com/>

”**لا إله إلا الله وحده**، **انجز وعده**، **ونصر عبده**، **وهزم**

الاحزاب وحده، **الا ان كل مال او مائة اودم تدعى فهو تحت قدمي**

هاتين !

”خدا کے سوا اور کوئی معبود نہیں ہے۔ وہ یکتا و یگانہ ہے، یگانہ، اس نے آخر کار

اپنے وعدہ کو پورا کر دیا۔ اور اپنے بندہ کی مدد کی، اور اس نے خود اکیلے ہی تمام گروہوں

کو شکست دے دی۔ جان لو کہ ہر مال، ہر امتیاز، اور ہر وہ خون جس کا تعلق ماضی

اور زمانہ جاہلیت سے ہے، سب کے سب میرے ان دونوں قدموں کے نیچے ہیں۔

(یعنی اب اس خون کے بارے میں، جو زمانہ جاہلیت میں بہایا گیا تھا، یا وہ اموال

جو لوٹے گئے تھے، کوئی بات نہ کرنا) اور زمانہ جاہلیت کے تمام اعزازات اور

امتیازات بھی باطل ہو گئے ہیں اور اس طرح تمام گزشتہ فائلیں بند ہو گئی ہیں۔

یہ ایک بہت ہی اہم اور عجیب قسم کی پیش نہاد تھی جس میں عمومی معافی کے فرمان سے حجاز کے لوگوں کو ان کے

تباریک اور پُر ماجرا ماضی سے کاٹ کر رکھ دیا اور انہیں اسلام کے سائے میں ایک نئی زندگی بخشی جو ماضی سے مربوط

کشکش اور جھجھکیوں سے مکمل طور پر خالی تھی۔

اس کام نے اسلام کی پیش رفت کے سلسلہ میں حد سے زیادہ مدد کی اور یہ ہمارے آج اور آنے والے کل کچھ ایک دستور العمل ہے۔

خداوند! تو اس بات کی قدرت رکھتا ہے کہ اس دیرینہ عظمت کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت کی اقتداء کے سلسلے میں مسلمانوں کے لیے دوبارہ پٹا دے۔

پہرہ دگلا! ہمیں پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سچے دوستوں کے زمرہ میں قرار دے۔
بارہا! ہمیں ایسی توفیق مرحمت فرما کہ ہم دنیا میں عدل اسلامی کی حکومت کو اس طرح پھیلائیں کہ ساری دنیا کے رنگ فوجِ قد فوج اسے دل و جان سے قبول کر لیں۔

اُمیں یا سرِ رب العالمین
سُورۃ نضر کا اختتام

ترجمہ کا اختتام

Presented by: <https://jafrilibrary.com>

۱۶ شوال ۱۴۰۸ھ بروز اتوار

صبح بارہ بج کر چھبیس منٹ

بریکین حیرتم مقدس باغ

سُورَةُ اللَّهَبِ (تَبَّتْ)

❖ یہ سورہ مکہ میں نازل ہوا۔

❖ اس میں ۵ آیات ہیں۔

Presented by: <https://jafrilibrary.com/>

سُورَةُ لُحَبِّ (تبت) کے مطالب اور اس کی فضیلت

یہ سُورہ جو مکہ میں اور قریباً پیغمبر اسلام کی آشکارا دعوت کے آغاز میں نازل ہوا تھا، وہ واحد سُورہ ہے جس میں پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اسلام کے دشمنوں میں سے اس زمانہ کے ایک دشمن (یعنی ابولہب) پر نام لے کر سخت حملہ کیا گیا ہے اور اس کا ضمن اس بات کی نشان دہی کرتا ہے کہ اُسے پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ خصوصی عداوت تھی اور وہ اور اس کی بیوی کام بگاڑنے اور بدزبانی کرنے میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھتے تھے۔

قرآن صراحت کے ساتھ کہتا ہے کہ وہ دونوں جہنمی ہیں اور ان کے لیے نجات کی کوئی راہ نہیں ہے۔ یہ معنی صیح ثابت ہوا۔ اور وہ دونوں کے دونوں انجام کار دنیا سے بے ایمان گئے۔ یہ قرآن کی ایک کھلی ہوئی پیش گوئی ہے۔ ایک حدیث میں پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے آیا ہے کہ آپؐ نے فرمایا :

”من قرأها رجوت ان لا یجمع الله بینہ و بین ابی لہب فی دار واحدة“

”جو شخص اس کی تلاوت کرے گا مجھے امید ہے کہ خدا اُسے اور ابولہب کو

ایک گھر میں اکٹھا نہیں کرے گا (یعنی وہ اہل بہشت سے ہوگا، جب کہ ابولہب

اہل دوزخ ہے۔)

یہ بات کے بغیر واضح ہے کہ یہ فضیلت اس شخص کے لیے ہے جو اس سُورہ کو پڑھ کر اپنا راستہ ابولہب کے راستہ سے جدا کرے، نہ کہ وہ لوگ جو زبان سے تو پڑھیں لیکن ابولہب جیسا عمل کریں۔

شان نزول

”ابن عباس“ سے نقل ہوا ہے کہ جس وقت آیہ ”وانذر عشیرتک الاقربین“ نازل ہوئی اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے قریبی رشتہ داروں کو انذار کرنے اور اسلام کی دعوت دینے (اور اپنی دعوت کا اعلان کرنے) پر مامور ہوئے، تو پیغمبر کو یہ صفا پر آئے اور پکار کر کہا ”یا صلیحہ“ (یہ جملہ عرب اس وقت کہتے تھے جب ان پر دشمن کی طرف سے غفلت کی حالت میں حملہ ہو جاتا تھا تاکہ سب کو باخبر کر دیں اور وہ مقابلہ کے لیے کھڑے ہو جائیں، لہذا کوئی شخص ”یا صلیحہ“ کہہ کر آواز دیتا تھا) ”صباح“ کے لفظ کا انتخاب اس وجہ سے کیا جاتا تھا کہ عام طور پر غفلت کی حالت میں حملے صبح کے وقت کیے جاتے تھے۔

مکہ کے لوگوں نے جب یہ صدا سنی تو انہوں نے کہا کہ یہ کون ہے جو فریاد کر رہا ہے۔
کہا گیا کہ یہ ”محمد“ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں۔ کچھ لوگ آپ کے پاس پہنچے تو آپ نے قبائل عرب کو ان کے نام کے ساتھ پکارا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آواز پر سب کے سب جمع ہو گئے تو آپ نے ان سے فرمایا:
”مجھے بتلاؤ! اگر کہیں تمہیں یہ خبر دوں کہ دشمن کے سوار اس پہاڑ کے پیچھے سے حملہ کرنے والے ہیں، تو کیا تم میری بات کی تصدیق کرو گے؟“

انہوں نے جواب دیا: ”ہم نے آپ سے کبھی بھی جھوٹ نہیں سنا۔“
آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

”انی نذیر لکم بین یدی عذاب شدید“

”میں تمہیں خدا کے شدید عذاب سے ڈراتا ہوں“

(”میں تمہیں توحید کا اقرار کرنے اور بتوں کو ترک کرنے کی دعوت دیتا ہوں“) جب ابولہب نے یہ بات سنی تو اس نے کہا: ”تبارک! اُمّا جمعتنا الا لہذا؟“ ”تو ہلاک ہو جائے! کیا تو نے ہمیں صرف اس بات کے لیے جمع کیا ہے؟“

اس موقع پر یہ سورہ نازل ہوا: ”تبت ید ابی لہب وتب“ اسے ابولہب! تو ہی ہلاک ہو اور تیرے ہاتھ ٹوٹیں، تو ہی زیاں کار اور ہلاک ہونے والا ہے۔

بعض نے اس موقع پر اس بات کا اضافہ کیا ہے کہ جب ابولہب کی بیوی ”ام جیل“ نے یہ خبر سنی کہ یہ سورہ اس کے اور اس کے شوہر کے بارے میں نازل ہوا ہے تو وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آئی، لیکن وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نہ دیکھ سکی۔ اس کے ہاتھ میں ایک پتھر تھا اور وہ کہہ رہی تھی کہ میں نے سنا ہے ”محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے میری بجو کر ہے۔ خدا کی قسم اگر وہ مجھے مل گیا تو میں یہ پتھر اس کے منہ پر دے ماروں گی، میں خود بھی شاعر ہوں! اس کے بعد اصطلاح کے مطابق اس نے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اسلام کی مذمت میں شعر کہے۔

(ماشیہ اگلے صفحہ پر)

اسلام کے لیے اہلب اد اس کی ہیری کا خطو اہ ان کی عداوت اسی تک منحہ نہیں تھی۔ اہ اگر ہم دیکھتے ہیں کہ قرآن نے ان پر سنت شدید حملہ کیا ہے اہ صراحت کے ساتھ ان کی مذمت کر رہا ہے تو اس کی بہت سی وجہات ہیں، جن کی طرف انشاء اللہ بعد میں اشارہ ہوگا۔

Presented by: <https://jafrilibrary.com/>

گرمشتہ صفحہ کا مانشیہ

لہ "تفسیر طبری" جلد ۱۰ ص ۴۲۴ (تقریبی سی تفسیر کے ساتھ) اسی مضمون کو تھوڑے سے فرق کے ساتھ "طبرسی" نے "مع البیان" میں، ابن اثیر نے "اسکال جلد ۲ ص ۶۰" میں اہ "د النور" و "الافتوح رازی" اہ "فرانزی" اہ "فی ظلال القرآن" میں اس سورہ کی تفسیر میں نقل کیا ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

- ۱۔ تَبَّتْ يَدَا اِبِيْ لَهَبٍ وَتَبَّ ۝
- ۲۔ مَا اَغْنٰی عَنْهُ مَالُهُ وَمَا كَسَبَ ۝
- ۳۔ سَيَصْلٰٓءُ نَارًا ذَاتَ لَهَبٍ ۝
- ۴۔ وَامْرَاَتُهُ حِمْلًاۢ لِّلْحَطْبِ ۝
- ۵۔ فِیْ جِيدِهَا حَبْلٌ مِّنْ مَّسَدٍ ۝

Presented by: <https://jafrilibrary.com/>

ترجمہ

شروع اللہ کے نام سے جو رحمان و رحیم ہے

- ۱۔ ابولہب کے دونوں ہاتھ کٹ جائیں (اور وہ ہلاک ہو جائے)۔
- ۲۔ اس کے مال و دولت نے اور جو کچھ اس نے کمایا ہے اُسے ہرگز کوئی فائدہ نہ دیا۔
- ۳۔ وہ جلدی ہی اس آگ میں داخل ہو جائے گا جس کے شعلے بھڑک رہے ہیں۔
- ۴۔ اور اسی طرح سے اس کی وہ بیوی جو ایندھن اٹھانے والی ہے۔
- ۵۔ اور اس کی گردن میں خرما کی چھال کی رسی ہے۔

تفسیر البلب کا ہاتھ کٹ جائے۔

جیسا کہ ہم نے اس سورہ کے شان نزول میں بیان کیا ہے یہ سورہ حقیقت میں پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چچا عبدالمطلب کے بیٹے "البلب کی بُری باتوں کا جواب ہے جو اسلام کے سخت دشمنوں میں سے تھا اور جس نے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آشکار اور مخفی دعوت اور مطالب الہی کے بارے میں آپ کے انذار کو سن کر یہ کہا تھا کہ:

"خُربلاک ہو جائے، کیا تو نے ہمیں انہی باتوں کے لیے پکلا تھا؟"

قرآن مجید اس بد زبان شخص کے جواب میں فرماتا ہے:

"البلب کے دونوں ہاتھ کٹ جائیں، یا وہ ہلاک ہو جائے اور خارہ اٹھائے۔"

(تبت یذا لب لب و تب۔)

"تب" و "تباب" (بروزن غلب) "مفروت" میں "راغب" کے قول کے مطابق دائمی خسارے کے معنی ہیں۔ لیکن طبرسی نے "معجم البیان" میں یہ کہا ہے کہ یہ اس نقصان کے معنی میں ہے جو ہلاکت پر منتہی ہو۔ بعض ارباب لغت نے اس کی قطع کرنے کے معنی میں بھی تفسیر کی ہے اور شاید اس کی وجہ یہ ہے کہ ہلاکت پر منتہی ہونے والا دائمی نقصان طبعاً قطع ہونے اور کٹ جانے کا سبب بنتا ہے۔ ان معانی کے مجموعہ سے وہی بات معلوم ہوتی ہے جو ہم نے آج کے معنی میں بیان کی ہے۔

البتہ یہ ہلاکت اور نقصان ممکن ہے دنیوی پہلو رکھتا ہو یا معنوی و اخروی یا دونوں۔

یہاں یہ سوال سامنے آتا ہے کہ قرآن مجید نے اپنی روش اور سیرت کے برخلاف ایک شخص کا نام کیسے لے لیا اور اس شدت کے ساتھ اس پر حملہ کیوں کیا ہے؟

لیکن البلب کی حیثیت معلوم ہونے سے اس سوال کا جواب واضح ہو جاتا ہے۔

اس کا نام "عبدالعزیٰ" (عربی بت کا بندہ) اور اس کی کنیت "البلب" تھی۔ اس کے لیے اس کنیت کا انتخاب شاید اس وجہ سے تھا کہ اس کا چہرہ سُرخ اور بھوکنا ہوا تھا، چونکہ لغت میں لبب آگ کے شعلہ کے معنی میں ہے۔ وہ اور اس کی بیوی "ام جمیل" جو البسنیان کی بہن تھی، پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نہایت بد زبان اور سخت ترین دشمنوں میں سے تھے۔

ایک روایت میں آیا ہے کہ "طارق عماری" نامی ایک شخص کہتا ہے: میں "ذی الجہاز" کے بازار میں تھا۔

ذی الجہاز عرفات کے نزدیک کترے تھوڑے سے فاصلہ پر ہے) اچانک میں نے ایک جوان کو دیکھا جو پکار پکار کر کہہ رہا تھا: اے لوگو! لا الہ الا اللہ کا اقرار کر لو تو نجات پا جاؤ گے۔ اور اس کے پیچھے پیچھے میں نے ایک شخص کو دیکھا

جو اس کے پائل کے پچھلے حصہ پر پتھر مارتا جاتا ہے جس کی وجہ سے اس کے پاؤں سے خون جاری تھا اور وہ چلا چلا کر کہہ رہا تھا "اے لوگو! یہ جھوٹا ہے، اس کی بات نہ مانتا!"

میں نے پوچھا کہ یہ جو ان کہن ہے؟ تو لوگوں نے بتایا: "یہ محمدؐ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے جس کا گمان یہ ہے کہ وہ پیغمبر ہے اور یہ بڑھا اس کا چچا ابولہب ہے جو اس کو جھوٹا سمجھتا ہے۔"

ایک اور دوسری روایت میں آیا ہے کہ "ریح بن عباد" کہتا ہے: میں اپنے باپ کے ساتھ تھا، میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھا کہ وہ قبائلی عرب کے پاس جاتے اور ہر ایک کو پکار کر کہتے: "میں تمہاری طرف خدا کا بھیجا ہوا رسول ہوں، تم خدا سے یگانہ کے سوا اور کسی کی عبادت نہ کرو اور کسی کو اس کا شریک نہ بناؤ۔" جب وہ اپنی بات سے فارغ ہو جاتا تو ایک غروب و بھینکا آدمی جو ان کے پیچھے پیچھے تھا، پکار کر کہتا: "اے فلاں قبیلہ! یہ شخص یہ چاہتا ہے کہ تم لات و عزی بُت اور اپنے ہم پیمان جنوں کو چھوڑ دو اور اس کی بدعت و ضلالت کی پیروی کرنے لگ جاؤ۔ اس کی بات نہ سننا، اور اس کی پیروی نہ کرنا!"

میں نے پوچھا کہ یہ کون ہے؟ تو انہوں نے بتایا کہ یہ "اس کا چچا ابولہب ہے۔" لا

ایک اور روایت میں آیا ہے کہ جب مکہ سے باہر کے لوگوں کا کوئی گروہ اس شہر میں داخل ہوتا تھا تو وہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اس کی رشتہ داری اور اس کے حال کے احاطہ سے باخبر ہونے کی بنا پر ابولہب کے پاس جاتا تھا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں تحقیق کرتا تھا۔ وہ جواب دیتا: "محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک جادوگر ہے۔ وہ بھی پیغمبر ہے ملاقات کیجئے بغیر ہی لوٹ جاتے۔ اسی اثنا میں ایک ایسا گروہ آیا جنہوں نے یہ کہا کہ ہم تو اُسے دیکھے بغیر واپس نہیں جاتے ابولہب نے کہا: "ہم مسلسل اس کے جنوں کا علاج کر رہے ہیں! وہ ہلاک ہو جائے!"

ان روایات سے اچھی طرح معلوم ہو جاتا ہے کہ وہ اکثر مواقع پر سایہ کی طرح پیغمبر کے پیچھے لگا رہتا تھا اور کسی غرابی سے فروگزاشت نہ کرتا تھا۔ خصوصاً اس کی زبان بہت ہی گندی اور آلودہ ہوتی تھی اور وہ رکیک اور چبھنے والی باتیں کیا کرتا تھا۔ اور شاید اسی وجہ سے پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سب دشمنوں کا سرغنہ شمار ہوتا تھا۔ اسی بنا پر زیر بحث آیات اس پلٹنے کی بیوی اُم جمیل پر ایسی صراحت اور سختی کے ساتھ تنقید کر رہی ہیں۔

وہی ایک اکیلا ایسا شخص تھا جس نے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بنی ہاشم کی حمایت کے عہد و پیمان پر دستخط نہیں کیے تھے اور اس نے آپ کے دشمنوں کی صف میں رہتے ہوئے دشمنوں کے عہد و پیمان میں شرکت کی تھی۔ ان حقائق کی طرف توجہ کرنے سے اس سورہ کی استثنائی کیفیت کی دلیل واضح ہو جاتی ہے۔

اس کے بعد مزید فرماتا ہے: اس کے مال و ثروت نے اور جو کچھ اس نے کمایا ہے اس نے اُسے ہرگز کوئی فائدہ

۱۔ "جمع البیان" جلد ۱۰ ص ۵۵۹

۲۔ "فی ظلال القرآن" جلد ۸ ص ۶۹۷

۳۔ "تفسیر القرآن" جلد ۲۰ ص ۵۰۳

نہیں دیا اور وہ اسے عذاب الہی سے نہیں بچائے گا: (ما اغنیٰ عنہ مالہ وما کسب)۔
اس تفسیر سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ایک دولت مند مغرور شخص تھا جو اپنی اسلام دشمنی کو کششوں کے لیے اپنے مال و دولت پر بھروسہ کرتا تھا۔

بعد والی آیت میں مزید کہتا ہے: "وہ جلدی ہی اس آگ میں داخل ہو گا جس کے شعلے بھڑکنے والے ہیں"۔ (سیصلیٰ ناثرًا ذات لہب)۔

اگر اس کا نام "الولب" تھا تو اس کے عذاب کی آگ بھی "الولب" ہے اور وہ بہت ہی عظیم شعلے رکھتی ہے۔
(اس بات پر توجہ رہے کہ "لہب" یہاں نیکو کی صورت میں آیا ہے اور یہ اس شعلے کی عظمت کی دلیل ہے)۔

نہ صرف الولب کو بلکہ کسی بھی کافر اور بدکار کو اس کا مال و ثروت اور اس کی اجتماعی و معاشرتی حیثیت جہنم کی آگ اور خدا کے عذاب سے رہائی نہیں بخشیں گے۔ جیسا کہ سورہ شعراء کی آیہ ۸۸ و ۸۹ میں آیا ہے: یوم لا ینفع مال ولا بنون الا من اتی اللہ بقلب سلیم۔ قیامت ایک ایسا دن ہے جس میں انسان کو نہ تو اس کا مال ہی کوئی فائدہ دے گا اور نہ ہی اس کی اولاد، سوائے اس شخص کے جو قلب سلیم (یعنی ایمان و تقویٰ کی نوح کے ساتھ) پروردگار کے دربار میں حاضر ہو۔

مسئلہ طور پر آیہ "سیصلیٰ ناثرًا ذات لہب" سے مراد جہنم کی آگ ہے، لیکن بعض نے احتمال دیا ہے کہ اس میں دنیا کی آگ بھی شامل ہے۔

Presented by: <https://jafrilibrary.com/>

روایات میں آیا ہے کہ جنگ "بدر" اور سنت شکست کے بعد جو مشرکین قریش کو اٹھانی پڑی تھی، الولب نے جو خود میدان جنگ میں شریک نہیں ہوا تھا۔ ابوسفیان کے واپس آنے پر اس سے باہرے کے بارے میں سوال کیا:

ابوسفیان نے قریش کے لشکر کی شکست اور سرکشی کی کیفیت اس سے بیان کی۔ اس کے بعد اس نے مزید کہا: خدا کی قسم ہم نے اس جنگ میں آسمان و زمین کے درمیان ایسے سوار دیکھے ہیں جو محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدد کے لیے آئے تھے۔

اس موقع پر "عباس" کے ایک غلام "ابو ارفع" نے کہا: میں وہاں بیٹھا ہوا تھا، میں نے اپنے ہاتھ بلند کیے اور کہا کہ وہ آسمانی فرشتے تھے۔

اس سے الولب بھڑک اٹھا اور اس نے ایک زوردار تھپڑ میرے منہ پر دے مارا، مجھے اٹھا کر زمین پر پینچ دیا اور اپنے دل کی جھڑاس نکالنے کے لیے مجھے پیٹے پھیلے جا رہا تھا۔ وہاں عباس کی بیوی "أم الفضل" بھی موجود تھی اس نے ایک چوڑی لٹائی اور الولب کے سر پر دے ماری اور کہا: "کیا تو نے اس کمزور آدمی کو اکیلا سمجھا ہے؟"

الولب کا سر پھٹ گیا اور اس سے خون بہنے لگا۔ سات دن کے بعد اس کے بدن میں بدبو پیدا ہو گئی، اس کی جلد میں طاعون کی شکل کے دانے نکل آئے اور وہ اسی بیماری سے واصل جہنم ہو گیا۔

اس کے بدن سے اتنی بدبو آرہی تھی کہ لوگ اس کے نزدیک جانے کی جرات نہیں کرتے تھے۔ وہ اسے کڑے باہر لے "ما کسب" میں "ما" ممکن ہے "موصول" یا "مصدیہ" ہو، بعض اس کے لیے ایک وسیع معنی کے قائل ہیں جو نہ صرف اس کے مال

بلکہ اس کی اولاد کو بھی شامل ہے اور "ما اغنیٰ عنہ" میں "ما" مسئلہ طور پر "مانافیہ" ہے۔

لے گئے اوز دور سے اس پر پانی ڈالا اور اس کے بعد اس کے اوپر پتھر پھینکے۔ یہاں تک کہ اس کا بدن پتھروں اور مٹی کے نیچے چھپ گیا۔

بعد والی آیت میں اس کی بیوی "ہم جیل" کی کیفیت بیان کرتے ہوئے فرماتا ہے: "اس کی بیوی بھی جہنم کی بھڑکتی ہوئی آگ میں داخل ہوگی، جو اپنے دوش پر ایندھن اٹھاتی ہے" (وامراتہ حمالة الحطب)۔
اور اس کی گردن میں فرما کی چھال کی رستی یا گردن بند ہے۔ (فی جیدہا حبل من مسد)۔

کئی حکم و شیعہ نہیں ہے کہ البرنسب کی بیوی۔ جو "الوسفیان" کی بہن اور معاویہ کی پھر بھی تھی۔ اسلام کے برخلاف اپنے شوہر کی عداوتوں اور غزلیوں میں برابر کی شریک تھی لیکن اس بارے میں کہ قرآن نے اس کی حمالة الحطب (دوش پر ایندھن اٹھانے والی عورت) کے ساتھ توصیف کیوں کی ہے، مفسرین نے متعدد تفسیری بیان کی ہیں:

بعض نے تو یہ کہا ہے کہ یہ اس بنا پر ہے کہ وہ کانٹے دار جھانیاں کندھے پر اٹھا کر لاتی تھی اور پیچھے کے راستے میں ڈال دیا کرتی تھی تاکہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاؤں میں چبھ جائیں۔

اور بعض نے یہ کہا ہے کہ یہ تعبیر اس کی سخن چینی اور چٹل خوری کے بارے میں آئی ہے، جیسا کہ کسی نے کہا ہے:

میان دو کس جنگ چوں آتش است

سخن چین بد بخت ہمیزم کش است

دو آدمیوں کے درمیان جنگ آگ کے مانند ہے اور

بد بخت چٹل خور ایندھن اٹھانے والا ہے۔

بعض اسے اس کے شدت لُجلی سے کنایہ سمجھتے ہیں، کیونکہ وہ اتنی دولت مند ہونے کے باوجود کسی ضرورت مند کی مدد کے لیے تیار ہی نہیں ہوتی تھی۔ اسی لیے اسے "ہمیزم کش" ایندھن اٹھانے والے فقیر سے تشبیہ دی گئی ہے۔
بعض یہ بھی کہتے ہیں کہ وہ قیامت میں بہت سے گروہوں کے گناہوں کو اپنے کندھے پر اٹھائے ہوئے ہوگی۔

ان معانی میں سے پہلا معنی سب سے زیادہ مناسب ہے، اگرچہ ان کے درمیان جج بھی بعید نہیں ہے۔
"جید" (بروزن دید) "گردن" کے معنی میں ہے اور اس کی جج "اجیاد" ہے۔ بعض ارباب لغت کا نظریہ یہ ہے کہ "جید" و "عنق" اور "رقبہ" تینوں کے ایک ہی معنی ہیں، فرق صرف یہ ہے کہ "جید" سینے سے اوپر والے حصہ کو کہا جاتا ہے، "عنق" گردن کی پشت یا ساری گردن کو اور "رقبہ" مطلقاً گردن کو کہا جاتا ہے۔
اور بعض اوقات ایک انسان کو بھی "رقبہ" کہتے ہیں، مثلاً: "فک رقبۃ" یعنی انسان کو آزاد کرنا۔

۱۔ "بحار الانوار" جلد ۱۹ ص ۲۲۷

۲۔ "امراتہ" سیصلی میں پوشیدہ ضمیر عطف ہے اور حمالة الحطب "عال ہے اور منصوب ہے، اور بعض نے مثل "مغشری" کے "کشاف میں اسے "زم" کے عنوان سے منسوب جانا ہے۔ اور تفسیر میں اس طرح ہے اذا حمالة الحطب لیکن مسلمہ طور پر پہلا معنی بہتر ہے۔

۳۔ "التحقیق فی کلمات القرآن الکریم" جلد ۲ ص ۱۵۸

”مسد“ (بروزن حد) اس رستی کے معنی میں ہے جو کھجور کے پتوں سے بنائی جاتی ہے۔ بعض نے یہ کہا ہے کہ ”مسد“ وہ رستی ہے جو جہنم میں اس کی گردن میں ڈالیں گے جس میں کھجور کے پتوں جیسی سختی ہوگی اور اس میں آگ کی حرارت اور لہجے کی سنگینی ہوگی۔

بعض نے یہ بھی کہا ہے کہ چونکہ بڑے لوگوں کی عورتیں اپنی شخصیت کو آلات و زیورات خصوصاً گردن کے قیمتی زیورات سے زینت دینے میں خاص بات سمجھتی ہیں، لہذا خدا قیامت میں اس مغرور و خود پسند عورت کی تحقیر کے لیے عین خرماکا ایک گردن بند اس کی گردن میں ڈال دے گا۔ یا یہ اصلاً اس کی تحقیر سے کنایہ ہے۔

بعض نے یہ بھی کہا ہے کہ اس تعبیر کے بیان کرنے کا سبب یہ ہے کہ ”اُم جمیل“ کے پاس جواہرات کا ایک بہت ہی قیمتی گردن بند تھا اور اس نے یہ قسم کھائی تھی کہ وہ اسے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دشمنی میں خرچ کرے گی، لہذا اس کے اس کام کے بدلے میں خدا نے بھی اس کے لیے ایسا عذاب مقرر کر دیا ہے۔

چند نکات

۱۔ قرآن کے اعجاز کی ایک اور نشانی

Presented by: <https://jafrilibrary.com/>

ہم جانتے ہیں کہ یہ آیات مکہ میں نازل ہوئیں اور قرآن کریم نے دونوں طریقہ سے یہ خبر دی تھی کہ ابولہب اور اس کی بیوی جہنم کی آگ میں ہوں گے، یعنی وہ ہرگز بھی ایمان نہیں لائیں گے۔ انجام کار ایسا ہی ہوا، بہت سے مشرکین مکہ تو واقعی طور پر ایمان لے آئے اور بعض ظاہری طور پر مسلمان ہو گئے، لیکن وہ افراد جو نہ تو واقع میں ایمان لائے اور نہ ہی ظاہر بظاہر، وہ یہ دونوں تھے۔ یہ قرآن مجید کے فیہی اخبار میں سے ایک ہے اور قرآن نے دوسری آیات میں بھی اس قسم کی خبریں دی ہیں جن میں قرآن کی فیہی خبروں کے عنوان کے تحت اعجاز قرآن کی ایک فصل کو مخصوص کیا گیا ہے اور ہم نے ان آیات میں سے ہر ایک کے ذیل میں مناسب بحث کی ہے۔

۲۔ ایک اور سوال کا جواب

بیان ایک سوال سامنے آتا ہے اور وہ یہ ہے کہ قرآن مجید کی ان پیشین گوئیوں کی موجودگی میں ممکن نہیں تھا کہ ابولہب اور اس کی بیوی ایمان لے آتے، ورنہ یہ خبر جھوٹی اور دروغ ہو جاتی۔

یہ سوال اسی معروف سوال کے مانند ہے جو ”علم خدا“ کے مسئلہ کے بارے میں جبر کی بحث میں پیش ہوا ہے اور وہ یہ ہے کہ ہم جانتے ہیں کہ وہ خدا جو ازل سے ہر چیز کا عالم تھا، وہ گنہگاروں کے گناہ اور اطاعت گزاروں کی اطاعت کو جانتا تھا۔ اس بنا پر اگر گنہگار گناہ نہ کرتے تو خدا کا علم جہالت میں بدل جائے۔

علماء اور فلاسفہ اسلام قدیم سے اس سوال کا جواب دے چکے ہیں اور وہ یہ ہے کہ خدا جانتا ہے کہ ہر شخص اپنے

اختیار و آزادی سے فائدہ اٹھاتے ہوئے کون کون سے کام انجام دے گا، مثلاً زیر بحث آیات میں خدا ابتدا سے جانتا تھا کہ ابوالہب اور اس کی بیوی اپنی خواہش و رغبت اور ارادہ و اختیار سے ہرگز ایمان نہیں لائیں گے، جبری اور لازمی طور پر نہیں دوسرے الفاظ میں ارادہ و اختیار کی آزادی کا عنصر بھی خدا کو معلوم تھا۔ وہ جانتا تھا کہ بندے صفت اختیار کے ساتھ اپنے ارادہ سے کون سے عمل انجام دیں گے۔
مسئلہ طور پر ایسا علم اور مستقبل کے بارے میں اس قسم کی خبر دینا، مسئلہ اختیار کی تاکید ہے، جبر اور مجبوری کے لیے کوئی دلیل نہیں ہے۔ (غور کیجئے)

۳۔ بے بصیرت رشتہ دار ہمیشہ دُور ہوتے ہیں۔

یہ سُوْرہ ایک مرتبہ پھر اس حقیقت کی تاکید کر رہا ہے کہ ایسی رشتہ داری جس میں ایمان اور عقیدہ کا رشتہ نہ ہو اس کی کوئی حیثیت اور قدر و قیمت نہیں ہوتی، اور مردانِ خدا منحرف، جبار اور سرکش لوگوں کے مقابلہ میں کسی قسم کا میلان نہیں رکھتے تھے چاہے وہ ان کے کتنے ہی قریبی رشتہ دار ہوں۔
باوجود اس کے کہ ابوالہب پیغمبرِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا چچا تھا اور آپ کے قریب ترین رشتہ داروں میں شمار ہوتا تھا، جب اُس نے اپنا اعتقادی اور عملی راستہ آپ سے جدا کر لیا تو اس کی بھی دوسرے منحرف اور گمراہ لوگوں کی طرح سخت ملامت اور سرزنش کی گئی۔ اس کے برعکس ایسے دُور دراز کے لوگ بھی تھے جو نہ صرف پیغمبر کے رشتہ داروں میں شمار نہ ہوتے تھے، بلکہ آپ کے خاندان اور اہل زبان سے بھی نہیں تھے، لیکن وہ فکری، اعتقادی اور عملی رشتہ کی بنا پر اس قدر نزدیک ہو گئے کہ مشہور حدیث مسلمان منا اہل البیت (مسلمان ہم اہل بیت میں سے ہیں) کے مطابق گویا خاندانی رسالت کا جز ہو گئے۔ یہ ٹھیک ہے کہ اس سُوْرہ کی آیات صرف ابوالہب اور اس کی بیوی کے بارے میں گفتگو کر رہی ہیں لیکن یہ بات واضح ہے کہ صرف ان کے صفات کی وجہ سے اُن کی ایسی مذمت کی گئی ہے۔ اس بنا پر جو شخص یا جو گروہ اُنہیں اوصاف کا حامل ہو گا اس کی سرزنش بھی انہیں جیسی ہوگی۔

خداوند! ہمارے دل کو ہر قسم کی ہنٹ دھری اور عناد سے پاک کر دے۔

پروردگارا! ہم سب اپنے انجام اور عاقبت کا رے ڈرتے ہیں، ہمیں امن و سکون اور آرام بخش دے واجعل عاقبتہ امرنا خیر (ہماری عاقبت بخیر کر)۔

بابر الہا! ہم جانتے ہیں کہ اس عظیم عدالت میں نہ تو مال و دولت کام آتے ہیں اور نہ ہی کوئی رشتہ داری فائدہ دیتی ہے، صرف تیرا لطف و کرم ہی کام آتا ہے، لہذا ہم پر اپنا لطف و کرم کر۔

آمین یا رب العالمین
سُوْرہ لب کا اختتام

لے ہم نے اس سلسلہ میں جلد ۱۵ پر سُوْرہ حمد کی آیہ ۶۶ کے ذیل میں فوج کے بیٹے کے حال کی مناسبت سے 'زیادہ وضاحت کے ساتھ بیان کیا ہے۔

سُورَةُ اخْلَاصٍ

❖ یہ سورہ مکہ میں نازل ہوا۔

❖ اس میں ۴ آیات ہیں۔

Presented by: <https://jafrilibrary.com>

سُورۃٔ اخلاص کے مطالب اور اس کی فضیلت

یہ سُورہ — جیسا کہ اس کے نام سے واضح ہے (سُورۃٔ اخلاص اور سُورۃٔ توحید) پمدودؑ کی توحید اور اس کی یگانگت اور یکائی کے بارے میں گفتگو کرتا ہے اور چار مختصر سی آیات میں خدا کی وحدانیت کی اس طرح سے توصیف و تعریف کی ہے جس میں اضافہ کی ضرورت نہیں ہے۔

اس سُورہ کی شان نزول کے بارے میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے اس طرح نقل ہوا ہے :

”یہودیوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے یہ تقاضا کیا کہ آپ ان کے لیے خدا کی توصیف بیان کریں۔ پیغمبرؐ تین دن تک خاموش رہے اور کوئی جواب نہ دیا، یہاں تک کہ یہ سُورہ نازل ہوا اور ان کو جواب دیا۔“

بعض روایات میں آیا ہے کہ یہ سوال کرنے والا ”عبداللہ بن مسریہ“ تھا۔ جو یہودیوں کے مشہور سرداروں میں سے ایک تھا اور دوسری روایت میں یہ آیا ہے کہ اس قسم کا سوال ”عبداللہ بن سلام“ نے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کر کے میں کیا تھا اور اس کے بعد وہ ایمان لے آیا تھا۔ لیکن اپنے ایمان کو اسی طرح سے چھپائے ہوئے تھا۔ دوسری روایات میں یہ آیا ہے کہ اس قسم کا سوال مشرکین نے کیا تھا۔ بعض روایات میں یہ بھی آیا ہے کہ سوال کرنے والا نجران کے عیسائیوں کا ایک گروہ تھا۔ ان روایات کے درمیان کوئی تضاد نہیں ہے، کیونکہ ممکن ہے کہ یہ سوال اُن سب کی طرف سے ہوا ہو۔ اور یہی بات اس سُورہ کی حد سے زیادہ عظمت و بزرگی کی ایک دلیل ہے جو مختلف افراد و اقوام کے سوالات کا جواب دیتا ہے۔

اس سورہ کی تلاوت کی فضیلت کے بارے میں مشہور اسلامی منابع میں بہت سی روایات آئی ہیں جو اس سورہ کی حد سے زیادہ عظمت کی ترجمان ہیں۔ منجملہ۔

ایک حدیث میں پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے آیا ہے کہ آپ نے فرمایا :

”العجز احدكم ان يقرأ ثلاث القرآن في ليلة“

”کیا تم میں سے کوئی شخص اس بات سے عاجز ہے کہ ایک ہی رات میں ایک تہائی قرآن پڑھ لے۔“

حاضرین میں سے ایک نے عرض کیا، اے رسول خدا، ایسا کرنے کی کس میں طاقت ہے ؟

پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا :

”اقرأ و اقل هو الله احد“

”سورہ قل هو اللہ پڑھا کرو“

ایک اور حدیث میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے آیا ہے کہ جب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ”سعد بن حاذ“ کے جنازے پر نماز پڑھی تو آپ نے فرمایا :

”ستر ہزار فرشتوں نے، جن میں جبریلؑ بھی تھے، اس کے جنازے پر نماز پڑھی۔“

میں نے جبریل سے پوچھا ہے کہ وہ کس عمل کی بنا پر تمہارے نماز پڑھنے کا حق ہوا ہے ؟

جبریل نے کہا : ”اُٹھتے بیٹھتے، پیدل چلتے اور سوار ہوتے اور چلتے پھرتے“ قل هو اللہ احد“ پڑھنے کی وجہ سے۔“

ایک اور حدیث میں پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے آیا ہے کہ آپ نے فرمایا :

”جس شخص پر ایک رات اور دن گزر جائے، اور وہ پنجگانہ نمازیں پڑھے اور ان

میں قل هو اللہ احد کی قرات نہ کرے تو اس سے کہا جائے گا : یا عبد اللہ !

لست من المصلین !“

”اے بندہ خدا تو نماز گزاروں میں سے نہیں ہے۔“

ایک اور حدیث میں پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے آیا ہے کہ آپ نے فرمایا :

”جو شخص خدا اور روز قیامت پر ایمان رکھتا ہے وہ ہر نماز کے بعد قل هو اللہ

احد کے پڑھنے کو ترک نہ کرے کیونکہ جو شخص اسے پڑھے گا خدا اس کے لیے

خیر دنیا و آخرت جمع کروے گا۔ اور خود اُسے اور اس کے ماں باپ اور اس کی اولاد کو بخش دے گا: ۱۰

ایک اور حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ گھر میں داخل ہوتے وقت اس سورہ کا پڑھنا، رزق کو بڑھاتا ہے اور فقر و فاقہ کو دور کر دیتا ہے۔ ۱۱

اس سورہ کی فضیلت میں اتنی زیادہ روایات ہیں کہ وہ اس مختصر بیان میں نہیں سما سکتیں اور ہم نے جو کچھ نقل کیا ہے وہ صرف ان کا ایک حصہ ہے۔

اس بارے میں کہ سورہ "قل ھواللہ" قرآن کی ایک تہائی کے برابر کیسے ہو گیا؟ تو بعض نے تو یہ کہا ہے کہ یہ اس بنا پر ہے کہ قرآن "احکام" و "عقائد" اور "تاریخ" پر مشتمل ہے اور یہ سورہ عقائد کے حصہ کو اختصار کے ساتھ بیان کرتا ہے۔

بعض دوسرے مفسرین نے یہ کہا ہے کہ قرآن کے تین حصے ہیں "مبدأ" و "معاود" اور "جو کچھ ان دونوں کے درمیان ہے" اور یہ سورہ پہلے حصہ کی تشریح کرتا ہے۔

یہ بات قابل قبول ہے کہ قرآن کی تقریباً ایک تہائی توحید کے بارے میں بحث کرتی ہے، اور اس کا خلاصہ سورہ توحید میں آیا ہے۔

Presented by: <https://jafrilibrary.com/>

ہم اس گفتگو کو اس سورہ کی عظمت کے بارے میں ایک دوسری حدیث کے ساتھ ختم کرتے ہیں۔ امام علی بن الحسین علیہ السلام سے لوگوں نے سورہ توحید کے بارے میں سوال کیا تو آپ نے فرمایا:

"ان اللہ عزوجل علوانہ یکون فی اخر الزمان اقوام متعمقون۔"

فانزل اللہ تعالیٰ قل ھواللہ اخذ، والایات من سورة الحديد الى قوله:

"وھو علیہ بذات الصدور" فمن رام وراء ذالك فقد ھلك۔

"خداوند تعالیٰ جانتا تھا کہ آخری زمانہ میں ایسی قومیں آئیں گی جو مسائل میں تعمق اور غور و

خوض کرنے والی ہوں گی، لہذا اس نے (مباحث توحید اور خدا شناسی کے سلسلہ میں)

سورہ قل ھواللہ اخذ اور سورہ حدید کی ابتدائی آیات، علیہ بذات الصدور

تک نازل فرمائیں۔ جو شخص اس سے زیادہ کا طلب گار ہوگا وہ ہلاک ہو جائے گا۔"

۱۰ "مجمع البیان" جلد ۱۰ ص ۵۶۱ اور تفسیر حدیث کی دوسری کتابیں۔

۱۱ "مجمع البیان" جلد ۱۰ ص ۵۶۱ اور تفسیر حدیث کی دوسری کتابیں۔

۱۲ "اصول کافی" جلد ۱ باب السیئہ حدیث ۳

۲ جلد کا "ہو" کی ضمیر کے ساتھ آغاز، جو واحد غائب کی ضمیر ہے اور ایک مبہم مفہوم کو بیان کرتی ہے، حقیقت میں اس واقعیت کی ایک رمز اور اشارہ ہے کہ اس کی ذات اقدس انتہائی خفا میں ہے اور انسانوں کے محدود افکار کی دسترس سے باہر ہے۔ اگرچہ اس کے آثار نے جہاں کو اس طرح سے پُر کر رکھا ہے کہ وہ ہر چیز سے زیادہ ظاہر اور زیادہ آشکار ہے جیسا کہ سورہ نجم سجدہ کی آیت ۵۲ میں آیا ہے:

تَسْمِعُهُمْ آيَاتِنَا فِي الْأَفَاقِ وَفِي الْفُجَاهِ يَتَّبِعُهُمُ الْوَعْدُ إِنَّهُ الْحَقُّ

"ہم جلد ہی اطراف جہاں اور ان کے نفسوں میں اپنی نشانیاں دکھائیں گے، تاکہ واضح ہو جائے کہ وہ حق ہے۔"

اس کے بعد اس ناشناختہ حقیقت سے پردہ اٹھائے ہوئے کتاب ہے "وہ یکتا دیگانہ خدا ہے۔" ضمنی طور پر یہاں "قل" (کہہ دے) کا معنی یہ ہے کہ اس حقیقت کا اظہار کرو۔ ایک حدیث میں امام محمد باقر علیہ السلام سے آیا ہے کہ آپ نے اس بات کا ذکر کرنے کے بعد فرمایا کہ کفار و بدعت اسم اشارہ کے ساتھ اپنے بتوں کی طرف اشارہ کرتے تھے اور کہتے تھے:

"اے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! یہ ہمارے خدا ہیں، تو بھی اپنے خدا کی تعریف توصیف کرتا کہ ہم اُسے دیکھیں اور اس کا ادراک کریں۔ تو خدا نے یہ آیات نازل کیں: قل هو الله احد... "ہا" "ہو" ہیں، مطلب کو ثابت کرنے اور توجہ دینے کے لیے ہے۔ اور "واو" ضمیر غائب ہے، جو اس ذات کی طرف اشارہ ہے جو آنکھوں کے دیکھنے سے غائب اور حواس کے لمس سے دُور ہے۔"

ایک اور حدیث میں امیر المومنین علی علیہ السلام سے آیا ہے کہ آپ نے فرمایا:

"جنگ بدر کی رات میں نے "خضر" علیہ السلام کو خواب میں دیکھا اور ان سے کہا کہ مجھے کوئی ایسی چیز بتائیں جس کی مدد سے میں دشمنوں پر کامیاب ہوں تو انہوں نے کہا: کیجئے:

"یاہو، یا من لاہو الاہو"

بچے سو کاغذیں بعض نے ہو کر یہاں "ضمیر شاق" لیا ہے، اس بنا پر معنی یہ ہوگا کہ شان و مطلب یہ ہے کہ خدا ایک اکیلا ہے۔ لیکن بہتر یہ ہے کہ "ہو" کی پاک ذات کی طرف اشارہ ہو جو سوال کرنے والوں کے لیے غیر معلوم اور مبہم تھی۔ اس بنا پر "ہو" مبتدا ہے اور "الله" اس کی خبر اور "احد" خبر کے بعد کی خبر ہے۔

(عاشیہ مغربا) لہ "بجاء لا نزار" جلد ۳ ص ۲۲۱ حدیث ۱۲ (تفصیل کے ساتھ)

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

- ۱۔ قُلْ هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ ۝
- ۲۔ اللَّهُ الصَّمَدُ ۝
- ۳۔ لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُولَدْ ۝
- ۴۔ لَمْ يَكُنْ لَهُ كُفُوًا أَحَدٌ ۝

ترجمہ

Presented by: <https://jafrilibrary.com/>

شروع اللہ کے نام سے جو رحمان و رحیم ہے

- ۱۔ کہہ دیجئے خدا یکتا و یگانہ ہے۔
- ۲۔ خدا ہی ہے کہ جس کی طرف تمام حاجت مند رُخ کرتے ہیں
- ۳۔ نہ تو اُس نے کسی کو جنا ہے اور نہ ہی وہ کسی سے پیدا ہوا ہے۔
- ۴۔ اور ہرگز اس کا کوئی ہم پلہ اور مانند نہیں ہے۔

تفسیر

وہ یکتا اور بے مثال ہے

اس سورہ کی پہلی آیت بار بار کے ان سوالات کے جواب میں ہے جو مختلف اقوام یا افراد کی طرف سے پڑھنے والوں کے اوصاف کے سلسلہ میں ہوئے تھے، فرماتا ہے: "کہہ دیجئے وہ یکتا و یگانہ ہے؛ (قل هو الله احد) ۱۔ (۱۔ حدیث المصنف پر)

جب صبح ہوئی تو میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں یہ واقعہ بیان کیا تو آپ نے فرمایا :
 ”یا علی ! علمت الاسماء الاعظم“

”اے علی آپ کو اہم اعظم کی تعلیم دی گئی ہے۔“

اس کے بعد جنگ بدر میں یہی جملہ میرا ورد زبان رہا۔۔۔

”عمار یاسر“ نے جب یہ سنا کہ حضرت امیر المومنین علیہ السلام صفین کے دن جنگ کے وقت یہی ذکر پڑھ رہے تھے تو عرض کیا، یہ کیا کنایات ہیں؟ تو آپ نے فرمایا: یہ خدا کا اہم اعظم اور توحید کا ستون ہے۔

”اللہ“ خدا کا اہم خاص ہے اور امام کی بات کا مفہوم یہ ہے کہ اسی ایک لفظ کے ذریعے اس کے تمام صفات جلال و جمال کی طرف اشارہ ہوا ہے، اور اسی بناء پر اس کو اہم اعظم الہی کا نام دیا گیا ہے۔

اس نام کا خدا کے سوا اور کسی پر اطلاق نہیں ہوتا جب کہ خدا کے دوسرے نام عام طور پر اس کی کسی صفت جلال و جلال کی طرف اشارہ ہوتے ہیں، مثلاً: عالم و خالق و مازق، اور عام طور پر اس کے غیر پر بھی اطلاق ہوتے ہیں۔ (مثلاً رحیم، کریم، عالم، قادر وغیرہ)۔

اس حال میں اس کی اصل اور ریشہ وصفی معنی رکھتا ہے اور اصل میں یہ ”ولہ“ سے مشتق ہے، جو ”تحیر“ کے معنی میں ہے کیونکہ اس کی ذات پاک میں جتنی حیران ہیں، جیسا کہ ایک حدیث میں امیر المومنین علیؑ سے آیا ہے:

”اللہ معناه المعبود الذی یأله فیہ الخلق ویؤله الیہ، واللہ هو

المستور عن درک الابصار، المحجوب عن الاوهام والخطرات“

”اللہ کا معنی ایک ایسا معبود ہے جس میں مخلوق حیران ہے اور اس سے عشق کرتی ہے“

اللہ وہی ذات ہے جو آنکھوں کے اوراک سے مستور اور مخلوق کے افکار و عقول

سے مخرب ہے۔

بعض اوقات اسے ”الاہۃ“ (بروزن و بمعنی عبادت) کی اصل اور ریشہ سے بھی سمجھا گیا ہے اور اصل میں

”الالہ“ ہے، جو ”تنہا معبود حقیقی“ کے معنی میں ہے۔

لیکن جیسا کہ ہم نے بیان کیا ہے۔ اس کا ریشہ اور اصل چاہے جو بھی ہو، بعد میں اس نے اہم خاص کی صورت اختیار

کر لی ہے اور یہ اسی جامع جمیع صفات کمالیہ اور ہر قسم کے عیب و نقص سے خالی ذات کی طرف اشارہ کرتا ہے۔

اس مقدس نام کا قرآن مجید میں تقریباً "ایک ہزار" مرتبہ تکرار ہوا ہے اور خدا کے اسماء متقدسہ میں سے کوئی سا نام بھی اتنی مرتبہ قرآن میں نہیں آیا۔ یہ ایک ایسا نام ہے جو دل کو روشن کرتا ہے اور انسان کو قوت و توانائی اور سکون و آرام بخشتا ہے اور اُسے نور و صفا کے ایک عالم میں غرق کر دیتا ہے۔

لیکن "احد" کا لفظ "وحدت" کے مادہ سے ہی ہے اور اسی لیے بعض نے "احد" اور "واحد" کی ایک ہی معنی کے ساتھ تفسیر کی ہے۔ ان کا عقیدہ یہ ہے کہ یہ دونوں ہی اس ذات کی طرف اشارہ ہیں جو ہر لحاظ سے بے مثل و بے نظیر ہے۔ علم میں یگانہ ہے، قدرت میں بے مثل ہے، رحمانیت و رحیمیت میں یکتا ہے اور خلاصہ یہ ہے کہ وہ ہر لحاظ سے بے نظیر ہے۔

لیکن بعض کا نظریہ یہ ہے کہ "احد" اور "واحد" میں فرق ہے۔ "احد" اس ذات کو کہا جاتا ہے جو کثرت کو قبل نہیں کرتا، نہ تو خارج میں اور نہ ہی ذہن میں۔ لہذا وہ شملہ کرنے کے قابل نہیں ہے اور ہرگز عدد میں داخل نہیں ہوتا، "واحد" کے برخلاف کہ اُس کے لیے دوسرے اور تیسرے کا تصور ہوتا ہے، چاہے وہ خارج میں ہو یا ذہن میں۔ اسی لیے بعض اوقات ہم یہ کہتے ہیں کہ: "احدی ازاں جمعیت نیامد، یعنی اُن میں سے کوئی شخص بھی نہیں آیا۔ لیکن جب ہم یہ کہتے ہیں کہ: "واحدی نیامد" (ایک نہیں آیا) تو ممکن ہے کہ دو یا چند افراد آئے ہوں۔ لیکن یہ فرق قرآن مجید اور احادیث کے موارد استعمال کے ساتھ چننا نہیں ہے۔

بعض کا یہ بھی نظریہ ہے کہ: "احد" (جنس و فصل اور ماہیت و وجود) کے اجزائے ترکیبیہ خارجیہ یا عقلیہ کے مقابلہ میں خدا کی بسلطت ذات کی طرف اشارہ ہے جب کہ واحد خارجی کثرتوں کے مقابلہ میں اس ذات کی یگانگت کی طرف اشارہ ہے۔

ایک حدیث میں امام محمد باقر علیہ السلام سے آیا ہے کہ "احد" فرد یگانہ کو کہتے ہیں، "احد" اور "واحد" کا ایک ہی مضمون ہے، اور وہ ایک ایسی منفرد ذات ہے جس کا کوئی مثل و نظیر نہیں ہے۔ اور "توحید" اس کی یگانگت و وحدت اور انفرادیت کا اقرار ہے۔

اسی حدیث کے ذیل میں آیا ہے:

"واحد عدد نہیں ہے، بلکہ واحد اعلیٰ کی بنیاد ہے۔ عدد دو سے شروع ہوتا ہے، اس بنا پر اللہ احد۔" یعنی وہ مسمو جس کی ذات کے ادماک سے انسان عاجز ہیں اور جس کی کیفیت کا احاطہ کرنے سے ناتواں ہیں کا معنی یہ ہے کہ وہ الہیت میں فرد ہے اور مخلوقات کی صفات سے برتر ہے بلکہ

قرآن مجید میں "واحد" و "احد" دونوں کا خدا کی ذات پاک پر اطلاق ہوا ہے۔

یہ بات قابل توجہ ہے کہ توحید صدوق میں آیا ہے کہ جنگ جمل میں ایک اعرابی نے کھڑے ہو کر عرض کیا اے امیر المومنین! کیا آپ یہ کہتے ہیں کہ خدا واحد ہے؟ تو واحد کا کیا معنی ہے؟ اچانک لوگوں نے ہر طرف سے اس پر حملہ کر دیا اور کہنے لگے: "اے اعرابی یہ کیا سوال ہے؟ کیا تو دیکھ نہیں رہا ہے کہ امیر المومنین علیہ السلام مسئلہ جنگ کی فکر میں کتنے مشغول ہیں؟ ہر سخن جانے دہرکتہ مقامی دارو! ہر بات کا ایک موقع اور ہر حرکت کا ایک مقام ہوتا ہے۔

امیر المومنین علیہ السلام نے فرمایا:

"اے اس کی حالت پر چھوڑ دو کیونکہ جو کچھ وہ چاہتا ہے وہی چیز ہم اس شخص گردہ سے چاہتے ہیں۔ (وہ توحید کے بارے میں پوچھ رہا ہے، ہم بھی منافقین کو لکڑہ توحید ہی کی دعوت دے رہے ہیں)۔

اس کے بعد آپ نے فرمایا:

"اے اعرابی یہ جو ہم کہتے ہیں کہ خدا "واحد" ہے تو اس کے چار معانی ہو سکتے ہیں جن میں سے دو معانی خدا کے لیے صحیح نہیں ہیں اور اس کے دو

معانی صحیح ہیں۔

"اب وہ دو جو صحیح نہیں ہیں، ان میں سے ایک وحدت عددی ہے۔ یہ خدا کے لیے جائز نہیں ہے (یعنی ہم یہ کہیں کہ وہ ایک ہے دو نہیں ہیں) کیونکہ اس بات کا مفہوم یہ ہے کہ اس کے لیے دوسرے کا تصور ہو سکتا ہے لیکن وہ موجود نہیں ہے۔ حالانکہ سترہ طور پر حق تعالیٰ کی غیر متناہی ذات کے لیے دوسرے کا تصور ہو ہی نہیں سکتا۔ کیونکہ جس چیز کا کوئی ثانی ہی نہیں ہے وہ باب اعداد میں داخل نہیں ہوتی۔ کیا تو دیکھتا نہیں کہ خدا نے ان لوگوں کی، جنہوں نے یہ کہا تھا کہ: "ان الله ثلاث شلاشة" (خدا تین ہیں کا تیسرا ہے)، تکفیر کی ہے۔

"واحد کا دوسرا معنی جو خدا کے لیے صحیح نہیں ہے یہ ہے کہ وہ واحد نوعی کے معنی میں ہو، مثلاً، ہم یہ کہیں کہ فلاں آدمی لوگوں میں سے ایک ہے، یہ بھی خدا کے لیے صحیح نہیں ہے۔ (کیونکہ خدا کی کوئی جنس اور نوع نہیں ہے) اس بات کا مفہوم تشبیہ ہے، اور خدا ہر قسم کی تشبیہ اور نظیر سے برتر و بالاتر ہے۔

"اب رہے وہ دو مفہوم جو خدا کے بارے میں صحیح اور صادق ہیں، ان میں سے پہلا یہ ہے کہ یہ کہا جائے کہ خدا واحد ہے یعنی اشیاء عالم میں کوئی اس کی شبیہ نہیں ہے، ہاں! ہمارا پروردگار ایسا ہی ہے۔

"دوسرے یہ کہ یہ کہا جائے کہ ہمارا پروردگار احدی المعنی ہے، یعنی اس کی ذات ناقابل تقسیم ہے، نہ تو تابع ہیں نہ عقل میں اور نہ ہی وہم میں، ہاں! خدا نے بزرگ ایسا ہی ہے۔

"خلاصہ یہ ہے کہ خدا واحد و احد ہے اور یگانہ و یکتا ہے۔ واحد عددی یا نوعی و جنسی کے معنی میں نہیں بلکہ وحدت

ذاتی کے معنی میں، زیادہ واضح عبارت میں اس کی وحدانیت کا معنی یہ ہے کہ اس کا کوئی مثل و نظیر اور مانند و شبیہ نہیں ہے۔ اس بات کی دلیل بھی واضح و روشن ہے: وہ ایک ایسی ذات ہے جو ہر جہت سے غیر متناہی ہے اور سطر طور پر ہر جہت سے دو غیر متناہی ذاتیں ناقابل تصور ہیں، کیونکہ اگر دو ذاتیں ہوں گی تو وہ دونوں محدود ہو جائیں گی، اس میں اس کے کمالات نہ ہوں گے اور نہ اس میں اس کے کمالات (غور کیجئے)۔

بعد والی آیت میں اس یکتا ذات متدس کے بارے میں فرماتا ہے: "وہ ایسا خدا ہے کہ تمام حاجت مند اسی کی طرف رُخ کرتے ہیں"۔ (اللہ الصمد)۔

"صمد" کے لیے روایات اور مفسرین و ارباب لغت کے کلمات میں بہت زیادہ معانی بیان ہوئے ہیں۔ "راغب" "مفردات" میں لکھا ہے: صمد اس آقا اور بزرگ کے معنی میں ہے جس کی طرف کائنات کی انجام دہی کے لیے جاتے ہیں۔ اور بعض نے یہ کہا ہے کہ "صمد" اس چیز کے معنی میں ہے جو اندر سے خالی نہ ہو بلکہ پُر ہو۔ "مقایس اللغة" میں آیا ہے کہ دو اصلی جز بنیادیں ہیں: ایک قصد کے معنی میں ہے اور دوسرا صلاحت۔ استحکام کے معنی میں، اور یہ جو خدا کو "صمد" کہا جاتا ہے تو یہ اس بنا پر ہے کہ بندے اس کی بارگاہ کا قصد ارادہ کرتے ہیں۔

اور شاید یہی وجہ ہے کہ ذیل کے متعدد معانی بھی لغت کی کتابوں میں "صمد" کے لیے ذکر ہوئے ہیں: ایسی بزرگ ہستی جو انتہائی عظمت میں ہو، اور ایسی ذات جس کی طرف لوگ اپنی حاجات لے کر جاتے ہیں، ایسی ذات جس سے بزرگ کوئی چیز نہیں ہے، ایسی ہستی جو مخلوق کے فنا و نابود ہونے کے بعد بھی دائم اور باقی رہنے والی ہے۔ اسی لیے امام حسین بن علی علیہما السلام نے ایک حدیث میں "صمد" کے لیے پانچ معانی بیان کیے ہیں۔ "صمد" اس ہستی کو کہتے ہیں جو انتہائی سیادت و آقاوی میں ہو۔

"صمد" وہ ذات ہے جو دائم اور ازلی و ابدی ہو۔

"صمد" وہ موجود ہے جو ف (اندر سے خلا) نہ رکھتا ہو۔

"صمد" وہ ہستی جو نہ کھاتی ہو نہ پیتی ہو۔

"صمد" وہ ہستی جو کبھی نہ سوتی ہو نہ

اور دوسری عبارتوں میں یہ آیا ہے کہ: "صمد اس ہستی کو کہتے ہیں جو قائم بہ نفس ہو اور غیر سے بے نیاز ہو"۔ "صمد" اس ہستی کو کہتے ہیں جس میں تغیرات اور کم و فساد نہیں ہے۔

امام علی بن الحسین علیہما السلام سے نقل ہوا ہے کہ آپ نے فرمایا:

"صمد" اس ہستی کو کہتے ہیں جس کا کوئی شریک نہ ہو کسی چیز کی مخالفت نہ کرنا اس کے لیے شکل نہ ہو اور کوئی چیز اس سے مخفی نہیں رہتی نہ بعض نے یہ بھی کہا ہے کہ "صمد" اس ذات کو کہتے ہیں کہ وہ جب بھی کسی چیز کا ارادہ کرے تو اُسے کتا ہے

ہو جا، تو وہ فرما ہو جاتی ہے۔

ایک حدیث میں آیا ہے کہ "اہل بصر" نے امام حسن علیہ السلام کی خدمت میں ایک خط لکھا اور "محمد" کے معنی دریافت کیے۔ امام علیہ السلام نے ان کے جواب میں فرمایا :

"بسم اللہ الرحمن الرحیم، اما بعد قرآن میں آگاہی کے بغیر بحث و گفتگو نہ کرو، کیونکہ میں نے اپنے نانا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا ہے، آپ فرما رہے تھے: جو شخص علم کے بغیر بات کرے گا اسے آگ میں اس مقام پر رہنا پڑے گا جو اُس کے لیے مہین ہے۔ خدا نے خود "محمد" کی تفسیر بیان فرمائی ہے "لیریلد ولو یولد ولو یکن لہ کفوا احد"

نہ کسی نے جنا اور نہ وہ کسی سے پیدا ہوا، اور نہ ہی کوئی اس کی مانند اور مثل و نظیر ہے۔ ہاں! خداوند "محمد" وہ ہے جو کسی چیز سے وجود میں نہیں آیا، اور نہ ہی وہ کسی چیز کے اندر موجود ہے۔ نہ کسی چیز کے اوپر قرار پایا ہے، وہ تمام چیزوں کا پیدا کرنے والا اور ان کا خالق ہے، تمام چیزوں کو وہی اپنی قدرت سے وجود میں لایا ہے۔ جن چیزوں کو اس نے فنا کے لیے پیدا کیا ہے وہ اس کے ارادہ سے مٹا دیا ہو جائے گی، اور جسے بقا کے لیے پیدا کیا ہے، وہ اس کے علم سے باقی رہے گی۔ یہ ہے خداوند محمد ۔۔۔ ۔۔۔"

اور بالآخر ایک اور حدیث میں آیا ہے کہ "محمد بن حنفیہ" نے امیر المومنین علی علیہ السلام سے "محمد" کے بارے میں سوال کیا تو آپ نے فرمایا :

"محمد" کی تائید یہ ہے کہ وہ نہ اسم ہے اور نہ جسم ہے نہ اس کا کوئی مثل ہے نہ نظیر ہے، نہ صورت ہے، نہ مثال ہے، نہ مد ہے نہ معدوم ہے، نہ محل ہے، نہ مکان ہے، نہ حال ہے، نہ یہ ہے، نہ یہاں ہے، نہ وہاں ہے، نہ پُر ہے نہ خالی ہے، نہ کھڑا ہے، نہ بیٹھا ہے، نہ ساکن ہے نہ متحرک ہے، نہ ظلماتی ہے، نہ نورانی ہے، نہ نفسانی۔ اس کے باوجود کوئی جگہ اس سے خالی نہیں ہے اور کسی مکان میں اس کی گنجائش نہیں ہے۔ نہ وہ رنگ رکھتا ہے، نہ انسان کے دل میں سماتا ہے اور نہ ہی اس کی کوئی بُرائی ہے۔ یہ سب چیزیں اس کی ذات پاک سے متعلق ہیں۔"

یہ حدیث اچھی طرح سے نشان دہی کرتی ہے کہ "صمد" کا ایک بہت ہی جامع اور وسیع مفہوم ہے۔ جو اس کی خستہ قدس سے مخلوقات کی ہر قسم کی صفات کی نفی کرتا ہے، کیونکہ مشخص اور محدود اسماء، اور اسی طرح جسم و رنگ و بُود مکان و سکون و حرکت و کیفیت و حدود و حدود اور اسی قسم کی دوسری چیزیں، یہ سب ممکنات و مخلوقات کی صفات ہیں، بلکہ زیادہ تر عالم مادہ کے اوصاف ہیں، اور ہم جانتے ہیں کہ خدا ان سب سے برتر و بالاتر ہے۔

آخری انکشافات سے معلوم ہوا ہے کہ جہاں مادہ کی تمام چیزیں بہت ہی پھوٹے پھوٹے ذرات سے مل کر بنی ہیں جنہیں "ایٹم" کہا جاتا ہے۔ اور "ایٹم" خود بھی دو عمدہ حصوں کا مرکب ہے۔ مرکزی ذرہ اور وہ الیکٹرون جو اس کے گرد گردش کر رہے ہیں۔ اور تعجب کی بات یہ ہے کہ اس ذرہ اور الیکٹرون کے درمیان بہت زیادہ فاصلہ ہے۔ (البتہ یہ زیادہ ایٹم کے حجم کے اندازہ سے ہے) اس طرح سے کہ اگر یہ فاصلہ اٹھا دیا جائے تو اجسام اس قدر پھوٹے ہو جائیں گے کہ وہ ہمارے لیے حیرت میں ڈالنے والے ہوں گے۔

مثلاً اگر ایک انسان کے وجود کے ایٹمی ذرات کے فاصلے ختم کر دیں اور اُسے مکمل طور پر دبا دیں تو ممکن ہے کہ وہ ایک ذرہ کی صورت اختیار کر لے، جس کا اٹکھ کے ساتھ دیکھنا مشکل ہو جائے۔ لیکن اس کے باوجود وہ ایک انسان کے بدن کے سارے وزن کے برابر ہوگا، (مثلاً، یہی معمولی ذرہ ۶۰ کلو وزنی ہوگا)۔

بعض نے اس علمی انکشاف سے استفادہ کرتے ہوئے اور اس بات کی طرف توجہ دیتے ہوئے کہ "صمد" کا ایک معنی ایسا وجود ہے جو اندر سے خالی نہیں ہے، یہ نتیجہ نکالا ہے کہ قرآن اس تعبیر سے یہ چاہتا ہے کہ خدا ہر قسم کی جہانیت کی نفی کر دے، کیونکہ تمام اجسام ایٹم سے بنے ہوئے ہیں اور ایٹم اندر سے خالی ہوتے ہیں۔ اور اس طرح یہ آیت قرآن کے علمی معجزات میں سے ایک ہو سکتی ہے۔

لیکن اس بات کو نہیں بھولنا چاہیے کہ اہل لغت میں "صمد" ایک ایسی عظیم ہستی کے معنی میں ہے جس کی طرف تمام حاجت مند رُخ کرتے ہیں اور وہ ہر لحاظ سے کامل ہو، اور ظاہر باقی تمام صفات اور تفاسیر جو اس کے لیے بیان کی گئی ہیں اسی اصل کی طرف لوٹتی ہیں۔

اس کے بعد اگلی آیت میں نصاریٰ، یہود اور مشرکین عرب کے خدا کی رد پیش کرتے ہوئے جو خدا کے لیے بیٹے یا باپ کے قائل تھے۔ فرماتا ہے: "اس نے نہ تو کسی کو جنما ہے اور نہ ہی وہ خود کسی سے پیدا ہوا ہے۔" (لویلد و لم یولد)۔

اس بیان کے مقابلہ میں ان لوگوں کا نظریہ ہے جو تثلیث (تین خداؤں) کا عقیدہ رکھتے تھے، باپ خدا، بیٹا خدا اور روح القدس۔

نصاری "یسح" کو خدا کا بیٹا کہتے تھے اور یہود "عزیر" کو اس کا بیٹا سمجھتے تھے، و قالت الیہود عزیر ابن اللہ و قالت النصارى الیسح ابن اللہ مذالک قولہم با فواہمہم یضاهون قول الذین کفروا من قبل قاتلہم اللہ انی یوفکون۔

”یہود نے تو یہ کہا کہ عزیر خدا کا بیٹا ہے اور مسیحائیوں نے یہ کہا کہ مسیح خدا کا بیٹا ہے۔ یہ ایک ایسی بات ہے جو وہ اپنی زبان سے کہتے ہیں اور ان کی یہ بات گزشتہ کافروں کے قول کے مانند ہے۔ ان پر خدا کی لعنت ہو، وہ حق سے کیسے منحرف ہو جاتے ہیں“ (توبہ - ۳۰)

مشرکین عرب کا یہ عقیدہ بھی تھا کہ ملائکہ خدا کی بیٹیاں ہیں، وخرقوالہ بنین وبنات بغیر علمہ: ”انہوں نے جھوٹ اور بہالت کی بنا پر خدا کے لیے بیٹے اور بیٹیاں گھڑ لی تھیں“ (انعام - ۱۰۰)

بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ آیہ ”لوعیلد ولو لیولد“ میں تولد ایک وسیع معنی رکھتا ہے اور اس سے ہر قسم کی مادی و لطیف چیزوں کے خروج اس ذاتِ مقدس کے دوسری مادی و لطیف چیزوں سے خروج کی نفی کرتا ہے۔

جیسا کہ اسی خط میں۔ جو امام حسینؑ نے اہل بصرہ کے جواب میں صمد کی تفسیر میں لکھا تھا: ”لوعیلد ولو لیولد“ کے جملہ کی اس طرح تفسیر کی گئی تھی: (لوعیلد) یعنی کوئی چیز اس سے خارج نہیں ہوئی، نہ تو بیٹے جیسی کوئی مادی چیز اور نہ ہی وہ تمام چیزیں جو مخلوق سے خارج ہوئی ہیں (جیسے ماں کی چھاتیوں سے دودھ) اور نہ ہی نفس جیسی کوئی لطیف چیز اور نہ ہی قسم قسم کے حالات جیسے غلبہ و خیال حسی و اندہ و غم و محال ہونا، ہنسنا اور رونا، خوف و دہش، شوق و ملالت، بھوک اور سیری وغیرہ۔ خدا اس سے برتر و بالاتر ہے کہ کوئی چیز اس سے خارج ہو۔

اور وہ اس بات سے بھی برتر و بالاتر ہے کہ وہ کسی مادی چیز سے متولد ہو۔۔۔۔۔ جیسا کہ کسی زندہ موجود کا کسی دوسرے زندہ موجود سے خارج ہونا اور گھاس کا زمین سے، پانی کا چشمہ سے، پھل کا درخت سے اور اشیائے لطیف کا اپنے منابع سے جیسے نگاہ کا آنکھ سے، سماعت کا کان سے، سونگھنے کا ناک سے، پکھنے کا منہ سے، گفتگو کا زبان سے، معرفت و شناخت کا دل سے اور آگ کی چنگاری کا پتھر سے نکلنا۔

اس حدیث کے مطابق تولد ایک وسیع معنی رکھتا ہے جو ہر قسم کے خروج اور ایک چیز کے کسی دوسری چیز کا نتیجہ ہونے کو شامل ہے، اور یہ حقیقت میں آیت کا دوسرا معنی ہے اور اس کا پہلا اور ظاہری معنی وہی تھا جو ابتدا میں بیان کیا گیا ہے۔ اس کے علاوہ دوسرا معنی پہلے معنی کی تحلیل کرنے سے پورے طور پر قابل اداک ہے کیونکہ اگر خدا کے بیٹا نہیں ہے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ مادی عوارض سے پاک و منزہ ہے۔ یہی معنی تمام مادی عوارض میں ہی صادق آتا ہے۔ (غور کیجئے)

اور آخر میں اس سورہ کی آخری آیت میں خدا کے اوصاف کے بارے میں مطلب کو مرحلہ کمال تک پہنچاتے ہوئے فرماتا ہے: اور ہرگز اس کا کوئی شبہ اور ہسر نہیں ہے۔ (ولویکن لہ کفو احد)۔

”کفو“ اصل میں مقام و منزلت اور قدر میں ہم پلہ کے معنی میں ہے اور اس کے بعد اس کا ہر قسم کے شبہ اور مانند پر اطلاق ہوا ہے۔ اس آیت کے مطابق مخلوقات کے تمام عوارض اور موجودات کی صفات اور ہر قسم کا نقص و محدودیت اس کی ذات پاک سے منتفی ہے۔ یہ وہی توحید ذاتی و صفاتی ہے جو اُس توحیدِ عددی و ذمی کے مقابلہ میں ہے جس کی طرف اس سورہ کے

آغاز میں اشارہ ہوا ہے ۔

اس بنا پر نہ تو ذات میں اس کا کوئی شبہ ہے اور نہ صفات میں کوئی اس کے مانند ہے ، اور نہ ہی افعال میں کوئی اس کا مثل و نظیر ہے ، وہ ہر لحاظ سے بے مثل و بے نظیر ہے ۔

امیر المومنین علی علیہ السلام نج البلاغہ کے ایک خطبہ میں فرماتے ہیں :

”لیریلہ“ فیکون مولوداً“ ”ولیریلہ“ فیصیر محدوداً۔۔۔

ولا ”کنہ“ لہ فیکافئہ“ ولا لظیلہ فیساویہ

”اس نے کسی کو نہیں جنا کہ وہ خود بھی مولود ہو۔ اور وہ کسی سے پیدا نہیں ہوا اور نہ

وہ محدود ہو جاتا۔۔۔ اس کا کوئی مثل و نظیر نہیں ہے کہ وہ اس کا ہم پلہ ہو جائے“

اور اس کے لیے کسی شبہ کا تصور نہیں ہو سکتا کہ وہ اس کے مساوی ہو جائے۔

اور یہ ایک ایسی عمدہ تفسیر ہے جو توحید کے عالیشان دقائق کو بیان کرتی ہے۔ (سلام اللہ علیک یا امیر المومنین)

چند نکات

Presented by: <https://jafrilibrary.com/>

۱۔ توحید کے دلائل

توحید ، یعنی ذات خدا کا یکتا و یگانہ ہونا اور اس کا کوئی شریک و شبہ نہ ہونا ، دلائل نقلی اور قرآن مجید کی آیات کے علاوہ ہمت سے عقلی دلائل سے بھی ثابت ہے جن میں سے ایک حصہ کو ہم مختصر طور پر یہاں نقل کرتے ہیں ۔

۱۔ برہان صرف الوجود۔ اس کا خلاصہ یہ ہے کہ خدا وجود مطلق ہے اور اس کے لیے کوئی قید و شرط اور حد نہیں ہے۔ اس قسم کا وجود یقینی طور پر غیر محدود ہوگا ، کیونکہ اگر اس میں محدودیت ہوگی تو وہ ضروری طور پر عدم سے آلودہ ہوگا ، لیکن وہ ذات مقدس جس کی ہستی و وجود خود بخود موجود ہے وہ ہرگز عدم و نیستی کا متعلق نہیں ہوگا ، اور وہ خارج میں کوئی ایسی چیز نہیں ہے جو عدم کو اس پر ڈال دے اس بنا پر وہ کسی حد کے ساتھ محدود نہیں ہوگا ۔

دوسری طرف سے عالم میں دو غیر محدود ہستیاں تصور میں ہی نہیں آ سکتیں ، کیونکہ اگر دو موجود پیدا ہو جائیں تو یقیناً ان میں سے ہر ایک دوسرے کے کمالات کا فائدہ ہوگا۔ یعنی اس میں دوسرے کے کمالات نہیں ہوں گے۔ اس بنا پر وہ دونوں ہی محدود ہو جائیں گے ، اور یہ خود ذات واجب والوجود کی یگانگت اور یکتائی پر ایک واضح دلیل ہے (غور کیجئے)

۲۔ برہان علمی۔ جب ہم اس وسیع و عریض جہان پر نگاہ ڈالتے ہیں تو ابتدا میں ہم عالم کو پرانندہ موجودات کی صورت میں دیکھتے ہیں ، زمین و آسمان ، سورج ، چاند ، ستارے ، افواج و اقسام کی نباتات و حیوانات ، لیکن ہم جتنا

زیادہ غور کرتے ہیں، ہم دیکھتے ہیں کہ اس عالم کے اجزاء و ذرات اس طرح سے ایک دوسرے کے ساتھ مربوط اور پیوستہ ہیں کہ مجموعی طور پر وہ ایک منظم چیز بناتے ہیں اور اس جہان پر متین قوانین کا ایک سلسلہ حکومت کرتا ہے۔ انسانی علم و دانش کی پیش رفت جس قدر زیادہ ہوتی جاتی ہے اسی قدر اس جہان کے اجزاء کا انجمام و وحدت زیادہ آشکار اور ظاہر ہوتا جا رہا ہے، یہاں تک کہ بعض اوقات ایک پھوٹے سے نمونہ (مثلاً ایک سیب کے درخت سے گٹنے) کی آزمائش اس بات کا سبب بن جاتی ہے کہ ایک بہت بڑا قانون جو سارے عالم ہستی پر حکم فرما ہے، مشکف ہو جاتا ہے۔ (جیسا کہ "نیوٹن" اور "قانون جاذبہ" کے بارے میں ہے)۔

نظام ہستی کی یہ وحدت، اس پر حاکم قوانین اور اس کے اجزاء کے درمیان انجمام و یکتائی، اس بات کی نشان دہی کرتے ہیں کہ اس کا خالق یکتا و یگانہ ہے۔

۳۔ برہان تمناع۔ (فلسفی علمی دلیل) دوسری دلیل جو علما نے خدا کی ذات کی یکتائی اور وحدت کے لیے بیان کی ہے اور قرآن نے سورۃ انبیاء کی آیہ ۲۲ میں جس کے بارے میں ہدایت کی ہے، وہ برہان تمناع ہے، فرماتا ہے: **لَوْ كَانَ فِيهِمَا آلِهَةٌ إِلَّا اللَّهُ لَفَسَدَتَا فَسُبْحَانَ اللَّهِ رَبِّ الْعَرْشِ عَمَّا يَصِفُونَ** "اگر زمین و آسمان میں خدا کے علاوہ دیکتا کے علاوہ اور بھی خدا ہوتے تو آسمان و زمین میں فساد ہو جاتا، اور نظام جہاں و بہم و برہم ہو جاتا، پس وہ خدا جو عرش کا پروردگار ہے ان کی توصیف سے پاک و منزہ ہے۔"

ہم اس دلیل کی جلد ۱۳ ص ۲۸۶ میں "برہان تمناع" کے عنوان کے ماتحت تفصیل کے ساتھ وضاحت کر چکے ہیں۔ ۴۔ خداوند یگانہ کی طرف انبیاء کی عمومی دعوت: اثبات توحید کے لیے یہ ایک اور دلیل ہے کیونکہ اگر عالم میں دو واجب الوجود ہوتے تو دونوں کو ہی منہج فیض ہونا چاہیئے تھا، کیونکہ ایک بے نہایت کامل وجود کے لیے یہ ممکن نہیں ہے کہ وہ اپنی نور افشانی میں بخل کرے، کیونکہ وجود کامل کے لیے عدم فیض نقص ہے۔ اور اس کے حکیم ہونے کا تقاضا یہ ہے کہ وہ سب کو اپنا فیض پہنچائے۔

اس فیض کی دو شاخیں ہیں (عالم خلقت میں) فیض تکوینی، اور (عالم ہدایت میں) فیض تشریعی۔ اس بنا پر اگر متحد خدا ہوتے تو ضروری تھا کہ ان کی طرف سے بھی پیغمبر اور رسول آتے، اور ان کے فیض تشریعی سب کو پہنچاتے۔

حضرت علی علیہ السلام اپنے فرزند گرامی امام مجتبیٰ علیہ السلام کے وصیت نامہ میں فرماتے ہیں: **"واعلموا یا بنی انہ لو کان لہ ربک شریک لانتک رہسلہ ولرأیت آثارہ ملکہ و سلطانہ، ولعرفت افعالہ و صفاتہ، و لکنہ اللہ واحد کما وصف نفسه۔"**

"اے بیٹا! جان لو کہ اگر تیرے پروردگار کا کوئی شریک ہوتا تو اس کے پیچھے ہوئے نمائندے تیرے پاس آتے، اور تو اس کے ملک و سلطنت کے آثار کا بھی مشاہدہ کرتا، اور تو اس کی صفات و افعال سے بھی آشنا ہوتا، لیکن وہ

ایک اکیلا مبنو ہے ، جیسا کہ خود اس نے اپنی توصیف فرمائی ہے :

یہ سب اس کی ذات کی یکتائی کے دلائل ہیں۔ باقی رہا اس کی ذات پاک میں ہر قسم کی ترکیب و اجزاء کے نہ ہونے کی دلیل تو وہ روشن و واضح ہے کیونکہ اگر اس کے لیے اجزائے خارجیہ ہوں تو لحاظ ان کا محتاج ہوگا ، اور واجب الوجود کے لیے محتاج ہونا مستحکم نہیں اور اگر "اجزائے خلیہ" (ماہیت و وجود یا جنس و فصل کی ترکیب) مفرد ہو ، تو وہ بھی محال ہے ، کیونکہ ماہیت موجود سے ترکیب اس کے منہود ہونے کی فرع ہے۔ حالانکہ ہم جانتے ہیں کہ اس کا وجود غیر منہود ہے ، اور جنس و فصل کی ترکیب ماہیت رکھنے کی فرع ہے۔ لیکن وہ ذات جس کی کوئی ماہیت نہیں ہے ، اس کی جنس و فصل بھی نہیں ہے۔

۲۔ توحید کی اقسام

عام طور پر توحید کی چار اقسام بیان کی جاتی ہیں :

۱۔ توحید ذات : (جس کی اُد پر تشریح کی گئی ہے)۔

۲۔ توحید صفات : یعنی اس کی صفات اس کی ذات سے الگ نہیں ہیں اور ایک دوسرے سے بھی جدا نہیں ہیں ، مثلاً ہمارا "علم" و "قدرت" دو الگ الگ صفات ہیں جو ہماری ذات پر عارض ہیں ، ہماری ذات ایک الگ چیز ہے اور ہمارا علم و قدرت دوسری چیزیں ہیں جیسا کہ "علم" و "قدرت" بھی ہم میں ایک دوسرے سے جدا ہیں۔ ہمارے علم کا مرکز ہماری روح ہے ، جب کہ ہماری قدرت جہانی کا مرکز ہمارے بازو اور عضلات ہیں۔ لیکن خدا میں نہ اس کی صفات اس کی ذات پر قائم ہیں اور نہ ہی وہ ایک دوسرے سے جدا ہیں ، بلکہ وہ ایک ایسا وجود ہے جو سارا کا سارا علم ہے سارا کا سارا قدرت ہے اور سب کا سب ازلیت و ابدیت ہے۔ اگر اس کے علاوہ ضرورت ہو تو اس کا لازمہ ترکیب ہے اور اگر وہ مرکب ہوگا تو اجزاء کا محتاج ہوگا ، اور محتاج چیز ہرگز واجب الوجود نہیں ہوتی۔

۳۔ توحید انفعالی : یعنی ہر وجود ، ہر حرکت اور ہر حرکت جو دنیا میں ہو رہی ہے اس کی بازگشت خدا کی پاک ذات کی طرف ہے۔ وہی مسبب الاسباب ہے اور اس کی پاک ذات ہی علت العلل ہے ، یہاں تک کہ وہ انفعال بھی جو ہم سے سرزد ہوتے ہیں ایک معنی میں اسی کے انفعال ہیں ، چونکہ اسی نے ہمیں قدرت و اختیار اور ارادہ کی آزادی عطا فرمائی ہے۔ اس بنا پر ہم اپنے افعال کے فاعل اور ان کے مقابلہ میں مسئول و جواب دہ بننے کے باوجود ایک لحاظ سے فاعل خدا ہی ہے کیونکہ ہمارے پاس جو کچھ بھی ہے وہ سب اسی کی طرف سے ہے۔ (لا مؤثر فی الوجہ الا اللہ) (عالم وجود میں خدا کے سوا اور کوئی مؤثر نہیں ہے)۔

۴۔ توحید در عبادت : یعنی صرف اسی کی عبادت کرنا چاہیئے اور اس کا غیر لائق عبادت نہیں ہے کیونکہ عبادت ایسی ذات کی ہونا چاہیئے جو کمال مطلق اور مطلق کمال ہے ، جو سب سے بے نیاز اور تمام نعمتوں کا بخشنے والا

اور تمام موجودات کا پیدا کرنے والا ہے، اور یہ صفات اس کی پاک ذات کے سوا کسی میں جمع نہیں ہو سکتیں۔ عبادت کا اصلی مقصد اس کمال مطلق اور بے پایاں ہستی کا قُرب حاصل کرنا اور اس کی صفات جمال و کمال کو اپنی رُوح کے اندر منعکس کرنا ہے، جس کا نتیجہ ہوا و ہوس سے دُوری اور تہذیب نفس اور خود سازی کی طرف رُخ کرنا ہے۔ یہ ہدف اور مقصد "اللہ" کی عبادت کے بغیر، جو وہی کمال مطلق ہے، امکان پذیر نہیں ہے۔

۳۔ توحید افعالی کی اقسام

"پھر توحید افعالی کی بھی بہت سی اقسام ہیں جن میں سے ہم یہاں چھ اہم ترین اقسام کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔ ۱۔ توحید خالقیت : جیسا کہ قرآن کہتا ہے : قُلْ اللّٰهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ : " کہہ دیجئے خدا ہی ہر چیز کا خالق ہے " (روم - ۶۶)

اس کی دلیل بھی واضح ہے۔ جب گزشتہ دلائل سے ثابت ہو گیا کہ واجب الوجود ایک ہی ہے اور اس کے علاوہ ہر چیز ممکن الوجود ہے تو اس بنا پر تمام موجودات کا خالق بھی ایک ہی ہو گا۔

۲۔ توحید ربوبیت : یعنی عالم ہستی کا مدبر و مدیر، مرنی اور اس کا نظام بخش صرف خدا ہے، جیسا کہ قرآن کہتا ہے : قُلْ اَغِيْرُ اللّٰهِ اَبٰی رَبًّا وَّ هُوَ رَبُّ كُلِّ شَيْءٍ کہہ دیجئے کیا میں خدا کے سوا کسی اور کو اپنا پروردگار مان لوں حالانکہ ہر چیز کا پروردگار وہی ہے ؟ (انعام - ۱۶۴)۔

اس کی دلیل بھی واجب الوجود کی وحدت اور عالم ہستی میں خالق کی توحید ہے۔

۳۔ توحید تشریع و قانون گزاری : جیسا کہ قرآن کہتا ہے : وَمَنْ لِّمَوْحِكُمْ بِمَا اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ مَعْ اَکْکٰفِرُوْنَ : " جو شخص اس کے مطابق حکم نہیں کرتا، جو خدا نے نازل کیا ہے، وہ کافر ہے " (انعام - ۴۴)۔ کیونکہ جب ہم نے یہ ثابت کر دیا کہ مدبر و مدیر وہی ہے تو مسلمہ طور پر اس کے غیر میں قانون گزاری کی صلاحیت نہیں ہو سکتی، کیونکہ اس کے غیر کا تدبیر عالم میں کوئی حصہ نہیں ہے۔ لہذا وہ نظام نکوین سے ہم آہنگ قوانین وضع نہیں کر سکتا۔

۴۔ توحید در مالکیت : چاہے حقیقی مالکیت ہو یعنی کسی چیز پر تکوینی تسلط، یا "حققی مالکیت" ہو یعنی کسی چیز پر قانونی تسلط، یہ سب اسی کے لیے ہیں جیسا کہ قرآن کہتا ہے : "وَلِلّٰهِ مَلٰٓئِکَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ" "آسمانوں اور زمین کی مالکیت حاکمیت خدا ہی کے ساتھ مخصوص ہے۔ (آل عمران - ۷۸)

اور یہ بھی فرماتا ہے : "وَانْفِقُوا مِمَّا جَعَلَكُمْ مُتَخَلِّفِیْنَ فِیْهِ" "خدا نے جن اموال میں تمہیں پناہ دینا قرار دیا ہے، ان میں سے (راہ خدا) میں خرچ کرو : (حدید - ۷)

اس کی دلیل بھی وہی توحید در خالقیت ہے۔ جب تمام اشیا کا خالق وہی ہے، تو طبیعتاً تمام چیزوں کی مالک بھی اسی کی ذات مقدس ہے، اس بنا پر ہر ملکیت کا سرچشمہ اسی کی مالکیت کو ہونا چاہیے۔

۵۔ توحید حاکمیت

یقیناً انسانی معاشرہ حکومت کا محتاج ہے، کیونکہ اجتماعی زندگی حکومت کے بغیر ممکن نہیں ہے۔ ذمہ داریوں کی تقسیم پروگراموں کی تنظیم، مددیتوں کا اجرا اور تجاویزات کو روکنا، صرف حکومت کے ذریعے ہی ممکن ہے۔ ایک طرف تو انسانوں کی اصل آزادی یہ کہتی ہے کہ کوئی شخص کسی شخص پر حق حکومت نہیں رکھتا مگر جسے اصل مالک اور حاکم حقیقی اجازت دے، اور یہی وجہ ہے کہ ہم ہر اس حکومت کو جو حکومت الہی پر منتهی نہیں ہوتی مردود سمجھتے ہیں، اور یہی وجہ ہے کہ ہم حکومت کی مشروعیت کو صرف پیغمبر کے لیے سمجھتے ہیں، اور پیغمبر کے بعد آئمہ معصومین کے لیے اور ان کے بعد فقیہ جامع الشرائط کے لیے جانتے ہیں۔

البتہ یہ ممکن ہے کہ لوگ کسی کو یہ اجازت دے دیں کہ وہ ان پر حکومت کرے، لیکن چونکہ پورے معاشرے کے تمام افراد کا اتفاق عادیاً ممکن نہیں ہے، لہذا عملی طور پر اس قسم کی حکومت ممکن نہیں ہے بلکہ البتہ اس بات کو نہیں بھولنا چاہیے کہ توحید ربوبیت عالم تکون کے ساتھ مربوط ہے اور توحید قانون گزاری و حکومت کا تعلق عالم تشریع کے ساتھ ہے۔

قرآن مجید کہتا ہے: **ان الحکم الا للہ** حکم اور حکومت کرنا صرف خدا کے لیے ہے۔ (انعام ۵۷)

۶۔ توحید اطاعت

یعنی جہاں میں واجب اطاعت ہونے کا مقام صرف خدا کی ذات پاک کے لیے ہے اور ہر دوسرے مقام کی اطاعت کی مشروعیت کا سرچشمہ یہیں سے ہونا چاہیے، یعنی اس کی اطاعت بھی خدا ہی کی اطاعت شمار ہوگی۔ اس کی دلیل بھی واضح ہے۔ جب حاکمیت اسی کے ساتھ مخصوص ہے، تو مطاع ہونا بھی اُسی کے ساتھ مخصوص اسی لیے ہم انبیاء کی اطاعت، آئمہ معصومین کی اطاعت اور ان کے جانشینوں کی اطاعت کو بھی خدا ہی کی اطاعت کا پرتو شمار کرتے ہیں۔ قرآن کہتا ہے: **یا ایہا الذین امنوا اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول واولی الامر منک** "اے ایمان لانے والو! خدا کی اطاعت کرو اور رسول کی اور صاحبان امر (آئمہ معصومین) کی اطاعت کرو" (نساء) البتہ اوپر والے مباحث میں سے ہر ایک کے لیے بہت ہی زیادہ شرح و بسط کی ضرورت ہے اور ہم نے اس بنا پر کہ ہم بحث تفسیری سے خارج نہ ہو جائیں، انہیں اختصار کے ساتھ بیان کیا ہے۔ خداوند! ہمیں ساری عمر توحید کے راستہ پر ثابت قدم رکھ۔

پروردگار! شرک کی شاخیں بھی توحید کی شاخوں کی طرح بہت زیادہ ہیں۔ و نیزے لطف کے بغیر شرک سے

لے اس بنا پر اگر کوئی حکومت عوام اور اکثریت کی رائے سے متین ہو تو ضروری ہے کہ وہ فقیہ جامع الشرائط کے ذریعے نافذ ہو، تاکہ وہ مشروعیت الہیہ پیدا کر سکے۔

نجات ممکن نہیں ہے۔ تو ہمیں اپنے لطف کا شمول قرار دے۔
 بارِ الہا ! ہمیں توحید کے ساتھ زندہ رکھنا اور توحید کے ساتھ ہی ہمیں موت دینا، اور حقیقت توحید کے
 ساتھ ہمیں محسوس کرنا۔

اُمّیں یا ربّ العالمین
 سُورۃ اخلاص کا اختتام

سُورَةُ الْفَلَقِ

Presented by: <https://jafrilibrary.com/>

❖ یہ سُورہ مکہ میں نازل ہوا۔

❖ اس میں ۵ آیات ہیں۔

سُورَةُ فَلَقِ کے مطالب اور اس کی فضیلت

ایک جماعت کا نظریہ یہ ہے کہ یہ سورہ نازل ہوا اگرچہ سترین کی ایک دوسری جماعت اسے منیٰ بکھتی ہے۔ اس سورہ کے مطالب ایسی تعلیمات ہیں جو خدا نے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بالخصوص، اور سب ممالک کو بالعموم، تمام اشرار کے شر سے، اس کی ذات پاک سے پناہ مانگنے کے سلسلہ میں دی ہیں، تاکہ خود کو اس کے سپرد کر دیں اور اس کی پناہ میں ہر صاحب شر موجود کے شر سے امان میں رہیں۔

اس سورہ کے شان نزول کے بارے میں اکثر کتب تفاسیر میں کچھ روایات نقل ہوئی ہیں جن کے مطابق بعض یہودیوں نے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر جادو کر دیا تھا، جس سے آپ بیمار ہو گئے تھے۔ جبریل نازل ہوئے اور جس کنویں میں جادو کے آلات چھپائے ہوئے تھے اُس جگہ کی نشان دہی کی، اسے باہر نکالا گیا، پھر اس سورہ کی تلاوت کی تو پیغمبر (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی حالت بہتر ہو گئی۔

لیکن مرحوم طبرسی اور بعض دوسرے محققین نے اس قسم کی روایات کو، جن کی سند صرف "ابن عباس" اور عائشہ تک منتہی ہوتی ہے، قابل اعتراض سمجھا ہے اور درست قرار نہیں دیا، کیونکہ :

اولاً : یہ سورہ مشہور قول کے مطابق کہی ہے اور اس کا لب و لہجہ بھی مکی سورتوں والا ہے، جب کہ پیغمبرؐ کا یہودیوں سے واسطہ مدینہ میں پڑا اور خود یہی بات اس قسم کی روایات کی عدم اصالت کی ایک دلیل ہے۔

دوسری طرف اگر پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر جادوگر اتنی آسانی کے ساتھ جادو کر لیا کریں کہ وہ بیدار نہ ہوں اور بستر علالت پر دراز ہو جائیں تو پھر یہ بھی ممکن ہے کہ وہ آپ کے عظیم ہدف اور مقصد سے آسانی سے روک دیں۔ مسئلہ طور پر وہ خدا جس نے آپ کو اس قسم کی باوریت اور عظیم رسالت کے لیے بھیجا ہے، وہ آپ کو جادوگروں

کے جادو کے نفوذ سے بھی محفوظ رکھے گا تاکہ نبوت کا بلند مقام ان کے ہاتھ میں باز بھی اٹھال نہ بنے۔
 سوم اگر یہ مان لیا جائے کہ جادو پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جسم میں اثر انداز ہو سکتا ہے، تو پھر ممکن ہے کہ لوگوں کے ذہن میں یہ وہم پیدا ہو جائے کہ جادو آپ کی نوح میں بھی اثر انداز ہو سکتا ہے، اور یہ ممکن ہے کہ آپ کے افکار جادو گروں کے جادو کا شکار ہو جائیں۔ یہ معنی پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر اعتماد کی اصل کو عام لوگوں کے افکار میں متزلزل کر دیں گے۔

اس لیے قرآن مجید اس معنی کی نفی کرتا ہے کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر جادو کیا گیا ہو، فرماتا ہے: وَقَالَ الظَّالِمُونَ اِنْ تَتَّبِعُونَ اِلٰهًا مَّسْحُورًا اَنْظِرُوْا لَكُمْ اَلْاَمَثَالَ فَضَلُّوْا فَلَا يَسْتَطِيعُوْنَ سَبِيْلًا۔
 ”اور ظالموں نے کہا تم تو ایک سحر زدہ شخص کی پیروی کرتے ہو، دیکھو تو سہی! تیرے لیے انہوں نے کیسی کیسی مثالیں بیان کی ہیں اور ایسے گمراہ ہوئے ہیں کہ راستہ پا ہی نہیں سکتے“ (فرقان - ۱۰۸)
 ”مسحور“ چاہے یہاں اس شخص کے معنی میں ہو جس پر عقلی لحاظ سے جادو کیا گیا ہو یا اس کے جسم پر دونوں صورتوں میں ہمارے مقصود پر دلالت کرتا ہے۔

بہر حال ایسی مشکوک روایات کے ساتھ مقام نبوت کی قدرت پر اعتراض نہیں کیا جاسکتا اور نہ ہی فہم آیات کھیلے ان پر تکبیر کیا جاسکتا ہے۔
 Presented by: <https://jafrilibrary.com/>

اس سورہ کی فضیلت میں پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نقل ہوا ہے، آپ نے فرمایا:
 ”انزلت علی آیات لم یمنزل مشاھن: الموعودتان“

”مجھ پر ایسی آیتیں نازل ہوئی ہیں کہ ان کی مثل اور مانند اور نازل نہیں ہوئیں الا وہ دو سورتیں ”فلق“ اور ”ناس“ ہیں۔

ایک اور حدیث میں امام محمد باقر علیہ السلام سے آیا ہے:

”جو شخص نماز ”وتر“ میں سورہ ”فلق“ و ”ناس“ اور قل صواعق احدہ کو پڑھے گا، تو اس کو یہ کہا جائے گا کہ اے بندہ خدا تجھے بشارت ہو، خدا نے تیری ناز و در قبول کر لی ہے۔“

ایک روایت میں پیغمبر اکرم سے بھی آیا ہے کہ آپ نے اپنے ایک صحابی سے فرمایا:
 ”کیا تو چاہتا ہے کہ میں تجھے ایسی دو سورتوں کی تعلیم دوں جو قرآن کی سورتوں میں سب سے

زیادہ افضل و برتر ہیں؟

اس نے عرض کیا: ہاں! اے رسول اللہ۔ تو حضرت نے اُسے موعودتین (سورہ فلق و ناس) کی تعلیم دی۔ اس کے بعد ان دونوں کی ناز صبح میں قرأت کی اور اس سے فرمایا، جب تو بیدار ہو یا سونے لگے تو ان کو پڑھا کر۔ یہ بات واضح ہے کہ یہ سب کچھ ان لوگوں کے لیے ہے جو اپنی نوح و جان اور عقیدہ و عمل کو اس کے مطالب کے ساتھ ہم آہنگ کریں۔

(حاشیہ بات اگلے صفحہ پر ملاحظہ ہو)

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

- ۱۔ قُلْ أَعُوذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ ۝
- ۲۔ مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ ۝
- ۳۔ وَمِنْ شَرِّ غَاسِقٍ إِذَا وَقَبَ ۝
- ۴۔ وَمِنْ شَرِّ النَّفَّاثِ فِي الْعُقَدِ ۝
- ۵۔ وَمِنْ شَرِّ حَاسِدٍ إِذَا حَسَدَ ۝

Presented by: <https://jafrilibrary.com/>

ترجمہ

شروع اللہ کے نام سے جو رحمان و رحیم ہے

- ۱۔ کہہ دیجئے میں سفید صبح کے پروردگار کی پناہ مانگتا ہوں۔
- ۲۔ ان تمام چیزوں کے شر سے جو اُس نے پیدا کی ہیں۔
- ۳۔ اور ہر مزاحمت کرنے والے موجود کے شر سے جب کہ وہ وارد ہو۔
- ۴۔ اور اُن کے شر سے جو گمراہوں میں دھمکرتے ہیں۔ (اور ہر طرح کے ارادہ کو مکرور کر دیتے ہیں)۔

(ما شیخ محمد بن سنی)

۱۔ "نور المشتلین" جلد ۵ ص ۷۱۶ و "معجم البیان" جلد ۱۰ ص ۵۶۷

۲۔ "نور المشتلین" جلد ۵ ص ۷۱۶ و "معجم البیان" جلد ۱۰ ص ۵۶۷

۵۔ اور ہر حد کرنے والے کے حد سے جب وہ حد کرے۔

تفسیر

میں سپید صبح کے پروردگار کی پناہ مانگتا ہوں۔

قرآن اس سورہ کی پہلی آیت میں خود پیغمبر کو ایک نمونہ اور پیشوا کے عنوان سے اس طرح حکم دیتا ہے: کہہ دیجئے، میں سفید صبح کے پروردگار سے پناہ مانگتا ہوں جو رات کی سیاہی کو چیر دیتا ہے۔ (قل اعوذ برب الفلق)۔ ان تمام چیزوں کے شر سے جو اس نے پیدا کی ہیں۔ (من شر ما خلق)۔ تمام شریر موجودات کے شر سے، شریر انسانوں سے، جنوں، حیوانات، شر کے پیش آنے والے دانت اور نفسِ امارہ کے شر سے۔

”فلق“ (بروزن شفق) ”فلق“ (بروزن خلق) کے مادہ سے اصل میں کسی چیز میں شکاف کرنے اور ایک کو دوسرے سے جدا کرنے کے معنی میں ہے، اور چونکہ سفید صبح کے چھوٹنے کے وقت رات کا سیاہ پردہ چاک ہو جاتا ہے۔ لہذا یہ لفظ طلوع صبح کے معنی میں استعمال ہوا۔ جیسا کہ ”فجر“ کا بھی اسی مناسبت سے طلوع صبح پر اطلاق ہوتا ہے۔

بعض اسے تمام موالید اور تمام زندہ موجودات کے معنی میں سمجھتے ہیں، چاہے وہ انسان ہو یا حیوان و نباتات کیونکہ ان موجودات کا پیدا ہونا، جو دانہ یا گٹھلی وغیرہ کے شکاف سے ہونے سے صورت پذیر ہوتا ہے، وجود کے عجیب ترین مراحل میں سے ہے اور حقیقت میں تولد کے وقت اس موجود میں ایک عظیم محرک زودنا ہوتا ہے اور وہ ایک عالم سے دوسرے عالم میں قدم رکھتا ہے۔

سورہ انفصام کی آیہ ۹۵ میں آیا ہے: ان الله فلق الحب والتوى يخرج الحي من البیت ومخرج المیت من الحي۔ ”خدا دانہ اور گٹھلی کا شکاف کرنے والا ہے، جو زندہ کو مردہ سے اور مردہ کو زندہ سے خارج کرتا ہے۔ بعض نے ”فلق“ کے مفہوم کو اس سے بھی زیادہ وسیع معنی میں لیا ہے اور اس کا ہر قسم کی آفرینش و خلقت پر اطلاق کیا ہے، کیونکہ ہر موجود کی آفرینش و خلقت سے عدم کا پردہ چاک ہو جاتا ہے، اور وجود کا نور ظاہر و آشکار ہو جاتا ہے۔

ان تینوں معانی (طلوع صبح، زندہ موجودات کا تولد، اور ہر موجود کی خلقت و آفرینش) میں سے ہر ایک عجیب و غریب وجود میں آنے والی چیز ہے جو پروردگار اور اس کے خالق و مدبر کی عظمت کی دلیل ہے، اور اس وصف کے ساتھ خدا کی توصیف ایک عمیق مفہوم و مطلب رکھتی ہے۔

بعض احادیث میں یہ بھی آیا ہے کہ "فلق" دوزخ میں ایک کنواں یا زمان ہے اور وہ جہنم کے وسط میں ایک شکاف کی مانند دکھائی دیتا ہے۔

یہ روایت ممکن ہے اس کے مصداق میں سے ایک مصداق کی طرف اشارہ ہو، لیکن یہ "فلق" کے وسیع مفہوم کو محدود نہیں کرتی۔

"من مشر ما خلق" کی تعبیر کا یہ مفہوم نہیں ہے کہ آفرینش و خلقت الہی اپنی ذات میں کوئی شریکتی ہے کیونکہ آفرینش خلقت تو ایک ایجاد ہی ہے، اور ایجاد وجود خیر محض میں، قرآن کتاب ہے: "الذی احسن کل شیء خلقتہ" وہی خدا جس نے جس چیز کو بھی پیدا کیا بہتر اور زیادہ سے زیادہ اچھا کر کے پیدا کیا " (الم سجدہ - ۷۰) بلکہ شر اس وقت پیدا ہوتا ہے جب مخلوقات قوانین آفرینش سے منحرف ہو جائیں اور معینہ راستے سے الگ ہو جائیں مثلاً ذنبک اور جانوروں کے کاٹنے والے دانت ایک دفاعی حربہ ہیں، جنہیں وہ اپنے دشمنوں کے مقابلہ میں استعمال کرتے ہیں اب اگر یہ ہتھیار اپنے موقع و محل پر استعمال ہوں تو خیر ہی خیر ہیں، لیکن اگر یہ بے موقع اور دوست ہی کے مقابلہ میں استعمال ہونے لگیں تو پھر شر اور برائی ہیں۔

بہت سے ایسے امور ہیں، جنہیں ہم ظاہر میں شر سمجھتے ہیں، لیکن وہ باطن میں خیر ہیں، مثلاً بیدار کرنے والے اور ہوشیار و خبردار کرنے والے حوادث بلائیں اور مصائب، جو انسان کو خواب غفلت سے بیدار کر کے خدا کی طرف متوجہ کرتے ہیں، یہ سلسلہ طور پر شر نہیں ہیں۔

اس کے بعد اس مطلب کی توضیح و تفسیر میں مزید کتاب ہے: "اور ہر مزاحمت کرنے والے موجود کے شر سے جب کہ وہ وارد ہوتا ہے" (ومن شر غاسق اذا وقب)۔

"غاسق" "عسق" (بروزن مشتق) کے مادہ سے "مفردات" میں "راغب" کے قول کے مطابق، رات کی ظلمت کی اس شدت کے معنی میں ہے جو آدھی رات کے وقت ہوتی ہے، اسی لیے قرآن مجید نماز مغرب کے اعتقاد کے وقت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرماتا ہے: "الی عسق اللیل" اور یہ جو لغت کی بعض کتابوں میں "عسق" کی آغاز شب کی تاریکی کے معنی میں تفسیر ہوئی ہے، بعید نظر آتا ہے، خصوصاً جب کہ اس کا اصلی ریشہ جزا، امتلا (پُر ہونے) اور بھنے کے معنی میں ہے، اور سلسلہ طور پر رات کی تاریکی اس وقت زیادہ یعنی پُر اور لمبز ہوتی ہے جب آدھی رات ہو جائے۔ اس کے مقابلہ میں سے ایک، جو اس معنی کا لازمہ ہے، ہجوم کرنا اور حملہ آور ہونا ہے، اس لیے یہ اس معنی میں بھی استعمال ہوا ہے۔

اس بنا پر زیر بحث آیت میں "غاسق" کا معنی یا تو حملہ کرنے والا شخص ہے، یا ہر وہ شریر موجود ہے جو حملہ کرنے کے لیے رات کی تاریکی سے فائدہ اٹھاتا ہے، کیونکہ نہ صرف دوزخ اور ذنبک مارنے والے جانور ہی رات کے وقت اپنے بطن اور شکموں سے باہر نکل آتے ہیں، بلکہ شریر دنیا پاک اور پلید افراد بھی اپنے بُرے مقاصد کیلئے عام طور پر رات کی تاریکی سے فائدہ اٹھاتے ہیں۔

”وقب“ (بروزن شفق) ”وھبک“ (بروزن نقب) کے مادہ سے گڑھے اور خندق کے معنی میں ہے۔ اس کے بعد اس کا فعل گڑھے میں داخل ہونے کے معنی میں استعمال ہونے لگا۔ گویا شریر اور نقصان پہنچانے والے موجودات رات کی تاریکی سے فائدہ اٹھاتے ہوئے نقصان پہنچانے والے گڑھے کھود کر اپنے پلید اور گندے مقاصد کو پورا کرنے کے لیے اقدام کرتے ہیں۔ یا یہ ہے کہ یہ تعبیر ”نفوذ کرنے“ کی طرف اشارہ ہے۔

اس کے بعد مزید کہتا ہے: ”اور ان کے شر سے جو گرجوں میں دم کرتے ہیں“ (ومن شر النفاثات

فی العقد)۔

”نفاثات“ ”نفث“ (بروزن جس) کے مادہ سے اصل میں تھوڑی سی مقدار میں تھوکنے کے معنی میں ہے۔ اور چونکہ یہ کام پھونک مارنے کے ساتھ انجام پاتا ہے، لہذا ”نفث“ ”نفخ“ (پھونکنے اور دم کرنے) کے معنی میں بھی آیا ہے۔

لیکن بہت سے مفسرین نے ”نفاثات“ کی ”جادوگر عورتوں“ کے معنی میں تفسیر کی ہے۔ (نفاثات جمع مونث) اور اس کا مفرد ”نفاثۃ“ ”نفث“ کے مادہ سے صیغہ مبالغہ ہے) وہ عورتیں کچھ اوراد پڑھتی تھیں اور گرجوں پر دم کیا کرتی تھیں۔ اور اس طرح وہ جادو کرتی تھیں، لیکن کچھ لوگ اسے دوسرے پیدا کرنے والی عورتوں کی طرف اشارہ سمجھتے ہیں جو مسلسل مردوں کے، خصوصاً اپنے شوہروں کے قاتل بھرتی رہتی تھیں، تاکہ مثبت کاموں کے انجام دینے میں ان کے آئینی عزم کو کمزور کر دیں اور اس قسم کی عورتوں کے دوسروں نے طول تاریخ میں کیسے کیسے حوادث پیدا کیے، کیسی کیسی آگ بھڑکائی، اور کیسے کیسے استوار و مضبوط ارادوں کو کمزور کر کے رکھ دیا۔

”فقر رازی“ کہتا ہے، عورتیں مردوں کے دلوں میں اپنی محبت کے نفوذ کی بنا پر تصرف کر لیتی ہیں۔

یہ معنی ہمارے زمانہ میں ہر وقت سے زیادہ ظاہر ہے کیونکہ دنیا کے سیاست دانوں میں جاسوسوں کے نفوذ کرنے کا ایک اہم ترین ذریعہ جاسوس عورتوں سے فائدہ اٹھانا ہے، کیونکہ ان ”نفاثات فی العقد“ کے ذریعے پوشیدہ عیوول کے صندوقوں کے تالے کھل جاتے ہیں اور وہ انتہائی مرموز اور پوشیدہ مسائل سے باخبر ہو جاتی ہیں، اور انہیں دشمن کے حوالے کر دیتی ہیں۔

بعض نے نفاثات کی ”نفوس شریرہ“ یا ”دوسرے پیدا کرنے والی جماعتوں“ کے ساتھ بھی تفسیر کی ہے جو اپنے مسلسل پروپیگنڈوں کے ذریعے پختہ ارادوں کی گرجوں کو کمزور کر دیتے ہیں۔

بعید نہیں ہے کہ یہ آیت ایک عام اور جامع مضمون رکھتی ہو جو ان تمام معانی کو شامل ہو، یہاں تک کہ سخن چینی کرنے والوں اور چٹل خوردوں کی باتوں کو بھی، جو محبت کے مراکز کو سست، کمزور اور دیران کر دیتے ہیں۔

البتہ یہ بات قابل توجہ ہے کہ سابقہ شان نزول سے قطع نظر، آیت میں کوئی ایسی نشانی موجود نہیں ہے کہ اس سے خصوصیت کے ساتھ جادوگر عورتوں کا جادو مراد ہو اور بالفرض اگر ہم آیت کی اس طرح تفسیر بھی کریں، تو بھی یہ اس شان نزول کی صحت

پر دلیل نہیں ہوگی۔ بلکہ یہ اس بات کی دلیل ہوگی کہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جادو گروں کے شر سے خدا کی پناہ مانگ رہے ہیں۔ ٹھیک اسی طرح سے جیسے صبح و سالم افراد سرطان کی بیماری سے پناہ مانگتے ہیں، چاہے وہ ہرگز بھی اس میں مبتلا نہ ہوئے ہوں۔

اس سورہ کی آخری آیت میں فرماتا ہے: اور ہر حسد کرنے والے کے شر سے جب وہ حسد کرے: (ومن شر جاسد اذا حسد)۔

یہ آیت اس بات کی نشان دہی کرتی ہے کہ حسد بدترین اور قبیح ترین صفاتِ رذیلہ میں سے ہے، کیونکہ قرآن نے اسے درندہ جانوروں، ڈسنے والے سانپوں اور دوسرے ڈالنے والے شیاطین کے کاموں کے ساتھ قرار دیا ہے۔

چند نکات

۱۔ شر و فساد کے اہم ترین سرچشمے

اس سورہ کے آغاز میں پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حکم دیتا ہے کہ وہ تمام شرعی مخلوقات کے شر سے خدا کی پناہ مانگیں، اس کے بعد اس کی وضاحت میں تین قسم کے شر کی طرف اشارہ کرتا ہے:

- ۱۔ ان تاریک دل حملہ کرنے والوں کے شر سے جو تاریکیوں سے فائدہ اٹھاتے ہوئے حملہ آور ہوتے ہیں۔
- ۲۔ ان دوسرے پیدا کرنے والوں کے شر سے جو اپنی باتوں اور بُرے پروپیگنڈوں سے، ارادوں، ایمانوں وغیرہ محبتوں اور رشتوں کو سُست اور کمزور کر دیتے ہیں۔
- ۳۔ اور حسد کرنے والوں کے شر سے۔

اس اجمال و تفصیل سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ بڑے بڑے شرور و آفات کا سرچشمہ بھی ہیں، اور شر و فساد کے اہم ترین منابع بھی تینوں ہیں۔ اور یہ بات بہت ہی پُر معنی اور قابلِ غور ہے۔

۲۔ آیات کا تناسب

قابلِ توجہ بات یہ ہے کہ اس سورہ کی پہلی آیت میں پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حکم دیتا ہے کہ شر والی تمام موجودات کے شر سے "فلق" کے پردہ دگار سے پناہ مانگ۔ یہاں "فلق" کا انتخاب شاید اس بنا پر ہے کہ شریر موجودات سلامتی و ہدایت کے نور اور روشنی کو منقطع کر دیتے ہیں، لیکن فلک کا پردہ دگار ظلمتوں اور تاریکیوں کو شکافِ فتنہ کرنے والا ہے۔

۳۔ جادو کی تاثیر

ہم نے پہلی جلد میں، سورہ بقرہ کی آیہ ۱۰۲ و ۱۰۳ کے ذیل میں، گزشتہ اور موجودہ زمانہ میں جادو کی حقیقت

کے بارے میں، اور اسلام کی نظر میں جادو کے حکم، اور اس کے اثر کرنے کی کیفیت کے سلسلے میں تفصیلی بحث کی ہے۔ اور ان مباحث میں ہم نے جادو کی تاثیر کو اجمالی طور پر قبول کیا ہے، لیکن اس ضرورت میں نہیں، جیسا کہ خیالی پلاؤ پکڑنے والے، اور بیودہ لوگ اس کے بارے میں باتیں کرتے ہیں۔ زیادہ وضاحت کے لیے اسی بحث کی طرف رجوع کریں۔ لیکن وہ نکتہ جس کا ذکر کرنا یہاں ضروری ہے یہ ہے کہ اگر وہ زیر بحث آیات میں پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ حکم دے رہا ہے کہ جادو گدوں کے جادو یا اس کے مانند چیزوں سے خدا کی پناہ مانگو تو اس کا یہ منہوم نہیں ہے کہ پیغمبر انہوں نے جادو کر دیا تھا۔ بلکہ اس کی ٹھیک مثال یہ ہے کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہر قسم کی غلطی اور خطا و غلطی سے بھی خدا کی پناہ مانگتے تھے۔ یعنی خدا کے لطف سے استفادہ کرتے ہوئے ان خیرات سے بچتے رہیں۔ اور اگر خدا کا لطف نہ ہوتا تو آپ پر جادو کے اثر کرنے کا امکان تھا۔ یہ بات تو ایک طرف رہی۔ دوسری طرف ہم پہلے ہی یہ بیان کر چکے ہیں کہ اس بات کے لیے کوئی دلیل نہیں ہے کہ "النفثات فی القعد" سے مراد جادوگر ہوں۔

۴۔ حاسدوں کا شر

"حسد" ایک بڑی شیطانی عادت ہے جو نعمت و اہل جیسے ایمان کی کمزوری، تنگ نظری اور بخل کی وجہ سے انسان میں پیدا ہو جاتی ہے اور اس کا مطلب دوسرے شخص کی نعمت کے زوال کی درخواست اور آرزو کرنا ہے۔ حسد بہت سے گناہان کبیرہ کا سرچشمہ ہے۔ حسد، جیسا کہ روایات میں وارد ہوا ہے، انسان کے ایمان کو کھا جاتا ہے اور اُسے ختم کر دیتا ہے، جیسا کہ آگ لکڑی کو کھا جاتی ہے۔

جیسا کہ امام محمد باقر علیہ السلام فرماتے ہیں:

"ان الحسد لیأکل الایمان کما تأکل النار الحطب" ۱

ایک اور حدیث میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے آیا ہے:

"أفة الدين الحسد والعجب والفخر"

"حسد" خود کو بڑا سمجھنا اور ایک دوسرے پر "فز" کرنا، دین کے لیے آفت ہے۔ ۲

اس کی وجہ یہ ہے کہ حسد کرنے والا حقیقت میں خدا کی حکمت پر اعتراض کرتا ہے کہ اس نے کچھ افراد کو نعمت سے کیوں نوازا ہے؟ اور انہیں اپنی عنایت کا مشمول کیوں قرار دیا ہے؟ جیسا کہ سورۃ نسا کی آیہ ۵۴ میں آیا ہے: "لِمَ یحسدون الناس علی ما آتاهم اللہ من فضله۔"

۱۔ "بحار الانوار" جلد ۴۳، ص ۲۳۷

۲۔ "بحار الانوار" جلد ۴۳، ص ۲۴۸

حسد کا معاملہ ممکن ہے کہ اس حد تک پہنچ جائے کہ مسود سے نعمت کے زوال کے لیے حاسد خود کو پانی اور آگ تک میں ڈال کر نابود کر لے، جیسا کہ اس کے نمونے داستانوں اور تواریخ میں مشہور ہیں۔
حسد کی مذمت میں بس یہی کافی ہے کہ دنیا میں جو سب سے پہلا قتل ہوا وہ "قابیل" کی طرف سے "ہابیل" پر "حسد" کرنے کی وجہ سے ہوا تھا۔

• حسد کرنے والے ہمیشہ ہی انبیاء و اولیاء کی راہ میں رکاوٹیں ڈالتے رہے ہیں، اسی لیے قرآن مجید پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ حکم دے رہا ہے کہ وہ حاسدوں کے شر سے خدا اور ربیت فلق سے پناہ مانگیں۔
اگرچہ اس سورہ میں اور بعد والے سورہ میں خود پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات مخاطب ہے، لیکن مسلمہ طور پر اس سے نمونہ اور اسوہ مراد ہے، اور سب لوگوں کو حاسدوں کے شر سے خدا کی پناہ مانگنی چاہیے۔

خداوند! ہم بھی حاسدوں کے شر سے تیری مقدس ذات سے پناہ مانگتے ہیں۔
پروردگارا! ہم تجھ سے یہ درخواست کرتے ہیں کہ تُو ہمیں بھی دوسروں پر حسد کرنے سے محفوظ رکھ۔
بارِ الہا! ہمیں نقائصات فی العقید اور راہ حق میں دوسرے ڈالنے والوں کے شر سے بھی محفوظ رکھ۔

اَللّٰہُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ عَلٰی سَائِرِ الْعَالَمِیْنَ

اختتام سورۃ فلق

سُورَةُ النَّاسِ

❖ یہ سُورہ مکہ میں نازل ہوا۔

❖ اس میں ۶ آیات ہیں۔

Presented by: <https://jafrilibrary.com/>

سُورَةُ النَّاسِ کے مطالب اور اس کی فضیلت

انسان ہمیشہ انسانی دوسوں کی زد میں ہے اور شیاطین جن و انس کی یہ کوشش رہتی ہے کہ وہ اس کے قلب و نوح میں نفوذ کریں۔ انسان کا مقام علم میں جتنا بالا ہوتا جاتا ہے اور اس کی حیثیت اجتماع اور معاشرے میں جتنی بڑھتی جاتی ہے شیاطین کے دوسے اتنے ہی زیادہ شدید ہوتے چلے جاتے ہیں، تاکہ اس کو راہ حق سے غفلت کر دیں اور ایک دانش ور عالم کے فساد و غرانی سے سارے جہان کو تباہ و برباد کر ڈالیں۔

یہ سورہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ایک نمونہ و اسوہ کے طور پر اور پیشوا و رہبر کی حیثیت سے یہ حکم دے رہی ہے کہ تمام دوسرے ڈالنے والوں کے شر سے خدا کی پناہ طلب فرمائیں۔

اس سورہ کے مطالب ایک لحاظ سے سورہ "فلق" سے مشابہ ہیں، اور دونوں میں ہی شرور و آفات سے خداوند بزرگ کی پناہ مانگنے کو بیان کیا گیا ہے، اس فرق کے ساتھ کہ سورہ فلق میں شرور کے مختلف انواع و اقسام بیان کیے گئے ہیں، لیکن اس سورہ میں صرف نظر نہ آنے والے دوسرے (وسواس الخناس) پر تکیہ ہوا ہے۔

اس بارے میں بھی کہ یہ سورہ مکہ میں نازل ہوا ہے یا مدینہ میں، مفسرین کے درمیان اختلاف ہے۔ ایک گروہ اسے "مکی" سمجھتا ہے جب کہ دوسری جماعت اسے "مدنی" شمار کرتی ہے۔ لیکن اس کی آیات کالب و لجنہ کی سُورۃوں سے زیادہ ملتا جلتا ہے۔

اس بات کی طرف توجہ کرتے ہوئے کہ روایات کے مطابق یہ سورہ اور سورہ فلق لکھے نازل ہوئے ہیں، اور سورہ فلق ایک کثیر جماعت کے نظریہ کے مطابق لکھی ہے چنانچہ بہت ممکن ہے کہ یہ سورہ مکی ہی ہو۔

اس سورہ کی تلاوت کی فضیلت میں بہت سی روایات وارد ہوئی ہیں، منجملہ ان کے ایک یہ ہے کہ ایک

حدیث میں آیا ہے کہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سخت بیمار پڑ گئے تو (خدا کے دو عظیم فرشتے) جبریل و میکائیل آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آئے۔ جبریل تو پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سر کی طرف بیٹھ گئے اور میکائیل پاؤں کی طرف۔ جبریل نے سورہ "فلق" کی تلاوت کی اور پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس کے ذریعے خدا کی پناہ میں دے دیا اور میکائیل نے سورہ "قل اعوذ برب الناس" کی تلاوت کی۔ یہ ایک روایت میں جو لام تھم باقر علیہ السلام سے نقل ہوئی اور ہم اس کی طرف پہلے بھی اشارہ کر چکے ہیں، یہ آیا ہے کہ :

"جو شخص نماز وتر میں "معوذتین" (سورہ فلک و ناس) اور "قل هو اللہ احد" کی تلاوت کرے گا تو اس سے کہا جائے گا، اے بندہ خدا! تجھے بشارت ہو کہ خدا نے تیری نماز وتر کو قبول کر لیا ہے!"

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

- ۱۔ قُلْ أَعُوذُ بِرَبِّ النَّاسِ ۝
- ۲۔ مَلِكِ النَّاسِ ۝
- ۳۔ إِلَهِ النَّاسِ ۝
- ۴۔ مِنْ شَرِّ الْوَسْوَاسِ الْخَنَّاسِ ۝
- ۵۔ الَّذِي يُوَسْوِسُ فِي صُدُورِ النَّاسِ ۝
- ۶۔ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ ۝

ترجمہ

- شروع اللہ کے نام سے جو رحمان و رحیم ہے
- ۱۔ کہہ دیجئے میں لوگوں کے پروردگار کی پناہ مانگتا ہوں۔
 - ۲۔ لوگوں کے مالک و حاکم کی۔
 - ۳۔ لوگوں کے خدا اور معبود کی۔
 - ۴۔ خناس کے دوسروں کے شر سے
 - ۵۔ جو انسانوں کے سینوں میں دوسرے ڈالتا ہے۔
 - ۶۔ چلے وہ جنات میں سے ہو یا انسانوں میں سے۔

تفسیر لوگوں کے پروردگار کی پناہ مانگتا ہوں

اس سورہ میں، جو قرآن مجید کا آخری سورہ ہے، لوگوں کے لیے نمونہ اور پیشوا ہونے کے لحاظ سے خود بخیر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف نودائے سخن کرتے ہوئے فرماتا ہے: ”کہہ دیجئے، میں لوگوں کے پروردگار کی پناہ مانگتا ہوں۔“ (قل اعوذ برب الناس)۔

”لوگوں کے مالک و حاکم کی۔“ (ملك الناس)۔

”لوگوں کے خدا و معبود کی۔“ (الله الناس)۔

قابل توجہ بات یہ ہے کہ یہاں خدا کے عظیم اوصاف میں سے تین اوصاف (ربوبیت، ملکیت اور الوہیت) کا ذکر ہوا ہے جو سب کی سب براہ راست انسان کی تربیت اور دوسرے ڈالنے والوں کے چنگل سے نجات کے ساتھ ارتباط رکھتی ہیں۔

البتہ خدا سے پناہ مانگنے سے مراد یہ نہیں ہے کہ انسان صرف زبان سے یہ جملہ کہے، بلکہ فکر و نظر اور عقیدہ و عمل کے ساتھ بھی انسان خود کو خدا کی پناہ میں قرار دے۔ شیطان راستوں، شیطان پروگراموں، شیطان افکار و تبلیغات، شیطان مجاس و محافل سے خود کو دور رکھے، اور رحمانی افکار و تبلیغات کے راستے کو اختیار کرے۔ ورنہ وہ انسان جو عملی طور پر ان دوسروں کے طوفان میں ٹھرا رہے گا وہ صرف اس سورہ کے پڑھنے اور ان الفاظ کے کہنے سے کہیں نہیں بچے گا۔

وہ ”رب الناس“ کہنے کے ساتھ پروردگار کی ربوبیت کا اعتراف کرتا ہے اور خود کو اس کی تربیت میں قرار دیتا ہے۔

”ملك الناس“ کہنے سے خود کو اس کی ملکیت سمجھتا ہے اور اس کے فرمان کا بندہ ہو جاتا ہے۔

اور ”الله الناس“ کے کہنے سے اس کی عبودیت کے راستہ میں قدم رکھ دیتا ہے اور اس کے غیر کے عجبوں سے پرہیز کرتا ہے۔ اس میں شک نہیں ہے کہ جو شخص ان تینوں صفات پر ایمان رکھتا ہو اور خود کو ان تینوں کے ساتھ ہم آہنگ کر لے، وہ دوسرے ڈالنے والوں کے شر سے امان میں رہے گا۔

درحقیقت یہ تینوں اوصاف ہمیں اہم تربیتی دوس، پیش رفت کے تین پروگرام اور دوسرے ڈالنے والوں کے شر سے نجات کے تین ذریعے ہیں اور یہ سورہ انسان کا ان کے مقابلہ میں بیمہ کر دیتا ہے۔

اسی لیے بعد والی آیت میں مزید کہتا ہے: ”دوسرے ڈالنے والے خناس کے شر سے“ (من مشرق لوسواس الخناس)۔

”وہی جو انسانوں کے سینوں میں دوسرے ڈالتے ہیں“ (الذی یوسوس فی صدور الناس)۔

”جنوں اور انسانوں میں سے دوسرے ڈالنے والے“ (من الجنة والناس)۔

”وسواس“ کا لفظ ”مفردات“ میں ”ناغب“ کے قول کے مطابق اصل میں ایسی آہستہ آواز ہے جو آلات زینت کے آپس میں ٹکرانے سے پیدا ہوتی ہے۔

اس کے بعد ہر آہستہ آواز پر بولا جائے گا۔ اور اس کے بعد ایسے نامطلوب اور بُرے افکار و خیالات پر جو انسان کے دل و جان میں پیدا ہوتے ہیں، اور ایسی آہستہ آواز کے مشابہ جو کان میں کہی جاتی ہے، اطلاق ہوا ہے۔ ”وسواس“ مصدری معنی رکھتا ہے، لیکن بعض اوقات ”فاعل“ (دوسرے ڈالنے والا) کے معنی میں بھی آتا ہے اور زیر بحث آیت میں یہی معنی ہے۔

”ختاس“ ”خنوس“ (بروزن خوف) کے مادہ سے، صیغہ مبالغہ ہے، جو جمع ہونے اور پیچھے جانے کے معنی میں ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جب خدا کا نام لیا جاتا ہے تو شیاطین پیچھے ہٹ جاتے ہیں اور چونکہ یہ کام پنہاں ہونے کے ساتھ قوام ہے، لہذا یہ لفظ ”اختفاه“ کے معنی میں بھی آیا ہے۔

اس بنا پر آیات کا مفہوم اس طرح ہوگا: ”کہہ دیجئے میں شیطان صفت دوسرے ڈالنے والے کے شر سے جو خدا کے نام سے بھاگتا ہے اور پنہاں ہو جاتا ہے، خدا کی پناہ مانگتا ہوں“ اصولاً ”شیاطین“ اپنے پروگراموں کو چھپ کر کرتے ہیں اور بعض اوقات انسان کے دل کے کان میں اس طرح سے پھونک مارتے ہیں کہ انسان یہ یقین کر لیتا ہے کہ یہ فکر خود اسی کی فکر ہے اور خود اسی کے دل میں خود بخود پیدا ہوئی ہے، اور یہی بات اس کے بکنے اور گمراہی کا سبب بن جاتی ہے۔

شیاطین کا کام زینت دینا، باطل کو حق کے لعاب میں چھپانا، جھوٹ کو سچ کے چھلکے میں لپیٹ کر گناہ کو عبادت کے لباس میں اور گمراہی کو ہدایت کے سرپوش میں پیش کرنا ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ وہ خود بھی مخفی ہوتے ہیں اور ان کے پروگرام بھی پنہاں ہوتے ہیں، اور یہ راہ حق کے ان تمام رہ روؤں کے لیے ایک تنبیہ ہے جو یہ توقع نہیں رکھتے کہ شیاطین کو ان کے اصلی چہرے اور قیافہ میں دیکھیں یا ان کے پروگراموں کو انحرافی شکل میں مشاہدہ کریں۔ سوچنے کی بات ہے، دوسرے ڈالنے والے ختاس ہوتے ہیں اور ان کا کام چھپنا، جھوٹ بولنا، دھوکہ دینا، ریا کاری کرنا، ظاہر سازی اور حق کو پوشیدہ کرنا ہے۔

اگر وہ اصلی چہرے میں ظاہر ہو جائیں، اگر وہ باطل کو حق کے ساتھ نہ ملائیں، اگر وہ صریح اور صاف بات کریں تو علی علیہ السلام کے قول کے مطابق لعل یخف علی الصر تادین: خدا کی راہ پر چلنے والوں پر مطلب مخفی نہ رہتا۔ وہ ہمیشہ ہر حصہ تو ”اس“ سے لیتے ہیں، اور کچھ حصہ ”اس“ سے، اور انہیں آپس میں ملا دیتے ہیں، تاکہ لوگوں پر مستحکم ہو سکیں، جیسا کہ امیر المؤمنین علیہ السلام اسی گفتگو کو جاری رکھتے ہوئے فرماتے ہیں: فھنا لک

یستولی الشیطان اولیائہ

۵۰ خطبہ

”الذی یوسوس فی صدور الناس“ کی تعبیر ”دوسرے کا انتخاب ، اور لفظ ”صدور“ (سینے) بھی اسی معنی کی تاکید ہیں۔

یہ سب کچھ تو ایک طرف ، دوسری طرف سے ”من الجنة والناس“ کا جملہ خبریہ کرتا ہے کہ ”دوسرے“ میں ڈالنے والے خناس ، صرف ایک ہی گروہ ، ایک ہی جماعت ، ایک ہی طبقہ ، اور ایک ہی لباس میں نہیں ہوتے ، بلکہ یہ جن و انس میں پھیلے ہوئے ہیں اور ہر لباس اور ہر جماعت میں پائے جاتے ہیں۔ لہذا ان سب پر نظر رکھنی چاہیئے اور ان سب کے شر سے خدا کی پناہ مانگنی چاہیئے۔

نامناسب دوست ، منحرف ہم نشین ، گمراہ اور ظالم پیشوا ، جبار اور طاغوتی کارندے ، فاسد مترین اور کھنے والے ظاہر فریب العادی والتعالیٰ مکاتب اور اجتماعی طور پر دوسرے ڈالنے والوں کے وسائل ارتباط وغیرہ سب کے سب ”وسواس خناس“ کے وسیع مفہوم میں داخل ہیں کہ جن کے شر سے انسان کو خدا کی پناہ مانگنی چاہیئے۔

چند نکات

۱۔ ہم خدا کی پناہ کیوں مانگتے ہیں ؟

انسان کے لیے ہر لمحہ انحراف کا امکان موجود ہے اور اصولی طور پر جب خدا اپنے پیغمبر کو یہ حکم دے رہا ہے کہ ”وسواس خناس“ کے شر سے خدا کی پناہ مانگیں ، تو یہ خناسوں اور دوسرے ڈالنے والوں کے دام فریب میں گرفتار ہونے کے امکان کی دلیل ہے۔

باجود اس کے کہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لطف الہی ، غیبی امدادوں اور اپنے آپ کو خدا کے سپرد کرنے کی بنا پر ہر قسم کے انحراف سے محفوظ تھے ، لیکن پھر بھی وہ ان آیات کو پڑھتے تھے اور ان کے ذریعے وسواس خناس کے شر سے پناہ مانگتے تھے۔ ان حالات میں دوسروں کا معاملہ واضح و روشن ہے۔

لیکن مایوس ہونے کی ضرورت نہیں ہے ، کیونکہ ان مغرب دوسرے ڈالنے والوں کے مقابلہ میں مومن بندوں اور راہ حق کے رہروں کی مدد کے لیے آسمانی فرشتے آتے ہیں۔ ہاں ! مومن تنہا نہیں ہیں ، فرشتے ان پر نازل ہوتے ہیں اور ان کی مدد کرتے ہیں : ”ان الذین قالوا ربنا اللہ ثم استقاموا تنزل علیہم الملائکۃ“ (مجموعہ ۳۰) لیکن بہر حال مغرور ہرگز نہیں ہونا چاہیئے ، اور خود کو معظوظ و پند و نصائح اور خدائی امدادوں سے بے نیاز نہیں سمجھنا چاہیئے۔ بلکہ ہمیشہ اس سے پناہ مانگنی چاہیئے اور ہمیشہ بیدار اور ہوشیار رہنا چاہیئے۔

۲۔ اس بارے میں کہ تین آیات میں ”ناس“ کا تکرار کیوں ہوا ہے ؟ بعض نے تو یہ کہا ہے کہ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس کا ہر مقام پر الگ الگ معنی ہے۔

لیکن ظاہر یہ ہے کہ یہ خدا کی ان تین صفات کی عمومیت کی تاکید کے لیے ہے اور تینوں مقام پر ایک ہی

معنی رکھتا ہے۔

۲۔ ایک روایت میں پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے آیا ہے :

”ما من مؤمن الا ولقلبه فصدۃ اذنان : اذن ینفث فیہا الملك
واذن ینفث فیہا الوسواس الخناس فیؤید اللہ المؤمن بالملك فهو
قوله سبحانه : وایدهم بروح منه :

”ہر مومن کے دل میں دو کان ہوتے ہیں ، ایک کان میں تو فرشتہ پھونک
مارتا ہے اور دوسرے کان میں وسواس خناس پھونک مارتا ہے ۔ پس خدا مومن
کی فرشتہ کے ذریعے تائید فرماتا ہے ۔ اور آیہ ” وایده بروح منه “ کا
مطلب یہی ہے : ۱

ایک لڑخیز اور پُر معنی حدیث میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے آیا ہے کہ :

” جب آیہ والذین اذا فعلوا فاحشة او ظلموا انفسهم ذکروا اللہ
فاستغفروا لذنوبهم : ” زدہ لوگ جو کبھی کوئی بُرا کام انجام دیتے ہیں ، یا
خود اپنے اوپر ظلم کرتے ہیں تو خدا کو یاد کرتے ہیں ، اور اپنے گناہوں کے لیے
استغفار کرتے ہیں) نازل ہوئی ، تو ابلیس تکہ میں ایک پہاڑ کے اوپر گیا اور اُدھنی
آواز کے ساتھ فریاد بلند کی اور اپنے لشکر کے سرداروں کو جمع کیا ۔

انہوں نے کہا : اے آقا ! کیا ماجرا ہے ، آپ نے ہمیں کیوں بلایا ہے ؟

اس نے کہا : یہ آیت نازل ہوئی ہے (اس آیت نے میری کمر میں لڑخیز پیدا کر دیا ہے اور یہ آیت
جہالت بشر کا باعث) تم میں سے کون ہے جو اس کا مقابلہ کرے ؟

بزرگ شیطانوں میں سے ایک نے کہا : میں ایسا کر سکتا ہوں ، میرا منصوبہ یہ ہے ۔

ابلیس نے اس کے اس منصوبہ کو ناپسند کر دیا ! تو دُور سر اُکھڑا ہوا اور اس نے اپنا منصوبہ پیش کیا ، لیکن یہ بھی
قبول نہ کیا گیا ۔

اس موقع پر ” وسواس خناس کھڑا ہوا اور اس نے کہا ، میں اس کام کو انجام دوں گا ۔

ابلیس نے کہا : وہ کیسے ؟

اس نے کہا : میں انہیں وعدوں اور آرزوؤں میں سرگرم کر دوں گا ، یہاں تک کہ وہ گناہ میں آلودہ ہو جائیں گے ،
جب وہ گناہ کر لیں گے تو میں انہیں توبہ کرنا بھلا دوں گا ۔

ابلیس نے کہا : تو اس کام سے عمدہ برآ ہو سکتا ہے ۔ (تیرا منصوبہ بہت ماہرانہ اور عالی ہے) اور یہ کام قیامت

نیک اس کو سپرد کر دیا۔

خداوند! ہمیں ان سب دوسروں کے والوں کے شر سے اور ختناس کے تمام دوسروں سے محفوظ فرما۔
پروردگارا! دام فریب سخت ہے، اور دشمن بیدار اور اس کے منصوبے مخفی اور پنهان ہیں اور تیرے لطف کے بغیر نجات ممکن نہیں ہے۔

بار الہا! ہم نہیں جانتے کہ اس عظیم نعمت کا شکرتیری بارگاہ میں کس طرح پیش کریں کہ تونے ہم پر یہ احسان کیا ہے اور ہمیں یہ عظیم افتخار اور توفیق عطا فرمائی ہے کہ ہم نے اس وقت تقریباً پندرہ سال کے بعد اس تفسیر کو مکمل کر دیا ہے۔

خدا یا! تو جانتا ہے کہ اس لمحہ ایک ایسی ناقابل توصیف خوشی اور شکر کے ساتھ ملی ہوئی شادمانی ہمارے لئے وجود میں ہو چکی ہے، ایسا احساس جس کی کسی بیان کے ساتھ تشریح اور اس کے شکر کی ہم میں توانائی نہیں ہے، ہم تیری بارگاہ میں ہاتھ اٹھا کر دعا کرتے ہیں۔

آفرید گارا! ممکن ہے ہم سے ان آیات کی تفسیر میں کچھ لغزشیں ہو گئی ہوں، تو وہ سب ہمیں بخش دے اور ہم امید رکھتے ہیں کہ تیرے بندے بھی یہیں بخش دیں گے۔

Presented by: <https://jafrilibrary.com/>

اور آخری جلد میں ہم یہ عرض کرتے ہیں کہ اپنے کرم سے یہ ناچیز خدمت ہم سب سے قبول فرمالے اور اسے اے خدا کے رحیم و مہربان! اپنے کرم سے یہ ناچیز خدمت ہم سب سے قبول فرمالے اور اسے ہماری معاد اور روز جزا کا ذخیرہ قرار دے۔ والحمد لله رب العالمین۔

سورۃ الناس اور جلد ۲ کا اختتام

در تاریخ ۱۳۶۶/۴/۱۲

مطابق آٹھ فریقہ ۱۴۰۷ قمری

تفسیر نمونہ ختم شد

خداوند! تیرا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ تونے اس حقیر پر تفسیر کرم علم و عقل کو یہ توفیق عطا فرمائی کہ تقریباً چھ سال کے عرصہ میں اس تفسیر کا ترجمہ جو رقم مقدس میں شروع ہوا تھا، اور تم ہی میں اپنے مکان پر روز بعد بوقت صبح دس بجکر نو منٹ پر بتایا ۹، ۱۴۰۸ھ مطابق ۵ مئی ۱۹۸۸ء اختتام پذیر ہوا۔ خداوند! ممکن ہے مجھ سے کچھ فروگزاشتیں ہو گئی ہوں تو انہیں معاف فرمائے اور اپنی بارگاہ میں اسے قبول فرما اور میری اور میرے والدین کی آفرت کے لیے اسے ذخیرہ قرار دے اور مومنین اور اہل اسلام کو اس تفسیر سے زیادہ سے زیادہ استفادہ کرنے کی توفیق عنایت فرما، والحمد لله اولاً و آخراً و صلی اللہ علی محمد و آلہ

احقر صفدر حسین
۲۵-۵-۸۸

لے (المیزان جلد ۲۰، ص ۵۵۷)



تَفْسِيرِ نَمُونَهٗ كَا اِخْتِمَامِ



Presented by: <https://jafrilibrary.com/>

مقالہ ساعت آخر عصر روز جمعہ (عید سعید غدیر)

۱۸ ذی الحجہ ۱۴۰۶ھ

۲۲ مرداد ۱۳۶۶

وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ اَوَّلًا وَّ اٰخِرًا





تمام جلدوں کی اجمالی فہرست

اس سے مقصد یہ ہے کہ تفسیر نمونہ کی طرف رجوع کرنے والوں کے کام کی سہولت کے لیے ایک ایسی فہرست پیش کی جائے جس سے یہ معلوم ہو کہ تفسیر نمونہ کی ہر جلد میں کس سورہ اور کن آیات کی تفسیر ہوئی ہے اور انشاء اللہ ایک تفصیلی اور وسیع فہرست (موضوعات کی صورت میں) ایک الگ جلد میں ”راہنمائے تفسیر نمونہ“ کے نام سے بعد میں شائع کی جائے گی۔

جلد اول : سورۃ حمد و سورۃ بقرہ تا آیہ ۱۸۶۔

جلد دوم : سورہ آل عمران اور سورہ نساء

جلد ۳ : سورہ مائدہ اور سورہ انفام

جلد ۴ : سورۃ اعراف، سورۃ الفضل و سورۃ توبہ

جلد ۵ : سورۃ یونس۔ سورہ ہود سورۃ یوسف اور سورۃ زمر

جلد ۶ : سورۃ ابراہیم سورۃ حجر سورہ نحل اور سورۃ اسراء

جلد ۷ : سورۃ کہف۔ سورۃ مریم سورۃ طہ سورۃ انبیاء

اور سورۃ سورۃ حج

جلد ۸ : سورۃ مؤمنون سورۃ نور۔ سورۃ فرقان، سورۃ شعراء اور سورۃ نمل۔

جلد ۹ : سورۃ قصص، سورۃ عنکبوت سورۃ روم سورۃ لقمان، سورۃ الحجر سورۃ سجده

اور سورۃ احزاب۔

جلد ۱۰ : سورۃ سبأ، سورۃ فاطر سورۃ یسین سورۃ صافات، سورۃ ص

جلد ۱۱ : سورۃ زمر سورۃ مؤمن، سورۃ خم سورۃ سجدہ سورۃ شوری سورۃ زخرف

جلد ۱۲ : دُخان، جاثیہ، احقاف، محمد سورۃ فتح، حجرات، ق، ذاریات

جلد ۱۳ : طور، نجم۔ سورۃ قمر، رحمن، واقعہ، حدید، مجادلہ، حشر

سورۃ ممتحنہ، صف، جمعہ، منافقون،



جلد ۱۴: تنابن، طلاق، تحریم، ملک، قلم و حاء، سورۃ معارج، نوح، جن، مزمل، مدثر،
 قیامت، دھر، مرسلات سورۃ نبأ، نازعات، عبس،
 جلد ۱۵: تکویر، انفطار، مطففین، انشقاق، بروج، طارق، اعلیٰ، غاشیہ، فجر،
 سورۃ بلد، والشمس، واللیل، والضحیٰ، الوحش، تین، علق، قدر،
 بیّنہ، زلزال، عادیات، قارعہ، تکاثر، عصر، حمزہ، فیل، لایلاف قریش،
 ماعون، کوثر، کافرون، نصر، لہب، اخلاص، فلق اور ناس۔



تفسیر نمونہ میں اجتماعی کام کا طریقہ

مختلف طبقات کے تفسیر نمونہ کے بہت سے قارئین یہ معلوم کرنا چاہتے ہیں کہ اس تفسیر میں کام کا طریقہ کس طرح تھا۔ اور دس افراد کا گروہ (اور کبھی اس سے کم) تقریباً ۱۵ سال تک استاد کے زیر نظر کیسے آپس میں ہم آہنگ اور مسلسل گوشش کرتے رہے۔ شاید اس پروگرام کی تفصیل دوسرے علمی اجتماعی کاموں کی پیش رفت میں مدد کر سکے۔

اصولی طور پر یہ بات قابل توجہ ہے کہ وسیع اور جامع کام انفرادی قوت سے بہت کم آگے بڑھتے ہیں اور اگر آگے بڑھیں بھی تو اس کے لیے بہت طولانی وقت کی ضرورت ہے۔ لیکن گروہی اور اجتماعی کام زیادہ تیز بھی ہوتے ہیں اور زیادہ عمیق اور گہرے، اور خطا و غلطی سے دور بھی۔ اگرچہ افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ ہمارے ماحول میں گروہی اور اجتماعی کام بہت ہی کم انجام پاتا ہے اور اگر انجام پاتے بھی تو عام طور پر بہت کم تکمیل کو پہنچتا ہے۔ جب کہ دوسرے لوگوں میں تقریباً تمام کاموں کی بنیاد گروہی اور اجتماعی کام پر قائم ہوتی ہے اور انہوں نے اس سے بہت سے نتائج اخذ کیے ہیں۔

بہر حال ہدف و مقصد یہ نہیں ہے کہ تفسیر نمونہ کے کام کے شروع کرنے کے اسباب کی تشریح کی جائے، کیونکہ اس تفسیر کی مختلف جلدوں کے مقدموں میں اس سلسلہ میں کافی گفتگو ہو چکی ہے، بلکہ ہدف و مقصد یہ ہے کہ اس تفسیر کے لکھنے کا طریقہ اور طرز عمل بیان کیا جائے۔ شاید برادرانِ اہل علم اور محققینِ اسلامی، جو گروہی کام انجام دینے کی طرف مائل ہوں، دہ اس تجربہ سے اپنے کاموں میں فائدہ اٹھا سکیں اور مسائلِ اسلامی کو زیادہ جامع صورت میں ہمارے معاشرے کے سامنے، جو اس کے لیے بہت زیادہ تشنگی رکھتا ہے، پیش کر سکیں۔

اس تفسیر میں طریقہ کار اور طرز عمل کا کئی مراحل میں خلاصہ کیا جا سکتا ہے۔

۱۔ تقسیم آیات : اس مرحلہ میں استاد گرامی قدر اور محقق توانا آیات کو برادران میں تقسیم کر دیتے اور ہر ایک کا حصہ قرآن مجید کے ایک سے دو صفحات تک جا پہنچتا اور ہر جلد کے لیے یہ تقسیم آیات کئی مرتبہ صورت پذیر ہوتی ہے، اور اس طرح سے ہر شخص کی ذمہ داری معین ہو جاتی ہے۔

۲۔ انفرادی کام کا مرحلہ : تقسیم آیات کے بعد ہر شخص (اور ابتداء میں دو دو افراد بل کر کام کرتے) کی یہ ذمہ داری ہوتی تھی کہ وہ اسلام کے بزرگ علماء کی ان مختلف تفاسیر کو جو وہ یادگار کے طور پر چھوڑ گئے ہیں۔ چاہے وہ شیعہ ہوں یا اہل سنت۔ تحقیق و مطالعہ کرے اور کافی مطالعہ کے بعد اپنے حاصل مطالعہ اور ان سے اخذ کردہ

نتائج کو خاص قسم کے کاغذوں پر۔ جن پر "علیہ تفسیر" کا عنوان چھپا ہوا ہوتا تھا۔ لکھ کر حوالے کر دے۔ وہ تفاسیر جن کا مطالعہ کیا جاتا تھا عام طور پر وہ دہی ہوتی تھیں جن کے نام ہر جلد کے آغاز میں لکھے گئے ہیں، اور بعض اوقات دوسری تفاسیر بھی ہوتی تھیں۔

۳۔ مشترک جلسہ میں مطالعہ : روزانہ حضرت استاد اور دوسرے ساتھیوں کے ہمراہ ایک جلسہ منعقد ہوتا تھا اور قابل توجہ بات یہ ہے کہ ان جلسوں میں کسی قسم کی کوئی تعطیل نہیں ہوتی تھی اور یہ سارے سال میں بغیر استثنائے کے منعقد ہوتے تھے، یہاں تک کہ مخصوص سوگواروں اور تعطیل دنوں میں بھی (سوائے اس صورت کے کہ کوئی مسافرت پیش آجائے) یہاں تک کہ ان دنوں میں بھی جب استاد "ہما باد" اور "انارک ناہین" میں اڑیم طاغوت کے زمانہ میں جلا وطن تھے، تفسیر کا کام معطل نہیں ہوا اور ساتھی باری باری (ہر دس دن میں دو افراد) کام کو جاری رکھنے کے لیے جلا وطنی کے مقام کی طرف سفر کرتے تھے اور صبح اور عصر کے وقت بحث تفسیر کو جاری رکھتے تھے۔

ہر حال مشترک جلسہ میں شرکاء جلسہ اپنی باری کے مطابق اپنی تحریر کی قرات کرتے تھے۔

۴۔ آیات کی تفسیر میں اجتماعی غور و خوض : مذکورہ تحریروں کی قرات کے بعد حضرت استاد آیات کے حاس نکات کی طرف۔ جن پر ذکر کرنا ضروری ہوتا۔ توجہ فرماتے اور تمام ساتھیوں کی یہ ذمہ داری ہوتی تھی کہ وہ زیر بحث آیات کے خاص حاس نکات یا مبہم اور پیچیدہ مطالب کو مختلف اسلامی تفاسیر میں۔ جو اس مجلس میں ان کے پاس ہوتی تھیں۔ ملاحظہ کر کے بیان کریں۔ اور اگر انہیں کوئی اور نیا اور عمدہ نکتہ ملے تو اسے پڑھیں یا اس کا خلا بیان کریں اور اس طرح سے ہر آیت اور ہر نکتہ پر کافی غور و بحث ہوتی تھی۔ لیکن جن باتوں میں اختلاف ہوتا تھا ان میں استاد کے نکتہ نظر کو مقدم لکھا جاتا تھا۔

۵۔ مطالب کا اِملاء اور ان کی تحریر : اس مرحلہ کے بعد مطالب کو لکھنے کی نوبت آتی تھی۔ اس موقع پر حضرت استاد زیر بحث مطالب کو اپنے نظریات اور ان یادداشتوں کے ساتھ، جو انہوں نے پہلے سے تیار کر کے رکھی ہوئی ہوتی تھیں، لاکر انہیں جلسہ تفسیر کے مخصوص کاغذوں پر ایک تیز نویس برادر کے ذریعے کھولتے۔ (حقیقت میں انشاء اور قلم انہیں کا ہوتا تھا۔

اوسطاً روزانہ تقریباً چار صفحے لکھے جاتے تھے (البتہ گرمیوں اور تعطیل کے دنوں میں جب ایک سے زیادہ جلدے ہوتے تھے، یہ مقدار دس صفحات یا اس سے کچھ زیادہ کسب ہوتی تھی)۔

۶۔ تصحیح اور تحقیق و مطالعہ : یہ بات واضح ہے کہ جلسہ میں اِملاء چلے جتنے غور اور ہمارت سے ہو اس کی مکمل طور پر تحریر نہیں ہو سکتی۔ لہذا حضرت استاد ان تحریروں کو دوبارہ خود پڑھتے تھے اور اس میں ہر قسم کی غلطی اصلاح اور کئی بیشی عمل میں لاتے تھے۔

۷۔ آیات کا ترجمہ : جیسا کہ آپ تفسیر میں ملاحظہ فرماتے ہیں آیات کے بعد ترجمہ حروف ربیع کے ساتھ آیا ہے

اور پھر آیات کی تفسیر بیان ہوئی ہے۔

آیات کا ترجمہ حضرت استاد خود تحریر میں لکھ کر دوبارہ پڑھنے اور تصحیح کرنے کے بعد لکھتے تھے، تاکہ ترجمہ مکمل طور پر تفسیر آیات کے ساتھ ہم آہنگ ہو اور مطالعہ کرنے والے ترجمہ کے مطالعہ سے آیات کی اس تفسیر کو جو جمع بندی کے بعد انتخاب ہوئی ہے، سمجھ سکیں اور جو لوگ یہ چاہتے ہوں کہ صرف قرآن کے ترجمہ سے متعلق کریں تو خاص ترجمہ بغیر کسی زحمت کے ان کے اختیار میں ہو۔

۸۔ چھپائی کے لیے حروف چینی کا مرحلہ : اب تفسیر کے مطالب چھاپنے کے لیے تیار ہیں، مطالب کی فوٹو کاپی لینے کے بعد چھاپنے اور نشر کرنے کے مسئلہ کے حوالے کر دی جاتی، (فوٹو کاپی اس لیے لی جاتی ہے کہ اگر کوئی چیز ختم ہو جائے، تو دوبارہ اسے فراہم کرنے کے لیے دوسری نہ ہو۔ علاوہ ازیں فوٹو کاپی کے تمام جملات ایک خطی جلد کے طور پر خوبصورت قسم کی جلد کر کے مدرسہ امیر المؤمنین کے کتاب خانہ میں خاص طور پر تفسیر کی اصلی سند کے عنوان سے محفوظ کر لی جاتی ہے)۔

مسئلہ چاپ و نشر بھی اُسے وقت و باریک بینی کے ساتھ پڑھتا ہے تاکہ اگر کوئی سوال یا ابہام اس نسخہ میں اس کی نظر میں آئے تو حضرت استاد کے سامنے پیش کر دے۔

۹۔ آفری تصحیح، حروف چینی اور مقدماتی چھاپ کے بعد ایک نسخہ تصحیح اور ملازم کے ساتھ مقابلہ کے لیے طلبہ تفسیر میں بھیجا جاتا ہے اور نئے برس سے کنٹرول کے لیے جلسہ کے شرکا میں تقسیم ہو جاتا ہے، تاکہ ہر ایک اپنے حصہ کو اچھی طرح سے دیکھ لے اور اگر مطلب یا کوئی مددک غلط ہو تو اس کی اصلاح کریں اور اگر کسی بات میں ان کو شک ہو تو اس پر نشان لگا دیں اور فرست کو بھی تیار کر کے سب کچھ استاد کے حوالے کر دیں۔

۱۰۔ مکمل غور و مطالعہ : استاد ایک مرتبہ پھر غلطیوں کی اصلاح کے بعد اسے اور فرست کو کنٹرول کرتے اور اگر بعض مطالب میں کچھ ابہام ہوتا تو اصلاح کرتے اور ضروری اصلاح کے بعد چھاپنے کی اجازت دے دیتے اور مسئلہ چاپ اسے چھاپ کر ملک کے نشر و اشاعت کے مراکز میں بھیج دیتے۔

اس کے باوجود چونکہ یہ ایک وسیع کام ہے اور انسان بہر حال جائز اخطا ہے، لہذا ہو سکتا ہے کہ چھپائی میں غلطیاں ہو گئی ہوں یا اتفاقیہ بعض آیات یا مطالب میں کوئی غلطی رہ گئی ہو تو عام طور پر فاضل قارئین اس کی طرف توجہ دلا دیتے اور دفتر کو کہتے، ایسے تمام خطوط اور اصلاحی نظریات ایک فائل میں جمع کیے جاتے تاکہ دوسری مرتبہ چھپائی کے موقع پر اس پر توجہ دی جائے اور اگر خطوں میں کوئی ایسا اعتراض ہو جو وارد نہ ہوتا ہو تو خط کے جواب میں غلط فہمی کو رفع کر دیا جاتا ہے۔

اور اسی وجہ سے یہاں پھر ایک مرتبہ تمام قارئین محترم اور صاحبان نظر سے یہ تقاضا کیا جاتا ہے کہ اگر مطالعہ کے بعد کسی حصہ میں کوئی غلطی نظر آئے تو مضائقہ نہ کریں اور ہمیں لکھیں اور مطمئن رہیں اگر وہ اعتراض صحیح ہو تو نہ صرف بلا تصحب اس کی اصلاح کر دی جائیگی بلکہ اس عظیم کام کی تکمیل میں ہماری کرنے کی بنا پر ہم ممنون و متشکر بھی ہوں گے۔

ہیت همکاران تفسیر نمونہ



کلام حق تفسیر نمونہ کے ذریعے جلوے دکھاتا ہے

شہرستان فسا کے برادر آقائی " احمد شریعتی " کے اشعار بدیع -
ان کے اشعار کی تہلو اس سے بہت زیادہ مٹی چو کہ وہ بہت زیادہ تعریف اور اظہارِ محبت پر مشتمل تھے لہذا انہیں
مصلحتاً مختصر کر کے نقل کیا جاتا ہے، ان کے شکرِیہ کے ساتھ -

آن زمان کز ترکش جہل و ضلال و بُت پرستی
نسلِ آدم را بل بنبشتہ ، مد تیسر نمونہ

سُرنگوں در چاہ عصیاں و اسیرِ جاہلیت
در تلاشِ حضورِ خود بہ تفسیر نمونہ

Presented by: <https://jafrilibrary.com/>

ماندہ تنها از کتابِ ابجدِ بگی معرفت
صدق و عدل و مردی پامالِ تذویر نمونہ

راستی در کاستی ، کذب و رذائل در فتنہ
قلبِ ہ را دستِ شیطانِ کردہ تفسیر نمونہ

باسرا گشتِ جہالت ، پارہ منشورِ عدالت
رُوحِ انسانیت از ہر در بہ تحقیق نمونہ

بر نہایتِ آدمی از تنگنایِ این مصیبت
عاملی بایست پر قدرت بہ تاثیر نمونہ

خوش بیاباں آمد از الطافِ حق دورانِ فقرت
فطرتِ انسانِ شکو فاشد بہ تنجیر نمونہ

فر صادق بردمید و شد ہمہ آفاق روشن
صغیر گیتی متو شد بہ تنویر نمونہ

آدمی را خود بکف منشورِ آزادی کہ آمد
خوش .. او نازل ہی فرمانِ تحریر نمونہ

تا کلام الله اعظم بر رسول الله اکرم
از مقام وحی نازل شد به تفسیر نمونه
نعمه جان بخش به اسحق رسید از حق بجان
مژده با بخشید عالم را به تبشیر نمونه
نور و قرآن و کتاب آرد و برهان بر خلائق
آدی را حکومت بخشید و توقیر نمونه
ده که الیاد حیات آدی در برگرفته
چون کتاب ابر و تدوین از کتاب خلق تکوین
خود بقرآن تبیین مطرح بود با استقامت
با دو علم از چهره تکوین و تدوین پرده گیر
آدی دانای کار آمد به تفسیر نمونه

علم در موضوع تکوین خارج از گفتار حاضر
باید از تدوین سخن گفتن به تبشیر نمونه
پرده برگیرد پیالی خود به تکریر نمونه
واجب و لازم بر آن تفسیر و تبشیر نمونه
بوده و باشد، قلم در کف به تطبیق نمونه
با زبان مختلف در حال تبشیر نمونه
بود تفسیری همین با عرض تفسیر نمونه

متقنای عصر حاضر در مقام ادنیایی



بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

ادارہ امامیہ قرأت کالج

تصحیح
سرٹیفکیٹ

Presented by: <https://jafrilibrary.com/>

میں نے قرآن پاک (تفسیر نمونہ جلد ۱۵) کے اس نمونہ کو
حرف بحرف بغور پڑھا۔ میں تصدیق کرتا ہوں کہ متن میں کوئی
اگرابی یا غلطی غلطی نہیں ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

حافظ محمد طفیل (سلطان الافاضل)

مدرس / مینجر

امامیہ قرأت کالج

اندرن موچی دروازہ - لاہور

تا کلام الله اعظم بر رسول الله اکرم
 از مقام وحی نازل شد به تفسیر نمونه
 نعمه جان بخش به الحق رسید از حق سبحان
 مرده با بخشید عالم را به تبشیر نمونه
 نور و قرآن و کتاب آورد و برهان بر خلائق
 ده که الیاد حیات آدمی در برگرفته
 چون کتاب امر و تدوین از کتاب خلق مکنون
 خود بقرآن تبیین مطرح بود با استقامت
 با دو علم از چهره مکنون و تدوین پرده گیر
 آدمی دانای کار آید به تفسیر نمونه

علم در موضوع مکنون خارج از گفتار حاضر
 باید از تدوین سخن گفتن به تبشیر نمونه
 علم تفسیر است که چهره عروس علمی ما
 پرده پر گیرد پیالی خود به تکوین نمونه
 در همان روز نخستین نزول وحی آمد
 واجب و لازم بر آن تفسیر و تبشیر نمونه
 هر کسی چند که در تاب و توان ذاتی او
 بوده و باشد، قلم در کف به تطبیق نمونه
 با دجود این تنوع در تفاسیری که دائم
 با زبان مختلف در حال تکثیر نمونه
 مقتضای عصر حاضر در مقام اندیابی
 بود تفسیری ثمین با عرض تسعیر نمونه



تا نمونہ آید از ہر بعد و باب و درک میدی
 در ہزار و سیصد و پنجاہ و دو تفسیر قرآن
 با چنین وضع و شرائط دید تصبیہ نمونہ
 این ہم را خوش مکتل کردہ با عزمی توانا
 جملہ از قرآن شناسان جامع فضل و مقام
 پانزدہ سال از شروع کار بگزشت و برآمد
 راستی کاین گل زہر باغی نمونہ زانکہ داد
 ہست انوفج ز ہر تفسیر و خود بالنفس قائم
 بازبان روز و علم روز و بحث روز دارد
 با بیابان روشن و امثال روشن فکر روشن
 در نکات مجلس بخصتہ صد باب مفصل
 از دل ناپاک مفرض ، ہر تعارض ہر نشانہ
 یک باین و یگیا خود بر این تفسیر شاید
 بشو از (بیدار) سال ختم این تفسیر عظم
 جلوه با دارد کلام حق بہ تفسیر نمونہ

۱۰ قابل توجہات یہ ہے کہ آخری صریح تحمیل تفسیر کا مادہ تاریخ ہے جو (سال ۱۳۶۶) کو لطیف و زیبا تفسیر میں بیان کیا ہے۔



خدا کے نام سے

بخوان آیات بس زیبای شُرآن
 کلام نغمہ و روح افزای شُرآن
 سحر گاہاں تلاوت کن باخلاص
 پس اندیشہ در معنای شُرآن
 بخوان این معجزہ و آنگہ بیندیش
 ہمیں بس شاہد گویای شُرآن
 شغای آنچه درد است و مصائب
 بجوی از مکتب والای شُرآن
 ہدایت آفرین است و سعادت
 اطاعت مگر کنی فتوای شُرآن
 ہی بر اہل عصیان و منافق
 زیان آرد شگفتی بانی شُرآن
 بی ، آثار ذات کبریائی
 نمودار است در ہر جای شُرآن
 گنجہ فہم اسرارش بہ افکار
 کہ بی پایاں بود دریای شُرآن
 بخوان تا مینوایی علم تفسیر
 دل کوشش نما ابرای شُرآن
 فدایا رحمتی سرا بہ ذوقی
 شود جو بندہ د دانای شُرآن



بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ
ادارہ امامیہ قرأت کالج

سُرْمُفَکِیۃِ یَسِیۃِ تصحیح
Presented by: <https://jafrilibrary.com/>

میں نے قرآن پاک (تفسیر نمونہ جلد ۱۵) کے اس نسخہ کو
حرف بحرف بغور پڑھا۔ میں تصدیق کرتا ہوں کہ متن میں کوئی
اعرابی یا لفظی غلطی نہیں ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

حافظ محمد طفیل (سلطان الافاضل)
مدرس / مینجر
امامیہ قرأت کالج
انڈین ٹیچر وڈاؤزہ - لاہور



اشاریہ

تفسیر نمونہ ————— جلد ۱۵

ترتیب و ترتیب ————— سید شکیل حسین موسوی
 سید محمد حسین زیدی الباہروی

Presented by: <https://jafrilibrary.com/>

۶۰۲	مضامین
۶۰۶	اصول و عقائد
۶۰۷	احکام
۶۰۹	اخلاقیات
۶۰۹	اقوام گذشتہ
۶۰۹	شخصیات
۶۲۹	علماء و دانشور
۶۳۰	کتب سماوی
۶۳۸	کتب تاریخ و تفسیر و سیر
۶۴۱	لغات قرآن
۶۴۹	متفرق موضوعات
۶۶۱	مقامات

۱۸۶، ۱۶۹، ۱۴۷، ۱۲۴، ۸۵، ۶۱، ۳۴
 ۳۳۵، ۳۱۶، ۲۹۷، ۲۷۷، ۲۵۲، ۲۲۴
 ۲۲۱، ۲۰۹، ۱۹۲، ۱۸۰، ۱۵۸، ۱۴۷
 ۱۴۶، ۱۳۸، ۱۲۸، ۱۲۵، ۱۲۵، ۱۲۵
 ۵۵۷، ۵۴۶، ۵۳۲، ۵۲۲، ۵۱۳، ۵۰۳
 - ۵۸۴، ۵۷۵

۱۴۷

۱۴۷

۱۵۸

۱۵۸

۱۵۸

رحیم

شہید

عزیز

غفور

مجید

ودود

Presented by: <https://jafrilibrary.com/>

توحید

قسم ہے ستاروں کی جو پلٹ آتے ہیں پچلتے
 ہیں اور ٹھپ جاتے ہیں؛ قسم ہے رات کی
 جو پشت پھیرے اور صبح کی جب وہ نفس کرے ۵۳، ۴۶
 وہ خدا جس نے تجھے پیدا کیا، منظم کیا، حسب
 پسند شکل بنائی، تم پر نگہبان مقرر ہیں جو جانتے
 ہیں جو کچھ تم کرتے ہو۔ ۷۷، ۶۷

۷۷، ۶۷

اونٹ کی بلندی پر غور کرو، آسمان بلندی پر

قائم ہے، پہاڑ زمین میں نصب ہیں اور زمین

۲۱۹ تا ۲۱۵

مسطح کر دی گئی ہے۔

۲۵۲

ہم نے انسان کو تکلیف میں پیدا کیا

اصول و عقائد

اسماءے باری تعالیٰ

اللہ ۱۴۷، ۱۲۴، ۸۵، ۷۸، ۶۱، ۳۴
 ۲۷۷، ۲۵۲، ۲۲۴، ۲۱۵، ۱۸۶، ۱۶۹
 ۳۳۵، ۳۱۶، ۲۹۷، ۲۷۷، ۲۵۲، ۲۲۴
 ۲۲۱، ۲۰۹، ۱۹۲، ۱۸۰، ۱۵۸، ۱۴۷
 ۱۴۶، ۱۳۸، ۱۲۸، ۱۲۵، ۱۲۵، ۱۲۵
 ۵۵۷، ۵۴۶، ۵۳۲، ۵۲۲، ۵۱۳، ۵۰۳
 - ۵۸۴

۱۴۷

۱۵۸، ۱۴۷، ۱۲۴، ۹۸، ۸۵، ۶۷

۳۱۶، ۳۰۴، ۲۹۶، ۲۸۲، ۲۷۰، ۱۸۶

۳۸۰، ۳۶۶، ۳۵۸، ۳۳۵، ۳۲۱

۵۱۳، ۴۹۷، ۴۸۴، ۴۲۱، ۳۹۸

- ۵۸۴، ۵۷۵، ۵۳۲

حمید

رب

۱۶۹، ۱۴۷، ۱۲۴، ۸۵، ۶۱، ۳۴

۳۱۶، ۲۹۷، ۲۷۷، ۲۵۲، ۲۲۴، ۱۸۶

۳۳۵، ۳۱۶، ۲۹۷، ۲۸۰، ۲۵۸، ۲۴۷، ۲۲۱

۴۸۴، ۴۶۸، ۴۵۸، ۴۴۵، ۴۳۵، ۴۲۱

۵۴۶، ۵۳۲، ۵۲۲، ۵۱۳، ۵۰۳، ۴۹۷

- ۵۸۴، ۵۷۵، ۵۵۷

رحمن

- قوم نمود کو از کتاب گناہ پر تباہ کر دیا۔ اللہ عز و جل
 دینے سے ہرگز نہیں ڈرتا۔ ۲۸۶
- قسم ہے اس کی جس نے مذکورہ نوشت پیدا کیے،
 ہم اس کی راہوں کو آسان بنا دیں گے۔ ۲۹۸
- ہدایت کرنا ہمارے ذمہ ہے۔ دنیا و آخرت ہمارے
 لیے ہے۔ ۳۰۴
- ہم نے انسان کو بہترین صورت پر پیدا فرمایا ۳۲۸، ۳۳۷
 پروردگار کے نام سے جس نے جہان کو پیدا
 کیا؛ تیرا پروردگار سب سے زیادہ مکرّم و باعزت
 ہے۔ ۳۵۸
- کیا وہ نہیں جانتا کہ اللہ اس کے اعمال کو
 دیکھتا ہے؟ ۳۶۷
- ہم نے قرآن کو شب قدر میں نازل فرمایا ۳۸۰
 اس کے سوا کوئی حکم نہیں دیا گیا کہ اللہ کی عبادت
 کریں اور شرک سے توحید کی طرف لوٹ آئیں۔ ۳۹۳
- تیرے پروردگار نے اسے وحی کی ہے۔ ۴۱۰
- اس دن ان کا پروردگار ان سے مکمل طور پر
 باخبر ہے۔ ۴۲۲
- تیرے پروردگار نے اصحابِ نبیل کے ساتھ کیا کیا! ۴۸۴
- اس گھر کے پروردگار کی عبادت کریں جس نے
 نبھوک اور خوف سے نجات بخشی۔ ۴۹۷
- ہم نے تجھے کوثر عطا فرمائی۔ ۵۱۳ تا ۵۱۸
- میں ان کی عبادت نہیں کرتا جن کی تم عبادت کرتے ہو ۵۲۵
- میں تمہیں توحید کا اقرار کرنے اور بتوں کو ترک
 کرنے کی دعوت دیتا ہوں۔ ۵۴۴
- جو شخص اللہ اور قیامت پر ایمانی رکھتا ہے
 وہ ہر نماز کے بعد سورۃ اخلاص پڑھے۔ ۵۵۵
- سورۃ اخلاص عقائد کے ایک حصہ کو بیان
 کرتی ہے۔ ۵۵۶
- کہہ دیجیے اللہ یکتا و یگانہ ہے، سب ماحموند
 اسی کی طرف رخ کرتے ہیں۔ نہ اُس نے کسی
 کو جنا ہے نہ وہ کسی سے پیدا ہوا ہے ہرگز
 ہرگز کوئی اس کا ہم پلہ نہیں۔ ۵۵۸
- توحید کے دلائل اور چار اقسام! ۵۵۶ تا ۵۶۹
- توحیدِ اعمال کی چھ اہم اقسام ہیں۔ ۵۶۹ تا ۵۷۱
- عدل**
- تو نے کی ترازو ادھی عدل ہے۔ ۴۳۹
- نبوت**
- تمہارا ساتھی (پیغمبر) دیوانہ نہیں ہے۔ اس نے
 اس (جبریل) کو روشن افق میں دیکھا۔ وہ اس
 کے بارے میں جسے اس نے وحی سے حاصل کیا
 بنخیل نہیں ہے۔ ۵۲۴ تا ۵۲۷
- رسول کی شائستگی کی شرائط: ابرامت، تقدت،
 بارگاہِ الہی میں مقام و منزلت، اطاعت گزارو

دعوتِ جمع کیے جائیں گے، دریا جوش ماریں گے
ہر شخص کا ساتھی اسی جیسے کو بنایا جائے گا۔
پوچھا جائے گا، زندہ لڑکیوں کو قتل
کیوں کیا۔ ۳۹ تا ۳۴

نامہ اعمال کھولے جائیں گے، آسمان کا پردہ
ہٹا دیا جائے گا، دوزخ دکھ اُٹھے گا، جنت
سامنے ہوگی۔ انسان کو اپنے عمل سے آگاہی
ہوگی۔ ۴۱ تا ۴۳

آسمان پھٹ جائیں گے، ستارے پراگندہ ہو کر
گرہیں گے، سمندر آپس میں مل جائیں گے،
قبریں زیرِ وزیر ہوں گی، انسان جان لے گا کہ
اُسے کیا بھیجا اور پیچھے کیا چھوڑا۔ ۶۱ تا ۶۴

نیک افراد نعمات میں ہیں، بدکار جزا کے دن
دوزخ میں داخل ہوں گے اور عیسیٰ کے بھی۔
کبھی اس سے دور اور غائب نہ ہوں گے۔

اس دن کوئی کسی کی مدد نہ کر سکے گا، اس دن
سب اُمور اللہ کے اختیار میں ہوں گے۔ ۷۸ تا ۸۲

جب آسمان پھٹ جائے گا، زمین میں وسعت
پیدا ہوگی، ہر شے کو اُگل کر خالی ہو جائے گی،
انسان رنج و تکلیف کے ساتھ اپنے رب کی
طرف جائے گا، لیکن جس کا نامہ عمل دائیں

ہاتھ میں دیا جائے گا اس کا حساب آسان
اور واپسی خوش حالی سے ہوگی۔ ۱۳۰ تا ۱۳۴

معاذین کا مطاع ہونا اور امانت میں۔ ۵۴، ۵۵

پس نصیحت کر کہ تو نصیحت کرنے والا ہے ان پر
مسلط نہیں ہے کہ ایمان لانے پر مجبور کرے۔ ۲۱۵
۲۲۰، ۲۱۹
رُسول نے ان سے کہا کہ اللہ کے نافرمان کو پانی

پینے کے لیے چھوڑ دو، مزاحمت نہ کرو۔ ۲۸۶
اللہ نے آپ کو ہرگز نہیں چھوڑا۔ آپ کو اس قدر
دے گا کہ آپ خوش ہو جائیں گے۔ یتیموں پر

مہربانی کریں۔ ۳۱۴

اللہ نے ہرگز تجھے نہیں چھوڑا، نہ تجھ پر غصہ ہوا،
تجھے یتیم پایا، پناہ دی، گمشدہ تھا، رہنمائی کی،
فقیر پایا تو بے نیاز کر دیا۔ ۳۲۱

سینہ کو کشادہ کیا، بھاری کمر کوڑ بوجھ برطرف
کیا، ذکر کو بلند فرمایا۔ ۳۲۶، ۳۲۵

پڑھ اپنے پروردگار کے نام سے، پڑھ کہ میرا
پروردگار مکرم و باعزت ہے۔ ۳۵۸

اللہ کی طرف سے ایسا رسول جو پاکیزہ صحت
کی تلاوت کرے۔ ۳۹۲

ہم نے تجھے کوثر (بہت زیادہ خیر و برکت)
عطا فرمائی۔ ۵۱۲

قیامت

جس وقت سورج لپیٹ دیا جائے گا، ستارے بے نور ہو
جائیں گے، پہاڑ چلنے لگیں گے، قیمتی مال بھلا دیا جائے گا

قدرت ہے اور صاحب عرش اللہ کے یہاں
بلند مقام کا حامل، فرمانروا اور امین ہے۔ ۴۷
جس دن تیرے رب کا فرمان پہنچے گا اور فرشتے
صف بے صف نازل ہوں گے۔ ۲۴۲

جنت

نیک لوگوں کا اعمال نامہ عتین میں ہے۔ وہ
ایک لکھی ہوئی تحریر اور قطعی سر نوشت ہے۔
مقررین شاہد ہیں کہ نیک بندے نعمات سے
لطف اٹھائیں گے، خوبصورت نعمتوں پر تکیہ
لگائے ہوئے چہرے روشن، شرابِ نلال سے
سیلاب، رغبت رکھنے والوں والوں کو سبقت
کرنی چاہیے۔ ۱۱۲ تا ۱۰۶

ابراہیم متعین علی وفا طہر و حسن و حسین ۱۱۳، ۱۱۲
جنت کی شراہیں رحیق و خنوم ۱۱۳، ۱۱۲

وہ بہشت عالی میں ہوں گے جہاں لغو و بیہودہ
گفتگو نہ ہوگی۔ اونچے تخت، شراب کے چشے،
پیالے رکھے ہوئے، نیکی لگائے ہوئے، فائزہ
فرش۔ ۲۱۰ تا ۲۱۲

بے شک جنت سختیوں کے درمیان گھری ہوئی

ہے۔ (جناب امیر) ۲۶۹

جہنم کی آگ سے دوری اتنی (زیادہ متقی افراد)

سے مخصوص ہے۔ ۳۰۷

قسم ہے رات کی، کشمکشانے والے کی، نہیں
جانتا وہ کیا ہے، درخشاں ستارہ ہے، ہر شخص
کا ایک مراقب و محافظ ہے۔ انسان کس چیز
سے پیدا کیا گیا، پانی سے! وہ واپس پھرنے پر
بھی قادر ہے، جس دن اسرار کھلیں گے، کوئی
مددگار نہ ہوگا۔ ۱۷۹ تا ۱۷۷

کیا غاشیہ (قیامت) کی خبر تجھ تک پہنچی؟ اس
دن چہرے خوفزدہ ہوں گے، جو مہل عمل کرتے
کرتے تھک گئے وہ داخل جہنم ہوں گے۔ ۲۰۶ تا ۲۰۹
اس دن کچھ چہرے شاداب ہوں گے، اپنی
سعی پر خوش ہوں گے۔ ۲۱۰، ۲۱۱

یقیناً سب کی بازگشت ہماری طرف ہے اور
سب کا حساب بھی ہمارے پاس ہے۔ ۲۱۶، ۲۲۰، ۲۲۱

جس دن زمین کوٹ کر ریزہ ریزہ کر دی جائے
گی، تیرے رب کا فرمان پہنچے گا۔ ملائکہ صف
بے صف نازل ہوں گے، جہنم کو حاضر کریں گے،
انسان متذکر ہوگا، تذکرہ فائدہ نہ دے گا۔ کاش
اس زندگی کے لیے کچھ بھیجا ہوتا۔ کوئی بھی
اس جیسا عذاب نازل کرے گا نہ قید میں
جکڑے گا۔ ۲۴۲ تا ۲۴۵

فرشتے

یہ قرآن بھیجے ہوئے (جبریل امین) کا کلام ہے جو صاحب

اہل کتاب اور مشرک کفار جہنم میں جائیں گے

۳۹۸ اور اس میں ہمیشہ رہیں گے۔

۳۳۶ اس کی پناہ گاہ ہادیہ (جہنم) ہوگی۔

۴۵۰ تم یقینی طور پر جہنم کو دیکھو گے۔

۴۵۲ سب لوگ دوزخ کا مشاہدہ کریں گے۔

تو کیا جانے حملہ کیا ہے، بھڑکتی ہوئی

۴۶۹ آگ ہے۔

۵۷۷ فلقی جہنم میں ایک کنواں یا زندان ہے

معجزہ

ایک بے نظیر معجزہ (اس گھر کا ایک مالک ہے) ۴۹۰

ابرہہ کے لشکر سے مقابلہ کے لیے ابابیل کی

۴۹۲، ۴۹۱ سنگباری اور لشکر کی تباہی۔

۴۹۲ اس معجزہ کے نتائج

۴۹۲ معمولی وسیلہ سے سخت ترین منزل

۴۹۳ داستانِ فیل کے اہداف

۴۹۳، ۴۹۲ ایک مسلم تاریخی روداد

ابولہب اور اس کی بیوی کا ایمان نہ لانا اعجاز

۵۵۱ قرآن کی نشانی ہے۔

احکام

نماز

۱۸۷، ۱۸۷ اپنے بلند مرتبہ پروردگار کی تسبیح کر

اہل ایمان، اعمالِ صالح انجام دینے والوں کے لیے

بہشت کے جاودانی باغات ہیں، ہمیشہ رہیں گے۔

اللہ ان سے اور وہ اللہ سے خوش ہیں۔ اُس دن

جن کا میزانِ عمل وزنی ہو گا وہ پسندیدہ زندگی

۴۳۶ میں ہوں گے۔

جہنم

سبعین جہنم کی بہت ترین وادی، مجرموں کا قید خانہ ۱۱۷، ۹۳

وہ داخل جہنم ہوں گے، تیز گرم پانی پلایا جائے گا،

۱۱۵ تا ۱۱۸ ضریح کے سوا کھانے کو کچھ نہ ہو گا۔

جس کا ہنہ عمل پس پشت سے دیا جائے گا وہ

چنچے گاوائے ہو تجھ پر، میں ہلاک ہو گیا، جہنم

کے شعلوں میں جلے گا، گھروالوں میں خوش

تھا، پلٹنے کا گمان نہ تھا۔ اس کا رب واقف

۱۳۲، ۱۳۵ حال تھا۔

۲۶۷ ان کو آگ نے ہر طرف سے گھیر رکھا ہے

۲۶۹ دوزخِ شہوات کے درمیان گھری ہوئی ہے

جس وقت وہ جہنم میں گرے گا تو اموالِ فائدہ

۲۹۸ نہ دیں گے۔

جہنم میں خلود (ہمیشہ رہنا) کفار کے ساتھ

۳۰۷ مخصوص ہے۔

ہم بھی عنقریب دوزخ کے مامورین کو پکاریں

۳۷۱ گے۔

دل خوش کرنا ہے، اسے سیر کرنا یا قرض ادا کرنا ہے۔ (رسول پاک)

۳۱۱

اخلاقیات

اخلاقِ حسنہ

اور تم نہیں چاہتے مگر جو عالمین کا پروردگار چاہے۔

۵۸ تا ۵۶

انسان کے چھوڑے ہوئے آثار یہ ہیں انیک بیٹا، قرآن پاک، کنواں، درخت، پانی مہیا کرنا

۶۵

اور باقی رہ جانے والی سنتِ حسنہ۔ صلیب، عمارت، بلال، قریش مکہ کے استہزاء

۱۱۶

پر صبر کرتے تھے۔

وہ لوگ صاحبِ ایمان و عملِ صالح کرنے والے ہیں۔ ان کے لیے ثواب ثابت شدہ، قطع نہ

ہونے والا اور ہر قسم کے نقصان سے محفوظ ہے۔ ۱۴۲

۲۶۷

یتیم و مسکین کو کھانا کھلانا، غلام آزاد کرنا

۲۷۷

جس نے اپنے نفس کا تزکیہ کیا وہ فلاح پا گیا

ابوالاصلاح کا ایک بھیل سے چالیس درختوں

کے عوض ایک درخت خرما خرید کر رسول پاک

کی خدمت میں پیش کرنا اور آپ کا اسے نادار

۳۰۱، ۲۹۹

مومن کو بخشنا۔

۱۹۹، ۱۹۸

اپنے پروردگار کا ذکر اور نماز پڑھ

۳۷۲

سجدہ کر اور تقرب حاصل کر

سورگت نماز پڑھو، رات بھر بیدار رہو

۳۸۷

(امام جعفر صادق)

سوائے اس کے اور کوئی حکم نہیں دیا گیا،

۳۹۵

عبادت کریں، نماز پڑھیں۔

ان نماز گزاروں پر دلے ہو جو اپنی نمازوں کو

۵۰۵، ۵۰۳

بھول جاتے ہیں۔

۵۱۳

اپنے پروردگار کے لیے نماز پڑھ اور قربانی کر

”فسیح بحمد ربك واستغفر“ اپنے

۵۳۲

رب کی حمد و تسبیح کر اور استغفار کر۔

زکوٰۃ

۳۹۵

نماز قائم کریں اور زکوٰۃ ادا کریں۔

جہاد

جہاد کی عظمت:

جہاد اور راہِ خدا کے مجاہدین کے بارے میں

۴۳۲

قرآن نے بہت زیادہ گفتگو کی ہے۔

انفاقِ اموال

جو اپنا مال راہِ خدا میں انفاق کرتا ہے اس کا

۳۰۷

مقصد حصولِ رضا ہے۔

۳۰۸

اور ایسا آدمی عنقریب خوشنود ہو جائے گا۔

۳۱۰

انفاق فی سبیل اللہ کی فضیلت

اللہ کے نزدیک محبوب ترین عمل ضرورت مند مومن کا

وہ شوم و بدبخت لوگ ہیں، ان کا نام نہ عمل بائیں

۲۶۷

ہاتھ میں دیا جائے گا۔

جس نے نفس کو اودہ معصیت کیا وہ نامراد ہوا۔ ۲۷۷

شقی ترین انسان (قدار بن سالف) اٹھ کھڑا ہوا۔ ۲۸۶

بنخیل کا درخت سے گرے ہوئے خرمے بچوں

سے چھین لینا، منہ نیک سے نکال لینا۔ اس

درخت کو جنت میں درخت کے بدلہ رسول پاک

کو فروخت کرنے سے انکار (دلیل کی شان نزول)۔ ۲۹۵

بدبخت ترین لوگوں کے سوا اس (جہنم) میں

۳۰۵

کوئی داخل نہ ہوگا۔

وہ بنخیل جو خود کھانا اور نعمات کو دوسروں

۳۲۰

سے روکتا ہے۔

کبر و غرور و صفاتِ رذیلیہ کی وجہ سے ہی دوسروں

۴۷۶

کی تحقیر و تذلیل کی جاتی ہے۔

مال جمع کرنے کی حرص۔ ایک عرب شاعر کے اشعار ۴۷۷

روبرِ جوار کا انکار، یتیم و مسکین سے حقارت،

بھوکوں کو کھانا نہ کھانا، نماز سے غفلت، ریاکاری،

لوگوں سے عدم تعاون، تحقیر چیز بھی نہ دنیا صفات

۵۰۷

رذیلیہ ہیں۔

تظاہر و ریاکاری بہت بڑی اجتماعی مصیبت ہے ۵۰۸

حد و صفتِ رذیلیہ جسے قرآن نے ڈنسنے والے

سانپوں، دوسرے ڈالنے والے شیاطین کے کاموں

۵۷۹

کے ساتھ قرار دیا ہے۔

مجاہدین جن کے گھوڑوں کے دوڑنے، حملہ کرنے

اور دشمن کی صفوں کو درجہ بدرجہ کرنے کی اللہ

۴۳۰

قسمیں کھاتا ہے۔

اخلاقِ رذیلیہ

مغرور و غافل افراد قیامت کے منکر ہیں۔ روزِ جزا

۷۲

پر ایمان نہ لانا اس کا سبب ہے۔

کم تو لے والوں پر وائے ہو! یہ قیامت پر ایمان

۹۰ ۳۸۶

نہیں رکھتے، قابلِ نفرین ہیں۔

کم تو لے فساد فی الارض ہے۔ اللہ اس سے اس

۹۲، ۹۱

کی زراعت چھین لے گا۔ (رسولِ پاک)

بدکار دنیا میں زمین پر ہنستے اور انہیں گراہ

۱۱۵

کہتے تھے۔ وہ ان پر متکفل و نگران نہ تھے۔

ابو جہل، ولید بن مغیرہ، عاص بن وائل اور ان

کے ساتھی جو زمین پر آوازے کئے تھے سخر اڑاتے

۱۱۶

اور طرح طرح کی ایندائیں دیتے تھے۔

حق کے مقابلہ میں استہزاء، تمسخر و طنز اور ہنسنا گناہ

۱۲۱

کبیرہ اور غرور و جہالت کی علامت ہے۔

دوزخ کی آگ میں داخل ہونے والا شقی نہ

۱۹۷

مے گانہ جیسے گا۔

وہ کہتا ہے میں نے بہت سامان اچھے کاموں میں

۲۵۳

تلف کر دیا۔

جن لوگوں نے ہماری آیات کا انکار کیا وہ بدبخت ہیں ۲۶۷

شر و فساد کے اہم ترین چشمے

۵۷۹

قوم فرعون

اللہ نے فرعونؑ کو نیل میں غرق کر دیا ۱۶۳ تا ۱۶۵
وہ فرعون جو صاحبِ قوت اور سزا دینے والا تھا۔ ۲۳۰ تا ۲۳۵

شخصیات

حضرت اسیہ

حضرت موسیٰؑ پر ایمان لائیں اور جان کی قربانی دی۔ ۱۵۷
موسیٰؑ پر ایمان لے آئیں تو فرعون نے ہاتھوں پاؤں میں میخیں گڑوا دیں، یہاں تک کہ جال بھٹی ہو گئیں۔ ۲۳۲

ابراہیمؑ بن ادہم

مشہور زائد و پاکباز ۴۷۷

حضرت ابراہیم علیہ السلام

یہ احکام پہلی اسمانی کتابوں صحیفہ ابراہیمؑ و موسیٰؑ میں آچکے ہیں۔ ۱۹۸ تا ۲۰۰
قسم ہے باپ کی، میں باپ سے حضرت ابراہیمؑ مراد ہیں۔ ۲۵۲

اقوام سابقہ

ثمود

ثمود کے طاقتور لشکروں کو تیز ہواؤں نے فضا میں بلند کیا، پھر زمین پر دسے مارا، تباہ و برباد کر دیا۔ ۱۶۳ تا ۱۶۶
قوم ثمود جو درندوں میں تھکر کاٹ کر محل بناتی تھی ۲۳۰ تا ۲۳۲
ثمود قبیلہ کے باپ کا نام تھا۔ ثمود آسمانی پیچ سے ہلاک ہوئے۔ ۲۳۵
قوم ثمود نے سرکشی کی وجہ سے (اپنے پیغمبرؑ) کی تکذیب کی۔ اوثنی کی کوچیں کاٹ کر ہلاک کر دیا۔ ۲۸۶
قوم ثمود کی سرکشی کا خلاصہ ۲۹۱
اہل کتاب نے اختلاف نہیں کیا، مگر واضح دلیل پہنچ جانے کے بعد۔ ۳۹۳

عاد

تیسرے رب نے عاد کے ساتھ کیا کیا! ۲۳۰ تا ۲۳۲
ارم عادِ اولیٰ ہے، عاد بن عوض بن ارم بن سام بن نوح۔ ارم سرزمین کا نام ہے یا شرکا۔
نژاد عاد کا بیٹا تھا۔ قوم عاد ٹھنڈی اور تیز ہوا سے ہلاک ہوئی۔ ۲۳۱

ابوالدرداء

ایک بخیل سے کھجور کا ایک درخت چالیس
درختوں کے بدلہ خریدا۔
۲۹۹
راہ الہی میں بہت مال خرچ کیا
۳۰۱

ابو بزرہ اسلمی

اے علی تیری اور میری وعدہ گاہ حوض کوثر ہے۔
تو اور تیرے شیعہ خیر البریہ ہیں۔
۴۰۲

ابو جعفر احول

محمد بن علی کمانی عرف موسیٰ طاق، امام جعفر صادق
کے ایک صحابی۔
۵۲۵

ابو جہل

ابو جہل اور اس کے ساتھی مسلمانوں کو اپنے تمسخر
اور مظالم کا نشانہ بناتے تھے۔
۱۱۶
آنحضرت کی دعوت و تبلیغ کے آغاز ہی سے آمادہ
سرکشی ہوا۔
۳۶۸

ابو جہنہ

مدینہ کا ماجر جو چھوٹے بڑے پیمانے رکھتا تھا۔
خرید و فروخت میں بددیانتی سے نفع کھاتا تھا۔
سورہ مطفقین کے نزول پر اسے خبردار کیا گیا۔
۸۶

ابرمہ

اریاط کے خلاف بغاوت کر کے یمن کا بادشاہ بن گیا۔
ہاتھیوں کا لشکر لے کر خانہ کعبہ کو برباد کرنے آیا اور
خود برباد ہو گیا۔
۴۸۲

ابن ابی الحدید

جناب امیر کے خطبہ ۲۲۱ کے متعلق طویل بیان۔
یہ خطبہ فصحاء عرب کے سامنے پڑھا جانے تو
سب سجدہ کریں۔
۴۴۸

ابن ابی کبشہ

معاویہ نے اس لقب سے آنحضرت کی طرف
اشارہ کیا۔
۳۴۴

ابن مردویہ

جناب امیر کے بارے میں روایت: اے علی تم
اور تمہارے شیعہ خیر البریہ ہیں۔ میری اور تمہاری
وعدہ گاہ حوض کوثر ہے۔ تمہیں غر المجلین (سفید
پیشانیوں والے) کہہ کر پکارا جائے۔ (حدیث رسول)
۴۰۳

ابن مقلہ

معروف خطاط (عرب کے ایک شاعر نے اپنے
اشعار میں ذکر کیا)۔
۴۷۶

ابوشاکر دیلمانی

ایک زندیق، ابو جعفر احوال سے سورۃ کافرون کی تکرار پر معترض ہوا۔

۵۲۵

حضرت ابوطالب

چھ سال کی عمر میں والدہ، آٹھ سال کی عمر میں آنحضرتؐ کے دادا انتقال کر گئے تو ہم نے ان کو ان کے چچا ابوطالب کی کفالت میں دے دیا، تنہا کبھی نہیں چھوڑا۔

۳۲۲

ابولہب

دولت مند، مغرور، دشمنِ خدا و رسولؐ، حضورؐ کی دعوت پر زبانِ طعن و دراز کی (نام عبد العزیٰ کنیت ابولہب)۔

۵۳۲

انفس بن شریقی

کینہ و مخالفِ رسولِ اکرمؐ

۴۶۹

اریاط

نہاشی کا ایک سپہ سالار جو ذوقِ ناس کی سرکوبی کے لیے ایک بڑا لشکر لے کر آیا۔

۳۸۶

الورافح

حضرت عباسؓ بن عبد المطلب کا غلام، جب بدر کے حالات بیان کرنے پر ابولہب نے اسے بہت مارا۔

۵۴۹

ابوسعید خدری

پیغمبرِ اسلامؐ سے شفع و تترکی حدیث بیان کی رسولِ پاکؐ سے 'فمن يعمل مثقال ذرۃ' پر سوال کیا۔

۴۰۷

جنگل بیابان میں ہمو تو بلند آواز سے اذان دو۔ آنحضرتؐ نے فرمایا کہ حق و انس اور پھر کابہر ملکہ اجواسے سنے گا، قیامت میں گواہی دے گا۔

۴۱۲

آنحضرتؐ سے اعمال پر کالمہ (کوئی شخص اپنے عمل سے مستحقِ جنت نہ ہوگا جب تک اللہ کا کرم شامل حال نہ ہو)۔

۴۱۷

ابوسفیان

دو بڑے اونٹ نحر کر کے کھاتا اور اپنے دوستوں کو کھلاتا تھا۔ ایک یتیم کے مانگنے پر اسے مارا۔ فتح مکہ پر ابوسفیان کا پناہ حاصل کرنا اور بہ اکراہ ایمان لانا۔

۵۲۷

بدیل

ابوسفیان کا ایک دوست، لشکر اسلام کو دیکھنے کے لیے نکلا تھا۔
۵۳۷

بلالؓ

مشرکین مکہ ان کا اور دیگر مومنین کا مذاق اڑاتے تھے۔
۱۱۶

جابر ابن سمرہ

حدیث رسول کا بیان کر اشدقی اولین و اشدقی آخرین کون تھا۔
۲۹۲

اس قسم کی قسم، ایہ (علی) اور اس کے شیعہ قیامت کے دن رستگار اور کامیاب ہوں گے۔
(حدیث رسول) ۳۰۲

جابر ابن عبد اللہ انصاری

آنحضرتؐ سے لیال عشر (دس راتوں) کی حدیث نقل کی۔
۲۲۶

مشہور طبیب

جبریلؑ

آنحضرتؐ سے عرض کیا، یہ نیکو نہیں ہے۔
نماز میں تکبیر کے وقت ہاتھوں کو بلند کرنا ہے۔ ۵۱۵

حضرت اسماعیل علیہ السلام

قسم ہے بیٹے کی ایسا بیٹے سے مراد حضرت اسماعیل ہیں۔
۲۵۲

اصبغ بن نباتہ

بیان کیا کہ حضرت علیؓ فرماتے تھے: اے گروہ ہمارا! پہلے فقر کی تعلیم حاصل کرو پھر تجارت کرو۔
۹۱

افلاطون

مشہور طبیب و فلسفی
۳۵۰

أم الفضل

حضرت عباسؓ کی زوجہ جس نے ابولہب کے سر پر چھڑی سے وار کیا۔ ابولہب کا سر پھٹ گیا۔ زخم بڑھتے بڑھتے اس کی ہلاکت کا موجب بنا۔
۵۴۹

أم جمیل

ابولہب کی بیوی، ابوسفیان کی بہن، آنحضرتؐ کو مارنے کے لیے ہاتھ میں پتھر اٹھائے پھرتی تھی۔
۵۴۲

أمیہ بن خلف

کینہ در مخالف رسول اکرمؐ

حضرت امام جعفر صادقؑ (امام ششم)

جو شخص سورۃ عبس و سورۃ نکویر تلاوت کرے گا وہ

جنت جاوداں میں اللہ کے سایہ رحمت میں ہوگا۔ ۳۳

جو شخص سورہ ہائے انعطاف و انشقاق کی تلاوت

کرے گا اور انہیں فریضہ و نافلہ نمازوں میں پڑھے

گا تو اس کے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان کوئی چیز

مائل نہ ہوگی۔ ۶۰

موت کے بعد کتاب اعمال ہو، البتہ آثار میں عادتیں

مفید چیزیں، ہدایت کرنے والی سنت، صالح بیٹا جو

اس کے لیے استغفار کرے۔ ۶۵

انسان کے نیک و بد اعمال تحریر کرنے، فرشتوں

کے تقور کے اسباب پر آنحضرتؐ کی ایک طویل

حدیث۔ ۷۲، ۷۳

جب مومنین کسی مخصوص مجلس میں آپس میں گفتگو

کرتے ہیں تو محافلین اہل ملک ان سے علیحدہ ہو جاتے

ہیں مبادا کوئی ایسی راز کی بات سمجھے جسے اللہ نے

پوشیدہ رکھا ہو۔ ۷۷

فریضہ نمازوں میں سورۃ طہ پڑھنے والے کو

اللہ قیامت میں عذاب جہنم سے محفوظ رکھے گا۔ ۸۴

ویل، قرآن میں کسی کے لیے استعمال نہیں ہوا،

مگر یہ کہ اسے کافر کہا۔ ۸۸

سورہ ہائے انعطاف و انشقاق کی تلاوت کرنے والا ہمیشہ

لطف الہی پر نظر رکھے گا اور اللہ اس پر نظر کرے

رکھتے ہوئے لوگوں کے حساب سے فارغ ہوگا۔ ۱۲۳

شاہد عید قربان اور مشہور عرفہ کا دن ہے۔ ۱۵۰

فرض نمازوں میں سورۃ طلاق تلاوت کرنے والے

کو قیامت میں مقام عظیم ملے گا، پیغمبرؐ کے

اصحاب رفقاء ہوں گے۔ ۱۶۸

ساتویں آسمان کے ستارے زمیں کی روشنی آسمانوں

کو چیرتی ہوئی نچلے آسمان تک پہنچتی ہے، اس

لیے اللہ نے اسے نجم الثاقب فرمایا ہے۔ ۱۷۱

سورۃ اعلیٰ کی تلاوت کرنے والا جس دروازہ سے

چاہے گا جنت میں داخل کیا جائے گا۔ ۱۸۴

تمہاری آگ جہنم کی آگ کے شرابوزاد میں

سے ایک ہے۔ وہ پانی سے شہر مرتبہ دھوئی

گئی پھر بھی بھڑک اٹھی۔ ۱۹۷

دنیا کی محبت ہر گناہ کا سرچشمہ ہے۔

سورۃ غاشیہ کو مستحب و واجب نمازوں میں

تلاوت کرنے والے کو دنیا و آخرت میں اللہ

اپنی رحمت کے سایہ میں جگہ عطا فرمائے گا۔ ۲۰۵

فجر کا مصداق نور پاک محمدیؐ ہے

فرعون منادینے کے لیے آدمی کے ہاتھ پاؤں

میں میخیں گروا دیتا تھا، حتیٰ کہ وہ مر جاتا تھا۔ ۲۳۴

بہتر بکریوں کی چوپانی کا کام نہ لیا تاکہ وہ انسانوں کی نگہبانی کر سکے۔

۳۲۸

جب تو فارغ ہو جائے تو علی کو ولایت

۳۲۲

کے لیے نصب کر دے۔

جبرئیلؑ ملائکہ سے ہے روح ملائکہ سے عظیم تر ہے۔

کیا اللہ نے نہیں فرمایا کہ روح اور ملائکہ نازل

۳۸۳

ہوتے ہیں۔

شب قدر ماہ رمضان کی اکیسویں اور تیسویں

۳۸۶

رات ہے۔

تقدیرِ مقدرات اُتیس کو اُن کا حکم اکیس کو

۳۸۶

اور تصدیق و منظورِ تیس کی رات کو ہوتی ہے۔

شب قدر کی فضیلت اکیسویں اور تیسویں

شب میں تلاش کرو۔ سور کعت نماز پڑھو۔

۳۸۷

(علی بن حمزہ ثمالی)

سورۃ زلزال کو تلاوت کرنے، نافلہ نمازوں میں

پڑھنے والا ہرگز زلزلہ یا کسی آفت میں گرفتار

۴۰۸

نہ ہوگا۔

درو پاک میزانِ عمل کے ذریعے ہونے کا سبب ہے۔

۴۳۱

کوئی شخص بکبر و فخر نہیں کرتا مگر اس ذلت کی

۴۵۰

وجہ سے جو وہ اپنے نفس میں پاتا ہے۔

اللہ کو ناراض کر کے لوگوں کو راضی نہ کرنا یقین

۴۵۲

کی صحیح نشانی ہے۔

نسیم سے مراد ہم اہلبیت ہیں۔ اللہ نے ہمارے وجود

۴۵۵

کے ذریعہ بندوں کو نعمت عطا فرمائی۔

مرصادِ جہنم کے آد پر ایک پُل ہے جس شخص پر

کسی مظلوم کا حق ہے وہ اس پر سے نہیں گزر

۲۳۵

سکے گا۔

جو شخص یتیم کے سر پر دستِ شفقت رکھتا ہے،

جتنے بالِ اتھ کے نیچے آتے ہیں، اللہ ان کے برابر

۲۳۹

قیامت میں اسے نذرِ بخشے گا۔

مومن کی قبضِ روح کے لیے ملک الموت کا آنا

اس کا ناراض و خوفزدہ ہونا، نفس کا مطمئن ہونا،

رضا و رغبت سے جانِ جانِ آفریں کے سپرد کرنا۔

(طویل حدیث) ۲۴۸، ۲۴۷

واجب نمازوں میں سورۃ بلد پڑھنے والا صالحین

میں شامل ہوگا۔ انبیاء، شہداء و مصلیٰ اس کے

۲۵۱

دوست ہوں گے۔

جس نے اطاعت کی وہ نجات پاگیا، جس نے

۲۸۲

نافرمانی کی وہ ناامید و محروم ہوگیا۔

میرے نزدیک کوئی چیزِ حرمین کے دیدار و زیارت

کے برابر نہیں سوائے اس کے کھانا کھلانے کے،

پھر اللہ پر واجب ہے کہ اسے جنت کا کھانا کھلائے۔ ۳۱۱

آنحضرتؐ نے اپنی صاحبزادی سے فرمایا: دنیا کی

۳۲۰

تلخی کو آخرت کی شیرینی کے لیے برداشت کرو۔

اللہ نے جو کچھ بخشا، برحرمی عطا فرمائی، احسان

۳۲۶

کیا، ہدایت کی، سب کو بیان کرو۔

اللہ نے کسی پیغمبر کو مبعوث نہیں فرمایا جب تک اس سے

حارث بن قیس

۵۲۳

مشرکین مکہ کا ایک سرغنہ

حسان بن ثابت (شاعر)

رسول پاک کی مدح میں قصیدہ کے اشعار ۳۳۰، ۳۳۹

حضرت امام حسن (امام دوم)

جہاں کہیں قرآن میں ان الابرار آیا ہے اس

سے مراد حضرت علیؑ و فاطمہؑ ہیں اور حسینؑ ہیں۔ ۱۱۲

اہل بصرہ کے خط کے جواب میں، صدر کے

۵۶۳

معنی بیان فرمائے۔

حضرت امام حسین (امام سوم)

شاہد سے ملو رسول پاک اور مشہود قیامت کا

۱۵۰

دن ہے۔

سودہ اخلاص کی تفسیر میں، صدر کے پانچ معنی

۵۶۲

بیان فرمائے۔

حضرت خدیجہ الکبریٰ (ام المؤمنین)

بحالت مفلسی و ناداری تیری طرف دولت مند

۳۲۳

خدیجہ کو متوجہ فرمایا۔

والعصر، عصر سے مراد حضرت مہدیؑ کے قیام

۴۵۹

کا زمانہ ہے۔

۴۶۲

جو تیرے غیر کے پاس جائے گا وہ مایوس ہوگا

واجب نمازوں میں سورہ حمزہ پڑھنے والے کا

فقر و فاقہ دور ہوگا، بڑی موت دور ہوگی اور

۴۶۷

روزی کشادہ ہوگی۔

سونے اور چاندی سے مراد وہ چیزیں ہیں جو دین

۴۷۷

۴۷۸

کو ختم کر دیں اور کفر و بے ایمانی کا موجب ہوں۔

اگر حسنا حق ہیں اور ہم ان پر ایمان رکھتے

۴۷۸

ہیں تو پھر مال جمع کرنا کس لیے؟

سورہ فیل کو واجب نمازوں میں پڑھنے والے

کی نماز گزاری کی قیامت میں پہاڑ، ہموار زمین

۴۸۳

۴۸۲

اور مصلیٰ گواہی دیں گے۔

اسے زرادہ! ہر دینا، شرک ہے، جو شخص

لوگوں کے لیے عمل کرے گا اس کا ثواب و

۵۰۹

اجر لوگوں پر ہی ہوگا۔

کوثر جنت میں ایک نہر ہے جو اللہ نے آنحضرتؐ

کو فرزند (عبداللہؑ) کے فوت ہونے کے بدلے میں

۵۱۴

عطا فرمائی۔

نماز کے آغاز میں ہاتھوں کو اس طرح بلند کرو

۵۱۶

کہ ان کی ہتھیلیاں رو بہ قبلہ ہوں۔

ابلیسؑ مکہ کی پہاڑیوں پر گیا، گروہ شیاطین

۵۹۰

۵۸۹

کو جمع کر کے مشورہ کیا۔

زر بن جلیشن

ہم عذاب قبر کے بارے میں شک کرتے تھے۔
ہم نے جناب امیر سے مناکہ الفلکم التکاثر
عذاب قبر پر دلیل ہے۔

۴۴۹

زلیخا

عزیز مصر کی بیوی۔ حضرت یوسفؑ سے گفتگو

۲۹۳

سحبان

عرب کا ایک معروف فصیح

۴۷۷

سعد بن عبادہ

علماء شکر اسلام جس نے فتح مکہ کے دن انتقام
کا نعرہ لگایا۔

۵۳۹

سلمان فارسی

آپ کی ایک شخص کے جواب میں گفتگو۔ آغاز
گندے نطفے سے انجام مراد لیکن قیامت میں
جس کا میزان عمل بھاری وہ بزرگوار جس کا
ہلکا وہ پست و ذلیل۔

۴۴۲، ۴۴۱

حضرت سلیمان علیہ السلام

حضرت دانیال علیہ السلام

بنی اسرائیل کے ایک پیغمبر

دوس

نجران کا ایک شہری جو جان بچا کر ذوالاس کے مظالم
بیان کرنے قیصر روم کے پاس چلا گیا۔

۲۸۶

ذوالواس

ایک زمانہ میں یمن کا بادشاہ، قبیلہ عمر سے تھا۔
ابرمہ سے قبل یمن کا بادشاہ۔

۱۵۲

۴۸۵

ربیع بن عباد

اس نے آنحضرتؐ کو تبلیغ اور ابوالسب کو طعن
کرتے دیکھا۔

۵۴۸

زبیر بن بکار

مذہبیہ تھا نہ معاویہ سے دشمنی رکھتا تھا۔ اس
نے مغیرہ کے بیٹے سے ایک روایت معاویہ کی
تتقیص میں بیان کی۔

۳۴۳، ۳۴۴

زرارہ

امام جعفر صادقؑ کا ایک صحابی۔ اس سے آپؑ نے فرمایا کہ
اریا، شرک ہے۔

۵۰۹

عاص بن وائل

- ۱۱۶ عاص اور اس کے ساتھی مشرکین قریش عینین کو تسخیر کا نشانہ بناتے تھے۔
- ۳۶۹ کینہہ و دشمن رسولؐ
- المنخضت مسجد الحرام سے نکلے۔ عاص بن وائل نے ملاقات کی، قریش کے دریافت کرنے پر کہا کہ اس (نعمو بائد) اتر سے ملاقات کی۔
- ۵۱۱

عباس بن عبد المطلب

- مکہ سے مدینہ کی طرف جا رہے تھے۔ المنخضت فتح مکہ کے لیے آ رہے تھے، راستہ میں ملاقات ہوئی۔
- ۵۳۶، ۵۳۷

حضرت عبد المطلب

- المنخضت کی پرورش سردار مکہ آپ کے دادا حضرت عبد المطلب نے کی۔
- ۳۲۲
- سردار مکہ نے اصحاب بنیل کے خلاف اللہ سے مدد چاہی۔
- ۳۸۷، ۳۸۸

عبد اللہ ابن سلام

- بعض کے نزدیک اللہ کی صفات بیان کرنے کا سوال عبد اللہ ابن سلام نے کیا تھا۔
- ۵۵۴

یہ میرے پروردگار کا فضل ہے تاکہ آزمائے کہ میں شکر ادا کرتا ہوں یا ناشکری۔ (نمل۔ ۴۰)

۵۳۵

شیطان

- یہ قرآن شیطان الرجیم کا قول نہیں ہے۔
- ۵۴، ۵۳، ۴۷
- درہم و دینار کو شیطان کا پسند کرنا
- ۴۷۹

حضرت صالح علیہ السلام

- آپ قوم ثمود کے پیغمبر تھے۔
- ۲۳۲
- اپنی قوم سے کہا کہ اونٹنی کو پانی پینے کے لیے آزاد چھوڑ دو۔
- ۲۸۶

صہیب رضی (صحابی)

- مشرکین قریش ان کا اور ان کے مسلمان ساتھیوں کا مذاق اڑاتے تھے۔
- ۱۱۶

طارق محارب

- اس نے ذی المجاز کے بازار میں المنخضت کی تبلیغ کی آواز سنی۔
- ۵۴۷

طاؤس

- فخر رازی نے نقل کیا کہ یہ رضی، اور الم نشرح کو ایک سورہ جانتے اور نماز میں دونوں کو ملا کر پڑھتے تھے۔
- ۳۳۳

عبداللہ بن صوری

مشہور یہودی صحابی جس نے رسول پاک سے اللہ کی صفات بیان کرنے کا تقاضا کیا۔

۵۵۴

عبداللہ ابن عباسؓ

ایک اعرابی اپنی لڑکی سے کہہ رہا تھا: "خوری" یعنی واپس آجا، بسلسلہ معنی یہ خور۔

۱۳۲

آیت 'سید کر من یغشی' عبداللہ ابن مکتومؓ پاک دل، حق طلب، نایب اصحابی کے بارے میں

نازل ہوئی۔

۱۹۶

مفسرین نے ابن عباسؓ سے دلیل کی شان نزول

۲۲۷

لکھی ہے جسے علامہ طبری سے نقل کیا ہے۔

رسول پاکؐ کی نماز، ابوہل کا اگر منع کرنا، آنحضرتؐ کا بھر کرنا۔ ابوہل نے کہا تجھے نہیں معلوم کہ میری

۲۷۴

قوم و قبیلہ سب سے زیادہ ہے۔

اے علیؓ! یہ آیت تمہارے اہل شیعہ کے بارے

۳۰۱

میں ہے۔ تم محشر میں ایسے آؤ گے کہ اللہ تم سے

اور تم اللہ سے خوش ہو گے۔

ایک شخص نے، والعادیات کے معنی مجھ سے اور

۴۲۴

جناب امیرؓ سے پوچھے۔ تفصیل۔

یہ وہ لوگ ہیں جو چنل خوری کرتے ہیں اور

۴۷۰

دوستوں کے درمیان جدائی ڈالتے ہیں۔

درسم و دینار کو شیطان کا پسند کرنا اور انسان

۴۷۹

کا اس کی محنت میں بدلتا ہونا۔

قریش ایک بہت بڑے سمندری جانور کا نام

۴۹۸

ہے جو ہر قبیلے موٹے جانور کو کھا جاتا ہے۔

عبداللہ ابن عبدالمطلب

آپؐ رسول پاکؐ کی ولادت سے قبل وفات پا گئے۔

۳۲۲

عبداللہ ابن عمرؓ

۱۵۰

شاہد جمعہ کا اور مشہور عبد قرآن کا دن ہے

عبداللہ ابن مسعود

نماز میں ایک معقول پیادہ ہے، جو شخص اس کا

کیل مکمل ادا کرے تو اللہ بھی مکمل اجر دے گا،

جو کئی کرے وہ مطفغین کی صف میں شمار ہوگا۔ ۸۹، ۸۸

قریش مکہ کے بالمقابل سورہ رحمن کی تلاوت

۳۷۲

کے لیے تیار ہوئے۔

بدن میں ابوہل کا سر قلم کر کے بالوں سے پکڑ کر

۴۷۳

گھسیٹے ہوئے آنحضرتؐ کے پاس لائے۔

سب سے زیادہ محکم آیت 'من یعمل

۴۱۷، ۴۱۶

مثقال ذرہ..... ہے۔

عبداللہ ابن مکتوم

آیت "سید کر من یحشی" اسی پاک دل،
حق طلب نابینا صحابی کے بارے میں نازل ہوئی۔

(ابن عباسؓ) ۱۹۶

عتبہ ابن ربیعہ

"یتجنبها الاشقی" کا مصداق

۱۹۶

عثمان بن صہیب

حدیث رسول اشقی الاولین و اشقی الآخرین کو
تھا بیان کی۔

۲۹۲

حضرت علی ابن ابیطالب (الام اول)

"سجوار الکس" کی تفسیر میں فرمایا کہ وہ پانچ ستارے

زحل، مشتری، مریخ، عطارد اور زہرہ ہیں۔ ۴۹

تمہارا عشر میں کیا حال ہوگا جب ہر شخص اپنے

۶۶

اعمال کو آزمائے گا!

بزرگ و عظیم ہے وہ اللہ جو عظیم قدرت کے

باوجود کریم ہے، لیکن اے انسان توضعف و

حقارت کے باوجود معصیت (نافحالی) پر کس قدر

۷۰

جری ہے۔

پچھ حساب کرنے والے تمہارے اعمال کو لکھتے ہیں۔

۷۷

(طویل حدیث)

۸۹ کیا انہیں قبروں سے اٹھنے کا یقین نہیں؟

میں تیرے دردناک عذاب پر صبر کر سکی لوں لیکن

۱۰۴

تیرے فراق پر کیسے صبر کروں گا؟

یہ ستارے جنہیں تم دیکھتے ہو قیامت کے دن

کہکشاں سے جدا ہو جائیں گے اور سب نظام

۱۳۰

درہم برہم ہو جائے گا۔

یہ دل ظروف ہیں۔ بہترین دل وہی ہے جس کی

۱۴۲

حفاظت و ظرفیت زیادہ ہو۔

اصحاب اخذ و فاس کے اہل کتاب مجوسی تھے۔

۱۵۶

بادشاہ نے اپنی بہن سے مباشرت کی، وغیرہ۔

حشر کے ایک پیغمبر کے ساتھیوں کو آگ میں

جلا دیا گیا۔ ایک بچہ گویا ہوا اور اپنی ماں کو جرات

۲۵۷

دلائی۔ ماں بیٹا دونوں آگ میں جل گئے۔

ہو شخص سورہ اعلیٰ کی تلاوت کرے گا گویا اس

نے صحیفہ ابراہیم و موسیٰ کی تلاوت کی۔ یہ سورۃ

۱۸۴

آنحضرتؐ کو بہت محبوب تھی۔

۱۹۷

دنیا اور جہنم کی آگ کا موازنہ (دعا کے کیلئے)

قسم ہے پیغمبرؐ کی تم مورد آزمائش قرار پاؤ

۲۳۲

گے، چھلنی کی مانند، ابلیسی ہوئی دیگ کی مانند۔

تیرا رب قدرت و توانائی رکھتا ہے کہ گنہگاروں

۲۳۵

کو کفر کو ان تک پہنچائے۔

اگر اللہ ظالم کو مہلت دے دے تو اس کی سزا

ہرگز ختم نہ ہوگی، جب چاہے گا سزا دے گا۔ ۲۳۶

کیونکہ زمین کا ہر ٹکڑا جس پر نماز پڑھی گئی، گواہی دے گا۔ ۴۱۳

قیامت کے دن گواہی دینا کہ میں نے حق کے ساتھ تمہیں پر کیا تھا اور حق کے ساتھ خالی کیا ہے۔ ۴۱۳

امیر المؤمنینؑ اور ائمہ جو آپؐ کی ذریت ہیں وہی تولد والے ترازو ہیں۔ ۴۳۹

میزان سے شہادتین کو اٹھایا تو ہلکا اور میزان میں رکھ دیا تو بھاری ہو جائے گا۔ ۴۴۱

مقصد سے دُور کیسے زیارت کرنے والے ہیں، رسوا کرنے والا افتخار۔ طویل خطبہ ۴۴۸، ۴۴۷

حرص، بخل، دنیا پرستی، فخر و مباہات اور اظہار برتری مفاسد کے عوامل ہیں۔ ۴۵۱

نعیم سے مراد تازہ کھجوریں اور ٹھنڈا پانی ہے۔ ۴۵۴

انسان کا ہر سانس موت کی طرف اس کا ایک قدم ہے۔ ۴۶۱

تمہارے وجود کی قیمت جنت کے سوا اور کچھ نہیں۔ ایسا نہ ہو کہ تم اسے کمتر شے کے بدلے بیچ ڈالو۔ ۴۶۳

مستی کی چار اقسام ہیں، مستی اموال، مستی اقتدار، مستی شراب اور مستی خواب۔ ۴۷۸

جو شخص دوسرے کے اموال کو اپنی میزان میں دیکھے اللہ اسے دوزخ میں اور اس کے وارث کو جنت میں داخل کرے گا۔ ۴۷۷

خواب میں حضورؐ سے گفتگو، رسولِ پاکؐ سے اس کا

تعجب ہے انسان پر جو چربی کے ایک ٹکڑے (انگھ) سے دیکھتا، گوشت کے ٹکڑے سے بوتا، بڑی سے سُنتا اور سوراخ سے سانس لیتا ہے۔ ۴۶۳، ۴۶۴

بے شک جنت سعتیوں کے درمیان اور دوزخ شہوات کے درمیان گھری ہوئی ہے۔ ۴۶۹

مال خرچ کرنے سے کم اور علم زیادہ ہوتا ہے ۴۸۲

عاقراً ناقراً جس نے ادنیٰ کو ہلاک کیا، شقی ترین شخص تھا۔ ۴۸۷

ناقص صالح کو ایک شخص نے ہلاک کیا مگر معذب سب ہوئے اس لیے کہ سب اس پر راضی تھے۔ ۴۸۹

سب سے زیادہ امید بخش آیت 'ولسوف یعطیک ربک فترضی' ہے۔ ۴۲۰

اللہ جمیل ہے، جمال و زیبائی کو دوست رکھتا ہے اور پسند کرتا ہے کہ اپنے بندوں پر اپنی نعمت کے آثار دیکھے۔ ۴۲۷

اللہ کو یاد رکھو ایتم کو کبھی سیر کبھی بھوکا درکھو۔ ۴۲۹

تمہارے سامنے وہ ضائع نہ ہوں۔ ۴۲۹

ایک عورت نے اپنے شوہر کی جو مفلس تھا، خرچ نہ دینے کی شکایت کی۔ آپؐ نے فرمایا: "ات مع الصبر لیبراً" وہ گھر جس میں سر کر اور زینون سالن کے طور پر استعمال ہوتا ہے، کبھی کھانے سے خالی نہ ہوگا، یہ پیغمبروں کی غذا ہے۔ ۴۵۱

مساجد کے مختلف حصوں میں نماز پڑھا کرو

ہے، اتنا ہی ترو تازہ کیوں ہوتا ہے۔

۲۷۱

کھانا کھلانا اور انتظامات

انجیر منہ کی بدبو دور کرتی ہے، مسوڑھوں اور

ہڈیوں کو مضبوط کرتی ہے، بالوں کو آگاہی

ہے، درد و تکلیف کو برطرف کرتی ہے،

جنت کے پھلوں سے زیادہ مناسبت رکھتی ہے۔ ۲۵۱، ۳۵۰

روحِ زیتون اچھی غذا ہے، منہ کو خوشبودار و طعم

کو دور کرتا ہے، چہرہ کی رنگت نکھارتا ہے مقوی

اعصاب ہے۔ بیماری، درد اور ضعف کو دور

۳۵۲

کرتا اور غصہ کی آگ کو بجھاتا ہے۔

پانچ خصلتوں کے بغیر مال جمع نہیں ہو سکتا،

بخل شدید، طولِ امل، حرص غالب، قطع

رحمی اور دنیا کو آخرت پر ترجیح دینا۔ ۵۶۱، ۵۶۲

عمار ابن یاسرؓ

مشکین مکہ ان کا امدان کے ساتھیوں کا مذاق

۱۱۶

اڑاتے تھے۔

حدیث رسولؐ، اشقی الاولین اور اشقی الآخرین

۲۹۲

کون تھا۔

عمار ابن خطابؓ

فتح مکہ میں ابوسفیان کو قتل کرنے پر آمادہ ہوئے ۵۳۷

عمار ابن عبد العزیزؓ

والضحیٰ اور الم نشرح، کو ایک سورہ جانتے

بیان۔ آنحضرتؐ نے فرمایا کہ اے علیؑ تمہیں اسمِ اعظم

۵۵۹

کی تعلیم دی گئی ہے۔

۵۶۱

واحد کی تشریح فرمائی۔

۵۶۲

اصمہؓ کے معنی بیان فرمائے۔

اس نے کسی کو نہیں جانا کہ خود بھی موجود ہو۔ وہ

کسی سے پیدا نہیں ہوا اور نہ محدود ہو جاتا۔ کوئی

۵۶۶

اس کا مثیل و نظیر نہیں۔ (نہج البلاغہ)

اے بیٹا! جان لو کہ تمہارے رب کا کوئی شریک

۵۶۷

ہوتا تو اس کے نمائندے بھی تمہارے پاس آتے۔

۵۸۷

اللہ کی راہ پر چلنے والوں پر مطلب مخفی نہیں رہتا۔

حضرت امام علی بن الحسینؑ (امامِ چہارم)

۲۰۰

دنیا کی محبت ہر گناہ کا سرچشمہ ہے۔ (حدیث رسولؐ)

اللہ اور رسولؐ کی معرفت کے بعد بغضِ دنیا

۲۰۲

سے بہتر کوئی عمل نہیں۔

سورہ فیل کی شانِ نزول کے بارے میں ایک

۴۸۵

طویل حدیث بیان فرمائی۔

اصمہؓ اس ہستی کو کہتے ہیں جس کا کوئی شریک

۵۶۲

نہ ہو۔

حضرت امام علی بن موسیٰ رضاؑ (امامِ ہشتم)

کیا وہ اس کے علاوہ توقع رکھتے ہیں کہ ان کے

۲۳۴

پس فرشتے یا پروردگار کا فرمان آن پہنچے؟

قرآن کا جتنا مطالعہ اور نشر و اشاعت ہوتی

کرنا چاہے وہ یہ سورہ پڑھے۔ مجھے سورہ نمود
واقوعہ نعم بیلدون، مرسلات اور تکیویر نے
بوتھا کر دیا۔

۳۳

(جبریل سے) اللہ نے تیری کسی عمدہ تعریف
کی ہے۔ صاحب قدرت ہے، صاحب عرش
اللہ کا قرب رکھتا، فرمانروا اور امین ہے۔

۵۱

تیرا بھیجا ہوا تیری عقل کو نمایاں کرتا ہے اور
تیرا خط تیری بات کا پُرگو ناطق ہے۔

۵۵

ابھی یا بُری سُنت جاری کرنے پر اجر و ثواب یا
عذاب و عتاب، بغیر اس کے کہ حاملین سُنت
کے اجر و ثواب میں کمی ہو، اُسے بھی ملے گا۔

۶۶

انسان کی جمالت و نادانی نے اسے مغرور بنا دیا
اعمال نیتوں سے وابستہ ہیں، فرشتے خود انسان
سے لیتے اور اس پر خرچ کرتے ہیں۔ ہماری زبان

۷۶

ان کا قلم اور لعابِ دہن ان کی سیاہی ہے۔
بد عملی لکھنے میں تساہل اور نیک عمل کا فوراً لکھا جاتا۔

۷۶

نیکیاں بُرائیوں کو ختم کر دیتی ہیں۔
جو شخص سورہ مطففین پڑھے، اللہ اسے قیامت
میں خالص شراب پلائے گا۔

۸۲

اللہ کم تولنے والے کی زراعت جھین لے گا اور
قحط سالی میں مبتلا کرے گا۔

۹۲۰۹۱

فرشتہ بندہ کا عمل بخوشی اُپر لے جائے گا، مگر
اللہ فرمانے گا اسے سجین میں لے جاؤ، اس کا

در نمازیں دونوں کو ملا کر پڑھتے تھے۔ (رازی) ۳۳۳

عمر بن عبدود

جناب امیر نے اسلام پیش کیا تو کہا جو مال میں
نے تمہاری مخالفت میں خرچ کیا اس کا کیا بنے گا۔ ۲۵۷

فرعون

اللہ نے فرعون اور اس کے لشکر کو نیل میں
غرق کر دیا۔

۱۶۶ تا ۱۶۳

قدار بن سالف

قوم نمود کا شقی ترین شخص جس نے ناقہ صالح
کو ہلاک کیا۔

۲۸۷

کفود یا سارہ

ماطِب بن ابی بلتعہ کا خط لے کر مکہ جا رہی تھی
حضرت علیؓ اسے پکڑ کر مدینہ لے آئے۔

۵۳۶

لقمان

۳۷۷

ایک مشہور حکیم و دان

محمد ابن حنفیہ

اصد کے معنی جناب امیر سے دریافت کیے ۵۶۳

حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

سورہ تکیویر کی تلاوت کرنے والے کو اللہ اس
دن رسوائی سے محفوظ رکھے گا جب اعمال اُسے
لکھیں گے۔ جو قیامت میں میری زیارت

- ۹۶ مقصد میری رضا نہیں تھا۔
- ۱۰۳ گناہوں کی فراوانی انسان کے دل کو تباہ کر دیتی ہے۔
- ۱۰۴ جب بندہ گناہ کرتا ہے تو اس کے دل میں ایک سیاہ نقطہ پیدا ہو جاتا ہے، پھر ہر گناہ پر سیاہی بڑھتی ہے یہاں تک کہ دل کو گھیر لیتی ہے۔
- ۱۰۵ علیتین سے مراد ساتواں آسمان اور عرش خدا کا زیریں حصہ ہے۔
- ۱۱۳ یا علیؑ جو شخص اللہ کی خوشنودی کی خاطر یا اپنی جان کی حفاظت کے لیے ہی شراب کو ترک کرے گا اللہ اسے حقیق و مخبوم اور شرابِ زلال سے سیراب فرمائے گا۔
- ۱۱۹ اس روز جنت کا ایک دروازہ جہنم کی طرف کھلے گا۔ دوزخی اپنی نجات سمجھ کر اس کی طرف دوڑیں گے مگر وہ بند ہو جائے گا، ایسا کئی مرتبہ ہو گا۔ جتنی ان پر نہیں گئے۔
- ۱۲۳ سورۃ انشقاق پڑھنے والا پس پشت سے ناکہ اعمال دیے جانے سے محفوظ رہے گا۔
- ۱۳۵ سورۃ بروج کی تلاوت کرنے والے کو جمعہ و عرفات میں جمع ہونے والوں کی تعداد سے دس گنا حسنت ملیں گے۔
- ۱۳۹ بروج سے مراد ستارے ہیں
- ۱۵۰ شاہد عید قربان کا دل ہے اور مشہود عرفہ کا
- ۱۲۸ سورہ طارق کی تلاوت کرنے والے کو تارکانِ عرش کی تعداد سے دس گنا ثواب ملے گا۔
- ۱۴۴ تمہارے سرانہ تمہارے اعمال ہی ہیں۔ مثلاً نماز، روزہ وغیرہ۔
- ۱۸۰ قرآن ایسا کلام ہے جو حق کو باطل سے جدا کر دیتا ہے۔ (جناب امیرؑ)
- ۱۸۴ سورۃ اعلیٰ کی تلاوت کرنے والے کو اللہ ان حروف کے بدلہ جو اس نے ابراہیمؑ و موسیٰ و آنحضرتؐ پر نازل فرمائے، دس نیکیاں عطا فرمائے گا۔
- ۲۰۵ سورۃ غاشیہ کی تلاوت کرنے والے کا حساب قیامت کے دن اللہ آسان کر دے گا۔
- ۲۰۹ صریح دوزخ کی آگ میں ایک چیز جو کانٹے کی طرح ہے۔
- ۲۲۶ 'یال عشر' ذی الحجہ کی پہلی دس راتیں ہیں۔ (راوی جابر بن عبد اللہ)
- ۲۲۷ 'شفع' سے مخلوقات اور آدمی سے اللہ کی ذات مراد ہے۔ (ابو سعید خدری)
- ۲۳۳ تیوک جاتے ہوئے وادی ثمود پر پہنچے تو فرمایا: "جلدی کرو! تم اس وقت معذب و ملعون سرزمین پر ہو۔"
- بجریل امینؑ نے خبر دی ہے کہ قیامت میں اللہ جہنم کو لے آئے گا جس پر پل صراط اور

اللہ کے نزدیک پسندیدہ عمل، بھوکے کو کھانا

کھلانا، قرض ادا کرنا، مومن کا دل خوش کرنا۔ ۳۱۱

جو شخص کسی مسلمان گھرانے کی ایک دن رات

پذیرائی کرے اللہ اس کے گناہوں کو بخش دیگا۔ ۳۱۲

”والضعی“ کی تلاوت کرنے والے سے اللہ راضی

اور آنحضرتؐ اس کے شفیع ہوں گے۔ ۳۱۳

قسم ہے دن اور روشنی کی، رات اور سکون کی!

اللہ نے تجھے نہیں چھوڑا، تیری آخرت دنیا سے

بہتر ہے۔ اس قدر عطا کیا جائے گا کہ تو خوش ہو

جائے گا۔ ۳۱۴ • ۳۱۸

میں قیامت میں اس تعداد میں سفارش کروں گا

کہ اللہ فرمائے گا اے محمدؐ! کیا تم راضی ہو گئے؟

(امام محمد باقر اپنے آباء سے) ۳۱۹ • ۳۲۰

یتیم پایا تو پناہ دی، گمشدہ تھا تو رہنمائی کی، مفلس

تھا تو بے نیاز کر دیا۔ یتیم کو حقیر نہ جان، سائل کو

نہ بھڑک، اپنے رب کی نعمت کو یاد کر۔ ۳۲۱

یتیم کے سر پر شفقت کا ہاتھ رکھ۔ ہاتھ کے نیچے

بٹنے وال ہیں ان کے برابر قیامت میں ایک نور

حاصل ہوگا۔ ۳۲۵

جب اللہ بندہ کو نعمت دیتا ہے تو پسند فرماتا

ہے کہ اس پر عطائے نعمت کے آثار دیکھے۔ ۳۲۶

جب نعمت دی جائے اور اس پر اس کے آثار

نمایاں نہ ہوں تو وہ دشمن خدا اور نعمت کا مخالف

شمار ہوگا۔ ۳۲۷

اس پر تین اور ٹپ ہیں۔ (طویل حدیث) ۲۳۶

ستر ہزار فرشتے ستر ہزار مبارکوں کے ذریعہ

جہنم کو کھینچ کر لائیں گے، جبکہ وہ سرکشی کی

حالت میں ہوگی۔ ۲۳۷

سورۃ اہلہ کی تلاوت کرنے والے کو اللہ قیامت

میں اپنے غضب سے امان دے گا۔ ۲۵۱

انسان کی آنکھ کو ملکوں سے اور زبان کو ہونٹوں

سے ضبط میں رکھا گیا ہے۔ ۲۶۱

لوگو! تمہارے لیے دو (خیر اور شر کی) زمینیں

موجود ہیں۔ ۲۶۸ • ۲۶۹

دشوار گھائی سے بھاری بوجھ والے نہیں گزر

سکیں گے۔ میں چاہتا ہوں اس بوجھ کو

ہلکا کر دوں۔ ۲۶۸

غلاموں کو آزاد اور گردنوں کو (طوق غلامی سے)

رہائی دے۔ جن رشتہ داروں نے تجھ سے قطع

رحمی کی ان سے بھی اچھا سلوک کر، بھوکوں کو کھلا،

امرو نہی کر، زبان بند رکھ۔ ۲۷۰

خدا یا میرے نفس کو اس کا تقویٰ عطا فرما۔ تو

ولی و مولا ہے، تزکیہ فرما! ۲۸۳ • ۲۸۴

جس کے نفس کا اللہ نے تزکیہ کیا وہ نجات پا گیا۔

جسے خیر سے محروم کر دیا وہ ناامید ہو گیا۔ ۲۸۴

”من اشقی الآخرین“! جناب امیرؑ نے فرمایا:

”میں معلوم فرمایا“ جو شخص تیرے سر پر ضرب

لگائے گا۔“ ۲۸۵

۳۶۲ حمد کے لائق وہی ہے جس نے یہیں موت کے بعد زندگی بخشی۔

۳۷۰ اللہ کی اس طرح عبادت کر کہ تو اسے دیکھ رہا ہے۔ اگر تو نہیں تو یقیناً وہ تجھے دیکھ رہا ہے۔

۳۷۲ میرے زمانہ کافر عون، فرعون، موسیٰ سے بدتر اُس نے آخری وقت ایمان کا اقرار کر لیا تھا۔

۳۷۵ بندہ بحالت سجدہ سب سے زیادہ اللہ کے قریب ہوتا ہے۔

۳۷۸ سورۃ قدر کی تلاوت کرنے والا ایسا ہے گویا اس نے ماہِ صیام کے روزے رکھے اور شبِ قدر کا احیاء کیا۔

۳۸۲ بنی اسرائیل میں ایک شخص نے ہزار ماہِ لباس جنگ پہنے رکھا، جہاد میں مشغول رہا۔ اصحاب نے تعجب کیا، بنی اسرائیل کے چار افراد کی انہی سال معصیت کے بغیر اللہ کی عبادت۔

۳۸۶ میری اُمت کو شبِ قدر عطا ہوئی۔ یہ نعمت پہلے کسی کو نہیں ملی۔

۳۹۱ سورۃ بَیِّنۃ، کو ازل سے فرشتے تلاوت کر رہے ہیں۔ جو شخص تلاوت کرے گا فرشتے اس کے دین و دنیا کی حفاظت کریں گے اور اس کے لیے رحمت و بخشش طلب کریں گے۔

۳۹۴ سورۃ زلزلہ کی تلاوت کرنے والا سورۃ بقرہ کی تلاوت کا ثواب پائے گا۔

یتیم کے رونے سے عرش الہی کانپ جاتا ہے۔

فرشتہ! جو اس کو چُپ کرانے گا میں اُسے

قیامت میں خوش کر دوں گا۔ یتیم روتا ہے

تو اس کے آنسو اللہ کے ہاتھ پر پڑتے ہیں۔

میں اور یتیم کا سر پرست دو نوں پہلو بہ پہلو

جنت میں ہوں گے۔

۳۲۹ یتیم کو اکیس دانہ خرماعطا فرمائے اور اس کی

سرپرستی پر توجہ دلائی۔

۳۳۰ سورۃ الم نشرح کی تلاوت کرنے والے کو اس شخص

کا ثواب ملے گا جس نے رسولِ پاک کو غزوہ پاکر

آپ کا غم دور کیا ہو۔

۳۳۲ تیرے سینہ کو کشادہ کیا، مگر تو بھاری بوجھ کو کم

کیا، ذکر کو بلند کیا، پس سختی کے ساتھ آسانی

ہے۔ اپنے کام سے فارغ ہو اور اپنے

رب کی طرف رغبت کر۔

۳۳۵ تا ۳۴۲ اپنے پروردگار کے حکم کا منتظر رہ، یونس کی

طرح نہ ہو جا۔

۳۲۶، ۳۲۷ جب میرا نام لیا جاتا ہے تو اس کے ساتھ تیرا نام بھی

لیا جاتا ہے، اور یہ تیرے مقامِ عظمت کیلئے کافی ہے۔ (قولِ ظلم)

جان کو یقینوں کے ساتھ آسانی ہے، صبر کے ساتھ

کامیابی ہے، غم و اندوہ کے ساتھ خوشحالی ہے۔

۳۳۸ روغنِ زیتون کھاؤ، بدن پر مالش کرو، یہ ایک

مبارک درخت ہے۔

۳۵۲ ہاں! اللہ احکم الحاکمین ہے اور میں اس کا گواہ ہوں ۳۵۴

جہاں ڈالتے، پاکیزہ افراد کے عیب تلاش کرتے ہیں۔ ۴۷۱
لوگوں میں سب سے زیادہ ذلیل شخص وہ ہے
جو لوگوں کی توہین و تذلیل کرے۔ ۴۷۱
آنحضرتؐ کا شبِ معراج جبریل سے سوال!
دوزخیوں کا گوشت کاٹ کر انہیں کھلانا۔ ۴۷۶
ہر شخص کا عمل میں حصہ اس کی نیت کے مطابق
ہوگا۔ جو شخص اللہ کے لیے جہاد کرے اس کا
اجر اللہ پر ہے۔ ۵۰۸
ایک ایسا زمانہ آئے گا کہ لوگوں کے باطن قبیح،
گندے اور آلودہ ہوں گے جبکہ ظاہر زیبا و
خوبصورت۔ ۵۰۹
دینار کو قیامت میں پانچ ناموں سے پکارا
جائے گا، کافر، فاجر، جلیکیر، خاسر، زیاں کار۔ ۵۰۹
سورہ کوثر تلاوت کرنے والے کو اللہ جنت کی
نہروں سے سیراب فرمائے گا۔ ۵۱۹، ۵۱۱
سورہ کافرون، تلاوت کرنے والے نے گویا
چوتھائی قرآن پڑھا۔ وہ قیامت کی گھبراہٹ
سے امن میں رہے گا۔ ۵۲۱، ۵۲۰
بستر پر جائے تو چاروں نفل، اور سورہ نصر
کی تلاوت کر۔ ۵۲۱
سورہ نصر کی تلاوت کرنے والا ایسا ہے جیسے
وہ فتح مکہ کے دن رسول خدا کے ساتھ تھا۔ ۵۲۱
سورہ نبئت کی تلاوت کرنے والے کو اللہ

قیامت میں زمین زن و مرد کے اعمال کی گواہی
دے گی۔ وضو اور نماز کی حفاظت کرو۔ زمین
پر جو اچھا یا بُرا کام کرو گے وہ اس کی گواہی
دے گی۔ بیابان میں ہو تو بلند آواز سے اذان
دو۔ جن دانس اور پتھر کے ٹکڑے اسے سن کر
گواہی دیں گے۔ ۴۱۲
ایک شخص کا سوالِ تعلیم، حضورؐ کا اسے صحابی
کے شہر و کرنا۔ صحابی کا سورہ زلزله، تعلیم کرنا۔
وہ واپس ہوا تو فقیہ تھا۔ (ابو سعید سے مکالمہ
برائے اعمال) ۴۱۷
کنود وہ ہے جو خود اکیلا کھاتا ہے، دوسروں
سے روکتا ہے، غلاموں کو مارتا ہے۔ ۴۷۸، ۴۷۷
کوئی عمل لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ کے بغیر قبول نہ ہوگا۔
یہ کلمہ ہی میزانِ عمل کو بھاری کرے گا۔ ۴۴۱
غیر شرعی طریقہ سے مال جمع کرنا، تکثر ہے
تیرا مال صرف وہ ہے جو ٹوکھاتا ہے، لباس
جو پہنتا ہے اور صدقات جو ادا کرتا ہے۔ ۴۵۲
اگر اس کا یقین اور سچتہ ہوتا تو پانی تو کیا
ہوا پر چلتا۔ ۴۵۳
سورہ، ٹھنڈے کی تلاوت کرنے والے کو ان
لوگوں کی تعداد سے دس گنا حسنت ملیں گے
جنہوں نے رسول و اصحاب رسولؐ کا مذاق اڑایا۔ ۴۶۷
بست زیادہ چٹلی کرتے، دوستوں کے درمیان

- ۱۰۳ دل زنگ آلود ہو جاتے ہیں۔
 اللہ قیامت میں بندوں کی عقل و فراست کے مطابق سخت گیری فرمائے گا۔
 ۱۲۹ شاہد عیدِ قربان اور مشہود عرفہ کا دن ہے جس نے اطاعت کی وہ نجات پا گیا، جس نے نافرمانی کی وہ ناامید و محروم ہو گیا۔
 ۲۸۳ جو سورۃ قدر کو بلند آواز میں پڑھے اس نے راہِ خدا میں تلوار کھینچی، جس نے آہستہ پڑھی وہ گویا اپنے خون میں غلطاں ہوا۔
 ۳۷۸ ہم شب قدر کو کیسے نہ جانیں! فرشتے اس رات ہمارے گرد طواف کرتے ہیں۔
 ۳۸۴ سورہ قارعہ پڑھنے والے کو اللہ جہاں کے فتنہ اور اس پر ایمان لانے سے محفوظ رکھے گا۔
 ۴۳۴ میزانِ عمل میں سب سے زیادہ وزنی محمدؐ کو اُل محمدؐ پر درود کی تلاوت ہے۔ جس کا ظاہر باطن سے بہتر ہے قیامت میں اس کا میزانِ عمل ہلکا ہو گا۔
 ۴۴۱ ستاروں کے ذریعہ بارش کی طلب، نسب پر فخر، خاندانی شرافت پر طعن کرنا جاہلیت کے اعمال ہیں۔
 ۴۵۱ اسلام سے ایک درجہ بالاتر ایمان، پھر تقویٰ پھر یقین بالاتر ہے۔ یقین کی حقیقت اللہ پر توکل کرنا ہے۔
 ۴۵۲

- ابوالب کے ساتھ ایک گھر میں اکٹھا نہیں فرمائے گا۔
 ۵۴۳ سورۃ اخلاص تلاوت کرنے والے نے گویا ایک تہائی قرآن پڑھا۔ کثرتِ تلاوت کے باعث سعد بن معاذ کے جنازہ پر شتر ہزار فرشتوں نے نماز پڑھی۔ اللہ اسے اور اس کے والدین کو بخش دے گا۔
 ۵۵۵ ہر مومن کے دل میں دوکان ہیں، ایک میں فرشتہ چھوٹک مارتا ہے اور دوسرے میں دسواں خناس۔
 ۵۸۹ اللہ مومن کی فرشتہ سے تائید کرتا ہے۔
 حضرت امام محمد باقر علیہ السلام (امام پنجم)
 مودۃ شدت سے مراد وہ لوگ ہیں جو ہماری محبت میں قتل کر دیے گئے۔
 ۳۹ آج بھی تمام کام اللہ کے اختیار میں ہیں، لیکن قیامت کے دن تو تمام حاکم برباد ہو جائیں گے، حکومت صوف اور صرف اللہ کی ہوگی۔
 ۸۱ امیر المؤمنینؑ ہر صبح بازارِ کوفہ میں کھڑے ہو کر فرماتے: اے گروہِ تجارتِ اللہ سے ڈرو اور خیر طلب کرو۔ لوگوں کے ساتھ معاملہ آسان کر کے برکت حاصل کرو۔
 ۹۱ رسیچین ساتویں زمین اور علیٰ تین ساواں آسمان ہے۔
 ۹۶، ۹۵ حدیث دلوں کی جلا کا سبب ہے، گناہ سے

سے کاندھے پر اٹھا کر لانا، یہ پیش خمیہ تھا کہ انسانوں

۳۲۸

سے بڑاؤ کے لیے بغیر منتخب فرمایا۔

فرعون کی طرف بھیجا کہ وہ سرکش ہو گیا ہے۔

۳۳۶

آپؐ کی دعا "ربنا اشرح لی صدری"

حضرت امام موسیٰ کاظمؑ (علیہ السلام) ہفتم،

ماورین فیتہ اعمال اور ان کے طریق کار پر آپؐ

کی ایک طویل حدیث انسان کی نیت کے بارے میں۔ ۶۶

نجاشی

۴۸۶

روم کی ذیلی ریاست حبشہ کا حکمران

نضر بن حارث بن کلدہ

آنحضرتؐ کا خالہ زاد جو کفر و ضلالت کا سفر فتح ۱۰۰

نفس ذکیہ

حضرت امام حسنؑ کے فرزند محمد بن عبداللہ کا

لقب جو منصور و وانیقی کے ہاتھوں ۱۳۵ھ

۵۱۷

میں شہید ہوئے۔

ورقہ بن نوفل

آنحضرتؐ پر وحی کا نزول، جناب خدا پر جو کما

دلچسپی فرمانا۔ ورقہ بن نوفل کا مشورہ اور

۳۵۹ تا ۳۶۲

پیش گوئی۔

اللہ تعالیٰ سورۃ ماعون، کو فریضہ یا نافذ نمازوں

میں پڑھنے والے کے نماز روزہ کو قبول فرمائے گا۔ ۵۰۲

اے محمدؐ! یہ ہمارے خدا ہیں۔ تو بھی اپنے خدا

کی تعریف کر، ہم اسے دیکھیں اور ادا کر۔ ۵۵۸

نماز قرآن مجید، اللہ اُخلاص تلواریں کرنے

والے کی نماز وتر قبول ہوگی۔ ۵۸۴، ۵۸۴

محمود

ابراہیم کے ہاتھی کا نام جس پر سوار ہو کر وہ کعبہ

۴۸۸

پر حملہ آور ہوا۔

معاذ بن جبل

۱۷۷

رسول پاکؐ سے سرائے کے معنی دریافت کے

ایک یتیم کے سر پر دست شفقت رکھنا،

۳۳۰

دعا دینا۔

معاویہ بن ابوسفیان

خدا کی قسم قریش کے لیے علیؑ کے سوا کسی نے

۴۴۸

فصاحت و بلاغت کی بنیاد نہیں رکھی۔

میفرہ ابن شعبہ

اس نے اپنے بیٹے سے معاویہ کی تنقیص کی ۳۴۳، ۳۴۳

حضرت موسیٰ علیہ السلام

یہ احکام پہلی آسمانی کتابوں صحیفہ ابراہیمؑ و موسیٰؑ

۱۹۸ تا ۲۰۰

میں آچکے ہیں۔

ایک میمنہ کا گھر سے نکل جانا، تلاش کرنا، شفقت

۲۹۲	ابن مردویہ
۴۲	ابن منظور (لسان العرب)
۱۵۶، ۱۵۰، ۸۶	ابو الفتح رازی (مفسر روح البیان)
۵۲۶، ۵۲۳، ۴۳۹، ۴۲۴، ۳۵۹، ۲۲۶	
۴۰۴	ابو نعیم اصفہانی
۳۹۲	احمد ابن حنبل
۲۹۲، ۱۵۶	ثعلبی
۴۵	جارج گاموس (ماہر فلکیات)
۵۲۳، ۴۰۳	جلال الدین سیوطی
۳۳۲، ۳۱۰	حاکم چسکانی
۴۹۶	حرعاملی
۲۹۲	خطیب بغدادی
۴۰۴	خطیب خوارزمی
۱۳۷، ۱۳۴، ۱۰۹، ۹۰، ۴۲	راغب (مفردات)
۲۸۲، ۲۶۹، ۲۵۵، ۲۱۲، ۱۷۹، ۱۵۲	
۲۸۲، ۳۶۰، ۳۳۶، ۳۲۳، ۲۸۹، ۲۸۳	
۵۰۴، ۴۷۴، ۴۶۴، ۴۶۰، ۴۴۷، ۳۹۶	
۵۸۷، ۵۴۷	
۴۳۹، ۲۴۳	زحشری
۴۰۴	سلیمان شیخ قندوزی (دینا بیج المؤدۃ)
۴۵۵، ۲۲۹	طباطبائی علامہ (المیزان)
۱۵۶، ۱۵۰، ۱۳۲، ۱۱۰، ۸۶	طبری (مفسر مجمع البیان)
۵۴۵، ۵۲۶، ۵۲۳، ۳۵۹، ۲۹۸، ۲۵۵	
۵۴۷	

ولید بن مغیرہ

ولید اور اس کے ساتھی مومنین سے استہزاء کرتے تھے۔

۱۱۶

”یتجنبہا لاشقی“ کا مصداق

۱۹۶

پس پشت رسول پاک کی غیبت اور سامنے طعن و تشنیع کرتا تھا۔

۴۶۹

حضرت ہود علیہ السلام

آپ قوم عاد کی طرف نبی بنا کر بھیجے گئے

۲۳۱

حضرت یوسف علیہ السلام

زلیخا سے گفتگو اور فرمانا: ”انہ من یتی و

۲۹۳

یصرہ یضیع اجر المحسنین“

حکومت حاصل ہونے پر اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں

۵۳۵

دعا اور شکر پر۔ (یوسف / ۱۰۱)

علماء و دانشور

الوسی (مفسر روح المعانی)

۴۰۴، ۳۱۰

ابو ابی الحدید (شرح نہج البلاغہ)

۴۳۳

ابن اثیر (کامل)

۵۴۵

ابن عساکر

۴۰۲

- ثواب تلاوت :
 تلاوت کرنے والے کو اللہ ہر سواتی سے محفوظ
 فرمائے گا۔ میری زیارت کا شرف پائے گا۔ ۳۲
 مجھے سورہ ہود، واقعہ، بناء، مراسلات اور تکویر
 نے بوڑھا کر دیا۔ (رسول پاک) ۳۳
 تلاوت کرنے والا جنت جاوداں میں اللہ کے
 سایہ رحمت میں ہوگا۔ (امام جعفر صادقؑ)۔ ۳۳
 عظمت قرآن :
 یہ با عظمت قرآن رسول (جبریلؑ) امین، کا
 لایا ہوا کلام ہے۔ ۳۶
 قرآن عالمین کے لیے نصیحت ہے۔ ان کے
 لیے نصیحت ہے جو نصیحت حاصل کرنا چاہیں۔ ۵۸، ۵۶

سورہ انفطار

مضامین :

- آثار قیامت، نعمات الہی، اعمال کھنے والے فرشتے،
 نیک و بد کی سر نوشت، قیامت کی سختیاں۔ ۶۰
 ثواب تلاوت :

- فریضہ و نافلہ نمازوں میں سورہ ہائے انفطار و
 اشتقاق کی تلاوت کرنے والے اور اللہ تعالیٰ
 کے قرب کے درمیان کوئی چیز حائل نہ ہوگی۔
 (امام جعفر صادقؑ) ۶۰

۴

- طبری موصلی ۴۰۴، ۳۳۳، ۲۹۲
 طرکھی (مجمع البحرین) ۹۴
 فخر الدین رازی (تفسیر کبیر) ۳۰۸، ۳۳۳، ۳۹۴، ۴۳۹
 ۴۶۰
 (مفاتیح الغیب) ۲۲۳، ۲۲۶، ۲۱۸، ۱۵۶
 قرطبی ۵۲۳
 کرسی موریس (رازِ آفرینش انسان) ۱۹۰
 مراغی (مفسر) ۸۷
 نیوٹن (مشہور سائنسدان) ۵۶۷
 واحدی ۲۹۲

کُتبِ آسمانی

تورات

- کتاب دانیال، ذکر اصحابِ اخدود ۱۵۶

قرآن حکیم

سورہ تکویر

مضامین :

- مکی سورہ، قیامت کی نشانیوں، دنیا کے آخر میں
 عظیم تبدیلیوں، قرآن لانے والے کی عظمت اور
 انسانی نفوس پر قرآن کے اثرات کا بیان۔ ۳۲

سورہ مطففین

مضامین:

کم تو نا بڑے گناہوں کا سرچشمہ ہے، قیامت پر یقین نہ ہونا، فجار کی سرنوشت، نعماتِ اہل جنت، کفار کا مومنین سے جاہلانہ استہزاء۔

۸۴

ثواب تلاوت

تلاوت کرنے والے کو اللہ قیامت میں خالص

۸۴

شرابِ طہور پلائے گا۔ (رسولِ پاک)

فریضہ نمازوں میں پڑھنے والے کو اللہ قیامت

میں عذابِ جہنم سے محفوظ رکھے گا۔ (امام جعفر صادق) ۸۴

شانِ نزول:

اہلِ مدینہ کا کم تو نا، رسولِ پاک کی تہدید، پانچ

۸۴، ۸۶

چیزوں کے مقابلہ میں پانچ چیزیں۔

آیت "إِنَّ الَّذِينَ أَجْرَمُوا" کی شانِ نزول،

اللہ کفار نے علیؑ اور ان کے رفقاء کا مذاق اڑایا۔

بقول حکامی، "الَّذِينَ أَجْرَمُوا" سے کفار قریش

اور "الَّذِينَ آمَنُوا" سے علیؑ اور ان کے رفقاء

مراد ہیں۔ (۲) بلالؓ، صہیبؓ، عمارؓ اور دیگر لوگوں

کے بارے میں جو ابو جہلؓ، ولید بن مغیرہؓ اور عاص

۱۱۶

بن وائل کے تمسخر کا نشانہ بنے۔

سورہ انشقاق

مضامین:

معاود قیامت، نیکیوں اور بدول کے اعمال کا

حساب و سرنوشت، موجب عذاب اعمال و

عقائد، انسان کی دنیوی و اخروی زندگی کے

۱۲۳

مراحل۔

ثواب تلاوت:

تلاوت کرنے والا پس پشت سے نامہ اعمال

۱۲۳

دیئے جانے سے محفوظ رہے گا۔ (رسولِ پاک)

قاری ہمیشہ لطفِ الہی پر نظر رکھے گا، لوگوں کے

۱۲۳

حساب سے فارغ ہوگا۔ (امام جعفر صادق)

سورہ بروج

مضامین:

دباؤ کی وجہ سے کچھ افراد کا ایمان سے ہلنا،

مومنین کے قلب و روح میں تقویت پیدا کرنا،

اصحابِ اخذ و دکا واقعہ، فرعون، عاد و ثمود اور

دیگر ظالم اقوام کی داستان، عظمتِ قرآن، وحی

۱۴۵

الہی کی اہمیت کی طرف اشارہ۔

ثواب تلاوت:

تلاوت کرنے والوں کو جمعہ و عرفات میں جمع

ہونے والوں کی تعداد سے دس گنا حسنات

۱۴۶، ۱۴۵

ملیں گے۔ (رسولِ پاک)

سُورَةُ غَاشِيَةِ

مضامین:

معاذ و قیامت، مجرموں کا انجام، مومنوں کا ثواب،
توحید و نبوت کی بحث۔

۲۰۵

ثواب تلاوت:

پڑھنے والے کا حساب بروز قیامت اللہ تعالیٰ
آسان فرما دے گا۔ (رُسُولِ پاک)
واجب و مستحب نمازوں میں پڑھنے والے کو
اللہ تعالیٰ دنیا و آخرت میں سایہ رحمت عطا
فرمائے گا۔ (امام جعفر صادقؑ)

۲۰۵

سُورَةُ فَجْرِ

مضامین:

بہت سی نئی قسمیں۔ اقوام سابقہ اور ان کا انجام
ثواب تلاوت:

ذی الحجہ کی اول دس راتوں میں پڑھنے والے
کے گناہ بخشے جائیں گے۔ باقی ایام میں پڑھے
تو اس کے لیے نور و روشنی ہوگی۔ (رُسُولِ پاک)
یہ سُورہ واجب و مستحب نمازوں میں پڑھو۔
یہ امام حسینؑ کا سُورہ ہے۔ پڑھنے والا حضرت
امام حسینؑ کے ہمراہ بہشت میں داخل ہوگا۔
(امام جعفر صادقؑ)

۲۲۳

سُورَةُ طَارِقِ

مضامین:

معاذ و قیامت، قرآن مجید کی قدر و قیمت و اہمیت
ثواب تلاوت:

۱۶۸

تلاوت کرنے والے کو ستارگانِ عرش کی تعداد

سے دس گنا ثواب ملے گا۔ (رُسُولِ پاک)

۱۶۸

روزِ قیامت مقامِ عظیم اور پیروں کے رفق و

اصحاب میں قرار پائے گا۔ (امام جعفر صادقؑ)

۱۶۸

سُورَةُ اَعْلٰی

مضامین:

آنحضرتؐ کو اوائے رسالت اور حمد و تسبیح پر توجہ
دلانی، مومنین و مشرکین کی سعادت و شقاوت

۱۸۴

کا بیان۔

ثواب تلاوت:

تلاوت کرنے والے کو اللہ ہر اس حرف کے بدلہ
جو ابراہیمؑ، موسیٰؑ و محمدؐ پر نازل ہوئے دس نیکیاں
عطا فرمائے گا۔ (رُسُولِ پاک)

۱۸۴

فرض و نافلہ نمازوں میں پڑھنے والا جس دروازہ

سے چاہے جنت میں داخل ہوگا (امام جعفر صادقؑ)

۱۸۴

یہ سُورہ پڑھنے والے کو یا صحیفِ ابراہیمؑ و موسیٰؑ

۱۸۴

کی تلاوت کی۔ (حضرت علیؑ)

شانِ نزول:

ابوالاحد راح (مؤمن) کا ایک بخیل سے درخت

۲۹۹

خرما خرید کر رسولِ پاک کو ہدیہ کرنا۔

۳۰۸

جناب امیر اور حضرت ابو بکرؓ کی فضیلت پر بحث

سُورَةُ الضَّحٰی

مضامین:

اے رسول! اللہ نے آپ کو ہرگز نہیں چھوڑا۔

اس قدر عطا فرمائے گا کہ آپ خوش ہو جائیں

گے۔ بطور شکر یہ یتیموں اور حاجت مندوں

پر مہربانی کریں۔

۳۱۴

ثوابِ تلاوت:

تلاوت سے اللہ راضی ہوگا، آنحضرتؐ شفاعت

فرمائیں گے۔ بہرِ قیام اور مسائل کے برابر نیکیاں

۳۱۴

ملیں گی۔ (رسولِ پاک)

والضحیٰ کو 'الم نشرح' اندھیل کو 'لا یلیف' میں

۳۱۵

جمع کر کے پڑھنا چاہیے۔

شانِ نزول:

بقول ابن عباسؓ یہود نے ذوالقرنین اور کعب

کے بارے میں سوال کیا۔ وحی کا موقف رہنا۔

۳۱۷

مشرکین کا استہزاء کرنا، وحی کی آمد اور جواب۔

سُورَةُ الْمُنَافِقِ

سُورَةُ بَلَد

مضامین:

پر معنی تسمیں، انسانی زندگی کے شدائد، انسان پر

اللہ کی نعمات، ناشکری، اصحابِ مہینہ و مشتمہ ۲۵۱، ۲۵۰

ثوابِ تلاوت:

تلاوت کرنے والا قیامت میں اللہ کے غضب

۲۵۱

سے مامون ہوگا۔

سُورَةُ شَمْس

مضامین:

تہذیبِ نفس، دلوں کو پاک کرنے والی آیات، خدا

۲۷۵

کی قسم کھائی گئی، سرکش اقوام کا ذکر۔

ثوابِ تلاوت:

پڑھنے والے نے گویا ان چیزوں کے برابر صدقہ

دیا جن پر چاند سورج طلوع کرتے ہیں۔ (رسولِ پاک) ۲۷۵

سُورَةُ التَّلٰوٰتِ

مضامین:

قیامت، جزاء و سزا اور ان کے عوامل

۲۹۶

ثوابِ تلاوت:

پڑھنے والے کو اللہ تعالیٰ اس قدر عطا فرمائے گا کہ

وہ راضی ہو جائے گا، سختیوں سے نجات ملے گی،

۲۹۶

دین و دنیا کی راہیں آسان ہوں گی۔

فرمان، و در قہرین نوحل کامشورہ۔ ۳۵۹ تا ۳۶۲

آغازِ وحی حرکتِ علمی کے ساتھ ہوا۔ خلقت

انسان کے فوراً بعد قلم کی عظمت کا بیان، حمد

کے لائق ہے اللہ جس نے موت کے بعد

حیات بخشی۔ (رسولِ پاک)

آپ کی چند دعائیں ۳۶۲ تا ۳۶۵

سورۃ قدر

مضامین ۱

شبِ قدر میں نزولِ قرآن۔ آنحضرت کا خواب و

تسلی۔ ۳۶۸

ثوابِ تلاوت ۱

قاری نے گویا پورے ماہ روزے رکھے۔

شبِ قدر کا احیاء کیا۔ (رسولِ پاک) ۳۶۸

سورۃ بقرہ

مضامین ۱

اہل کتاب سے گفتگو، نماز و زکوٰۃ کی تاکید۔

آنحضرت کی ہمہ گیر رسالت کے مضامین۔ ۳۹۰

ثوابِ تلاوت ۱

خدا کی قسم، بمقرب فرشتے زمین و آسمان کی پیدائش

کے وقت سے اس کی تلاوت کرتے ہیں۔ فرشتے

تلاوت کرنے والے کے دین اور دنیا کی حفاظت

کریں گے۔ (رسولِ پاک) ۳۹۱

مضامین ۱

نعماتِ الہی کا شمار تین نعمتوں کا ذکر، اللہ کی

طرف توجہ، عبادت کی تحریریں۔ ۳۳۳

ثوابِ تلاوت ۱

تلاوت کرنے والے نے گویا آنحضرت کو غلین دیکھا

اور آپ کا غم دور کیا۔ ۳۳۴

سورۃ التین

مضامین ۱

انسان کی خلقتِ زیبا، تکامل و ارتقاء، اسطفاط و

پستی کی بحث۔ ۳۳۶

ثوابِ تلاوت ۱

دو نعمتیں سلامتی و یقین عطا ہوں گی ۳۳۶

سورۃ علق

مضامین ۱

نزولِ وحی کا آغاز، ناشکرے انسانوں کے بارے

میں گفتگو۔ ۳۵۴، ۳۵۶

ثوابِ تلاوت ۱

پڑھنے والوں کی یاد میں دورانِ تلاوت مر جائے

توشیدِ مسموث ہوگا۔ ۳۵۴، ۳۵۶

شانِ نزول ۱

غیر حرامیں جبرئیل کی آمد، وحی کا آغاز، جنابِ خدا پر کاد بھونٹی

آنحضرتؐ نے رات گزارنے کے بعد نماز صبح میں
اس سورہ کی تلاوت فرمائی۔
۴۲۳، ۴۲۲

سُورَةُ قَارِعَةٍ

مضامین:

۴۲۳ معاد کی گفتگو، اعمال کا تو لا جانا، جزا و سزا

ثواب تلاوت:

پڑھنے والا نعمتِ جہاں اور اس پر ایمان لانے

۴۲۳ سے محفوظ رہے گا۔ (امام محمد باقرؑ)

سُورَةُ نَكَارَتِ

مضامین:

موجود مطالب کی بنیاد پر فخر کرنے والوں کی سزا و

ملاومت، قیامت و معاد و ناریہ جہنم پر تنبیہ، نعمات

۴۲۳ کے بارے میں سوال۔

ثواب تلاوت:

تلاوت کرنے والے سے اللہ نعمات کا حساب نہ

۴۲۳ لے گا۔ (رسول پاکؐ)

واجب و مستحب نمازوں میں اس کی تلاوت شہداء

۴۲۳ کا درجہ عطا کرے گی۔ (امام جعفر صادقؑ)

شانِ نزول:

ایک دوسرے پر فخر و مباہات کرنے والے قبائل

۴۲۴ کے بارے میں نازل ہوا۔

سُورَةُ زُلْزَلِ

مضامین:

معاد کی گفتگو، انسان کے اعمال کی زمین گواہ ہے۔

نیک و بد لوگوں کے گروہ اپنے اعمال کا نتیجہ پائینگے۔ ۴۰۷

ثواب تلاوت:

تلاوت کرنے والے نے گویا سورۃ بقرہ کی تلاوت کی۔

ثواب چوتھائی قرآن تلاوت کرنے کے برابر ہے۔

(رسول پاکؐ) ۴۰۸، ۴۰۷

سُورَةُ الْعَادِيَاتِ

مضامین:

قسموں پر تکیہ، معاد کی گفتگو، جہاد کے مسائل،

۴۱۹ کفر و نیکل کا ذکر۔

ثواب تلاوت:

مرد لفظ میں قیام کرنے والوں کی تعداد سے دس گنا

۴۲۰ نیکیاں ملیں گی۔

پڑھنے والا جنابِ امیرؑ کے ساتھ مبعوث ہو گا۔

۴۲۰ (امام جعفر صادقؑ)

شانِ نزول:

سورہ جنگ ذات السلاسل کے بعد نازل ہوئی۔

مساجی صلح ناکام ہو کر جنگ ہوئی۔ جنابِ امیرؑ

۴۲۳ کے شدید حملے نے دشمن کو درہم برہم کر دیا۔ ۴۲۲

سورہ فیصل

مضامین:

مشورہ تاریخی داستان کا بیان جو آنحضرت کی
ولادت کے سال واقع ہوئی۔ اللہ نے لشکرِ ابرہہ
کو برباد کر دیا۔

۲۸۲

ثواب تلاوت

قیامت میں ہر پہاڑ، ہوا زمین، پتھر واجب
نمازیں میں اس سورہ کو پڑھنے والے کی نماز گزاری
کی گواہی دے گا۔ (امام جعفر صادقؑ) ۲۸۳، ۲۸۲

شان نزول:

ابہرہ کا لشکر نے کعبہ پر پڑھائی کرنا، مددِ الہی
کی آمد اور لشکرِ ابرہہ کی تباہی و نابودی۔

۲۸۵

سورہ قمریش

مضامین:

سورہ قمر کی تکمیل، قریش پر نعمت و الطاف و
محبتِ الہی کا بیان۔

۲۹۶

ثواب تلاوت:

گھوڑے کرنے والے کو خاندانِ کعبہ کا اطوار کرنے
والوں کی تعداد سے دس گنا نیکیاں دی جائیں
گی۔ (رسولِ پاکؐ)

۲۹۶

۶

قریش نے انصار کے دو گروہوں یا دیگر گروہوں کی
کے لئے واضح ہے۔

۴۴۷

سورۃ النحل

مضامین:

تواریک کے تمام علوم و مضامین کا خلاصہ، ایمان و
عمل صالح اور ایک واضح و صریح کوئی و صبر کی
وصیت۔

۴۵۷

ثواب تلاوت:

نظرِ نازل میں پڑھنے والے کی قیامت میں جو
زادانی لبِ عدوان، انگھوں میں خنجر کی ہوگی۔
(امام جعفر صادقؑ)

۴۵۷

سورہ شجرہ

مضامین:

نیل کی کرنا، مفسدین کو طاعت سے روکنا، ان
کے لئے عذاب کی آگ۔

۴۶۷

ثواب تلاوت:

مکہ کی پاک و ہر دم جعفر صادقؑ کی امانیت
تھی نزول:

۴۶۷

دو پہاڑیں پھر ہر ایک بار سے میں نازل ہوا جو آنحضرت
پر عین و شریعت کرنا اور میں پشت آپ کی
غیبت کرنا تھا۔ افسوس ہی شرقی، سورہ بنی نعلت
ہو جائے اور نازل اور مکر وہی کے بارے میں بھی ہے

۴۷۰



سُورَةُ مَاعُونِ

مضامین:

قیامت و منکرین قیامت کی صفات و ایمان کو
پانچ مراحل میں بیان کیا گیا ہے۔

۵۰۲

ثواب تلاوت:

اللہ تعالیٰ اس سورہ کے قاری کی غامدوں اور

۵۰۲

جمع بندی مباحث:

دعویٰ کا انکار، قبول کو حقیر ماننا، ٹھوکر مل کو کھانا

کھانا، نماز سے غفلت، ریاکاری، لوگوں سے

۵۰۵، ۵۰۶

عدم تعاون، حقیر سی شے بھی بڑھانا۔

سُورَةُ كُوثر

مضامین:

حاص بن وائل کا آنحضرت کو اہتر کرنا، قریش

۵۱۲

کا غمخیز ہونا، اللہ کی بشارت۔

ثواب تلاوت:

پڑھنے والے کو اللہ جنت کی نہروں سے سیراب

۵۱۲

فرمائے گا۔ (رسول پاک)

سُورَةُ كَاغُرُونِ

مضامین:

مکی سورہ، مشرکین کی ہٹ دھرمی اور آنحضرت کی ثابت قدمی

۵۲۰

ثواب تلاوت:

پڑھنے والے کے گویا چھتالی قرآن پڑھا۔

روز قیامت گھبراہٹ سے امان میں ہوگا۔

۵۲۱ (رسول پاک)

سوئے سے چلے 'کافرون' پھو۔ یہ جو قتالی

قرآنی ہے۔ (امام جعفر صادق)

۵۲۱

سورہ میں تکرار:

ایک مضمون کی تکرار پڑھنے والے کی رائے ۵۲۸، ۵۲۹

سُورَةُ نَصْرِ

مضامین:

اللہ کی مدد سے ایک عظیم کامیابی، لوگوں کے

حق اور حق اسلام میں داخلہ کی بشارت۔

۵۲۰

ثواب تلاوت:

تلاوت کرنے والا اگر بالفح تک میں آنحضرت کے

ساتھ تھا۔ (رسول پاک) ۵۲۱، ۵۲۲

ناظر اور احباب نمازیں میں تلاوت کرنے والے

کو اللہ تمام دشمنوں پر فتیاب فرمائے گا۔

۵۲۱، ۵۲۲ (امام جعفر صادق)

سُورَةُ تَبَّتْ

مضامین:

الولایت اور اس کی نبوی کی سرافرازی

۵۲۳

فہم این رسول: منجد پر ایسی آیات نازل ہوئی ہیں کہ

تفسير في الدين رازی	۳۸۹، ۳۸۵	بلوغ الادب
۳۳۵، ۳۲۹، ۳۰۸، ۲۶۸	۴۵	پیدائش و مرگ و خورشید (جارج مونکاف)
۴۲۹، ۴۳۹، ۳۸۶، ۳۸۳، ۳۶۲	۴۶۱	تحف العقول
۵۳۵، ۵۱۷، ۴۶۱	تفسير ابو القحوح رازی	۵۲۳، ۴۳۹، ۳۲۰، ۲۷۲، ۲۷۱
۵۳۵، ۴۷۳	۵۳۵	
تفسير في ظلال القرآن	۵۳۸	تفسير القرآن
تفسير قرطبي	۴۷۱، ۴۴۴، ۴۲۶، ۱۵۸، ۱۵۷	تفسير الميزان
۱۹۶، ۱۵۶، ۱۱۶، ۱۰۷، ۶۸، ۴۳	۵۹۰، ۵۶۰، ۵۵۴	
۳۲۷، ۳۹، ۲۸۸، ۲۶۸، ۲۶۵، ۲۰۸	تفسير محمد بن	۳۸۳، ۳۵۷، ۲۲۵، ۱۳۶، ۸۹، ۳۹
۳۲۷، ۳۹، ۲۸۸، ۲۶۸، ۲۶۵، ۲۰۸	۳۸۴	
۵۳۵، ۵۲۳، ۴۲۴، ۳۴۲	۴۷۷	تفسير بضاوی
تفسير کشاف	تفسير در المنثور	۱۸۵، ۱۳۰، ۱۱۹، ۱۰۳، ۶۸، ۵۲
۳۴۳، ۳۰۲، ۱۹۹، ۱۹۶، ۱۲۷، ۱۱۶	۵۲۳، ۴۶۵، ۴۵۴، ۴۰۳، ۳۸۲، ۲۸۴	
۴۴۰	تفسير روح البيان	۲۹۰، ۲۵۸، ۱۸۷، ۱۴۱، ۷۳، ۶۸، ۵۸
تفسير مجمع البحرين	تفسير روح البیان	۲۲۶، ۱۵۵، ۱۵۰، ۱۳۴، ۸۶
۱۱۰، ۱۰۷، ۹۴	تفسير روح المعانی	۱۳۰، ۱۲۷، ۹۴، ۷۳، ۶۸، ۵۸
تفسير مجمع البيان	۱۹۹، ۱۹۶، ۱۸۰، ۱۷۲، ۱۵۶، ۱۵۵	
۶۸، ۶۶، ۶۰، ۵۲، ۴۹، ۴۰، ۳۲	۴۰۷، ۴۰۴، ۳۷۸، ۳۴۳، ۳۱۰، ۲۲۶	
۱۱۶، ۱۱۴، ۱۱۰، ۸۹، ۸۶، ۸۴، ۸۱	تفسير طبري	۴۰۴
۱۷۷، ۱۶۸، ۱۵۶، ۱۵۰، ۱۴۲، ۱۲۹، ۱۲۳	تفسير طنطاوی	۴۷۶
۲۵۱، ۲۴۵، ۲۳۵، ۲۲۷، ۲۰۱، ۱۸۵	تفسير عبده	۴۹۲، ۳۲۵
۲۷۵، ۲۷۰، ۲۶۸، ۲۶۵، ۲۵۸، ۲۲۵، ۲۲۴	تفسير علی ابن ابراہیم	۵۲۶، ۱۵۵، ۹۵
۲۹۸، ۲۹۶، ۲۸۹، ۲۸۸، ۲۸۴، ۲۸۳	تفسير عیاشی	۱۵۷
۳۲۶، ۳۲۵، ۳۲۰، ۳۱۷، ۳۱۴، ۲۹۹		
۳۴۶، ۳۳۷، ۳۳۴، ۳۳۳، ۳۳۰، ۳۲۹		
۳۹۱، ۳۷۸، ۳۶۹، ۳۶۰، ۳۵۹، ۳۵۴		
۴۴۴، ۴۴۳، ۴۲۸، ۴۲۴، ۴۱۲، ۴۰۸		
۴۸۵، ۴۸۳، ۴۵۸، ۴۵۷، ۴۵۵، ۴۴۹		
۵۲۳، ۵۱۶، ۵۱۲، ۵۱۱، ۵۰۴، ۴۹۶، ۴۸۹		
۵۴۷، ۵۴۵، ۵۴۳، ۵۴۰، ۵۳۵، ۵۳۱		
۵۸۹، ۵۶۳، ۵۵۶، ۵۵۵		

١٨٩	قرآن برافراشتار	١٨٠، ١٤٣، ٨٦	تفسير مرغی
١٥٥	قصص القرآن (بلاغی)	١٣٣، ١٢٤، ١٢٦، ١١٦، ١٠١، ٨٦	تفسير مفاتيح الغیب
٥٢٥، ٥٢٠	کامل ابن اشیر	٢٢٦، ٢١٩، ٢٠٠، ١٥٦	
٢٩٦	کتاب وسائل (مُرحطی)	٨٩، ٨٤، ٨٢، ٤٤، ٤٢، ١٩، ٢٣	تفسير نور الثقلين
٢٠٢	کفایت النخام	١٥٠، ١٢٩، ١١٣، ١١٢، ١٠٣، ٩٦	
٢٨٩، ٩٢، ٢٤، ٣٢، ٣٥	لسان العرب (ابن منظور)	٢٢٨، ٢٠٠، ١٩٩، ١٨٢، ١٤١، ١٦٨	
٢١٢	لثالی الاخبار	٢٤٠، ٢٦١، ٢٥٤، ٢٥١، ٢٣٦، ٢٣٢	
٢٩٢	مجتبة البيضاء	٢١٢، ٣٨٦، ٣٣٩، ٣٢١، ٣٢٩، ٢٩٢	
مفردات (راغب)	١٥٢، ١٣٤، ١٣٢، ١١٠، ٩٠، ٢٢	٢٤٢، ٢٤٣، ٢٥٩، ٢٥٢، ٢٢٢، ٢٢١	
٢٨٣، ٢٨٢، ٢٦٩، ٢٥٥، ٢١٢، ١٤٩		٥٤٥، ٥٠٤، ٥٠٦، ٢٨٥، ٢٤٨	
٢٩٦، ٢٨٢، ٢٦٠، ٢٣٦، ٢٢٢، ٢٨٩		٢٤٨	توحيد صدوق
٥٢٤، ٥٠٢، ٢٤٢، ٢٦٢، ٢٦٠، ٢٢٤		٢٢٩	دائرة المعارف
٥٨٤		٢٨٥	روضه الواعظین
٢٤٣	مقائیس اللغة	٢٨٩، ٢٨٥	سيرة ابن هشام
٦٢	نیه المرید	٢٢٨، ٢٢٢	شرح نهج البلاغه
٢٠٣	نور الابصار	٢٠١، ٢٣١، ٢١٠، ٢٩٢	شواهد التنزیل
٢٢٦، ٢٢٢، ١٤٠، ١٢٢، ٤٤، ٦٢، ٥٥	نهج البلاغه	١٨٠	صیغ ترمذی
٢٢٢، ٢٢٩، ٢٨٩، ٢٨٢، ٢٦٩، ٢٦٢		٢٥٢	صیغ مسلم
٥٨٤، ٥٦٦، ٢٦٢، ٢٦١، ٢٢٨		٢٠٢	صواعق محرقة
٢٢٦	نهج الفصاحت	١٥١	صیغه سجادیه
٥٠٩، ٥٠٨، ٩٢	وسائل الشیعه	٢٣٢	علل الشرائع
٢٠٢	ینایح الموده	٢٢٤	فروع کافی
		٢٨٢	قاموس اللغة

۳۰۲ استغنیٰ، بے نیازی چاہنا

اشنات، اشت (بروزن شط) کی جمع،

۳۱۴ پراگندہ، متفرق

۳۰۱ اعطی، راہِ خدا میں خرچ کرنا

افتحمر، مادہ، انتقام، سخت و خوفناک کام

۲۶۹ میں داخل ہونا۔

اکواب، کوب کی جمع، دستہ والے پیالے، جام

الہاکم، مادہ، لھو، چھوٹے چھوٹے کاموں

۳۴۷ میں مشغول ہونا۔

الہمنہا، مادہ، الہام، کسی چیز کا نگلنا، پینا،

الشد کی طرف سے کسی روح میں کسی

۲۸۱ مطلب کو الفاظ کرنا۔

انفطرت، مادہ، انفطار، شگافتہ ہونا

۶۲ انقض، مادہ، نقض، رستی کی گرہ کھولنا

انتقاض، آواز جو عمارت کے ٹکڑوں

کو جدا کرتے وقت پیدا ہوتی ہے، عدد

۳۳۸ پیان توڑنا۔

انفکرت، مادہ، انفکار، گنا، پراگندہ ہونا،

۳۶ تیرگی، تاریکی۔

انبیہ، مات، ان، زہدین علی، تاخیر میں

۲۰۸ ڈالنا، انہما کو پہنچنا۔

۲۳۳ اوتاد، وتد (بروزن صمد) کی جمع، میخ

لغات قرآن

(۱)

۵۱۱ ابتر، بے اولاد، بلا عقب، مقطوع النسل

اسرار، بار اور بندہ (بروزن حق) کی جمع

۷۸ نیکو کار شخص۔

۴۲۶ اشرك، مادہ، انارہ، غلبہ یا دھوکے کو پراگندہ کرنا

۴۱۱ ائفال، جمع ثقل (بروزن فکر) کی۔ بوجھ، بار

۵۶۰ احد، مادہ، وحدت، واحد

احوسی، مادہ، حوسہ، (بروزن قوت) کبھی سبز

۱۸۹ کبھی سیاہ رنگ کے معنی میں۔

أخدد، زمین، عین، کھلے ہوئے شگاف،

۱۵۲ رند۔

أذنت، مادہ، اذن، (بروزن اذن، کان،

۱۲۵ کان لگا کر سننا۔

اراشیک، اریک کی جمع، خوبصورت تخت یا محلہ

۱۰۸ عروسی میں سجایا ہوا پلنگ۔

ازلفت، مادہ، زلف، (بروزن حرف)

مادہ زلفی (بروزن کبریٰ)

۴۳ زمان و مکان کے اعتبار سے قریب ہونا

اساطیر، مادہ، سطر، اسطر، کی جمع، مہم

۱۰۰ قصبے، جھوٹی باتیں۔



تکاشر: مادہ، کثرت، تفاخر، مباہات

۴۴۷

بڑائی جلتانا۔

۲۷۸

تلاھا: پیچھے آنا

تلطی: مادہ، الظی، (بروزن قضا) خالص شعلہ،

۳۰۶

جہنم۔

تنافس: دو انسانوں کا ایک چیز کے لیے کوشش

کرنا، عظمت و عزت کے ساتھ ایک

۱۱۰

دوسرے پر سبقت لے جانا۔

تنہر: مادہ، نر: سختی سے دھکا کرنا، نہر جو

۳۲۵

پانی کو تیزی سے دھکیلتی ہے۔

تواصوا: مادہ، تواصی، بعض افراد کا بعض

۴۶۳

دوسرے افراد کو نصیحت کرنا۔

(ث)

ثاقب: مادہ، ثقب، سوراخ کرنا، نجم ثاقب

۱۷۱

سیارہ زحل۔

۱۳۳

ثبور: ہلاکت

ثوب: مادہ، ثوب، (بروزن خوف) سابقہ

۱۲۰

حالت پر پلٹنا۔ ثواب اعمال کا اجر ہے۔

(ج)

جالوا: مادہ، جوب، (بروزن توبہ) بہت زمین،

۲۳۳

زمین کی قطع و برید پہاڑوں کو کاٹ کر گھر بنانا۔

(ب)

۳۰۲

بُخل: اعطی کی ضد کنہوسی

بروج: برج، کی جمع، قصر، محل، زینت،

۱۴۸

بارہ بروج آسمانی

بطش: ایسی گرفت جس میں قہر و قدرت کا

۱۶۰

دخل ہو۔

بعثرت: مادہ، بعثر، (بروزن منقبہ) زیر و زبر

۴۲۹، ۶۳

کرنا، باہر نکالنا۔

۳۹۴

بیتہ: روشن دلیل، رسول پاک

(ت)

۵۴۷

تب: تباب (بروزن خراب)، دائمی خارہ

۱۷۶

تبلی: مادہ، بلوی، آزمائش و امتحان

۲۴۰

تعاوضون: مادہ، حضی، تحریص و ترغیب

۱۷۳

تراشب: تربیہ کی جمع۔ سینہ کے اوپر کی ہڈیاں

تردعی: مادہ، ردایت، ردی، ہلاکت، بلندی

۳۰۳

سے کرنا۔

۲۰۸

تصلی: مادہ، صلی، (بروزن نفی) آگ میں گر جھلنا

۴۹۰

تضلیل: گمراہی، گمراہ کرنا

تقویٰ: مادہ، وقایہ، نگہداری، اپنے وجود کو

۲۸۲

گناہوں اور آلودگیوں سے محفوظ رکھنا

۳۲۵، ۳۲۴

تقصیر: مادہ، قہر، غلبہ جس میں تعمیر بھی ہو

خسرو: (بروزنِ عسرا) سرمایہ کم ہوتے جاتا۔
 (غیر رازی نے ایک برف فروش سے
 'خسران' کے معنی سیکھے جو کہے جا رہا تھا
 کہ اس پر رحم کرو جس کا مال بکھلا جا رہا ہے) ۴۶۰
 ختناس: مادہ 'خنوس'، (بروزنِ خسوف) (صیفہ)
 مبالغہ: جمع ہونا، پیچھے جانا۔ ۵۸۶
 خنس: مادہ 'خنس'، (بروزنِ خنس) خانس کی
 جمع، انقباض، بازگشت، پناہ ہونا۔ ۴۷

(۵)

دشھا: مادہ 'دس'، کسی چیز کو راست، ناپسندیدگی
 سے داخل کرنا۔ وسیلہ نقصان دہ،
 مخفی کام۔ (تزکیہ کی ضد) ۲۸۳
 دك: نرم و صاف زمین، اونچی جگہ، عمل توں
 کے لیے کوٹنے اور ریزہ کرنے کا اطلاق ہوا۔
 دكہ: صاف اونچی جگہ (چیو ترہ) ۲۴۳
 دھدھ: مادہ 'دھدھ'، ہلکا کرنا، عذاب،
 پوری سزا۔ ۲۸۹

(۶)

ران: مادہ 'رین'، (بروزنِ عین) زنگ،
 کثافت۔ ۱۰۱
 رجج: مادہ 'رجج'، بازگشت، (عرب بارش
 کو رجج کہتے ہیں) ۱۶۹

جھیم: مادہ 'جھم'، (بروزنِ فہم) آگ بھڑکانا۔

بھڑکتی ہوئی آگ۔ ۷۹
 جلاھا: مادہ 'تجلیہ'، اظہار و ایزاد، روشنی
 کا پھیل جانا۔ ۲۷۸
 جوار: جاریہ کی جمع۔ تیز رفتار ۴۹، ۴۸
 جمید: (بروزنِ وید)۔ گردن ۵۵۰

(ح)

حاصیہ: مادہ 'حی'، (بروزنِ نفی) حرارت کی شدت
 جہنم کی آگ۔ ۴۴۰
 حجرو: (بروزنِ فکر) دامن، آغوش، حجر، عقل منع ۲۲۹
 حسنی: حسن کی ثنوت، بہت زیادہ اچھی ۳۰۱
 حُصَل: مادہ 'تحصیل'، مغز کو چھلکے سے باہر
 نکان، حاصل کرنا، صاف کرنا۔ ۴۳۰
 حطمہ: مادہ 'حطم'، صیفہ مبالغہ، درہم برہم
 کرنا، جہنم۔ ۴۷۲
 حقت: مادہ 'حق'، شائستہ، لائق، سزاوار ۱۲۶
 حمید: ہر قسم کی تعریف و توصیف کے لائق ۱۵۴
 حنفاء: مادہ 'حنف'، حنیف کی جمع، مگر اسی سے
 راہِ مستقیم پر مائل ہونا۔ ۳۹۶

(خ)

خاب: مادہ 'غلبہ'، مطلوب تک نہ پہنچنا، محروم
 ہونا، نقصان اٹھانا۔ ۲۸۳

(ق)

- قارعه : مادہ 'قروع' (بروزنِ قروع) کسی چیز کو
دوسری چیز پر گرانا جس سے سخت آواز
پیدا ہو۔ اہم و سخت حادثہ، قیامت کا
ایک نام۔ ۴۳۷
قدحاً : چنگاری نکالنے کے لیے دو پتھروں یا
لکڑیوں کو رگڑنا۔ ۴۲۵
قوسیش : مادہ 'قرش' (بروزنِ قرش) یہ قبائل
عموماً تجارت میں مصروف رہتے تھے۔ ۴۹۹
قول فصل : حق و باطل کو جدا کرنے والی بات۔ ۱۸۰

(ک)

- کبد : (بروزنِ حبد) درد جو انسان کے کبد
(سیاہ جگر) کو عارض ہوتا ہے۔ ہر قسم
کی تکلیف و مشقت۔ ۲۵۵
کدح : (بروزنِ مدح) سعی و کوشش جو
رنج و تعب کے ساتھ ہو۔ خراش ۱۲۷
کشطت : مادہ 'کشط' (بروزنِ کشف) جانور
کی کھال اتارنا۔ پردہ رنج اٹھانا۔ ۴۲
کنس : مادہ 'کنس' (بروزنِ کنس) کانٹوں کی جمع
چھپ جانا۔ ۴۸
کنود : بنجر زمین، ناشکر اور بہت سے معنی ۴۲۷

غشاء : خشک گھاس، دیگ کے جوش کھانے سے

- پیدا ہونے والی جھاگ، مراد ضائع ہونا۔ ۱۸۸
غزک : مادہ 'غزور' بیداری کے موقع پر غفلت ۶۹

(ف)

- فتنوا : فتن، مادہ 'فتنہ' (بروزنِ فتن) سونے کو
آگ میں ڈالنا، امتحان و آزمائش ۱۵۹
فجبار : فاجر کی جمع، شگاف، تقویٰ و پاکدامنی کا
پردہ چاک کرنے والے۔ ۷۹
فجور : وسیع شگاف، صبح چونکہ صبح کا نور تاریکی
شب میں شگاف ڈال دیتا ہے۔ ۲۲۵
فجور : مادہ 'فجر' وسیع شگاف، پردہ شب
چاک ہونا۔ ارتکابِ گناہ کا پردہ دیانت
کو چاک کرنا۔ ۲۸۱
فساوش : فراشہ کی جمع، پروانہ، مڈی دل ۴۳۷
فلکین : نکلہ کی جمع (بروزنِ فشن)
فکالہ : (بروزنِ مقالہ) مذاق اڑانا۔ ۱۱۸
فلق : مادہ 'فلق' (بروزنِ شفق) کسی چیز میں
شگاف کرنا۔ ایک شے کو دوسری سے
جدا کرنا۔
(بروزنِ خلق) پردہ شب کو چاک کرنا، صبح
ہونا۔ زندہ موجودات کا تولد۔ (ہر موجود کی
خلقت و آفرینش۔ ۵۷۶

- مترتبہ: مادہ 'ترب' (بروزنِ طراب) تراب
۲۷۱ یا خاک۔
مجید: مادہ 'مجد' شرافت و جلالت کی وسعت ۱۶۵
مختوہ: مہر لگی ہوئی۔ ۱۱۰
موصاد: مادہ 'رصد' کسی چیز کی نگہبانی پر
۲۳۵ آمادہ ہونا، لیکن گاہ۔
مرقوم: مادہ 'رقم' (بروزنِ زخم) واضح تحریر ۱۰۶
مسغبہ: مادہ 'سغب' (بروزنِ غضب)
۲۷۰ بھوک۔
مشعلہ: مادہ 'شوم'، میمنہ کی ضد، بد نعت،
بائیں طرف یا بائیں ہاتھ والے۔ ۲۷۲
مشفرہ: مادہ 'اشفار' آشکار ہونا، چکنا، سورج
کابے نور ہو جانا مراد ہے۔ ۳۵
مطففین: مادہ 'تطفیف'، اطف، کسی چیز
کے کنارے، کم چیز، کم مقدار، پیمانہ جو
لبریز نہ ہو۔ ۸۷
مطہرہ: ہر قسم کے کذب، شرک، دوروغ، باطل
اور شیطانی جن و انس کے دخل دینے
سے پاک۔ ۳۹۵
مغبرات: مادہ 'اغارہ' مغبو کی جمع، ہجوم کرنا،
۴۲۵ دشمن پر حملہ کرنا۔
مقابر: مقبو کی جمع، قبر، کنایت موت ۴۳۷
مقربہ: قرابت داری ۲۷۰

- کواکب: ستارے، بطور خاص زہرہ ستارہ ۶۲
کورٹ: مادہ 'کویر' کسی چیز کو لپیٹنا، جمع کرنا ۳۵
ککید: ایک قسم کی چارہ جوئی دو قسمیں ہیں، پسندیدہ
۱۸۱ مذموم)۔

(ل)

- لاغیہ: جو لغویت لیے ہوئے ہو۔ ۲۱۱
لبد: (بروزنِ لغت) تہ تبرتہ، انہو کثیر مراد بہت
زیادہ مال۔ ۲۵۷
لمزہ: مادہ 'لمز' (بروزنِ رمز) غیبت یا عیب
جوئی کرنا۔ ۴۴۱
لن یحو: کبھی واپس نہیں آئے گا ۱۳۲
لنسفعا: مادہ 'سفع' (بروزنِ عفو) پکڑنا، سختی
سے کھینچنا، نشان زدہ کرنا، ذیل کرنا۔ ۲۷۲
لوح: لکھنے کے لیے لمبا چوڑا صفحہ
لوح۔ پیاس، ہوائے فضا ۱۶۵
لہب: آگ کا شعلہ، نارِ جہنم ۵۴۹
لینبذن: مادہ 'نبذ' (بروزنِ سبز) حقارت و
بے قدری سے دور پھینکنا۔ ۴۷۴

(م)

- ماعون: مادہ 'معن' (بروزنِ شان) کم قیمت و
بے قدر چیز۔ ۵۰۶

بدکار و مومنین پر ہنستے اور انہیں گمراہ کہتے، وہ ان کے متکفل تھے نہ نگرانی پر مامور تھے۔ آج مومن اُن پر ہنستے ہیں۔ کیا کفار نے اجر پالیا ہے؟ ۱۲۰ تا ۱۱۵

اس گھر کے پروردگار کی عبادت کرنی چاہیے

ہم نے اصحابِ فیل کو تباہ کیا تا کہ قریش اس سرزمین سے اُلفت کریں اور اس شخص کے ظہور کے مقدمات فراہم ہوں۔ سورہ قریش کی تفسیر ۵۰۰ تا ۲۹۸

اس مقدس شہر کی قسم!

وہ شہر کہ جس میں تو ساکن ہے انہوں نے تیرے احترام کی ہتک کی ہے۔ ۲۵۲ تا ۲۵۸

اصحابِ اُخدود کون تھے

یمن کا ذوالناس، حضرت دانیال کے زمانہ کے مجوسی اور ان کے علاوہ بھی۔ ۱۵۴ تا ۱۵۷

اعمال لکھنے والے فرشتے

اعمال لکھنے والے فرشتے، ان کا طریق کار اور متعلقہ احادیث۔ ۷۵ تا ۷۷

الشہبے مثال ہے

سورہ اخلاص کی تفسیر ۵۵۷ تا ۵۷۱

ابوہریرہؓ نے میں جلد ہی نہ کرے

ابوہریرہؓ کا آٹا، اشرافِ مکہ کے اموال لوٹ کر خوف و ہراس پیدا کرنا۔ بالاتر ابابیل کے جُھنڈ سے تباہ ہونا۔ ۳۸۹ تا ۳۹۱

ابولہب ہلاک ہو جائے!

ابولہب کے ہاتھ کٹ جائیں، اس نے جو مال کمایا، اس نے اسے کوئی فائدہ نہ پہنچایا۔ وہ جلد ہی داخل جہنم ہوگا، اور اس کی بیوی جو ایندھن اٹھائے پھرتی ہے، اس کی گردن میں کھجور کی چھال کی رستی ہے۔ ۵۴۷ تا ۵۵۱

اپنے پروردگار کے نام سے پڑھ!

اپنے رب کے نام سے پڑھ جس نے جہان کو خلق فرمایا، انسان کو پیدا کیا۔ اس کا ذکر کر جس نے قلم کے ذریعہ تعلیم دی۔ ۳۵۸ تا ۳۶۵

اس دن اپنی قدر و قیمت معلوم ہوگی

جب اعمالِ ناسے کھولے جائیں گے، آسمان سے پردہ ہٹا دیا جائے گا، دوزخ دہک اٹھے گی، جنت سامنے ہوگی۔ ہر شخص کو اپنے کیے کا علم ہو جائے گا۔ ۴۱ تا ۴۳

اس روز کفار و مومنین کا مذاق اڑاتے تھے

اور آج

خسرو: (بروزن عسرا سرایہ کم ہوتے جاتا۔
 (خزازی نے ایک برف فروش سے
 'خسران' کے معنی سیکھے جو کہ جارہا تھا
 کہ اس پر دم کرو جس کا مال کچلا جارہا ہے) ۴۶۰
 ختناس: مادہ مخوس، (بروزن خسوف) صیفہ
 مبالغہ، جمع ہونا، پیچھے جانا۔ ۵۸۷
 خنس: مادہ 'خنس' (بروزن خنس) خانس کی
 جمع، انقباض، بازگشت، پناہ ہونا۔ ۴۷

(۵)

دشہا: مادہ 'دس' کسی چیز کو کراہت، ناپسندیدگی
 سے داخل کرنا۔ وسیلہ نقصان دہ،
 مخفی کام۔ (تذکیہ کی ضد) ۲۸۳
 دك: نرم و صاف زمین، اونچی جگہ، عملتوں
 کے لیے کوٹنے اور ریزہ کرنے کا اطلاق ہوا۔
 دكہ: صاف اونچی جگہ (چبوترہ) ۲۴۲
 دمدہ: مادہ 'دمدمہ' ہلاک کرنا، عذاب،
 پوری سزا۔ ۲۸۹

(۶)

ران: مادہ 'رین' (بروزن رین) رنگ،
 کثافت۔ ۱۰۱
 رجج: مادہ 'رجرج' بازگشت، (عرب باش
 کو رجج کہتے ہیں) ۱۷۹

ججید: مادہ 'ججم' (بروزن ججم) آگ بھڑکانا۔
 بھڑکتی ہوئی آگ۔ ۷۹

جلاھا: مادہ 'تجلیہ' اظہار و انبساط، روشنی
 کا پھیل جانا۔ ۲۷۸
 جوار: جاریہ کی جمع، تیز رفتار ۴۹، ۴۸
 ججید: (بروزن وید) گردن ۵۵۰

(ح)

حامیہ: مادہ 'حی' (بروزن نفی) حرارت کی شدت
 جہنم کی آگ۔ ۴۴۰

حجو: (بروزن فکر) دامن، آغوش، حجر، عقل، منع ۲۲۹
 حسنی: حسن کی نمونہ، بہت زیادہ اچھی ۴۰۱
 حصیل: مادہ 'تحصیل' مغز کو چھلکے سے باہر
 نکالنا، حاصل کرنا، صاف کرنا۔ ۴۳۰

حطمہ: مادہ 'حطم' (صیفہ مبالغہ) درہم برہم
 کرنا، جہنم۔ ۲۷۴

حقت: مادہ 'حق' شائستہ، لائق، سزاوار ۱۲۶
 حمید: ہر قسم کی تعریف و توصیف کے لائق ۱۵۴
 حنفاء: مادہ 'حنف' خفیف کی جمع، مگر ابی سے
 راہ مستقیم پر مائل ہونا۔ ۳۹۶

(خ)

خاب: مادہ 'غیبہ' مطلوب تک نہ پہنچنا، محروم
 ہونا، نقصان اٹھانا۔ ۲۸۳

جس میں کفار و فاسقین کے اعمال کو
تندیں کیا گیا ہے۔ سبب کی تشریح ۱۲۹۲
سوا سراسر یہ کہ جمع ہے۔ اندرونی و مضمیٰ حالت
صفات، نیت۔ ۱۶۶

سورۃ سورۃ سرب کی جمع، سہلے ہوئے
پنگ، خوبصورت تخت۔ ۲۱۷

سواھا، مادہ، تصویر، انسان کی روحی قویٰ، صیر
عظیم، صاعقہ و زلزلہ سے صفا کیا کرنا۔ ۲۹۰
سوط، تازیانہ ۲۳۳
سوی، مادہ، تصویر، مرتب کرنا، نظام بننا ۱۸۷
سینین، سینہ کی جمع۔ درست ۳۲۸

(ش)

شانی، مادہ شنان (بروزن مزان) صداوت
دشمنی، کینہ دہی، بغضی ۵۱۸
شتی، مادہ شت، شتیت کی جمع، جماعت کو
منتشر کرنا۔ ۳۰۱
شفق، دن کی روشنی کارات کی تاریکی سے
آمیختہ ہونا، نازک وقت۔ ۱۳۷

(ص)

صحف، صحیفہ کی جمع۔ اوراق میں پرکھا جاتا ہے ۳۹۵
صدع، سخت اجسام میں شکاف پڑنا ۱۷۹

رجبیر، مادہ، رجب۔ رجام (بروزن لحام)
پشھر، پشھر مارنا، دود کرنا ۵۴
رجیق، خالص و پاکیزہ شراب ۱۰۹
روید، مادہ، رود (بروزن خود) آمد و رفت
رکھنا، کسی کام کو نرمی سے انجام دینا۔ ۱۸۱

(ز)

زبانہ، زبانیہ، کی جمع زبن (بروزن متن)
ذبح کرنا، ضرب لگانا، فرشتگان عذاب،
دوزخ کے مامورین۔ ۳۷۴
زراچی، اندہیر کی جمع، قیمتی، راحت بخش، نرم و نرم
زرتہ، زیارت، مادہ، زور (بروزن قول) سینہ
کے اوپر کا حصہ، زیارت و ملاقات کرنا ۴۳۷
زکھا، مادہ، تزکیہ، رشد و نمو۔ ۲۸۲

(س)

ساھون، مادہ سو، خطا جو غفلت کی بنا پر ہو ۵۰۵
سجرت، مادہ، تسبیح، جلانا، بھڑکنا، آگ کا
بیجان میں آنا۔ ۳۷، ۳۸

سجیل، (فارسی سنگ، رگل)، ایسی چیز جو
پتھر جیسی سخت اور مٹی جیسی نرم نہ ہو ۴۹۰
سجین، مادہ، سجن، زندان، قید خانہ، قعر جہنم
کی خوفناک وادی، برائیوں کے دیوان کی جامع

- عِلدۃ مادۃ (عدۃ) شمار کرنا، گننا
 مادۃ 'عدو' (بروزنی عدو) اموال کو
 بُرے وقت کیلئے ذخیرہ کرنا۔ ۲۷۲
 عزیز طاقتور، شکست ناپذیر ۱۵۴
 عسعن: مادۃ عسعه، قسین و کھن تارکی ۴۹
 عشائر عشائر کی جمع، حاملہ انسانی جہب وہ بچہ
 جننے والی ہو۔ ۳۶
 عصف: (بروزنی صفت) زراعت کے پتے
 جو خشک ہو کر کھجڑے ہیں، مراد گھاس ۴۹۰
 عطلت: مادۃ 'عطیل'۔ مال یا کتہ کو سر پرست
 اور چرواہے کے بغیر چھوڑ دینا۔ ۳۶
 عقبی: اختتام، انتہا، انجام کار ۲۹۱
 عقروھا: مادۃ 'عقر' (بروزنی ظلم) اصل،
 جڑ، بنیاد۔ ۲۸۸
 علیتین: علی (بروزنی علی) کی جمع، بلند جگہ اور
 اس پر بیٹھنے والے، جنت کی بہترین جگہ۔ ۹۶
 عمد: عمد، کٹڑی یا لہجے کے قطعات ۴۷۵
 عمن: وحشی ہونے لگنے روئے ۴۳۸
 عیشہ: راضیہ، خوش و خرم زندگی ۴۴۰

(غ)

- غاسق: مادۃ 'غسق' (بروزنی شفق) نصف
 شب، گھنگھری تارکی، جہم کرنا، حملہ آور ہونا ۵۷۷

- صلب: پشت ۱۷۳
 صمد: دائم و ازلی وابدی ذات ۵۶۲

(ض)

- ضبیج: (بروزنی طرح) تیزی سے دوڑنا ۴۲۳
 ضعی: سودج کی روشنی پھیلنا ۲۷۸
 ضنین: ضنۃ (بروزنی مرنہ) نفیس و قیمتی اشیاء
 کے بارے میں بھل کرنا۔ ۵۳

(ط)

- طارق: مادۃ 'طرق' (بروزنی برق) لوٹنا
 (طرق) راستہ رات کا مسافر جو اگر
 دروازہ کھٹکھٹاتا ہے۔ ۱۷۰
 طبعی: مادۃ 'مطابق' ایک چیز کو دوسری کے اوپر
 قرار دینا یا رکھنا۔ ۱۳۹
 طحاھا: مادۃ 'طحو' (بروزنی سو) پھمانا، پھیلانا
 وکیلنا، دور کرنا۔ ۲۸۰
 طفوی: حد سے زیادہ تجاوز کرنا، حد و اٹھنے سے
 تجاوز کرنا۔ ۲۸۷

(ع)

- عائل: عیالدار شخص۔ فقیر کے معنی میں بھی مستعمل ہے ۳۲۴
 عادیات: مادۃ 'عدو' (بروزنی صبر) گزنا، جدا ہونا،
 دوڑنا۔ ۴۲۳

(ق)

- قارعه : مادہ 'قرع' (بروزن فرغ) کسی چیز کو
دوسری چیز پر گرانا جس سے سخت آواز
پیدا ہو۔ اہم و سخت حادثہ، قیامت کا
ایک نام۔ ۴۳۷
قدحاً : چنگاری نکالنے کے لیے دو پتھروں یا
کلوہیوں کو گرانا۔ ۴۲۵
قریش : مادہ 'قرش' (بروزن قرش) یہ قبائل
عموماً تجارت میں مصروف رہتے تھے۔ ۴۹۹
قول فصل : حق و باطل کو جدا کرنے والی بات ۱۸۰

(ک)

- کبد : (بروزن حسد) درد جو انسان کے کبد
(سیاہ جگر) کو عارض ہوتا ہے۔ ہر قسم
کی تکلیف و مشقت۔ ۲۵۵
کدح : (بروزن مدح) سعی و کوشش جو
رنج و تعب کے ساتھ ہو۔ خواش ۱۲۷
کشطت : مادہ 'کشط' (بروزن کشف) جانور
کی کھال اتارنا۔ پردہ رخ اٹھانا۔ ۴۲
کنس : مادہ 'کنس' (بروزن کنس) کانس کی جمع
چھپ جانا۔ ۴۸
کنود : بنجر زمین، ناشکرا اور بہت سے معنی ۴۲۷

غشاء : خشک گھاس، دھبے کے جوش کھانے سے

- پیدا ہونے والی جھاگ، مراد ضائع ہونا۔ ۱۸۸
غزل : مادہ 'غزل' بیداری کے موقع پر غفلت ۶۹

(ف)

- فتنوا : فتن، مادہ 'فتنہ' (بروزن فتن) سونے کو
آگ میں ڈالنا، استھان و آزمائش ۱۵۹
فجبار : فاجر کی جمع، شگاف، تقویٰ و پاکدامنی کا
پردہ چاک کرنے والے۔ ۷۹
فجور : وسیع شگاف، صبح چونکہ صبح کا نور تاریکی
شب میں شگاف ڈال دیتا ہے۔ ۲۲۵
فجور : مادہ 'فجر' وسیع شگاف، پردہ شب
چاک ہونا۔ از کتاب گناہ کا پردہ دیانت
کو چاک کرنا۔ ۲۸۱
فراش : فراشہ کی جمع، پروانہ، ٹڈی دل ۴۳۷
فلکین : فلک کی جمع (بروزن نشن)
فکالہ : (بروزن مقالہ) مذاق اڑانا۔ ۱۱۸
فلق : مادہ 'فلق' (بروزن شلق) کسی چیز میں
شگاف کرنا۔ ایک شے کو دوسری سے
جدا کرنا۔
(بروزن خلق) پردہ شب کو چاک کرنا، صبح
ہونا۔ زندہ موجودات کا تولد۔ (ہر موجود کی
خلقت و آفرینش۔ ۵۷۶

مقربہ: مادہ 'قرب' (بروزن طراب) تراب
۲۶۱ یاخاک۔

مجید: مادہ 'مجد' شرافت و جلالت کی وسعت ۱۶۵
مختوم: مگر کی ہوئی۔ ۱۱۰

مرصاد: مادہ 'رصد' کسی چیز کی نگہبانی پر
۲۳۵ آماہ ہونا، لیکن گاہ۔

موقوف: مادہ 'وقم' (بروزن زخم) واضح تحریر ۱۰۶
مسغبہ: مادہ 'سغب' (بروزن غضب)
۲۷۰ بھوک۔

مشعلہ: مادہ 'شوم' میمنہ کی ضد، بد بختی
۲۷۲ بائیں طرف یا بائیں ہاتھ والے۔

مشفرہ: مادہ 'اشفار' آشکار ہونا، چمکانا، سورج
۳۵ کابے نور ہو جانا مراد ہے۔

مطففین: مادہ 'تطفیف'۔ اطف: کسی چیز
کے کنارے، کم چیز، کم مقدار، پیمانہ جو
۸۷ لبریز نہ ہو۔

مطہرہ: ہر قسم کے کذب، شرک، دروغ، باطل
اور شیطانی جن و انس کے دخل دینے
۳۹۵ سے پاک۔

مغبرات: مادہ 'اغارہ' مغبر کی جمع، ہجوم کرنا،
۴۲۵ دشمن پر حملہ کرنا۔

مقابر: مقبرہ کی جمع، قبر، کنایہ موت ۴۴۷
۲۷۰ مقربہ: قربت داری

کواکب: ستارے، بطور خاص زہرہ ستارہ ۶۲
کورٹ: مادہ 'تکویر' کسی چیز کو لپیٹنا، جمع کرنا ۳۵
کید: ایک قسم کی چارہ جوئی (دو قسمیں ہیں، پسندیدہ،
۱۸۱ مذموم)

(ل)

لاغیہ: جو لغویت لیے ہوئے ہو۔ ۲۱۱
لبد: (بروزن لغت) تہ بہ تہ، انہرہ کثیر مراد بہت
زیادہ مال۔ ۲۵۷

لمزہ: مادہ 'لمز' (بروزن رمز) غیبت یا عیب
جوئی کرنا۔ ۴۴۱

لن یحوب: کبھی واپس نہیں آئے گا
۱۳۴
لنفعا: مادہ 'سفع' (بروزن عفو) پکڑنا، سختی
سے کہینہ، نشان زدہ کرنا، ذلیل کرنا۔ ۳۷۲

لوح: لکھنے کے لیے لمبا چوڑا صفحہ
لوح: پیاس، ہوائے فضا ۱۶۵

لہب: آگ کا شعلہ، نار، ختم ۵۴۹
لینبذن: مادہ 'نبد' (بروزن سبز) حقارت و
۴۷۲ بے قدری سے دور بھینکنا۔

(م)

ماعون: مادہ 'معن' (بروزن شان) کم قیمت و
۵۰۶ بے قدر چیز۔

- نفاست: مادہ نفس (بروزنِ جنس) بھونکنا،
 ۵۷۸ دم کرنا۔
 نفع: (بروزنِ نفع) خبار
 ۴۲۶ نفع۔ ساکن پانی
 نقصوا: مادہ 'نقم' (بروزنِ قلم) انکار کرنا
 ۱۵۳ عیب لگانا۔ اسی سے انتقام ہے۔
 نمارق: مغرقہ (بروزنِ غفلت) کی جمع۔
 ۲۱۳ چھوٹے تکیے۔

(و)

- واد: وادی، دیایا سیلاب کی گزرگاہ
 ۲۳۳ وند: بوجھ۔ وزیر کسی سے مشفق ہے
 ۳۳۸ وسق: (بروزنِ غضب) ایک اونٹ کا بوجھ
 ۱۳۸ بکھری ہوئی چیزوں کو جمع کرنا۔
 وسواس: آلاتِ زینت و زیورات کے ٹکڑے
 سے نکلنے والی آہستہ آواز، دل میں پیدا
 ہونے والے خیالات، (دوسرے ڈالنے والا)
 ۵۸۷ وقب: مادہ 'وقب' (بروزنِ شفق)
 ۵۷۸ (بروزنِ لقب) گرجا، خندق
 ۱۵۲ وقود: آگ، ایندھن
 ۵۱۵ ونحوا: اونٹ کو ذبح کرنا
 ویل: شر، غم و اندوہ، ہلاکت، دردناک فذاب،
 جہنم کی وادی۔ نغزین کرنے اور قباحت کے
 معنی میں مستعمل ہے۔
 ۸۷

- مصنون: مادہ 'من' شتم ہونا، کم ہونا
 ۳۴۷، ۱۳۲ من علق: کسی چیز میں چپک جانا
 ۳۶۱ منفوش: مادہ 'نفش' (بروزنِ نقش) اول کو
 ۴۳۸ پھیلاتا، دھننا
 موازین: میزان کی جمع۔ ترازو
 ۴۳۸ مؤدہ: 'واد' (بروزنِ رود) لڑکی جو زندہ دفن
 ۳۹ کردی گئی ہو۔
 موریات: مادہ 'ایرا' سوریہ کی جمع، آگ بھڑکانا
 ۴۲۵ موصدہ: مادہ 'ابصاد' دروازہ بند کرنا، گھیرے
 میں لینا، محکم کرنا۔
 ۴۷۵، ۳۷۲ میمنہ: مادہ 'مین' صاحبانِ برکت
 ۲۷۲

(ن)

- نادی: مادہ 'ندا' پکارنا، مجلسِ عمومی (جماعت جو
 ۲۷۲ دارالاندوہ میں جمع ہوتی تھی)
 ناصیہ: پیشانی، سر کے اگلے حصہ کے بال
 ۳۷۲، ۳۷۱ ناعملہ: مادہ 'نعمت' یہاں نعمات کے باعث
 ۲۱۱ سرشار چہرے مراد ہیں۔
 نشرح: مادہ 'شرح' کشادہ کرنا (اور بہت
 ۳۳۶ سے معنی)
 نصبت: مادہ 'نصب' نصب کیے ہوئے ثابت
 ۲۱۸ نضرہ: تروتازگی، نشاط، بشارت
 ۱۰۹ نعیمہ: نعمت، نعمت کی بقا، بہت زیادہ نعمات
 ۱۰۸، ۷۹

یصدر، مادہ 'صدر' (بروزن صبر) اونٹوں
کو پانی پلانے کی جگہ سے نکلتا، مختلف
اقوام کا قبروں سے نکل کر حساب دینے
کے لیے آنا۔ ۴۱۴

یصلون، مادہ 'صلی' (بروزن سعی)، آگ میں
داخل ہونا، جلنا، تکلیف کو برداشت کرنا ۸۰
یوعون، مادہ 'وعا'، خوف، برتن ۱۳۲

متفرق موضوعات

آنکھ، زبان اور ہدایت کی نعمت

ہم نے انسان کو آنکھ اور زبان کی نعمت دی،
خیر و شر کی معرفت اور ہدایت کی نعمت عطا
فرمائی۔ بھلائی و برائی دونوں راستے دکھائے۔ ۲۶۱، ۲۵۹

آنکھ کی حیرت انگیزی

تصویر سازی میں آنکھ کے طریق کار کی مفصل بحث ۲۶۱
۲۶۴

ابرار و متقین کون ہیں

سب مقرب افراد برابر ہیں لیکن سب ابرار
مقرب نہیں۔ ۱۱۲

ابرار و متقین علی وفا طہ حسن و حسین ہیں ۱۱۳

(۵)

ھاویہ، مادہ 'ھوی'، سقوط، گرنا، دوزخ

کا ایک نام ۴۴۰

ھمزہ، مادہ 'ھمز'، توڑنا ۴۷۰

(ی)

یافوخ، سر کا اگلا حصہ، بچوں کا یہ حصہ بہت

نرم ہوتا ہے۔ آہستہ آہستہ بڑی میں

تبدیل ہوتا ہے۔ (یہ لفظ حدیث سے ہے) ۲۸۸

یتغامزون، مادہ 'غز'، (بروزن طنز) عیب جوئی

کے لیے ہاتھ یا آنکھ سے اشارہ کرنا۔ ۱۱۷

یحض، مادہ 'حض'، کسی چیز کے لیے دوسروں

کو ترغیب دینا۔ ۵۰۳

یحور، مادہ 'حور' (بروزن غور) تردد، آمد و رفت

عملی ہو یا فکری۔ محور، حوار، محادرہ، حواری

اسی سے مشتق ہیں۔ ۱۳۲

یلع، مادہ 'لع' (بروزن لعل) سختی سے دُور

کرنا، غصہ سے جھڑکنا۔ ۵۰۴

یسر، مادہ 'سری'، رات کا چلنا، مرادات بصورت

زندہ موجود چلتی ہے۔

یسر ای، مادہ 'یسر' گھوڑے کو نگام دینا۔ زین ۲۲۸

کنا، سواری کے لیے تیار کرنا۔ ہر قسم

کی آسانی مراد ہے۔ ۳۰۲

بدکار مومنین پر ہنستے اور انہیں گمراہ کہتے، وہ ان کے منکفل تھے نہ نگران پر مامور تھے۔ آج مومن ان پر ہنستے ہیں۔ کیا کفار نے اجر پایا ہے؟ ۱۲۰ تا ۱۱۵

اس گھر کے پروردگار کی عبادت کرنی چاہیے

ہم نے اصحابِ نبیل کو تباہ کیا تاکہ قریش اس سرزمین سے اُلفت کریں اور اسے حضرتؐ کے غلور کے مقدمات فراہم ہوں۔ سورۃ قریش کی تفسیر۔ ۵۰۰ تا ۲۹۸

اس مقدس شہر کی قسم!

وہ شہر کہ بن میں کوساکن ہے انہوں نے تیرے احترام کی ہتک کی ہے۔ ۲۵۸ تا ۲۵۸

اصحابِ اُخدود کون تھے

یمن کا ذوق اس، حضرت دانیالؑ کے ناندکے مجوسی اور ان کے علاوہ بھی۔ ۱۵۴ تا ۱۵۴

اعمال لکھنے والے فرشتے

اعمال لکھنے والے فرشتے، ان کا طریق کار اور متعلقہ احادیث۔ ۷۷ تا ۷۷

اللہ بے مثال ہے

سورۃ اخلاص کی تفسیر ۵۵۷ تا ۵۷۱

ابرمہ آنے میں جلدی نہ کرے

ابرمہ کا آنا، اشرف مکہ کے اموال لوٹ کر خوفِ دہراں پیدا کرنا۔ بالآخر ابابیل کے جھنڈ سے تباہ ہونا۔ ۴۹۱ تا ۲۸۹

ابولہب ہلاک ہو جائے!

ابولہب کے ہاتھ کٹ جائیں، اس نے جو مال کمایا، اس نے اسے کوئی فائدہ نہ پہنچایا۔ وہ جلد ہی داخل جہنم ہوگا، اور اس کی بیوی جو ایندھن اٹھائے پھرتی ہے، اس کی گردن میں کھجور کی چھال کی رستی ہے۔ ۵۵۱ تا ۵۴۷

اپنے پروردگار کے نام سے پڑھ!

اپنے رب کے نام سے پڑھ جس نے جہان کو خلق فرمایا، انسان کو پیدا کیا۔ اس کا ذکر کر جس نے قلم کے ذریعہ تعلیم دی۔ ۳۶۵ تا ۳۵۸

اس دن اپنی قدر و قیمت معلوم ہوگی

جب اعمالِ انانے کھولے جائیں گے، آسمان سے پردہ ہٹا دیا جائے گا، روزِ دہک اُٹھے گی، جنت سامنے ہوگی۔ ہر شخص کو اپنے کیے کا علم ہو جائے گا۔ ۴۳ تا ۴۱

اس روز کفار مومنین کا مذاق اڑاتے تھے

اور آج

اے انسان تجھے کس چیز نے مغرور کر دیا !

اللہ جس نے تجھے پیدا کیا اور جس شکل میں چاہا
مرتب کیا۔ تم روزِ جزا کے منکر ہو۔ تم پر نگہبان
مقرر کر دیے ہیں جو جانتے ہیں جو کچھ تم کرتے ہو۔ ۳۶۸ تا ۴۵

اے انسان غور کرو کس چیز سے پیدا ہوا !

قسم ہے رات کی اکٹھکھٹانے والے کی، تو نہیں
جانتا وہ کیا ہے۔ درخشاں ستارہ ہے۔ ہر شخص
کا ایک مراقب و محافظ ہے۔ انسان کس چیز
سے پیدا کیا گیا، پانی سے، وہ واپس پھر دینے
پر بھی قادر ہے۔ جس دن اسرا رکھ لیں گے، کوئی
مددگار نہ ہوگا۔ ۳۶۹ تا ۳۷۷

بُت پرستوں سے ہرگز مصالحت نہیں ہو سکتی

اور نہ تم اس کی پرستش کرو گے جس کی میں پرستش
کرتا ہوں اور نہ میں ہرگز اس کی پرستش کروں گا،
جن کی تم پرستش کرتے ہو۔ تمہارا دین تمہارے
لیے اور میرا دین میرے لیے کافی ہے۔ ۵۲۳ تا ۵۲۵

بد نصیب تھکے ماندے !

غاشیہ (قیامت کی خبر تم تک پہنچی؟) اس دن
چہرے خوفزدہ ہوں گے جب بد اعمالیوں سے

انجیر و زیتون کے خواص

خواص پر لہباء و دانشوروں اور ائمہ کے اقوال ۳۴۹ تا ۳۵۲

انفاق اور جہنم کی آگ سے دوری

جو لوگ متقی ہیں اور نیک اعمال انجام دیتے ہیں،
آگ سے بچے رہیں گے۔ ۳۰۵

انقطاع وحی کا فلسفہ

وحی میں تاخیر سے ثابت ہوا کہ آنحضرت دین
کے معاملہ میں احکام الہی کے قطعی تابع ہیں۔
اپنی طرف سے نہ کچھ کہتے ہیں نہ کرتے ہیں۔ ۳۲۰

اے صاحبِ نفس مطمئنہ !

اے پرسکون نفس ! اپنے پروردگار کی طرف پلٹ
جا جبکہ تو اس سے راضی اور وہ بھی تجھ سے خوش
ہے۔ میرے بندوں کی صف میں اور میری جنت
میں داخل ہو جا۔ ۲۳۶ تا ۲۳۸

اے غافلو کہاں جا رہے ہو !

راہِ راست چھوڑ کر کہاں جا رہے ہو، یہ قرآنِ عالمین
کے لیے نصیحت ہے، اور جو چاہتے ہیں ان کیلئے نصیحت
ہے۔ تم نہیں چاہتے مگر وہ جو رب العالمین چاہے۔ ۵۶ تا ۵۸

جنت کی شراہیں

رحیق و مخموم، کوثر و تسنیم ۱۱۴

جو نامہ عملِ نشت سے حاصل کریں گے

نامہ عمل پسِ نشت سے دیا جائے گا تو چمچے گا
واسے ہو مجھ پر میں ہلاک ہو گیا۔ جہنم میں چلے گا،
وہ گھر میں خوش تھا، پلٹے کا گمان بھی نہ تھا، مگر

اللہ واقفِ حال تھا۔ ۱۲۲ تا ۱۳۵

حُبِ دُنیا راسِ کلِ خطیہ

خواہشات کے غلبہ کا سرچشمہ بھی حُبِ دُنیا

ہی ہے، وغیرہ۔ ۲۰۱ تا ۲۰۳

حضرت سیدہ فاطمہؑ اور کوثر

اللہ تعالیٰ نے قریش مکہ کے اہلِ بیت سے متم کرنے کے

بدلہ اپنے رسول کو فاطمہؑ کے ذریعے خیرِ کثیر عطا

فرمائی۔ ۵۱۶، ۵۱۷

حفظِ ایمان میں استقامت

بہت سے افراد نے ایمان کی حفاظت میں جانیں

قربان کیں۔ اسیہ زینِ فرعون کی قربانی، حبشہ کا واقعہ،

یا سرِ اودسب سے بڑھ کر امام حسینؑ کی قربانی۔ ۱۵۷

ہو رہے ہیں۔ اپنے رب کی تسبیح و استغفار کرو۔

۵۳۲ تا ۵۳۵

اللہ بخشے والا ہے۔

جس دن انسان اپنے اعمال کو دیکھے گا

زمین کا شدت سے لرزنا، اندر کے بھاری بوجھ

نکلانا، انسان کے گناہ اسے کیا ہوا، سب خبریں

بیان کرنا۔ اللہ نے اسے وحی کی ہے۔ لوگ گروہوں

کی صورت میں قبروں سے نکلیں گے۔ پس چھوٹی

سے چھوٹی نیکی و بدی سامنے آجائے گی۔ ۲۰۹ تا ۲۱۵

جس دن جہان کا نظام زیرِ وزر ہو جائیگا

جب آسمان پھٹ جائے گا، ستارے گر پڑیں گے،

سمندر باہم پیوستہ ہو جائیں گے، قبروں سے نرے

نکل پڑیں گے، ہر شخص جان لے گا کہ کیا آگے

بھیجا کیا پیچھے چھوڑا۔ ۶۱ تا ۶۴

جس دن دفترِ کائنات لپیٹ دیا جائے گا

جب سورج کو لپیٹا جائے گا، ستارے بے نور

پہاڑ متحرک، دریا پُر جوش ہو جائیں گے، قیمتی

مال بھلا دیا جائے گا، جیسا خود ویسا ہی ساتھی

ملے گا۔ زندہ درگور لڑکیوں سے پوچھا جائے گا کہ

تمہیں کیوں قتل کیا گیا۔ ۳۴ تا ۳۹

اے انسان تجھے کس چیز نے مغرور کر دیا !

اللہ جس نے تجھے پیدا کیا اور جس شکل میں چاہا
مرتب کیا۔ تم روزِ جزا کے منکر ہو۔ تم پر نگہبان
مقرر کر دیے ہیں جو جانتے ہیں جو کچھ تم کرتے ہو۔ ۷۵ تا ۷۸

اے انسان غور کر تو کس چیز سے پیدا ہوا !

قسم ہے رات کی، کھٹکھٹانے والے کی، تو نہیں
جانتا وہ کیا ہے۔ درخشاں ستارہ ہے۔ ہر شخص
کا ایک مراقب و محافظ ہے۔ انسان کس چیز
سے پیدا کیا گیا، پانی سے ! وہ واپس پھیر دینے
پر بھی قادر ہے۔ جس دن اسرا رکھ لیں گے کوئی
مددگار نہ ہوگا۔ ۱۶۹ تا ۲۷۷

بُت پرستوں سے ہرگز مصالحت نہیں ہو سکتی

اور تم اس کی پرستش کرو گے جس کی میں پرستش
کرتا ہوں اور نہ میں ہرگز اس کی پرستش کروں گا،
جن کی تم پرستش کرتے ہو۔ تمہارا دین تمہارے
لیے اور میرا دین میرے لیے کافی ہے۔ ۵۲۳ تا ۵۲۵

بد نصیب تھکے ماندے !

غاشیہ قیامت کی خبر تم تک پہنچی ! اس دن
چہرے خوفزدہ ہوں گے جب بد اعمالیوں سے

انجیر و زیتون کے خواص

نواص پر اہلباء، دانشوروں اور ائمہ کے اقوال ۲۳۹ تا ۳۵۲

انفاق اور جہنم کی آگ سے دوری

جو لوگ متقی ہیں اور نیک اعمال انجام دیتے ہیں،
آگ سے بچے رہیں گے۔ ۳۰۵

انقطاع وحی کا فلسفہ

وحی میں تاخیر سے ثابت ہوا کہ آنحضرت دین
کے معاملہ میں احکامِ الہی کے قطعی تابع ہیں
اپنی طرف سے نہ کچھ کہتے ہیں نہ کرتے ہیں۔ ۳۲۰

اے صاحبِ نفسِ مطمئنہ !

اے نرسکونِ نفس ! اپنے پروردگار کی طرف پلٹ
جا جبکہ تو اس سے راضی اور وہ بھی تجھ سے خوش
ہے۔ میرے بندوں کی صف میں اور میری جنت
میں داخل ہو جا۔ ۲۳۶ تا ۲۳۸

اے غافلو کہاں جا رہے ہو !

راور راست چھوڑ کر کہاں جا رہے ہو، یہ قرآنِ عالمین
کے لیے نصیحت ہے اور جو چاہتے ہیں ان کیلئے نصیحت
ہے۔ تم نہیں چاہتے مگر وہ جو رب العالمین چاہے۔ ۵۸ تا ۵۹

وہ نہیں جانتا قبروں سے مُردے زندہ ہوں گے،
سینہ کے راز ظاہر ہو جائیں گے۔ اُن کا ربت
واقف کا رہے۔ ۴۲۲ تا ۴۳۰

تشدد و کربنوالے عذابِ الہی کے سامنے

مومن مردوں اور عورتوں پر ظلم کرنے والے دوزخ
میں جلیں گے۔ مومنین و صالحین کے لیے
جنتِ نعیم ہے۔ رب کی گرفت سخت ہے۔
پیدا کرتا ہے، پٹاتا ہے، بچھنے والا اور مومنین
پر مہربان ہے، صاحبِ عرش مجید ہے، جو
چاہتا ہے کرتا ہے۔ ۱۵۸ تا ۱۶۲

تقویٰ اور امدادِ الہی

رات کی قسم جب وہ مٹھانپ لے، دن کی
قسم جب وہ روشن ہو۔ قسم ہے اس کی جس
نے مذکور مومنٹ پیدا کیے۔ جو راہِ خدا میں انفاق
کرے اس کی جزا حسنیٰ اور جو جھٹلائے اس کے
لیے عذاب ہے۔ ۳۰۰ تا ۳۰۳

نکاح و تفریق کی مصیبت

مال و اولاد کی کثرت کے تفریق نے تمہیں مشغول
کر لیا یہاں تک کہ گور کنارے پہنچ گئے، تمہیں
عنقریب پتہ چل جائے گا۔ اگر آخرت پر یقین

تھک کر داخل جہنم ہوں گے، پینے کو کھولتا ہوا
پانی اور کھانے کو بدبودار ضریح کے سوا کچھ نہ
ملے گا۔ ۲۰۶ تا ۲۰۹

بہترین و بدترین مخلوق

جو اس جدید دن سے کافر ہو گئے وہ دوزخی ہیں،
اور جو ایمان لائے ان کی جزا بہشت ہے۔ اللہ
ان سے خوش اور وہ اللہ سے خوش ہیں۔ ۳۹۹ تا ۴۰۱

بہشت کے نوح پرور مناظر

چہرے شاداب اور اپنی سخی پر خوش ہوں گے،
بلند تختوں پر تکیے لگائے بیٹھے ہوں گے، چٹنے
جاری ہوں گے۔ قریب لبریز پیالے رکھے ہوں
گے۔ وہاں لغو و بیودہ بات نہ ہوگی۔ ۲۱۰ تا ۲۱۳

بے بصیرت رشتہ داری

جس رشتہ داری میں ایمان و عقیدہ کا رشتہ نہ ہو،
اس کی کوئی حیثیت نہیں۔ ۵۵۲

بیدار مجاہدین کی قسم!

دوڑتے گھوڑوں کی قسم جو اپنے سمنوں سے چنگاریاں
نکالتے اور صبح سے قبل دشمن کی صفوں میں در
آتے ہیں، انسان ناشکر اثال سے محبت رکھتا ہے۔

تہذیبِ نفس کے بغیر نجات ممکن نہیں

گیارہ یا سات قسمیں ہیں، بیشتر قسموں کو اپنے اندر سمویا ہوا ہے۔ پس زمین پر سورج کی حرارت سے زندگی اور اس کی رونق قائم ہے۔ ۲۸۳ تا ۲۸۷

تیرا رب ظالموں کی گھات میں ہے

اللہ نے قوم عاد اور ارم شہر کے ساتھ جو بے مثل تھے، قوم نوح جو رنگ تراش کر مکان بناتے اور قوم فرعون کے ساتھ کیا کیا! مفسد اقوام پر عذاب کیا۔ بے شک تیرا رب تو گھات میں ہے۔ ۲۳۰ تا ۲۳۶

جادو کی تاثیر اور حاسدوں کا شر

جادو کی تاثیر کا قبولِ اجمالی، اس سے پناہ مانگنے کا مطلب کیا ہے۔ حد ایک شیطانی عادت اور گناہانِ کبیرہ کا سرچشمہ ہے۔ ۵۸۰، ۵۷۹

جاودانی دین

اہل کتاب نے اختلاف نہیں کیا، مگر واضح دلائل اور سچے پیغمبر کی دعوت کے بعد۔ ۳۹۷ تا ۳۹۳

جب اللہ کی مدد اور کامیابی آن پہنچے

تو دیکھو گا کہ لوگ جو حق درج حق اللہ کے دین میں داخل

ہوتا تو بے جا فخر نہ کرتے، جہنم کو دیکھو گے، نعمات کا سوال ہوگا۔ ۲۴۶ تا ۲۵۲

تمہاری صبح کی سپیدی کی قسم!

صبح، دس راتوں، زوج و فرد کی قسم، رات کی قسم جب وہ صبح کی طرف چلتی ہے، تیرا رب ظالموں کی گھات میں ہے۔ جو کچھ کہا گیا ہے اس میں صاحبانِ عقل کے لیے ایک اہم قسم ہے۔ ۲۲۲ تا ۲۲۹

تم ہمیشہ دگرگوں ہوتے رہتے ہو

شفق، رات اور بدرِ کامل کی قسم، تم حالتیں بدلتے رہتے ہو، کیوں ایمان نہیں لاتے، سجدہ نرا کیوں نہیں کرتے؟ آیات کو جھٹلاتے ہیں۔ اللہ جانتا ہے۔ انہیں عذاب کی اور زمین کو اجر کی بشارت

دے دو۔ ۱۳۶ تا ۱۴۳

تو کیا جانے سچین کیا ہے!

جہنم کی پست ترین وادی، زندان، قید خانہ، مختلف تشریحات! ۹۳ تا ۹۷

تہذیبِ نفس — ایک اخلاقی وظیفہ!

فلاح و درست گاری تزکیہ نفس میں ہے۔ تزکیہ کو ترک کرنا بدعتی ہے۔ ۲۹۲، ۲۹۳

جنت کی شراہیں

۱۱۴

رحیق و مخموم، کوثر و تسنیم

جو نامہ عملِ نِشت سے حاصل کریں گے

نامہ عملِ پسِ نِشت سے دیا جائے گا تو چنے گا
وائے ہو مجھ پر میں ہاں ہو گیا۔ جہنم میں جلیے گا،
وہ گھر میں خوش تھا، پلٹے گا گمان بھی نہ تھا، مگر

۱۲۲ تا ۱۲۵

اللہ واقفِ حال تھا۔

حُبِ دُنیا راسِ کلِ خطیّہ

خواہشات کے غلبہ کا سرچشمہ بھی حُبِ دُنیا

۲۰۱ تا ۲۰۳

ہی ہے، وغیرہ۔

حضرت سیدہ فاطمہؑ اور کوثر

اللہ تعالیٰ نے قریشِ مکہ کے اہلِ تہمت سے تم کرنے کے

بدلہ اپنے رسول کو فاطمہؑ کے ذریعے خیرِ کثیر عطا

۵۱۶، ۵۱۷

فرمائی۔

حفظِ ایمان میں استقامت

بہت سے افراد نے ایمان کی حفاظت میں جانیں

قربان کیں۔ اسیٰ زینِ فرعون کی قربانی، حبشہ کا واقعہ،

یا سر اور سب سے بڑھ کر امام حسینؑ کی قربانی۔ ۱۵۷

ہو رہے ہیں۔ اپنے رب کی تسبیح و استغفار کرو۔

۵۳۲ تا ۵۳۵

اللہ بخشے والا ہے۔

جس دن انسان اپنے اعمال کو دیکھے گا

زمین کا شدت سے لرزنا، اندر کے بیماری بوجھ

نکلانا، انسان کے گناہ سے کیا ہوا، سب خبریں

بیان کرنا۔ اللہ نے اسے وحی کی ہے۔ لوگ گروہوں

کی صورت میں قبروں سے نکلیں گے۔ پس چھوٹی

سے چھوٹی نیکی و بدی سامنے آجائے گی۔ ۲۰۹ تا ۲۱۵

جس دن جہان کا نظام زیر و زبر ہو جائیگا

جب آسمان پھٹ جائے گا، ستارے گر پڑیں گے،

سمندر باہم پیوستہ ہو جائیں گے، قبروں سے اُردے

نکل پڑیں گے، ہر شخص جان لے گا کہ کیا آگے

۶۱ تا ۶۴

بھیجا کیا پیچھے چھوڑا۔

جس دن دفترِ کائنات لپیٹ دیا جائے گا

جب سورج کو لپیٹا جائے گا، ستارے بے نور،

پہاڑ متحرک، دریا پرجوش ہو جائیں گے، قیمتی

مال بھلا دیا جائے گا، جیسا خود ویسا ہی ساتھی

ملے گا۔ زندہ درگور لڑکیوں سے پوچھا جائے گا کہ

۳۳ تا ۳۹

تمہیں کیوں قتل کیا گیا۔

ذو نواس کے بعد ابراہیم کا اقتدار حاصل کرنا، مگر
پر چڑھائی پھر تباہی و بربادی۔ ۲۸۵ تا ۲۸۹

دشوار گزار گھاٹی

وہ گھاٹی غلام آزاد کرنا، بھوکے کو کھانا کھلانا، یتیم و
خاک نشین مسکین کو بھی۔ نیز یہ بھی گھاٹی سے گزرنا
ہے کہ خود ایمان لاتے، دوسروں کو وصیت کرے،
اصحابِ یمن سے ہونہ کہ اصحابِ مشمہ سے
جن کے لیے جہنم کا عذاب ہے۔ ۲۶۶

دنیا رنج و تکلیف کا گھر ہے

اس جہان کی زندگی کی طبیعت کسی مرحلہ میں بھی
مشکلات، تکالیف اور رنج و مشقت سے خالی
نہیں۔ ۱۳۱

زبان کی حیرت انگیزیاں

زبان انسانی بدن کے بہت ہی حیرت انگیز
اعضاد میں سے ہے۔ ۲۶۴، ۲۶۵

سرکشوں کا ہلاکت خیز انجام

ثمود کا سرکش قدار بن یوسف / سالف جس نے
ناقہ صالح کو ہلاک کیا۔ پوری قوم کا معذب ہونا ۲۸۶، ۲۹۱

خدا تیرے اعمال کو دیکھتا ہے

انسان سرکشی کرتا ہے، خود کو بے نیاز جانتا ہے،
سب کی بازگشت اللہ کی طرف ہے۔ جو نماز
سے منع کرے کیادہ مستحق عذاب نہیں ہے؛ کیا
ممکن نہیں کہ یہ لوگوں کو تقویٰ کا حکم دے؛ کیا
نہیں جانتا کہ اللہ اس کے اعمال کو دیکھتا ہے؟ ۳۶۰ تا ۳۶۶

خدا نے فرعون و ثمود کے لشکروں کیساتھ کیا کیا!

فرعون و ثمود کے لشکروں کی داستانِ نبی؛ کافر
ہمیشہ حق کی تکذیب میں مصروف رہے۔ اللہ سب
کو گھیرے ہوئے ہے۔ لوح محفوظ میں یہ عظمت
قرآن سراسر سچ ہے۔ ۱۶۲ تا ۱۶۶

خدا کے عظیم کی تسبیح کر!

بلند مرتبہ رب کی تسبیح کر جس نے پیدا کیا، منتقم کیا،
ہدایت کی، جس نے چراگاہ کو آگایا، پھر اُسے
خشک و سیاہ کر دیا۔ ۱۸۶ تا ۱۹۱

خوش بختی کا چار نکاتی منصوبہ

ایمان، عملِ صالح، تواصی بہ حق و تواصی بر صبر ۳۶۲، ۳۶۵

داستانِ اصحابِ فیل

شبِ قدر میں مقدر ہونے والے امور!

ہر شخص کے لیے وہی کچھ مقدر کرتے ہیں جو اس کے لائق ہے۔
۳۸۴

شبِ قدر۔ نزولِ قرآن کی رات!

ہم نے قرآن کو شبِ قدر میں نازل کیا۔ ملائکہ اور روحِ امراہی کے ساتھ نزول کرتے ہیں۔ ۳۸۱ تا ۳۸۳

طبقاتی تفاوت

دو گروہ۔ اصحابِ مہمینہ (صالح مومنین)

۲۵۰ اصحابِ شمشہ (کفار و مجرمین)

مجاہدین کی جماعت جو جان و مال کی پروا کیے بغیر جہاد کرتے ہیں جبکہ دوسری طرف ناشکرانہ بغیل

انسان جو خود کھاتا ہے اور دوسروں کو روکتا ہے۔ ۴۲۰

عبادت میں خلوص نیت لازم ہے

تمام ادا میں قصدِ قربت ہونا لازم ہے ۴۰۴

علیٰ اور ان کے شیعہ خیر البریہ میں

اے علی! اس آیت سے مراد تم اور تمہارے شیعہ ہیں جو عرصہ محشر میں اس طرح حاضر ہوں گے کہ تم بھی اللہ سے راضی و خوش اور اللہ تم سے راضی و خوش ہوگا۔

(رسول پاک - راوی ابن عباس) ۴۰۱

سرکشی و بے نیازی کا احساس

مرفعالِ مشکبہ طبعوں سے سرکشی و بے نیازی دھند پاتی ہے۔ اس بے خبری و خیوسری سے اللہ کی پناہ۔ ۲۷۵

سورج کا عالمِ حیات میں نقش و اثر

زمین کے لیے روشنی و حرارت سورج سے مینا ہوتی ہے۔ تمام نعمات کی پیداوار اسی حرارت و روشنی کے زیرِ اثر ہے۔ ۲۸۲، ۲۸۵

سورۃ عادیات کی قسموں اور ہدف کے درمیان ربط

ایک ایسا گروہ ہے جو جہاد پر کمر بستہ ہے، دوسری بغیل جماعت مال کی محبت میں مبتلا ہے۔ ۴۲۰، ۴۲۱

شبِ قدر، کون سی رات!

شبِ قدر کے بارے میں مختلف اقوال آئیں

۳۸۵ آئیں، تیسویں شبِ ماہِ رمضان -

۳۸۶ شبِ قدر کو غنمی رکھنے کے اسباب

کیا گزشتہ امتوں میں بھی شبِ قدر تھی؟ انہیں

۳۸۷، ۳۸۸ یہ نعمت نہیں ملی۔

۳۸۷ شبِ قدر ہزار ماہ سے کس طرح بہتر ہے

قرآن پاک شبِ قدر میں کیوں نازل ہوا؟ کیا

۳۸۸ مختلف علاقوں میں ایک ہی شبِ قدر ہوتی ہے؟

اور سطح زمینی پر غور کرو، نصیحت کرو، توبہ جو کرنے پر مامور نہیں۔ کافر پر اللہ کا غضب، سب کی بازگشت ہماری طرف سب کا حساب ہمارے پاس ہے۔

۲۲۱، ۲۱۵

قرآنی قسموں کا نتائج سے ربط

سعادت کی راہ طے کرنے کے لیے بیدار و جہاد ان عطایہ ہیں، پھر اپنے نفس کا تزکیہ کیوں نہیں کرتے؛ شیطان کے ہکا دے میں کیوں آتے ہو؟

۲۸۴

قوم ثمود کی سرگزشت کا خلاصہ

مدینہ و شام کے درمیانی علاقہ وادی القرئی میں رہنے والی بت پرست آسودہ حال قوم کی سرگزشت۔

۲۹۲، ۲۹۱

کمال مطلق کی طرف رنج امیز سعی و کوشش

آسمان پھٹ جائے گا، زمین میں وسعت پیدا ہوگی، ہر شے کو اگل کر خالی ہو جائے گی۔ انسان رنج و تکلیف کے ساتھ اپنے رب کی طرف جائے گا۔ دائیں ہاتھ والوں کے عمل کا حساب آسان ہوگا، خوشحالی سے انہوں میں واپسی ہوگی۔

۱۲۴، ۱۲۰

کم تو لانا فساد فی الارض

علتیں ابرار کے انتظار میں ہے

نیکیوں کا ہر اعمال علتیں میں ہے، کبھی ہوتی قطعی سر نوشت ہے۔ مقررین شاہد ہیں، چہروں پر نشاط، خوبصورت تخت، جنت کی شرا ہیں، رغبت رکھنے والوں کو مسابقت ہونا چاہیے۔

۱۰۶ تا ۱۱۲

غور و فکر بڑے گناہوں کی بنیاد ہیں

انہی صفات ردیہ کے باعث دوسروں کی تحقیر کی جاتی ہے۔

۲۷۶

غیبت و عیب جوئی کرنے والوں پر وارثے

عیب جو اور تفسیر کرنے والے پر وارثے۔ مال جمع کرتا رہا اور گنتا رہا۔ عنقریب جہنم میں پھینک دیا جائے گا۔

۲۶۸ تا ۲۷۵

فتح مکہ۔ اسلام کی عظیم فتح!

فتح مکہ تین مراحل میں انجام پائی۔ قوت و اطلاعات کا جمع کرنا۔ فتح کو ماہرانہ طور پر نقصانات کے بغیر مکمل کرنا۔ آثار و نتائج کا مرحلہ۔

۵۳۵ تا ۵۴۱

قدرت خدا کی نشانیاں

اُونٹ کی خلقت، آسمانوں کی بلندی، پہاڑوں کی تنصیب

دلوں پر زنگ کی مانند ہیں۔ یہ جہنم میں جائیں گے۔ یہ وہی ہے جس کا تم انکار کرتے تھے! ۱۰۲ تا ۹۸

گناہ دل کا زنگ کیوں ہیں؟

گناہ اعضاء و جوارح سے سرزد ہوتے ہیں مگر دل کو متاثر کرتے ہیں۔ اسے غلیظ و متعفن کیچڑ میں بدل دیتے ہیں۔ ۱۰۲ تا ۱۰۴

لڑکیوں کو زندہ درگور کرنا

عربوں میں لڑکیوں کے پیدا ہونے کے ساتھ دفن کرنے اور مرنے والے کے اسقاطِ حمل کا احوال ۴۰، ۳۹

لوگوں کے پروردگار کی پناہ مانگتا ہوں

لوگوں کے رب، مالک اور اللہ کی پناہ مانگتا ہوں دوسرے ڈالنے والے خناس کے شر سے جو سینوں میں دوسرے ڈالتا ہے۔ جنوں اور انسانوں میں دوسرے ڈالنے والوں کے شر سے مجھے محفوظ فرما۔ ۵۸۸ تا ۵۸۶

مال جمع کرنے کی حرص

مال کو حلال و حرام کی تمیز کے بغیر جمع کرنے کی مذمت۔ ۴۸۰، ۴۷۷

مصائب و آلام اور پیغمبری

اللہ نے آسمان کو بلند کیا، ہر چیز میں میزان و حساب رکھا کہ تم وزن و حساب میں سرکشی سے کام نہ لو۔ ۹۲ تا ۹۰

کم تو لےنے والے پر واٹے ہے!

اپنا حق تو فوراً وصول کرتے ہیں، فروخت میں کم دیتے اور نفع بڑھاتے ہیں، انہیں قیامت کا یقین نہیں، پس وہ قابلِ نفرین ہیں۔ ۸۶ تا ۹۰

کیا انسان طبعاً ناشکر ہے؟

انسان میں دونوں صفات پائی جاتی ہیں۔ کچھ لوگ شکر گزار و مطیع، کچھ بنخیل و نافرمان۔ ۴۳۱، ۴۳۲

کیا بت پرست خدا کے مُنکر تھے؟

بت پرست اللہ کو خالق مانتے تھے۔ بتوں کو بطور وسیلہ پوجتے تھے۔ ۵۲۵

کیا نظامِ شمسی ختم ہو جائے گا؟

ماہرینِ فلکیات کے اقوال اور تشریحِ آیاتِ قرآنِ پاک۔ ۴۴۲، ۴۵

گناہ دل کا زنگ ہے

قیامت کے منظرِ تجاؤز کرنے والے ہیں۔ ان کے اعمال

میزان اعمال کی سنگینی کے اسباب

ثواب کے اعتبار سے اعمال صالح مختلف ہوتے

ہیں۔ بعض ایمان عمل کو بہت زیادہ وزن عطا

کرتے ہیں جیسے لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ کا ورد۔ ۴۴۰ تا ۴۴۲

میں دشمنوں کے منصوبے خاک

میں ملا دیتا ہوں

برسنے والے آسمان اور شگافہ زمین کی قسم! یہ

ایک سچی بات ہے۔ وہ مکر کرتے ہیں، میں

چارہ جوئی کرتا ہوں، انہیں تھوڑی سی ٹہلت

۱۸۲ تا ۱۸۸

Presented by: https://jafrilibrary.com/

میں سپیدہ سحر کے رب کی پناہ
مانگتا ہوں

صبح کے رب کی پناہ مانگتا ہوں۔ جو کچھ پیدا کیا،

اس کے شر سے، جادو کے شر سے اور حسد کے شر

سے اپنے خالق کی پناہ مانگتا ہوں۔ ۴۸۷ تا ۴۹۰

نجات کی صرف ایک راہ!

والعصر کی مختلف تعبیریں! بعض نے وقت عصر

مراد لیا۔ یقیناً تمام انسان خسارے میں ہیں۔

طاقت و قدرت گھٹی چلی جاتی ہے مگر وہ لوگ جو

یقینی نے یقیوں کا احساس پیدا کیا۔ آنحضرتؐ

نے ہمیشہ یقیوں پر شفقت فرمائی۔ لوگوں کو

توجہ دلائی۔

۳۲۸ تا ۳۳۰

معاد کے انکار کے اثرات

اس شخص کو دیکھا جو معاد کا انکار کرتا ہے، یتیم کو

دیکھے دیتا ہے، مسکین و نادار کو کھانا کھلانے کا

شوق نہیں ملتا۔ ان نماز گزاروں پر وائے جو

اپنی نلاد کو بھول جاتے ہیں، معمولی کم قیمت چیز

کبھی کو مانگنے پر بھی نہیں دیتے۔ ۵۰۴ تا ۵۰۷

مؤمنین انسانوں کو جلائے والی بھٹیوں
کے سامنے

بُرجوں والے آسمان، یوم موعود اور شاہد و مشہود کی

قسم! ہر مری اور معذب ہوں تشدد کرنے والے

جو بھٹیوں کے قریب بیٹھے ہوئے مؤمنین کے انجام

کو دیکھ رہے تھے۔ یہ اللہ پر ایمان کیوں لاتے؟

اللہ زمین و آسمان کا حاکم و گواہ ہے۔ ۱۴۷ تا ۱۵۴

مؤمنین پر استہزاء کرنے کا حربہ

اہل باطل ہمیشہ اہل حق کو استہزاء کے حملوں سے

دبالتے ہیں، مگر اہل حق کے دلوں میں روج

مقاومت پیدا ہوتی ہے۔

۱۲۰ تا ۱۲۱

وہ دستور العمل جو تمام آسمانی کتابوں میں آیا

تذکرہ نفس کرنے والا کامیاب، خالق کے نام کا ورد
کرے، غار پڑھے۔ تم دنیا کی زندگی پسند کرتے ہو؟
حالانکہ آخرت زیادہ بہتر ہے۔ یہ احکام کتب
ابراہیم و موسیٰ میں بھی آپکے۔
۲۰۱ تا ۱۹۸

ہم تجھے ہر اچھے کام کے لیے آمادہ کرینگے

ہر پڑھائیں گے جسے تم نہیں جھوگے، مگر جو اللہ
چاہے۔ وہ ظاہر و باطن کو جاننا ہے۔ تمہیں ہر
اچھے کام پر آمادہ کریں گے سمجھنا مفید ہو تو
سمجھاؤ، خاشعین کا ذکر ہو گا، بدخمت دوسرا اختیار
کرے گا اور بڑی آگ میں ہمیشہ زندگی برکت
کے درمیان رہے گا۔
۲۰۸ تا ۲۰۶

ہم خدا کی پناہ کیوں مانگتے ہیں

انسان کے ہر لمحہ انحراف کا امکان ہے۔ اللہ تو
اپنے پیغمبر کو بھی دسواں مناس کے شر سے
پناہ مانگنے کو کہتا ہے۔ بشر تنہا نہیں ہے۔ فرشتے
بھی انسان کی مدد کرتے ہیں۔
۵۸۸

ہم نے انسان کو بہترین صورت میں پیدا کیا

ایک دوسرے کو حق بات اور صبر و استقامت
کی وصیت کرتے ہیں۔
۲۵۸ تا ۲۶۲

نعمتِ خداوندی کا شکر ادا کرو!

پناہ دی، رہنمائی کی، سبے نیاز کر دیا۔ اب یتیم اور
سائل کو مت جھڑکو، نعمت کا شکر ادا کرو۔
۳۲۷ تا ۳۲۴

نعمت ملنے پر مغرور اور سلبِ نعمت پر مایوس نہ ہوا کرو!

نعمت ملی تو مغرور ہو کر کہا کہ اللہ نے اکرام کیا۔
سلبِ نعمت پر مایوس ہو کر کہا کہ مجھے مایوس
کیا۔ ایسا نہیں ہے۔ تم یتیموں کا اکرام نہیں
کرتے، فقر و مساکین کی پرورش پر توجہ نہیں
دیتے، ناجائز میراث کھا جاتے ہو، مال و دولت
کو دوست رکھتے ہو۔
۲۳۷ تا ۲۴۱

نعمتوں کو بیان کرو

اللہ کی نعمتوں کو بیان کرنے سے انسان اپنے
پاس سے کسی چیز کے کم ہونے کا احساس نہیں کرتا
۳۳۰ تا ۳۳۱
وہ آثار جو انسان کے بعد باقی رہ جائینگے

عزت یا دوسری چیز جس سے انسان استفادہ کریں
نیک بیٹا جو اعمالِ دعا و مغفرت بجالائے۔ اچھی
یا بُری سنت جو قائم کر جائے۔
۶۶۰ تا ۶۶۱

حجاز

مدینہ و شام کے درمیان قوم ثمود کا مسکن ۲۷۰

حجون

مکہ کے قریب بلند مقام جہاں حضرت خدیجہ الکبریٰ کی قبر ہے۔ ۵۳۹

دمشق

مشہور شہر ازیون (مکہ شام) کی قسم! ۳۴۷

ذی طوی

بلند مقام جہاں سے مکہ کے مکانات صاف نظر آتے تھے۔ ۵۳۹

ذی المجاز

عرفات کے نزدیک مکہ سے تھوڑی دُور ایک مقام جہاں آنحضرتؐ تبلیغ فرما رہے تھے۔ ۵۴۷

رُوم

ایک قدیم سلطنت کا نام۔ موجودہ اٹلی کا ایک شہر۔ ۳۵۰
عیسائیوں کی ایک طاقتور سلطنت کا صدر مقام ۳۸۶

سد مأرب

یمن کا ایک عظیم بند ۴۹۲

انجیروزیوں کی قسم! طور سینا کی قسم! ہم نے انسان کو بہترین شکل اور نظام میں پیدا فرمایا۔ ۳۵۲ تا ۳۴۸

ہم نے تجھے انواع و اقسام کی نعمات دیں

سینہ کشادہ کیا۔ سخت بوجھ کو کم کیا، ذکر کو بلند کیا۔ ہر سختی کے بعد آسانی ہے۔ پس اپنے رب کی جانب رغبت کر۔ ۳۴۶ تا ۳۴۳

یقین اور اس کے مراحل

یقین شک کی ضد۔ ایمان کے اعلیٰ مرحلہ کو یقین کہتے ہیں۔ ۳۵۲ تا ۳۵۲

مقامات

بالیس

جنگ ذات السلاسل کے لیے مخالفین یہاں مشورہ کے لیے جمع ہوئے۔ ۳۲۲

بیت المقدس

مشہور ترین مقام (قبلۂ اَدل) ۳۴۷

حبشہ

قیصر روم کے ماتحت عیسائی ریاست۔ نجاشی حکمران تھا۔ قیصر کے حکم سے یمن پر حملہ کر کے ذولواس اور یہودیوں کو تباہ کر دیا۔ ۳۸۶ تا ۳۴۸

شام

اصحابِ اخدود کے آیتنا حوس نے مومنین کو
آگ میں جلوا دیا۔

۱۵۶

ایک شاداب صوبہ جس کے قریب ثمود کا مسکن تھا ۲۷۰
سرزمینِ شام کی قسم! ۲۳۷

فارس

مبوسی اصحابِ اخدود کے بادشاہ نے بہن سے
نکاح کو جائز کرنا چاہا۔ مخالفت کرنے والے مومنین
کو آگ میں جلوا دیا۔ ۱۵۶

کوفہ

ایک بہت پرانا شہر

۲۳۹

مدینہ

مشہور شہر۔ قبل از ہجرت آنحضرتؐ کی دعوت کی
شہرت مدینہ پہنچ چکی تھی۔

مرالظہران

مکہ کے قریب وہ میدان جہاں فتح مکہ کے دن
لشکرِ اسلام نے پڑاؤ ڈالا تھا۔ ۵۳۷

مکہ

قسم ہے اس شہرِ مکہ کی جہاں آپؐ رہتے ہیں ۲۵۲
اس بلدا میں کی قسم! ۲۴۸

نجران

ایک عیسائی ریاست جس کے امراء ذوالفاس کے
ظلم کا نشانہ بنے۔ ایک آدمی قیصرِ روم کے پاس
فریاد لے کر گیا۔ ۱۵۵

سلطنت میں کے قریب عیسائی ریاست ۲۸۵

نجف

کوفہ کے نزدیک ایک شہر مشہور جناب امیر المومنینؑ ۲۳۹

وادی القریٰ

قومِ ثمود کا مسکن، مدینہ اور شام کے درمیان ۲۳۲

یمن

ایک قدیم سلطنت، ایک قدیم ملک ۱۵۳
ابرهہ کی حکومت کا صدر مقام ۲۸۲

یونان

ایک ملک کا نام ۲۵۰

کتاب مصباح القرآن ٹرسٹ لاہور

- 1- تفسیر نمبر (15 جلدیں) فی جلد -/400 روپے
- 2- تفسیر نمونہ (10 جلدیں) -/4500 روپے مکمل سیٹ
- 3- تفسیر پیام قرآن (7 تا 1 جلدیں) -/2100 روپے مکمل سیٹ
- 4- تفسیر موضوعی (12 جلدیں) -/3500 روپے مکمل سیٹ
- 5- تفسیر فصل الخطاب (تین جلدیں) 20 x 30/8 -/1500 روپے مکمل سیٹ
- 6- تفسیر فصل الخطاب (تین جلدیں) 20 x 30/8 گفٹ پیک -/1800 روپے مکمل سیٹ
- 7- تفسیر فصل الخطاب (تین جلدیں پانچ رنگ میں) 23 x 36/16 -/1000 روپے مکمل سیٹ
- 8- تفسیر فصل الخطاب (تین جلدیں پانچ رنگ میں) 23 x 36/16 گفٹ پیک -/1200 روپے مکمل سیٹ
- 9- میزان الحکمت (8 تا 1 جلدیں) 20 x 30/8 -/4000 روپے مکمل سیٹ
- 10- میزان الحکمت (8 تا 1 جلدیں) 23 x 36/16 -/2500 روپے مکمل سیٹ
- 11- اسوۃ الرسول (تین جلدیں دو کالر) -/1500 روپے مکمل سیٹ
- 12- اسوۃ الرسول (تین جلدیں دو کالر) گفٹ پیک -/1800 روپے مکمل سیٹ
- 13- احسن المقال (دو جلدیں) ۲- انتخاب تاریخ طبری - ۳- تذکرۃ الاطہار - ۴- ہمارے آئمہ (پانچ جلدیں مکمل سیٹ پانچ رنگ میں) -/2000 روپے مکمل سیٹ
- 14- سیرت امیر المومنین، نبی البلاغ، صحیفہ کاملہ (ترجمہ مفتی جعفر حسین) مکمل سیٹ (پانچ رنگ میں)
- 15- قرآن پاک ترجمہ شیخ محسن علی نجفی 20 x 30/8 (تین مختلف اقسام میں)
- 16- قرآن پاک ترجمہ مولانا سید فرمان علی 23 x 36/8 (تین مختلف اقسام میں)
- 17- سپارہ سیٹ ترجمہ مولانا سید فرمان علی
- 18- آخری نجات دہندہ (تین جلدیں پانچ کالر میں) -/1000 روپے مکمل سیٹ

زیر طبع کتب مصباح القرآن ٹرسٹ لاہور

- 1- تفسیر نمونہ (15 جلدیں) نئی کمپوزنگ
- 2- تفسیر نور (10 جلدیں)
- 3- تفسیر فیضان الرحمن (10 جلدیں)
- 4- تفسیر عمدۃ البیان (تین جلدیں)
- 5- میزان الحکمت (14 جلدیں) نیا ایڈیشن
- 6- تفسیر آیت الکرسی
- 7- معاد (تین جلدیں)
- 8- کودک (بچپن میں اولاد کی تربیت کیسے ہو؟) (2 جلدیں)
- 9- نوجوان (جوانوں کی تربیت کیسے ہو؟) (2 جلدیں)
- 10- صحیفہ مہدی (2 جلدیں) [Presented by: https://jafrilibrary.com](https://jafrilibrary.com)
- 11- تاریخ اسلام
- 12- علم الاخلاق (3 جلدیں)
- 13- مفاتیح الجنان (ترجمہ سید رضی جعفر نقوی)
- 14- مفاتیح الجنان (ترجمہ سید شہنشاہ حسین نقوی)
- 15- سیرت امیر المومنین (8 جلدیں)
- 16- معان علم (3 جلدیں)
- 17- معراج خطابت
- 18- اقوال امیر المومنین
- 19- قصص القرآن
- 20- 110 سوال و جواب
- 21- دعا اور توبہ
- 22- غرر الحکم (دو جلدیں)

معروف کتب پر مبنی کمپیوٹر ڈی وی ڈی



بشیر سید وصی حسنین رضائی

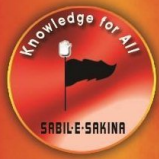


کتابوں کی لسٹ ڈی وی ڈی کور کی پشت پر ملاحظہ فرمائیں۔

خصوصی تعاون: حجت الاسلام سید نور بہار رضا نقوی (فاضل مشہد ایران)

سگ در بتول: سید علی قنبر زیدی . سید علی حیدر زیدی

التماس سورہ فاتحہ برائے ایصال ثواب سید وصی حیدر رضا زیدی ابن سید حسین احمد زیدی (مرحوم)



۷۸۶
۹۲۱۱۰
یا صاحب الزماں اور کئی

DVD
version

لبیک یا حسینؑ

Presented by: <https://janilibrary.com/>

نذر عباس
خصوصی تعاون: رضوان رضوی

اسلامی کتب (اردو) DVD

ڈیجیٹل اسلامی لائبریری -

SABIL-E-SAKINA

Unit#8,

Latifabad Hyderabad

Sindh, Pakistan.

www.sabeelesakina.page.tl

sabeelesakina@gmail.com

NOT FOR COMMERCIAL